محسوس کریں تو بجائے تعزیت نامہ پر وقت صرف کرنے کے وہی ایک اپنی جگہ قرآن پاک جسقدر بھی آسانی سے پڑھ سکیں، مرحومہ کو بخش دیں۔
غم، جیسی غم، ہیں عمر آفریں نے بلا کی لذت رکھ دی ہے! اور قلب کی قساوت کا تو اس سے بڑھکر کوئی علاج ہی نہیں۔ کاش اسی کے اثرات میں پائداری ہوتی! —— عجب شان حکمت ہے، اور جمال مع کمال، کہ نعمت دیتے ہیں تو ہنسا کر، واپس لیتے ہیں رُلا کر! جسم کی لذت اُس میں، روح کی لذت اِس میں!

نیاز اپنے آئینہ میں

نیاز فتحپوری نگار کے اپریل نمبر میں اپنی تصویر درج کرکے، اُسکے نیچے بجائے اپنے نام کے لکھتے ہیں:—

"کیے از دشمنانِ دین ایمان   یمین و ملحد و بوجہل دوران
سراپا کفر و اعداء فسق و عصیان   مسلمان کافر سے کافر مسلمان
نہ دینش ماندہ دارد نہ دنیا"

شاعری میں غیر مبالغہ تو ہو ہی جاتا ہے، لیکن اغراق و مبالغہ سے اگر قطع نظر کرلی جائے، تو کون کہہ سکتا ہے کہ نیاز کا قلم نثر کی طرح نظم میں بھی حقیقت نگاری پر قادر نہیں؟

صحیح تنبیہ

اکابر پرستی کے مرض پر اور صدق میں جو نوٹ نکلے، اور ایک خانگی مکتوب میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا، اسکے سلسلہ میں ناصحِ محترم، مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:—

"فقیر کے ساتھ جس حسن ظن کا اظہار کیا گیا ہے، خدا کرے وہ میرے لیے کم از کم فال نیک ہی بن جائے۔ چاہیے تو یہی کہ رجال کو حق سے بچایا جائے، لیکن لوگوں نے پیمبروں پر قیاس کرکے رجال سے حق کو بچانا شروع کیا ہے۔ میرے حلقۂ احباب کے بعض بزرگوں میں تو یہ رنگ اتنا گہرا ہوگیا ہے کہ شیخ اور نبی میں کم از کم عملاً انکے نزدیک کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ قرآن مجید میں ایک طبقہ اگر ان لوگوں کو ڈانٹا گیا ہے جو کسی چیز کے غلط ہونے کی دلیل صرف اس بات کو قرار دیتے تھے کہ وہ "اولین" کے اساطیر میں سے ہے، گویا زمانا جو ہم سے مقدم ہیں، انکی ہر بات غلط ہے، اور اس لیے غلط ہے کہ وہ ہم سے پہلے دنیا میں آئے۔ لیکن اسکے مقابلہ میں دوسرا طبقہ، کا تھا اور اب بھی ہے جو کسی بات کی صحت کے لیے اسی کو کافی قرار دیے ہوئے ہیں کہ گزشتہ نسلوں کا وہی طریقۂ عمل رہتا۔ گویا ہر وہ شخص جو ہم سے پہلے دنیا میں آیا، اُسکا پہلے پیدا ہو جانا اسکو اس امر کا مستحق بنا دیتا ہے کہ جو بات بھی اُسکے منہ سے نکلے صحیح ہے۔

اوجدنا علیہ آباءنا الاولین والوں کو اسی لیے میں "آبائیہ" کہتا ہوں، اور جن لوگوں کے نزدیک تغلیط کے لیے کسی چیز کا اساطیر اولین میں سے ہونا کافی ہے، یعنی پہلے زمانہ کی ہر بات، "انکو قدیم" ہے" روشن خیالوں کے اس گروہ کا نام میں نے [illegible] رکھا ہے۔ نہ آبائیہ ہوں نہ انکیہ۔ حق کے حق ہونے یا باطل کے باطل کے لیے آخر یہ کیا دلیل ہے کہ یہ اُنکا قول ہے جو ہم سے پہلے دنیا میں آئے تھے! چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ اسی مسلک قدیم پر قائم رکھے اور اسی پر میرے ادنیٰ سعی کا اختتام ہو۔"

یہی حق بینی، حق شناسی، حق جوئی اور حق گوئی اگر ہمارے علماء و مشائخ کی اکثریت میں ہوتی، تو آج ملت کی حالت ہی کچھ سے کچھ ہوتی، اور بجائے پراگندہ و منتشر ٹولیوں اور ٹکڑیوں کے ایک منظم، متحد، امتہ واحدہ دنیا کے سامنے موجود ہوتی! —— شخصیتوں کے ادب و احترام میں تفریط جس طرح محرومی کی دلیل ہے، افراط بھی اُسی طرح قاتل و تباہ کن ہے۔

یوم اقبال اور عرس اقبال

ذیل کا پیام یوم اقبال بمبئی کو [illegible] بھیجا گیا تھا:—

"اب ضرورت اسکی ہے کہ کلام اقبال و پیام اقبال کی روح کو تمامتر محفوظ رکھا جائے، اور یوم اقبال کو محض ایک تماشہ اور رسم [illegible] سے بچایا جائے۔ اور اقبال کی گرمی، روح اور اسلامیت کو گھر گھر پھیلایا جائے۔ اقبال یوم تمامتر اسلام و غیرت اسلام ہی کا پیام تھا"

لیکن اسی یوم اقبال کی روداد میں یہ بھی درج ہے:—

"دن بھر لڑکوں اور لڑکیوں کی کافی تعداد نے اقبال جھنڈا فروخت کیا، جس پر حضرت علامہ اقبال کی تصویر تھی" (خلافت۔ بمبئی)

اور یہ بھی:—

"۱۲ بجے شب جلسہ برخاست ہوا۔ صدر نے جلسہ برخاست کرنے سے قبل ارشاد فرمایا کہ کل ۱/۲ ۹ بجے جلسہ کا آغاز ہوگا۔ کل کا پروگرام نہایت دلچسپ ہے۔ یعنی قوالی ہوگی۔ جس میں زیادہ تر علامہ اقبال کا کلام پڑھا جائیگا۔ چونکہ کل کافی دیر تک جلسہ رہیگا، لہذا لوگ دن میں استراحت فرماکر آئیں۔"

گویا دن میں تصویر فروشی، اور شب میں قوالی ہے —— "جنت نگاہ" نہ سہی، "فردوس گوش" کی تیاری تو ہو ہی جائے! ——
اور اسکا نام وقت کے سب سے بڑے علمبردار توحید کی یادگار رہے! اناللہ [illegible] سچ کہا جس نے کہا ع

یاروں نے بت شکن کو بُت ہی بنا کے چھوڑا!

تصویر فروشی اور قوالی کی محفلوں کو اس اسلام سے کوئی دور کی بھی نسبت ہے، جسکی طرف اقبال سب کو بلاتے ہیں؟ —— "یوم اقبال" کا نام بدلکر اسے آئندہ صاف صاف "عرس اقبال" ہی کیوں نہ قرار دیدیا جائے؟

ریاض پر لائبل

ایک معزز و سنجیدہ ماہانہ رسالہ کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس:—

بعض کے ہاں شراب، جوانی کی شراب معلوم ہوتی ہے ....

مسئلہ کہ وہ فی الواقع شرب تھے یا نہیں، نفس مضمون سے علیحدہ ہے لیکن دونوں اقسام کی موجود ہیں۔ یعنی عینی شہادت پینے کی اور نہ پینے کی۔ بعض حضرات حلف اٹھانے کو تیار رہیں۔ اس سے مسئلہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے .... بہرحال وہ پیتے تھے یا نہیں، لیکن انکی خمریات نہایت مکمل ہے۔ اگر نہ پی کر ایسے مضامین باندھے ہیں تو یہ اُنکے کمال فن پر دال ہے۔

لیکن جب ایک مسلمان شاعر کی مے نوشی موضوع سخن سے بالکل خارج تھی (اور واقعی خارج تھی۔ اُردو میں خمریات "کو کسی شاعر کے ذاتی عمل سے کوئی بحث ہی نہ ہونا چاہیے") تو پھر معلوم نہیں ذکر ہی لانے کی کیا ضرورت تھی کہ بعض عینی شہادتیں بھی حضرت ریاض کی پینے پلانے کی موجود ہیں؟ —— کیا کسی شاعر اور ادیب کے کلام پر تبصرہ کرتے وقت یہ جائز ہے کہ ضمناً یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اُنکے نسب سے متعلق دو روایات ملتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ سیّد والد کی جائز اولاد تھے اور بعض اسکے برعکس! آیا مضمون نگار کے نزدیک میخواری کا انتساب کسی مسلمان کے لیے، نسلی بدنسبی سے کچھ کم توہین آمیز، کچھ کم اشتعال انگیز ہے؟ اور پھر اگر کلام سے شاعر کی میخواری پر استدلال کسی درجہ میں بھی صحیح مان لیا جائے، تو یہ بھی کیوں نہ کہا جائے کہ امیر مینائی جیسے متقی بزرگ، بازاری حسینوں میں مبتلا اور اول درجہ کے فاسق تھے؟ اور میر انیس جنہوں نے میدان جنگ کی شکل تک نہیں دیکھی تھی، مگر اپنے مرثیوں میں فن حرب و ضرب کے جزئیات کو خوب خوب باندھ گئے ہیں، اعلیٰ درجہ کے ماہر حربیات تھے؟

ریاض مرحوم کی وفات کو تو ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں۔ اُنکے سیکڑوں دیکھنے والے، جاننے والے اور شاگرد، عزیز، دوست موجود ہیں۔ عادۃً شرابی ہونا تو الگ رہا، وہ بیچارے تو کبھی اسکے قریب تک بھی نہیں گئے تھے۔

اکثریت کا ظلم

یوپی کے ایک مشہور شہر سے متعلق اخباری اطلاع شایع ہوئی ہے، کہ میونسپل بورڈ کے ایک ہندو ممبر نے، ہندو صدر کی صدارت میں، تجویز یہ پیش کر دی کہ آیندہ سے میونسپلٹی کے سارے دفتروں میں کاروبار ہندی زبان میں ہوا کرے! ایک مسلمان ممبر نے ترمیم پیش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چار ممبروں کی ایک سب کمیٹی بنا دی گئی۔ وہی فیصلہ کرے گی —— گویا سرِدست دفع الوقتی ہو گئی۔ یہ ہندی نواز مشہور شہر آپ سمجھے کون سا ہے؟ کاشی نہیں، متھرا نہیں، اجودھیا نہیں، خاص الخاص لکھنؤ ہے لکھنؤ! اُردو کا مشہور و قدیم گہوارہ اور ضرب المثل مرکز!

نالہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے!

دن ...... کے جھینے ہوئے کیا اس پر حیرت رہ گئی کہ مسلمان حیثیت قوم ...

ہندوؤں سے بدگمان اور اُنکی چلائی ہوئی تحریکوں سے علیحدہ ہیں!

گویوں کی سرپرستی

لکھنؤ۔ ۲۳۔ اپریل۔ کل شب میں میوزک یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ نواب صاحب رامپور کی صدارت میں بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ انعامات نواب صاحب نے اپنے ہاتھ سے فرمائے۔ اور اپنی تقریر صدارت میں فرمایا کہ میرا تو اس یونیورسٹی سے دوہرا تعلق ہے۔ ایک تو میں اس فن شریف کا خادم، دوسرے اس یونیورسٹی کے بانی، مشہور گوئیے بھاتکھنڈے میرے گھرانے کے ملازم تھے۔ آپ نے آگے ارشاد فرمایا کہ افسوس ہے کہ ہندوستان میں آرٹ اور میوزک کی پوری قدر نہیں۔ ورنہ آج اس قدیم فن لطیف کو ملک میں پورا درجہ حاصل ہوتا۔ (ہمدم)

ہز ہائینس مذہباً شیعہ ہیں، اُن کی خدمت میں صرف ایک سوال ہے۔ خلافت فاروقی کا ذکر نہیں، خلافت مرتضوی میں گویوں کا عروج عروج نہیں، صرف وجود ممکن تھا؟ علی مرتضیٰ ایک لمحہ کے لیے بھی اس فن شریف لطیف کے خادموں کا وجود برداشت کر سکتے تھے؟ ان میں سے کسی ایک کو زندہ چھوڑ سکتے تھے؟ بہرحال ان فن نوازیوں کے لیے تو دربار دمشق بدنام تھا۔ علیؓ کو اور حسنینؓ کو اور باقرؒ کو اور جعفرؒ کو ائمہ دین میں سے کسی کو طبلہ اور سارنگی سے کچھ بھی لگاؤ رہا تھا؟ اسلام پر نہ سہی، کم از کم اپنی شیعیت پر تو ہز ہائینس للہ رحم فرمائیں۔

اُردو کی ہمہ گیری

لندن۔ ۲۶۔ اپریل۔ ہندوستانی قیدیانِ جنگ جو کثرت سے اب دشمن ملکوں سے آزاد ہو کر برطانیہ میں پہنچے ہیں، اُنکے متعلق یہاں کے ڈاکٹر عجب چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ اکثر سپاہی بیمار ہیں، لیکن انگریزی جانتے نہیں، اس لیے ڈاکٹروں سے اپنی تکلیف بیان نہیں کر سکتے۔ اعلان کر دیا گیا ہے کہ انڈین آرمی کور کے پنشنر افسر یا اور جو کوئی شخص بھی اُردو سمجھ لیتا ہو، اور ترجمانی پر قادر ہو، وہ اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کر دے۔" (ریوٹر)

پھر وہی اُردو! ہندوستان کے ہر ہر صوبہ اور ہر ہر ذات کے سپاہیوں کی ترجمانی کے لیے جب تلاش ہوتی ہے تو نہ مرہٹی داں کی، نہ گجراتی داں کی، نہ بنگلہ داں کی، نہ تامل داں کی، نہ ہندی داں کی، بلکہ اُردو داں کی! —— کیا لندن میں احتیاجات کے لیے ہندی سبھا کی کوئی شاخ موجود نہیں؟

نیا سوانگ

حیدرآباد ریڈیو کی ایک سرکاری اطلاع ہے کہ اپریل کی فلاں تاریخ کو دوسری نشر میں اقبال کی یاد میں ایک خاص پروگرام نشر ہو گا، جس میں فلاں مشہور مغنیہ اور دوسرے آرٹسٹ اقبال کا کلام گائینگے، اور اقبال سے متعلق ایک نقل اور ایک منظوم ڈراما نشر ہونگے۔ جس قوم نے اپنے پیمبر تک کی مقدس محفل ذکر کو گویوں کا تختۂ مشق بنا ڈالا، اسکے لیے جائز اور بالکل جائز ہے کہ اقبال کی یاد کو

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۶)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س۔ جب انسانی اخلاق و عادات، زندگی و پارسائی، گناہ اور نیکی، نتیجہ ہوں ہماری تربیت اور بالخصوص بچپن کے ماحول کا، تو گناہ و ثواب کے ذمہ دار ہم کس حد تک ہو سکتے ہیں۔

ج۔ جس حد تک کہ ہمارے اعمال ہمارے قصد و اختیار کا نتیجہ ہیں۔ سوال میں یہ جو فرض کر لیا ہے کہ ہمارے اخلاق و عادات تمامتر نتیجہ ہوتے ہیں بالکل غیر اختیاری ماحول کا، یہی اصل مغالطہ ہے۔ اختیاری اعمال کو تمامتر غیر اختیاری موثرات کا نتیجہ سمجھ لینا ہی خلاف واقعہ ہے۔ ایک حد تک یقیناً وہ ابتدائی اور غیر اختیاری عوامل بھی موثر ہوتے ہیں، بس اُسی حد تک حشر میں کوئی سوال بھی نہ ہوگا۔ لیکن اسکے آگے عاقل و بالغ ہونے کے بعد جہاں سے اپنے قصد و اختیار کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ بس وہیں سے عذاب و ثواب بھی مرتب ہونے لگیگا۔

اگر کوئی شخص ایسا ہے جو ساری زندگی بھر اپنے قصد و اختیار کا کوئی تصرف ہو ا ہی نہیں، بلکہ مشین کی طرح بغیر اپنے ارادہ کے دخل و تصرف کے دوسروں ہی کا وہ کام کرتا رہا، تو ایسا شخص مجنون کے حکم میں داخل اور غیر مکلف سمجھا جائیگا۔

س۔ کسی طوائف زادی کا گندے ماحول میں آنکھیں کھولنا اور آگے چل کر اس غلط راہ پر نہ چل پڑنا کس حد تک اُسکے بس کی بات ہے۔ تو پھر معصیت رہ ہی اُسکی مشیت کے تابع نہیں۔ دیکھیئے بنگال کی ۵۴ ہزار عورتیں قحط اور فاقہ کی تاب نہ لا کر بیسوا بن جاتی ہیں اُن میں کتنی تو ایسی ہونگی جنکے سینے شریفانہ احساسات سے نورانی ہونگے۔ لیکن یہ کیا سے کیا ہو گئیں۔ اور کس کے حکم اور کس کی مشیت سے۔ بس! اللہ اللہ میرا تو سر چکر انے لگا۔

ج۔ دو سوال الگ الگ ہیں۔ انکے درمیان خلط ہو گیا ہے ایک کا تعلق افعال خلق سے ہے، دوسرے کا افعال خالق سے۔

ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ان بیچاریوں کو اتنے سخت ابتلا میں کیوں ڈالا گیا، تو ظاہر ہے کہ اسکا مفصل اور بقید جزئیات جواب کوئی بشر نہیں دے سکتا۔ خالق کے چھوٹے بڑے کسی بھی عمل کی حکمتوں کا احاطہ عقل بشری منفرداً کیا معنی، تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کی عقلیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں۔ اجمالاً صرف اس قدر معلوم ہے کہ حکیم مطلق کے ہر عمل میں بیشمار تکوینی مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ آخر اسی نوعیت کے بیشمار واقعات روزمرہ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ طوفان میں سیکڑوں ہزاروں نذر اجل ہوتے رہتے ہیں۔ زلزلہ سے آبادیوں کی آبادیاں صاف ہوتی رہتی ہیں۔ جنگ میں ہزاروں لاکھوں کٹتے رہتے ہیں۔ کتنے بیگناہ پھانسی پر لٹکائے جاتے ہیں۔ کتنے معصوم ننھے بچے یتیم ہو جاتے ہیں، کتنی نوجوان کمسن عورتیں بیوہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ غرض پوری کائنات ہر ساعت ان ایسے بیشمار واقعات کے منظر پیش کرتی رہتی ہیں۔ تفصیلی توجیہ ان میں سے کسی ایک جزئی واقعہ کی بھی نہایت درجہ محدود و مقید عقل بشری کے لیے ممکن ہی نہیں۔

البتہ دوسرا سوال افعال خلق سے متعلق ہے۔ یعنی بندوں کو اس حال میں کیا کرنا چاہیے۔ اور ان پر جب ایسا وقت آن پڑے، تو انہیں ان حالات کو برتنا کیسے چاہیے! اور یہی سوال کام کا ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ حالات کی مجبوریاں، اور ماحول کا اضطرار جس حد تک بڑھتا جائیگا، بندہ کی ذمہ داری [illegible] سے گھٹتی جائیگی۔ اور جس نسبت سے اپنے قصد و ارادہ و خواہش کا حصہ شامل ہوگا، اُسی قدر معصیت کی شدت بھی بڑھتی جائیگی۔ حرام دوا کے استعمال یا مردارخواری کی اجازت حالت اضطرار میں ہے، اسکے قبل نہیں۔ اور حدود مسدود رہتی تک ہے، اس سے زائد کے لیے نہیں۔ رہا یہ کہ ہر بندہ کے لیے حدود اضطرار کیا کیا ہیں، سو اسکا تعلق ہر بندہ کے ضمیر و دیانت سے ہے۔ باہر کا کوئی شخص عبد و خالق کے مابین ایسے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔

س۔ ایک مسلمان گورنمنٹ کے کسی عہدہ پر فائز ہے، اُسکو اللہ کے فضل سے قرآنی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور مجھ سے کہا کہ کوئی انگلش ترجمہ قرآن پاک کا دو۔ میں نے فوراً [illegible] کا کیا ہوا انگلش ترجمہ قرآن پاک کا جلد اول خرید کر دیدیا۔ باقی جلدوں کی بھی ان کو ضرورت ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ روزانہ [illegible] سکتے ہیں۔ موصوف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں جو نشانات ط، لا، م، ج وغیرہ آیتوں کے درمیان یا ختم پر آتی ہیں، ان میں کس نشان کا کیا مطلب اخذ کرنا چاہیے۔ جیسے انگلش میں کاما، فل اسٹاپ وغیرہ ہیں۔

ج۔ یہ علامتیں رموز اوقاف کہلاتی ہیں۔ انگریزی کی علامتوں کاما، فل اسٹاپ وغیرہ سے ملتی ہوئی۔ لیکن اُن سے زیادہ منضبط و مکمل، "ط" علامت وقف مطلق کی ہے، "م" وقف لازم کی، وقس علیٰ ہذا۔ انکی مفصل تشریح اکثر مصحفوں کے شروع میں درج ملیگی۔ مسلمانوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کے ساتھ جو شغف و اہتمام و اعتناء برتا ہے، وہ اپنی مثال بس آپ ہے۔

س۔ قبض و بسط کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ج۔ یہ تو عمر بھر جاری رہنے کی چیز ہے۔

س۔ بعض اوقات قبض کا ناقابل برداشت غلبہ ہوا کرتا ہے۔ میں ان حالات کی طرف عقلاً متوجہ نہیں ہوتا مگر غلبہ بار زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ بزرگوں کی خدمت میں بار بار تحریر کر دیتا ہوں۔

ج۔ ان شاء اللہ یہی بار بار کا ایک دن بیڑا پار کر دیگا۔

بالمعقول صاحب صاحب ترجمان القرآن "ان کمبختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل"۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی داعیٔ حق کسی جماعت کی اصلاح پذیری سے مایوس ہو جائے، اور اسے تجربہ سے یقین ہو جائے کہ اس جماعت کو سمجھانا بجھانا لاحاصل ہے تو اسکے لیے مناسب ہے کہ ایسی جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت میں کام کرے۔ مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کیونکہ ایسا عمل کرنے سے کیا فائدہ جسکا کوئی نتیجہ نہیں۔ پیغمبروں کو بھی اس طریقۂ دعوت کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انبیاء نے ایسوں کو راہ راست پر لانے کی انتہائی کوشش کی ہے، جن سے کوئی توقع نہ تھی لیکن اس سے بھی تو انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایسوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے اور پیغمبر عالم کو تو بیشمار مقامات پر ایسے لوگوں کے پیچھے وقت صرف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور نیز بعد کے حالات نے اسکی تصدیق بھی کر دی کہ احکام سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کے بارے میں جو رائے انھوں نے قائم کی تھی وہی ٹھیک نکلی یعنی جو لوگ انکی افہام و تفہیم میں لگے ہوئے تھے انکی ایک نہ سنی گئی۔ انھوں نے کہا تھا انھیں سمجھانے سے کوئی حاصل نہیں انپر تو عذاب الٰہی بھڑکنے کو ہے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ انکی دعوت و تذکیر بالکل بے اثر رہی اور عذاب الٰہی کی زد میں وہ آ گئے۔ ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ انکے عذاب سے محفوظ رہنے کی کوئی تصریح نہیں۔ ہاں ایسا ہے۔ لیکن قرائن سے صاف طور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ گروہ ناجی ہے معذب نہیں۔ ایک بہت ہی واضح قرینہ آیت "فلما عتوا عما نھوا عنہ قلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین" ہے۔ وہ اس طرح سے ہے کہ یہ آیت ماسبق آیت "فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون" کی شرح و تفسیر ہے یعنی اصل اصلاح کی دعوت دے کر پر دو قسط میں عذاب آیا۔ پہلی قسط میں جو عذاب آیا تھا وہ ہلکے درجہ کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قحط و فاقہ کا عذاب رہا ہو جیسا کہ باساء و ضراء میں قوموں اور جماعتوں کو مبتلا کرنے کا قانون ہے اور اسکا ذکر قرآن میں بیشمار مقامات میں ہوا ہے۔ لیکن جب اس سے انکی آنکھ نہ کھلی اور انکی مدہوشی و سرمستی اسی طرح قائم رہی تو عذاب کی دوسری قسط ان پر نازل ہوئی۔ اور دونوں عذاب کی زد میں احکام سبت کی بے حرمتی کرنے والے ہی تھے۔ اس پر دور و قریب کا کوئی قرینہ موجود نہیں کہ عذاب کی پہلی قسط کی زد میں معتدین فی السبت کے ساتھ افہام و تفہیم کو کار عبث سمجھنے والے بھی آ گئے۔ اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ مبتلائے عذاب ہونے کے جو وجوہ بتائے گئے ہیں، انکا انطباق کسی طرح بھی "لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا" کہنے والے گروہ کے حال پر نہیں ہو رہا ہے۔ عذاب میں آنے کی ایک علت یہ بتائی گئی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا دوسرے یہ کہ فسق انکے رگ و ریشہ میں رچ بس گیا تھا۔ ظاہر ہے ان دونوں برائیوں سے "لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا" کہنے والے کا دامن پاک معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ نیک تھے۔ نیکی اور بدی کا شعور رکھتے تھے۔ قوموں اور جماعتوں کے رفع و خفض کو قانون الٰہی کے تحت تصور کرتے تھے۔ نیز انکا یہ فقرہ "اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا" پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی عذاب رسیدہ جماعت ہے۔ اور اسے معتدین فی السبت کے احوال سے پوری واقفیت ہے۔ اور ظاہر ہے اس واقفیت کا دارومدار سنائی باتوں پر نہیں ہے۔ بلکہ خود اس نے عملی میدان میں گامزن ہو کر انھیں حدود اللہ کی بے حرمتی سے روکا ہے اور بار بار روکا ہے۔ اور پھر عاجز آ کر بیٹھ گئی ہے اور انھیں خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کسی مزمن مریض پر اپنے تجربات صرف کرے لیکن کوئی فائدہ نہ ہو اور مایوس ہو کر بیٹھ جائے ٹھیک اسی طرح اس گروہ نے انتہائی کوشش کر کے دیکھ لیا تھا کہ ان میں سدھرنے کی ذرا بھی صلاحیت باقی نہیں اور اس لیے کوشش بیکار ہے۔ نیز انکے اس فقرہ سے "اللہ مھلکھم او معذبھم" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلی طور پر مایوس تھے اور جس عذاب الٰہی کے بھڑکنے کا انھیں انتظار تھا انھوں نے اپنی حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھ لیا تھا کہ یہ بیمار جماعت شفا نہ پائے گی اور آج نہیں تو کل عذاب کی زد میں آ جائے گی۔ رہی یہ بات کہ حدود اللہ کی بے حرمتی ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا جرم ہے تو واقعہ ہے کہ منکر پر نکیر نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے اور تعاون علی الاثم کے ہم معنی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس لفظ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ انھوں نے حدود اللہ کی بے حرمتی کرنے والوں کے فعل پر نکیر نہیں کی اور مجرمانہ خاموشی اختیار کی یہ دعوے بالکل بے ثبوت ہے۔ "انجینا الذین ینھون عن السوء" میں دونوں گروہ داخل ہیں۔ فرق ان دونوں میں صرف یہ تھا کہ وہ لوگ جو سرکشوں کی اصلاح پر کوشش کر رہے تھے وہ اپنا فرض تذکیر ادا کر رہے تھے اور اسوقت تک انکی اصلاح سے کلی طور پر مایوس نہ تھے۔ چنانچہ "لعلھم یتقون" کے ٹکڑے سے امید کی جھلک صاف نظر آ رہی ہے اور جو لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ انھیں سمجھانے سے کیا حاصل وہ اپنا فرض تذکیر ادا کر چکے تھے۔ اور انکی اصلاح پذیری سے قطعی مایوس تھے اور انھیں نہ اب اپنا ایک لمحہ بھی ان پر صرف کرنا گوارا تھا۔ اور نہ یہی چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا ان پر تجربہ کرے، کیونکہ انھیں اس جماعت کے متعلق یقین تھا کہ اسکی نگاہوں پر دنیا کی مرغوبات اس درجہ چھا گئی ہیں کہ وہ ایسی باتیں سن ہی نہیں سکتے جو اسکی لذتوں پر اثر انداز ہو۔ چنانچہ نتیجہ وہی ہوا جس سے پہلے ہی انھوں نے انھیں مطلع کر دیا تھا۔ رہا یہ کہ تذکیر برائے تذکیر نتائج سے قطع نظر کر کے ہو سرگرم رہنا چاہیے۔ یہ صحیح نہیں۔ تبلیغ کے لیے حالات اور مخاطب کا لحاظ اور نیز نتائج پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ حالات کے تقاضا سے ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کو مخاطب کرنا بعض وقت ضروری ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ "لم تعظون قوما اللہ مھلکھم" کہنے والے

گروہ نے حدود اللہ کی بیحرمتی پر مجرمانہ خاموشی اختیار نہیں کی کہ عذاب کی زد میں نہ آتا۔ بلکہ انکا ایسا کرنا انکی اصلاحی مایوسی کی بنا پر تھا۔ آیت کا اسلوب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مایوسی یوں ہی نہ تھی بلکہ عملی تجربہ تھی۔ چنانچہ نتیجہ ہوا بھی ویسا ہی جیسا انہوں نے کہا تھا۔ تو پھر اس جماعت کا شمار ظالموں میں کیونکر ہو سکتا ہے اور عذاب کی زد میں وہ کیونکر آ سکتی ہے۔ رہ گئی سورۂ انفال کی آیت "واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا" (انفال ۲۵) تو خدا نے چاہا تو کسی قریب فرصت میں اس پر اہم مضمون لکھیں گے کہ اسکا مفہوم ٹھیک نہیں دیا جا رہا ہے۔ اس لیے یہاں استدلال صحیح نہیں۔ رہ گئی حدیث تو وہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس آیت کے تحت لانا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ایسے حالات کے لیے ہے جب سوسائٹی اس درجہ گر جائے کہ منکر پر لوگ مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیں اور منکر کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہ ہو۔ یہاں تو حدود اللہ کی بے حرمتی پر نکیر کرنے والی ایک جماعت کے موجود ہونے کا صاحب ترجمان القرآن کو بھی اعتراف ہے۔ پھر اس سے اس امر پر یہاں کیونکر استدلال ہو سکتا ہے؟

مراسلہ

المکرم و المحترم مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی زید مکرم

بعد سلام علیکم و آداب کے واضح رہے کہ کیا معجزات انبیاء و آل و اولاد و اہل انبیاء و ائمہ ہدیٰ سلف صالحین کو ماننا جزو ایمان ہے؟ ان تمام کے معجزات کو جھوٹا اور مداری کا کھیل ماننے والا اور یقین کہنے والا مسلمان رہ سکتا ہے؟ کیا ایسے خیالات رکھنے والا شخص تمسخر فی الدین نہیں کر رہا ہے؟ شرع اسلامی میں ایسے استہزاء کرنے والے کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔ بات یہ ہے کہ بندہ خلافت آفس میں ایک پرانا اخبار لینے کے لیے گیا۔ وہاں اڈیٹر صاحب نے دوران گفتگو میں کہا کہ آپ کی کتاب حالات امام حسینؑ میں نے پڑھی ہے۔ افسوس ہے کہ آپ نے تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے امام حسینؑ کے معجزات اور کرامات لکھے ہیں۔ یہ سب لغو ہیں مداری کے کھیل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا افسوس ہے کہ خلافت جیسے اسلامی ادارے میں یہ باتیں۔ کیا قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے معجزے نہیں بیان ہوئے ہیں؟ انہوں نے وہی جواب دیا کہ جو کسی نیچری یا ناواقف یا دہریہ کی زبان سے متوقع ہو سکتی ہے یعنی سراسر منکر معجزات انبیاء و صالحین ہیں۔ کیا ظلم ہے کہ جو اڈیٹر عربی اور علوم اسلامی کا نہیں ہے وہ اس اہم ترین مسئلہ پر اپنی رائے کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتا ہے۔ ذرا اس اخبار کا اڈیٹر ہے جسکے بانی صحیح العقیدہ مسلمان اور اسلام کی ہر شے پر فدا ہونے والے تھے (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ اڈیٹر کے ہمنوا ایک دو دن آدمی جو شاید دفتر ہی کا ہوگا اور فلاں ان تینوں نے بیجا طور پر مجھے قائل کرنا چاہا کہ معجزات و کرامات ڈھکوسلا ہیں (نعوذ باللہ) امید ہے کہ آپ اس اہم مسئلہ پر از قرآن و حدیث روشنی ڈال کر مجھے نیز تمام سچے پکے مسلمانوں کو ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ۔ والسلام

خاکسار محمد علی الحاج سالمین
(محبوب منزل – نورٹ بمبئی)

صدق – معجزات انبیاء یا آیات الٰہی کا وجود تو قرآن مجید کا ایک مسلم عقیدہ ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اہل سنت میں سے کوئی بھی اسکا منکر ہو۔ لہذا معلوم ہوا مراسلہ نگار کو کیا غلط فہمی ہو گئی۔ البتہ غیر نبی کے کرامات و خوارق عادت میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳)

ہنسی اور تماشہ اور راگ اور ناچ کا ایک سوانگ بنا ڈالے!—
اللہ کے بندو، اقبال کا نام لیتے ہو تو کچھ تو اُسکے پیام کا احترام سیکھو!

ایک سرگرم وکیل

ایک محترم بزرگ کا مکتوب:—

"مولانا عبیداللہ سندھی پر پروفیسر سرور کی جو کتاب شائع ہوئی تھی، اُس پر مولوی مسعود عالم صاحب ندوی نے، خدا انھیں جزائے خیر دے، معارف میں خوب لکھا۔ لیکن برہان کی طرح "گواہ چست" بن کر اس "مدعی سست" کی نصرت و تائید کی جو سعادت حاصل کر رہے ہیں امید ہے کہ وہ بھی آپ کی نظر سے مخفی نہ ہوگی۔ کیا صدق میں اس پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں؟"

ارادہ اگر ہوتا بھی، تو اس "گواہ چست" کے بلیغ فقرہ کے بعد کچھ لکھنا اب تحصیل حاصل سا ہو گیا ہے — ایسا جاندار و سرگرم وکیل ہر بزرگ کو نصیب بھی تو نہیں ہوتا۔—

دل روز حشر انکا طرفدار ہو گیا
بگڑا معاملہ مرا جھوٹے گواہ سے

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کر کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئک ھم المتقون	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے :-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

رشید آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے

ششماہی عہ

بیرون ہند سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۲	چہارشنبہ یکم جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

صدر روزویلٹ کل سہ پہر کو دفعتاً وفات پا گئے۔ صرف ایک مرتبہ یہ کہا کہ میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے، اور سنا بیہوش ہو گئے۔ نیگرو خدمتگار نے ہاتھوں ہاتھ دوسرے کمرے میں جا کر لٹا دیا۔ اور فوراً ڈاکٹروں کو بلایا۔ انھوں نے آ کر کہا کہ روح پہلے ہی مفارقت کر چکی ہے" (رویٹر)

خبر پچھلے مہینے آپ سب اخباروں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ امریکہ کا صدر کون شخص تھا؟ کہنا چاہیے کہ شاید دنیا کی سب سے بڑی شخصیت! چرچل، اسٹالن، ہٹلر سے گھٹ کر تو یقیناً نہیں، ممکن ہے کہ ان سے کچھ بڑی ہی ہو۔ اور پھر دنیا کو اس وقت اس کی ضرورت بھی کتنی زائد تھی۔ دوا علاج دنیا میں سب سے زیادہ جسکا ممکن تھا، وہ وہی تھا۔ طب جدید کی کوئی حکمت، کوئی صناعت اسکے علاج کے لیے اٹھا رہتی؟ برطانیہ، امریکہ، روس، فرانس کے بڑے سے بڑے نامور ڈاکٹر اسکی جان بچانے کو اپنی اپنی جانیں لڑا دیتے۔ —— جب وقت آ گیا، تو مہلت دو منٹ، ایک منٹ، چند سکنڈ کی بھی نہ ملی۔ اور قبل اسکے کہ دنیا کو بیماری کی اطلاع پہونچے، موت کی خبر لگ گئی، قبل اسکے کہ قریب ترین مقام سے ڈاکٹر پہونچیں، موت کا فرشتہ پہونچ گیا!

اور پھر عزم اور حوصلے کیا کیا تھے کیسے کیسے تھے؟ جنگ ختم ہونے پر ہے، اور میری ہی کوششوں سے ختم ہونے پر ہے۔ آیندہ سیاسیات کا نقشہ یہ ہوگا، ملکوں کے باہمی تعلقات یوں منظم کراؤنگا، روس اور برطانیہ اور فرانس اور اٹلی اور کناڈا اور آسٹریلیا اور چین اور امریکہ کے لیے فلاں فلاں قاعدہ قانون جاری کرونگا، کسی ایک ملک یا چند ملکوں کا نہیں، ساری دنیا کا نظام امن فلاں فلاں ضابطے کے ماتحت قائم کرونگا۔ سان فرانسسکو کانفرنس ہی اب دیر ہی کتنی ہے، صبح شام ہوا ہی چاہتی ہے، بس وہیں اپنی اسکیم شنلو کر کرا، دنیا کے مستقبل میں ایک نئے باب کا اضافہ کرونگا ——

یہ سب خیالات صدر روزویلٹ کے تھے یا نہیں؟ —— بچپن میں سنا ہوا، بادشاہ شداد کا وہ قصہ یاد کیجیے، کہ برسوں کی مدت اور بیشمار صرف زر کے بعد جب "جنت" بن کر تیار ہو گئی، اور بادشاہ اسے پہلی بار دیکھنے کے لیے چلا ہے، تو جنت کے عین پھاٹک پر شاہی گھوڑے سے اترتے وقت، پیر ابھی رکاب ہی پر تھا، کہ وقت موعود آ گیا! اور جنت ساز کو دید جنت کی حسرت لیے ہوے ہی دنیا سے سفر کر جانا پڑا! —— کیا فرق ہے اس پچھلے قصہ، اور اس بڑے واقعہ میں؟

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبرؒ نے یہ کتنی سچی بات کہہ ڈالی ہے! جو خدا قادر مطلق کل بھی تھا، وہ آج بھی ہے! بندے اسکے محتاج جس طرح کل تھے آج بھی ہیں! اسکی حکومت و فرماں روائی جس طرح کل شداد و نمرود و فرعون وغیرہ ان پر چل رہی تھی، آج بھی ہٹلر اور مسولینی، اور اسٹالن اور چرچل پر چل رہی ہے۔ بندوں کی ساری ترقیوں کے باوجود اسکی خدائی جوں کی توں قائم ہے! —— روزویلٹ اچھا تھا یا برا تھا،

ابتدا کرنا چاہی تھی، اسکے اب یہ ابھی کوئی بیان انہیں کے قلم سے ہوتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں مجلس خلافت کی ورکنگ کمیٹی کی طرف سے انگریزی میں جو بیان شایع ہوا تھا، وہ مولانا ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اُسے بآسانی لیا جا سکتا تھا۔

مولانا کی انگریزی تحریر کے شیدائیوں کو یہ مجموعہ ایک نعمت معلوم ہوگا۔ اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ افضل اقبال صاحب نہ جامعی ہیں نہ علیگ۔ اور نہ کبھی مولانا کی صحبت میں رہے۔ اس پر بھی دونوں کتابیں شایع کر کے وہ وہ کام کر گئے ہیں، جس پر ہر جامعی اور ہر علیگ کو رشک کرنا چاہیے۔

قیمت [illegible] کاغذ اور سامان طباعت کی وجہ سے گرانیوں کے لحاظ سے زائد نہ ہو، تاہم عام شائقین کی جیب کے لیے تو یقیناً ایک بار ثابت ہوگی۔ — کاش ہز ہائینس نواب صاحب رامپور یا ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال یا اور کوئی صاحب ہمت ہزار پانچ سو کتابیں خرید کر ملک کی تمام مشہور لائبریریوں میں پہونچا دیں!

(۲) اشتراکیت اور اسلام - از مولانا سید مسعود عالم ندوی ۸۰ صفحے - ۱۸×۲۲ تقطیع - قیمت ۸ر پتہ:- دار المصنفین اعظم گڑھ

اس موضوع پر اردو میں اب تک متعدد کتابیں آچکی ہیں، چھوٹی بھی اور بڑی بھی، اور اچھی بھی اور بری بھی۔ یہ رسالہ اُن سب سے زیادہ سلجھا ہوا ہے، اور مختصر ہونے کے باوجود کافی اور جامع اور مستند بھی۔ مصنف نے یہ گرہ شروع ہی میں کھول دی کہ اشتراکیت (سوشلزم) محض ایک معاشی نظریہ نہیں، ایک مستقل مذہب کا نام ہے۔ جسکے اپنے مخصوص عقائد ہیں۔ مخصوص اخلاق اور مخصوص تمدن کا نام ہے۔ پھر دونوں مذہبوں کی تعلیمات کا موازنہ کیا ہے، اور اشتراکیت کی فلسفیانہ اور معاشی بنیادوں پر تبصرہ۔

کتاب طرز عبارت دونوں کے لحاظ سے پوری ایک ندوی کی تصنیف ہے، اور انہیں خصوصیات کی حامل، جو ایک ندوی کے لیے طرۂ امتیاز ہیں۔ نکتہ چینی کی نگاہ کو کتاب بھر میں گنتی کے صرف دو لفظ کھٹکے۔ اور مصنف کی عام شستگی تحریر سے انکا پیوند نہ مل سکا۔ ایک "پرجا" دوسرے "سماج"۔ ہندی لفظوں کا استعمال بجائے خود بُرا نہیں، لیکن ابھی ان لفظوں کے استعمال میں اُس وقت تک تامل چاہیے، جب تک یہ الفاظ ثقات ادب کی زبان پر نہ آجائیں۔

(۳) لہو ترنگ - از میر سکندر علی صاحب وجد بی اے، ضخامت ۱۹۰ صفحے۔ قیمت قسم اول ۴ر قسم دوم ۳ر، پتہ، عبدالحق اکیڈمی حیدرآباد دکن

وجد صاحب حیدرآبادی جامعہ عثمانیہ کے بہترین فرزندوں میں سے ہیں۔ اور خود تو پرانے نہیں، لیکن انکی شاعری کی عمر خاصی پرانی ہو چکی ہے۔ کلام [illegible] برس سے دیکھنے میں آرہا ہے —— شاعری کی فطرت لیکر آئے ہیں۔

خود وجد ہیں، کلام وجد آفرین!

"لہو ترنگ" کا لفظ اقبال کے ایک شعر سے لیا گیا ہے۔ اور خود اقبال کا رنگ ہے کہ کتاب کے صفحہ صفحہ سے پھوٹا نکلتا ہے۔ [illegible] کلیات وجد ہے۔ یعنی ان کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ نظمیں [illegible] تک۔ اسکے بعد غزلیں۔ کل اشعار کا مجموعہ ایک ہزار کے [illegible]۔ نظمیں کوئی ۵۰-۵۵ کی تعداد میں ہونگی۔ عنوانات لسان العصر اکبر [illegible] سے لیکر اقبال اور محمد علی تک ہیں۔ اقبال والی نظم تو معمولی ہے البتہ شاعر کے جوہر محمد علی والی نظم میں کھلے ہیں۔ دو ایک بند ملاحظہ ہوں۔

نفرت ازلی تھی تجھے دینار و درم سے — جھیکی نہ کبھی آنکھ تری جاہ و حشم سے
سر جھک نہ سکا سطوت اسکندر و جم سے — بجلی تھی زباں آگ برستی تھی قلم سے
تحریر سے تھا رنگ عیاں قلب تپاں کا
تقریر میں تھا سوز مجاہد کی اذاں کا

یہ تیسرا بند تھا، اب پانچواں ملاحظہ ہو:-

کرتے ہی رہے پیش نیاز دل و اشعار — غازی ہوا سامان سفر باندھ کے تیار
اسباب تھا قرآن، دل ریش، وتن زار — مونس تھی ولائے خلف حیدر کرار
درپیش نیا معرکۂ کرب و بلا تھا
بے خوف اجل مرد خدا مست چلا تھا

غزلوں کی تعداد کوئی ۵۰ کے قریب ہوگی۔ اکثر چلتی ہوئی، شگفتہ بحروں اور مشہور اُستادوں کی زمین میں۔ غزلوں کا مرتبہ نظموں سے کمتر نہیں، کچھ بڑھا ہی ہوا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جوش و مستی کے سیلاب کو بار بار روک کر حدود و قیود کے اندر رکھتا جا رہا ہے۔

کہیں کہیں کسی لفظ یا ترکیب پر ممکن ہے کہ نکتہ چیں انگلی رکھ دے مثلاً ص ۴۲ پر "دوستانہ پیدا کرنا" یا مثلاً [illegible] پر "دل پروَم"۔ لیکن معصوم کونسا شاعر یا ادیب ہوا ہے! ہو سکتا ہے؟ شاعری کی داد کے لیے یہ کافی سے زاید ہے کہ وہ شاعر فطری ہے۔ وہ آورد نہیں، آمد کے بل پر چل رہا ہے اور اسکا دل و دماغ دونوں مسلمان ہیں، اور اسکی زبان اہل زبان کی سی زبان ہے۔

(۴) اسٹڈی ان اقبالس فلاسفی (انگریزی) از بشیر احمد صاحب ایم اے، ضخامت ۴۲۵ صفحے۔ مجلد۔ قیمت [illegible] پتہ: شیخ محمد اشرف، تاجر کتب انگریزی۔ کشمیری بازار - لاہور

اقبال پر کتابوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں اقبال کی شاعری یا مذہب پر نہیں، بلکہ فلسفہ پر ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اس میں اقبال کے خیالات و تعلیمات کو فلسفہ کی اصطلاحوں میں پیش کیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مذہب سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو اقبال کے کلام کے جوہر معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ اور یہ افادہ تو انگریزی خوانوں کے حق میں خاص طور پر مفید ہے۔

کتاب دیباچہ کے بعد چار بابوں میں تقسیم ہے۔ اور آخر میں تین ضمیمے ہیں۔ ایک سر [illegible] (اسمتھ [illegible]) نے حال میں اقبال پر بہت کچھ زہر اُگلا تھا۔ مصنف نے بہت اچھا کیا کہ [illegible]

(باقی [illegible])

روایات نزول مسیح

نمبر (۳)

(از مولوی عبد الرحیم خاں صاحب جیپوری، فرنگی محلی)

ان امور دوازدہ گانہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اب آیئے علامۂ مجیب محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے اصل مضمون پر توجہ کی جائے کہ کہاں تک اصل سوال اُس سے حل ہوتا ہے:۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ میرے مضمون میں نہ تو اس سے بحث تھی کہ ان مسائل کے متعلق حدیثیں ہیں یا نہیں اور نہ اس سے بحث تھی، کہ عقائد کی کتابوں میں بطور عقیدہ ان مسائل کا ذکر ہے یا نہیں۔ اصل سوال یہ تھا کہ (۱) کیا حیات و نزول مسیح علیہ السلام والے مسائل "قطعیات" میں سے ہیں جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور (۲) کیا خروج مہدی کے متعلق کوئی ایک صحیح متواتر حدیث موجود ہے۔ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ اور آخر میں ضمنی طریقہ سے درخواست تھی کہ تتمیم فائدہ کے لیے معتبر، متداول عقائد کی کتابوں کی وہ عبارتیں پیش کر دی جائیں کہ جن میں ان مسائل کو بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو (یہ درخواست کیوں تھی اسکا جواب آگے آئیگا) مجھے افسوس ہے کہ علامہ مجیب نے جس طرز پر جواب تحریر فرمایا ہے اُس سے دونوں سوالوں میں سے کوئی بھی حل نہیں ہوتا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:—

علامہ مجیب نے پہلی عبارت "قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتہا عن المصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فی المہدی وانہ من اہل بیتہ وانہ یملاء الارض عدلا وان عیسی علیہ السلام یخرج فیساعدہ علی قتل الدجال وانہ یؤم ہذہ الامۃ وعیسی خلفہ فی طول من قصتہ وامرہ بحوالہ تذکرۃ للقرطبی نقل فرمائی ہے فتح الباری میں یہ عبارت باوجود تلاش مجھے نہیں ملی۔ علامہ مجیب سے اُمیدوار رہوں کہ اس معاملہ میں میری رہبری فرمائیں اور باب اور حدیث کے حوالہ سے مطلع فرمائیں۔ تذکرہ للقرطبی سردست میرے پاس موجود نہیں البتہ علامہ شعرانی نے اُسے مختصر کرکے جو رسالہ تیار کیا ہے وہ موجود ہے اُس میں بھی یہ عبارت مجھے نہیں ملی۔ (حالانکہ شعرانی نے اصل کتاب کے صرف اُن حصوں کو چھوڑا ہے جنکا تعلق تشریح الفاظ اور تفصیل اعراب سے تھا جیسا کہ اس مختصر کے دیباچہ میں مصرح ہے) اس مختصر میں شعرانی نے علامہ قرطبی کا قول لا مہدی الا عیسٰی والی حدیث پر بحث کے سلسلہ میں یوں نقل کیا ہے (قال الامام القرطبی) وہذا لا ینافی التقدم فی احادیث المہدی لان معناہ تعظیم شان عیسی بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام علی المہدی وانہ لا مہدی الا عیسی لعصمتہ وکمالہ فلا ینافی وجود المہدی کمثل لم لافتی الا علی واللہ اعلم، ویؤید ذلک حدیث المہدی من اہل بیتی یملاء الارض عدلا وانہ یخرج مع عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام فیساعدہ علی قتل الدجال بباب لد من ارض فلسطین وانہ یؤم ہذہ الامۃ ویصلی خلفہ عیسی بن مریم والخبر منقول الم

(ظاہر ہے کہ قرطبی کی اس عبارت منقولہ میں "تواتر" کا لفظ بھی نہیں آیا) بہرحال اگر اُس میں یا فتح الباری میں یا کسی اور کتاب میں یہ عبارت موجود بھی ہو تو اس سے ان مسائل میں سے نہ کسی کی قطعیت ظاہر ہوتی ہے اور نہ کسی مسئلہ کے متعلق احادیث متواترہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ظاہر بینوں کو "قد تواترت الاخبار" کے لفظ سے شاید دھوکا ہو۔ حالانکہ اسکے بعد کا متصل جملہ "واستفاضت بکثرۃ رواتہا" تو اس امر کو بتا رہا ہے کہ تواتر سے یہاں ——— تواتر اصطلاحی مراد نہیں ورنہ تواتر کے بعد "استفاضت بکثرۃ رواتہا" کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ اس استفاضہ کے بغیر تواتر اصطلاحی کا وجود عادۃً ممکن ہی نہیں علاوہ اس کے تواتر کا مرتبہ استفاضہ سے بڑھا ہوا ہے پھر تواتر کے ذکر کے بعد بغیر کسی اہم فائدہ کے پیش نظر اُس سے ادنیٰ صفت کا ذکر طریقۂ انشاء کے بالکل خلاف ہے علاوہ اسکے "الاخبار" جمع معرف باللام ہے جسکے متعلق محققین کا فیصلہ یہ ہے (کما فی التلویح) کہ اگر عہد نہ ہو (جیسا کہ عبارت مذکورہ میں ہے) تو وہ عام ہوتی ہے اور الف لام سے اشارہ استغراق کی طرف ہوتا ہے اس بنا پر معنی یہ ہوئے (اگر تواتر سے تواتر اصطلاحی مراد ہو) کہ فلاں فلاں چیزوں کے بارے میں (مہدی، مہدی کا اہل بیت سے ہونا وغیرہ وغیرہ جنکا ذکر الفاظ "صلی اللہ علیہ وسلم" کے بعد ہے) جو جو خبریں ہیں ان میں سے ہر ہر خبر متواتر ہے۔ کیا کوئی اصول حدیث سے واقف شخص اتنی کثیر خبروں کو متواتر مان سکتا ہے؟ "الاخبار" سے جنس خبر مراد لینا مجاز ہوگا کیونکہ جمع محلی باللام جنس کے لیے مجاز ہے (کما فی التوضیح) اور حقیقت کے ہوتے مجاز ماننا شان علم کے خلاف ہے اور یہاں حقیقت بن سکتی ہے اس طور کہ "تواترت" کو "کثرت" کے معنی میں لیا جائے جو اس لفظ کے حقیقی معنی کا حاصل ہے (جیسا کہ ہم سے ظاہر ہوتا ہے) اور "الاخبار" میں الف لام استغراق کا ہو اور معنی یہ ہوں کہ فلاں فلاں چیزوں کے متعلق ہر ہر خبر کثیر طریقوں سے مروی ہے۔ "تواترت" میں تو تواتر کے اصطلاحی معنی لیکر "الاخبار" میں مجاز کا قائل ہونا عجیب و غریب امر ہوگا۔ اس سے قطع نظر "تواتر" خبر کے "فرد" کی صفت ہوتی ہے نہ کہ جنس خبر کی۔ اس لیے کسی مسئلہ کی جنس خبر کو متواتر کہنا ایک نیا مجاز ہوگا۔ اصل یہی ہے کہ اس عبارت میں "تواترت الاخبار" کے ماحصل معنی "کثرت الاخبار" ہی کے ہو سکتے ہیں (تواتر کے اصطلاحی معنی کی جانب ذہن ملتفت نہ ہو جائے اسی لیے "واستفاضت بکثرۃ رواتہا" کا اضافہ کیا گیا) محدثین کے کلام میں اسکا نمونہ موجود ہے جیسا کہ مقدمہ میں گزرا۔ اور استفاضۂ خبر نہ تو تواتر اصطلاحی کو مستلزم ہے اور نہ قطعیت کو۔ خبر مشہور سے ظن کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے، جو اگرچہ یقین کے لگ بھگ ہوتا ہے مگر یقینی نہیں ہوتا جیسا کہ مقدمہ میں گزرا۔ پس اگر مبصر صاحب نے مہدی کے بارے میں احادیث متواترہ سے احادیث متکاثرہ مراد لیا تھا تو میری بحث اس سے متعلق نہیں۔ مبصر صاحب کے لیے بس یہی تشریح کر دینا کافی ہے

علامہ مجیب نے دوسری عبارت "ابن خلدون" کی پیش کی ہے

اعلم ان المشہور بین الکافۃ من اہل الاسلام علی ممر الاعصار انہ لابد فی آخر الزمان الخ" اس عبارت میں نہ تو مسائل مبحوث عنہا کے متعلق قطعیت کا دعوے کیا گیا ہے اور نہ احادیث متواترہ سے ثبوت کا۔ کسی چیز کے مشہور بین الکافۃ من اہل الاسلام" ہونے سے نہ تو اسکا قطعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ یہ امر کہ اسکے متعلق احادیث متواترہ ہیں۔ "قرآن" کی سورتوں اور آیتوں کے فضائل میں کیسے کیسے مشہور رہے اور ہیں۔ بہت سے علماء نے انکو کتابوں میں جگہ دی ہے لیکن "ان میں کی ایک اچھی خاصی تعداد ضعیف حدیثوں کی جانب منسوب ہے۔ بعض سے متعلق تو "موضوعات" تک میں ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ کیا حکیم الامۃ مولانا اشرف علیؒ نے ترجمہ والے قرآن کے حاشیہ پر فضائل سورہ و آیات جو درج فرمائے کیا وہ مشہور بین العلماء نہیں یا طلباء [illegible] سب فضائل قطعیات میں سے ہیں۔ ولادت شریفہ کے وقت ایوان کسریٰ کے کنگرے گر جانے کی شہرت ہر عالم جانتا ہے تو کیا اس سے اس واقعہ کی قطعیت ثابت ہو جائیگی۔ کتنی حدیثیں زبان زد ہیں جنکے کلام [illegible] احادیث زبانوں پر جاری ہیں کیا وہ سب صحیح حدیثیں ہیں۔ اور وہ [illegible] امور پر دال ہیں کیا وہ قطعیات میں سے ہیں؟ "ابن خلدون" نے اپنی اسی عبارت کی چند سطر بعد سے وہ حدیثیں لکھنا شروع کر دی ہیں کہ جنکو اس شہرت یا اس مسئلہ کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے اور پھر ان پر جرح و قدح کی ہے جس سے لکھنے والوں کو موقع مل گیا۔ کہ "ابن خلدون" کو ظہور مہدی کے بارے میں کلام ہے۔ خود علامہ مجیب نے بھی شروع مضمون میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے کہ "علامہ ابن خلدون اور بعض انکے ہم خیال فلسفی علماء نے ظہور مہدی میں تو کچھ کلام کیا ہے مگر (الخ) کیا عجیب تماشہ ہے کہ ان کا وہ قول سند میں پیش کیا جائے کہ جسکی بنیاد کی صحت کے بارے میں خود انہیں کلام ہو۔

علامہ مجیب نے میری عبارت "القول المختصر لابن حجر" کی پیش کی ہے "الذی یتعین اعتقادہ ما دلت علیہ الاحادیث الصحیحۃ من وجود المہدی ویخرج الدجال وعیسیٰ فی زمانہ ویصلی عیسیٰ خلفہ"۔ اس عبارت سے صرف یہی امر ظاہر ہوتا ہے کہ ان امور کے متعلق اعتقاد رکھنا متعین ہے (جسکا ترجمہ ہوتا ہے) اور یہ کہ ان امور کے متعلق احادیث صحیحہ ہیں۔ ان باتوں میں سے کسی کے متعلق بحث نہ تھی۔ کس نے کہا کہ ان امور کا اعتقاد نہ رکھنا چاہیے۔ کس نے کہا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال نہیں۔ بحث تو کچھ ہے وہ یہ کہ ان امور کے متعلق اعتقاد کا لازم ہونا بطریق فرضیت ہے جسکے لیے دلیل قطعی سے ثبوت ضروری ہے یا بطریق وجوب (جسکے لئے دلیل ظنی کافی ہے) اور یہ کہ جو احادیث صحیحہ ان امور پر دال ہیں وہ ان میں باخبر متواتر۔ اور ان سب ابحاث سے [illegible] یہ عبارت ساکت [illegible] کے لئے فرض اور واجب کا استعمال محض استنباط کیا گیا ہے) (باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق ۔ مرتضیٰ آباد بلڈنگ ۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

رحم کی درخواست

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

ادھر مہینے دو مہینے سے نہ صرف بلدہ بلکہ اضلاع سے بھی مجالس میلاد میں تقریر کرنے کے لیے فقیر کی طلبی کا ایک غیر مختتم سلسلہ سا جو جاری ہے۔ جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنا فرض سمجھ کر تعمیل کی کوشش بھی کرتا ہوں بلکہ تقریباً چار سال سے جامع مسجد سکندرآباد میں ہر ہفتہ جو کچھ مجھ سے ممکن ہو سکتا ہے مسلمانوں کی تھوڑی بہت خدمت کرتا ہوں لیکن علاوہ اس بات کے شبابی قوتوں کو ضعیف ہوتا پا رہا ہوں

اور چند ایسے امراض شدیدہ میں مبتلا ہو کر اچھا ہوا ہوں جنھوں نے میری عام توانائی کو بہت متاثر کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ چند تقریروں کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پڑ جاؤں گا یہی وجہ ہے کہ ان لامحدود مطالبوں کی تکمیل میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ جن حضرات کی فرمائش کی تعمیل میں معذور ہو جاتا ہوں وہ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے گمنام خطوط سے مجھے مخاطب فرماتے ہیں۔ سب و شتم سے بھی نہیں چوکتے اور کچھ لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ میرے استمزاج یا اظہار رضامندی کے بغیر اپنا [illegible] میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اس نے بھی ہماری مجلس میں شرکت اور تقریر کا وعدہ کیا ہے لیکن وقت پر جب میں نہیں پہنچتا تو خلاف وعدگی اور نقض عہد کا الزام مجھ ہی پر عائد کر دیا جاتا ہے۔

میں اپنے دینی بھائیوں سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں اس فقیر کی قدر افزائی کا کیا یہی طریقہ ہے۔ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ مسلمانوں کو کیا یہی سلوک کرنا چاہیے؟ اس موقع پر نواب بہادر خان مرحوم یاد آتے ہیں انکی وجہ سے لوگوں نے فقیر کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ موت تو ہر شخص کی وقت ہی پر آتی ہے لیکن بہادر خاں کی موت کے منجملہ دیگر ظاہری اسباب کے اگر یہ ایک سبب اسکو بھی قرار دیا جائے کہ برداشت سے زیادہ لوگوں نے ان پر بار ڈال دیا تھا تو طبعی نقطۂ نظر سے شاید یہ بعید نہ ہو۔

بہرحال اپنے قدر فرماؤں سے میں رحم کی درخواست کرتا ہوں (لا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ) کی دعا آدمی حضرت سے بھی مانگتا ہے۔ کیا میں بندوں سے بھی یہ استدعا نہیں کر سکتا۔ [illegible]

صدق ۔ مولانا کی یہ فریاد یقیناً بڑی درد بھری ہے سننے کے ساتھ پر لطف بھی ہے۔ البتہ مولانا کو اپنی تسلی کے لیے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ اپنی مظلومیت میں منفرد نہیں ہیں۔ ملت کے آج جو بھی خادم ہیں۔ تقریباً سب اپنے اپنے ظرف و بساط کے مطابق ایسے ہی مظالم میں مبتلا ہیں۔

بیگانوں کے نہیں اپنوں کے ہاتھوں ۔ ع

کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد!

بیسویں صدی کے دو مجاہد

(محمد علیؒ کی برسی کے موقع پر)

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو قوم سب سے زیادہ معتوب ہوئی وہ یہی ملت اسلامیہ تھی۔ جور و استبداد سے جو لوگ بالکل خاموش اور مرعوب کر دیے گئے وہ ہمارے ہی آباء و اجداد تھے۔ کس کی ہمت تھی جو فرنگی حکومت کے خلاف صدائے حق ہی بلند کر سکتا۔ علمائے اسلام نے بھی "خاموش مقاومت" ہی پر اکتفا کیا اور ترک موالات کے فتاوے صادر کر دیے۔ لیکن سرسید نے جب دیکھا کہ برادران وطن مسلمانوں کی خاموشی اور علیحدگی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور حکومت کے اعضاء و جوارح بنکر صرف زبانی شفقت ہی نہیں بلکہ حکومت کے پردہ میں مسلمانوں سے انتقام بھی لے رہے ہیں، تو وہ مرد میدان بنکر سامنے آگئے اور قوم کو آوازہ دی کہ سیاسی تدبر سے کام لے، اپنا مقصد پیش نظر رکھکر وہ راستہ اختیار کر جو زیر جبر ہوتا تو ضرور بہت گر جانا ہے منزل مقصود کی طرف! سرسید نے اینگلو اورینٹل کالج قائم کرتے وقت اعلان یہ کیا تھا کہ اس درسگاہ کے طلباء کے ایک ہاتھ میں علم ہوگا، دوسرے میں تلوار، اور پیشانی پر کلمہ طیبہ۔

اس نکتہ کو سب سے بہتر علی برادران نے سمجھا۔ اور اسی کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن اور لائحہ عمل بنا لیا۔ انھوں نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم محض ملازمت سرکاری کی غرض سے نہیں حاصل کی، بلکہ برطانوی اور مغربی سیاست و تمدن کا عملی مطالعہ کرنے کی نیت سے حاصل کی تاکہ مخالف کے گھر کا جغرافیہ بھی معلوم ہو جائے اور انکے خلاف اسی کے ہتھیار استعمال کر سکیں۔ چنانچہ انگریزی ادب میں محمد علیؒ نے وہ کمال حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے انگریزی ادباء رشک کرتے تھے۔ مغربی سیاست، آئین جہانبانی اور دستور حکومت سیکھنے پر آئے تو اسکے صرف حافظ ہی نہیں ہوگئے بلکہ انکی خامیاں، خود غرضانہ نکات، اور پوشیدہ اغراض و مقاصد کی قلعی کھول کے رکھدی۔ انکی تہذیب، معاشرت، انکا اخلاق و کردار، انکی اقتصادیات و ضروریات اور ڈپلومیسی و معاشیات کا اتنا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا کہ فرنگی بھی عش عش کرنے لگے۔ اس طرح تمام مغربی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہ مجاہدین میدان مقابلہ میں اترے اور انکے تمام داؤ پیچ کا اس طرح سے توڑ کیا کہ فرنگیوں کو کان ہی پکڑنا پڑا۔ ایسے نفوس دنیا میں کہاں ہوتے ہیں جو سیاست کے حوض میں غوطہ لگانے کے بعد بھی جب باہر آئیں تو جسم و لباس دودھ اور بگلے کے پر کی طرح سفید و شفاف رہے؟ علی برادران نے اپنی ذات سے ثابت کر دیا کہ اگر ایمان اور نیت سلامت ہو، منتہائے نظر اسلام کی ترقی، قوم کی فلاح اور وطن کی آزادی ہو، تو مخالفین کے گھروں میں رہ کر بھی انسان بے راہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر مخالف رنگ چڑھ سکتا۔

علی برادران نے اپنے زمانہ میں اپنے قومی حقوق، آزادی وطن، اور استخلاص ممالک اسلامیہ کا مطالبہ پیش کیا۔ بلکہ حکومت کی مرضی کے خلاف زبان و قلم سے ایک لفظ نکالنا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ حکومت سے صرف "عرض و گزارش" کی جاتی تھی اور جبکہ لفظ "مطالبہ" کو گستاخی سمجھا جاتا تھا۔ کانپور کی مسجد کے دروازہ کے انہدام پر جب مسلمانان ہند میں ایک ہیجان پیدا ہوا تو حضرت مولانا محمد علیؒ نے اس وقت کے لفٹنٹ گورنر جیمس مسٹن کو جو خط لکھا تھا اور جسے کامریڈ میں شایع کر دیا تھا۔ اس میں ان کو "مائی ڈیر" لکھ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ تاریخ ہند میں یہ پہلا واقعہ تھا جس میں ایک محکوم نے حاکم وقت کو برابر کے درجہ سے مخاطب کیا تھا۔ اسے پڑھ کر لوگ انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔

اسکے بعد علی برادران نے "حمایت اسلامیہ" (پین اسلامزم) کی وہ تحریک زندہ کرنی چاہی جسے ختم کرنے کیلیے ۱۱سو برس تک یورپ بیچین و مضطرب رہا! بڑے بھائی نے "خدام کعبہ" کی تحریک شروع کی۔ جسکا پس منظر ہی "مرکز اسلامی" تھا۔ اور چھوٹے بھائی نے ترکی سے تعلقات و روابط اسی مقصد سے پیدا کیے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں طبی مشن بھیجے اور ترکی کی حمایت میں "چوائس آف دی ٹرکس" مضمون لکھ کر نظر بند و قید ہونے کا مقصد اسکے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ سارے عالم کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر لایا جائے اور ممالک اسلامیہ کو آزاد کرانے کے لیے ہندوستان کو سب سے پہلے آزاد کرایا جائے۔ اسی "وحدت اسلامیہ" کی خاطر بڑے بھائی نے کلکٹری چھوڑی، انگریزی وضع چھوڑی، اپنا وطن چھوڑا اور قوم کی "سپہ سالاری" پائی۔ زمانہ اور حنا نفوس نے انکو تکلیف، مصیبت، قید و بند، افلاس و غربت کی بھٹی میں تپایا اور قدرت خداوندی نے انکو "جوہر" بنا کے نکالا! رامپور کے دو یتیم بچوں کو اللہ نے نوازا۔ انکی خدمات اسلامی قبول کرکے ایک کو گہوارۂ انبیاء میں جگہ دی اور ایک گہوارۂ اولیاء میں۔

اللہ تعالیٰ انکی ارواح کو سکون ابدی اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ انکی قبور کو نور سے بھر دے اور ہم کو انکے نقش قدم پر چل کر انکے مشن کو کامیاب بنانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ (انقلاب بمبئی)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) موسی اسمعیل دیسائی صاحب (نند کیشور) بہتر ہو کہ مسئلہ کا فیصلہ آپ انھیں لوگوں پر چھوڑ دیجیے جو علوم اسلامی میں ماہر ہیں اور اقبال سے محبت و شیفتگی میں اور اقبال کی عظمت کے اعتراف میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اخبار میں تفصیلی بحث کرنا اقبال کے کسی دوست کا کام نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

جواب سکے بے وقعت اڑا دیا۔ اقبال کی جو تعلیمات ہیں اور جو پیام ہے، وہ بالکل ظاہر ہیں، اب نہ وہ کسی تعارف کے محتاج نہ انھیں بار بار دوہراتے رہنے کی ضرورت۔ مصنف کا احسان یہ ہے کہ انھیں حقائق کو انھوں نے ایسے انداز میں بیان کردیا، جس سے تعلیم یافتہ انگریزی خواں طبقہ یقیناً متاثر و مستفید ہوگا۔ اور یہ بھی اپنے ملک میں اچھی خاصی خدمت ہے، اقبال کی بھی اور جسکے اقبال خادم تھے، یعنی اسلام کی بھی۔

آخر میں انڈکس (اشاریہ) اور کتابیات (ببلیوگرافی) دونوں مفید ہیں۔

رسید کتب

(۱) تقریر خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب۔ ۷ نومبر ۲۲ء کو مسلم گرلز کالج۔ علیگڑھ میں۔ ۲۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں

مسلمان عورتوں میں تہذیب جدید کیا نام تھا؟ "تعلیم" پہلے سپاہی کی کہانی، شیخ عبداللہ صاحب کی زبانی۔ شاعروں کی صنعت در وصف [illegible] می گوید" کا نثر میں نمونہ — کیا خوب کہا ہے وحید حیدرآبادی نے

کم جوش ہوا پیروی دین خدا کا
[illegible]ہوں نے دیا ساتھ زنا کی ہوا کا

مقدمہ کا فیصلہ

لاہور - ۲۲ - مئی - "ہندوستانی نوجوان جو اپنے اخلاق حسنہ اور قوت کی وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتے تھے، پہلے ہی کافی ان اوصاف سے بڑی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن اب انھیں مزید تباہی کے گڑھے میں ڈھکیلنے والے نام نہاد ترقی پسند ادیبوں سے میں درخواست کرونگا کہ وہ خدا کیلیے عوام کے جنسی جذبات کے ساتھ کھیلنے سے باز آئیں اور آرٹ کے نام پر ایسے ادب کی تخلیق سے ہاتھ اٹھالیں۔" ان ریمارکس کے ساتھ چودھری مہدی علی خاں مجسٹریٹ درجۂ اول نے لاہور کے ماہوار رسالہ "ادب لطیف" کے ۱۹۴۵ء کے سالنامہ میں سعادت حسن منٹو کے لکھے ہوئے ایک بیہودہ فحش اور قابل اعتراض افسانہ "بو" کے سلسلہ میں مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے رسالہ کے مالک چودھری برکت علی اور ایڈیٹر ندیم قاسمی کو زیر دفعہ ۲۹۵ تعزیرات ہند ساٹھ ساٹھ روپے جرمانہ کیا۔ اور چودھری نذیر احمد پرنٹر و پبلشر کو بری کردیا۔ افسانہ "بو" کے مصنف مسٹر منٹو اور دیگر ملزموں کے خلاف ایک مقدمہ ۳۸ ڈیفنس رولز کے ماتحت بھی چل رہا تھا۔ مسٹر منٹو پہلے ڈسچارج ہو چکے ہیں اور اس مقدمہ کے دوسرے ملزم آج بری کیے گئے۔ س - ت۔ (انقلاب)

ہمارے عرس

جماعت احرار کے لیڈر ماسٹر تاج الدین اور سردار محمد شفیع [illegible] پچھلے عرس کے موقع پر پیران کلیر گئے۔ وہاں آپ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ایک بیان میں فرماتے ہیں:

"سائبان کے نیچے ایک بڑا اجتماع دیکھا۔ دریوں کے اوپر قالین بچھائے گئے۔ گاؤ تکیے لگائے۔ عیاش آدمی ادھر ادھر کی [illegible] گھیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انکی پشت پر سیکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہزاروں آدمی ادھر ادھر کھڑے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک رنڈی نیم برہنہ زرق برق لباس پہنے ناچ رہی تھی۔ اور لوگ نوٹ پر نوٹ دیے جا رہے تھے۔ رقص کے ایک ہی چکر میں ڈیڑھ دو سو روپے کے نوٹ اسکو دیے گئے ہونگے۔ یہ نظارہ دیکھ کر ہم وہاں سے ہٹ کر دس قدم اور آگے گئے۔ تو وہاں بھی ایسا ہی مجمع تھا۔ اور اسی طرح رنڈی ناچ رہی تھی۔ وہاں بھی اسی طرح آدمیوں کے ساتھ ایک طرف برقع پوش عورتیں نقاب الٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور رنڈی اسی طرح نوٹ پر نوٹ وصول کر رہی تھی۔

ایک ہی بازار میں بیسیوں جگہ پر ایسے اجتماع اور رنڈیوں کے ناچ ہو رہے تھے۔ ہم تھوڑی دور جاکر واپس کیمپ میں پلٹ آئے۔ میرے ہمراہیوں نے مجھے بتایا کہ کم از کم ڈیڑھ دو سو جگہ پر اسی طرح ناچ ہو رہے تھے۔ رنڈیوں کی پارٹیاں ہیں۔ ہر رنڈی چند منٹ ناچتی ہے۔ پھر دوسری ناچنے گانے لگتی ہے۔ رات کو نو بجے سے مسلسل ۱۲ گھنٹے ہر جگہ یہی کیفیت رہتی ہے۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے دو ہزار سے زیادہ رنڈیاں یہاں آتی ہیں اور لاکھوں روپیہ کماکر لے جاتی ہیں۔

دوسرے دن ہمیں معلوم ہوا کہ پولیس میں چار عورتوں کے اغوا کی رپورٹ ہوئی ہے جن میں ایک رنڈی [illegible] کیس مقبوضہ کی چار دیواری کے اندر [illegible]

بہت سے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ [illegible] علانیہ شراب بھی پی جا رہی ہے۔ ہمارا اندازہ ہے [illegible] درگاہ نے میں کم از کم ۲۰ لاکھ روپیہ اور [illegible] کے آنے جانے اور رہنے کا خرچ کم از کم [illegible] کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کا ہر سال برباد ہوتا ہے۔ ہم نے صحیح اندازہ کرلیا ہے کہ آئندہ سال رنڈیوں کا ناچ یہاں نہیں ہونے دیا جائیگا۔ خواہ ہزاروں رضاکار گرفتاریاں کیوں نہ کرانی پڑیں۔"

یہ تو صرف ایک درگاہ پیران کلیر کے واقعات ہیں۔ کونسی درگاہ ہے جہاں یہی سب کچھ مذہب کے نام پر نہیں ہوتا؟ ادھر جہاں کے سجادہ نشین [illegible] سے کم ہیں۔ (ریاست)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی
بیرون ہند سے شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

سہ روزہ صدق

نمبر ۳	شنبہ۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

مسولینی کے نام کے نعرے اور جیکارے تو ابھی کانوں میں گونج رہے ہونگے! کس طنطنے اور کس دبدبے کا فرعونِ وقت تھا! ۱۹۳۸ء و ۱۹۳۹ء میں کیا اسکے نام کا طوطی بول رہا تھا۔ فرانس اور روس اور برطانیہ اور امریکہ کے اچھے اچھے شیردلوں، اور اونچے اونچے مدبّروں تک پر اسکے نام کی ہیبت طاری تھی۔ ۱۹۴۲ء بلکہ ۱۹۴۳ء کے شروع تک دنیا پر اسکی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ۴۰ ہزار سپاہی اور ۶ ہزار ہوائی جہاز بھیج، ۱۹۳۶ء میں ملک حبشہ کا خاتمہ ہی کردیا۔ کیسے کیسے خواب ملک گیری کے دیکھ رہا تھا۔ گویا قدیم رومن ایمپائر از سرِ نو قائم ہو جائیگی، اور برطانیہ اور فرانس تک پر اسکی اقبالمندی کا علم نصب ہو جائیگا! —— دیکھتے دیکھتے وہ عظیم الشان و عالی مرتبت مسولینی کہاں گیا؟

"میلان (اٹلی) - یکم مئی - ڈیوچے، اسوقت میلان کے شمال میں کومو میں تھا۔ یہاں اس نے ریڈیو کے ذریعہ سے احکام جاری کرکے ۲۰ ہزار فوج جمع کرلی۔ اتحادیوں کو اسکی خبر مل گئی، اور انھوں نے ہوائی حملوں سے شہر کو مسمار کردینے کا تہیہ کرلیا۔ مسولینی نے دو شبانہ روز ایک گاؤں میں اپنی داشتہ کے ہمراہ بسر کیے۔ فوج اسی درمیان میں منتشر ہوگئی، اور مسولینی نے جرمن وردی پہن کر بھاگنے کی ٹھان لی۔ عین اسوقت جبکہ اسکا موٹر سوئیزرلینڈ کی سرحد میں داخل ہو رہا تھا، کمیونسٹ حکومت کے کارندوں نے اسے گرفتار کرلیا۔ مقدمہ کا فیصلہ سنانے میں کل پندرہ منٹ لگے، اور سزائے موت کا [illegible] حکم ملا۔ ۲۸ اپریل کو ۴ بجکر ۱۰ منٹ پر ایک کمیونسٹ کرنل کی ماتحتی میں ۱۵ سپاہیوں کے ایک دستہ نے باڑھ ماردی۔ لاغر و نحیف لیکن ضخیم و بھاری مسولینی کا جسم تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ (۱۷ اور رفیقوں کا بھی یہی حشر ہوا) لاش میلان لائی گئی، اور ایک نمایاں مقام پر رکھ دی گئی۔ لوگ گزرتے تھے، اور کوئی کوئی ان میں سے، اسکے جسم پر جو ۲۳ سال تک اٹلی کا آمر مطلق رہا تھا، تھوک بھی دیتا تھا۔ ایک مسن عورت نے لاش کے قریب آکر پانچ گولیاں اور اس پر چلا دیں، یہ کہہ کر کہ اس جلاد نے میرے پانچ بیٹوں کو ہلاک کر ڈالا تھا، آج اپنے ہر بیٹے کی طرف سے بدلہ لے رہی ہوں!"

مسولینی اچھا تھا یا برا تھا، بہرحال جبار و تکبّر تھا۔ یہ حسرتناک و عبرتناک انجام، خود اسی کے ملک میں، اسی کے ہموطنوں کے ہاتھوں، کسی کے خواب و خیال میں بھی تھا؟ —— جس خدا نے بندوں کی زبان سے یہ مناجات کہلائی ہے، کہ

اللّٰھمّ مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر، انک علیٰ کل شیء قدیر	اے بادشاہِ حقیقی، آپ ہی جسے چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں حکومت سلب کرلیں! آپ ہی جسے چاہیں ذلیل و خوار کردیں!

ساری بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، آپ ہی قدرت ہر چیز پر رکھتے ہیں!

وہ آج بھی زندہ و قیوم خداوند ہے۔ وہ آج بھی جس تنکے کو چاہے پہاڑ بنا دیتا ہے، اور جس پہاڑ کو چاہتا ہے تنکا کرکے دکھا دیتا ہے! ولہ الکبریاء فی السموات والارض، بڑائی صرف اسی کی ہے۔ اور جن سرکشوں نے خود اپنے کو بڑھانا چاہا، انکا انجام کیسا دردناک ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے!

ایک تفسیری سوال

ایک کالجی طالبعلم کا خط :-

"دوران تلاوت میں آیات ذیل سامنے آئیں - تفسیر کا طالب ہوں - سورہ صٓ، پارہ ۲۳ - رکوع ۳ - اذ عرض علیہ بالعشی الصّٰفنٰت الجیاد … جسدا ثم اناب"

پہلے اس حقیقت کو پیش نظر رکھ لیا جائے کہ جن قصوں کی تفصیل نہ قرآن ہی میں کسی دوسری جگہ مذکور ہے، اور نہ حدیث صحیح میں، اور تاریخ سے بھی بحث پر پوری روشنی نہ پڑ رہی ہو، انکی کوئی ایک ہی قطعی تعبیر سمجھنا زیادتی ہے - انکی مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں - سوال صرف ترجیح کا رہ جائیگا، اور پھر جب قرآن کے الفاظ اور ترکیبیں ہی ایسی ہوں کہ کئی کئی معنی اور کئی کئی محمل نکل سکتے ہوں، جب تو کسی متفق علیہ تفسیر کی توقع ہی نہ رکھنی چاہیے -

اس بنیادی حقیقت کے بعد، تمہید بیان کو ذہن میں رکھیے:-

ووھبنا لداؤد سلیمان — اور داؤد کو ہم نے (فرزند) سلیمان عطا کیا - وہ
نعم العبد انہ اواب — (سلیمان) بڑے اچھے بندہ تھے، اور (ہماری طرف) بہت ہی رجوع کرنے والے تھے۔

یہ سب تردید ہو رہی ہے یہود اور مسیحیوں کے اس زعم باطل کی کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان فاسق فاجر ہی نہیں بلکہ بت پرست و مشرک ہو گئے تھے۔ اور ان ظالموں نے انکی بابت گندی سے گندی روایتیں اپنے مذہبی نوشتوں میں داخل کر دی تھیں - قرآن مجید انکی صفائی میں اور زور کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ وہ بڑے زبردست موحد تھے - اور مناسب ایک قصہ ان سے متعلق بیان کرتا ہے - تفصیلات جو کچھ بھی ہوں، بہرحال سیاق کی مناسبت یہ چاہتی ہے کہ قصہ سے انکی دینداری ہی ظاہر ہوتی ہو —— اگلی آیتوں کا تفسیری ترجمہ عام مفسرین کے مذاق کے مطابق ملاحظہ ہو:-

اذ عرض علیہ بالعشی الصّٰفنٰت الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوھا علیّ فطفق مسحا بالسوق والاعناق - ولقد فتنا سلیمٰن والقینا علٰی کرسیہ جسدا ثم اناب -	اور جب شام کے وقت انکے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے، تو وہ (بعد کو) بولے کہ میں مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا - یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا - سو ان (گھوڑوں) کو پھر میرے سامنے لاؤ - پھر آپ نے انکی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ صاف کرنا

شروع کر دیا - اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی، اور ایک (ادھورا) جسم انکے تخت پر لا ڈالا - پھر انھوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا -

عام مفسرین کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ یہ ہوا کہ شام کے قریب آپ اپنے فوجی گھوڑوں کا جائزہ لے رہے تھے، کہ اس دیکھ بھال میں دیر لگ گئی، وقت زیادہ گزر گیا، اور آپ کا اسوقت جو معمول عبادت کا تھا، وہ ٹل گیا - معاً آپ کو احساس ہوا، آپ نے اپنے اوپر تعزیر کی، اور غیرت دینی کے جوش میں آ کر اس سامان ہی کو ہلاک و غارت کرنا شروع کر دیا، جو آپ کے لئے وجہ غفلت کا سبب بن گیا تھا - پھر دوسری بات یہ ہوئی کہ آپ کا کسی اور طریقہ پر امتحان لیا گیا، اور وارث سلطنت ایک ناقص و ناتمام بچہ پیدا ہوا، آپ اسکے بعد خشیت و انابت میں مشغول ہو گئے -

اس تفسیر کو مان کر بھی کوئی بات مرتبۂ پیغمبری کے منافی نہیں پیدا ہوتی - انبیاء غفلت سے کاملیت مستثنیٰ نہیں ہوتے - بشرطیکہ وہ غفلت کوئی معصیت کے درجہ کی چیز نہ ہو - آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ کو خود ہی اسکا تنبہ اور احساس ہوا، اور آپ نہ صرف زبان ہی پر کلمات حسرت و ندامت لائے، بلکہ عملاً بھی تارک عظیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

لیکن خود یہ تفسیر ہی متفقہ اور قطعی نہیں - "مال کی محبت میں یاد الٰہی سے غافل ہو گیا" یہ صرف ایک معنی ہیں، ورنہ غفلت کے معنی نکلنا لازم ہرگز نہیں عن سببیہ، لاجل کے معنی میں برابر آتا ہے، اور قرآن میں بھی آیا ہے - اور الخیر کے معنی بجائے مال کے جہادی گھوڑوں کے بھی آسانی سے لیے جا سکتے ہیں - پھر توارت کی ضمیر کا آفتاب کی طرف پھرنا محض ایک قیاس ہے - آفتاب کا ذکر تو کہیں آس پاس نہیں - بالکل ممکن ہے کہ مراد وہی گھوڑے (صافنات الجیاد) ہوں - اسی طرح انکی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا محض ایک قیاس ہے - یہ آسانی یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپتھپاتے رہے —— پورا تفسیری ترجمہ اب یوں ہوگا:-

"اور جب شام کے وقت انکے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے (جو تمامتر مجاہدوں اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سپاہیوں کے لیے تھے) پیش ہوئے، تو آپ (خوش ہو کر) بولے کہ مجھ میں یہ جہاد کی محبت بھی یاد الٰہی ہی سے پیدا ہوئی ہے - پھر آپ نے فرمایا کہ واپسی میں ان جانوروں کو میرے سامنے لاؤ - اور آپ (جیسا کہ گھوڑوں کے لیے معمول ہے) انکی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپکی دیتے رہے"

اب تو غفلت اور کفارۂ غفلت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس میں قول جمہور کی مخالفت نکلتی ہے - سو اول تو قول جمہور، قول جمہور ہی ہے، کوئی آیت و حدیث ہی نہیں - اور پھر ان معانی کی طرف تو متعدد اکابر پہلے ہی جا چکے ہیں -

جوّز ان عن کو نہا تعلیلیہ (روح) قیل ضمیر توارت للخیل کضمیر ردوہا (روح)

احببت حب الخیر لے الذی لی عند اللہ تعالٰی فی الاٰخرۃ بسبب ذکر ربی (روح) فطفق یمسح اعناقہا وسوقہا محبۃ لہا وتکریماً، وروی ان المسح کان لذلک عن ابن عباس والزہری وابن کیسان ورجحہ الطبری (روح) قال الشیخ الاکبر محی الدین فی الفتوحات لیس للمفسرین الذین جعلوا التواری للشمس دلیل فان الشمس لیس لہا ہنا ذکر ولا الصلٰوۃ التی یزعمون (روح) انما ہو الاختیار بالخیل لی حبہا عن ذکر ربہ تعالٰی لا ادحبہا لعینہا فاخبر علیہ السلام عن نفسہ انہ احبہا عن ذکر ربہ سبحانہ ایاہا لا لحسنہا و کمالہا، حاجتہ الیہا (روح - عن الشیخ الاکبر) قیل الضمیر للصافنات (ابو سعود) والعرب تسمی الخیل الخیر قالہ قتادہ والسدی (بحر)

مفسر ابن حیان اور امام المفسرین رازی نے اس سے بڑھ چڑھ کر

زوردار تصریحات کی ہیں، اور علامہ ابن حیان نے تو یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ

ہذا المنقول ہو الذی یناسب منصب الانبیاء ولا المنقول المنسوب للجمہور فانہا فی قصۃ الا نلیق ذکرہا بانسیۃ الی الانبیاء (بحر المحیط)	یہی تفسیر جو ابھی بیان ہوئی ہے شان انبیاء کے لائق ہے نہ کہ وہ قول جو جمہور مفسرین کی جانب منسوب ہے۔ اس قصہ میں تو ایسی باتیں آ گئی ہیں جنکا انتساب ہی پیمبر کی جانب جائز نہیں۔

حضرت سلیمان (شہنشاہ شام) کی گھوڑ چڑھی فوج کی تعداد انجیل میں ۱۲۰۰۰ ہزار درج ہوئی ہے۔ مجاہدین کی ان سواریوں کا جائزہ لینا، تو عین عبادت تھی، نہ کہ مزیل عبادت۔ اللہم ارنا الحق حقاً۔

ایک تعزیت نامہ

بہت سے موصول شدہ تعزیت ناموں میں سے کم از کم ایک ضرور ایسا ہے جو ناظرین صدق تک پہنچانے کے قابل ہے۔ نامۂ گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ' تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کے حزن نے مجھے بھی محزون کیا۔ اسی وقت فاتحہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کا ثواب انکی روح پرفتوح کو پہونچایا گیا اور گو ایسا کم ہوتا ہے لیکن پچھلی رات کو جب مناجات کا موقع ہوا تو وہ یاد آئیں۔ دعا کی گئی۔ دل نے اطمینان پایا کہ ان شاء اللہ انکی مغفرت ہو چکی۔ آخر جسکی زندگی نمازوں میں گذری، روزوں میں گزری، مالک کی یاد میں گزری، اسکی مغفرت کی توقع نہ کی جائے تو اور کس کی کی جائے؟ دنیا کا ایک بڑا حصہ کفر پر مصر ہے۔ قرآن ظاہر ہے کہ انکو جہنم میں روکے رکھیگا۔ لیکن جنت کے لیے بھی آدم ہی کی اولاد کا ایک حصہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں آخر یہی لوگ نہ ہونگے تو اور کون ہوں گے؟ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت پر جو ایمان لا چکے، اللہ کا وعدہ کر چکے، اس وعدہ کے متعلق ما استطاعوا کی حد تک ادا کی کوشش میں بھی مصروف ہیں، اور عام مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ ان شاء اللہ ان سب کی مغفرت ہوگی، اور انھیں کو عمارت جنت کے لیے انکے خالق نے انکو پیدا کیا ہے۔ آپ بھی صبر سے کام لیجیے، لیکن فراق اور جدائی کا صدمہ طبعی صدمہ ہے، اور طبعی صدمہ کا ازالہ وقت کے گزرنے کا پابند ہے"۔

مولانا نے تعزیت کے ضمن میں مسئلہ کے عمومی پہلو پر جو اظہار خیال کیا ہے، وہ بہت صحیح اور عین مسلک حق ہے۔ نجات کو صرف مخصوص اولیاء کاملین کے ساتھ محدود کر لینا، حق تعالیٰ کی رحمتوں کی بڑی ناقدری کرنا ہے۔ — ہم گرتے پڑتے عوام مسلمانوں کے لیے یہ نجات اور جنت کی بشارت بہت بڑا سہارا ہے!

سہ روزہ صدق

الحمد للہ کہ اب صدق سہ روزہ ہو گیا ہے۔ ناظرین کرام سے دعائے استقامت کی التجا ہے۔ (مہتمم)

سورۂ بقرہ، رکوع ۲۱

(سلسلۂ صدق نمبر ۴ جلد ۱۰)

(از عبد الماجد)

۱۶۹- انما یأمرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون	اور اسکا کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو جنکا تم علم نہیں رکھتے ہو۔[۱]
۱۷۰- واذا قیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا اولو کان آباؤہم لا یعقلون شیئاً ولا یہتدون۔	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو، تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے خواہ انکے باپ (دادا) نہ ذرا بھی عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔
۱۷۱- ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء۔ صم بکم عمی فہم لا یعقلون۔	اور جو لوگ کافر ہیں انکا حال تو اس شخص جیسا ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز بلانے اور پکارنے کے۔ (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے۔

سوء و فحشاء دو لفظ متقارب المعنی ہیں، لیکن متحد المعنی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہے، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے برا ٹھہرایا ہے۔

السوء والفحشاء ما انکرہ العقل واستقبحہ الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی)

یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی متعین ہوتی ہے۔ اور یہ معنی ابن عباسؓ سے منسوب ہیں۔

السوء ما لا حد فیہ والفحشاء ما فیہ حد۔ حکی عن ابن عباس وغیرہ (قرطبی)

[۱] یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔

تقولوا علی اللہ۔ قول کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔

ما لا تعلمون علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

فیدخل فی ہذا کل ما قرر کل مبتدع ایضاً (کبیر) ویدخل فیہ کل ما یضاف الی اللہ تعالیٰ مما لا یجوز علیہ (مدارک)

[۲] یعنی جو کچھ اللہ نے تم سب پر اپنے پیمبر کے ذریعے اتارا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جب ان سے عالمگیر شریعت الٰہی کی اتباع ہی سے لئے کہا جاتا ہے۔

ثلثہ گویا عرب آبائی ہی میں خطا و غلطی کا امکان ہی انکے نزدیک نہیں۔ اور یہی خود عین جہالت و ضلالت ہے۔

آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباد اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔

ثلثہ یعنی نہ خود سمجھ بوجھ اور اسکے حقائق و معارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔

لا یعقلون شیئا المراد انہم لا یعقلون شیئا من الدین (کبیر)

لا یہتدون ای لا یہتدون الی الحق (روح)

بعض کج رائے فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے حالانکہ قاعدہ اقتضاء النص اسکا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز پر نہیں، عین جواز پر استدلال کیا جائے آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ جاہلوں و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہل علم کی تقلید جائز ہی نہیں، بلکہ عین مطلوب ہے! ـــ کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور ان پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور ان پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی۔

ثلثہ (بے حسی اور ناسمجھی میں)

ذکر داعی حق کی دعوت حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسولؐ اور اسکی دعوت امت کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔

علی حذف مضاف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا (بیضاوی) ای مثل داعیہم الی الایمان (کشاف) فیما خلاف حذفت اما من جانب المشبہ او المشبہ بہ (روح)

ثلثہ یعنی اس جانور کی طرح جسکے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آ رہے ہیں، باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوت حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں، لیکن اسکے معنی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔

مثل الدابۃ تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لہا کذالک الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ)

صُمٌّ یعنی بہرے ہیں، آواز حق کی طرف سے۔ صم عن الحق فلا یسمعونہ ولا ینتفعون بہ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

بُکْمٌ یعنی اقرار حق کے لیے انکی زبان گونگی ہے۔ بکم عن الحق فلا ینطقون بہ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

عُمْیٌ یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمی عن الحق فلا یبصرونہ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔

"وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ انکی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور انکے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں" یسعیاہ۔ (۴۴ : ۱۸)

ثلثہ یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغہ امر یہاں بہ معنی اجازت ہے، بہ معنی حکم نہیں

کلوا فی ہذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحۃ (کبیر)

کلوا یہاں لفظی معنی ہی میں یہاں صرف کھانے تک محدود نہیں بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آگیا۔

المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوہ (قرطبی) کلوا لعموم جمیع وجوہ الانتفاع دلالۃ وعبارۃ (روح)

یا ایہا الذین آمنوا، خطاب ابتک عامۃ الناس سے تھا۔ حلال و حرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کے لیے۔ اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال و حرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔

طیبات، یعنی وہ چیزیں جنھیں شریعت خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے

ثلثہ (زبان سے بھی اور عمل سے بھی)

اشکروا، شکر اس امر کا کہ اس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال و طیب۔ یہاں صیغہ امر وجوب کے لیے ہے، نہ کہ صرف اجازت کے لیے۔ اشکروا اللہ امر، لیس باباحۃ (کبیر)

خدا کی یاد

"لندن۔ ۸ مئی۔ آج شام کو جنگ کے خاتمہ پر خدائے تعالیٰ کے حضور میں عاجزانہ شکریہ کی تجویز، وزیر اعظم مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں پیش کرتے وقت الفاظ ذیل کہے:۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ آج سے ۲۵ سال قبل جب جرمنوں نے کے ہتھیار رکھ دینے کی اطلاع اس ایوان کو موصول ہوئی تھی، تو ایوان نے بجائے تقریروں کے خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا ہی مناسب سمجھا تھا جو افراد و اقوام سب کا تقدیر ساز اور حکیم مطلق ہے۔ چنانچہ میں آج بھی تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم سب لوگ ویسٹ منسٹر کے چرچ سینٹ مارگریٹ کو روانہ ہوں۔ اور وہاں خدا کے حضور میں جھکیں اور گریں"

اسکے بعد ایوان کے سب لوگ ایک جلوس مرتب کرکے چرچ کے لیے روانہ ہوئے۔" (رویٹر)

انگریزی شدہ پرادر میرے بالاکشوں اور مصیبتوں کے بعد بھی خدا کسی درجہ میں، اور کسی حد تک یاد آ جایا کرے، تو یہ ساری قربانیاں اور خون ریزیاں بالکل ضائع نہ ہوگا، تو شاید نہ ٹھہریں!

روایاتِ نزولِ مسیح

(۴)

(از مولوی عبد الرحیم خاں صاحب جیپوری - فرنگی محلی)

علامہ مجیب نے چوتھی عبارت "ابن کثیر" کی تحریر فرمائی ہے

"قد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامۃ اماماً عادلاً وحکماً مقسطاً" اس عبارت میں بھی "تواترت الاحادیث" کے متعلق وہی گفتگو ہے جو اوپر "تواترت الاخبار" کے متعلق تحریر کی گئی - اس عبارت میں بھی "تواترت الاحادیث" کے حاصل معنی "کثرت الاحادیث" کے ہیں اس عبارت کا تواتر اصطلاحی سے جو مابہ البحث ہے کوئی تعلق نہیں - اس لیے اس عبارت سے نزول عیسیٰ ابن مریم کا قطعیات میں ہونا ثابت نہیں ہوتا اور خروج مہدی کا تو اس عبارت میں ذکر ہی نہیں - حالانکہ احادیث متواترہ کا اصل مطالبہ خروج "مہدی" ہی کے متعلق تھا۔

اس چوتھی عبارت کے بعد علامہ مجیب نے ابن کثیر کے سورۂ نساء میں نزول ابن مریم کے متعلق بہت سی حدیثیں ذکر کرنے کو بیان کیا ہے - کیا ابن کثیر کی ان ذکر کردہ حدیثوں میں سے کئی ایک احادیث متواترہ ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اُن حدیثوں کو متعین کیا جائے (کم از کم تین ہوں تاکہ "تواترت الاحادیث" والی عبارت میں "الاحادیث" کی جمعیت قائم رہے - کیونکہ حقیقت کے لحاظ سے جمعیت کی تخصیص تین ہی تک ہو سکتی ہے کما فی التوضیح) اور اگر جواب نفی میں ہے بایں طور کہ ان مذکورہ احادیث میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں تو پھر اس عبارت کی تحریر سے کیا فائدہ سمجھا جائے؟ اس سے کس نے انکار کیا تھا کہ اسکے متعلق بہت سی حدیثیں نہیں ہیں اور اگر جواب نفی میں ہے بایں طور کہ اُن مذکورہ حدیثوں میں سے ایک حدیث یا دو حدیثیں (بہرحال تین کی تعداد سے کم) متواتر ہیں تو متواتر حدیث کو متعین کیا جائے کہ کون ہے؟ اور پھر اسی کے ساتھ "تواترت الاحادیث" میں "الاحادیث" کی جمعیت پر بھی روشنی ڈالنا مناسب ہوگا۔

ابن کثیر کے ان اقوال کی نقل کے بعد علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں "وترمذی نے اپنی جامع میں عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے کی حدیث کا حوالہ پندرہ صحابیوں پر دیا ہے (کہ پندرہ صحابی اس حدیث کے راوی ہیں اور تواتر کے لیے یہ عدد بہت کافی ہے")۔ آج یہ نیا انکشاف ہوا کہ خبر کے متواتر ہونے کے لیے بس یہ کافی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں (یعنی صحابہؓ کے دور میں) کثیر تعداد راویوں کی ہو - معلوم نہیں کہ یہ اصول حدیث والے اور یہ اصول فقہ والے تواتر کے لیے ہر دور میں کثرت رواۃ کی شرط کیوں لگاتے ہیں اور پھر حدیث متواتر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے متعلق آخر یہ ناحق جھگڑا اور اختلاف محدثین میں کیوں برپا ہے؟

ایں چہ بوالعجبی ست؟ کم از کم میری فہم ناقص تو اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہے۔

اسکے بعد علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں "حافظ ابن حجر نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا متواتر ہونا ابو الحسن آبری کے حوالہ سے لکھا ہے (جو بہت بڑے محدث ہیں)" بیشک "آبری" حفاظ حدیث میں سے ہیں لیکن فتح الباری میں (علامہ مجیب کی عربی عبارت میں فتح الباری کا ذکر ہے لیکن ترجمہ میں رہ گیا ہے) باوجود تلاش کے آبری کے حوالہ سے ابن حجر کا یہ قول مجھے نہیں ملا کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر متواتر ہے - کیا ہی اچھا ہو کہ علامہ مجیب فتح الباری کے باب اور صفحہ کے حوالہ سے مجھے مطلع فرمائیں - نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت امام کون ہوگا؟ مہدی یا عیسیٰؑ اسکے بارے میں مختلف اقوال تحریر فرمانے کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں "وقال ابو الحسن الخسعی الآبدی (مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے - میں نے اُستاذ محترم مدظلہ سے اسکے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کہ میرے خیال میں آتا ہے کہ یہ من قبیل "سہو الناسخ" ہے، صحیح "السجستانی الآبری" معلوم ہوتا ہے، انکی کنیت ابو الحسن اور نام محمد ابن الحسین ہے -) فی مناقب الشافعی تواترت الاخبار بان المہدی من ہذہ الامۃ وان عیسیٰ یصلی خلفہ، وذکر ذلک رداً للحدیث الذی اخرجہ ابن ماجہ عن انس وفیہ لا مہدی الا عیسیٰ" جسکا حاصل یہ ہے کہ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مہدی اور عیسیٰ کی شخصیت کے ایک ہونے کے متعلق جو روایت کی ہے اسکی رد کرتے ہوئے "مناقب الشافعی" نامی کتاب میں "ابو الحسن آبری" نے یہ فرمایا ہے کہ مہدی کا اس امت میں سے ہونا اور حضرت عیسیٰ کا انکی اقتدا میں نماز پڑھنا اسکے متعلق بکثرت احادیث ہیں (پھر مہدی اور عیسیٰ کی شخصیت ایک کس طرح ہو سکتی ہے") اس عبارت میں بھی "تواترت الاخبار" سے "کثرت الاخبار" کے بجائے تواتر اصطلاحی مراد لیا جائے تو وہی سب خرابیاں لازم آئینگی جو تذکرہ للقرطبی اور فتح الباری کی جانب منسوب عبارت مذکورہ میں بیان ہو چکی ہیں، اگر علامہ مجیب کے پیش نظر فتح الباری کی یہی عبارت ہے تو محض اس عبارت کی بنا پر علامہ مجیب کا یہ تحریر فرمانا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ ابن حجر نے آبری کے حوالہ سے نزول عیسیٰ بن مریم کا متواتر ہونا لکھا ہے - لکھنا اور چیز ہے اور لکھنے سے لازم آنا دوسری چیز - علاوہ اسکے لازم بھی نہیں آتا جبکہ "تواترت الاخبار" میں تواتر سے تواتر اصطلاحی مراد نہیں لیا جاتا کما مر - علاوہ اسکے محض کسی کا قول نقل کر دینا عرف میں کسی کا بحوالۂ فلاں "لکھنا" نہیں کہا جاتا کہاں سے نبادرہ ہوتا ہے کہ کسی نے اپنی رائے لکھی ہے اور سند یا تائید میں فلاں کا قول نقل کر دیا ہے یا اُسکا حوالہ دے دیا ہے اور اس موقع پر علامہ ابن حجر نے اپنی خود کوئی رائے لکھی ہی نہیں مختلف علماء کے مختلف اقوال لکھے ہیں جس میں سے ایک آبری کا یہ قول بھی ہے - علاوہ اسکے عبارت مذکورہ میں وجود مسیح فی آخر الزمان کا ذکر ہے (جو مابہ البحث نہیں) نہ کہ نزول عیسیٰ کا۔

نا بہ البحث ہے) اور وجود نزول کو مستلزم نہیں۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے شوکانی کے رسالہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن افسوس کہ علامہ مجیب نے اس رسالہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں تحریر فرمائی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ شوکانی نزول عیسیٰ یا خروج مہدی کے بارے میں اس امر کے قائل ہیں کہ اُنکے متعلق احادیث متواترہ موجود ہیں یا کوئی حدیث متواتر پائی جاتی ہے۔ محض رسالہ کے نام "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح" کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے اکیا محض کتابوں کے نام سے بھی کسی دعوے کا ثبوت ہوتا ہے؟ رسالہ کے اندر جو کچھ لکھا ہے اُسکا ذکر علامہ مجیب نے محض ان الفاظ سے کر دیا ہے "اس میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اُنتیس حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں صحیح بھی حسن بھی اور صالح بھی اور بہ زیادہ تر مرفوع اور آثار کا تو شمار نہیں ہو سکتا" کیا کسی معاملہ کے متعلق محض اُنتیس حدیثوں کا ہونا (اگرچہ طرق متباین نہ ہوں اور تواتر کے دوسرے شرائط بھی نہ پائے جاتے ہوں) کافی ہے؟ اور کیا نزول عیسیٰ کے متعلق اُنتیس حدیثیں ہونے سے یہ بھی لازم آگیا کہ مہدی منتظر کے متعلق بھی (جسکا ذکر رسالہ کے نام میں ہے) اُنتیس حدیثیں ہیں؟

اب تک علامہ مجیب نے جتنی عبارتیں تحریر فرمائی تھیں اُن میں سے کسی میں بھی "حیات مسیح" کا ذکر نہ تھا۔ اب پہلی مرتبہ اس چودھویں صدی کے ایک بڑے عالم مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے رسالہ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے اس مسئلہ کا ذکر سامنے آیا ہے۔ اس رسالہ کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے "واعلم انہ کما ثبت التواتر النقل بالنزول انعقد الاجماع علیہ من الامۃ وما نسب الی المعتزلۃ من الخلاف فلا اصل لہ وانما خالفہ الملاحدۃ والمتفلسفۃ کما فی عقیدۃ السفارینی وکذا ما نسبہ الی ابن حزم فانہ مصرح بتواتر النزول فی کتابہ کتاب الملل والنحل فی التعقیبہ قال مالک بین الناس قیام یستمعون اقامۃ الصلوٰۃ فتغشاہم غمامۃ فاذا عیسیٰ قد نزل" اول تو مولانا انور شاہؒ کی عبارت استدلال میں پیش کرنا ویسا ہی ہے کہ جس طرح میں اپنے دعوے کے استدلال میں اپنے کسی اُستاذ محترم کا قول نقل کر دوں (تائید میں پیش کرنا دوسری بات ہے) جو صرف علوم حدیث ہی سے واقفیت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ اُسکے ساتھ مرتبۂ فقاہت سے بھی فائز ہوں تو اگر مولانا موصوف نے نزول عیسیٰ کے بارے میں تواتر یا اجماع کا دعوے کیا تو محض اُنکے دعوے سے تواتر یا اجماع کا ثبوت نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ اسے ثابت نہ کر دیا جائے (خصوصاً جبکہ یہ معلوم ہے کہ انکا یہ قول اُس رسالہ میں ہے کہ جو بعض معاملات پر مناظرانہ انداز سے تالیف کیا گیا ہے) لیکن اس سے قطع نظر محض کسی کے کہدینے سے اگرچہ کہنے والا کتنے ہی مرتبہ کا عالم ہو کہ فلاں مسئلہ پر اجماع ہے اس مسئلہ کی قطعیت نہیں ثابت ہو جاتی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اجماع کے وقت سے اُسکی نقل بطریقہ قطعیہ ہوئی ہے جیسا کہ ص۵ میں گذرا۔ علاوہ اسکے اس دعوے اجماع میں اجماع سے اجماع سکوتی مراد ہے جیسا کہ سیاق سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجماع کے ثبوت میں کسی کے اختلاف نہ ہونے کا بار بار ذکر فرمایا گیا ہے) تو اس سے بھی مسئلہ کی قطعیت مسلم نہیں ہے جیسا کہ ص۶ میں گذرا۔ علاوہ اسکے جس اجماع کا دعوے کیا گیا ہے وہ اجماع ایک امر مستقبل کے متعلق ہے جو غیر مستنبط ہے کیونکہ خود شارع علیہ السلام سے اسکے متعلق روایتیں بکثرت موجود ہیں اور ایسے امر مستقبل پر جو اجماع ہو اُسکا اجماع شرعی اصطلاحی ہونا مشتبہ ہے جیسا کہ پہلے گذرا۔ پھر اس اجماع سے مسئلہ کی قطعیت (اصطلاحی فقہی) کیسے ثابت ہوگی جو اجماع شرعی اصطلاحی پر متفرع ہے اسی طرح "تواتر نقل" کے بارے میں بھی گفتگو ہے کہ مولانا موصوف کی اس سے مراد تواتر اصطلاحی ہے تو اسکی سند؟ کیونکہ نقل اور حدیث کا متواتر [illegible] ہونا کوئی بات نہیں ہوتی کہ اس سے عام علماء بے خبر ہوں؛ بے خبری تو خود اسکی دلیل ہے کہ تواتر نہیں ہے) سوائے گنتی کے چند علماء کے کسی معتبر عالم کے قول میں نزول عیسیٰ کے متعلق کسی حدیث کے لیے تواتر کے لفظ کا استعمال نہیں، عام طور سے علماء نے (اس چودھویں صدی کے پہلے) اس کے لیے احادیث صحیحہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور اگر "تواتر" بمعنی "کثرت" ہے تو اس سے مضمون کثرت کا انکار نہیں لیکن اس سے مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ مولانا مرحوم کی واقفیت فی علوم الحدیث کی بنا پر میرا خیال تو یہ ہے کہ شاید مولانا مرحوم کی مراد "نقل" سے "نقل احادیث فی کتب الاحادیث" ہے، تو اس نقل کا تواتر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے بھی مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ کتنے اخبار احاد ہیں جو تیسری صدی کے بعد بطور تواتر نقل ہوئے ہیں جیسا کہ ص۵ میں گزرا۔ ملل ونحل میں مجھے کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابن حزم نزول عیسیٰ کے خبر متواتر (بالمعنی المصطلح) سے ثابت ہونے کے قائل ہوں۔ مولانا تو اب اس دنیا میں تشریف نہیں رکھتے ورنہ اُن سے ہدایت حاصل کرتا۔ اس لیے اب صاحب مضمون علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب سے درخواست ہے کہ وہ میری اس معاملہ میں رہبری فرمائیں۔ بیشک امام مالکؒ کو اس سے اختلاف نہ تھا (جیسا کہ عتبیہ میں ہے) کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ اس حقیر نے بھی امام مالکؒ کی جانب انکار کو منسوب نہیں کیا تھا (امام مالکؒ اور ابن حزم کی جانب نزول عیسیٰؑ کے انکار کی نسبت میں نے کسی کے کلام میں نہیں پائی۔ اگر قادیانیوں نے منسوب کیا ہے تو حیات مسیح علیہ السلام کے انکار کو، جس سے اس عبارت میں کوئی بحث نہیں، قادیانی تو آخر زمانہ میں مسیح کے وجود کے متعلقہ احادیث کو بہت شد ومد سے مانتے ہیں یہ دوسرا امر ہے کہ وہ ان احادیث میں تاویلات باردہ کا ارتکاب کرتے ہیں؛ وہ اگر وجود مسیح فی آخر الزمان کا انکار کر دیں تو اُنکے مذہب کی ساری عمارت بیٹھ جائے اور اگر نزول عیسیٰ کے انکار کا مطلب اسکے متعارف اور متبادر معنی کا انکار ہے تو ایسے شخص کے لیے ابن حزم اور امام مالکؒ کی عبارتوں میں بھی اُس قسم کی لغو تاویلیں کرنے سے کون چیز مانع ہے کہ جیسی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاویلیں کی جاتی ہیں۔

"جشنِ فتح"

پچھلے دنوں خبر آئی کہ لندن کے ہوٹل اور تناول خانے جشنِ فتح کے لیے شراب بچا بچا کر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ تاکہ جب فتح کی خبر آئے تو شیشوں کے منہ کھول دیے جائیں، اور دن بھر اور رات بھی اتنی لنڈھائی جائے کہ ساری برطانوی قوم اتنا غفیل ہو کر رہ جائے کیونکہ عیش و عشرت کے لیے "یومِ فتح" سے زیادہ موزوں موقع اور کون سا ہو سکتا ہے۔

شاباش مغرب کے رہنے والو! اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی منتقم ہے۔ اور اسکے جبر و قہر کی آگ نے مغرب کی آبادیوں کی آبادیاں جلا کر خاکستر کر دی ہیں، لیکن تم بھی اتنے شقی اور چکنے گھڑے واقع ہوئے ہو کہ تمہارے قلوب کے اندر اس عذابِ عظیم سے جسکو جنگ کہتے ہیں عبرت کا ایک ذرہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

شہروں کے شہر ڈھنڈار ہو گئے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کا خون ندی نالوں کی طرح بہہ گیا۔ جبار و قہار خدا کے غیظ کی آگ نے سارے یورپ کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ کروڑوں انسان بے خانماں ہو کر اپنے ماں باپ، بہن بھائی، شوہر بیوی، بیٹے بیٹی سب عزیزوں سے بچھڑ گئے۔ لیکن کیا مجال کہ یورپ کی آبادی جام سے اور لبِ معشوق سے ایک لمحہ کے لیے بھی اجتناب کر سکے۔

ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہیم بود

چاہیے تو یہ تھا کہ تم غضبِ الٰہی کی اس آگ کے فرو ہو جانے کے بعد اپنی جبینِ نیاز کو اللہ کی حضور میں جھکا دیتے۔ فاتحین کا بچہ بچہ شکر و سپاسِ الٰہی کے جذبے سے سرشار ہو جاتا۔ گرجاؤں کی وسعت شاکرین کے ہجوم پر تنگ ہو جاتی۔ سارا یورپ حمداً للہ و شکراً للہ کے نغموں سے گونج اٹھتا۔ تم اپنی زندگیوں پر نظرِ ثانی کرتے اور شراب و کباب اور ظلم و استبداد سے توبہ کرتے۔ تاکہ خدا تم پر رحم و شفقت کی نظر ڈالتا۔ لیکن تمہارے قلوب اور تمہارے دماغ آج بھی وہی ہیں جو ۱۹۳۹ء میں تھے۔ یہ عالمگیر آگ بھی تمہیں گناہوں کی آلودگی سے پاک نہ کر سکی۔ اور تم اپنی عیش پسندی سے اللہ کے مزید قہر و غضب کو دعوت دے رہے ہو۔

فرانس کے زوال پر مارشل پیتان نے، اس بدقسمت اور غمزدہ بڑھے نے جو اپنے برگشتہ بخت وطن کے زوال کے راز کو سمجھ چکا تھا، ایک تقریر کی جو کیسر الہ فریڈ تھی، اس نے کہا کہ جانتے ہو؟ ہمارے اس خطرناک تنزل کا راز کیا ہے؟ جب دوسرے اپنے حالات کو درست کر رہے تھے تو ہم معشوقوں میں مستغرق تھے۔ اور ہمارے کارخانے توپوں کے پاؤڈر، سرخی و لپ اسٹک بنا رہے تھے۔ ہمارے مرد عیاش اور ہماری عورتیں آوارہ ہو رہی تھیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہی تھا جو نظر آ گیا۔

ایک لندن پر کیا موقوف ہے، سارے یورپ کی یہی کیفیت ہے

"تعمیرِ بعد جنگ" کا پروگرام تو بعد میں دیکھا جائیگا۔ فی الحال تو ہر ملک کے باشندے اس فکر میں سرگرداں ہیں کہ شرابوں اور عورتوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر لیں کہ فتح کا اعلان ہوتے ہی ہر شخص کا چہرہ فرطِ مے سے گلستان نظر آئے اور ہر شخص کی آغوش آباد ہو جائے کیونکہ یونان کے "ایپی کورس" ایران کے خیام اور ہندوستان کے "لیبو سوامی" کے نزدیک شکرِ نعمت کا یہی طریقہ ہے کہ جی بھر کے عیش کیا جائے۔

انسان بھی عجیب شے ہے۔ اذا مسہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر منوعا۔

(انقلاب)

تصحیح مضمون "روایات نزول مسیح"

(از مقالہ نگار)

(صدق ۲۹) ص ۶ کے شروع میں لفظ "اجماع" کے بعد لفظ "میں" کا اضافہ اور پہلی عربی عبارت کے بعد لفظ "توضیح" کے بعد "یں ہے" کا اضافہ، اور اسی پہلی عبارت میں "وسکت ایا ذلت" کے بجائے "وسکت الباقون" اور تیسری عربی عبارت میں "الاسفرا" کے بجائے "استقرار"

(صدق نمبر ۵) ص ۸ میں پہلی عربی عبارت کے شروع میں "ثم الاجماع" کے بعد "علی مراتب اجماع الصحابة و اجماع" کا اضافہ

ص ۸ میں دوسری عربی عبارت کے شروع میں "قال جمع الاجماع" "قال جمع لاجماع" اور اسی عبارت میں "و دانی المستقبلات" کے بجائے "و دانی المستقبلات"

ص ۹ کی دوسری عبارت میں "فلیرب نہ" کے بجائے "فیعترب منہ"

ص ۱۰ کی پہلی عربی عبارت میں "عند القلب" کے بجائے "عقد القلب"

اور دوسری عربی عبارت "منها اشتهر فتوجب علم علم الطمانية منها الواحد" کے بجائے "منها ما اشتهر فيوجب علم الطمانية و منها ما هو خبر الواحد"

اور ص ۱۲ (الف) میں الفاظ "فتح الباری میں (کتاب الانبیاء و نزول" کے بجائے "فتح الباری میں ہے (کتاب الانبیاء و باب نزول) اور اس نمبر کی دوسری عربی عبارت میں "لقاء الخضر" کے بعد الفاظ "الياس ايضا على ما ذهب اليه الحفاظ و من العلماء و من ان اربعة من انبياء في زمرة الاحياء الخضر" کا اضافہ۔

اور ص ۱۲ (ب) میں الفاظ "حسب موقع پر" کے بعد الفاظ "ظہورِ مہدی و نزولِ عیسیٰ و خروجِ دجال کے بارے میں احادیثِ صحیحہ کے وارد ہونے کا ذکر ہے اس موقع پر" کا اضافہ اور الفاظ "تحت قول "فتنة نا مد دروت" کے بجائے "فاتمة قد دروت" کا اضافہ۔

قلم کا جادو

حال ہی میں شمالی ہند کے ایک مدرسۂ نسواں کی طالبات سے امتحانی پرچہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ تم فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد کس قسم کی زندگی گزارنا پسند کرو گی؟ ...

اس سوال کا جواب اس مدرسہ کی ۴۳ لڑکیوں نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا۔ ان ۴۳ لڑکیوں میں سے ۳۰ لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں اپنے محبوب جذبات اور دلپسند تو قعات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا کہ "تعلیمی زندگی کو خیرباد کہنے کے بعد وہ فلمی دُنیا میں داخل ہونے کی کوشش کرینگی۔ اور اگر اس کوشش میں اُنھیں کامیابی ہوئی تو وہ ریڈیو آرٹسٹ بننا زیادہ پسند کرینگی اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا، تو وہ اس پر قناعت کرلیں گی کہ افسانے لکھ لکھ کر پیٹ پالیں"۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسکے بعد اُن سے یہ دریافت کیا جاتا کہ اگر اس آخری کوشش میں بھی اُنھیں ناکامی ہوئی تو تم کیا کروگی تو اس سوال کا جواب وہ یہ دیتیں کہ — خودکشی!

بقیہ چھ لڑکیوں میں سے تین لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ کالج سے نکلنے کے بعد وہ معلمی کا پیشہ اختیار کریں گی۔ دو لڑکیوں نے ڈاکٹری کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا تھا۔ صرف ایک بیچاری لڑکی نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ لکھ پڑھ کر وہ بہترین ازدواجی زندگی بسر کرنا پسند کریگی، اور کسی شریف گھرانے کے نوجوان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کردیگی۔

ان جوابات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آجکل ہماری تعلیم اور زمانہ کی رفتار کس منزل کی طرف ہمیں لیے جارہی ہے؟ یہ تجربہ صرف ایک ہی اسکول سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی کسی لڑکی (بشرطیکہ وہ نئی روشنی کی ہو) کا سینہ چیر کر دیکھا جائے تو اُسکے سینے میں یہ تمنا مضطرب پائی جائیگی کہ — میں فلم ایکٹرس بنجاؤں میں فلم ایکٹرس بنجاؤں — آپ جانتے ہیں کہ آج ہر ترقی یافتہ لڑکی کی یہ تمنا کیوں ہے؟ صرف اس لیے ہے کہ مغربی تہذیب نے اداکاری کی زندگی کو آئیڈیل زندگی قرار دیا ہے۔ اور مغربی تہذیب ہم لوگوں کا دین وایمان ہے۔ عورت کے متعلق افلاطون نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ عورت کچھ نہیں ہے مگر خود نمائی — اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم جس نازک اور رنگین وجود کو عورت کہکر پکارتے ہیں وہ نمود و نمود اور خود بینی و خودنمائی کی ایک پوٹ ہے۔ آپ عورت کو کسی رنگ اور کسی روپ میں بھی دیکھیں وہ خود بیں۔ خود پسند، خودنما نظر آئیگی فلمی زندگی میں سب سے بڑی کشش یہ ہے کہ وہ عورت کے اسی جذبہ کی تسکین اور اسی تمنا کی تکمیل کرتی ہے۔ وہ جب ملکہ کے لباس میں اسکرین پر نظر آتی ہے اور ہزاروں لاکھوں تماشائیوں کو اپنی ساحرانہ لطافت سے بیخود بنا دیتی ہے اُسوقت اُسکے جذبۂ خودنمائی کو سکون ملتا ہے (ریاست)

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کیجئے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلیس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی مشہ
ممالک غیر سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴ | سہ شنبہ - ۹ - جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲ - مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

روزولٹ اور مسولینی کے بعد ہٹلر! ان تینوں میں سب سے بڑا اور دنیا میں سب سے زیادہ پُر قوت، پُر عظمت، پُر جلالت شخصیت کا مالک! آپ نے دیکھا کہ کیسا آناً فاناً دنیا کے پردہ سے غائب ہو گیا! گویا کبھی تھا ہی نہیں! نہ کہیں جنازہ اٹھا، نہ مقبرہ تعمیر ہوا، نہ کوئی ماتمی جلوس نکلا، نہ کہیں دنیا کا کاروبار ایک گھنٹہ کیلیے بند ہوا! جب وقت آیا، تو اسی طرح چپ چپاتے دنیا سے رخصت ہو گیا، جیسا کہ لاکھوں کروروں اللہ کے بندے ہر روز چلتے ہی رہتے، اُٹھتے ہی رہتے ہیں! —— اتنے حسرتناک و عبرتناک انجام کا کوئی تصور بھی کر سکتا تھا؟ وہ تو صرف دوسروں کو مارنے، گرانے، فنا و ہلاک کرنے کیلیے تھا۔ خود اُسے فنا و ہلاکت سے کیا واسطہ تھا۔ اور بالفرض، گویا بطور فرض محال، اسے موت آتی بھی، تو کیسی زلزلہ افگن ہوتی! دنیا کو ہلا کر آتی! یہ معلوم ہوتا کہ گویا مرکز کائنات اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے! زمین و آسمان جنبش میں آ جاتے! آفتاب و ماہتاب تھرتھرا اُٹھتے۔ ستارے ہیبت سے گر پڑتے! —— وہم و خیال کے سارے خواب کیسے جھوٹے نکلے!

اور ہٹلر کے بعد ہیرنگ اور ربن ٹراپ اور گوئبلز! ان میں کون رستم و اسفندیار سے کم تھا؟ ان میں سے ایک ہملر کی گرفتاری اس قابل تھی، کہ اخبارات ہفتوں اسی کے تذکروں سے بھرے رہتے!

لبریز رہتے! اور ان سب سے بھی بڑھکر ڈاکٹر گوبلز! پروپیگنڈا کے صحیح اور اصلی فن کا روئے زمین پر بہترین ماہر! اسکی اس خاموش سے خودکشی کس کے ذہن میں آ سکتی تھی؟ خیال یہی تھا کہ اس کی موت قیامت برپا کرکے رہیگی!

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے!

آناً فاناً، تڑاپڑ، سب کچھ ہو کر رہ گیا! —— گویا تاش کے پتے تھے، کہ ہوا کے ایک جھونکے نے سب بکھیر کر رکھ دیئے! —— انسان کس چیز کے بھی ثبات کا، قیام کا دعوے ان حیرت انگیز مثالوں کے بعد کر سکتا ہے؟ بے حسی اور بے غوری کی تو بات ہی اور ہے۔ ورنہ احساس اگر ذرا بھی صحیح ہو، اور غور و فکر سے کسی درجہ میں بھی کام لیا جائے، تو بخدا عبرت کے دفتر کے دفتر ان معاصرانہ واقعات میں ان سامنے گزرے ہوئے حالات میں پوشیدہ ہیں!

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبرؔ نے یہ کہا، تو کیا غلط کہا ہے؟ انسانی رائے، عقل و تدبیر کی کیسی پختہ سے پختہ تعمیریں یک بیک ہلتے اور گرتے اور افتادہ خاک میں ملتے ان آنکھوں نے دیکھ لیں! فارسی شاعر نے بڑی سے بڑی شاہانہ اور شاہ اُفگنی سامنے دیکھ کر کہا تھا ؎

بیک گردش چرخ نیلوفری — نہ نادر بجا ماند نے نادری

(دوسرے مصرعہ میں "نادر" اور "نادری" کے "ہٹلر" اور "ہٹلری" کا تصرف ہو سکتا ہے) آج "گردش چرخ" نے "نادر" اور انقلاب نادری

سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوئی کیسی کیسی نشانیاں اور نظیریں ناظرین کے سامنے فراہم کر رہی ہے!

او وعدہ فراموش تری تجھکو جفا یاد!

جس نے ۱۹۲۸ء میں نگار کے صفحات میں بار بار اور جلی قلم سے چھاپا تھا کہ

"میں اعلان کرتا ہوں کہ اب میں ان امور سے باز آتا ہوں
اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میری طرف سے ایسے مقالات
کبھی نہ شائع ہونگے جن سے مذہبی شکایت کا سبب پیدا ہو"
اور یہ کہ
"نگار میں آئندہ سے کسی قسم کے مذہبی مضامین درج نہ
کرونگا۔ واللہ علی ما نقول شہید"

اور اسی مضمون و مفہوم کے وعدے اور اعلانات بار بار کیے، وہ آج انہیں صفحات میں دھڑلے کے ساتھ اپنی یہ تحقیق چھاپ رہا ہے کہ

"تخلیق نفوس سے لے کر ابدی زندگی اور اسی کے ساتھ مسرت دوام کی خیال بجائے خود کتنا طفلانہ خیال ہے۔
جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ان معتقدات کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہے تو اسکا سراغ ہمیں انسان کے اس غلط تصور تک پہونچا دیتا ہے جو خدا کے متعلق اس نے قائم کیا تھا، اور جس میں اسکی دنیاوی زندگی کی ناکامیوں نے اور زیادہ پختگی پیدا کر دی تھی۔" (نگار۔ اپریل ۴۵ء ص۲۵)

اور یہ بھی تلبیس کی پوری فنکاریوں اور ہوشیاریوں کے ساتھ ہمیشہ سے وہ قرآن مجید پر لغو سے لغو اعتراضات ایک مسیحی کی زبان سے ادا کرتا ہی نہیں کر رہا ہے، تاکہ ہر طرح اُسے شہ بھی دیتا جاتا، اور مسلمان ماہرین و علماء کے بیانات پر زیادہ سے زیادہ حاشیے چڑھاتا جاتا ہے! ملاحظہ ہوں نگار کے جنوری، فروری، مارچ، اپریل نمبر —— دین سے ارتداد کے ساتھ ساتھ اس ننگ فروش نے کیا دیانت داری اس عہد سے انحراف کی بھی ٹھان لی ہے؟

"صاحب" کی نشہ نوازی

وزیر اعظم برطانیہ کی ایک چند ہفتہ قبل کی تقریر کا اقتباس ہے:-

"ایک عظیم الشان دشواری بیئر (جو کی شراب) کی کافی مقدار کی فراہمی ہے۔ بیئر کی مقدار ہندوستان اور جنوبی مشرقی ایشیا کمانڈ کے حلقوں میں اضافہ کرنے کے لیے سرگرم کوششیں جاری ہیں۔ مقدار اب بھی بڑھ چکی ہے، لیکن ابھی اور بڑھانے کی ضرورت باقی ہے۔
حکومت ہند وعدہ کر چکی ہے کہ فوجیوں کے صرف کے لیے جتنی بیئر جائیگی اُس پر محصول معاف ہوگا"

ہندوستان اور مشرق کے بڑے بڑے رنگیلے اور نشیلے تاجداروں نے بھی یہ اہتمام اپنی سپاہ کو نشہ میں رکھنے کا، اپنے فوجیوں کو پیتے پلاتے رہنے کا کیا ہے؟ اتنی آزادیاں، یہ نشہ بازیاں "صاحب" کے دور سے قبل کیوں کبھی کسی کو نصیب ہوئی تھیں؟ —— سچ کہا جس نے کہا ہے

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

فرعون وقت کا حشر

ڈیلی اکسپریس (لندن) کے وقائع نگار اطلی کا چشم دید بیان :-

"میں نے بھی مسولینی کے خوفناک انجام کا مشاہدہ کیا۔ مسولینی ۲۲ سال اٹلی کا ڈکٹیٹر رہا۔ میلان میں پیازہ لوریٹو میں وہ اپنے آخری ۱۳ ساتھیوں کے درمیان جو سب کے سب مردہ تھے پڑا ہوا تھا۔ اور ۲۵ ہزار آدمی سخت جوش و خروش کے عالم میں اُسے ٹھوکر مارنے یا اُس پر تھوکنے کی غرض سے جانوروں کی طرح آپس میں لڑ رہے تھے۔
یہ چودہ نعشیں ایک لاری میں سے زمین کے ایک قطعہ پر پھینک دی گئی تھیں، جہاں گھاس اُگی ہوئی تھی اور وہ مضحکہ خیز ناسنوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ اس ذلت کے وقت مسولینی کی ٹانگوں پر اسکی داشتہ کلیر پٹاچی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔
بیان اس سابق ڈکٹیٹر کی نعش کو مرنے والوں کی خدمت میں ایک ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ میلان کے ہزاروں مصیبت زدہ شہریوں نے اسکی تذلیل پر اظہار مسرت کیا اور اسکی سخت توہین کی"

عبرت کی آنکھیں اس سے کچھ زیادہ دیکھنے کو اور عبرت کے کان اس سے کچھ زیادہ کچھ سننے کو تیار ہیں؟

حملہ اور حملہ آور

"[illegible] نواب محسن الملک مرحوم کی سکرٹری شپ کے زمانہ ہی میں علیگڈھ کانفرنس کا ایک جلسہ ہوا۔ میں نے صیغہ تعلیم نسواں کی اہمیت دینے کے لیے ایک بڑے پیمانہ پر عورتوں کی مصنوعات اور دستکاری کی نمائش کی"

یہ خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب نے اپنی اُس تقریر میں فرمایا جسے اُنکے ذاتی کارناموں کی کثرت بیان کے لحاظ سے مختصر تاریخ نامہ کہنا چاہیے۔ اور پھر فرمایا :-

"کانفرنس کے جلسہ میں میں نے مدرسہ جاری کرنے کی تجویز پیش کی۔ باہر سے آنے والے ممبران نے زیادہ تر اس تجویز کا خیر مقدم کیا، لیکن بعض اولڈ بوائز نے سخت مخالفت کی۔ جلسہ میں تو زبانی مخالفت ہی پر اکتفا کیا۔ مگر دوسرے دن ایک صاحب نے مجھ پر دستی حملہ بھی کیا" (صلے)

شیخ صاحب جب آپ بیتی کے بیان کرنے پر اتر ہی آ چلے تھے، تو کیا ہرج تھا کہ آخری سطر میں "ایک صاحب" کے چہرے سے بھی نقاب اٹھا دیتے! یہ جس ممتاز اولڈ بوائے نے شیخ صاحب سے جسمانی گستاخی کی جرأت کی تھی، خدا معلوم کس شدید اشتعال کے بعد اسکا

صاحب کاندھلوی - ضخامت ۱۶۰ صفحات قیمت ۸ھر پتہ :- کتبخانہ نیمی - بستی نظام الدین - متصل دہلی -

اس رسالہ میں عقائد اسلامی، اور فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے ضروری اور روزمرہ کے مسائل سلیس انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں - ساتھ ہی ساتھ ہر فریضہ کے فضائل کی احادیث بھی تشویق کے لیے بیان کردی گئی ہیں - لیکن بہشتی زیور علم الفقہ اور فتاوے عثمانی کی سی مکمل و مدلل کتابوں اور مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی تعلیم الاسلام جیسے مختصر و جامع رسائل کے شایع و رائج ہونے کے بعد اس کتاب کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی - (سا - ق)

(۴) **فن صحافت** - از چودھری رحم علی الہاشمی بی اے ضخامت ۲۲۵ صفحات - قیمت ۸ھر پتہ : دفتر انجمن ترقی اردو دریاگنج - دہلی -

اخبار بینی کا ذوق اردو خواں پبلک کو آج سے نہیں مغلیہ دور کے آخری زمانہ سے ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو یہ جانتے ہونگے کہ اخبار نویسی (صحافت) یورپ وغیرہ میں ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے - اسکی باقاعدہ تعلیم وہاں کی یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے، اور اس پر، اور اسکے مختلف شعبوں پر انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں بیشمار کتابیں مستند و معتبر موجود ہیں -

انجمن ترقی اردو زبان اردو کی ہمہ گیر خدمات انجام دے رہی ہے، اسی کے زیر اہتمام یہ اہم کمی بھی پہلی بار پوری ہو رہی ہے - اور فن صحافت پر ایک کہنہ مشق صحافی کے قلم سے ایک مستند کتاب اردو خوانوں کے سامنے آرہی ہے -

کتاب ۳ حصوں پر منقسم ہے - حصہ اول میں اردو صحافت کے ماضی و حال، اردو ٹائپ، اخبار کی تعریف، اڈیٹر اسسٹنٹ اڈیٹر، اخبار کے انداز تحریر وغیرہ کا ذکر ہے، مرتب کتاب چونکہ متعدد انگریزی و اردو روزناموں میں کام کر چکے ہیں، انھوں نے محض انگریزی ترجمہ و اخذ پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ جا بجا عملی تجربات بھی لکھ دیے ہیں، جسکا مطالعہ اُن لوگوں کے لیے جو اخبار نویسی کے پیشہ میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں، بہت ہی مفید ہوگا -

حصہ دوم میں طباعت کے مراحل کی تفصیل ہے، اور حصہ سوم میں انتظامی امور سے بحث ہے - یہ دونوں حصے عام ناظرین کے زیادہ کام اور دلچسپی کے نہیں، پر فن صحافت میں پڑنے والوں کے لیے انکا مطالعہ ضروری ہے، خصوصاً اُن حضرات کے لیے جو اردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے - مرتب کتاب نے صحافت کی ترقی کے لیے لیتھو (پتھر کی چھپائی) کے بجائے ٹائپ (ادھے کا چھاپہ) کو ناگزیر بتایا ہے اور اس سلسلہ میں جو دلائل دیے ہیں وہ اردو اخبار نویسوں کے لیے یقیناً قابل غور ہیں - (اے - ق)

(۶) **واجد علی شاہ** - آخری تاجدار اودھ - مرتبہ محمد تقی احمد صاحب ایم اے - ضخامت ۱۱۲ صفحات، قیمت ۱۲ھر پتہ، کتاب خانہ دانش محل - امین الدولہ پارک - لکھنؤ

کتاب کا اصل موضوع اودھ کے آخری فرماں روا واجد علی شاہ کی مختصر سوانح اور انکی معزولی کے تفصیلی اسباب ہیں - ضمناً پورے حکمرانان اودھ کا مختصر تذکرہ آگیا ہے، اور اس سلسلہ میں مرتب نے اودھ کے متعلق اردو و فارسی کی مشہور کتابوں کے علاوہ انگریزی کتب اور سرکاری کاغذات (ریکارڈ) کو بھی پیش نظر رکھا ہے - اور اُن الزامات کو جو آخری تاجدار اودھ پر عائد کیے گئے ہیں، مستند حوالوں سے جا بجا رفع کیا ہے - اور یہ دکھایا ہے کہ انتزاع سلطنت جن اسباب کی بنا پر ہوا اُن میں بہت کچھ کمپنی کی حکومت اور اُسکے کارپردازوں خصوصاً رزیڈنٹ بہادر کی مداخلت بیجا کو دخل تھا، سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ مختصراً اُس زمانہ کی تہذیب و معاشرت کا بھی ذکر آگیا ہے - کتاب میں اختصار ضرورت سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے - ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی کاغذ کی قلت اسکا سبب ہو - امید ہے کہ آیندہ اڈیشن میں اور زیادہ بسط سے کام لیا جائیگا - (ع ق)

(۵) **حیات سکندر** - مولفہ مرزا احمد سعید بیگ صاحب ضخامت ۲۲۲ صفحات - قیمت مجلد ۸ھر پتہ، تاج کمپنی ریلوے روڈ - لاہور

کتاب کے نام سے مغالطہ نہ ہو، یہ سکندر مقدونی یا سکندر لودی کی نہیں بلکہ (سر) سکندر حیات پنجابی کی سوانح حیات ہے لیکن سوانح حیات سے زیادہ اُنکے کوائف مرگ پر مشتمل ہے - یعنی کتاب کا تقریباً نصف آخر سر سکندر مرحوم کی اچانک وفات، تدفین، اور انکے متعلق مختلف مشاہیر کے تعزیتی پیغامات، اور بعض جرائد و رسائل کے ماتمی مضامین پر مشتمل ہے - سکندر یونانی اور سر سکندر (پنجابی) کی موت میں یک گونہ مماثلت بھی پائی جاتی ہے - کیونکہ اول الذکر کا انتقال بھی عین اُس زمانہ میں ہوا تھا جبکہ اُسکا اقتدار روز افزوں تھا اور پنجاب میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرکے اپنے وطن واپس جا رہا تھا - سر سکندر حیات کی وفات بھی اُسوقت ہوئی جبکہ وہ پنجاب کی نمایاں ترین سیاسی ہستی تھے - اور اس سے زیادہ عبرت و تاثر کی چیز یہ کہ وفات عین اُس دن ہوئی جبکہ وہ اپنے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے نکاح کی رخصتی سے فارغ ہو سکے تھے - اور نغمۂ شادی آہ فاتحہ نوحۂ غم میں بدل کر رہا - انکی وفات کے حالات اس عبرت پذیری کے اعتبار سے بار بار پڑھے جانے کے قابل ہیں -

کتاب کے شروع کے ابواب میں انکے خاندانی حالات، ابتدائی تعلیم اور کچھ سیاسی زندگی کے کوائف درج ہیں - انکی نماز کی پابندی، تہجد کی ادائی، قرآن مجید کی اشاعت میں سرگرمی، نوکروں کے ساتھ حسن سلوک (مثلاً انکے خادموں کے لیے جو سالن پکتا تھا، وہ انکے دسترخوان پر بھی ضرور آتا تھا، اور منجملہ اور کھانوں کے وہ اسے مزہ

چلتے تھے) وغیرہ کی جو حکایات اس کتاب میں درج ہیں، وہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔

کتاب کے باب سوم میں جو سر سکندر کے والد نواب محمد حیات خاں کے حالات پر مشتمل ہے، حکومت انگریزی کی وفاداری پر جو زور دیا گیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں حصہ لینے والوں کو باغی وغیرہ کے لقب سے جو ملقب کیا گیا ہے، یہ آئندہ اڈیشن میں حذف کیے جانے کے قابل ہے۔ اسی طرح تاج کمپنی اور سر سکندر مرحوم کے تعلقات کے ذکر میں بہت زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ جسے آسانی مختصر کیا جا سکتا ہے (ع - ق)

(۹) شعرائے عصر کے کلام کا انتخاب جدید۔ سنہ ۱۹۲۴ تا سنہ ۱۹۴۲ء

مرتبہ جناب عزیز احمد صاحب اُستاد جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن و جناب آل احمد صاحب سرور اُستاد یونیورسٹی علیگڈھ۔ ضخامت ۲۷۳ صفحات قیمت مجلد ؎ غیر مجلد ؎ ناشر انجمن ترقی اُردو - دہلی۔

جدید اُردو شاعری کے ایک مستند معیاری مجموعہ کی اشاعت ایک اہم ادبی ضرورت تھی۔ ملک کی دو مشہور یونیورسٹیوں کے صاحب نظر اُستادوں نے انتخاب جدید ترتیب دے کر اس ادبی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک قابل قدر کوشش کی ہے۔ دیباچہ سرور صاحب کے قلم سے ہے اور تمہید عزیز صاحب کے قلم سے۔ سنین کی حد بندی کے اندر حروف تہجی کے اعتبار سے "اقبال" سے لیکر "یاس چنگیزی" اُردو کے ۵۱ شاعر اس انتخاب کی زیب و زینت بنے ہوئے ہیں۔ اُنکے کلام کی اندرونی ترتیب جا بجا غلط و ناقص ہے۔ تاہم مرتبوں نے کلام کے انتخاب میں محنت و کاوش سے کام لیا ہے اور انتخاب اپنی بصیرت کے مطابق اُسی کلام کا کیا ہے جو پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ بھلائے ہوئے شاعر محمد علی جوہرؔ کو جدید شعراء کی بزم میں جگہ دینا جوہر شناسی کا ایک نمایاں ثبوت ہے۔ اسی طرح ہاشمی فرید آبادی کو ہم اب تک ایک ادیب اور مترجم سمجھتے تھے مگر اب معلوم ہوا کہ وہ اعلیٰ شاعرانہ صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں

جہاں تک جدید رنگ سخن کا تعلق ہے، بحیثیت مجموعی انتخاب اچھا ہے، مگر بعض حیثیتوں سے اسکا ادبی پایہ گرا ہوا بھی ہے۔ مرتب صاحبوں کے ذوق سلیم سے توقع یہ تھی کہ وہ ترقی پسند شاعروں کے لیے اپنے معیاری انتخاب میں کوئی وقعت کی جگہ نہ نکال سکیں گے، وہ تنگ بندی کے نمونوں سے اپنے مجموعہ کو آلودہ نہ کرینگے، مگر افسوس ہے کہ یہ نظمی نوازش بجائے اقبال، حسرت، ریاض، اصغر، جگر، فانی، عزیز، جوش، اثر وغیرہ کے پہلو میں راشد وغیرہ کو بھی بٹھا دیا

دیباچہ، سرور صاحب کے قلم سے یوں بھی "ترقی پسندی" کا نقیب ہے۔ لیکن ذیل کی تنقید میں تو حد سے متجاوز خفیف درجہ تک ہے۔ اکبرؔ کے ذکر میں فرماتے ہیں

"مظہر قیمت کا یہ پرستار ہر چیز کو جذبات کی آنکھ سے دیکھتا تھا:

ہر نئی چیز سے جھگڑتا تھا - اس نے ساری عمر بتوں کے عشق میں گزار دی اور آخر میں باعذار رہنا چاہتا تھا۔"

اس سے اکبرؔ کا تو کچھ نہ بگڑا - البتہ خود دیباچہ نگار کی پست مذاقی عالم آشکار ہو گئی۔

اس قسم کی چند خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود بہر حال انتخاب جدید، جدید رنگ سخن کا ایک خاصہ دلچسپ اور نظر افروز مرقع ہے۔ شائقین ادب اسکے مطالعہ سے لطف و نفع دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔ (ح - ا - ق)

شہد کے فائدے

جالینوس نے لکھا ہے کہ اکثر بیماریوں میں شہد سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ مصطگی خالص کو شہد کے قوام میں معجون بنا لی جائے - یہ معجون معدہ کو قوت دیتی ہے اور آنتوں کی کمزوری کو رفع کرتی ہے، دافع ریاح ہے، دماغی رطوبتوں کو جذب کرتی ہے - خود شہد کے افعال ہیں کہ جلا کرتا ہے، سُدّوں کو دور کرتا ہے، لیسدار بلغم اور رطوبت کو چھانٹ دیتا ہے، اور بدن کی گہرائی سے خراب مادہ کو نکال دیتا ہے - بھوک بڑھاتا ہے تھوڑے سے سرکہ کے ساتھ شہد کو ملاکر اگر روزانہ دانتوں پر ملیں تو دانت محفوظ رہتے ہیں - اسکے علاوہ شہد خالص زخموں کو صاف کرتا ہے - نیم گرم پانی میں ملاکر اسکا غرغرہ کرنا حلق کے ورم اور زبان کے زخم کو دور کرتا ہے - کان کے درد اور کان سے پیپ آنے میں اسکا کان میں ٹپکانا مفید ہے - اگر رات کو سوتے ہوئے شہد کو سلائی سے آنکھوں میں پابندی سے لگاتے رہیں تو نظر کو قوت ہوگی اور آنکھوں کی حفاظت رہیگی - جن بچوں کو شہد دیا جاتا ہے اُنکا نشو و نما خوب ہوتا ہے -

آگ سے جلنے والے کے لیے

ان تمام فوائد کے علاوہ علم و فن کے موجودہ دور ترقی میں شہد کا امریکہ میں آگ سے جلنے والے کے لیے بہت عظیم الشان تجربہ ہوا ہے، جسکی مندرجہ ذیل رپورٹ امریکہ کے ایک رسالہ میں شایع ہو چکی ہے "آگ سے جلنے کی تکلیف میں شہد کا استعمال کئی تجربوں سے امریکہ میں نہایت مفید ثابت ہوا ہے ایک عورت موسیقی کے لیے کنڈا تیار کر رہی تھی - اسکی بچی (جس کی عمر ڈیڑھ سال تھی) گود میں تھی بیخبری میں بچی اس ابلتی ہوئی ہنڈیا میں گر پڑی - اُسے فوراً نکال تو لیا گیا، لیکن پھر بھی اسکے چہرے اور جسم کی تمام جلد جل گئی - سر اور بازو کی اندرونی جانب بھی جلنے سے نہیں بچی - زخم اتنے گہرے تھے کہ بعض جگہ تو جلد کی اندرونی باتیں دکھائی دینے لگیں، اور بچی کو تشنج ہونے لگا - سانس اُکھڑ گیا، نبض جلدی جلدی اور بے قاعدہ چلنے لگی - نبض اور سانس کی یہ رفتار بتا رہی تھی کہ بچی موت کی سرحد میں داخل ہو رہی ہے - تاہم زخموں کو صاف کرکے تمام جلی ہوئی جگہ پر شہد کا لیپ کر دیا گیا۔

روایاتِ نزولِ مسیحؑ

نمبر (۵)

(از مولوی عبدالرحیم خان صاحب جے پوری فرنگی محلی)

علامہ مجیب نے اسکے بعد علامہ برزنجی شافعی کی عبارت "ومن ثم ورد من کذب بالدجال فقد کفر ومن کذب بالمہدی فقد کفر رواہ ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابو القاسم السہیلی فی شرح السیرۃ" نقل کر کے "ومن ثم ورد" کے ترجمہ میں تجویز فرمایا ہے "اسی (تواتر و یقین) کی بنا پر سے وارد ہوا ہے" کیا اس تشریح کے لیے ماقبل کی کوئی عبارت قرینہ ہے ہرگز ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ تواتر کے علاوہ یقین سے قطعیت کو ظاہر کرنے کے لیے علامہ برزنجی نے کیا لفظ اختیار کیا ہے قطع نظر اس سے کہ سہیلی نے خود من کذب الخ والی روایت کو شرح سیر میں روایت کیا ہے (جیسا کہ علامہ مجیب کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے) یا ابوبکر الاسکاف کی روایت کو انکی کتاب فوائد سے نقل کیا ہے اور اس سے بھی قطع نظر کہ ابوبکر اسکاف کا پایہ علوم حدیث میں مانا جاتا ہے یا کیسا ہے اور اس سے بھی قطع نظر کہ ایسے اہم مضمون کی حدیث سے جس میں ایک مسلہ کے انکار کو کفر بتایا گیا ہے معتبر حدیثوں کا سارا دفتر خالی ہے یا نہیں اور یہ کہ دجال اور مہدی کے متعلق جن جن اکابر علماء نے بحثیں کی ہیں کسی نے بھی اسے لایق اعتنا سمجھا یا نہیں اور یہ کہ عقائد فقہ کی معتبر کتابوں کے اوراق کی ورق گردانی سے اس روایت والے مضمون کا پتہ چلتا ہے یا نہیں اور یہ کہ کفریات کی فہرست میں جہاں معمولی معمولی باتیں مل جاتی ہیں جنکا تعلق محض اجتہاد سے ہوتا ہے؛ ہاں یہ کفر جو اسقدر صاف و صریح طریقہ سے ابوبکر الاسکاف کی روایت میں موجود ہے درج ہے یا نہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ ابوبکر الاسکاف نے من کذب الخ والے قول کو اپنی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کیا ہے اور علامہ برزنجی فرماتے ہیں (بقول علامہ مجیب) کہ اسی تواتر و یقین کی وجہ سے یا تواتر و یقین کی بنا پر (لفظ صاف طبع نہیں ہوا ہے) من کذب الخ والا قول وارد ہوا ہے" تواتر اور یقین کا ظہور تو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ یہ کیا کہ تواتر و یقین کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کذب الخ۔ العجب ثم العجب۔ کہیں یہ برزنجی وہی تو نہیں جو اپنے مولود شریف کے رسالہ کی … سے عرب و ہند میں … جنھوں نے تمام مولود شریف کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے "وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ … ذوو روایۃ و رویۃ" اور … سے بھی قطع نظر کہ تکذیب دجال تو عین ایمان ہے وہ وجہ کفر کیسے ہو سکتی ہے الا ان یتاول ویقال مرادہ من کذب بخروج الدجال بہرحال ان سب امور سے قطع نظر ابوبکر الاسکاف کی اس روایت کو بخاری اور مسلم کی روایت کے درجہ حدیث کا ہی مرتبہ دیدیا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ روایت خبر واحد ہوگی جس سے کسی مسلمان مدعی اسلام منکر خروج مہدی کا کفر قطعیت کے ساتھ کیسے ثابت ہوگا - پھر اس سے خروج مہدی کی قطعیت پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے - علاوہ اسکے خروج مہدی کے متعلق احادیث متواترہ کا مطالبہ کیا گیا تھا نہ کہ اس مسئلہ کی قطعیت کے ثبوت کا اور ظاہر ہے کہ قطعیت کا ثبوت تواتر پر موقوف نہیں

پھر اس مسئلہ کی قطعیت ثابت ہو جانے سے مسئلہ خروج مہدی کے متعلق احادیث متواتر ہونے کا ثبوت کس طرح ہو جائیگا - اس روایت کے نقل کرنے کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ (جیسا علامہ مجیب کے مضمون میں ہے) "میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں خروج دجال کا ذکر ہے اُن میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسی علیہ السلام اور انکے قاتل دجال ہونے کا ذکر نہ ہو - پس لازم ہے کہ جو نزول عیسی علیہ السلام کا منکر ہو وہ بھی کافر ہو" کیا وزن رکھتا ہے کیا محض اس روایت کی بنا پر ملزوم یعنی "منکر خروج دجال کا کفر" ہی قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ لازم یعنی "منکر نزول مسیح کا کفر" قطعیت کے ساتھ (قطعیت کے ساتھ ثبوت کفر سے مسئلہ نزول مسیح کی قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی) علاوہ اسکے علیٰ سبیل التنزل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وجود مسیح اور مسیح کا قاتل دجال ہونا یہ نزول مسیح کو مستلزم نہیں بغیر نزول مسیح کے مانے ہوئے بھی مسیح کا قاتل دجال ہونا مانا جا سکتا ہے جسکے لیے محض وجود مسیح کافی ہے اگرچہ یہ وجود بطریق نزول نہ ہوا ہو - خروج دجال والی حدیثوں کے متعلق یہ کہنا کہ اُن میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسی علیہ السلام کا ذکر نہ ہو وہ لایق تسلیم نہیں - شاذ و نادر کیا، خروج دجال کے متعلق متعدد روایتیں ذخیرۂ احادیث سے ایسی پیش کی جا سکتی ہیں.

اسکے بعد علامہ مجیب نے تفسیر بحر المحیط اور تفسیر النہر الماد کی علیحدہ علیحدہ دو عبارتیں نقل فرمائی ہیں حالانکہ واقف کار جانتے ہیں کہ تفسیر نہر الماد کوئی مستقل علیحدہ کتاب نہیں وہ البحر المحیط کا خلاصہ ہے اور لطف یہ کہ یہ خلاصہ کسی دوسرے مولف کا کیا ہوا بھی نہیں خود مولف بحر المحیط نے خلاصہ کیا ہے - کیا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تصنیفوں اور مولفین کی فہرست میں محض اضافہ کے لیے ان دونوں تفسیروں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے - بہرحال تفسیر البحر المحیط کی نقل کردہ عبارت یہ ہے "قال ابن عطیہ واجمعت الامۃ علی ما تضمنہ الحدیث المتواتر من ان عیسی ابن مریم فی السماء حی وانہ ینزل فی آخر الزمان" کیا ابن عطیہ کا یہ قول کچھ بھی لایق توجہ ہے جبکہ حیات مسیح علیہ السلام پر متضمن صحیح مرفوع پانچ حدیثیں بھی نہیں چہ جائیکہ حدیث متواتر - کیا نزول فی آخر الزمان "حیاۃ فی السماء" کو مستلزم ہے، کیا قادر و مقتدر ذات کسی کو اتنے عرصہ دراز تک زندہ رکھ سکتی ہے - کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ کسی انسان کو مرنے کے بعد قرب قیامت میں زندہ کر سکے اور اس نئی زندگی کے بعد پھر

اُس پر دوبارہ موت طاری کرے۔ کیا ابن عطیہ کے علاوہ اس پورے عہد
صدی کے قبل کسی معتبر عالم نے حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق کسی
حدیث متواتر ہونے کو بیان کیا ہے (کسی اور دلیل سے استدلال کی بحث نہیں) کیا احادیث
متواتر کی شان ہو سکتی ہے کہ اُس سے صرف ابن عطیہ باخبر ہوں؛ شہرۂ عام کسی
معتبر عالم کی زبان پر اس حدیث متواتر کا ذکر نہ ہو۔ علامہ مجیب سے درخواست ہے
کہ وہ ابن عطیہ والی حدیث کو متواتر بیان فرمائیں تاکہ سارے دنیا کے علمائے علم
میں اس سے اضافہ ہو۔ حیات مسیح پر جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے آخر یہ اجماع کس
قرن میں ہوا اور ابن عطیہ اس اجماع سے بطریق قطعیہ مطلع ہوئے یا بطریق ظنیہ اور
کہیں اسی اجماع سے اجماع سکوتی تو مراد نہیں۔ بہر حال اس دعوے اجماع کے
متعلق بھی وہی گفتگو ہے جو اوپر مولانا انور شاہ مرحوم مغفور کے دعوے اجماع کے متعلق
گزری۔ اسکے بعد علامہ مجیب نے ایک عبارت نقل فرمائی ہے اور تحریر کیا ہے
کہ یہ عبارت اُس مطبوعہ تفسیر جامع البیان کی عبارت ہے جسکے حاشیہ پر تفسیر ابن کثیر
ہے۔ وہ عبارت یہ ہے "والاجماع علی انہ حی فی السماء ینزل ویقتل الدجال ویؤید الدین"۔
اگر تفسیر جامع البیان سے تفسیر طبری مراد ہو تو وہ مطبوعہ تفسیر طبری جسکے حاشیہ پر تفسیر ابن کثیر
مراد ہو میرے پاس موجود نہیں۔ اور اب تک میرے علم میں
یہ بھی نہیں آیا کہ ایسی کوئی تفسیر طبری طبع ہوئی ہے) میرے پیش نظر جو
مطبوعہ تفسیر طبری ہے جسکے حاشیہ پر قمی نیشاپوری کی تفسیر ہے اس تفسیر
طبری میں مجھے یہ عبارت نہیں ملی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ علامہ مجیب
اُس آیت سے مطلع فرمائیں کہ جسکے ماتحت ابن جریر طبری نے اپنی
تفسیر میں یہ عبارت درج کی ہو۔ تفسیر جامع البیان کے نام سے
ایک غیر مشہور تفسیر ہے معین ابن سید صفی کی تالیف کردہ ہے۔ اتفاقاً
اُسے بھی میں نے دیکھ لیا افسوس کہ اُس میں بھی باوجود تلاش کے یہ
عبارت نہیں ملی۔ علامہ مجیب کے متعلق یہ بدگمانی تو کی نہیں جا سکتی
کہ موصوف نے عمداً اسکی تشریح نہیں فرمائی کہ جامع البیان نامی تفسیر
سے کون سی تفسیر مراد ہے تاکہ ناظرین دھوکا کھا کر طبری کی تفسیر سمجھ لیں
حسن ظن تو اسی کا مقتضی ہے کہ مؤلف کے نام کی تشریح سہواً رہ گئی ہے
یا واقعی تفسیر طبری ہی کی یہ عبارت ہے جسکا تفسیر طبری میں جسے زمانہ
میرا تسامح رہے۔ واللہ اعلم

بہر حال جس تفسیر کی بھی یہ عبارت ہو اُس میں بھی اجماع کے متعلق
وہی گفتگو ہے جو مولانا انور شاہ مرحوم و مغفور کے دعوے اجماع کے متعلق
اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ ص۹ میں امام رازی کے دعاوی پر جرح و قدح کا
حال گزر چکا ہے۔ اسی کی نظیر حافظ زین الدین عراقی کا بھی دعوے
اجماع ہے جو انھوں نے شق القمر کے واقعہ کے تعدد کے متعلق کیا تھا۔
شہاب آفندی نے شرح شفا میں اسے علامہ زین الدین عراقی کے سہو
اور غفلت پر محمول کیا۔ جس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ دعاوی اجماع
پر بہت احتیاط کے ساتھ توجہ کی ضرورت ہے۔ ہر دعوے اجماع
قابل قبول نہیں ہوتا کسی مسئلہ کے متعلق دو ایک آدمیوں کے
دعوے اجماع سے اس مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہو جاتی (باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ساڑھے چار روپیہ
بیرون ہند سالانہ ۱۸ شلنگ
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

شنبہ - ۱۳ - جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶ - مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

یادِ ایام[1]

نمبر (۸)

(از عبدالماجد)

۲۰ - ۲۱ سال اُدھر کا ذکر ہے - یہی گرمیوں کا موسم ہے - مئی کا مہینہ ہے گرم گرم ہوا اور لو اور کڑی دھوپ کے دن ہیں، صبح سویرے کا وقت ہے نماز سے فراغت کے بعد اب پڑھائی کا وقت شروع ہونے کو ہے - والدہ ماجدہ قرآن مجید اور تسبیح پڑھ پڑھا چکیں ہوئی ہم لوگوں کے لیے شربت کے گلاس الماری سے نکالیں اور ٹھنڈی چیز کے تیار کر رہی ہیں - اور ہم تینوں بھائی بہن اسی کے انتظار میں آس پاس کھڑے ہوئے ہیں - گھر میں اللہ کے دیے ہوئے نوکر چاکر اندر اور باہر متعدد ہیں، لیکن والدہ اپنے ہی ہاتھ سے شربت بنا اور پلا رہی ہیں —— ان کو بچوں کا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں جو لطف آتا ہے، وہ دوسروں سے کام لینے میں نہیں آتا!

یہ ایک مثال نمونہ کے طور پر اُن کے کام کرنے کی یاد پڑ گئی - شریف بیبیاں، اچھی خاصی، خوشحال مسلمان بیبیاں، بچوں کا، شوہر کا، گھر کا سارا کام، خوش دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دیتیں؟ خانہ داری کے کن سے کاموں سے شرماتی ہیں، جھجکتی ہیں؟ گھر کے چھوٹے بڑوں کی خدمت کرنا، اپنی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سمجھنا، اُسے شروع سے بتایا جاتا، ان کے دل میں اتارا جاتا ہے - سب کے کھانے پانی کی فکر رکھنا، دوسروں کو کھلا کر خود آخر میں کھانا، گھر میں کوئی بیمار پڑے، تو اُسکی دوا کرنا، تیمارداری کرنا، بچوں کی خدمت کے لیے نگہداشت کے لیے راتیں رات بھر جاگ کر صبح کر دینا، اسی تربیت میں اُنکی آنکھیں کھلتی تھیں، اور یہی سرمایہ لیے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوتی تھیں —— کم از کم ایک پشت پیشتر تو یہی ہر شریف گھر گھرانے کا پروگرام تھا - خدمت کے لیے جینا، اور خدمت ہی پر مرنے کا دستور عام تھا -

---

نہ کوئی لیڈیز جرنل نہ کوئی "ویمنس ایسوسی ایشن"۔ نہ پردہ کلب نہ بے پردہ کلب، نہ کوئی انجمن خواتین، نہ کوئی گرلز کالج، نہ "مساوات" کا زور، نہ مطالبۂ حقوق کا شور، نہ ممبری نہ ووٹ، نہ لپ اسٹک نہ روژ - نہ کریم نہ پیف، نہ سگار نہ سگریٹ، ہاں بس یہی عطر، پھلیل منہ میں پان، ہاتھ پیر میں مہندی، بچہ رہی تو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا، جوان رہی تو شوہر کی نظروں میں ماہ پارہ، سن اُترا تو جوان جوان اولاد خدمت کو موجود، چاکری پر کمربستہ —— زندگی کا لطف اس میں تھا یا اس نقلی "میم صاحب" بن جانے میں؟ "لکچرز" اور "آرٹ" میں غرق ہو جانے میں؟ —— ہسٹیریا کا مرض برطانیہ اور امریکہ اور فرانس اور روس میں کتنیوں کو لاحق ہوتا ہے، اور ہندوستان میں کتنیوں کو؟ جواب اعداد فراہم کرکے دیکھیے - خودکشی کی نوبتیں لندن اور پیرس اور نیویارک میں کثرت سے پیش آتی رہتی ہیں، یا ہمارے قصبوں اور دیہاتوں میں؟ —— حشر کو چھوڑیے، آج دنیا ہی میں کس کا کیا حشر ہو رہا ہے؟

---

[1] اس سلسلہ کا نمبر ۷ صدق جلد ۱۰ نمبر ۲۲ - ۳ - اکتوبر سنہ ۴۴ء میں نکلا تھا -

تجدد کی رجعت!

کم لوگوں کو اطلاع ہوگی، کہ ۹ - جولائی ۱۹۴۴ء کو صدر جمہوریہ سوویٹ روس کا ایک فرمان شایع ہو چکا ہے جسکی رو سے

(۱) ہر حاملہ عورت اور بننے والی ماں کو سرکاری وظیفہ ملا کریگا۔

(۲) دس یا اس سے زائد بچے پیدا اور پرورش کرنے والی ماؤں کو سرکار "MOTHER HEROINE" کا لقب عطا کیا کریگا۔

(۳) متعدد تمغے، تمغۂ مادریت، مادریت عظمیٰ وغیرہ بچہ دار عورتوں کے لیے جاری کر دیے گئے ہیں۔

(۴) ایسی ماؤں کے نام اور تصویریں اور سوانح عمریاں، فوراً اخبارات میں شایع ہو جاتی ہیں، اور گمنام و بے نشان مائیں ایک دم سے اپنے کو مشہور پانے لگتی ہیں۔

فرمان کے بعد سے ماؤں کے گروہ کے گروہ، دور دور سے سفر کر کے پایۂ تخت کو آنے لگے ہیں، کہ صدر جمہوریہ کے ہاتھ سے انعام اور تمغے پائیں، اور بچہ کشی کی تحریک ملک میں خوب عام اور مقبول ہو گئی ہے (بمبئی کرانیکل، ہفتہ وار ایڈیشن، ۱۳ - مئی ۱۹۴۵ء)

یہ حال اُس ملک روس کا ہے، جو شاید بجز فرانس کے، "ضبط و منع تولید" کی تحریک میں سب سے آگے تھا! ―― کیا خدا کی قدرت ہے کہ غریب ہندوستان ابھی جی بھر کر سبق لینے بھی نہ پایا تھا کہ خود اُستاد ہی کی کایا پلٹ ہو گئی! اور روس بجائے بچہ کشی کے بچہ کشی کا ملنے لگا! ―― .... دو چیزیں دُنیا کے اس علم حقیقی پر، جو دقتی ہوا، اُن سے بے نیاز ہو کر تعمیر دُنیا کو اسکی ہے گیا ہے کہ تزوجوا الودود الولود -

ماہرِ فن کا مشورہ

"نیشنل میڈیکل ہیلتھ کمیٹی کے سامنے ایک بیان میں ڈیم اینڈ لاکنس، ایم، پی، اور کوئینس لینڈ (آسٹریلیا) یا یو سائٹی کی علمبردار فنِ مادریت نے کہا کہ آج فیشن کا حکم ہے کہ بچے کم سے کم پیدا ہوں، یا سرے سے نہ ہوں۔ ہالی وڈ (دنیا کے سنیمائی مرکز) نے جو نسوانی معیار قائم کر دیا ہے، اور جسکا ایک جزو مصنوعی نوجوانی ہے، وہ مادریت کے تصور پر غالب آ گیا ہے، جو ابتک مسیحی تمدن میں معزز ترین مقام رکھتا تھا ... غیر شعوری طور پر جا بجا عورت کے دل میں یہ بات بس گئی ہے کہ بجز خصوصی حالات کے مادریت کوئی قابل عزت چیز نہیں۔ آج کسی نوجوان ماں کی عزت اُسکے ماں ہونے کی بنا پر ہے؟ عوام کی نظر میں وقعت تو صرف ہالی وڈ والے سانچے کی ہے ... صحیح مادریت، حسن و جمال کی دشمن نہیں بلکہ او صحت، حسن ہر صورت کے حق میں معین ہے" (لیڈر - الہ آباد - ۱ اپریل)

یہ آسٹریلین لیڈی ایم، پی صاحبہ کہیں ظرافت تو نہیں فرما رہی ہیں؟

―― اور پھر ایسی یونیورسٹی کی رقیانوسیت کو کیا کہہ کر دیا جائے، جو آج بیسویں صدی کے وسط میں ایک مستقل موضوع فن امومت یا مادریت کو بنائے ایک مخصوص لکچرشپ اسکے لیے قائم کیے ہوئے ہے!

―― آہ تجدد! غریب آخر کہاں پناہ لے!

دانت اور تمدن جدید

"لارڈ مٹے ویٹ کی صدارت میں جو انٹرڈپارٹمنٹل کمیٹی فوجیوں کے دانتوں کی تحقیق حال کے لیے قائم ہوئی تھی اُس نے فوجی رنگروٹوں کی ایک بڑی اور نمایندہ تعداد کے امتحان و معائنہ کے بعد لکھا ہے، کہ بھرتی ہونے والوں اور ہونے والیوں میں ۹۰ فی صدی مردوں کے اور ۸۶ فی صدی عورتوں کے دانت خراب اور قابل علاج ہوتے ہیں" (اکانومسٹ، لندن - ۲۵ - نومبر ۱۹۴۴ء)

ظاہر ہے کہ فوجی سلسلہ میں داخل ہونے والے عموماً سب جوان و تندرست ہی ہوتے ہیں، یہ ۸۰ فی صدی تعداد اُنکے دانتوں کی خرابی کی ہے! ۹۰ فی صدی مرد! اور ۸۶ فی صدی عورتیں! باقی ساری آبادی کو اس پر قیاس کرنا کچھ مشکل ہے؟ ―― جو قوم کی قوم، منہ دھونے، دانت مانجنے، کلی و غرارہ کرنے، مسواک کرنے ہی سے ناآشنا ہو، اور اُسکے برعکس عادی ہو سگرٹ اور سگار نوشی کی، حیرت اس پر ہے کہ اُسکے ۱۰ - ۱۲ فی صدی کے دانت کس طرح محفوظ ہیں؟ عجب نہیں جو اُنکی خرابی ابھی ڈاکٹروں کے علم میں نہ آئی ہو!

"صاحب" کا ذوق

نیوز آف دی ورلڈ (لندن) دنیائے مہذب و متمدن کا سب سے بڑا ہفتہ وار ہے - ۳۰ لاکھ کاپیاں ہر نمبر کی نکلتی رہتی ہیں - حال میں ٹائمس آف انڈیا (بمبئی) کے ایک سابق اڈیٹر اڈول ایرس نے تحقیق و تحلیل کر کے بتایا ہے کہ اوسطاً اس اخبار کے

۸ کالموں میں سیاسی و معاشیاتی خبریں ہوتی ہیں۔

۱۸ کالم کھیل تماشہ (فٹ بال، ہاکی وغیرہ) کے لیے وقف رہتے ہیں۔

۲۵ کالم جرائم اور شہدپن (چوری، قتل، حرام کاری، جعلسازی، ڈاکہ، اسقاط حمل وغیرہ) کی روداد کی نذر رہتے ہیں۔ (بمبئی کرانیکل، ہفتہ وار ایڈیشن - ۴ - فروری ۱۹۴۵ء)

"صاحب" کا مذاقِ طبیعت آپ نے دیکھ لیا؟ اسکے انتہائی رغبت و شوق کی خبروں کی نوعیت آپ کے ملاحظہ میں آ گئی؟ ―― "تہذیب" کے اسی معیار کمال کی طرف آپ جانا، اور سب کو لیجانا چاہتے ہیں؟

کم سِن آرٹسٹ

لکھنؤ سے ایک مراسلہ :-

"ایک روز شہر کے جدید ادبی مرکز .... میں بیٹھا ہوا تھا۔ شہر کے مشہور عالم خاندان ... کے ایک کم عمر صاحبزادہ تشریف لائے۔ ہاتھ میں ایک نیا فلمی پرچہ تھا۔ غالباً انھیں کا نکالا ہوا تھا۔ سرورق پر ایک فلمی اسٹار کی تصویر تھی۔ صاحبزادہ سنیما کے مناقب بیان کر رہے تھے۔ فرماتے تھے کہ فلم کی صنعت میں مسلمان بہت پیچھے ہیں، انھیں آگے بڑھنا چاہیے۔ اور بعد جنگ سنیما کی اہمیت اور مقبولیت اور بڑھ جائیگی۔ آج جو مرتبہ فلمی اداکاروں کا ہے، وہ کسی کو نصیب نہیں۔ میں نے تو اس صنعت کو فروغ دینا اپنا مشن بنا لیا ہے۔ مسلمانوں کو فلمی پرچے ضرور نکالنے چاہییں۔ میرے والد ماجد کو میرے اس شوق کا علم ہے، مگر وہ مجھ سے کچھ نہیں کہتے"

اس گراموفون بیچارے نے کمبخت وہی آواز نیا دہرا دیا، جس سے ساری فضا گونج رہی ہے۔ سنیما تو خیر پھر بعد کی چیز ہے، مسلمان اپنے قوم

سورہ بقرہ بقیہ رکوع ۲۱

(بہ سلسلہ صدق ۵۳)

(از عبد الماجد)

۱۷۲	یٰایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنٰکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔	اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، کھاؤ پیو[۱] اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو[۲]، اگر تم خاص اُسی کی بندگی کرنے والے ہو۔
۱۷۳	انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل بہ لغیر اللہ، فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم	اُس نے تو تم پر بس مُردار، اور خون اور سور کا گوشت اور جو (جانور) غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے[۳] لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے، اور نہ بے حکمی کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں[۴]۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے[۵]۔

---

[۱] یعنی اگر اپنے دعوے ایمان و اخلاص میں سچے ہو تو اللہ نے حکم پر عمل کرو اور اسکے مقرر کیے ہوئے حق ادا کرتے رہو۔

[۲] یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعت الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔

یہاں تردید تمامتر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر، یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں۔ ان سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔

لیس المراد من الآیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقا بل مقید بما اعتقدوہ حلالا (روح)

المیتۃ میتہ یا مردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کیے، خود مر جائے۔ یا ہلاک تو کیا جائے، لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔

ہو غیر المزکیٰ الا انہ لم یذبح او انہ ذبح ولکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر)

وہی کل ما فارقہ الروح من غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک)

زندہ جانور سے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے، تو وہ بھی مردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا

حنفیہ کے ہاں مردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

یہاں تک کہ مردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں۔ کہ یہ بھی تو اس سے نفع اُٹھانا ہی ہوا، اور اسلیے کہ قرآن میں مردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے۔

قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علی وجہ ولا یطعمہا الکلاب الجوارح لان ذلک ضرب من الانتفاع بہا وقد حرم اللہ المیتۃ تحریما مطلقا معلقا بعینہا (جصاص)

لیکن عمل دباغت کے بعد، مردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مُردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں۔ یہ مسئلہ احادیث و آثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

قال ابو حنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح وسفیان الثوری وعبد اللہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعہ بعد الدباغ والانتفاع بہ والحجۃ لمن طہرہا وجعلہا ذکاۃ ما ورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاخبار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلہا یوجب طہارتہا والحکم بذکاتہا (جصاص)

اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:۔

ایما اہاب دبغ فقد طہر (عن ابن عباس)

دباغ جلد المیتۃ طہورہا (عن زید بن ثابت)

ذکاۃ الادیم دباغتہ (عن سلمہ بن المحبق)

دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رو سے بغیر ذبح بھی جائز ہیں، ایک مچھلی۔ دوسرے ٹڈی۔

وقد حلت المیتتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ہذہ الآیۃ نہا التخصیص بقولہ علیہ السلام احلت لنا میتتان الحوت والجراد اخرجہ دارقطنی (قرطبی)

فقہیہ مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی جائز ہیں۔

وقال ابو عمر لا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس وسائر من لا کتاب لہ من الکفار ما لم یکن من ذبائحہم (قرطبی)

والدم۔ یعنی خون جاری یا سیال

المراد بالدم الجاری (معالم) یعنی السائل (مدارک)

اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے۔

اور فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے۔ وہ اسی قید مسفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔

وحمل العلماء ہہنا المطلق علی المقید اجماعا۔ (ابن العربی)

اس پر فقہاء امت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اسکا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اٹھانا جائز ہے۔

اتفق العلماء علی ان الدم حرام نجس لا یوکل ولا ینتفع بہ (ابن العربی)

حدیث صحیح کی رو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی۔ اور انکی حلت پر فقہاء امت کا اجماع ہے۔

احلت لنا دمان الکبد والطحال، اخرجہ الدارقطنی (قرطبی)

گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر و طحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس لیے خود استثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارتیں ان کتابوں میں اپنے کہنے والوں کی جانب وہ منسوب ہیں، کہ اجماع "عزابیۃ یا اللا اجماع ہے جو قطعیت کو مفید ہے یا ثبوت والا (یعنی اجماع سکوتی) جس کا مفید قطعیت ہونا مسلم نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیا محض ان تفسیروں کے حکایۃً اجماع سے نقل اجماع بطریقۂ قطعیہ ہو جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا جواب نفی ہی میں ہو سکتا ہے۔ پھر اس نقل اجماع سے جو بطریقۂ قطعیہ نہیں مسئلۂ حیات مسیح کی قطعیت کیسے ثابت ہو جائیگی جسکا دعوے مبصر صاحب نے کیا تھا۔

تیسرے مسئلہ "مسئلۂ نزول مسیح علیہ السلام" کے متعلق پیش کردہ عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق بکثرت صحاح حدیثیں ہیں مگر کیا کسی مسئلہ کے متعلق بکثرت صحاح حدیثوں کے ہونے کی وجہ سے وہ مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے، بغیر اسکے کہ وہ حدیثیں حد تواتر اصطلاحی تک پہونچیں۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے صرف چند عبارتوں میں تواتر کا لفظ آیا ہے لیکن ان عبارتوں میں (تفسیر بحر محیط والی عبارت کے علاوہ) تواتر سے اصطلاحی تواتر مراد ہونا مشتبہ ہے، جیسا کہ اوپر مفصل ذکر ہو چکا ہے (تفسیر بحر المحیط والی عبارت لائق اعتناء نہیں کما مر) لیکن اس سے قطع نظر کیا چند اشخاص کے کہہ دینے سے اگرچہ قائل کیسے ہی عظیم المرتبت ہوں کہ فلاں مسئلہ کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی اس مسئلہ کے متعلق حدیث متواتر موجود ہے؟ یہ بھی کوئی تقلیدی مسئلہ ہے خصوصاً جبکہ دوسرے سب علماء اس مسئلہ کے ذکر کے وقت احادیث صحاح سے ثابت ہونے کا ذکر کرتے ہیں کوئی تواتر کا نام بھی نہیں لیتا اور خود تو حدیث کو چھان ڈالنے کے بعد اس حدیث کا متواتر ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور خبر متواتر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کی بحث کے سلسلہ میں اس حدیث متواتر کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتا۔ کیا حدیث متواتر کی یہی شان ہوتی ہے؟ بہر حال پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نزول مسیح کے متعلق کوئی حدیث متواتر ہے۔ رہا اس مسئلہ پر اجماع تو سب سے پہلے یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ ایسے امر مستقبل پر جو مستنبط نہ ہو اس کے لیے صحیح احادیث موجود ہوں اجماع، اجماع شرعی اصطلاحی سمجھا جا سکتا بھی ہے یا نہیں۔ اسکے بعد یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ یہ اجماع اجماع سکوتی ہے جسکا مفید قطعیت ہونا امر مسلم نہیں یا عزابیۃ یا اللا اجماع جو مفید قطعیت ہے۔ اسکے بعد یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ یہ اجماع بطریقۂ قطعیہ منقول بھی ہے یا نہیں بغیر ان سب مراحل کے طے ہوئے اس مسئلہ کے متعلق محض کسی کے دعوے اجماع سے اس مسئلہ کا قطعیات میں سے ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اجماع قطعی شرعی ہے جو محل کلام ہے نہ قطعیت ہو

تو پھر اس مسئلہ کی قطعیت کیسے ثابت ہوگی جسکا دعوے مبصر صاحب نے کیا تھا جبکہ ان دو مذکورہ وجوہ قطعیت کے علاوہ علامہ مجیب نے کوئی تیسری وجہ قطعیت کی بیان بھی نہیں فرمائی اس لیے سوال کا پہلا حصہ بھی بدستور جواب طلب رہا کہ کیا حیات و نزول مسیح والے مسائل قطعیات میں سے ہیں؟

اگرچہ میرا یہ منصب نہیں کہ میں حیات مسیح پر اجماع ہونے کے خلاف اور اس امر کے متعلق کہ خروج مہدی اور حیات و نزول مسیح علیہ السلام کی خبر تواتر سے ثابت نہ ہونے کے متعلق کوئی عبارت پیش کروں لیکن نمونہ فائدہ کے لیے میں نے اوپر مسلسل میں فتح الباری اور شرح مقاصد کی عبارتیں نقل کر دی ہیں جن سے حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق دعوے اجماع پر اور خروج مہدی و نزول مسیح علیہ السلام کے ثبوت بالتواتر پر روشنی پڑتی ہے کیا ان عبارتوں کے پیش نظر مسائل حیات و نزول مسیح کی قطعیت کے متعلق اور خروج مہدی کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ موجود ہونے کے بارے میں (جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرما دیا تھا) وہ سوال پیدا نہیں ہو جاتا کہ جو میں نے اپنے مضمون میں اٹھایا ہے، اور جسکا تشفی بخش جواب علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب کے مضمون سے نہیں ملتا۔

مسائل حیات و نزول مسیح علیہ السلام کے قطعیات میں سے نہ ہونے کے سلسلہ میں میں نے اپنے مضمون میں جن دو امروں کے قابل لحاظ ہونے کا ذکر کیا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ "حیات مسیح علیہ السلام والے مسئلہ کے لیے بھی کوئی صحیح مرفوع حدیث (اگرچہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو) ہے؟ اگر ہے تو اس میں حیات مسیح سے وہی حیات مراد ہے جسے ہم سب حیات اور زندگی کہتے ہیں، جسکے لیے کھانا، پینا اور پھر اسکے لوازمات عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں، یا کوئی دوسری حیات۔ پہلی صورت میں جبکہ کرۂ ارض سے علیحدہ قیام مانا جاتا ہے تو پھر کھانے کے انتظام (جو کرۂ ارض سے متعلق ہے) کے بارے میں کیا خیال کیا جائے اور اگر اسکے متعلق نیا نظریہ ہو تو پھر مسئلہ اس شق سے خارج ہو کر دوسری شق میں داخل ہو جاتا ہے۔" پھر اسکے بعد دوسری شق کی صورت میں کہا گیا تھا کہ "حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیاء اور شہداء کی حیات برزخی کے مابین فارق کونسی چیز ہوگی اور اس غرض کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی الخ"

علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے میرے مضمون کے اس حصہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا کہ حیات مسیح کے لیے کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے یا نہیں؟ کیا اس سے یہ سمجھوں دلالۃً نہ سمجھے کہ اسکا جواب نفی میں تھا ورنہ حدیث ضرور تحریر کی جاتی۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اب بھی اس کا وقت ہے مہربانی فرما کر علامہ مجیب حیات مسیح کے بارے میں جو ...

موسیقی اور اسلام

صحابۂ کرام پر الزام

[بمبئی سے ضیاء الدین احمد برنی صاحب ایم اے کا مکتوب عرصہ ہوا موصول ہوا تھا کہ سابقہ نیشنل سنٹر ... ہندستانی موسیقی پر انگریزی زبان میں ایک کتاب ہسٹری آف انڈیا کے نام سے لکھی تھی۔ اسکے مصنف صفحہ پر وہ لکھتی ہیں کہ خلیفہ عمر کمپوزر (نغمہ ساز) تھے۔ خلیفہ عثمان مشہور گویئے ابن سریج کے زبردست قدردان تھے، خلیفہ علی اور خلیفہ معاویہ راگ رنگنی کے خاص سرپرستوں میں تھے۔ ان روایتوں کی کیا اصلیت ہے؟

اسی سوال کے جواب میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے مقالہ ذیل تحریر فرمایا ہے۔ — صدق]

موسیقی یعنی نغمہ و ساز سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ کی دلچسپی اور اسکی سرپرستی و قدردانی کا کیا ذکر کسی معمولی سے معمولی صحابی کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی معتبر روایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی واقعہ سے کسی ناواقف نے یہ نتیجہ نکالا ہے تو وہ خود اُسکی خوش فہمی ہے۔

اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ بزرگ خصوصاً حضرت عمر اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) بڑے سخن سنج اور نقاد سخن تھے۔ شعر و شاعری کا بڑا بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، بعض اشعار بھی انکی جانب منسوب ہیں۔ کبھی کبھی وہ اچھے اور پاکیزہ اشعار پڑھ کر یا سُن کر ان سے لطف اندوز بھی ہوتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ کو بھی شعر و سخن کا مذاق تھا۔ اس کی تفصیل ادب اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اب اگر کوئی خوش فہم ذوق شعری سے موسیقی سے دلچسپی کا نتیجہ نکالتا ہے تو یہ اُسکی خوش فہمی ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

اس قسم کی روایات کا ماخذ زیادہ تر ابو الفرج اصفہانی کی مشہور کتاب اغانی ہے۔ اسکی حیثیت یہ ہے کہ وہ کوئی مستند تاریخ نہیں بلکہ عربی شعر و ادب اور عربی موسیقی کی کتاب ہے جیسا کہ خود اسکے نام اغانی (راگ راگنی) سے ظاہر ہے۔ اس خاص موضوع سے متعلق معلومات کے بارے میں تو وہ بلاشبہہ بہت جامع اور معتبر کتاب ہے لیکن خالص تاریخی واقعات میں اسکو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ اس بارے میں ابو الفرج غیر محتاط ہے اور موسیقی کی اہمیت اور اسلامی عہد میں اسکی ترقی و مقبولیت کے ثبوت میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں نقل کر دیتا ہے۔ لیکن اس بے احتیاطی کے باوجود اس نے حضرت امیر معاویہ کے سوا بانی اور بزرگوں کے متعلق اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں لکھا ہے بلکہ سختی سے تردید کی ہے۔ خلفاء اور خلفا زادوں کے ذوق موسیقی پر اُس نے ایک خاص باب لکھا ہے۔ اس میں لکھتا ہے

"خلفاء کی جانب راگ رنگنی اور نغمہ سرود سے دلچسپی کے جتنے واقعات منسوب ہیں اُنکا بڑا حصہ غلط ہے۔ انکی کوئی حقیقت نہیں۔ ابن خرداذبہ نے حضرت عمر کے بارے میں جو یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اس شعر کو جسکا مصرع یہ ہے ؏

کان راکبہا غصن بمروحۃ

گا کر پڑھا تھا، بالکل غلط ہے۔ ابن خرداذبہ نے موسیقی سے خلفاء کی دلچسپی کے واقعات اس التزام سے نقل کیے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے موسیقی بھی خلافت و امامت کا کوئی بڑا رکن تھی۔ لیکن یہ سارے بیانات لغو ہیں۔ انکی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر گانے کا انتساب کسی خلیفہ کی جانب صحیح بھی ہو سکتا تو بھی حضرت عمر کی ذات سے بہت بعید ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اونٹ کو ہنکاتے وقت یہ شعر پڑھا تھا گایا نہیں تھا اور اُنکے زمانہ میں حدی اور نصب (عربی شعر و انشاء کی ایک قسم) کے علاوہ عرب میں موسیقی رائج بھی نہ ہوئی تھی۔ حدی اور نصب ایک طرح کی شعر خوانی تھی جس میں نوحہ یا ترنم ہوتا تھا۔ فن موسیقی (نغمہ و ساز وغیرہ) کا تدوین حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں اور آپ کے لیے ہوئی[1] (اغانی ج ۸، ص ۱۴۴)

اس بیان میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمر کے متعلق زیادہ سے زیادہ .... صرف یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ایک شعر ترنم کے ساتھ پڑھا تھا اور اسکو بھی ابو الفرج اصفہانی جیسا غیر محتاط مصنف بھی صحیح نہیں سمجھتا۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو کسی شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنا موسیقی نہیں ہے۔ دوسرے سب سے اہم ٹکڑا یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں سرے سے ایسا گانا ہی رائج نہ ہوا تھا جس پر موجودہ اصطلاح کے لحاظ سے موسیقی کا اطلاق کیا جاسکے۔ فن موسیقی کی تدوین حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں عمل میں آئی۔ اس لیے آپ کے پیشروؤں کی موسیقی سے دلچسپی اور اس کی قدردانی اور سرپرستی کا سوال باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ اغانی کے اس بیان کے بعد مذکورہ بالا بزرگوں کی موسیقی

[1] حضرت عمر بن عبد العزیز گو فطرۃً صالح و سعید تھے، لیکن ان کی پرورش اموی شاہزادوں کی طرح عیش و ناز کے گہوارہ میں ہوئی تھی اور خلافت سے پہلے انکی زندگی بڑی امیرانہ اور عیش پرستانہ تھی۔ اسکی تفصیلات تاریخوں میں موجود ہیں۔ موسیقی سے بھی اُنکو ذوق تھا بلکہ آپ بعض راگوں کے موجد بھی کہے جاتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات خلافت سے پہلے کے ہیں۔ بیعت خلافت کے بعد اُنکی زندگی جیسی زاہدانہ ہوگئی تھی وہ معلوم و مشہور ہے اور آپ پانچویں خلیفۂ راشد شمار کیے جاتے ہیں اس لیے خلافت سے پہلے آپ کا کوئی فعل سند کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس واقعہ کا لکھ دینا اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ تاریخوں میں موسیقی سے انکے متعلق جو واقعات مذکور ہیں اُن سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

ست دلچسپی پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن اس سے قطع نظر ان کے متعلق اغانی تک میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو تو شعر و سخن کا بھی مذاق تھا اور حضرت عثمانؓ کو اس سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ آپ کی قریب کے مغنی ابن سریج کی سرپرستی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اغانی نے ابن سریج کے نہایت مفصل حالات لکھے ہیں اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا تو وہ ضرور نقل کرتا۔ اس کا نہ لکھنا اس واقعہ کی تردید کے لیے کافی ہے۔ وہ عثمانی العہد نہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی موقع پر اس سے کچھ اشعار سنے ہوں اور اسکے صلہ میں کچھ دے دیا ہو، گو اسکا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن اسے مان بھی لیا جائے تو اسکو موسیقی سے دلچسپی اور اسکی قدردانی نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت علیؓ کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ صرف شعر و سخن سے دلچسپی کے واقعات مل سکتے ہیں بخاری کی زبان سے آپ کا ایک رجز البتہ مذکور ہے لیکن رجز خوانی کو موسیقی سے کیا نسبت۔ اگر تلوار کی جھنکار کو راگ کہا جا سکتا ہے تو البتہ رجز خوانی موسیقی کے ضمن میں آ سکتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق البتہ اغانی نے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کا عرب کا مروجہ گانا سنا ہے (نغمہ و ساز نہیں) اس لیے کہ وہ اس زمانہ میں رائج ہی نہ تھا۔ لیکن اس بیان میں بھی دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ اغانی کی تمام روایات کو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ دوسرے ابو الفرج شیعہ تھا۔ گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے لیکن امیر معاویہ کے متعلق شیعوں کے اس قسم کے بیانات جس حد تک قابل قبول ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ اصول بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ان امور میں جنکا تعلق دینی مسائل اور ان کے جواز و عدم جواز سے ہے، صحابہ کرام کے قول و عمل کے ثبوت کے لیے جنھیں اصطلاح حدیث میں "اثر" کہا جاتا ہے اور جو مسلمانوں کے لیے سند جواز کا حکم رکھتے ہیں، تنہا تاریخ کی شہادت کافی نہیں ہے، بلکہ اسکا ثبوت روایت حدیث کے جملہ شرائط کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ وہ بیان مردود ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کہ ہر زمانہ کے مبتدعین، اپنے مسالک کی تائید مذہب ہی سے پیش کرتے رہے ہیں، اور مسلمانوں میں کوئی گمراہ سے گمراہ اور باطل سے باطل عقیدہ رکھنے والا فرقہ ایسا نہیں ہے جو اپنے گمان میں اپنے عقیدہ کی مذہبی دلیل نہ رکھتا ہو۔ اس لیے ایسے مسائل میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس بنیاد پر وہ عقیدہ قائم کیا گیا ہے اسکی نوعیت کیا ہے۔ اور اس سے اس عقیدہ کا استنباط کہاں تک صحیح ہے۔ مثلاً پردہ کے خلاف ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ امہات المومنین اور صحابیات غزوات میں ساتھ جاتی تھیں، اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں۔ یا موجودہ تعلیم نسواں کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے، العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ یا صحابہ کرام احادیث نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے استفادہ کرتے تھے۔ لیکن مجاہدین فی سبیل اللہ کی خدمت کے لیے پردہ کے شرعی اہتمام کے ساتھ عورتوں کے نکلنے اور مخلوط ٹی پارٹیوں میں شرکت اور سینما، پارکوں، نمائشوں اور تفریح گاہوں کے سیر سپاٹوں میں کیا مناسبت ہے۔ اسی طریقہ سے دینی علوم کی تعلیم تعلم اور افادہ و استفادہ اور موجودہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کو ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔ اس قسم کے مغالطوں اور قیاس مع الفارق کی مثالیں آئے دن دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔

علوم عصریہ اور عالمگیر مذہب

(از قاضی محمد زاہد صاحب - دار الاشاعت شمس آباد ضلع اٹک)

موضوع مذکور مدت سے محل بحث رہا ہے۔ زمانہ گذشتہ میں تو اکثر علمائے وقت کا رجحان اس موضوع کے عدم جواز کی طرف رہا تاکہ کتب فقہ اسلامی میں کچھ اشارات ایسے ملتے ہیں کہ اعلیٰ ملت نے متکلم کو امامت صغریٰ کے لیے مناسب قرار نہیں دیا۔ مگر جب اسلام جیسے عالمگیر مذہب کا تخیل کیا جاتا ہے تو اس موضوع کے جواز بلکہ اسکی ضرورت کا احساس نہایت ہی شدت سے پیدا ہوتا ہے۔ رسائل اسلامیہ میں وقتاً فوقتاً کنائی طریقہ پر اس موضوع کو پیش کیا جاتا ہے میں نے چاہا کہ اس موضوع پر اپنے معلومات کے زیر اثر ذرا تفصیل سے لکھوں، شاید کوئی صاحب علم اس ضرورت کو محسوس کر کے اپنا قیمتی وقت کی نذر میں معلومات طلباء علوم تک پہونچانے میں فیاضی سے کام لے۔

دنیا میں لوگوں کو ظلمات سے نکال کر مستعد کرنے کے لیے ہمیشہ نبی و رسول آئے۔ خداوند تعالیٰ نے انکو امتیازی مدلل نشان سے نوازا۔ جسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ ایک انسان جسکو نبی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، اُسکے لیے ایک معیار مقرر کر دیا جاتا ہے، جو اُس زمانہ میں اس قوم کو ہرگز نہیں ملتا بلکہ وہ اسکا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتی۔ معجزات انبیاء علیہم السلام پر غور کرنے سے آپ کو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ معجزہ مختلف الانواع طریقہ پر نہیں دیا جاتا، بلکہ زمانہ کے حالات جسکا تقاضا کرتے ہیں وہی چیز مابہ الامتیاز بنائی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء عصاء کا معجزہ دیا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ، ابراء ابرص کے نشان سے نوازا گیا۔ جناب ختم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید جیسے معجز کلام سے سرفراز کر کے کائنات عالم کے لیے ہادی بنا کر بھیجا گیا۔ آخر اس ترتیب اور وضع میں کوئی اثر کار فرما ہے ورنہ اسکے برعکس کر دیا جاتا۔ معجزہ کی ترتیب ہی اس سوال کا حل

بتا دیگی۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں حکمت کی ترقی تھی۔ سرور دو عالم کے زمانہ عنبر شمامہ میں فصاحت و بلاغت کا عام چرچا تھا، اسی لیے ان انبیاء علیہم السلام کو وقت کی ضرورت کے مطابق ان اعجازی طاقتوں کے مختلف آثار سے سرفراز کرکے دنیا میں بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہی فرمایا تھا کہ میرے پاس آیات تصدیق میں سے ید بیضا اور عصا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا میں مردے کو زندہ کرسکتا ہوں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری صداقت میں شک ہو تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورہ ہی بنا کر لے آؤ۔

اس تحریر سے کم از کم یہ امر تو واضح ہوگیا کہ نبی وقت کو ہمیشہ وہ طاقت دی جاتی ہے کہ جسکی اس مقام پر ضرورت ہو اور وہ اسی کو اختیار کرکے اپنی تبلیغ کی برتری اور کامیابی میں نصرت حاصل کرتا ہے۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ جس طاقت تصرف کے ایجاد سے خالق باری تعالیٰ نے منع نہ فرمایا ہو اسے مذہب کی اشاعت میں استعمال کرنا ممنوع نہیں بلکہ وہ محبوب اور مشروع ہو سکتا ہے۔ عقلی استدلالات الہامی دلائل کے سوا دوسرے حسی دلائل کا استعمال جبکہ ان سے مقصد اعلیٰ (تبلیغ قانون الٰہی) حاصل ہو محبوب و منظور ہو جائیگا۔ قرآن مجید کا طرز بیان دیکھنے سے پھر مصلح کائنات داعی امن رسمات علیہ الصلوٰۃ کے ارشادات اور طرز عمل کا مطالعہ کرنے سے میرے دعوے کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ ابدی مجرموں کو یوں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہو سکیں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اگر یہ مناطقہ کی اصطلاح میں تعلیق بالمحال نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی تاکیدی حکم کا مفہوم دوسرے الفاظ کے ذریعہ ادا ہو سکتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ قرآن کا ارشاد ہے تم اور وہ جنکو تم معبود سمجھتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ اطلاق ان انبیاء علیہم السلام پر حاوی ہو سکتا ہے جنکو قوم نے معبود سمجھا۔ معلم انسانیت علیہ السلام نے فرمایا کہ کلام الٰہی نے ما کا لفظ استعمال فرمایا جس سے غیر ذوی روح اشیاء مراد ہیں۔ یعنی پتھر وغیرہ۔ ذو روح اشیاء انبیاء علیہم السلام مراد نہیں ہو سکتے۔

قبیلہ تمیم کے ایک وفد نے مفاخرت میں مقابلہ کی دعوت دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے شاعر ثابت بن قیس کے مقابلہ میں حسان بن ثابت کو حکم فرمایا۔ سرداران بنی تمیم نے حضرت حسان کے اشعار [illegible] سنے تو سب کے سب مسلمان ہوگئے

[illegible]

وکالت کے ساتھ کشتی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھاڑ دیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح اکثر اسلامات کے کارنامے انکے سوانح میں آج تک محفوظ ہیں کہ انھوں نے عصری رجحانات کے زیر اثر تقویت دین کی غرض سے انکا ارتکاب کیا۔ آخر ان علوم کا انکار کس طرح مفید ہو سکتا ہے کہ جنکے وضع کرنے کی غرض ہی تقلید کی پستی سے نکل کر یقین کی بلندی حاصل کرنا ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

صحیح مرفوع حدیث ہو اُسے پیش فرما دیں تاکہ اسکے بعض تفریعات مسیح علیہ السلام کی جو نوعیت علامہ مجیب نے متعین فرمادی ہے اس پر مزید گفتگو ہو سکے۔ سردست جبکہ علامہ مجیب کی طرف سے بھی نہیں بتایا گیا کہ اسکے متعلق کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے بھی یا نہیں۔ علامہ مجیب نے حیات مسیح کی جو نوعیت متعین فرمائی ہے کہ "جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے آسمان میں تھے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اٹھالیے جانے کے بعد زندہ ہیں اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ"۔ اسکے متعلق صرف یہی عرض ہے کہ علامہ مجیب کی اس تحریر سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیات مسیح علیہ السلام کو حیات متعارفہ نہیں قرار دیتے۔ حیات متعارفہ تو زمین پر اترنے سے انکو اور اسکے بعد انکی اولاد کو حاصل ہوئی۔ قرآن شریف میں ہبوط آدم کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ۔ اور زمین پر تشریف آوری پر وہ ان اوامر و نواہی کے مکلف بنائے گئے جنکی جزا و سزا کے لیے جنت و دوزخ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ اور زمین پر اترنے کے پہلے جنت کے کھانے انکی غذا تھے، وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اور ظاہر ہے کہ حیات متعارفہ رکھنے والے انسان کی غذا سوائے جنت نہیں۔ ہو سکتا ہے جنتی اور آسمانی زندگی میں کھانے پینے کے لیے بول و براز لوازم عادیہ میں سے نہ ہوں۔ لیکن جنتی اور آسمانی زندگی حیات متعارفہ تو نہیں۔ میں نے پہلی شق اس حیات کو قرار دیا تھا جسکے لیے کھانا پینا اور پھر اسکے لوازم عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور حیات کی دوسری شق اسکے خلاف۔ علامہ مجیب حیات آدم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "تقریباً وہ کھاتے پیتے بھی تھے اگر [illegible] سوائے اللہ [illegible] کمرہ [illegible] بول و براز [illegible]"

[illegible]

نمبر ۶ | دوشنبہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

کہتے ہیں کہ ولادت مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جب قوم اسرائیل کے تعاقب میں، بحر قلزم میں فرعون مصر کی فوج، روز ڈوبی ہے، تو خود شہنشاہ وقت بھی غرق ہونے سے نہ بچ سکا، معمولی سپاہیوں کی طرح وہ بھی ڈوبا۔ یہ اور بات ہے کہ غرقابی کے بعد اسکی لاش سطح سمندر پر تیر آئی، اور بعد کو محفوظ کرلی گئی۔ اور تو اور، خود قرآن مجید نے قصہ کے اسی جزو، یعنی فرعون کی غرقابی کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور توریت کے بیان کی تصدیق کی ہے —— قرآن کے لفظ لفظ پر ایمان، یہ بالکل درست۔ لیکن کچھ کھٹکا سی کبھی کبھی ہوتی رہی، کہ عام لشکری اگر ڈوبے تھے تو خیر، لیکن فرعون کی شخصیت تو بہت اونچی، بڑی پُرجلالت تھی وہ سب کے ساتھ کیسے غرق ہوگیا اسکے بچنے بچانے کی کوئی صورت نہ نکل سکی؟ اس "بے سامان نہیں، باسامان" فرعون کی حفاظت کا کوئی بھی سامان نہ ہوسکا؟

"کھٹک" ہٹلر کے انجام نے بالکل مٹا دی۔ اس سے بڑھکر باسامان شخصیت آج یورپ بھر میں کسی کی تھی؟ روئے زمین پر کسی کی تھی؟ ہمت، تدبیر، حزم، اقبالمندی، قدم قدم پر قدم چومتی تھی۔ جدھر نظر اٹھاکر دیکھ لیا، میدان صاف تھا۔ مشکلات کے پہاڑ، بات کی بات میں پانی تھے۔ کیسے کیسے زبردست حریفوں میں آج اسے گرایا، کل اسے گرایا۔ سکندر، ہنیبال، چنگیز، نپولین، کسی کی بھی فتوحات اسکے سامنے لائی جا سکتی ہیں؟ کیسے کیسے نامور اور نامیوں کے نام اس نے گرد کردیے تھے۔ ایک آندھی تھا، بگولا تھا، بجلی کی کڑک تھا۔ ماضی قریب و ماضی بعید، ساری تاریخ میں نہ اپنا نظیر رکھتا تھا نہ جواب —— آناً فاناً کیا نابود ہوا، گویا کبھی تھا ہی نہیں! [illegible] یقین ہی نہیں آتا۔ کیسے یقین آئے؟ "دیوتا" تھا ہوتا۔ "دیوتا" کہیں مرا کرتے ہیں؟ سب کو مارکر بھی نہ مرتا، اور اگر کہیں مر ہی جاتا، تو زمین و آسمان لرز اٹھتے، مرکز کائنات جنبش میں آجاتا! ہزاروں لاکھوں انسان ہیں کہ موت کی خبریں، اطلاعیں پڑھتے ہیں، مگر یقین کسی طرح نہیں کرتے! —— اللہ کی قدرت اور مشیت جیسے کسی کے یقین و عدم یقین کی پابند ہے!

ہٹلر کی موت فرعون کی موت پر ایمان تازہ کرگئی۔ حفاظت کا سامان آج اسکے لیے اٹھا رہا تھا؟ کل اسکے لیے کچھ اٹھا رہا تھا؟ لیکن ہر تدبیر کے آگے، ہر تدبیر کے اوپر، اور اس سے برتر، ایک تقدیر بھی ہوتی ہے۔ تدبیر، تدبیر کا توڑ کرسکتی ہے، تقدیر کا نہیں۔ کل جب وقت آیا، تو جو سب سے بڑا کہلاتا تھا، وہ چھوٹے سے چھوٹوں کی طرح پانی کی موجوں کا شکار ہوگیا۔ آج جب حکم پہنچا، تو جو سب سے بڑا سمجھا گیا تھا، وہ چھوٹے سے چھوٹوں کی طرح بارود اور دھوئیں کی نذر ہوگیا! —— وہی بے کسی، وہی بے بسی، جو کل بھی بندہ کے لیے تھی، آج بھی ہے! خاک کا پتلا، اور دعوے بڑائی اور سرداری کا!

زمیں کھاگئی آسماں کیسے کیسے!

واہ رے احکم الحاکمین! دیکھ لی دل کی آنکھوں سے نے بھی اور [illegible]

آنکھوں نے بھی، تیری بڑائی اور سرداری، بڑائی صرف تیرے لیے ہے، اور سرداری صرف تجھی کو حاصل ہے۔ اسکے سوا جو کچھ ہے، سب جھوٹ ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا فریب ہے۔

---

۶۰ لاکھ کتابیں!

"دشمن نے صرف برطانیہ میں ۵۰ لائبریریاں تباہ کر ڈالی ہیں، اور ضائع شدہ کتابوں کی تعداد ۶۰ لاکھ تک پہونچتی ہے! بعض کتابیں ان میں سے نایاب تھیں، اور اب اس نقصان کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں جرمنوں کی جو ہوائی تاختیں لندن پر ہوئیں، اُنھوں نے کتابوں کو بے حد نقصان پہونچایا، خصوصاً جب سینٹ پال کے گرجا کے قریب کا سارا علاقہ تباہ و برباد ہوا تھا، اور کوئی ۶۰ لاکھ کتابیں نذرِ آتش ہو گئی تھیں"۔ ۔ ۔ ۔

"یہ حال تو برطانیہ کا تھا، یورپ کے دوسرے ملکوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے۔ پولینڈ میں ۶۰ اور ۷۰ فی صدی کے درمیان کتب خانے ضائع ہو چکے ہیں۔ یوگوسلیویا میں ۵۰ سے ۶۰ تک کتب خانے برباد ہو چکے ہیں"۔

۶۰ لاکھ کتابیں نذرِ آتش اور وہ بھی صرف ایک ملک میں! مدتِ قلیل نے اندر! اعداد کسی اخباری افواہ سے نہیں، حکومتِ ہند کے محکمۂ اطلاعات کے سرکاری بیان مورخہ ۲۳ اپریل ۴۵ء سے ماخوذ و منقول ہیں۔ اور اگر صحیح ہیں، تو قدرت نے کیا خوب جواب دیدیا اُن ظالموں کو جنھوں نے اپنی تاریخوں میں اور دفتروں میں یہ چھاپ رکھا ہے، کہ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے کتب خانۂ اسکندریہ جلا دیا تھا!

بھوتوں کا شہر

رائٹر کے وقائع نگار خصوصی متعینہ پیرس کا چشم دید بیان:-

"برلن آج مُردوں کا شہر ہے۔ جس پایہ تخت کا نام برلن تھا، کا آج روے زمین سے فنا ہو چکا ہے۔ میلوں تک یہ نظر آرہا ہے کہ جیسے فرداً فرداً ایک ایک مکان پر بمباری ہوئی ہے۔ میں لندن میں ایکی بمباری کے عین زمانہ میں رہ چکا ہوں۔ اسٹالن گراڈ کو اس کی ہی کے بعد دیکھ چکا ہوں۔ روس کے دس بارہ شہروں کا انکی بربادی بعد دورہ کر چکا ہوں۔ لیکن برلن کا ان میں سے کسی کا مقابلہ نہیں۔ جن کی قیامت خیز ہلاکت الفاظ کے ذریعہ سے ناقابل بیان ہے— ان کی تباہی تو اسکے مقابلہ میں محض ہنسی کھیل معلوم ہوتی ہے! اکثر بڑی بڑی مشہور سڑکیں، مشہور محلّے، پورے کے پورے نابود ہو گئے۔ شہر میں کوئی کسی کو کہیں کا پتہ بتلائے تو کس طرح بتلائے، پتہ بتلانے کی جو علامتیں تھیں وہ خود ہی مٹ کر رہی ہیں۔ "جاپانی سفارتخانہ" قریب ہے، لیکن خود وہ سفارت خانہ ہی اب کہاں ہے؟ "ڈاکخانہ" تحقیق۔ جب ڈاکخانہ کا بھی وجود کہیں ہو؟ اسی طرح تقریباً تمام مشہور عمارتیں سرکاری و غیر سرکاری مٹ چکی ہیں۔ گوئرنگ کی ہوائی وزارت، گوئبلز کی پروپیگنڈا وزارت، یہ سب ویرانہ اب معدوم ہیں۔ اور ہٹلر کے شاہی قلعہ یا امارت خانہ (چانسلری) کو تو کچھ نہ پوچھیے! معلوم کوئی پرانا قبرستان معلوم ہو رہا ہے۔ ملبوں کا ملبہ پڑا ہوا ہے۔ اور اسی ڈھیر کے نیچے عجب نہیں کہ ہٹلر کا جسم بھی کہیں دبا پڑا ہو۔ برلن سے بھاگے ہوئے شہری اب امن و تسلط کے بعد، اور سرخ روسی جھنڈے نصب ہو جانے کے بعد شہر میں واپس آرہے ہیں، لیکن اب شہر میں رکھا کیا ہے، جس کے لیے وہ واپس آرہے ہیں"۔

یہ کوئی ناول یا پُرانا افسانہ نہیں۔ آج کے جیتے جاگتے آنکھوں کے سامنے گزرے ہوئے واقعات ہیں۔ پوری کی پوری جرمن امپائر کا یوں پاش پاش ہو جانا کسی کے تصور میں بھی تھا؟ قرآن مجید نے ماضی کی پُرقوت و پُرشوکت قوموں اور اُنکے سلطنتوں کی جو تباہ حالی اور بربادی کی کہانی ہے، آج واقعات اُن پر کیسی مُہر تصدیق لگاتے جاتے ہیں!

"نگار" "ہند" کے آئینہ میں

"سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ نگار نے ڈاکٹر ٹسڈل کی یہ کتاب ترجمہ کرکے چھاپی ہی کیوں؟" سوال جناب عبد الرزاق خاں صاحب ملیح آبادی صاحب ہند نے کیا۔ اور پھر خود ہی جواب دیا:-

"سچی بات یہ ہے کہ نگار اپنی بدنیتی میں مشہور ہو چکا ہے۔ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ راہ بزدلی اور منافقت کی راہ ہے۔ جناب نیاز فتحپوری اگر مسلمان نہیں ہیں تو انھیں سچائی اور بہادری سے یہ بات اعلان کر دینا چاہیے۔ اب اگر مسلمان نہیں اور اُنہیں وہ بھی ڈالیں تو اُنھیں مرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لیکن اگر مسلمان ہیں تو اسلام کی پیٹھ میں چھری نہیں مارنا چاہیے ۔ ۔ ۔ ۔ اب بھی وقت ہے کہ نیاز صاحب اپنے میں استقامت پیدا کریں ورنہ یقین کریں کہ سچی عزت نہ پا سکیں گے۔ سچی عزت تو صرف سچے بہادر ہی لوگوں کو ملتی ہے۔ بزدل اور دل کے چور کبھی سچی عزت نہیں پا سکتے، اگرچہ روپیہ کما سکتے ہیں"۔

متن کی شرح بھی صاحب متن ہی کے قلم سے ملاحظہ ہو (یہ سب عبارتیں ہند کے مئی نمبر سے نقل ہو رہی ہیں):-

"ڈاکٹر ٹسڈل بھی شیطان اور گولیتھ جیسا ایک مستشرق ہے، جاہل ہے، اور اسکی جہالتیں بہت ہی اختصار کے ساتھ آپ ان کا مطالعہ کیجیے لیکن ماتم ہے نیاز پر! ماتم ہے نیاز پر! اور ماتم ہے نیاز پر! یہ شخص اگر مرد ہوتا تو اس طرح دجل و تلبیس کے ساتھ ٹسڈل کی یہ کتاب عام مسلمانوں کو پریشان اور گمراہ کرنے کے لیے اپنے رسالہ میں نہ چھاپتا، لیکن بزدل اور نامرد آدمی ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ نیاز کی میرے دل میں ذرہ بھر عزت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شخص ثابت ہو چکا ہے کہ سچا اور بہادر نہیں ہے۔ اس شخص نے یہ کتاب بزدلی کی راہ سے چھاپی ہے تاکہ عام مسلمانوں کو اسلام کی راہ سے ہٹا دے۔ افسوس نیاز پر!

اور افسوس نیاز کے نگار پر۔ میں اگر نیاز جیسا بزدل ہوتا تو قلم توڑ کے پان بیڑی کی یا نانبائی کی دکان کر لیتا۔ بزدل اور منافق اخبار نویس ہندوستان کی اخبار نویسی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہیں؟

نگار اور ہند کے درمیان محاکمہ کی نہ ہمت اور نہ سردست اسکی ضرورت، دونوں اپنی جگہ اپنے اپنے رنگ کے الگ ہیں۔ غریب صدق کے نقطۂ نظر سے

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اسکو پر تیر قضا سمجھے!

البتہ کہیں ہند کے نو رتن کو کسی مولوی ملا نے کی جانب منسوب کر لیا جائے، اس لیے جلدی سے یہ سن لیجیے، کہ یہ انشاء "روشن خیالوں" کے سرتاج، مشہور مولوی کشن دولوی' اور "انیس ما نا ابگ" کے بانی دائم کی ہے!

شحنۂ معزول

"لندن ۱۵ اپریل۔ اتحادیوں کے سپہ سالار اعظم جنرل آئزن ہاور نے آج فرمان شائع کیا ہے کہ آئندہ سے کسی بڑے سے بڑے جرمن گرفتار شدہ افسر سے بھی کسی قسم کی رعایت یا نرمی کا برتاؤ نہ کیا جائیگا۔

فرمان کی ضرورت اس لیے پڑی، کہ ابھی مارشل گورنگ کی گرفتاری کے بعد امریکی افسر یعنی ۳۶۔ امریکی ڈویژن کے جنرل رابرٹ سٹیک آن سے ہاتھ ملانے تھے، اور اسے عزت کے ساتھ گرفتار کر کے لائے تھے۔ روسی اخبارات نے اس پر سخت احتجاج کیا اور لکھا کہ انسانیت کے مجرم ہرگز کسی رحم و کرم کے مستحق نہیں۔ انکے اکابر کے ساتھ بھی معمولی مجرموں کا سا برتاؤ رکھنا چاہیے۔" (رویٹر)

یہ فیلڈ مارشل گورنگ وہی ہیں، جو ابھی کل تک ہٹلر کے بعد اکابر جرمنی کے صف اول میں تھے۔ خود کتنوں کو اعزاز بخش رہے تھے! کسی کی طرف نگاہ التفات سے دیکھ لینا ہی اسکے لیے باعث شرف تھا۔ جسکا سلام قبول کر لیں، وہ اپنے کو خوش نصیب سمجھنے لگے! آج تھا یہ نوبت آگئی کہ دوسروں کو عزت دینا الگ رہا، خود ہی کسی عزت کے قابل نہیں۔ معمولی اور رسمی اخلاق کے بھی مستحق نہیں! اور جو کوئی انکے ساتھ تھوڑی سی بھی لطف برت لے، وہ خود زیر عتاب آجائے! ـــــ وتعز من تشاء وتذل من تشاء کی عملی تفسیر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی!

فتنہ سامانیاں

"بدگمانیاں اور سرگرانیاں" یہ ایک عنوان ہے نگار کے سنہ نمبر کا، اور اسکے ماتحت "علماے کرام کے خطوط" ماخذ القرآن کے خطوط مدیر نگار کے نام کے درج ہیں۔ لیکن یہ عنوان کچھ تشنہ و ناتمام سا رہا۔ کیا حرج تھا اگر اسی ردیف و قافیہ میں مصرعہ کو بڑھا کر پورا شعر بنا دیا جاتا۔ یوں :۔

"علماء کی بدگمانیاں اور سرگرانیاں اور علامہ کی لن ترانیاں اور جاہلیہ سنیاں!

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۷)

س۔ علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی

س۔ عشاء و فجر کی نماز باقاعدگی سے ہوسٹل میں ہوتی ہے۔ ایک کمی البتہ محسوس کرتا ہوں۔ پہلے نماز دل لگا کر توجہ سے پڑھا کرتا تھا۔ آغاز تھا۔ مصلے پر جب کھڑا ہوتا تھا حالت ہی اور ہوتی تھی۔ خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا تھا۔ اب تو ROUTINE بن گئی ہے۔ اس لیے وہ بے توجہی جو اکیلی نمازوں میں رہتی تھی۔ اب امامت کے وقت بھی رہنے لگی ہے۔

ج۔ جذبات و کیفیات میں تیزی ہمیشہ آغاز کار ہی میں ہوتی ہے۔ مشق، عادت، مزاولت کے بعد اس میں کمی پیدا ہو جانا تو نفس بشری کا ایک قانون طبعی ہے۔ نئی دلھن کے ساتھ جذبات کا جو تعلق ہوتا ہے وہ کئی سال کی بیوی کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ استحسان گھٹنے بڑھ جاتا ہے۔ نماز پڑھانے کا جو اجر موعود ہے، یقین رکھا جائے کہ اس میں جذبات و کیفیات کے اس اتار چڑھاؤ سے ان شاء اللہ مطلق کمی نہ ہوگی۔ اور وہی اصل مقصود ہے۔ اسی کا استحضار بار بار ہے۔

س۔ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے بھی تھوڑا بہت جو کچھ اس ناچیز سے ہو جاتا ہے عرض کر دیتا ہوں، اپنی حالت تو گراموفون کے مشابہ پاتا ہوں، جو کچھ آپ بزرگوں کے ہاں سے پڑھا یا سنا تھا اس کو انھیں الفاظ میں پہونچا دیا۔ اپنی حالت تو ویسی ہی پاتا ہوں، جیسے پہلے تھا ویسے ہی اب بھی ہوں۔ کیا تعجب کہ اللہ اس بے عمل اور نالائق کے اس کام کی بدولت ہی رسے چھوڑ دیں۔

ج۔ اچھی باتوں کی تبلیغ بجائے خود ایک عبادت ہے۔ البتہ مبتدی کے لیے اس راہ میں خطرات زیادہ ہیں (اور خطرات سے محفوظ تو متوسط، منتہی کوئی بھی نہیں) اس لیے بہتر یہ ہوتا کہ اس قسم کی ایک آدھ تقریر نمونہ کے طور پر قلمبند کر کے بھیج دی جاتی۔

س۔ ڈنر بحمد اللہ سلمان بنا لیا گیا۔ مہمان کے نام سے آپ واقف ہونگے۔ بیرسٹر محمد امین (سابق ساگر چند) تھے۔ خرافات کے بجائے الحمد للہ چند اچھی اچھی باتیں کانوں میں پڑیں۔ یار لوگ بہت ہی چیں بجبیں ہوئے، مگر ہمیں بحمد اللہ انقلاب میں کامیابی ہوگئی۔

ج۔ اچھے موقعوں کو چاہیے وہ چھوٹے چھوٹے ہوں، ہاتھ سے ہرگز نہ دینا چاہیے۔ نیکی کے یہی ذرے کیا عجب کہ انبار بن کر پہاڑ ہو جائیں۔

س۔ تقاریر کے سلسلہ سے متعلق پچھلے عریضہ میں عرض کر چکا ہوں۔ الحمد للہ عملی قدم (اس جلسہ میں بھی) اٹھایا گیا۔ تین تقریریں

اسوقت تک ہوچکی ہیں۔ اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ نتائج سے بے پروا ہوکر ہی کچھ کام ہوسکتا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے۔ چاہے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ ہدایت و درستی اللہ کے ہاتھ ہے۔

ج۔ خیال بالکل صحیح ہے۔

س۔ اپنی حالت پہلے سے بہت بدتر ہے۔ کبر، فخر و غرور کا [illegible] عود کر آیا ہے۔ اپنا دوسروں سے افضل ہونا بسا اوقات [illegible]ت ہوتا ہے۔ نماز کو سکھلانے کے لیے جب لوگوں کے ہاں جاتا ہوں تو اپنے کو برتر محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ آخر اس مرض کا کچھ علاج کیا ہے۔ کہیں یہ سب ریاکاری ہی میں تبدیل ہو کر نہ رہ جائے۔ اے اللہ مجھے اس سے بچا۔

ج۔ اپنے اس احساس برتری و فضیلت کو بُرا سمجھنا خود اسکی دلیل ہے کہ یہ احساس اپنے قصد و اہتمام سے نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے۔ اور جب یہ ہے تو مقصود میں مخل بھی نہیں۔ البتہ اس احساس تفوق کی غلطی کا استحضار برابر ذہن میں رہنا چاہیے۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گو اس غلط احساس کے مقتضے پر عمل ارادۃً نہیں ہوتا۔ تاہم اس احساس کے ذہن پر مستولی رہنے اور اسکی غلطی کے ذہول ہو جانے سے، نفس واقعۃً اپنے کو افضل و برگزیدہ سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال خودبینی کی شکست کے اور خودشکنی کے اسباب و وسائل پر نظر رکھنی ضروری ہے۔

ریاکاری سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ ریاکاری تو جب تھی کہ بلا توقع اجر، لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے دعوت صلوٰۃ یا کوئی دعوت خیر اپنے سر لے لی جاتی!

س۔ طبیعت میں اعصابی کمزوری اور بدہضمی کی شکایت رہتی ہے۔ اس لیے سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ علاج ہومیوپیتھی کر رہا ہوں۔ حضور قلبی آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ بارہا کوشش کر رہا ہوں مگر قلب میں انکسار اور دل و دماغ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

ج۔ جو جسمانی امراض و عوارض ہیں، انکے علاج بھی جسمانی ہیں۔ اور طاعت و عبادت میں جو کوتاہیاں انکی بنا پر پیدا ہوتی ہیں، وہ بالکل معاف ہیں۔ انکے لحاظ سے بالکل معذوروں کا حکم ہے۔

"حضور قلب" اور "خشوع" اور "توجہ الی اللہ" اور اسی قسم کے دوسرے لفظوں کے لیے یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ یہ سب اضافی مفہوم رکھتے ہیں۔ عوام نے انھیں مطلق معنی میں سمجھ رکھا ہے۔ یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہر صورت میں مقصود استغراق ہے۔ اور یہی غلط ہے۔ استغراقی کیفیت صرف خاص خاص اہل حال کو نصیب ہوتی ہے، اور اسکو کمال کا مرادف سمجھنا ہی نادانی ہے۔ عام مومنین کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ کوئی عمل دانستہ خلاف رضاء الٰہی نہ کریں۔ اور جب جب ذہن سے اسکا ذہول ہو جائے، یاد آتے ہی یا استغفار وغیرہ کے ذریعہ سے فوراً اسکا تدارک کرلیں۔ باقی اس سے زیادہ اگر استحضار رہے، تو وہ عین نعمت الٰہی ہے۔ حاصل ہو جائے تو یقیناً بہت شاکر رہیے۔ لیکن اگر نہ حاصل ہو تو خواہ مخواہ تشویش و تعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

س۔ ہمارا موجودہ کاروبار ایک ادنیٰ پیمانہ پر ہے۔ بیوپار بھی خاطر خواہ نہیں۔ کوئی دوسری راہ بھی نکل آتی۔ آمدنی کم، خرچ کا اندراج زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے بعض اوقات دل میں کچھ تردد رہا کرتا ہے۔

ج۔ اللہ فراغت و فراخی نصیب کرے۔ رزق میں فراخی بیشک دیکھنے میں بہت حسین ہوتی ہے لیکن فراخی کے حدود ہر شخص کے مناسب حال الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور بندہ کے ظرف و تحمل کا صحیح اندازہ خود بندہ کو نہیں بندہ کے خالق ہی کو ہو سکتا ہے۔ اور یوں تو سب کوشش کے بعد آخری تسکین اسی عقیدہ سے حاصل کرنا چاہیے۔

اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آمدنی کی کمی جس سے بعض ضروری مصارف میں بھی تنگی ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ آمدنی وافر ہو، اور طرح طرح کے ناجائز اور قابل مواخذہ کاموں پر اٹھ رہی ہو۔ آج کی حسرت صرف، کل صرف بیجا کے مقابلہ میں کہیں غنیمت بلکہ نعمت معلوم ہوگی۔ —— جیسے پُرخوری کے نتائج تھوڑی سی بھوک کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ افسوسناک ثابت ہوتے ہیں۔

س۔ مخلصین اور بزرگوں کی صحبت سے محرومی پر خادم سخت پریشان اور غمزدہ ہے۔ نہ معلوم کب تک بزرگوں کی مقدس صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملیگا۔

ج۔ جو چیز اپنے اختیار اور بس کی نہ ہو، عقل کا فتویٰ ہے کہ اسکے زیادہ درپے نہ رہا جائے۔ دعا اسکے لیے جاری رہے، لیکن اصل مشغولی انھیں چیزوں میں رکھی جائے جو اپنے اختیار کے اندر ہوں۔

س۔ [صدق، نمبر [illegible]، جلد ۱۱، ص [illegible] کے حوالہ سے] میرے محترم خدارا اگر ہو سکے تو اسکا جلوہ کرائیے جو کہتے ہیں کہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ زیادہ نہیں اتنا ہی جتنا کہ اس جسم و جان کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

ج۔ لیکن جسم و جان بھی تو سب کے یکساں نہیں ہوتے۔ ادراک کے اختلاف نے یہ شورش اور یہ سوزش برپا کر رکھی ہے۔ ہر ایک کا ظرف، ہر ایک کا آلۂ احساس الگ الگ ہے، اور ہر ایک کی یافت اسی کے ظرف کے مطابق ہے۔

ادراک سب کو ہو رہا ہے۔ جو چیز آفتاب سے روشن تر ہے اسکے عدم ادراک کے کوئی معنی ہی نہیں۔ لیکن ادراک اور ادراک، یا یافت اور یافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک سرے پر ملحد و دہری کا ادراک ہے، اور دوسرے سرے پر حضرات انبیاء کی معرفت ربانی ہے

احتضاری مکاشفات

[صدق میں ایک مومنہ مرحومہ کا تذکرہ آچکا ہے۔ عین وفات کے وقت مرحومہ کے قریب ترین عزیز ایک صالح نوجوان نے عجیب و غریب منظر دیکھے، اور وفات کے کچھ بعد تک یہ نظارہ قائم رہا۔ خلاصہ یہ کہ صحن نورانی ہستیوں سے بھرا ہوا ہے، گویا برف دودھ کے بنے ہوئے پتلے ہیں، اور کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ فرشتے ہیں۔ فضا پر ایک نہایت خوش رنگ گلابی گھٹا چھائی ہوئی ہے، اور نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ مرحومہ نہایت خوش خوش ایک سفید براق لباس میں ملبوس ہیں، اور انکی سواری کے لیے ایک انتہائی نورانی چیز آئی ہے، جسے کوئی رفرف کہہ رہا ہے۔ دیکھنے والے کی زبان سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ نکل رہا ہے۔ اور کوئی پکار رہا ہے اور مرحومہ سے متعلق کہہ رہا ہے کہ یہ انکا استقبال ہو رہا ہے۔ رفرف جب آسمان کی طرف بلند ہونے لگا، تو اس عزیز باوضو نوجوان نے پوچھا کہ اب کب ملاقات ہوگی، جواب میں آواز آئی، ملے الوقت المعلوم۔ علی الوقت المعلوم —— دیکھنے والے پر بظاہر اتنی دیر غشی کی کیفیت طاری رہی۔

ایک ۲½ سال کی معصوم بچی نے مرحومہ کے لیے پکار کر یہ کہا کہ وہ دیکھو سبز سبز کپڑے لٹکائے ہوئے پہنے آسمان سے جھانک رہی ہیں۔

یہ سارا ماجرا حضرت گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا گیا تھا (کاش آج حضرت تھانوی موجود ہوتے!) مولانا کا مکتوب گرامی بجنسہ درج ذیل ہے]

گرامی نامہ کے ساتھ ہی صدق میں ہمشیرہ کی رخصتی والا مضمون نظر سے گزرا۔ مرحومہ سے اس درجہ آپ کے دل کا لگاؤ تھا، اسکا صحیح اندازہ پہلے نہ ہو سکا تھا۔ گویا انکی حیثیت آپ کے گھر میں ماں کے بعد دوسری ماں ہی کی تھی۔ یقیناً اس سے آپ کا سارا گھر اتنا بھی متاثر ہو کم ہے۔ گرامی نامہ میں جس تفصیلی واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، نہ صرف میرا بلکہ اسوقت میرے پاس جو لوگ بھی موجود تھے انکی ترقی ایمان کا ذریعہ بنتا چلا جا رہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سے ایک دن پہلے خاکسار اپنے عزیزوں کے سامنے جن میں میرے چھوٹے بھائی مناظر احسن گیلانی ایم۔ اے سلمہ جو گلبرگہ کالج میں معاشیات کے لکچرار ہیں اور میرا بچہ سید محی الدین احسن گیلانی سلمہ دونوں موجود تھے۔ میں ان لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ معمولی روایتوں ہی میں نہیں آیا ہے بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر حق تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر دونوں پر موت جب طاری ہونے لگتی ہے تو اسوقت بعض خاص قسم کے مشہودات کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔ ارباب ایمان کے متعلق تو قرآن میں فرمایا گیا ہے الذین تتوفاھم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل ع ۴) یعنی نیکوں کو اٹھانے کے لیے ملائکہ آتے ہیں، یہ کہتے ہوئے پھر انکو اس عالم سے دوسرے عالم میں لیجاتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔ گویا ہر قسم کے آلام و مصائب و درد و دکھ و رنج سے سلامتی کی بشارت سناتے ہوئے انکو لیجاتے ہیں۔ اور انکو جنت کی خوشخبری بھی دیتے چلے جاتے ہیں جو انکے اعمال کا نتیجہ ہوگی اور جیسے ایمان والوں کے متعلق یہ اور اسی قسم کی آیتیں قرآن میں ہیں۔ منکروں اور کافروں کی بابت بھی صریح لفظوں میں یہ اطلاعیں دی گئی ہیں، کہ "لو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون (الانعام ع ۱۱) جان کنی کے غوطوں میں جب وہ مبتلا ہوں گے جنھوں نے حق و صداقت سے ہٹ کر زندگی گزاری ہے، تو قرآن خبر دیتا ہے کہ اسوقت بھی "الملائکۃ" ہاتھ بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں اسی مرنے والے کو کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو اور کہتے ہیں کہ آج بدلا دیا جائیگا (تمھیں) ذلت کے عذاب کا۔ یہ سزا ہوگی اسکی جو خدا پر غلط باتوں کو منسوب کرتے تھے اور خدا کی آیتوں کو سن کر اکڑ جاتے تھے۔ (یعنی انکا سمجھنا اور ان پر غور کرنا تو کجا انھیں زیادہ اعتماد تھا) سورۃ الانفال میں بھی انہی کافروں کے اس آخری وقت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے کہ ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق (ع ۶) یعنی دیکھنے والوں کو دکھایا گیا ہے کہ منکر زندگی والے اپنی آخری سانس اس دنیا میں جو پوری کرکے دوسرے عالم کی طرف جب روانہ ہوتے ہیں تو "الملائکۃ" انکے چہروں اور انکے چوتڑوں پر مارتے جاتے ہیں (اور ان سے کہا جاتا ہے) کہ چکھو جلن کا عذاب۔

الغرض انہی باتوں کا ان نوجوانوں سے تذکرہ کر رہا تھا۔ زیادہ زور اس پر دے رہا تھا کہ قرآن کی ایسی کھلی آیتوں کے ہوتے جب یہ واقعات ہر مومن کے سامنے پیش کر دیے گئے ہیں تو پھر انکو نہ دیکھنا اور ان سے اعراض کتنی غفلت کی بات ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہو چکا، دوسرے دن جسوقت آپ کا گرامی نامہ ملا اور میں نے خود پڑھنے کے بعد انہی لوگوں کو خط کے اس حصہ کو سنانا شروع کیا تو مظہر سلمہ نے یاد دلایا کہ کل ہی تو آپ اس مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے اور آج اسکی تصدیق آگئی۔ کہ مومن اور کافر کی موت کے وقت کیا کیا اس قسم کے واقعات پیش آتے۔ انکے یاد دلانے پر مجھے بھی یاد آگیا اور تعجب ہوا۔ بہرحال ایسی صورت میں یہ واقعہ ہے کہ ہر مرنے والے سے متعلق ہمیں یہ یقین کرنا چاہیے کہ احتضار و سکرات کی ان گھڑیوں میں جب آدمی دنیا کے آخری لمحات کو ختم کرتے ہوئے آخرت کی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو غیر معمولی ایسے واقعات ضرور پیش آتے ہیں جنکا احساس ناسوتی آنکھوں کو عموماً نہیں ہوتا۔ اب رہ گئی اس عزیز کی یہ حالت کیا تھی؟ انکار کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو کہدیا جا سکتا ہے کہ شدت محبت میں انکی ساری توجہ ایک ہی نقطہ پر مرکز ہو کر انھی حالات کا مشاہدہ کرانے لگی جو انکے دماغ میں پہلے سے موجود تھے۔ ان کو اپنے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر معلوم

(باقی صفحہ ... پر)

روایات نزول مسیحؑ

نمبر (۷)

(از مولوی عبدالرحیم خان صاحب جے پوری فرنگی محلی)

جبکہ خلاصہ یوں ہوا کہ جنت میں حیات آدم میری بیان کردہ شقوں کے لحاظ سے شق دوم میں داخل ہوئی یعنی وہ حیات کہ جس کے کھانے پینے کے لوازم مادیہ میں سے بول و براز نہیں۔ تو جب علامہ مجیب کے بیان کے مطابق مسیح علیہ السلام کی حیات آدم علیہ السلام کی اُس حیات کے مانند ہوئی جو زمین پر اُترنے کے قبل جنت میں اُنھیں حاصل تھی (اور جو یقیناً وہ حیات متعارفہ نہ تھی کہ جیسا ذکر حیات کے متعلق میری بیان کردہ شق اول میں تھا) تو مسیح علیہ السلام کے حیات کی نوعیت وہ ہوئی جو میں نے شق دوم میں ذکر کی تھی اس لیے علامہ مجیب کے لیے لازم تھا کہ اس شق دوم پر جو سوال دریافت کیا گیا تھا کہ "حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیا و شہداء کی حیات برزخی کی نوعیت کے مابین فارق کون چیز ہوگی اور اس فرق کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی الخ" اُسے بھی حل فرماتے بغیر اس سوال کے حل کیے ہوئے تو مسیح علیہ السلام کی حیات کی نوعیت متعین نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی حل طلب ہے کہ کیا جنت آسمان میں ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا روز حشر "السماء" کے فنا ہونے سے جنت بھی فنا ہو جائیگی؟ یا آسمان بھی جنت کی طرح ابدی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو علامہ مجیب کی اس تحریر کا کیا مطلب سمجھا جائے؟ کہ جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اُترنے سے پہلے آسمان میں زندہ تھے۔ آدم کے لیے جنتی زندگی تو اس آیت سے سمجھ میں آتی ہے کہ جیسا ذکر علامہ مجیب نے کیا ہے لیکن اس آسمانی زندگی کیلیے کونسی آیت ہے؟ پھر یہ کہ اگر جنتی زندگی کیلیے بول و براز لوازم مادیہ میں سے نہیں تو محض اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ آسمانی زندگی کے لیے بھی بول و براز لوازم مادیہ میں سے نہیں۔ یہ سوال اُس صورت میں جنت آدم کے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب جنت آدم کو جزاء والی ابدی جنت نہ قرار دیا جائے۔ علاوہ اسکے اگر مسیح علیہ السلام کی حیات فی الارض کے ختم کے بعد والی حیات آدم علیہ السلام کی حیات کے مانند ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء اور شہداء کی حیات برزخی کو بھی حیات آدم کے مماثل نہ مانا جائے پھر مسیح و خضر و الیاس و ادریس علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ حیات کی کیا تخصیص، خصوصاً جبکہ شہداء کے لیے قرآن شریف میں حیات کی تصریح موجود۔ اور ان مذکورہ حضرات کی حیات کے لیے قرآن شریف میں کوئی صراحت نہیں۔ علامہ مجیب نے حضرت مسیح کی حیات کو حیات آدم کے مماثل قرار دینے کے بعد قرآن شریف کی ایک آیت کا حصہ بھی نقل فرمایا یعنی "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" حالانکہ اسکے بعد کا ٹکڑا "خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" وجہ مماثلت کو صاف بتا رہا ہے کہ یہ مماثلت خلقت من التراب اور "کن فیکون" کے بارے میں ہے، حیات کا اس آیت میں ذکر ہی نہیں اور اگر مماثلت کو خلقت من التراب اور "کن فیکون" کے بارے میں منحصر نہ کیا جائے تو پھر اسی حصۂ آیت سے اسکا بھی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بغیر ماں باپ کے اُسی طرح عدم محض سے ہوگا جس طرح آدم کا وجود عدم محض کے بعد ہوا تھا کیونکہ آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے وجود عیسیٰ علیہ السلام میں ماں کا ذریعہ موجود تھا جس سے مماثلت آدم تو ہوئی نہ تھی اس لیے اب مماثلت آدم کو ظاہر کرنے کے لیے باری تعالیٰ آخر زمانہ میں بالکل آدم کی طرح حضرت مسیح کو بغیر ماں اور باپ کے کتم عدم سے وجود میں لائے گا جس طرح آدم کو بغیر ماں باپ کے کتم عدم سے وجود میں لایا تھا جس سے لازم آتا ہے کہ مسیح اپنے آخری زمانہ میں وجود کے پہلے کتم عدم میں ہوں پھر حیات مسیح علیہ السلام کے مسئلہ کا کیا حشر ہوگا؟ کیا علامہ مجیب کی اس آیت کو استدلال میں پیش کرتے دیکھکر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ علامہ مجیب بھی قادیانیوں کی صف میں آگئے؟ ابھی تک تو نزول عیسیٰ علیہ السلام کی قطعیت پر زور دے دے کر قادیانی تحریک کو ہوا دی جا رہی تھی۔ اب اس طرز استدلال سے تو کھلے بندوں قادیانی صف میں نمود ہوتی جاتی ہے (میں ان آخری کلمات کے لیے جو بیساختہ میرے قلم سے نکل گئے علامہ مجیب سے معافی چاہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ مجھکو ان کلمات کے ادا کرنے میں معذور رکھیں گے) جبکہ علامہ مجیب میرے مضمون کے جواب کے سلسلہ میں متعدد جگہ قادیانیوں کا بلاوجہ تذکرہ نکال کر میری دلشکنی کا باعث بن چکے ہیں، اسی لیے مجھے اس امر کے بتلانے کی ضرورت ہوئی کہ مسئلہ حیات و نزول مسیح کی قطعیت سے انکار تو قادیانی تحریک کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ دیتا ہے مگر مسیح علیہ السلام کی حیات کا حیات آدم کی طرح قرار دینا اور اسکا ان مثل عیسیٰ الخ سے ثبوت، قادیانی تحریک کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے تو اب فیصلہ ناظرین کے ذمہ ہے کہ وہ مجرم کا پتہ چلائیں۔ کسی متقدر عالم کی شان سے یہ کسقدر بعید ہے کہ اپنی رائے کے مخالف کو مطعون کرکے اپنی بات منوائے۔ میرا شمار صف علماء میں نہیں ہے اس لیے میرے لیے اتنا یہ امر نازیبا نہیں جتنا اُن حضرات اہل علم کے لیے جنکی تقریروں اور تحریروں کی تقلید کی جاتی ہے۔ میں حیات مسیح کا منکر نہیں صرف مسئلہ کی قطعیت کا منکر ہوں اور قادیانی سرے سے حیات مسیح ہی کے منکر ہیں۔ میں نزول مسیحؑ کی قطعیت کا منکر ہوں، قادیانیوں کی ساری تحریک کا دارومدار اُن ہی احادیث پر ہے کہ جن میں وجود مسیح فی آخر الزمان کا ذکر ہے۔ اگر وہ قطعی نہ ہوں تو قادیانی دعوے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

پھر میرے مضامین کے جواب میں قادیانیوں کا باربار ذکر بلاوجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اسے صاف ہونا چاہیے اس میں اس سے کیا بحث کہ اس سے کسی فرقہ کی تائید

ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر بات صحیح ہے تو انہیں کیا مضائقہ۔ کیا محض دوسرے فرقہ کو زک دینے کی خاطر ہم غلط باتوں کے قائل ہو جائیں۔ ایسے اس سلسلہ میں نہ میرے لیے مناسب ہے اور نہ کسی دوسرے کے لیے ایک دوسرے کو محض ملعون کرنے کے لیے قادیانیوں کا ذکر کرے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ علامہ مجیب نے خواہ مخواہ قادیانیوں کو متوجہ کر دینے کا سامان کر دیا۔ اب خدا معلوم وہ ان تحریرات سے کتنے ناجائز فائدے اٹھائیں۔ جسکی بالواسطہ ابتدائی ذمہ داری بہرحال میرے سر نہیں۔ اللہم اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا) احقر تو حیران ہے کہ علامہ مجیب نے حیات مسیح کو حیات آدم کے مانند قرار دیتے ہوئے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم کا ذکر کیسے کر دیا۔ اگر اقتباس سے تو کس قدر ناک اقتباس۔ میرے ذکر کردہ دو امروں میں سے صرف ایک ہی امر کے متعلق علامہ مجیب نے کچھ لکھنا مناسب سمجھا جسکا ذکر ابھی ہوا۔ دوسرے امر کے بارے میں جسکا تعلق قرآن شریف کی آیتوں سے تھا علامہ مجیب نے خاموشی اختیار فرمائی۔ کیا یہ احقر اس سے یہ خیال نہ قائم کرے کہ علامہ مجیب کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔

میرا جو حصہ مضمون بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا اُس میں میں نے "خروج مہدی اعظم" کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے وجود کا (نہ کہ تواتر کا جیسا کہ علامہ مجیب نے تحریر فرما دیا) انکار کیا تھا اور مبصر صاحب نے خروج مہدی اعظم کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ ہونے کو جو تحریر کر دیا تھا اُس پر میں نے تعجب کا اظہار کیا تھا۔ اُسکے جواب میں اپنے مذکورہ بیان کا (جس پر میرا تبصرہ اوپر گزرا) حوالہ دیتے ہوئے علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں: "اُسکا جواب بھی اس تحریر میں مختصراً آ چکا ہے"۔ اس احقر نے اول سے لیکر آخر تک علامہ مجیب کے مذکورہ بیان کو (جسکی جانب الفاظ "اس تحریر" اشارہ تھا) متعدد دفعہ پڑھا، لیکن افسوس کہ مجھے اشارۃً بھی اس پورے مضمون میں خروج مہدی اعظم کے متعلق کوئی ایک حدیث متواتر بھی نظر نہ آئی، چہ جائیکہ احادیث متواترہ۔ میں حیران ہوں کہ اس "تحریر" کی کس عبارت کو مختصر جواب سمجھوں، کیونکہ جو کچھ "اس تحریر" میں ہے وہ علماء کے اقوال ہیں۔ سوائے ایک حدیث کے (جسے ابوبکر الاسکاف نے روایت کیا ہے) سرے سے کوئی حدیث بھی منقول نہیں۔ چہ جائیکہ متواتر حدیث اور ابوبکر الاسکاف والی حدیث کے متعلق تو یہ دعوے کیا جا سکتا ہے کہ وہ متواتر حدیث تو کیا حدیث مشہور بھی نہیں۔ اور لطف یہ کہ اُس میں سرے سے "خروج مہدی" کا ذکر ہی نہیں چہ جائیکہ "خروج مہدی اعظم"۔ اُس حدیث کا ٹکڑا یہ ہے "من کذب بالمہدی فقد کفر" کیا "تکذیب بالمہدی" "تکذیب بخروج المہدی الاعظم" کے مرادف ہے یا اول ثانی کو متضمن ہے یا اول ثانی کو مستلزم ہے؟ کیا مہدی کے دعوے مہدویت کی تکذیب "تکذیب بالمہدی" نہیں خواہ وہ کسی زمانہ کا مہدی ہو اور نہ یہ "البعث" "مہدی اعظم" ہے جس کے آخری زمانہ میں خروج کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہونے کا دعوے کیا گیا تھا۔ البتہ ایک صورت ذکر اتنا جا سکتا ہے وہ یہ کہ ثانی اول کو مستلزم ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اسکی ذہنیت ہو سکتا ہے کہ جب اس حدیث کے ساتھ اُس دوسری حدیث کا بھی لحاظ کر لیا جائے جس میں "خروج مہدی اعظم" کا ذکر ہو جسکا ذکر اس حدیث کے ساتھ کیا نہیں گیا۔ فهو کما ترے) علماء نے اسکے متعلق احادیث متواترہ ہونا لکھا ہے یا نہیں اس سے میرے ضمیمۂ مذکورہ میں کوئی بحث تھی ہی نہیں، میں نے تو عرض یہ کیا تھا کہ اسکے متعلق میں نے کوئی حدیث متواتر اب تک نہ دیکھی نہ سنی۔ اسکا جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ اسکے متعلق کوئی حدیث صحیح متواتر دکھائی جاتی اور بتائی جاتی۔ ایسی کسی صحیح متواتر حدیث کا نہ تو صراحتہ اور لفظی علامہ مجیب کے مضمون میں ذکر ہے اور نہ معنی۔ ایسا طور کہ ایسی حدیث کا ترجمہ کر دیا جاتا یا اس حدیث کی جس جس نے تخریج کی ہوتی اسکا حوالہ دیدیا جاتا۔ رہے اسکے متعلق بعض علماء کے اقوال وہ اگرچہ اس ضمیمہ کی حد تک بالکل غیر متعلق ہیں اُنکے متعلق اوپر کافی بحث ہو چکی ہے۔

ضمیمہ میں میں نے خروج مہدی اعظم کے متعلق احادیث متواترہ کے وجود کا انکار کیا تھا، اُسکے جواب میں علامہ مجیب نے جس مختصر جواب کی جانب اشارہ کیا تھا اُسکا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے اسکے تفصیلی جواب کے لیے علامہ مجیب نے چند کتابوں کا نام لکھ کر اُنکے مطالعہ کرنے کی اور اپنی ایک غیر مطبوعہ کتاب العطر الوردی کی طباعت کے انتظار کی ہدایت فرمائی ہے۔ علامہ مجیب کو یہ سنکر مسرت حاصل ہوگی کہ برزنجی کی کتاب کے علاوہ دوسرے مذکورہ کتب کے مطالعہ کے متعلق اُنکی ہدایت پر پہلے ہی عملدرآمد ہو چکا ہے لیکن میں اپنی کم سوادی کو کیا کہوں کہ ان کتابوں میں "خروج مہدی اعظم فی آخر الزمان" کے متعلق مجھے کوئی حدیث متواتر نظر نہ آئی چہ جائیکہ احادیث متواترہ۔ اگر واقعی اس بارے میں ان کتابوں میں کوئی متواتر حدیث ہے تو علامہ مجیب سے درخواست ہے کہ وہ براہ کرم اُس حدیث کو منظر عام پر لے آئیں کہ ہم ایسے بے سواد اشخاص بھی اُس سے فیضیاب ہو سکیں اور اگر نہیں ہے تو اس سے مطلع فرمائیں کہ ضمیمہ والے حصہ مضمون کے متعلق تفصیلی جواب کے لیے اُن کتابوں کے مطالعہ کی کیوں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ برزنجی کی کتاب سردست میرے پاس نہیں ہے مگر جن لوگوں نے اسکا مطالعہ کیا ہے اُن میں سے بعض بڑے ذی شعور اشخاص سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس میں بھی "خروج مہدی اعظم" کے بارے میں احادیث صحیحہ متواترہ تو ایکطرف اسکے بارے میں کوئی ایک صحیح متواتر حدیث بھی نہیں بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم اس کتاب کی جو عبارت علامہ مجیب نے اپنے اس مضمون میں نقل کی ہے (جسکا ذکر ما علیہ کے ساتھ اوپر ہو چکا ہے) اُسکے دیکھ لینے کے بعد تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ کتاب کا ایک حرف بھی پڑھوں مگر علامہ مجیب کی ہدایت کی بنا پر بادل ناخواستہ انشاء اللہ اسکا مطالعہ کرونگا

(بقیہ صفحہ ۵)

تھا کہ اچھی روحوں کو لینے کے لیے ملائکہ آتے ہیں، اور یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے، انھی معلومات نے تخیلات کا لباس اختیار کر کے انکے سامنے واقعہ کی شکل اختیار کر لی۔ ورنہ یہ جو کچھ تھا صرف ان تک کے دماغ کا ایک اضطراری عمل تھا۔ (زیادہ سے زیادہ فلسفہ اگر کچھ رہ جائے تو بس اسی قسم کی باتیں کہی جا سکتی ہیں)

لیکن آخر یہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ مرنے والی کی زندگی سب کے سامنے تھی، ایمان کی زندگی تھی، صدق و اخلاص کی زندگی تھی، وہی زندگی تھی جیسے متعلق قرآن میں اطلاع دی گئی ہے، کہ "سلام کہتے ہوئے ملائکہ اس قسم کی زندگی رکھنے والوں کو خود رب عالم کی طرف سے جنت کی بشارت دیتے ہوئے جاتے ہیں) اس عزیز نے بھی آخر کیا دیکھا؟ ملائکہ کو دیکھا اور قرآن بھی یہی دکھا رہا ہے۔ جانے والی مرحومہ کو پاکیزگی و طہارت اپنے اور متقی حال میں دیکھا اور "طیبین" کے لفظ سے قرآن نے بھی یہی دکھانا چاہا ہے ایسے حالات کا مشاہدہ کیا جن سے امید قائم ہوتی ہے کہ جس نے ساری زندگی خدا کی مرضی سے قریب رہنے کی کوشش میں گزاری اسے اپنی رضا سے راضی ہو گیا۔ تو میں نہیں جانتا کہ خود اور دیکھنے کیا۔ رہ گئی یہ بات کہ اس قسم کے احتضاری مکاشفات مرنے والے کے سوا عموماً دوسروں کو جو اسکے پاس موجود رہتے ہیں، چونکہ نہیں ہوتے، اس لیے اس طرح کا شک پیدا اکثر ہوا کرتا کہ اسکے سوا دوسروں کو یہ چیزیں کیوں نہ محسوس ہوں، کم از کم میرے خیال میں تو یہ صرف شک ہی شک ہے۔ ایک میں ایسے بیسیوں واقعات نصوص میں ملتے ہیں جن سے اس شک کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ خندق کے پتھر پر ضرب لگاتے ہوئے جب ایک غیبی روشنی چمکی، جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مدائن اور روم و صنعاء کی عمارتیں نظر آگئی تھیں، پیغمبر سے متجاوز ہو کر اس مکاشفہ کا اثر حضرت سلمان فارسی پر بھی پڑا، دریافت کرنے پر ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا سلمان تم نے بھی یہی دیکھا؟ جواب میں ہاں کہا گیا، اور اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جو کچھ اس روشنی میں نظر آیا تھا اسکی تفصیل فرمائی۔ اور یہی کیا ولادت باسعادت کے وقت جن مکاشفات کا ذکر عام میلاد کی کتابوں میں کیا جاتا ہے، جن میں بعض چیزیں روایۃً بھی بہت قوی ہیں، ان میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ سب کو نظر نہیں آیا۔ حضرت آمنہ کے سامنے واقعات گزر رہے تھے، اور کبھی کبھی ان واقعات کی ہلکی سی جھلک ان عورتوں کو بھی محسوس ہوئی، جو زچہ خانے میں اس وقت موجود تھیں۔ اور میں یہ پوچھتا ہوں کہ قرآن ہی میں کیا یہ نہیں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام "إنی لأجد ریح یوسف" کے مکاشفے سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ فلسطین میں پیراہن یوسف کی بو مصر سے پہنچ جاتی ہے لیکن یعقوب کے اردگرد بنی زادوں کی جو جماعت تھی وہ اسی مکاشفے سے اس درجہ بیگانہ تھے کہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کو لولا ان تفندون (تم مجھے سٹھیایا نہ ٹھہراؤ) کہنا پڑا۔ میرے نزدیک تو اس عزیز صالح کو بھی لولا ان تفندون کہتے ہوئے جو کچھ دیکھا ہے اسے اظہار کرنا چاہیے۔ (باقی)

خاندان غالب کی ایک خاتون

دہلی ۱۹۔ مئی۔ جناب نواب معظم زمانی بیگم صاحبہ عرف بگا بیگم جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب نیر درخشاں مرحوم جاگیردار لوہارو کی صاحبزادی اور جناب نواب زین العابدین خاں صاحب عارف مرحوم (جو مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم کے متبنیٰ فرزند تھے) کی بیوہ نے بعمر صد سال بتاریخ ۱۹ و روز شنبہ ۶ بجے شام کو رحلت فرمائی۔ جنازہ خاندان لوہارو کے قبرستان واقع مہرولی میں رات کو ایک بجے دفن کی گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(نشور)

(بقیہ صفحہ ۴)

عرفان کی حق معرفت تک مقام انبیاء تک کا ترجمان ہے۔ ہر بلندی کے بعد ایک بلند تر مقام کی تمنا اور تڑپ۔ اکبر الہ آبادی کا شعر بہت پُرمعنی ہے ؎

حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں
جستجو پھر بھی کرو ناز اسے کہتے ہیں

تسکین قلب و سکون خاطر کی راہ صرف ایک ہے، احکام شریعت کا اتباع حتی الامکان تک۔ جوں جوں یہ عادت راسخ ہوتی جائے گی طبیعت مزاج شریعت کے سانچے میں ڈھلتی جائیگی۔ اور بڑی حد تک دنیا ہی میں جنت کی فضا محسوس ہوتی جائیگی۔

محتاج نہیں اور جو محتاج نہیں وہ قدیم ہے، بس عالم قدیم ہے۔ مؤثر کا استغنا اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مؤثر جس پر اثر ڈال رہا ہے وہ چیز موجود تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تھی تو نیست محض پر اثر ڈالنا کیا معنی رکھتا ہے۔ محسوسات ومشاہدات عالم سے اسکی کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی کہ گھڑی کے پرزے کیل کانٹے کچھ نہ ہوں اور کوئی اثر ہو پیدا کر جاوے۔ اور اگر کہیں کہ وہ چیز موجود تھی تو پھر اثر کا ڈالنا وجود شے کے لیے تھا اور وہ شے موجود ہے پس تحصیل حاصل لازم آئیگا۔ اور وہ محال ہے۔ پس مؤثر کے استغنا ہر شق پر ظاہر ہے۔ یہ تقسیم تو ممتنع ہے کہ جیسا موجود ہے۔ اسکے صغرے کبرے کی خرابیاں واضح کی جاتی ہیں:

جس طرح ہمارے ہاں شاعروں کو اجازت مل گئی ہے کہ خیالی مضامین جتنے بھی چاہیں، جس مقالوں سے چاہیں ہٹ کر محض دماغ سے تراش تراش کر باندھیں اس "دروغ بے فروغ" پر انہیں داد ہی ملتی رہیگی۔ اسی طرح جاہلی یونان میں "فلاسفہ" اور (بر عکس نہند نام زنگی کافور) "حکماء" کو یہ آزادی رہی ہے کہ عقل نارسا کو کج روی میں جتنی چاہیں ڈھیل دیتے جائیں، اور واقعیت وحقیقت سے ہٹ کر جتنا بھی چاہیں اکاذیب و لچ بیہنیں میں ٹھوکریں کھاتے رہیں، خطۂ یونان اس بات میں سب سے پیش پیش رہا ہے۔ اسکے بہترین فلسفی وہی ہیں، جو غلط اندیشی اور پریشان خیالی کے استاد تھے۔ صرف ایک آدھ نظیر ان عقلمندوں کے عقلی کمالات کی سن لیجیے:—

(۱) کسی شے میں حرکت کے معنی اسکے انتقال مکان کے ہیں لیکن یہ انتقال مکان ممکن کیونکر ہے؟ اگر حرکت ٹھیک وہیں ہو رہی ہے، جہاں وہ شے پہلے سے موجود تھی، تو حرکت ہی کیسے ہوئی؟ انتقال مقام کا اطلاق ہی اس پر کیسے ہوگا؟ اور اگر کہیں اور ہو رہی ہے یعنی ایسی جگہ جہاں اس شے کا وجود نہیں، تو بغیر وجود کے وجود کے معنی ہی کچھ نہیں۔ اس لیے دونوں شقوں پر حرکت کا نفس وجود ہی باطل ہے!

(۲) حرکت سکون کی ٹھیک نقیض ہے۔ لیکن اگر کوئی شے حرکت میں ہے، تو اسکے معنی یہ ہیں کہ وقت کے فلاں لمحہ میں وہ چیز کے فلاں مقام میں ساکن ہے، اور حرکت انھیں سکوتی نقطوں کے تسلسل کا نام ہے، لیکن حرکت اور سکون باہم نقیض ہیں۔ اور کسی شے کا اپنے نقیض کے اجزا سے مرکب ہونا محال ہے۔ اس لیے کوئی شے کسی حال میں متحرک ہو ہی نہیں سکتی!

افلاس دماغی اور تہی مغزی کے اس قسم کے مضحک مظاہروں کا نام ان دانشمندوں کی اصطلاح میں "فلسفہ" تھا، "الٰہیات" تھا۔ اس ذہن و دماغ والوں نے اگر وجود باری کو بھی اپنی افراط عقل کا تختۂ مشق بنا لیا تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ افسوس اُن مسلمانوں پر ہے، جنھوں نے "یونان" کے نام سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ ان خرافات کو اپنے اِن فخر و فضلی کے ساتھ نقل کر دیا، اور حماقت کا نام حکمت ٹھہرا دیا! —— وہی مسلمان بیچارہ جو آج فرنگیت کے سحر سامری سے اسی طرح مرعوب ہے۔

اس استدلال کا مغالطہ بالکل واضح ہے، اور ذرا کھول کر بیان کر دیا جائے تو ہر سننے والے کو بجائے یقین کے، ہنسی آ جائے۔ یونانی بیچارہ دلیل وجود باری کے خلاف نہیں بلکہ وجود اسباب کے خلاف لا رہا ہے۔ وہ موثر یا علت فاعلی کی نفی تمام یا محدود کا ثبات سے نہیں، بلکہ مافی العالم یعنی کائنات کے ہر ہر جزو اور ہر ہر ذرہ سے کر رہا ہے اور وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ معلول یا تو نیست ہوگا یا ہست۔ اور علت کا تعلق ان دونوں شقوں میں باطل ہے! گویا عالم میں نہ کوئی سبب ہے نہ کوئی نتیجہ! کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا! نہ کوئی تخم نہ کوئی درخت! نہ کوئی آفتاب اور اسکی روشنی، نہ کوئی رات اور اسکی تاریکی! سلسلۂ اسباب کا وجود ہی سرے سے باطل! —— باطل پر ایسی جسارت بجز ایک یونانی کے اور کون دماغ کر سکتا ہے!

یونانی کی اصل دلیل کا مغز یا ماحصل اسی قدر ہے! قانون علیت یا سببیت سے انکار۔ اسکا انطباق جب کائنات اور اُسکے خالق پر کیا جائیگا، تو سارا دھوکا اسی مغالطہ کا کرتا ہوگا۔ حادث کے تجربات ومشاہدات کا آخر کس قاعدہ سے قدیم پر اطلاق ہوگا؟ قدیم کا وجود ہے بھی یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال یہاں گفتگو تو قدیم ہی کی صفت اور فاعلیت پر ہے۔ قدیم کی اس صفت فاعلیت سے۔ اس بنا پر انکار، کہ اس صفت کا مشاہدہ حادث میں نہیں ہوتا، اگر صاف قیاس مع الفارق نہیں تو اور کیا ہے؟

گھڑی اور گھڑی ساز کی مثال خصوصیت کے ساتھ بے محل ہے۔ گھڑی ساز بیچارے سے متعلق کب کسی نے دعوائے صنعت گری سے زیادہ کیا ہے؟ کب کسی نے قوت ایجاد، تخلیق، ابداع کو اس کی جانب منسوب کیا ہے؟ جب گفتگو ان صفات رکھنے والی ہستی پر ہو رہی ہے، تو نظیر ان صفات سے محروم پر لانا عقل پر کیسا ظلم کرنا ہے؟

حادث کے تجربات سے جو دشواریاں پڑتی ہیں، اور ہر مسئلہ ایک نہ سلجھنے والی گتھی بنتا ہے، اسی کے حل کرنے ہی کے لیے ایک واجب الوجود کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے، جس میں تمام وہ صفات کمالیہ جمع ہوں، جو قدیم کے شایان شان ہیں۔ قدیم کے وجود کو مان کر پھر اس کی صفات کو حادث پر قیاس کرنا عقل سلیم کی شریعت میں وہ جرم کبیرہ ہے، جسکا مرتکب یونان ہی کا دماغ ہو سکتا ہے —— وہی خطہ جہاں کے اعلم الناس ارسطو علیہ ما علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا ہے تو ضرور، لیکن اسکے قوتے اور قدرتیں محدود و متناہی ہیں!

ایک ولی کے ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے

کچھ ملفوظات رسالہ الفرقان (بریلی) کے تازہ نمبر میں شائع ہوئے ہیں، ایک دو ملفوظ اس میں سے نقل ہیں۔ سارے ملفوظات اس قابل ہیں کہ اول سے آخر تک پڑھے جائیں:—

(۱) ایک صحبت میں فرمایا۔ حدیث میں ہے الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں نفس کی مرضیات اور نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے ہیں۔ یہ دنیا آدمی کے لیے "جنت" بن جاتی ہے، اگر ہم نفس کی مخالفت اور احکام الٰہی کی اطاعت کے لیے بھیجے گئے ہیں، جس سے یہ دنیا مومن کے لیے "سجن" (جیلخانہ) ہی بن جاتی ہے۔ پس اگر ہم بھی کفار کی طرح نفس کی حمایت و موافقت کرکے دنیا کو اپنے لیے جنت بنائیں گے تو ہم جنت کے نا مستحق ہونگے، اور اس صورت میں نصرت حق نا صرف کے ساتھ نہ ہوگی، بلکہ مغضوب کے ساتھ ہوگی۔ فرمایا اس میں اچھی طرح غور کرو۔"

حدیث نبوی کی واقعی یہ بہترین اور نہایت درجہ دلنشین شرح ہے۔ کاش "روشن خیال" کو ان حکمتوں کے سمجھنے، پرکھنے اور انکی قدر کرنے کی توفیق ہوتی! —— سطحیت اور بے مغزی کا نام وقت کی اصطلاح میں "روشن خیالی" پڑ گیا ہے!

(۲) ایک بار فرمایا۔ من لا یرحم لا یرحم ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ مگر افسوس لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ کرنے والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے۔ اس لیے انکو اس شخص پر تو رحم آتا ہے جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا۔ گویا دنیا کے نقصان کو تو نقصان سمجھا جاتا ہے لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا۔ پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے۔ جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں۔ فرمایا: ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے۔ اس لیے یہ کام شفقت اور رحم کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر مبلغ اس لیے نکلتا ہے کہ اسکو اپنے بھائیوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے کا درد ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دیگا۔ لیکن اگر یہ منشا نہیں کچھ اور منشا ہے، تو پھر تکبر و عجب میں مبتلا ہوگا، جس سے نفع کی امید نہیں۔"

مولانا کے مرتبۂ ولایت کو بہت کم لوگوں نے پہچانا۔ اور حق یہ ہے کہ معاصرت کا حجاب بہت سخت حجاب ہوتا ہے۔

برلن کے نیچے برلن

"ماسکو۔ ۱۵۔ مئی۔ روسی فوج والوں نے آخرکار ایک پورے زمین دوز شہر کو دریافت کر لیا ہے جو برلن کے نیچے آباد تھا۔ اس میں باقاعدہ سڑکیں، محلے، مکانات، کارخانے، موٹر خانے، سامان رسد کے ذخیرے، اور ریل کی ایک پوری پٹری غرض یہ سب ہی کچھ تھا۔ یہ زیر زمین شہر خود برلن والوں کی نظر سے مخفی رکھا گیا تھا۔ اور اہتمام اخفاء کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دروازہ پر جو سنتری یا پہرہ دار تعینات رہتے تھے، انھیں دروازہ سے آگے کسی بات کا علم نہیں ہونے پاتا تھا۔ بڑے بڑے افسروں کو بھی علم اسی محدود حصہ کا رہتا تھا۔ پناہ گاہوں کے سلسلہ میں گوئرنگ اور گوبلز کی زیر زمین پناہ گاہوں کا بھی پتہ لگ گیا ہے۔ یہ پناہ گاہیں بم پروف تھیں۔ انکی چھتوں پر کنکریٹ اور فولاد کا استر تھا۔ جن پر دنیا کا کوئی سا بھی بم اثر نہیں کر سکتا تھا۔ گوبلز کی پناہ گاہ سطح زمین سے ۶۰ فٹ نیچے تھی۔ برلن کے آخری زمانہ میں گوبلز یہیں اپنے اسٹاف اور اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔ اور یہیں سے لاؤڈ اسپیکر فون کے ذریعے جرمن قوم کی ہمت بندھانے والے اور جوش دلانے والے نشریے وہ آخر تک براڈکاسٹ کرتا رہا۔ یہ پناہ گاہیں جنگ سے پہلے ہی تیار ہو چکی تھیں اور لوگوں نے ان عمارتوں میں رہنا سہنا ۱۹۳۹ء سے شروع کر دیا تھا۔" (رویٹر)

انسانی ذہن و طباع، اپنی حکمت و تدبیر اور ایجادات و اختراعات پر نازاں انسان، موت سے بچنے کی اور موت سے لڑنے کی کیسی کیسی صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے! اور جب وہ مقررہ گھڑی آ جاتی ہے، تو شکست پر شکست بھی کھاتا رہتا ہے! اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ۔ تم کہیں بھی ہو، موت تمہیں (وقت معین پر) آکر ہی رہیگی، خواہ تم بڑے بڑے مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔ کی صدا کتنی دلنواز، کتنی دلآویز صداقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ موت آئی، اور فولاد اور کنکریٹ کی چھتوں کو توڑتی ہوئی آئی! —— سارا مکلف "بم پروف" ایجاد کرنے والا، "موت پروف" ایجاد نہ کر سکا!

خریداران صدق کی خدمت میں

حسب ذیل خریداروں کی میعاد خریداری ماہ جون ۱۹۴۵ء کے اندر اندر تمام ہو رہی ہے۔ بعض کو وسط ماہ کے قریب وی۔پی روانہ ہونگے اور بعض کو آخر ماہ کے قریب۔ اگر وی۔پی مطلوب نہیں ہے تو چندہ بذریعہ منی آرڈر وقت سے پہلے پہلے بھیجدیا جائے کہ اس میں کفایت بھی ہے۔

(۱) جنکی میعاد وسط ماہ کے لگ بھگ تمام ہو رہی ہے:—

خریدار نمبر ۱۱۰، و ۱۱۳، و ۱۲۶، و ۲۴۲، و ۲۶۸، و ۲۶۹، و ۲۷۵، و ۲۳۱، و ۵۲۰، و ۵۲۹، و ۵۳۰، و ۵۳۸، و ۱۰۱۲، و ۱۰۲۸، و ۱۲۴۹، و ۱۲۵۱، و ۱۲۵۱، و ۱۲۵۸، و ۱۲۷۶، و ۱۳۷۳، و ۳۷۸، و ۱۳۷۷، و ۱۳۷۸، و ۱۳۷۹، و ۱۳۸۰، و ۱۳۸۷، و ۱۳۹۸، ۱۳۸۹، و ۱۳۹۰، و ۱۳۹۹، و ۱۲۰۳، و ۸۱۱، و ۸۰۵، و ۸۰۳، ۹۰۰

ختم

سورۂ بقرہ رکوع ۲۱

(از عبدالماجد)

بقیہ حواشی صفحہ ۵

البتہ امام مالکؒ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لیے وہ سور کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔

قال مالک انہ طاہر وکذالک کل حیوان عندہ لان علۃ الطہارۃ عندہ ہی الحیاۃ (ابن العربی)

سور کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اُسکے بالوں سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسکا یہ ذکر آیا ہے

لا خلاف ان جملۃ الخنزیر محرمۃ الا الشعر فانہ یجوز الخرازۃ بہ وقد روی ان رجلاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخرازۃ بشعر الخنزیر فقال لا باس بذالک (قرطبی)

امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ دونوں سور کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسفؒ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔

وقد اختلف الفقہاء فی جواز الانتفاع بشعر الخنزیر فقال ابو حنیفۃ ومحمد یجوز الانتفاع بہ للخرز وقال الشافعی لا یجوز الانتفاع بشعر الخنزیر (جصاص)

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اسکی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی بعض فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ خنز (الشئی زیادہ چیز گندی ہوگئی) سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اس جانور کے مثلاً PIG، SWINE، HOG یا اس جانور کے گوشت کے لیے ہیں، مثلاً PORK، HAM، BACON ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔

اور اسکے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدود کی میں یہ جس طرح معین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر ہی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔

سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس ہی سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔

آج "مسیحی" قومیں جس ذوق و شوق سے گندہ گوشت تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اسکی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اسکی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جا بجا کیے ہوئے ہیں، اسے دیکھکر تو قیاس یہی ہوتا ہے کراہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اسکی حرمت اور نجاست دونوں صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔

"اور سور کہ کھر اسکا دو حصہ ہوتا ہے اور اسکا پاؤں چرا ہے، پہ وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمھارے لیے ناپاک ہے" (احبار ۱۱:۷)

"اور سور بھی کہ اسکے کھر چرے ہوے ہیں، پہ جگالی نہیں کرتا، اور بھی تمھارے لیے ناپاک ہے۔ تم اسکا گوشت نہ کھائیو نہ انکی لاش کو ہاتھ لگائیو" (استثناء ۱۴:۸)

وما اہل لغیر اللہ بہ۔ اہلال کے اصل معنی آواز بلند کرنے پکار کر دینے، شہرت دینے کے ہیں۔

ہو رفع الصوت عند رؤیۃ الہلال ثم استعمل لکل صوت (راغب)

الاہلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بطریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کر لی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اسکے ذبح کے وقت بسم اللہ ہی پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔

ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اہل بہا لغیر اللہ عند الذبح (جصاص)

"در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چون شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے ست ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نکرد" (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہونگے اور ہماری کارروائی کر دینگے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اس نیت سے بکرا، مرغا، وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر حلال ہو جاتا ہے۔ (تھانوی)

بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کریگا، تو بھی وہ حرام ہو جائیگا اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اہل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ (در مختار)

بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کریگا، تو مرتد ہو جائیگا، اور یہ ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائیگا۔

قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب

اتمام حجت

(نیاز کے نام خطوط رسالہ "ماخذ القرآن" کے سلسلہ میں)

(۱) از مولانا سید سلیمان ندوی

اعظم گڈھ ... رمضان المبارک ۶۳ھ

مکرم نیاز صاحب! میں آپ کے اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ موجودہ الحاد و دہریت کی وبا جو پھیل رہی ہے اس کا سبب ارباب کلیسا میں پادریوں کے وہ اعتراضات ہیں جن کا جواب شافی علمائے کرام کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی یقین ہے کہ ان ارباب کلیسا کے ہر ہر اعتراضات کا شافی جواب مسلمانوں کی طرف سے دیا جا چکا ہے۔ اور اگر آپ کے نزدیک وہ جوابات شافی نہیں ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے آپ "[illegible]" کرام [illegible] اور انکے جوابات شافی لکھ کر رہتی دنیا تک زندہ یادگار رکھ جائیں اور مسلمانوں پر احسان فرمائیں۔
نیاز صاحب! آخر آپ کا نگار و نگارش کی تان [illegible] کب تک [illegible]

نگار؛ بہر دل زندہ نگار زندہ ایماں
ار زلف تو زنار کہ چہ در سر دارد

(۲) ... دار المصنفین اعظم گڈھ

گرامی نامہ ملا۔ ڈاکٹر ٹسڈل کی کتاب کا نام "ماخذ القرآن" آپ نے رکھا ہے یا مصنف نے؟ یہ رسالہ SOURCES OF ISLAM انگریزی دیکھی ہے فارسی و عربی نسخہ نہیں دیکھا۔ اسکا جواب اردو میں جناب [illegible] صاحب نے دیا تھا۔ جو میرے پاس نہیں۔ اردو میں بھی مذہب عیسوی نے ینابیع الاسلام کے نام سے اسکو شائع کیا ہے۔ خواجہ کمال الدین کی کتاب ینابیع المسیحیۃ اور مصری فاضل کی کتاب التطبیق بین الدیانۃ الوثنیۃ والمسیحیۃ اسی کے جواب میں ہے، غالباً ملاحظہ سے گزری ہوگی۔ اور فرض کیجئے کہ کسی نے جواب نہیں لکھا تو آپ ہمدرد اسلام ہونے کی حیثیت سے اسکا انگریزی میں اور اردو میں جواب لکھ کر شائع کر دیں تو آپ کا تحقیقی کارنامہ ہو اور مسلمانوں پر احسان بھی ہو۔
اسکے بجائے ینابیع الاسلام کو جو اردو میں عیسائیوں کی طرف سے شائع بھی ہو چکی ہے آپ دوبارہ نگار میں شائع کرکے دنیا اور آخرت میں کیا پھل پائیں گے۔ براہ عنایت میری ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

(۳) از مولانا مسعود عالم ندوی

[illegible] پٹنہ - ۱۱ شوال ۶۳ھ

کرمی - سلام و تحیات

آپ کا مکتوب مورخہ .... وقت پر مل گیا تھا مگر ان دنوں اتفاقاً اہتمام کے باعث مصروفیت اور اکثر باہر رہا۔ کل وطن سے واپس آیا ہوں، اور ۳۰ اکتوبر کی صبح کو فیروزپور کا قصد ہے لکھنؤ میں دو تین دن قیام رہے گا، عموماً ندوہ میں قیام کرتا ہوں۔ اگر جناب اس باب میں گفتگو کرنا چاہیں، تو تشریف لا سکتے ہیں۔
عجلت اور سفر کی تیاریوں کے باعث کوئی مفصل خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ مختصر طور پر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اعتراضات کی الٹی اشاعت سے نقصان کے سوا فائدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔
آپ کا یہ خیال بھی غلط ہے، کہ مخالفین کے اعتراضات کا اب تک کوئی شافی جواب نہیں دیا گیا۔ اصل یہ ہے کہ جو طبیعتیں انکار و جحود پر اتر آتی ہیں، وہ پھر کسی دلیل سے مطمئن نہیں کی جا سکتیں۔ ان کی ہدایت اللہ ہی کی توفیق و عنایت سے ہو سکتی ہے۔ خود جناب ہی کی مثال کافی ہے۔ آپ کے کس اعتراض کا شافی جواب نہیں دیا گیا، مگر شاید آپ نے کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ "شاید" اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ادھر چند سالوں سے "نگار" دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ہمارے یہاں کسی لائبریری میں نہیں آتا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

(۴) از مولانا حفظ الرحمٰن دہلی

محترم نیاز صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی۔ آپ کا مسودہ گرامی نامہ موصول ہوا۔
"الحاد و دہریت" کے خلاف جس عملی جد و جہد کا آپ نے اپنے مکتوب گرامی میں ذکر فرمایا ہے قبل اسکے کہ میں اس مسئلہ پر کچھ گزارش کروں یہ دریافت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نگار کی گزشتہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ وہ ہندوستان کے ان رسالوں میں بحیثیت قائد کے رہنما رہا ہے جو الحاد و دہریت کے مبلغ و مناد ہیں لہٰذا اب اس کا "الحاد و دہریت" کے خلاف یہ اقدام کیا تبدیلی اعتقادات کے بعد بروئے کار آ رہا ہے؟ اعتقادات سے میری مراد قرآن عزیز کے ان اصول سے ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک مسلمہ اصول اور جمہور مسلمانوں کا مسلک قدیم بنے رہے ہیں تو اگر "نگار" نے الحاد و دہریت کے اب قدیم مسلک کو ترک کرکے حقیقی اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین بنا دیا ہے تو صد ہزار مبارکباد اور تبریک و تہنیت کے بے شمار مخلصانہ ہدیے۔ ورنہ اگر قدیم مسلک کے مطابق ہی نگار کی یہ خدمت بھی بروئے کار آ رہی ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ نگار چاہتا ہے کہ جن مسلم نوجوانوں کو اسلام سے منحرف کرکے دہریت و الحاد کی جانب لایا جا رہا ہے انکی مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کا فائدہ اٹھا کر غیر مسلموں کے اعتراضات کو اردو میں نقل کرکے انکے الحاد پر مزید رنگ و روغن بھرنے کی سعی کرے۔ آپ معاف فرمائیں میں نے جو کچھ لکھا ہے بغیر کسی طعن و طنز کے اصل حقیقت سمجھ کر تحریر کیا ہے۔ پس اگر جناب والا اس سلسلہ میں میری تشفی فرما دیں تو میں اصل تجویز کے متعلق جو خیال رکھتا ہوں اسکو ظاہر کروں۔

(۵) از مولانا محمد منظور نعمانی - بریلی

دفتر الفرقان بریلی۔

عہدنا ہو المسنون !

میں گھر پر نہیں تھا۔ عرصہ سے بہ سلسلہ علاج بریلی سے باہر تھا، اب اسی ہفتہ واپسی ہوئی ہے۔ آپ کے مطبوعہ کارڈ کا جواب صرف یہ ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

(۷) از مولانا محمد اسلم جیراجپوری

مخدومی زاد لطفہ۔ تسلیم۔ رسالہ نگار جنوری ۱۹۵۹ء نمبر ملا ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ پادری فنڈل کی کتاب جو آپ نے چھاپی ہے وہ تو بہت پہلے بھی چھپ چکی تھی۔ سال سے بائبل سوسائٹی سے ینابیع الاسلام کے نام سے اردو اور فارسی میں ددو اور چار چار آنے کی فروخت ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں کیوں آپ نے اسکا شائع کرنا پسند فرمایا۔ کیا کوئی دوسری چیز شائع کرنے کے لیے نہ تھی؟

مجھے آپ کا ادبی حسن ذوق پسند تھا۔ مگر اس سڑی ہوئی متعفن لاش کو علمی میدان میں لا کر آپ نے اُسکو بھی کھو دیا۔ مجھے نہایت افسوس ہوا۔

کیا آپ نے قرآن کی دعوت کے لیے اسکو چھاپا ہے ——— ہرگز نہیں
کیا بائبل سوسائٹی نے چھپوایا ہے ——— شاید یہ بھی نہیں

میرا خیال ہے کہ چند سال ہوئے آپ نے قرآن کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اور اس پر ہر طرف سے مخالفت کا طوفان اُٹھا تھا وہ ہنگامہ آپ کو پسند آیا تھا اور اب اسکا یہ نیا سامان آپ نے ڈھونڈا ہے۔ ورنہ یہ جاہلانہ خرافات آپ شائع نہ کرتے۔ خدا آپ کو ہدایت دے۔

(۷) از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

کرمی و محترمی۔ آپ کا مطبوعہ کارڈ ملا۔ ہندوستان میں الحاد و دہریت کی دہائی دیکھ کر آپ کا مضطر ہونا قابل فہم بھی اور استعجاب انگیز بھی ہے اور موجب مسرت بھی۔ اللھم زد فزد

اگر اجرائے "نگار" سے پہلے کے دور میں اس قسم کا خیال آپ ظاہر فرماتے تو وہ میری توقع کے عین مطابق ہوتا۔ مگر اب دوران "نگار" کی روش دیکھتے رہنے کے بعد آپ کی طرف سے یہ کارڈ موصول ہونے پر دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ:

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

بہر حال محرک خواہ کچھ ہو۔ میں آپ کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اس میں اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ صرف اہل کلیسا ہی نہیں بلکہ ملاحدہ اور دہریوں اور عقل پرستوں اور کمیونسٹوں کے دلائل بھی جمع فرما دیں، اور میں اسکا وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ان سب کا جواب عرض کرونگا۔ بشرطیکہ آپ "نگار" میں اسے بے کم و کاست شائع کرنے کا وعدہ فرمائیں۔

(۶) از مولانا امین احسن اصلاحی

بمورہ۔ مبارک پور۔ اعظم گڈھ

کرم - اگر یہ اعتراضات آپ خود بھی اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں تو آپ اپنی طرف سے انکو شائع کیجیے تاکہ جواب دینے والے آپ کو جواب دیں اور آپ کی حیثیت انکو معلوم رہے اور اگر آپ ان اعتراضات کو غلط سمجھتے ہیں اور حق اسلام ہی کے ساتھ سمجھتے ہیں، تو حق دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ خود آپ سب سے پہلے حمایت حق میں قلم اُٹھائیں اور دوسرے علماء کو بھی نصرت حق کی دعوت دیں۔ باقی یہ طریقہ جو آپ نے اختیار فرمایا ہے سخت سوء ظن پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بجا طور پر لوگوں کو گمان ہوگا کہ آپ اس طرح ایک طرف تو اسلام کی مخالفت ایک نئے پہلو سے کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اعتراض و جواب کا ایک ہنگامہ برپا کر کے لوگوں کو اپنے اخبار کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ مجھ سے کچھ واقف ہیں تو آپ جانتے ہونگے کہ مجھے ایسے لوگوں کے کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جنکے نزدیک ہر چیز صرف بیچنے اور نفع اُٹھانے کے لیے ہے۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (کبیر)

^۸ سلہ یعنی مجبور ہو حرام غذا کے استعمال پر

اے فمن اضطر الی شیٔ من ہذہ المحرمات اے احوج الیہا (قرطبی)

اضطر اضطراراً ضرورت سے مشتق ہے اور اسکے باب افتعال سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جا سکتا ہے۔ اور شدید ضرورت کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں:-

(۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو رہی ہے یا افلاس کی بنا پر اس تک دسترس نہ ہو اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کر رہا ہو۔

وہذہ الضرورۃ لہا سببان احدہما الجوع الشدید والثانی اذا اکرہہ علی تناول کرہ (کبیر) الاضطرار لا یخلو ان یکون باکراہ من ظالم او بجوع فی مخمصۃ والذی علیہ الجمہور من الفقہاء والعلماء فی معنی الآیۃ ہو من یصیرہ العدم والغرث وہو الجوع الی ذلک (قرطبی)

^۹ سلہ وان حرام چیزوں کے کھا لینے میں، بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔

بل ربما یأثم بترک التناول (روح)

اسلیے کہ حفظ نفس تو اولیں فرائض میں سے ہے۔ اور ایسے موقع پر غذا نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔

لا خلاف انہ لا یجوز ان یقتل نفسہ بالامساک عن الاکل وانہ مامور بالاکل علی وجہ الوجوب (قرطبی) لو ترک الاکل حتی مات نفسہ وہلک اکبر المعاصی (قرطبی)

(مراسلہ) گرانڈ مسلم مشن (بمبئی)

(از مولوی حاجی ظفر الملک ... (علوی))

۲۲ مئی کے صدق میں کے عبدالوہاب دلوری صاحب سکرٹری گرانڈ مسلم مشن بمبئی کے ... شایع ہوئے ہیں جن میں انھوں نے مولانا عبدالماجد صاحب سے اس امر کی شکایت کی ہے کہ انھوں نے صدق کے کسی سابق پرچہ میں علامہ سالمین کی کتاب دی ہول کوانٹ کی رسید تحریر کرتے ہوئے مصنف کو شیعہ مبلغ کیوں لکھ دیا۔ سالمین صاحب کو اپنے شیعہ ہونے سے انکار ہے اگرچہ انکی تحریر پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ وہ معمولی درجہ کے نہیں بلکہ تبرائی شیعہ ہیں۔ میں نے حال ہی میں انکی کتاب "علی دی کیلیف" پڑھی ہے۔ جسکے دیباچہ میں انھوں نے نہایت بیباکی سے لکھا ہے کہ

"اگرچہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ پہلے دو خلفاء نے منصب خلافت کو روحانیت سے دنیا داری میں تبدیل کر دیا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ شہرت اور منافع کے طالب تھے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انکی خلافت کے دوران میں مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی شہرت اپنے انتہائی عروج کو پہونچ گئی تھی" (صلا دیباچہ)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر ہے:-

"جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ علیؑ اپنے قریبی پیشرو عثمانؓ کی طرح حکومت کے سارے خزانہ کو اپنے عزیزوں کے لیے استعمال کرتے اور تمام مسلمانوں کو اس سے محروم کر دیتے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ علیؑ ابن ابو طالب کو حکمرانی کی کوئی حاجت نہ تھی۔ انکی خلافت ربانی تھی اور اسکا بقا و استحکام روحانی قوت اور شجاعت پر مبنی تھا"

دنیا میں کون مسلمان ہے جو جانشینان رسولؐ کے متعلق اس قسم کے اتہامات تراش سکتا ہے؟ یہ صرف شیعوں ہی کی جسارت ہے جو ایک طرف مسلم ہونے کے مدعی ہیں اور دوسری طرف پیغمبر اسلامؐ کے ان خلفاء کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں جنکے دست حق پرست پر خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی تھی۔

گرانڈ مسلم مشن کی ایک رپورٹ سالمین صاحب بانی و صدر مشن کی تحریر کردہ ۲۸ - اپریل اور مابعد کی قسطوں میں لکھنؤ کے شیعہ اخبار نظارہ میں شایع ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس مشن کی جانب سے علاوہ حضور سرور کائنات کی سوانح عمریوں کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما، حضرت زینب بنت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سوانح عمریاں شایع کی ہیں اور ائمہ اثنا عشر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو ابھی تک شایع نہیں ہوئی۔ کیا یہی دفعہ اس بات کے اثبات کے لیے کافی نہیں کہ گرانڈ مسلم مشن ایک شیعی ادارہ ہے۔ اگر وہ شیعہ نہ ہوتے اور واقعی مسلم ہوتے تو حضرات خلفائے ثلاثہ و عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نظر انداز نہ کرتے۔ ائمہ اثنا عشریہ سے پہلے وہ صحابی کیا معنی تابعی اور تبع تابعی بھی نہیں ہیں۔

پھر "علی دی کیلیف" میں مسلسل اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت علی کے مناقب و فضائل ہی کے بیان پر قناعت نہ کی جائے بلکہ انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشین، اور بعد رسولؐ کے اسلام کا سب سے بڑا پیشوا بنایا جائے۔ کعبۂ مکرمہ کے اندر انکی ولادت کے واقعہ کو عظیم الشان بنانے کے لیے بغیر کسی مقبول سند کے یہ معجزہ تصنیف فرمایا گیا ہے کہ جب انکی والدہ کو آثار حمل معلوم ہوئے تو انھوں نے اللہ کی جناب میں دعا کی اور دفعتاً کعبۂ مکرمہ کی دیوار شق ہو گئی اور وہ اسکی آڑ میں چلی گئیں اور تین دن تک وہیں رہیں جبکہ دیوار شق سابق جڑ گئی تھی۔ تین دن کے بعد دوبارہ دیوار شق ہوئی تو وہ حضرت علی کو گود میں لیے ہوئے باہر نکلیں اور دیوار دوبارہ جڑ گئی۔

کعبہ مکرمہ میں ولادت کا شرف تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل نہیں ہوا بلکہ انکے علاوہ متعدد اشخاص ایام جاہلیت میں کعبہ مکرمہ کے اندر پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت سے چالیس سال قبل حکیم ابن حزام، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے برادرزادہ کی ولادت کا حال تو مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اصابہ میں اور حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے۔

اور جس معجزہ کو سالمین صاحب نے بیان کیا ہے اسکی سند وہی بتا سکتے ہیں۔ علمائے اسلام اور اسلامی مورخین کے علم سے یہ واقعہ خارج رہا ورنہ کوئی تو اسے بیان کرتا۔

حضرت علیؑ اور ائمہ اثنا عشر کی امامت کا کوئی ثبوت قرآن میں نہیں ملا تو توراۃ کی پیشین گوئی سے مدد حاصل کی گئی جس میں حضرت ابراہیم کی اولاد میں بارہ شہزادوں کے ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

اس قسم کے عقائد رکھنے کے بعد بھی مطالبہ یہ ہے کہ ہم کو شیعہ کہنے کے بجائے مسلم کہا جائے۔ حالانکہ مسلمان اس قسم کے عقائد نہ رکھتے ہیں اور نہ قرآن کریم نے ایسی دور از کار باتوں کی گنجایش رکھی ہے۔

سالمین صاحب کو اگر اپنے مشن کے لیے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنا ہے اور وہ واقعۃً شیعیت سے بیزار ہیں تو انھیں علی الاعلان حضرات خلفائے ثلثہ کی شان میں گستاخانہ باتیں لکھنے پر اظہار ندامت کرنا چاہیے اور اپنے "زور قلم" کو حدود اعتدال کے اندر رکھکر تبلیغ اسلام کرنا چاہیے۔ فرقہ پرستی کی تبلیغ کرنے اور شیعہ معتقدات کو پھیلانے میں اگر انھیں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تو وہ تمام مسلمانوں کو کیوں ایسا نادان سمجھتے ہیں کہ وہ بھی حق و باطل کی تمیز نہ کرینگے۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ ۔ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

صدق - براہ کرم کوئی اور صاحب اس موضوع پر طبع آزمائی نہ فرمائیں۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی
بیرون ہند سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

نمبر ۹ | شنبہ ۲۸ - جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"جہاز پیٹریا (فلنسبرگ) ۲۳ مئی۔ جس طرح تماشا ہوا کرتا ہے کہ ڈائرکٹر کے حضور میں طلب ہوتا ہے، اور مجرم جب وہاں پہنچتا ہے، تو نقاب اوڑھا کے الزام میں گرفتار پولیس کی حراست میں دے دیا جاتا ہے، اسی طرح آج میجر جنرل لاول رکس کے کمرہ میں جرمنی کے گرانڈ ایڈمیرل کارل ڈونیٹز پیش ہوئے، اور معاً انہیں حکم ملا کہ انکی جرمن گورنمنٹ اور جرمن ہائی کمانڈ سب اسی منٹ سے ختم ہوتے ہیں! رائٹر کے وقائع نگار خصوصی کا بیان ہے کہ اس سنیچر جرمنی کے ڈرامائے اس سب سے آخری سین میں کل چار منٹ کا وقت لگا"۔ (رائٹر)

یعنی کل چار منٹ کی مدت میں اتنی عظیم الشان اور گردن کش گورنمنٹ کا سچا کچا چٹھا ہست سے نیست، موجود سے معدوم محض، اور دنیا کا یہ نامور ایڈمرل (امیر البحر) دم کے دم میں معزول ونظر بند۔ فیصلہ قطعی۔ آگے نہ اپیل نہ دلیل نہ وکیل! —— مشاق خبر رساں ایجنسی نے افسانہ کی زبان اختیار نہیں کی، ٹھوس مادی واقعات خود انتہائی حیرتناکی کے باعث افسانے بن گئے!

"لندن ۲۴ مئی۔ ہائنرش ہملر، یورپ کے خوفناک ترین شخص نے رات کو ۱۱ بجکر ۴ منٹ پر برطانوی دوسری فوج کے کیمپ میں خودکشی کرلی۔ ہٹلر کے اس دست راست اور وزیر پولیس اور وزیر داخلہ کی نعش بے گور وکفن فوج کی ایک بارک میں پڑی ہوئی ہے۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی ہیں، جسم پر انگریزی فوج کے کپڑے ہیں جو انھیں کل ان کی گرفتاری کے بعد انگریزی افسروں نے زبردستی اسے پہنائے تھے۔ آدھا جسم انگریزی کمبل سے ڈھکا ہوا ہے۔ پاس ہی پانی کے برتن رکھے ہیں اور زمین پر پانی پڑا ہوا ہے۔ بڑے بڑے فوجی ڈاکٹر زہر نکالنے اور تنفس جاری کرنے کی کوشش میں ۱۵ منٹ تک انتھک کوشش کے بعد ناکام رہ چکے ہیں! ڈاکٹروں اور فوجی افسروں نے ہملر کی گرفتاری کے معاً بعد ہی اسکے جسم کی تلاشی بار بار لی تھی اور یہ چوتھی بار معائنہ اسکے منہ کو کھول کر اور منہ میں انگلی ڈال کر ایک ڈاکٹر کر رہا تھا جب ہملر سائنائڈ آف پوٹاشیم کی ایک ننھی سی شیشی کو جسے وہ منہ میں چھپائے ہوئے تھے، معاً توڑ کر نگل گیا اور ایک منٹ کے اندر ختم ہوگیا۔ آدھا لٹا کر معدہ صاف کرنے کی جو کوششیں ۱۵ منٹ تک جاری رہیں سب بے سود ثابت ہوئیں۔ عمر ۴۴-۴۵ سال کی تھی۔ نعش ابھی تک پڑی ہوئی ہے، جسم کی پیمائش ہوکر اتنے بڑے تابوت کی تلاش ہو رہی ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ ہملر کے عقائد کیا تھے، اور اسکی تدفین کس فرقہ کے دستور کے مطابق ہوگی۔ ایک پادری نے کہا کہ اس مرتد کی تدفین مسیحیت کے مطابق کرنا مسیحیت کا منہ چڑھانا ہے"۔ (رائٹر)

یہ واقعات افسانہ پارینہ نہیں، آپ کی آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں۔ اسکے ہوتے ہوئے یہ پوچھنے کی حاجت کس کو باقی رہ جاتی ہے، کہ دارا کا انجام کیا ہوا تھا، اور سکندر نے جان کس حسرت سے دی تھی؟ چنگیز کس طرح مرا تھا، اور نپولین نے دم کس بیکسی اور بے بسی کے ساتھ توڑا تھا۔

نئی راج ہٹ!

صدق میں مولانا محمد علیؒ کی انگریزی تحریروں کے جدید مجموعہ پر جو تبصرہ تحریر ہوا تھا، اُس میں کچھ مشورے ناشر صاحب کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مشورہ یہ بھی تھا، کہ کامریڈ ۱۹۱۴ء کے ایک اہم اور اپنے زمانہ میں بڑے معرکۃ الآرا مضمون "چوائس آف دی ٹرکس" کا شامل ہونا ضروری تھا۔ مولانا نے یہ مضمون ٹائمس (لندن) کے جواب میں، اُسی کا عنوان اختیار کرکے ۴۲ گھنٹے مسلسل جاگ کر اور صرف کافی کی پیالیوں پر گزارہ کرکے لکھا تھا، اور اسی کی پاداش میں انھیں نہ صرف نظر بندی ملی تھی اور نتیجۃً کامریڈ (دور اول) کی زندگی بھی ختم کرنی پڑی تھی۔ مضمون بحق سرکار ضبط ہو گیا تھا۔ واقعہ کو اب ۳۲ سال گزر چکے، اور خیال بھی نہ تھا، کہ اتنے طویل عرصہ کے بعد اب اُس میں کوئی زہر گورنمنٹ کے نقطۂ نظر سے باقی ہوگا۔ لیکن ذرا اسکی روداد ناشر صاحب کی زبان سے سنیے:۔

"اس مضمون سے متعلق آپ کو مطلع کرنا ضروری ہے کہ اسی سلسلے میں بہت کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ اس کی طباعت کی اجازت دیدے، لیکن گورنمنٹ نے اجازت نہیں دی۔ پہلے میں نے پنجاب گورنمنٹ کے ہوم سکرٹری سے خط وکتابت کی گر بے سود۔ پھر گورنمنٹ آف انڈیا سے درخواست کی انھوں نے مضمون کی نقل طلب کی جو ارسال کی گئی۔ انھوں نے اپنے مختلف محکموں مثلاً پریس برانچ، امور خارجہ وغیرہ وغیرہ سے دریافت کیا، مگر بالآخر اجازت نہ دی۔ اسمبلی میں بھی سوالات کرائے گئے، پھر مزید سوالات کا ارادہ ہے۔ ورنہ چوائس آف دی ٹرکس جیسا مضمون تو کبھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا۔"

مضمون حقیقۃً اُسوقت بھی قابل گرفت نہ تھا، اور اب اتنے طویل عرصہ کے بعد بھی اُسکی عدم اشاعت پہ اَڑے رہنا نتیجہ کس چیز کا قرار دیا جائے؟ دفتر شاہی جمود کا؟ سرکاری کینہ پروری کا؟ یا دیرینہ راج ہٹ کا؟

صحیح نصب العین

آل انڈیا مسلم مجلس کے تازہ اجلاس کے خطبۂ صدارت سے:۔

"مسلم مجلس کا پہلا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر روح اسلامی کو پھر حرکت دی جائے۔ اور اُن سے اصرار کیا جائے کہ وہ عقائد اسلامیہ کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اسلام کے معنی محض زبانی اقرار کے نہیں ہیں، بلکہ یہ ہیں کہ عملی حیثیت سے خدا اور رسول کی فرمانبرداری کی جائے۔ مسلم سیاست کو مذہب کے تابع ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسکو بہ حیثیت کل کے قبول کرنا چاہیے۔"

آل انڈیا مسلم مجلس، مسلم لیگ کی مقابل اور حریف کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن جہاں تک اس مقصد اولین کا تعلق ہے، ظاہر ہے کون بدبخت مسلمان اس سے اختلاف کریگا — اچھی بات اور سچی بات جس جماعت، جس انجمن، جس پارٹی میں پائی جائے مسلمان کا کام اُس پر لبیک کرنا، اور تحزب کے ہر خیال سے بلند تر رہنا ہے۔

"ادب خبیث"

مرزا یگانہ "چنگیزی" "لکھنوی" کے چنگیزی آرٹ کا نمونہ حیدرآباد کے ایک ادبی ماہنامہ سے:۔

"گذشتہ پچیس سال سے، ادب جمیل، ادب لطیف، ادب عالیہ وغیرہ کے بھیس میں ادب خبیث رنگ بدل بدل کر کیا کیا ہنگامہ برپا کر رہا ہے ..... پہلے تو اس نئے ادب میں ننگا پن ہی تھا رفتہ رفتہ شہدپن بھی داخل ہوتا اور بڑھتا گیا۔ پریس نے اپنے صفحات کی شکم پُری اور چند ٹکوں کی خاطر اس گندے ادب کو اتنا اُچھال دیا کہ آخر اُس نے ایک اوباشانہ تخریبی تحریک کی صورت پکڑ لی۔ ننھے ننھے حشرات الارض نے ذہنی عیاشی کے شوق میں اپنا چھچھوری شاعری کو بیکاری کا مشغلہ بنا لیا ..... خدا جانے فیض کون صاحب ہیں "شاعری" یوں فرماتے ہیں:۔

(۱) بول کہ لب آزاد ہیں تیرے (۲) بول زباں اب تک تیری ہے
(۳) بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے۔ (۴) بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
(۵) بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے"

بول بول بول، لاحول لاحول۔ یہ ہے "ترقی پسند" شاعری، نہ تال کی نہ سم کی، نہ سُر کی .... یہ گویا ترقی پسندوں کا ادب جدید ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ لکھنؤ کے ان پڑھ شہدے ایک ایک پیسہ میں ایک منٹ کے اندر اس قسم کے فقروں سے زیادہ چست فقرے تراش کر رکھ دیں ..... نئے اسلوب کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو:۔

(۱) بادصبا کے ہلکوروں میں تند ہوا تبدیل ہوئی۔
(۲) پھول کھلے (یہ گویا دوسرا مصرعہ ہوا) تھو!
(۳) مستی چھائی (,, تیرا ,,) تھو!
(۴) مرجھائے کنول شاداب ہوئے
(۵) میں ہوں بیدل
(۶) ایوس
(۷) ایک
(۸) بیچارا

یہ سب گویا آٹھ مصرعے ہوئے۔ انھیں تلے اوپر لکھ کر ایک بند قرار دیا گیا ہے اور گویا ایک گاؤدم سی شکل بنا دینے کی کوشش کی گئی ہے! تھو!"

سچ کہا جس نے کہا کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے!
علاج بالمثل کا قاعدہ اب کون کہتا ہے کہ نفع بخش نہیں رہا ہے؟

حدودِ تقلید

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس:

"اس مسئلہ میں جملہ ائمہ نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے حتیٰ کہ انکے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف بھی انکے ساتھ نہیں ہیں اور سب کے پاس قرآنی نص ہے جسکے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی قوی دلیل نہیں۔ اس عبارت میں ہمارے لیے اتنا ہی بس ہے کہ امام صاحب سے ادب کے ساتھ مخالفت نص قطعی کے الزام کو رفع کرکے انکے دامن اجتہاد کو طعن و تشنیع سے بچالیں۔ ... اسلام صرف قول ابی حنیفہ کا نام نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کے احکام کا نام ہے۔ اگر قول ابی حنیفہ انکے موافق ہوگا اسلام ہوگا ورنہ امام کے قول کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائیگا" (معارف، مئی ۲۵ء)

الحمدللہ وجزاک اللہ۔ تقلید کے یہی حدود ہیں اگر ہمارے تمام علماء یاد رکھیں، اور تقلید کو دانستہ یا نادانستہ بھی اپنے امام کی تقلید جامد یا امام پرستی کے مرادف نہ بننے دیں!

ہمارے امراء

"امجد علی کی انگریزی تقریروں اور تحریروں کے اس مجموعہ کی قیمت گو موجودہ معیار حسن و غیرہ کے لحاظ سے گراں نہ ہو، لیکن متوسط طبقہ کی جیب پر یقیناً ایک بار ہے کاش ہز ہائینس نواب صاحب رامپور، ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال یا اور کوئی صاحب ہمت رئیس اس کی ہزار پانسو کاپیاں خرید کر ملک کی ہر بڑی لائبریری تک پہونچا دیں۔"

صدق ۱۰ کے اس فقرے پر شیخ محمد اشرف (ناشر کتاب) لکھتے ہیں:

"آپ کی اس سفارش کا شکریہ ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے والیان ریاست کو توجہ دلائی ہے کہ اسکی ۵۰۰ کاپیاں خرید کر تقسیم کریں۔ مگر مجھے اس معاملہ میں جسقدر مایوسی ہے وہ حد بیان سے باہر ہے۔ والیان ریاست اور نوابوں کا طبقہ صرف اسی جگہ مدد کرسکتا ہے جہاں نام و نمود ہے۔ کسی ٹھوس علمی مذہبی کارکن کو ایک پیسہ بھی دینا انکے لیے ناممکن ہے۔ ہمارے ادارہ نے ہندوستان میں ایک نئے ذوق یعنی انگریزی میں اسلامی کتب کا باب کھول دیا ہے اور جس حد تک کامیاب ہوا ہے اسکا علم آپ کو ہے۔ یہ سب صرف ایک شخص تن تنہا کر رہا ہے۔ کبھی کسی امیر، نواب، والی ریاست سے نہ حقیر سی حقیر امداد ملی ہے اور نہ اسکی توقع ہے۔ ہم ترنت ایک اللہ ہی کی خوشامد کرنا جانتے ہیں۔"

بات بڑی حد تک صحیح ہے البتہ تجربہ کلی نہیں۔ بہتسے مصارف خیر میں ان امراء کے خزانے کام آتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تک رسائی آسان نہیں، اور ہر ایک کا کام نہیں۔ ندوہ کا تجربہ گلستان میں بالکل صحیح ہے، رباعی۔ (جدال سعدی با مدعی)

سورۂ بقرہ رکوع ۲۱ و ۲۲

(بقیہ صدق نمبر ۷)

(از عبد الماجد)

(بقیہ حاشیہ ۱۳۵) عند الضرورۃ رخصۃ بل ذلک عزیمۃ واجبۃ ولو امتنع من الاکل کان عاصیا (بحر)

وقال مسروق بلغنی انہ من اضطر الی المیتۃ فلم یتناول حتی مات دخل النار لانہ اشار الی انہ یقاتل مہجتہ بترکہ ما اباح اللہ لہ (بحر)

غیر باغ، یعنی اسکی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو اور وہ محض طالب لذت نہ ہو۔

یعنی ضرورت واقعی ہو یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی کم ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ باغ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔

ایک، دوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔

ولا عاد اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بس بقدر سد رمق، بقدر ضرورت کھالے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہوکر کھانے لگے۔

قال الشافعی وابو حنیفۃ واصحابہ لا یاکل المضطر من المیتۃ الا قدر ما یمسک رمقہ (کبیر)

۱۳۶ غفور۔ ایسا مغفرت والا کہ مجبور حالت میں جرائم پر بھی مواخذہ نہیں کرتا بلکہ انہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔

رحیم۔ ایسا شفقت والا کہ زندگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہونچا دیتا ہے۔

۱۳۷ یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفاء و کتمان سے انکا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔

ثمنا قلیلا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا۔

۱۳۸ یہود کا جرم اخفاء حق اور کتمان تعلیمات آسمانی انکی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی۔

۱۳۹ (بہ طریق لطف و ملاطفت) جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو انکی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی انکی انتہائی بدنصیبی۔

۱۴۰ (گناہوں سے) برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دھلا دھلایا اور اپنے کو

عقائد کی کسی معتبر اور متداول عربی کتاب سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ مسئلہ قطعیات میں سے نہیں ہے اور مبصر صاحب نے (پچھلے مضمون پر یہ ساری بحث شروع ہوئی ہے) مسئلہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کو قطعیات میں — تحریر فرما دیا تھا اس لیے احقر نے اپنے مضمون کے ختم پر ایڈیٹر صاحب صدق اور مبصر صاحب سے درخواست کی تھی کہ آپ میں سے کوئی صاحب تعمیم فائدہ کے لیے عقائد کی کسی معتبر اور متداول عربی کتاب کی وہ عبارت بھی پیش کردیں جس میں حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو۔ یہ درخواست اس امید پر تھی کہ جب کوئی صاحب عبارت پیش کرنے کے لیے عقائد کی معتبر اور متداول عربی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو انھیں ان مسائل کے قطعیات میں سے ہونے نہ ہونے کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور عقیدہ عقائد کی اُن معتبر و متداول کتابوں میں تھا اس لیے بطور عقیدہ اس مسئلہ کے ذکر سے یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ یہ مسئلہ قطعیات میں سے ہے۔ اپنی اس درخواست کے شروع ہی میں میں نے یہ عرض کر دیا تھا کہ "عقائد کی کتابوں میں جو مسائل ذکر کیے جاتے ہیں اُن میں سے ہر مسئلہ اگرچہ قطعی نہیں ہوا کرتا، مگر مناسب ہوگا کہ تعمیم فائدہ کے لیے الخ"

علامہ مجیب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے سفارینی کے عقیدہ منظومہ اور اسکی شرح کی عبارتیں پیش کی ہیں جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ (۱) خروج مہدی کے متعلق بکثرت روایات ایسی ہیں جو تواتر معنوی کی حد تک پہونچ گئی ہیں (۲) خروج مہدی کا مسئلہ علماء اہل سنت میں شایع ہے یہاں تک کہ اُنکے عقائد میں شمار ہو گیا ہے۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی شدہ روایتیں اور صحابہؓ اور تابعین کے اقوال یہ سب مل کر مسئلۂ خروج مہدی کی قطعیت پر دال ہیں، اس لیے خروج مہدی کا عقیدہ رکھنا واجب ہے جیسا کہ عقائد اہل سنت والجماعت میں مدون ہے" کسقدر تعجب کی بات ہے کہ مسئلہ حیات مسیح اور مسئلہ نزول مسیح کے متعلق (نہ کہ مسئلۂ خروج مہدی کے متعلق) عقائد کی کتابوں کی اُن عبارتوں کی نقل کی درخواست تھی جن میں یہ دونوں بطور عقیدہ بیان کیے گئے ہوں اور پیش کردہ عبارتیں سرے سے ان دونوں مسئلوں میں سے کسی مسئلہ کا صراحۃً ذکر ہی نہیں۔ اس سے قطع نظر، خواہش تھی عقائد کی معتبر اور متداول عربی کتاب کی عبارت پیش کرنے کی اور پیش کی جا رہی ہے اُس کتاب کی عبارت کہ جو سرے سے متداول بین العلماء ہی نہیں اور جسکا معتبر ہونا ہی مسلمات میں سے نہیں۔ اس چودھویں صدی کے پہلے عام طور سے علماء معتبرین کی کتابوں میں استناد کے موقع پر اسکا ذکر ہی نہیں آتا۔ اس سے بھی قطع نظر، "تواتر معنوی کی حد تک پہونچنے" کا کیا مطلب ہے؟ کیا روایات کے لیے بھی روایات ہوتی ہیں جنکی کثرت کی بنا پر روایات

تواتر معنوی کی حد تک پہونچتی ہیں۔ تواتر معنوی کی یہ عجیب و غریب شکل جس عبارت میں ہو کیا ایسی عبارتوں کی بنیاد پر تواتر کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ سفارینی جنکی یہ عبارت ہے اور جنکی المجیبہ روزہ عبارت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دونوں کسی ایک سلسلہ علمی کی دو کڑیاں تو نہیں ہیں۔ "تواتر" کا اس قدر شوق کہ جہاں کہیں یہ لفظ نظر آگیا فوراً حافظہ میں محفوظ کرلیا گیا۔ اور اس سے مطلب نہیں کہ کہاں اور کس طور سے یہ لفظ استعمال ہوا ہے) یہ ایک طالب علم کی شان تو ہو سکتی ہے لیکن ایک فاضل اور قابل ذی مرتبت عالم کی شان کو تو اس سے ارفع اور اعلیٰ ہونا چاہیے اور پھر "حتی بلغت حد التواتر" اور "دخلت فی حد التواتر" یا "بلغت مبلغ التواتر" ہم معنی الفاظ ہیں؟ اور پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی شدہ روایتوں اور صحابہؓ اور تابعین کے اقوال کا ہر مجموعہ بھی مفید قطعیت ہے (بغیر اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی شدہ روایتیں اس درجہ پر ہوں کہ وہ مفید قطعیت ہوں) اور جب ایسا ہو تو پھر صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ضمیمہ کی کیا ضرورت) سفارینی کی اس عبارت سے یہ ایک نیا انکشاف ہوا کہ ایسا یہ بھی مفید قطعیت ہے غالباً دوسرے علماء محققوں نے مفید یقین چیزوں کو گنوایا ہے اُن سے سہو ہو گیا۔ اب علامہ سفارینی سے تو تصحیح نقل کا مطالبہ کیا نہیں جا سکتا۔ البتہ علامہ مجیب سے درخواست ہے کہ مہربانی فرماکر عقائد کی معتبر و متداول عربی کتابوں میں سے کسی کتاب کی کوئی عبارت پیش فرما دیں جس میں خروج مہدی پر ایمان رکھنے کا وجوب (جو دلیل قطعی سے ثابت ہو کیونکہ سفارینی نے وجوب ایمان بخروج المہدی کی تفریع "علم قطعی" ہی پر کی ہے) بتایا گیا ہو، آخر ان ہی امور کے پیش نظر تو درخواست میں عقائد کی معتبر اور متداول کتاب کی تخصیص کردی گئی تھی۔ ان سب امور سے قطع نظر، کیا سفارینی کی عبارت سے خروج مہدی اعظم کے لیے احادیث صحیحہ متواترہ کا ہونا (جیساکہ مبصر صاحب نے دعوے کیا تھا) ثابت ہو گیا؟ کیا تواتر معنوی جن کثیر روایات پر مبنی ہوتا ہے انکا احادیث صحیحہ متواترہ ہونا لازم ہے؟ (ملاحظہ طلب ہے)

علامہ مجیب سفارینی کی عبارات مذکورہ کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ جب ظہور مہدی پر اعتقاد واجب ہے تو حیات و نزول مسیح پر بدرجہ اولیٰ اعتقاد رکھنا واجب ہے" کس نے انکار کیا تھا۔ اب البحث تو اس مسئلہ کی قطعیت ہے نہ کہ اس پر اعتقاد رکھنے کا وجوب، پھر بدرجہ اولیٰ اعتقاد رکھنا واجب ہے" کی توجیہ میں علامہ مجیب فرماتے ہیں "کیونکہ اسکا ذکر قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے گو بعض علماء نے اُن آیات میں دوسری تاویل بھی کی ہے مگر تواتر احادیث کی بناء پر اُن آیات کا نزول مسیح علیہ السلام پر محمول ہونا ہی صحیح ہے" ابھی تک تو انھی کتابوں کے حوالے ہوتے تھے جو اگر منسوبہ کتابوں میں یہ نہ ملتے تھے تو اپنا ہی قصور سمجھ میں آسکتا تھا لیکن

تاریخ ماضی کا ایک ورق

(بہ سلسلۂ مجوزہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی)

از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات، جامعہ عثمانیہ

رہبر دکن (اردو) کی بہشت ۱۳۵۵ف بابت کے سرورق پر مسلم یونیورسٹی کے مجوزہ طبیہ کالج کے متعلق مختصر سا جو مضمون چھپا ہے اُسکے پڑھنے کے بعد اپنا ایک بھولا بسرا خیال بعض اوقات آ گیا۔ اُسی کو قلمبند کر کے بھیج رہا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اسباب خواہ کچھ ہی ہوں، ہوتی ہوں یا اور انھیں اب اخلاقی قوانین سے تصادم کا نتیجہ ٹھہرایا جائے یا سیاسی غلط کاریوں کا خمیازہ، لیکن بہرحال سیاسی میدان کی کشمکش میں مسلمانوں کا چت ہو جانا اب ایک واقعہ ہے۔ ایسا واقعہ جو واقع ہو چکا۔

اگرچہ مسلمانوں کے پچھڑ جانے کے اس وقتی حادثہ کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر لینا کہ ان کی قسمت پر محکومیت کی گویا یہ آخری مہر تھی جو لگ گئی، میرے نزدیک اس قسم کے مالیخولیائی خیالات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ دن کو دیکھ کر رات سے پیدا ہونے والے سکون سے کوئی ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائے۔ یا رات کی بھیانک تاریکیوں میں مبتلا ہونے والے یہ فیصلہ کر بیٹھیں کہ اب دن کیسے نکلے گا۔

آج اسی ہندوستان میں جب ایسے ایسے مقامی جتھے جنھیں پورے ملک پر یا ملک کے کسی سمت پر بھی نہیں بلکہ کسی خاص سمت سے ایک محدود خطۂ ارضی پر حکومت کرنے کا صرف اتنا وقفہ میسر آگیا تھا کہ بمشکل حکومت کی اسی لائن سے ایک بادشاہ بھی اپنے بادشاہی حوصلوں کے پورا کرنے میں صحیح طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔ وہی اس حکومت کا اول بھی تھا اور وہی آخر بھی، لیکن اسی قسم کی ایک شاہی حکومتوں کے خیال کو جگا جگا کر لوگ جب حکومت کا خواب دیکھ سکتے ہیں، حکومت کو اپنا پیدائشی حق قرار دینے کی ہمت وہ بھی جب اسی طرح کر رہے ہیں جس طرح اس حق کا دعویٰ اس سرزمین ہند کے بعض اُن قبائل کی طرف سے بھی ہو رہا ہے جنکے بڑھے بوڑھوں نے کہتے ہیں کہ کچھ دن پہلے فرازی تاج پہننے کا ارادہ کیا تھا۔ بلکہ اسی ارادہ سے دلّی کے پایۂ تخت تک بھی پہونچ گئے تھے لیکن ارادہ ارادے کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکا۔

تو پھر حکومت اور حکومت کا خواب جب ایسوں کا بھی پیدائشی حق ہے تو پھر آپ ہی بتائیے کہ زمین کے اس پورے کرہ کی امامت کبریٰ اور سیاسی نیابت عظمیٰ کی باگ جس قوم کے ہاتھوں میں جب

صدی دو صدی نہیں بلکہ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک مسلسل بغیر کسی وقفہ کے بلاشرکت غیرے دنیا پر رہی اور اس طور پر وہ اس پر قابض رہی کہ غالباً حکومت کرنے کے سوا اس طویل عرصہ میں اسکو کوئی موقعہ کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کا نہیں ملا۔ جسکا آج یہ نتیجہ ہے کہ حکومت سے ہٹنے کے بعد کوئی دوسرا معاشی پیشہ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا ہے کہ کیسے اختیار کرے اور کیا اختیار کرے۔ بلکہ شاید اسی وجہ سے لوگوں میں وہ مطعون بھی ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے ملامت و شناعت کی بوچھاریں بھی اس پر برس رہی ہیں۔ یہی میں پوچھتا ہوں کہ اپنے اس پیدائشی حق کا خیال کیا ایک لمحہ کے لیے اس قسم کے قوم کے دل سے کبھی نکل سکتا ہے یا اس سے نکالا جا سکتا ہے۔ منہ میں جس شیر کے خون لگ جاتا ہے پھر آپ نے کبھی سنا ہے کہ خون کے مزے کو وہ بھول گیا ہو۔

بہرحال ”نہ بھول سکتی ہے نہ بھلائی جا سکتی ہے“۔ اسکو بہرحال گرنے کے بعد اٹھنا ہی پڑیگا۔ اور میں تو خیال کرتا ہوں کہ وہ اٹھ چکی ہے یا کم از کم اٹھنے کا ارادہ کر چکی ہے۔ راہیں ممکن ہے کہ لوگوں کی مختلف ہوں لیکن منزل سب کی قطعاً ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ راہوں کے اختلافات میں الجھنا فضول ہے۔ چلنے کا ارادہ ہے تو چلیے چلے چلیے۔ ان لوگوں کے لیے جو بڑی بڑی قربانیوں کے ارادوں کو دلوں میں پال رہے ہیں ایک ہلکی سی بات میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ کا موقعہ اگر آپ کو ملا ہے تو غالباً ”جندی ساپور“ کا طبیہ کالج اور اسی کا وہ ”مارستان“ یعنی شفاخانہ آپ کو یاد ہوگا۔ جسکے عیسائی طبیبوں نے باوجود محکوم ہونے کے اپنی حاکم قوم مسلمان بادشاہوں کے درباروں میں ایسا رسوخ اور ایسا وقار و اعتبار حاصل کیا تھا کہ آج محکوم مسلمانوں کے لیے وہ عبرت و بصیرت کے اسباق پیدا کر رہے ہیں۔ یہی عیسائی اطباء تھے جنھوں نے اپنے دور محکومیت میں ایک ایسی تدبیر اختیار کی کہ اسی کی بدولت اپنی تہذیب اپنی ثقافت الغرض حکومت کے سوا جو کچھ تھا سب کچھ بچا لیا اور اس طور پر بچا لیا کہ بجائے محکوم ہونے کے پھر عیسائی قوموں کو حکومت حاصل کرنے کا جب موقع ملا تو بزرگوں کی ان ہی بچائی ہوئی چیزوں پر اپنے تمدن و تہذیب کی نئی تعمیر نہایت آسانی کے ساتھ انھوں نے کھڑی کر لی۔ تفصیل تو کتابوں میں پڑھیے، چونکنے اور چونکانے کے لیے میں اسی واقعہ کا سرسری نقشہ سامنے رکھ دیتا ہوں۔

جوں ہی کہ ۳۰ سالہ خلافت راشدہ کی مدت ختم ہوئی اور بجائے خلافت کے ملوکیت کا تختہ دمشق میں بچھا، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل ۴۱ سال بعد یہ دیکھا گیا کہ دمشقی حکومت کے سب سے پہلے اسلامی بادشاہ کے دربار میں جس شخص نے اپنے

نہیں ہوئی تھی اور مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی اگرچہ ... نون عجیب ایک
شئ ہے لیکن محیر العقول اس صاحب کے اعداد بھی اسی طرح ہیں جس طرح ... ماہر کے
مثل معارف کو سنکر آدمی مبہوت ہو جاتا ہے اور یہ حال کچھ گنے چنے چند
طبیبوں ہی کا نہیں تھا عباسی دربار اور عباسی خلفاء کے عیسائی طبیبوں
کی فہرست اگر بنائی جائے تو سیکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ آخر زمانہ
تک ان غیر مسلم طبیبوں کا اثر خلفاء اور اسلامی سلاطین کے دربار
میں قائم رہا۔ انتہا یہ کہ عیسائیوں سے صلیبی جنگ لڑنے والے
غازی صلاح الدین الایوبی کے دربار کا سب سے بڑا طبیب
غیر مسلم موسیٰ بن میمون یہودی تھا۔ جسکے حالات اور سوانح کے لیے ایک
مستقل جلد کی ضرورت ہے۔

ان غیر مسلم طبیبوں نے محکومیت کے اس عہد میں صرف یہی نہیں کیا
کہ دنیاوی منافع حاصل کیے بلکہ آپ انکے حالات کو پڑھ جائیے
ہر ایک اپنی قومی اور مذہبی خصوصیتوں کو پوری قوت کے ساتھ
تھامے رکھے ہوئے تھا۔ وہی جورجس جندی سابور کے طبی کالج کا پرنسپل
اسکے متعلق لکھا ہے کہ جب خلیفہ منصور کے دربار میں آیا اور انعام و
اکرام سے نوازا گیا تو اس سلسلہ میں چند چھوکریاں جنکا اس زمانہ میں
رواج تھا، خلیفہ نے اسکے پاس بھجوائیں۔ انکو دیکھکر جورجس بہت
برہم ہوا۔ اور اسی وقت انکو واپس کیا۔ خلیفہ کو کہلا بھیجا کہ انکو
شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم عیسائیوں کے پاس ایک بیوی کے رہتے ہوئے
دوسری عورت سے تعلق اختیار کرنا حرام ہے۔

ابن ابی اصیبعہ نے اسی جورجس کے خاندان کے اطباء کا
ذکر کرکے لکھا ہے کہ "یہ لوگ نیکی کرنے اور خیر خیرات، بیماروں کی خبرگیری،
مساکین کے ساتھ حسن سلوک، مصیبت زدوں کی اعانت، بیکاروں
کی امداد میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اتنا کہ ہم بیان نہیں کرسکتے۔"
(ص ۱۳۶ ج ۱) اور ظاہر ہے کہ ان تمام نیکیوں میں زیادہ حصہ قدرتاً خود
اپنی ... کے لوگوں کا ہوتا تھا۔ جسکے تفصیلات بھی کتابوں میں
لکھے ہوئے ہیں۔ ان عیسائی اطباء کو اپنے دین اور اپنی قومیت
پر استقامت پر کتنا اصرار تھا۔ اسکا اندازہ اسی مشہور واقعہ سے
کیا جا سکتا ہے کہ یہی جورجس صدر مدرسہ جندی سابور جب مرض الموت
میں مبتلا ہوا تو ابو جعفر خلیفہ خود اس کی عیادت کو اسکے گھر آیا۔
خلیفہ نے بطور خیر خواہی کے جورجس سے کہا "جورجس! دیکھو خدا
سے ڈر۔ اب تیرا وقت آخر ہے، مسلمان ہو جا۔ میں جنت کی ضمانت
دیتا ہوں۔" جورجس نے متعلق الدنان خلیفہ کی اس فرمائش کے
سننے کے بعد جو بات کہی وہی غور کرنے کے قابل ہے۔ اس نے کہا
"حضور بندہ تو اپنے آباؤ اجداد کے دین ہی پر تمام ہے۔
اور اسی پر مرےگا۔ اب میرے آباؤ اجداد جہاں کہیں ہوں وہی
جگہ میرے لیے پسندیدہ ہے خواہ وہ جنت میں ہوں یا جہنم میں"
(ص ۱۲۵ ج ۱) کہتے ہیں منصور اس کی یہ بات سنکر ہنسنے لگا۔ اور
میں شبہ نہیں کہ جورجس کی یہ بدبختی تھی کہ اسلام سے وہ محروم رہا لیکن

مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے کہ محکومیت کے زمانہ میں انہی لوگوں
نے اپنے کمال سے جسے انھوں نے محنت اور جانفشانی سے حاصل
کیا تھا اسی کے ذریعہ سے خود اپنی قوم اور اپنے دین اور اپنی ثقافت
کو کس طرح بچا لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ کے عیسائی
کو جو کچھ بھی اپنے آباؤ اجداد کا ورثہ ملا ہے وہ انہی مخلص بزرگوں
کی محنتوں کا نتیجہ ہے ان ہی لوگوں نے یونانیوں کے سارے علوم
و فنون کو عباسی خلفاء کی سرپرستیوں کے نیچے رہ کر مسلمانوں میں ترجمہ
کرکے انھیں پھیلایا اور پھر مسلمانوں نے ان چیزوں کو یورپ کے
حوالہ کیا۔ خدا کرے مسلم یونیورسٹی کا یہ طبیہ کالج بھی مسلمانوں کی
محکومیت کے اس عہد میں ایسے باکمال مسلمان اطباء پیدا کرے
جنکے بغیر قوت حاکمہ کا کام ہی نہ چلے۔ آج ہمارے نوجوان تھوڑی
توجہ سے کام لیں۔ مغربی طب کے ساتھ ساتھ اسلامی اور ہندی طب
کے گڑے ہوئے خزانوں کو برآمد کرکے ایک ایسا نظام طبی قائم
کریں کہ مسلم یونیورسٹی کا طبیہ کالج جندی سابور کا مدرسہ اور بیمارستان"
بنجائے اور میرے خیال میں کچھ بھی ہو ضرورت تو اس طبی کالج کی
مسلم یونیورسٹی میں اس لحاظ سے اتنی زیادہ تھی کہ سب سے
پہلے کم از کم اگر مجھ سے پوچھا جاتا تو اسی کالج کے قیام کا مشورہ دیتا۔
لیکن خیر دیر میں سہی جب بات سمجھ میں آگئی تو جہاں تک جلد
ممکن ہو چاہیے کہ اس کالج کو قائم کر دیا جائے۔ کل ساٹھ ہزار کا
مطالبہ مسلمانوں سے ہے۔ کاش! کوئی اہل خیر اسلامی تاریخ
کے اس ورق سے جو میں نے پیش کیا ہے، متاثر ہو اور مسلمانوں کو
بھی اپنی محکومیت کے اس دور میں بجائے جندی سابور کے علیگڑھ
میں ایک ایسے طبیہ کالج کے قائم کرنے میں مدد دے جسکے پڑھنے
والے طلباء وہ کمالات لیکر اس کالج سے نکلیں کہ جس
طرح عیسائیوں نے اپنی محکومیت کے زمانہ میں ہماری حکومت کو
مسخر کر لیا تھا ہم بھی حاکم قوموں پر اس راہ سے اپنا اقتدار
قائم کرسکیں۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ صرف توجہ
کی ضرورت ہے۔

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ (رہبر دکن)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

غوث انصاری صاحب فرنگی محل لکھنؤ - جناب کا [illegible] میں موصول ہوا۔ بہت خوب ہے۔ لیکن جس دلنواز کھیل کا نام آپ نے "گڑیں اچھالنا اور اچھالنا" لکھا ہے، اسکے لیے آپ کے گلستان کے ہوتے ہوئے اور کسی کا حق ہو سکتا ہے۔

شیخ شوکت حسین ناشر پبلشر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے
دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

——— کتاب ایک ثلث سے زائد ارباب طرب و نشاط کے تذکرے سے پر ہے، اور اس محفل میں ڈوم ڈھاڑی اور سازندہ اور بھانڈ سے علاوہ امرد (نوخیز) اور بیسوائیں بھی بے تکلف اپنے "کمالات فن" کے نقد آرہی ہیں! ——— نادر شاہ کے حملہ کی تاریخ یاد کر لیجیے ۱۷۳۹ء تھا۔ یہ ذکر ۱۷۳۹ء کا ہو رہا ہے! یعنی اس یادگار تاخت و تاراج در شہر دہلی سے قتل عام کے کل چند ہی روز بعد یہ غفلتیں اور سرمستیوں، فسق کی گرم بازاریوں کے بعد حیرت اس پر کیوں کیجیے کہ ایک صدی بعد یہ برائے نام حکومت ختم کیونکر ہو کر رہی، حیرت اس پر کیجیے کہ اُسے صدی سوا صدی بعد تک باقی رہنے کی کیونکر مہلت کیسے ملی!

امن کی برکتیں!

"شملہ ۲۵ مئی۔ گھوڑ دوڑ جو برما میں پہلے بہت مقبول تھی، اب برطانوی تسلط کے بعد دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ رنگون میں پچھلے ہفتہ دو دن رہی ۔۔۔ دن بازیوں کی میزان ۳۰ ہزار تک پہنچی (ایسوسی ایٹڈ پریس)

"نیو یارک ۲۴ مئی۔ کاروباری اور تجارتی حلقوں میں قتل کی وارداتیں از سرنو شروع ہو گئی ہیں۔ چنانچہ نیو جرسی میں دریائے ہڈسن میں کسی نے آلوؤں کا ایک بورا تیرتے ہوئے دیکھا۔ اُسکی تلاشی شروع ہوئی، اور آخر میں جب اُسے کھولا گیا، تو اندر سے تین مُردوں کے کٹے ہوئے اعضاء و جسم نکلے! اس سے دو ہفتے قبل تقریباً اسی جگہ ایک مرد کی لاش میز پوش میں لپٹی ہوئی مل چکی تھی۔ پولیس کا خیال ہے کہ نقلی پٹرول کی تجارت اور جستے کی راتب بندی میں تفوق و مقابلہ کے سلسلہ میں، نیو یارک کے حدود میں خونیوں کے مسلح گروہ پھر نمودار ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ پولیس گرایہ پر خونیوں کے جتھوں کی از سرنو تلاش کر رہی ہے، جیسے کہ قانون امتناع شراب کے آخر زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے۔" (گلوب ایجنسی)

"صاحب" کی چلائی ہوئی جنگ کے قہر و غضب کے نمونے تو سب دیکھ ہی چکے ہیں، اب یہ نمونے "صاحب" کے لائے ہوئے امن کے ملاحظہ ہوں! ——— شیطان کا جمال، کیا شیطان کے جلال سے کچھ کم ہے؟

سکون کی راہ

"ہمارے ہاں ہر دس شادیوں میں ایک شادی یقیناً ناکامی پر ختم ہوتی ہے، بلکہ عجب نہیں کہ ناکامی کی شرح ۲۰ فی صدی تک پہونچ گئی ہو" (پیپل، لندن ۶ مئی ۱۹۴۵ء)

یہ میرج گائیڈنس کونسل (مجلس ہدایات نکاح) کے ڈائرکٹر ہیں جو انکشاف فرما رہے ہیں۔ ——— یہ کیا ارشاد ہوا ہے؟ یعنی یہ کہ برطانیہ میں اگر ۲۰ فی صدی نہیں، تو کم از کم ۱۰ فی صدی شادیاں ناکام ہی رہتی ہیں! ——— اب تک تو سننے میں آرہا تھا اور شایع یہ جا رہا تھا کہ شادیاں ناکام ہمارے ہاں رہتی ہیں، جہاں کورٹ شپ نہیں اور جہاں ماں باپ جاہتے ہیں اٹھا کر لڑکی لڑکے کو کر دیتے ہیں! زندگیوں میں سکون، تجربہ اور مشاہدہ بتا رہا ہے کہ احساس ذمہ داری سے خوف خدا پیدا ہوتا ہے، نہ کہ کورٹ شپ کی تاک جھانک، دیکھ بھال سے۔

۵۰ گنا انتقام!

"لندن ۔۔ جون۔ برلن ریڈیو نے جدید روسی حکومت کے ماتحت آج اعلان کیا کہ کسی ایک روسی سپاہی یا ملکی عہدہ دار کی جان پر اگر حملہ کیا گیا، یا آتش زنی کی کوشش کی گئی تو اسکے انتقام میں پورے پچاس نازی جرمن قتل کر دیے جائیں گے! اور جس کسی کو ایسی سازش کی اطلاع ہو اور وہ پولیس کو خبر نہ کرے تو اُسکا بھی یہی حشر ہوگا" (رویٹر)

ایک اقدام قتل کے انتقام میں پورے ۵۰ انسانوں کا قتل! یہ ہے جدید ترین تہذیب کا جدید ترین انصاف! ——— اب کچھ قدر ہوئی اُس قانون کی، جس نے شدید اشتعال کی حالت میں بھی ایک جان کے بدلے ایک ہی جان کا قاعدہ رکھا ہے؟

زندہ دل دلّی

۱۱۵۱ھ (۱۷۳۹ء) کی محمد شاہی دہلی کا ایک منظر ایک معاصر سیاح و تاریخ نگار کے قلم سے :-

"نور بائی بیگم در دہلی مشہور و معروف اند کہ پاپیجامہ نمی پوشند و بدن را از کمر تا پاشنہ بہ نوعی رنگ آمیزی است نمایانہ نقاش باسلوب قطعہ پایجامہ رنگین می کنند بے شائبہ تفاوت گل و برگ کہ در تھان کمخواب ہند رومی باشد نقش می کشند و در محافل امراء می روند ہرگز امتیاز پاپیجامہ و این رنگ کردہ نمی شود تا پردہ از کار نگشتہ تفہم ہیچکس کنہ صنعت آنہا نمی رسد چون خالی از ندرت و غرابت نیست مرغوب دلہا افتد"

(مرقع دہلی ص۵۵)

نور بائی بیگم کے لیے مشہور یہ ہے کہ پاجامہ سرے سے پہنتی ہی نہیں۔ بلکہ بجائے اسکے جسم کے حصہ زیریں کو اس خوبصورتی و ندرت کے ساتھ رنگ لیتی ہیں کہ کسی کو عریانی کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل لباس پہنے ہیں، اور اسی طرح یہ بے تکلف امراء کی محفلوں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ جب تک خلوت میں راز فاش نہ ہو جائے کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ لوگ انکے اس نادر کمال فن پر فدا ہیں۔

کیا کہیں یہ باکمال آرٹسٹ دو صدی قبل پیدا ہو گئیں؟ ۔ انکے فوٹو اخباروں میں، رسالوں میں چھپنے نہ پائے، اور نہ یہ اپنے کمالات کی داد اسٹیج پر دکھا کر حاصل کر سکیں! شمع گردش میں آئی بھی، تو پروانے صرف چند امراء بن سکے۔ آج کی "جمہوریت" و "عوامیت" کی حکومت ہوتی، تو بجلی کے قمقمے لاکھ لاکھ دو دو لاکھ چہرے ٹکٹ والوں تک کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتے! ——— کون کہتا ہے کہ سید دکا قدم دو سو سال قبل آج کی ترقیوں ...

فکر سندھی پر تبصرہ

مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و خیالات' مذہبی اصلاح و انقلاب کے سلسلہ میں اب کسی جدید تعارف کے زیادہ محتاج نہیں۔ ذیل میں ان کے افکار پر ایک مفصل تبصرہ علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ کے قلم سے شائع ہو رہا ہے تبصرہ اس سے قبل روزنامہ "الجمعیۃ" (دہلی) میں نکل چکا ہے - یہاں بجنسہ وہیں سے نقل کیا جا رہا ہے۔

تبصرہ کا لب و لہجہ جناب سندھی کے معتقدین کو یقیناً تلخ و تند و صبر آزما معلوم ہوگا - لیکن مولانا گیلانی نے بھی اسے جس جوش دینی و غیرت ایمانی کے ماتحت لکھا ہے' اس کے لحاظ سے وہ بھی معذور ہیں ... حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کب کوئی کسر شیخی اور ابو الفضل اور بادشاہ اکبر کے تذکرہ میں اٹھا رکھی؟

بہر حال مقالہ کے نفس مطالب کی اہمیت کے پیش نظر جناب سندھی کے معتقدین سے معافی طلب کر کے اصل مقالہ ناظرین ہے۔ مدیر

الحمد للہ وکفی' والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مجھے مولوی عبید اللہ سندھی کی ذات سے بحث ہے اور نہ منافات ہے۔ بلکہ میرے سامنے اس وقت ایک کتاب ہے پروفیسر سرور کی کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی" نامی ہے - اس کتاب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مولف کتاب نے وقتاً فوقتاً مولوی عبید اللہ سندھی کے خیالات جو سنے ہیں انہیں قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے - کتاب باریک حروف میں (۴۰۸) صفحات پر ختم ہوئی ہے - ظاہر ہے کہ اتنی ضخیم کتاب میں کیا کچھ نہ ہوگا - لیکن پڑھ کر مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کے جو خیالات میں اس سے دریافت کر سکتا ہوں انہیں ایک خاص ترتیب سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اس کتاب میں مولوی عبید اللہ صاحب کی سوانحعمری بھی مختصراً مولف کتاب نے لکھی ہے اور اس کے بعد مختلف عنوانوں کے تحت ان ہی کی طرف منسوب کر کر کے انھوں نے مولوی صاحب کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

سچ پوچھیے تو مجھے اس سے بحث نہیں کہ اپنے سیاسی سفر سے پہلے مولوی عبید اللہ صاحب کیا تھے - سکھ تھے - ڈیرہ غازی خاں کے ایک پٹواری کے یتیم بھانجے تھے۔ پھر مسلمان ہونے کی صورت کیسے پیش آئی؟ مسلمان ہونے کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر انھوں نے کیا کیا پڑھا؟ فارغ ہونے کے بعد ان کی زندگی کن مشاغل میں گزری' ارادت و بیعت کا تعلق دیوبندی بزرگوں سے انھوں نے حاصل کیا تھا یا سندھی پیروں کی صحبت میں رہے - ان کے پہلے پیر سندھی پیر حافظ محمد صدیق مرحوم خود کس عقیدہ اور عمل کے آدمی تھے - پھر ان کی چند ماہ کی صحبت دیوبند آنے سے پہلے کس حد تک'

ان پر اثر انداز ہوئی - دیوبند سے واپسی کے بعد جس طریقہ کا "راشدی قادری طریقہ" نام انھوں نے رکھا ہے' اس طریقہ کے خصوصیات کیا ہیں اور اس طریقہ کے بزرگوں نے ذکر و شغل کے طریقے جو انھیں بتائے تو اس خوف سے کہ

"اگر میں ان اشغال و اذکار میں ہمہ تن مصروف ہو گیا تو اپنا سیاسی کام نہ کر سکوں گا - اس لیے ادھر سے توجہ کم کر دی اور درس و تدریس میں زیادہ وقت دینے لگا" (صفحہ ۱۰۸ کتاب مذکور)

صوفیانہ اشغال و اذکار کو شروع کرنے کے بعد درمیان ہی میں چھوڑ دینے کے نتائج کیا ہوتے ہیں - اور اس قسم کی بیسیوں باتیں بحث طلب ہو سکتی ہیں' لیکن ان میں الجھنا نہیں چاہتا - اسی طرح سرور صاحب نے ان کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ

"دیوبند میں مولانا کی مسلمانوں کی سماج سے ٹکر ہوئی اور جس طرح سکھ سماج کا دائرہ مولانا کے لیے تنگ ثابت ہوا' اسی طرح مسلمانوں کے خود ساختہ سماج نے بھی جسے وہ اسلام کا نام دیتے تھے' مولانا پر اپنے دروازے بند کر دیے" ص ۲۲

اس ٹکر کا مطلب کیا تھا اور ٹکر کن لوگوں کے مقابلہ میں تھی - حتیٰ کہ سرور صاحب کا جو بیان ہے کہ علماء دیوبند جنھیں انھوں نے "مشائخ دیوبند" کے نام سے موسوم کیا ہے ان "علماء" یا "مشائخ دیوبند" سے مولوی عبید اللہ صاحب کو کافر کا لقب بھی ملا (صفحہ ۲۲)

ان مشائخ اور علماء میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دار العلوم' مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی وغیرہم حضرات کے سوا اور کون کون سے حضرات تھے - کیونکہ یہ سارے واقعات خاکسار کے سامنے گزرے ہیں' جب دار العلوم دیوبند میں بحیثیت ایک طالب علم کے فقیر شریک تھا - وہ مسئلہ کیا تھا اور بالآخر مولوی عبید اللہ صاحب کو یہ فیصلہ کرنا پڑا جیسا کہ ان ہی کے الفاظ یہ سرور صاحب راوی ہیں کہ

"وہ (یعنی مولوی عبید اللہ صاحب) جان گئے کہ اسلام وہ نہیں ہے جس کے ٹھیکہ دار یہ لوگ ہیں" (صفحہ ۲۲)

"یہ لوگ" یعنی مولانا انور شاہ کشمیری' مفتی عزیز الرحمٰن صاحب' مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہم حضرات جس اسلام کے ٹھیکہ دار ہیں - مولوی عبید اللہ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ سرے سے وہ اسلام ہی نہیں ہے - اس کا یہ مطلب ہے؟ اور یہ سلوک تو مولوی عبید اللہ مشائخ دیوبند سے ان کا صرف تعلیمی اور ظاہری علوم کے پڑھنے پڑھانے کا تعلق تھا لیکن ان کے الفاظ یہ کا بیان ہے کہ مولوی عبید اللہ

"دیوبند کی ظاہری رنگ و روپ اور شکل و صورت کے تو وہ کبھی قائل نہ تھے" (صفحہ ۲۱)

(باقی آئندہ)

روایاتِ نزولِ مسیحؑ

نمبر (۱۱)

(سلسلۂ صدق نمبر ۱)

از مولوی عبد الرحیم خاں صاحب جیپوری فرنگی محلی

وہ عبارت بھی اس امر پر شاہد ہے کہ مذکورہ امر عقائد میں سے نہیں، یہ اور کوئی سمجھدار ذی فہم شخص، ان توجیہوں کو عقائد میں شمار کر سکتا ہے جن کا بظاہر پہلی توجیہ سے قرآن کا نسخ خبرِ واحد سے لازم آتا ہے، اور دوسری توجیہ سے علت غیر منصوصہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حکم کا عدم لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں امر کم از کم اصول حنفیہ کے لحاظ سے تو درست نہیں (بہر حال خیالی کی اس عبارت سے بھی نزول مسیح یا حیات مسیح والے مسائل میں سے کسی کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ حیات مسیح کا تو اس عبارت میں ذکر ہی نہیں اور نزول مسیح کا ذکر ہے لیکن مسئلہ کی قطعیت پر کوئی لفظ بھی دلالت نہیں کرتا) شارح عقائد نسفیہ اور خیالی کی ان عبارتوں کے علاوہ شارحین و محشین کی اور عبارتیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں جن میں ذکر شدہ مسئلہ کو عقائد میں سے نہیں شمار کیا جا سکتا۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے حاشیۂ عبد الحکیم سیالکوٹی برخیالی سے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے: "انما اکتفی الشارح بذکر عیسیٰ علیہ السلام لان حیاتہ ونزولہ الارض واستقرارہ علیہ قد ثبت باحادیث صحیحۃ بحیث لم یبق فیہ شبہۃ ولم یختلف فیہ احد بخلاف الثلثۃ الباقیۃ۔"

اس عبارت میں جو کچھ تحریر ہے اُس کی صحت اگر تسلیم بھی کر لی جائے (حیات مسیح علیہ السلام کے لیے احادیث صحیحہ سے ایسا ثبوت کہ جس میں شبہہ نہ باقی رہے اور اُسکا مخالف فیہ نہ ہونا یہ امور قابلِ تسلیم نہیں) تب بھی اس سے مسئلہ حیات و نزول مسیح کی قطعیت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ حدیث مشہور و مستفیض (جو مفید قطعیت نہیں) کے متعلق بھی بعض مرتبہ "لم یبق فیہ شبہۃ" کا گمان ہو جاتا ہے لیکن اور غور کے بعد "شبہہ" تک رسائی ہوتی ہے (نمبرہ ملاحظہ طلب) و نیز کسی مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہ کرنا یہ بھی کوئی قطعیت کی دلیل نہیں علاوہ اسکے عبد الحکیم سیالکوٹی نے جس امر کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق علم حدیث اور اصول فقہ سے ہے اور یہ قول بھی بطور ادعا ہے نہ کہ بطور حکایت و نقل (سیالکوٹی نے اپنے بیان کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے) اور عبد الحکیم سیالکوٹی فن حدیث اور فقہ کے مستند علماء میں سے نہیں۔ درس نظامی کی کتابیں محض پڑھ لینا (جنکے مطالعہ نہ کرنے کا علامہ مجیب نے مجھ پر طنز فرمایا ہے) کافی نہیں ہوتا۔ کم من علم وازہ من عقل بادا مشہور مثل ہے۔

ایک بہت بڑے شیخ الاسلام کے متعلق "علمہ اکبر من عقلہ" کہا گیا ہے

انہم الا تحرز من اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

علامہ مجیب نے اپنے مضمون میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا اُس پر تبصرہ ختم ہو گیا۔ اب آخر میں گزارش ہے کہ اس کہنے سے کہ فلاں مسئلہ قطعیات میں سے ہے یا فلاں مسئلہ کے متعلق احادیث متواترہ ہیں، عام لوگ کیا بلکہ خواص تک عام طریقہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا منکر کافر ہے اگرچہ وہ مدعی اسلام ہو (حالانکہ محققین کی تحقیق یہ ہے کہ ہر وہ مسئلہ کہ جو قطعیات میں سے ہو کوئی ضروری نہیں ہے کہ اُسکے منکر کی تکفیر کی جائے جبکہ وہ "اولین" میں سے ہو اور مسئلہ ضروریات دین میں سے نہ ہو) بنا بریں مبصر صاحب نے جب حیات و نزول مسیح کو قطعیات میں سے شروع کیا اور خروج مہدی کے متعلق احادیث متواترہ ہونے کا دعوے کیا تو اس پر احقر نے مبصر صاحب کی خدمت میں جو چند گزارشات پیش کیے (جنکے جواب میں علامۂ مجیب محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے یہ تحریر فرمایا جس پر میرا تبصرہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے) اُنکی اصلی غرض یہی تھی کہ مبصر صاحب کی تحریر سے کوئی صاحب غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، اگر غلط فہمی باقی رہی اور معاملہ صاف نہ ہوا تو آیندہ نسلیں اس چودھویں صدی کے علماء کی تحریر دیکھ کر ایک غلط امر کے ارتکاب میں مبتلا ہو نگی، اور جس طرح [illegible] چودھویں صدی میں بعض پچھلے علماء کے [illegible] الفاظ سے غلط [illegible] اٹھاتے ہوئے ایک جماعت علماء ان مسائل میں "[illegible]" کو تکفیر پر آمادہ ہے۔ اس سے بڑھ کر آیندہ یہ ایک متفقہ فیصلہ سمجھا جاتا اگر ان معاملات پر پردہ پڑا رہتا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ صدق نمبر ۴۳ جلد ۱۰ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء میں ایڈیٹر صاحب صدق کا جو نوٹ صفحہ ۳ پر بعنوان "روایات نزول مسیح" شائع ہوا اُس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ میری کوشش بار آور ہو گئی اور ایک صاحب علم کے قلم سے کم از کم مسئلہ نزول مسیح کے متعلق تو یہ تحریر شائع ہو گئی کہ اسکے منکر کی تکفیر نہ کی جائیگی۔

اگر مبصر صاحب یا علامہ مجیب بھی یہ ظاہر فرما دیں کہ ان ہر سہ مسائل میں سے کسی سے اگر کوئی مدعی اسلام کسی تاویل کی بنا پر انکار کرے تو اسکی تکفیر نہ کی جائیگی اور یہ کہ نزول مسیح اور خروج مہدی کے منکر کی تضلیل و تفسیق کے بابت "ضلالۃ و فسق ضلالۃ" کا لحاظ کیا جائیگا (یہ امام بخاری کے "کفر دون کفر" کی طرح ایک نئی اصطلاح ہے) کہ منکر خروج مہدی کو مبتدعین اور فرقہ ضالہ میں سے نہ شمار کیا جائیگا اور حیات مسیح کا منکر کسی تفسیق و تضلیل کا بھی مستحق نہیں کیونکہ یہ کوئی تقلیدی مسئلہ نہیں کہ جس میں علماء کے مسلک کی تقلید ضروری ہو) تو یہ بحث کم از کم میری طرف سے ختم ہو جائیگی، کہ پھر نزاع محض لفظی اور اصطلاحی رہ جائیگی جس کے لیے ضرورت نہیں ہے کہ اخبار و رسائل کے صفحات وقف کیے جائیں۔ ساتھ ساتھ اُن "صاحب علم" کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ ان ہر سہ مسائل میں سے صرف نزول مسیح کے متعلق تو اتر معنوی سے انکار اور باقی ہر دو مسائل کے متعلق سکوت سے اس احقر نے [illegible]

(والسکوت فی معرض البیان بیان" کے لحاظ سے یہ خیال قائم کیا ہے کہ
جناب والا بقیہ ہر دو مسائل کے بارے میں میرے ہمنوا ہیں یعنی
آپ بھی مسئلہ حیات مسیح کو قطعیات میں سے نہیں سمجھتے اور آپ کے
نزدیک بھی خروج مہدی کے لیے کوئی صحیح متواتر حدیث موجود
نہیں۔ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ وارد ہو (کہ یہ مسئلہ بھی قطعیات
میں سے نہیں ہے) اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو بہت مناسب ہے
کہ اسے بھی بصراحت آپ تحریر فرما دیں یا محض اس امر کی صراحت
فرما دیں کہ محض ان دونوں مسئلوں میں سے کسی منکر کی بھی تکفیر
نہیں کی جا سکتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی درخواست ہے کہ "نزول
مسیح کے بارے میں تواتر معنوی ہے" اس پر نظر ثانی بھی فرمالیں۔ کیا
عجب ہے کہ نظر ثانی کے بعد "نزول مسیح کے بارے میں تواتر معنوی
کے بجائے" وجود مسیح کے بارے میں تواتر معنوی" ہو سکنے کے آپ
قائل ہو جائیں۔ اس طرح میرے اور آپ کے مابین اختلاف لفظی
و اصطلاحی کی خلیج اور بھی کم ہو جائیگی۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ
[illegible] صدی کے قبل بجز چند غیر معروف علماء کے جنکا پایہ استناد ذرا بھی
معرض بحث میں آ سکتا ہے کسی معتبر اور مستند عالم کی زبان و قلم
پر نزول مسیح کے متعلق تواتر معنوی کا لفظ نہ ہو۔ حالانکہ بیشمار
علماء نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہو اور عام طور سے اسے احاد ہی کی
جانب نسبت دی ہو اور ہم آج اس چودھویں صدی میں تواتر
معنوی کی جانب اس مسئلہ کو منسوب کریں۔ علامہ تفتازانی کی
شرح مقاصد کی عبارت جو نمبر (ب) میں اوپر مذکور ہوئی کیا
لائق توجہ نہیں جبکہ مسئلہ امارت مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے
بارے میں انکی رائے پر جرح کی گئی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں انپر
کسی کی جرح کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔ اور اگر نفس مسئلہ
اجتہاد و تحقیق ہی کا معاملہ ہے تو احادیث کا ذخیرہ سامنے ہے انپر
نظر ثانی دوبارہ ڈال کر دیکھا جائے کہ نزول مسیح کے بارے میں (نہ وجود
مسیح آخر الزمان کے بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اتنی ہی کثرت سے روایات مختلفہ ارشادات ہیں کہ انکی بنا پر تواتر
معنوی کا خیال قائم کیا جا سکے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ گزارش
رائیگاں نہ جائیگی۔ اور اگر نظر ثانی کے بعد رائے عالی میں کوئی ترمیم
ہو تو اس سے صدق کے صفحات محروم نہ رکھے جائیں گے۔ ورنہ
کم از کم میری طرف سے تو اپنے لیے اس بحث کو ختم ہی سمجھیں۔ بلکہ نزاع
محض لفظی و اصطلاحی رہ جائیگی۔ جسکے لیے جیسا کہ اوپر میں
نے عرض کیا ہے اخبار و رسائل موزوں نہیں۔ آپ کی مذکورہ تحریر پر
جو کچھ مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے (جو صدق [illegible] بعد [illegible]
میں شایع ہو چکا ہے) اسے ملاحظہ فرما کر غالباً آپ نے اندازہ کر لیا
ہوگا کہ جب نوبت یہاں تک پہونچ جائے کہ مسئلہ کی قطعیت تو ایک طرف
تو بھی علامہ [illegible] کی تحقیق اور انکے اجتہاد کے خلاف ہے [illegible]
ضروریات دین میں سے نہیں ہے تو کس طرح خاموش رہا جا سکتا ہے
کیا اب ضروریات دین کی نئی فہرست بنائی جانے والی ہے؟
اللهم انا نعوذ بک من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا
ونسئلک ان تصلی علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا
ومولانا محمد وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

امارت و افلاس

(اسلام کا نظریہ توافق)

یہ تو ایک حقیقت نفس الامر ہے کہ اس دنیا میں اگر ایک طرف
دولت و امارت کی دھوم ہے تو دوسری طرف غربت و افلاس
کی پکار۔ ہزاروں سال سے دنیا اسی تضاد و تنفر کی وادی میں حیران و
سرگرداں ہے۔ روس کی اشتراکیت بھی اسکا کوئی حل معلوم
کر سکتی ہے یا آگے چل کر خود
بھی سرگرداں ہو جاتی ہے۔ اسکو دیکھنا ابھی باقی ہے۔ اسلامی
مذہب کا یہ ادعا ہے کہ دنیا کے اس متناقض نظام کی پیچیدگیاں
کو سلجھانے میں اسکی روشنی ہی میں کامیابی کا راستہ نظر آ سکتا ہے
اسلام نے امارت اور غربت میں توافق پیدا کرنے کی کامیاب
کوشش کی۔ اس نے معاشرت کے ایسے دلپذیر آئین وضع کیے
کہ انکی پابندی سے ہر شخص جس کا شکوہ حاصل کر سکتا ہے۔

سود کی وجہ سے نظام معاشرت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے
اسکے سدباب کے لیے اسلام نے بہت سخت نقطہ نظر قائم کیا۔
اسلام نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو خود خدا سے جنگ کے
مصداق قرار دیا ہے۔ بعد میں اسلامی قوانین کے رد عمل کے طور
پر مغربی مہاجنوں کے جنون امارت نے دنیا میں اپنی برتری منوالی
دنیا اب اس جنون کے رد عمل کے چنگل میں گرفتار ہے۔

معاشی قوانین اسلام کے رد عمل سے پہلے بھی اسلام کو
ایک بہت شدید فلسفیانہ رد عمل سے دوچار ہونا پڑا تھا۔
اسوقت یہ ہوا کہ مسلمان فلسفہ کے مکاتب میں شرایب ہو کر
زانوے ادب تہ کرتے اور ان علوم میں پوری مہارت اور
دسترس پیدا کرتے تھے۔ جنکے متعلق یہ خیال تھا کہ ان سے
اسلام کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں
گذرا کہ خود فلسفہ نے علوم کی تائید و رد سے مسلمان فلاسفروں نے
خود فلسفہ کی بنیاد متزلزل کر دی۔ امام رازی اور امام غزالی
نے فلسفہ کے خیال و وہم کے تار و پود کو بکھیر دیا۔ اور اس زمانہ
میں بالآخر یورپ وغیرہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ فلسفہ کے بڑھتے ہوئے
سیلاب کو روکنے میں امام غزالی کی خدمت سد سکندری ثابت ہوئی۔
لوگ منتظر تھے کہ اس معاشی افراط و تفریط کے دور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجیے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:۔
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی " "
بیرون ہند سے سالانہ
قیمت فی پرچہ

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۱۲ | سہ شنبہ - ۸ - رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

یادِ ایام

نمبر (۹)

(از عبد الماجد)

ابھی کل کی بات ہے، ہمارے درمیان ایک زندہ بزرگ تھے، مولانا حمید الدین، اعظم گڈھ کے ضلع میں ایک چھوٹی سی بستی ہے، پھریہا۔ وہاں کے رہنے والے۔ عربی تلفظ میں اسی نسبت سے فراہی کہلائے۔ عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کے زبردست فاضل۔ مولانا شبلی نعمانی کے عزیز قریب، عجب دلاویز وموثر شخصیت تھی۔ ایسے مومن قانت ایسے زندہ مسلمان کمتر دیکھنے میں آسکے ہیں — قرآن مجید پر بڑی غائر نظر رکھتے تھے، عربی پر قدرت اہل زبان کی سی رکھتے تھے۔ متعدد سورتوں کی تفسیر عربی میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر انکی تصانیف کا نہیں، محض شخصیت کا ہو رہا ہے — اللہ والوں کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ انکے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آتا ہے۔ مولانا اس معیار پر پورے اہل اللہ تھے۔ حیدرآباد میں مدتوں رہے اچھے بڑے مشاہرے پر۔ دار العلوم کے صدر (پرنسپل) تھے۔ تعلقات قدرۃً اعلیٰ حلقوں سے رہے۔ اپنی قناعت وسادگی، دیانت وبے لوثی، بے غرضی وصداقت، کسی چیز میں فرق نہ آنے دیا۔ اور سکون خاطر کی تو گویا تصویر تھے۔ نفس مطمئنہ کا لفظ کتابوں میں بارہا نظر سے گزرتا رہتا تھا۔ انھیں دیکھ کر دل گواہی دیتا کہ لفظ بے معنی نہیں ہے۔

نماز کے تو گویا عاشق تھے۔ وقت کی آمد کے انتظار میں جیسے گھڑی لیے بیٹھے ہوئے ہیں (اور یہی بات اکبر الہ آبادی مرحوم میں بھی تھی) معاش کی طرف سے ایسے مطمئن کہ جیسے یہ چیز کوئی فکر کرنے کے قابل ہی نہیں (قناعت وتوکل، اعتماد علی اللہ کی یہ مثال حسرت موہانی کے اس بھی دیکھنے میں آئی) پنشن کی رقم بہت قلیل منظور ہوئی کوئی دوسرا ہوتا تو کوشش اور پیروی کر کے بڑھوا لیتا جہاں (داغ بہر) یہ تماشہ دن تھا۔ اسی [illegible] کے ساتھ نہیں، شاکر کے ساتھ ہنسی خوشی گزر بسر کر کے دکھا دیا۔ غیبت، لغو گوئی، فضول کلامی، ہزل کا مجلس میں گزر نہ تھا۔ کام ہی کی بات کہتے، کام ہی کی بات سوچتے۔ ذکر، فکر، سب قرآن وآیات قرآنی سے متعلق رہتا۔

ذکر جمالش، فکر دو عالمش : دیگر ہیچ نہ کارے دارم

سادہ کھاتے، سادہ پہنتے، دنیا سے بہ قدر ضرورت لیتے — کھانا کھا رہے ہیں، دسترخوان پر صرف دال اور روٹی ہے۔ دال میں نمک کم ہے۔ بلا کسی ناخوشی کے اوپر سے نمک ملا لیا۔ اور چہرہ تک سے ناگواری نہ ظاہر ہونے دی۔ دوسرے دن پھر وہی کھانا۔ آج نمک بہت زائد ہو گیا ہے، اسی اندازسے اٹھے اور آج پانی ملا کر پھر اس ناخوشگوار کو خوشگوار بنا لیا۔ کھانے میں شریک طالب علم کچھ جھنجھلائے، کچھ دنگ رہ گئے۔ منہ سب نے بنایا۔ فرمایا، بھائی بات کچھ نہیں، ایک چٹنی تیار رکھو، بغیر پیسہ کوڑی کے خرچ کے تیار ہو جاتی ہے، جس کھانے میں ملا لوگے، مزہ دار ہو جائے گا، چٹنی کا نام ہے قناعت!

حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ

جناب صفدر صاحب

(خورجہ) کے سوالات:

(۱) کیا شاہ مصر نے حضرت سارہ سے بدسلوکی کا قصد کیا تھا؟

(۲) حضرت ہاجرہ علیہا السلام شاہ مصر کی لڑکی تھیں یا لونڈی؟

براہ نوازش ان روایتوں کی حقیقت سے متعلق آپ اپنی تحقیقات سے مشرف فرمائیں۔"

(۱) پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ تاریخ سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مصری اس زمانہ کے اپنی بدچلنی میں مشہور تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو ضرورت اسی ملک میں جانے کی پیش آگئی تھی۔ توریت میں ہے۔

"جب مصر نزدیک پہونچا تو اُس نے اپنی جورو سرہ کو کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کے کہینگے کہ یہ اُس کی جورو ہے۔ سو مجھ کو مار ڈالینگے اور تجھے جیتا رکھینگے۔ تو کہیو کہ میں اسکی بہن ہوں، تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو، اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے۔ جب ابرام مصر میں آیا، پہونچا مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے، اور فرعون کے امیروں نے بھی اُسے دیکھا اور فرعون کے حضور میں اُس کی تعریف کی اور اُس عورت کو فرعون کے گھر میں لے گئے، اور اُس نے اسکے سبب ابرام پر احسان کیا۔ ۔ ۔ پر خداوند نے فرعون اور اُسکے خاندان کو ابرام اور اُس کی جورو کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابرام کو بلا کر کہا اُسے کہا کہ تو نے یہ مجھ سے کیا کیا، کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے، تو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے، یہاں تک کہ میں نے اُسے اپنی جورو بنانے کو لیا۔ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے، اسکو لے اور چلا جا" (پیدایش، ۱۲: ۱۰ - ۳۰)

دوسرے یہودی نوشتوں میں اس اجمال کی تفصیل آئی ہے۔ ہمارے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم، دونوں میں نفس واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے، لیکن ملک مصر اور فرعون مصر کی تصریح کسی روایت میں نہیں۔ اور چونکہ توریت میں بعینہٖ یہی ایک واقعہ دو مختلف وقتوں کے لیے بیان ہوا ہے، اس لیے احادیث سے یہ صاف نہیں کھلتا کہ اُن میں تذکرہ کس کا ہے، آیا شاہ مصر کا یا دوسرے بادشاہ کا، جسکا نام توریت میں ابی ملک آیا ہے۔

(۲) حضرت ہاجرہ سے متعلق توریت میں تو لونڈی ہی کا لفظ آیا ہے، لیکن یہودی صحیفے، دوسرے مقدس نوشتوں میں تصریح ملتی ہے کہ آپ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ چنانچہ مدراش میں ہے کہ فرعون مصر نے جب حضرت سارہ کے معجزات مشاہدہ کر لیے، تو یہ طے کیا اپنی صاحبزادی کو اُنکی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا کہ اپنے گھر میں ملکہ رہنے سے سارہ کے ہاں باندی بنکر رہنا بہتر ہے۔" (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ صفحہ ...) اور ہمارے ہاں کی تاریخوں اور مذہبی روایتوں میں آپ کی عالی نسبی مسلم ہی ہے۔

"ترقی" کی رَو

"نیویارک - ایک تار مورخہ ۳۰ - جنوری سے معلوم ہوا کہ نیویارک کے ڈانس ہال میں ایک عرب مطربہ اور رقاصہ سمیعہ نے مشرق قریب والا لباس پہن کر اور اسٹیج پر رقص اور جلوہ کر کے عربوں کے راگ راگنی سنائے۔ تین عرب سازندے بھی اُنکے پیچھے بیٹھے عود، قانون اور طبلہ بجا کر انکی سنگت کر رہے تھے۔ نیویارک کے پولیس نے بڑا حوصلہ افزا تبصرہ کیا ہے" (اسلامک کلچر حیدرآباد اپریل ۱۹۴۵ء ص ۲۰۵)

مبارک ہو ممالک عرب کو، کہ اب اُنکے دن پھرنے کا زمانہ آگیا! عرب خاتون ناچ مجرے کے لیے باہر نکل آئی، اور اپنے کمالات فن کے مظاہرے کے لیے ایک پورا طائفہ سازندوں کا لیے ہوئے "نئی دنیا" میں پہونچی! اور وہاں کے مبصروں کی داد و تحسین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی! اس سے زیادہ اور اسکے کیا کہا جائے۔ سچ کہا تھا اُس سچے نے، جو ہمیشہ سچ ہی کہتا تھا، کہ عرب پر ناچ قیامت سے قبل ایک بار پھر ناچ اور شراب لوٹیگی! لا تقوم الساعۃ حتیٰ تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ۔

جامعہ عثمانیہ کے بعض مقالات

جامعہ عثمانیہ کے طلبہ، فضلاء و علماء، اپنے علمی و ادبی کارناموں کے ذریعہ مذہب کی بھی جو خدمات مسلسل بجالا رہے ہیں، اُنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ حیرت اس لیے کہ اصلاً یہ کوئی دینی درسگاہ نہیں، دوسری یونیورسٹیوں کی طرح محض دنیوی علوم کا ایک ادارہ ہے۔ دینیات کا شعبہ تو محض ایک فرعی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامک کلچر کے تازہ پرچے سے معلوم ہوا کہ اس سال ماسٹر کی ڈگری کے لیے جو مقالے پیش ہوئے ہیں اُن میں متعدد اسلامی عنوانات پر ہیں۔ چنانچہ ماسٹر آف لا (ایل ایل ایم) کی ڈگری کے لیے ایک مقالہ کا عنوان ہے "منصب خلافت اور پاپائیت کا تقابل" عربی کے ایم اے کے لیے ایک مقالہ کا عنوان ہے "حسان بن ثابت اور اُنکی شاعری" اور تاریخ کے ایم اے کے ایک مقالہ کا عنوان ہے "مولانا محمد علی کی فکر سیاسی" - یہ آخری مقالہ ایک غیر مسلم نے لیا ہے - محمد علیؒ کی سیاسی فکر ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا اور کیا تھی۔

جدت میں کہنگی!

"آج (۸ رمئی) کو لندن میں یہ ہر طرف جو فتح کے جشن نظر آرہے ہیں، اس سارے جوش مسرت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ سڑکوں پر نوجوان عورتوں کی جو ٹولیاں گاتی ہوئی نکل رہی ہیں، اُن میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں، مرد کوئی نہیں۔ ان میں بہت سی تو وہ ہیں، جو جنگ کے کسی محکمہ میں کام

[illegible] اور کنسرٹ اسٹریٹ والے جلوس میں تو ذرہ سی عورتیں قمیص [illegible] پہنے ہوئے تھیں۔ دوسری طرف [illegible] میں بھی عورتیں بغیر [illegible] [illegible] تھیں۔ بعض تو لہنگا اونچے شریف طبقوں کی عورتوں کی [illegible] ہو رہی تھیں۔ لیکن بہر صورت سب اکیلی ہی تھیں، بغیر کسی مرد کی شرکت و امداد کے۔ اس میں شک نہیں کہ [illegible] ہستے عورتوں میں ایک نئی قسم کی خودداری اور مردوں سے بے نیازی کی روح پھونک رہی ہے"۔ (مانچسٹر گارڈین، لندن، ۸ مئی ۱۹۴۵ء)

تو یہ آزادی اور نسوانی خودداری کی یہ نئی قسم ساری دنیا [illegible] کو مبارک ہو۔ لیکن مردوں کی شرکت تو اختلاط کے بغیر، مخلوط سوسائٹی کے بغیر ان دختران تہذیب کو لطف ہی کیا آیا ہوگا!——
یہ تو کچھ وہی مینا بازار کی قسم کی صورت رہی۔ اور وہاں تک تو مشرقی دماغ کی رسائی صدیوں پیشتر ہو چکی تھی —— یہ حرکت ارتقائی تو نہ ہوئی، کچھ ارتجاعی سی ہو کر رہ گئی!

ملکۂ حسن کا حشر

"پیرس ۲۰ جون۔ مس جیکولین بے [illegible] ۱۹۳۱ء میں مقابلہ حسن میں اول انعام ملا تھا، اور وہ سارا یورپ [illegible] تھی، آج سمندر کے کنارے مردہ پائی گئی۔ وہ خواب آور دوا کھا کر سمندر میں کود پڑی تھی۔ خودکشی کا سبب قماربازی کی کثرت اور اس میں شکست خیال کیا جاتا ہے"۔ (خبر)

۱۹۳۱ء کے آغاز کا انجام ۱۹۴۵ء میں آپ نے دیکھ لیا؟ شہرت، شہرت شباب، شہرتِ حسن و جمال، شہرت اوج کمال کی زندگی کی عمر کل ۱۴ سال کی!—— ساری ہمہ ہمیوں اور ہماہمیوں کے بعد بھی ہاتھ کیا آیا؟ اسی عارضی و فانی دنیا کی عارضی، سریع الزوال ناموری!—— پلک جھپکتے ہی آنکھ کھل گئی!
سحر ہو گئی بات کی بات میں!

قلب کی قساوت

امریکی رسالہ لائف ۲۹ جنوری ۱۹۴۵ء میں دو بالکل نوعمر (۱۹-۱۹ سال کی عمر کے) قاتلوں کی تصویریں آئی ہیں۔ روپیہ کی طمع میں ایک سابق [illegible] دار کو ڈنڈوں سے مار مار کر ختم کر دیا تھا۔ سزائے موت کا حکم ہو چکا ہے، اور دونوں قاتل ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک کمسن یاری کے [illegible] اپنے جیل کے کمرے میں کھڑے ہوئے ہیں، شاداں و فرحاں، چہرہ پر غم و حزن کا کوئی اثر نہیں۔ یہ پہلی تصویر ہوئی۔ دوسری تصویر میں ایک قاتل اچھا خاصہ ہنس رہا ہے۔ تیسری صورت میں وہی قاتل برقی کرسی پر جو شکنجۂ موت ہے بٹھانے کے لیے لایا جا رہا ہے۔ اور ہاتھ میں سگریٹ لیے ہوئے ہے۔ چوتھی تصویر میں دوسرا قاتل دانت نکالے ہنستا ہوا اسی خونی کرسی کی طرف قدم اٹھاتا جا رہا ہے!
—— جن لوگوں نے مطلق بے خوفی ہی کو خواہ وہ فرط غفلت و کمال قساوت ہی سے ناشی ہو، دلیل حق و صداقت سمجھ لیا ہے، اس مثال پر غور کریں۔ موت کی پرمسرت پیشوائی ہی اگر معیار حقانیت ہو، تو پھر ان اہل باطل سے بڑھ کر حق پرست اور کون ہوگا؟

مفسروں نے ان تفسیری روایتوں کی یاد تازہ کر دی جن میں یہ مضمون ہے کہ فلاں کافر کو ذکر آخرت سے بھی عبرت نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ ہم حشر میں بھی اسی طرح اکڑتے ہوئے آئیں گے، اور فلاں فلاں حقداروں کے حق وہیں ادا کر دیں گے!— جاہلیت اب کی ذہنیت جاہلیت عرب سے کچھ مختلف نہیں، اور قرآن مجید کے اشارے دونوں کی طرف یکساں ہیں!

غلط رواداری

حیدرآباد دکن کا سہ ماہی رسالہ اسلامک کلچر مسلمانوں کے ہاتھ میں تنہا بلند پایہ اور علمی رسالہ ہے، اور بہ حیثیت مجموعی بڑی اچھی، مفید خدمات کئی سال سے انجام دے رہا ہے۔ لیکن لغزش لازمۂ بشریت ہے۔ اپریل نمبر میں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہنری مارٹن اسکول آف اسلامک اسٹڈیز کا تعارف اس لب و لہجہ میں کیا گیا ہے کہ گویا وہ کوئی گہرا علمی اور تحقیقی ادارہ ہے! حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام تر ایک "مشنری" کارخانہ ہے، جس کا کام ہی خوشنما لباس میں اسلام و اسلامیات سے متعلق زیادہ سے زیادہ غلط فہمیاں پھیلانا ہے۔ پہلے لاہور میں تھا، اب علیگڈھ منتقل ہو آیا ہے، شاید اس خیال سے کہ یہاں مسلمان نوجوانوں کو ورغلانے کے مواقع بہت زیادہ حاصل ہیں! چنانچہ ابتک اسکی جو مطبوعات بھی نکلی ہیں، ان میں یہ زہریلی حیثیت محققانہ [illegible] ایسا تعریفی [illegible] کہ اسکا ذکر [illegible] [illegible] کہ صحیح [illegible] اگر اب بھی نہیں تو پھر کب دیکھیں گے!

لازوال سردار کی یاد

"کانگریس سوشلسٹ پارٹی [illegible] (بمبئی) کے سامنے اپنی تازہ تقریر میں ترکی کا نشل سے یاد دلایا کہ کمال اتاترک نے کس طرح فوری قوانین نافذ کر کے عورتوں کو آزادی دلادی۔ لیکن ترکیہ جدید کے بانی اعظم کا قانونی تنفیذ کے ذریعہ سے تنہا یہی ایک احسان نہیں۔ اسی نے ملکوتی مذہب کا خاتمہ کر دیا، اور اسی نے مسجدوں میں قرآنی درسوں کو بند کر دیا۔ اسی نے لاطینی حروف چلائے، اور سب سے بڑا عظیم الشان انقلاب اسی نے یہ کر دکھایا کہ سلطانیت اور خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ وطنی مجلس کبیر کے سامنے جو اس نے تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ جو لوگ یہاں اس وقت موجود ہیں اور مجلس اور سارا ملک اس تجویز کو منظور کرلے جب تو بہت ہی اچھا ہے۔ لیکن اگر سب اس پر متفق نہ ہوں تو بھی میں دوبارہ کرتا ہوں کہ یہ قانون پاس ہوکر رہیگا، خواہ اسکے لیے متعدد سر تن سے جدا ہو جائیں" (لیڈر، الہ آباد، ۳۰ مئی ۱۹۴۵ء)

۔ سب ایک [illegible] اور دوست نے [illegible] پر [illegible] ۵

...ہو جاتا ہے ۔

با سایہ ترا نمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

یہ عالم ہی دوسرا ہے اور اسکا کاروبار ہی نرالا۔ پھر اس میں بھی اپنا اپنا ظرف ہے اور اپنا اپنا حوصلہ۔ ایک کی سند دوسرے کے لیے کام نہیں آتی، اور ایک کی نظیر دوسرے کے لیے سند نہیں بن سکتی۔ حضرت فاروقؓ سے بڑھ کر صاحب مقام اور صاحب رسوخ و تمکین اور کون ہوگا، مگر وہ تک وفات رسولؐ کے اہم ترین حادثہ کے وقت غلبۂ حال سے مضطر ہو کر پکار اٹھے کہ جو کوئی یہ خبر زبان سے نکالیگا اس کی گردن اڑا دونگا۔ بایزید بسطامی سے متعلق مشہور ہے کہ عمر بھر انھوں نے خربوزہ اس خیال سے کھایا ہی نہیں کہ معلوم نہیں رسول خدا صلعم نے اسے کس طرح تناول فرمایا ہے! ---- تو ایسوں کو کسی سے استفتاء کی حاجت نہیں، انکا قلب خود انکا مفتی ہے۔ ان معصیت کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت کسی کو بھی نہیں۔

س ۔ اکثر اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا سا رہتا ہوں۔ خدا معلوم دماغ بھی صحیح ہے یا نہیں۔ مجھے انگریزی پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن اب اسکا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ روزانہ پابندی کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔

ج ۔ مولاناؒ کے مواعظ و تصانیف کی برکت و افادیت کا کیا کہنا۔ لیکن انگریزی پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ مقصد صحیح کے ساتھ ہو۔ اور خدمت دین کی نیت سے اگر کافروں کی زبانیں اور علوم سیکھے جائیں (بجز اُن چند علوم کے جو صراحۃً حرام ہیں) تو یہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

لیکن اچھا ہے کہ "ابا زوال سردار" کے ان کارناموں" کی یاد [illegible] کے ساتھ مظلوموں کے دل میں کبھی کبھی تازہ ہوتی رہے۔ یزید اور حجاج کے دور سے لیکر اس بیسویں صدی عیسوی تک کس نے خلافت جیسے اہم اور مرکزی دینی ادارہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کی تھی؟

تصحیح مضمون: آیا نزول مسیح

صدق نمبر ۳ جلد ۱۱ صفحہ ۶ سطر ۵ کے شروع میں الفاظ "کے فرض اور واجب" کے بجائے "ہے (لفظ فرض اور واجب)"

صدق نمبر ۴ جلد ۱۱ صفحہ ۶ سطر ۳۰ میں عربی عبارت صحیح یوں ہے "ائمۃ ذوو روایۃ و درایۃ"

صدق نمبر ۵ جلد ۱۱ صفحہ ۴ کالم ۲ کی سطر ۲۶ میں "پیش کردہ .... اس لیے" کے بجائے صحیح عبارت یوں پڑھیے:- "پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت میں اس مسئلہ کے متعلق کسی ایک ہی حدیث صحیح متواتر کا بیان نہیں ہوا ہے چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ کا بیان، اس لیے"۔

صفحہ ۵ کالم ۱ سطر ۳۷ میں الفاظ "کسی عبارت سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے" ان الفاظ کا اضافہ کیا جائے "نہ کہ نزول مسیح کے بارہ میں کوئی حدیث متواتر ہے (زانا دیف صحاح کے وجود کا انکار نہیں) اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے"

صفحہ ۵ کالم ۲ سطر ۳ میں "اس لیے سوال" کے بعد لفظ "کا" بڑھایا جائے۔

اسی صفحہ کی سطر ۷ میں "اور اس امر کے متعلق کہ خروج مہدی" کے بجائے "خروج مہدی"

سطر ۲۸ میں "نیا نظریہ" سے پہلے "کوئی" کا اضافہ۔

براہ کرم

خط و کتابت وغیرہ میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

آپ پر واضح ہوا کہ صرف مشائخ دیوبند ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوتا ہے

"یہ اسلام ہے جسے تم اسلام کہتے ہو، یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے" مثلاً مسلمانوں کے تمدن اور معاشرت کے متعلق انکو نظر آیا جیسا کہ سرورق سے نقل کیا ہے کہ "اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں" صفحہ ۳۰ جسکا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن سب اسلام سے قطعاً خالی ہو چکا ہے۔ اسکے ساتھ عجیب فیصلہ مولوی سندھی نے یہ بھی کر دیا کہ "جس طرح مسلمان اسکو (یعنی قرآن) کو عام طور پر پڑھتے ہیں اور جو تفسیر وہ کرتے ہیں وہ حق نہیں ہے"

صرف یہی نہیں کہ حق ہی نہیں ہے بلکہ آگے ارشاد ہوتا ہے:-

"اگر گیتا اور انجیل کو غلط طور پر ماننے والے کافر قرار دیے جا سکتے ہیں تو قرآن کو غلط مفہوم میں ماننے والے کیسے مومن کہے جا سکتے ہیں" صفحہ ۳۵۔

یعنی اپنی غلط کافرانہ زندگی کو قرآن پر پیش کر کے مسلمان اگر پھر اصلی اسلام کو پانا چاہیں یا اپنے جس تمدن و معاشرت میں اسلام کا شائبہ بھی باقی نہیں رہا ہے" اگر اسلامی عناصر کو پھر قرآن سے خود لینا چاہیں یا قرآن کے جاننے والے علما سے اس مہم میں مدد لیں تو سندھی صاحب نے اسکا دروازہ بند کر دیا۔ کیونکہ قرآنی آیات کا جو مفہوم مسلمان اور اُنکے علما سمجھتے ہیں وہ تو کفر قرار پا چکا اب ظاہر ہے کہ اسکے سوا کوئی صورت قدرتی طور پر باقی نہیں رہی کہ مسلمان اور انکے علما سب اگر کفر کی اس زندگی سے نکلنا چاہتے ہیں تو وہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی طرف رجوع کریں اور جس صحیح اسلام کو انھوں نے پایا ہے وہ مولانا سے حاصل کریں۔

آئیے اب مولانا سندھی سے پوچھیے کہ کھوئے ہوئے اسلام کو پا کر کفر کی گندگی سے نکلنے کی کیا صورت ہے۔

کیا فقہا مجتہدین اور ائمہ دین نے دین کو جس شکل میں مدون فرمایا ہے۔ اسکے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں۔ لیکن جب مولانا سندھی کا خیال ہے کہ "وہ حجازی فقہ ہے جسکا مرکز مدینہ منورہ تھا" (صفحہ ۲۶۰) اسی طرح "فقہ شافعی" کے متعلق بھی فرماتے ہیں "عربی ذہنیت کا فقہی مظہر امام شافعی ہیں۔ صفحہ ۲۶۳ - رہ گئی "حنفی فقہ" سو اسکے متعلق مولانا ممدوح کا ارشاد ہے

"اس فقہ (یعنی حجازی اور عربی فقہ) میں وہ چیزیں یا جو غیر مسلمانوں کو کھلتی تھیں انکا بدل تجویز کیا گیا" صفحہ ۲۶۱

اور یہ کہ "جہاں بھی مناسب سمجھا اپنی "قومی خصوصیات" کی وجہ سے اس میں تبدیلیاں کیں" صفحہ ۲۴۷۔

الغرض مولانا کے الفاظ میں قرآن کے بین الاقوامی قانون کی حجازی تعبیر عربوں کے لیے قومی مذہب ہے اور اسکی حنفی تعبیر عجم کا قومی دین قرار پائی۔ صفحہ ۲۱۲۔

اب بتائیے ہندوستان کا مسلمان جسکی طرف جناب سندھی متوجہ ہیں اسکے لیے عربوں کا "قومی مذہب" اور عجم کا "قومی دین" کہاں کارآمد ہو سکتا ہے۔ بلکہ آپ نے صاف ارشاد فرمایا ہے "غیر عرب اقوام کے خواص کو اجازت تھی کہ اگر وہ چاہیں تو عربی قانون کو سمجھ کر قبول کر کے عرب بن جائیں یا اس کی روشنی میں اپنے لیے ایک قومی قانون بنا لیں۔ صفحہ ۲۶۱

ظاہر ہے کہ ہندی ہے وہ بیچارہ عرب کیسے بن جائے اور نہ ہندوستانی مسلمانوں کے خواص نے ہندی قوم کے لیے کوئی ہندی دین بنا کر مسلمانوں کو دیا ہے۔ پھر اب کیا کیا جائے۔ سو موجودہ فقہی سرمایہ تو ہندی مسلمانوں کے علاج کی دوا بننے سے رہا۔ خصوصاً جب مولانا نے بار بار اس پر اصرار بھی فرمایا ہے کہ ہندی مسلمانوں کو بجز ہندی ہونے کے قطعاً کچھ نہ ہونا چاہیے۔

اچھا تو ہندی فقہ کے موجودہ سرمایوں سے مایوس ہو کر کیا "السنت" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال و تقریرات کی روشنی میں اپنے گم کردہ اسلام کو پا سکتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ صاحب اور انکے الہامیہ نے بار بار الٹ پلٹ کر اس کتاب میں پہلے تو بہت زور شور کے ساتھ اسکا پروپیگنڈا کیا ہے کہ "دین صرف قرآن ہے اور قرآن ہی دین کی اساسی بنیاد ہے۔ آیت وما ینطق عن الہوی سے مراد صرف قرآن ہے۔ حدیث اور فقہ قرآن سے مستنبط ہے اور فقہ حدیث سے مستنبط کی گئی۔ صفحہ ۲۲۳

(باقی آئندہ)

؎ عربی دین، عجمی دین، ہندی دین میں اسلامی فقہ کو تقسیم کر کے خواہ مخواہ سوامی ویکانند کے اس خیال کی طرف چلا گیا، یعنی قرآنی جنت کا ذکر کرتے ہوئے سوامی جی نے ایک دفعہ کہا تھا "مدینہ میں پانی کا قحط ہے، اس لیے عربی پیغمبر نے ایسی جنت ایجاد کی جسکے محلوں کے نیچے دریا بہتے ہوں۔ میرے وطن (بنگال) میں بکثرت سیلاب آتے رہتے ہیں اور پانی کی افراط ہے اس لیے میں یورپ والے بہشت کا خیال اگر باندھتے تو ایسی جگہ فرض کرتے جہاں سالوں میں کبھی ایک دفعہ بارش ہو" (فلاسفی، باب سیزدہم، گیان یوگ ویدانت)

جنت کی اس تقسیم میں خود ہی سوچیے اور مولوی عبید اللہ کی فقہ اسلامی کی تقسیم میں کچھ فرق ہے؟ حقیقت تو یہ ہے ویکانند کا خیال جس طرح بے معنی ہے میرے نزدیک تو سندھی صاحب کی یہ کمزوری بھی اپنے اجمال اور غیر واقعیت میں کچھ کم نہیں ہے۔ آخر کیا سندھی سے میں پوچھ سکتا ہوں کہ سُرگ اور نرک کا عقیدہ تو ویدک دھرم میں بھی پایا جاتا ہے تو ہندوستان کے مقامی خصوصیات کی بنا پر بجائے قرآن کی جنت کے ہندو دھرم میں قرآن کی جنت کا نقشہ ہندوستانیوں کے سُرگ کا کھینچا گیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن میں جنت کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے یہ ایسا نقشہ ہے جو عام انسانی فطرت کا مطالبہ ہے۔ کہیں کا آدمی ہو، مشرق کا ہو، مغرب کا ہو، ایشیا کا ہو، افریقہ کا ہو، بلکہ گورا ہو، کالا ہو، فطری طور پر پسند کرتا ہے خدا جنھیں اس دنیا میں بھی ...

مراسلہ

آج اس عاصی کو ایک ہندوستانی فلم دیکھنے کا سابقہ پڑا، ذکر فلم بتا یوں سکتا ہوں کہ اسے ایک مسلم ڈائرکٹر نے فلما کر شہر کے بہترین فلم تھیٹر کے پردۂ سیمیں پر پیش کیا ہے۔ فلم کی خوبی، ڈائرکٹر کی قابلیت اور فلم کی مقبولیت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ہاں اس میں بابر کو ہمایوں کے بستر مرگ کے پاس قرآن شریف کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے پکارتے دکھایا ہے۔ ایک جگہ پر اذان کی گونجتی ہوئی آواز یہ صاف بتاتی ہے کہ کسی تاریخی کی آواز ہے۔ بعض بعض جگہ پر نماز پڑھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان چیزوں کی تاریخی صداقت پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

ہاں ان چیزوں کو دیکھتے ہی اس احقر کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا ہوا کہ کیا یہی قرآن جو کبھی دنیا کی گمراہی کو دور کرنے کے لیے آیا تھا، جو لوگوں کے تاریک دلوں میں ایمان کا چراغ روشن کرنے کے لیے آیا تھا، جو سچائی کو پھیلانے کے لیے آیا تھا، جو انسان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھانے آیا تھا، اور جو ہدی للمتقین کا دعوے کرتا تھا، آج ایک فلم ڈائرکٹر کے ہاتھ کا کھلونا بنکے رہ گیا۔ اور وہ بھی ایک ایسے ڈائرکٹر کے ہاتھ جو قرآن شریف کو اپنی مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ اذان کبھی بلال حبشیؓ کی مبارک زبان سے میناروں پر گونجتی تھی اور کفار کو دعوت حق دیتی تھی، آج وہی اذان کسی ڈائرکٹر کا ذریعۂ معاش بنکر رہ گئی ہے اور فلم انڈسٹری کی ایک نمایشی آلہ بن کر رہ گئی ہے۔ وہ نماز جس میں صحابہ کرامؓ اپنے خدا کی یاد میں دنیا و مافیہا کو بھول جاتے تھے، اور وہی نماز جس میں رسولؐ اور ان کے صحابہ کرام کو دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے تخت و تاج کے مالک دیکھتے تھے تو ڈر جاتے تھے، آج بازیچۂ اطفال بن کر رہ گئی ہے۔ ہمیں ان چیزوں کو دیکھ کر سوا آنسو بہانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر یہ سب مذہب کا مذاق اڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ ڈائرکٹر کی مسلمانیت اور مسلمانوں کی بیداری اس پر پردہ ڈالتی ہے۔ لیکن یہ یقین رکھیے کہ اگر مسلمان ان چیزوں کو خاموشی سے برداشت کرتے جائیں تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ وہی ڈائرکٹر جو آج قرآن، نماز اور اذان تک کو اپنا ذریعۂ معاش اور فلم انڈسٹری کا آلۂ نمایش اور بنا لینے سے نہیں چوکتے، اس بات کی جرأت کریں کہ قرآن کے لے آنے والے کو بھی نعوذ باللہ فلم انڈسٹری کے پردۂ سیمیں پر کھینچ لائیں۔ یہ ناچیز آپ سے التجا کرتا ہے کہ ان چیزوں کے خلاف آپ آواز بلند کریں۔ امید ہے کہ آپ کی محنت رائگاں نہ جائیگی۔ فقط

نیاز مند شہاب - از بمبئی

صدق - سینما بجائے خود لہو و لعب کی ایک بدترین صورت ہے، مسلمانوں کو جوق در جوق اسکی سرپرستی کرنا یقیناً ایک جرم ہے۔ دلوں پر اور جسموں پر حکومت اگر قرآن کی ہوتی تو کبھی ایسی بدعت راہ پا ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن یہ سلسلہ صحیح نہیں کہ اسلامی مناظر بس ہیں نہ دکھانا ہر حال میں قابل ملامت بھی نہیں، "عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو" عیب و ہنر دونوں کے پہلو اس میں موجود ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷)

دیتا ہے تو جنت والی چیزوں کو غیر کوان پیدا کرسکتا ہے لیکن جو چیزیں اُن سے کام لیتے ہیں انکو قرآنی جنت کے نمونوں کی تعبیر بتا تو معروف کسی کو نہیں دکھاتا ہے کہ مال و دولت لینے کے بعد جہنم کی تعبیر بتا معروف

اسی طرح میں مولوی عبید اللہ سے بھی یہ پوچھتا ہوں کہ کیا وہ یہ کرسکتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کی فقہ عربوں کی طبیعت کے مناسب نہیں ہے؟ حجازی فقہ پر عراق یا ایران کے آدمی اگر عمل کرینگے تو انکو کیا دقتیں پیش آئینگی؟ شاعری کے سوا یہ اور بھی کچھ ہے۔

لاکھوں کروڑوں ایرانی و عراقی ہر زمانہ میں شافعی رہے ہیں اسی طرح ہمیشہ حجاز و عرب میں حنفی فقہ پر چلنے والے پائے گئے ہیں

چونکہ مجھے صرف مولوی صاحب کے خیالات پیش کرنے ہیں اسلیے سردست انکی نکتہ بندیوں کی تنقید ملتوی کرتا ہوں۔ ارشاد تو اتنی بات کہدی گئی: قرآن سے پوچھا جا سکتا تھا کہ کتاب و سنت و اجماع و قیاس کے سوا یہ "مقامی خصوصیت" یا "غیر مسلمانوں کے لیے کھلنا" فقہ کے دلائل جو آپ قرار دے رہے ہیں جناب والا کے پاس اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔ سمجھایئے قرآن و سنت اجماع کے کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ نے صرف مقامی یا غیر مسلموں کے کھلنے کی وجہ سے تبدیلی کی ہے مگر جو دعوے کرنا چاہتا ہو اُسے دلیل سے کیا تعلق؟

سنی و شیعہ

(از راجہ غضنفر علی خان ایم ایل اے سابق صدر شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کی تقریر گجرانوالہ مسلم لیگ کانفرنس میں)

اب ہندوؤں کا ایک سنجیدہ طبقہ پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے لگا ہے۔ ہر مسلم جماعت پاکستان کی اہمیت اور مطالبہ کو صحیح خیال کرتی ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی ترجمان مسلم لیگ ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ چند مسلمان دوست مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں اور ملت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے فرقہ وارانہ سوال پیدا کر رہے ہیں۔ پنجاب میں بھی کے چند شیعہ حضرات نے وزیر اعظم کو تار دیکر ہندوستان کی آزادی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی شیعہ یہ دعوے نہیں کرسکتا کہ انکا تمدن مسلمانوں سے مختلف ہے۔ ایسے نازک دور میں جبکہ قومی زندگی و موت کا سوال درپیش ہو، سنی شیعہ کا سوال اٹھانا اسلام دشمنی کے مترادف ہے۔ اسوقت بڑے بڑے عہدوں پر شیعہ حضرات کی بڑی تعداد مامور ہے بہت سے شیعہ ارکان اسمبلی میں محض سنیوں کے ووٹوں سے ممبر منتخب ہوئے ہیں، مسلم لیگ میں بھی بہت بڑی تعداد شیعوں کی موجود ہے۔ آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس پاکستان کی حمایت میں ہے۔ پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے میری صدارت میں پاکستان کی حمایت کا رزولیوشن پاس کیا اور مسلم لیگ کو اپنی نمایندہ جماعت تسلیم کیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ ہر معاملہ میں مسلم لیگ کا ساتھ دیگی۔

(منشور)

بقیہ سورۂ بقرہ ۔ رکوع (۲۲)

سلسلہ صدق نمبر (۱۱)

از عبد الماجد

وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ

اور اسکی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں پر اور گردنوں کے آزاد کرنے میں اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ۱۲۳

۱۲۰ عقائد کی تصحیح ہو چکی تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتدا شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی حصہ میں اسکا بیان ہے۔

علیٰ حبہ ۔ اس کی محبت میں ۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ اور محبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے ۔ یعنی یعطون المال علی حب اللہ اے علی طلب مرضاتہ (کبیر) قیل علی حب اللہ (کشاف) قیل الضمیر للہ تعالیٰ (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا کہ صرف مال فی نفسہ ہرگز محمود و مطلوب نہیں۔ مطلوب و مقصود صرف وہ صرفِ مال ہے جو اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضا جوئی کے لیے، اللہ کے دین کے فروغ کے لیے ہو۔

دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صرف مال، مال کی محبت کے باوجود ہو ۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب، مال کو قرار دیا گیا ہے ۔ وہو قول الاکثرین انہ راجع الی المال (کبیر) اے مع حب المال والشح بہ کما قال ابن مسعود (کشاف)

اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی ہے ۔ مال و زر کی محبت اور قدر اسکے دل میں ہے، خواہشیں اسکی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے ۔ اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے ۔ وہ عمل اسی پر کریگا، جو حکم ربانی ہے ۔ اور خرچ وہیں کریگا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔

ذوی القربیٰ الخ معارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دی ہے ۔ آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آگیا ہے۔

مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہے۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں اور بھتیجے کو اکّے کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زردار کو سب سے پہلے خبرگیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبوں کی

والموفون بعہدہم اذا عاہدوا والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ہم المتقون ۔

اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جب وعدہ کر چکے ہوں اور تنگی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ۱۲۴ ۔ یہی لوگ ہیں جو سچے اترے، اور یہی لوگ تو متقی ہیں ۱۲۵

کرنا چاہیے ۔ اسکے بعد نمبر محلہ کے، بستی کے، شہر کے یتیم بچوں بچیوں کا آتا ہے، جنکا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے ۔ اسکے بعد درجہ بدرجہ شہر یا بستی کے عام مفلسوں محتاجوں، اور پھر ان مسافروں راہگیروں کا آتا ہے جو زاد راہ سے محروم ہیں، اور اس لیے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں ۔ یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی انکے ٹھہرانے کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے ۔ اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔

اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے تو امت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟

۱۲۱ (قیدیوں اور غلاموں کی)

فی الرقاب، رقاب، رقبۃ کی جمع ہے ۔ لفظی معنی گردن کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں، جنکی گردنیں آزاد نہیں، یا جو بندھے ہوئے ہیں ۔ یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں۔ یا قیدی، جو کسی جرم ذمہ داری یا دیوالی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں۔

الرقبۃ جعل فی التعارف اسما للمالیک کما عبر بالرأس وبالظہر من المرکوب (راغب) والرقبۃ مجاز عن الشخص (روح)

تقدیر کلام یوں ہے، فی تخلیص الرقاب، یا فی فکاک الرقاب، گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔ مراد وہی زر معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے۔

یعنی المکاتبین قالہ الاکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاساریٰ (معالم) وہم المکاتبون (ابن کثیر) اے فی تخلیصہا بمعاونۃ المکاتبین او فک الاساریٰ (بیضاوی) اے فی تخلیصہا الرقاب فکاکہا (روح)

معارف خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہی جاتی تھی ۔ قرآن مجید نے آخر میں اسکا بھی اضافہ کر دیا ۔ اور اب یہ فہرست امت کے اجتماعی نقطۂ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی۔

۱۲۲ تصحیح عقائد کی ہو چکی ۔ تصحیح معاملات کی ہو چکی ۔ اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔

عبادات بیشمار رہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے ۔ یہاں الصلوٰۃ والزکوٰۃ لیکر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا ۔ نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی ۔ زکوٰۃ ساری مالی عبادتوں کی۔

اقام الصلوٰۃ - یعنی نمازیں وقت مقرر پر، شرائط و قواعد معلوم کے مطابق ادا کرتے رہتے ہیں۔

آتی الزکوٰۃ - یعنی زکوٰۃ حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں۔

کللہ عقائد ہو چکے، معاملات ہو چکے، عبادتیں ہو چکیں، اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔

الموفون بعہدہم - فقرہ ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔ خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو، یا معاہدہ بندوں بندوں کے درمیان ہو۔ ... جھوٹا وعدہ کرنا، یا جھوٹ ... هو عام فیما بینهم و بین اللہ تعالیٰ و فیما بینهم و بین الناس (قرطبی)

البأساء - مصیبت اور تنگدستی سے ... کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔

البأساء الشدۃ والفقر (قرطبی) البأساء فی الاموال کالفقر (بیضاوی عن الازہری)

الضراء - بیماریوں کی تکلیفیں وغیرہ۔ ضراء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔

الضراء المرض والزمانۃ (قرطبی) الضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی عن الازہری)

حین البأس - یعنی جنگ کے وقت دشمنان دین کے مقابلہ کے وقت

وقت مجاہدۃ العدو (بیضاوی) وقت الحرب (قرطبی)

ثبات، صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی جانچ کروانے کے یہی تین خاص موقع ایک مومن کے لیے ہوتے ہیں

۱۲۵ یعنی کمالات حقیقی کے ساتھ موصوف، اور جماعت پرہیزگاری (بر و تقویٰ) میں پورے اترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں۔ اسی معیار سے سبکو جانچو اور پرکھ لو۔

... صدقوا فی الدین واتباع الحق وطلب البر (بیضاوی)

قرآن مجید کی ہر آیت بجائے خود معظم، محترم و واجب العمل ہے۔ لیکن بعض آیتیں ... حدیث نبوی میں یہاں تک ... ہے کہ

من عمل بہذہ الآیۃ فقد استکمل الایمان	جس نے اس پر عمل کر لیا اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔

اور محققین کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اسکے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آگئے ہیں۔

قال علماؤنا ہذہ آیۃ عظیمۃ من امہات الاحکام لانہا تضمنت ست عشرۃ قاعدۃ الایمان باللہ وباسمائہ وصفاتہ والنشر والحشر والمیزان والحوض والشفاعۃ والجنۃ والنار والملائکۃ والکتب المنزلۃ وانہا حق من عند اللہ والنبیین وانفاق المال فیما یعن من الواجب والمندوب وایصال القرابۃ وترک قطعہم وتفقد الیتیم وعدم اہمالہ والمساکین کذلک ومراعاۃ ابن السبیل والسوال وفک الرقاب (قرطبی)

(باقی آئندہ)

فکر سندھی پر تبصرہ

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

نمبر (۳)

ایک تو یہ بات، اسکے بعد حدیث کے متعلق اس دعوے کو مسلسل دہرایا گیا ہے "علماء حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں اسے جمع کیا"۔ صفحہ (۲۴۳)

واقعہ ہے کہ اس میں بھی بہت کچھ غیر واقعی تعسفات سے کام لیا گیا ہے۔ الگ مسئلہ ہے۔ لیکن بار بار ان دونوں باتوں کے دہرانے سے جو مطلب ہے وہ ظاہر ہے۔ خیر حدیث اور "السنت" کی حیثیت کچھ ہی ہو براہ راست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں حق تعالیٰ سے اشارات پاتے تھے۔ مثلاً نماز سکھانے کے لیے جبرئیل آتے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جی سے نماز کی موجودہ شکل اور اسکے اوقات کی تعیین فرمائی ہے۔ اسی طرح حدیث کی "تدوین" دو سو سال ہی کے بعد مان لی جائے کہ ہوئی ہو، لیکن بہرحال فقہ کے بعد قدرتاً ایک مسلمان اپنی دینی زندگی کی تصحیح میں "حدیث" اور "السنت" ہی کی طرف توجہ کر سکتا ہے، لیکن مولانا عبید اللہ مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ "اناجیل اربعہ کو صحاح اربعہ (صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے۔" مقالہ شاہ ولی اللہ، صفحہ ۲۸۲

جب بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی ہے۔ اسکے اعتماد کا حال وہی ہے جو عیسائیوں کی انجیل کا ہے۔ یعنی جنکی اسناد و تاریخی حیثیت مسلمانوں کی میلاد کی کتابوں مولود شریف و سعادین سے قطعاً زیادہ نہیں ہے۔ تو اب اس سے اندازہ کیجیے کہ شک و شبہ کی ان اندھیریوں میں مسلمانوں کو جو اسلام ملیگا اسے قطعی وہی اسلام کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ... سمجھتے ہیں۔

صحیح بخاری کے متعلق جناب سندھی صاحب اپنے دل میں ... باتیں ابھی رکھتے ہیں۔ ... لکھا ہے کہ "... گفتگو کرنے کا ... نہیں۔" صفحہ ۳۰۰ مقالہ شاہ ولی اللہ

ایک کتاب پر زور

البتہ حدیث کے سلسلہ میں آپ اور آپ کے داعیہ نے ایک کتاب پر زور دیا ہے۔ اور اسکی شان میں قصیدوں کے قصیدے کہہ دیئے گئے ہیں - یعنی ... صاحب فرماتے ہیں:-

سلہ حدیث کی تدوین کا اصل حال کیا ہے۔ میری کتاب تدوین حدیث میں پڑھیے۔ اور اس سے معلوم ہوگا کہ سندھی صاحب کے معلومات کتنے ناقص ہیں۔

سلہ جنہیں اس مضمون کے مطالعہ کی زیادہ فرصت نہ ہو وہ خاکسار کی مختصر کتاب "النبی الخاتم" کے ابتدائی اوراق کو دیکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ سندھی صاحب ... اس غلط تشبیہ سے اسلامیات کے اس عظیم سرمایہ ...

علم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۱)

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر ضلع بستی)

[یہ مقالہ دو علمی مجلسوں میں پڑھا جا چکا اور اہل علم سے سند قبول حاصل کر چکا ہے]

حضرات۔ مجھے عربی تعلیم اور دینی مدارس سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ امید کہ ناظرین و سامعین سنجیدگی کے ساتھ اسکے تمام پہلوؤں پر غور کی نگاہ ڈالیں گے۔ عصر حاضر میں علم عربی کے متعلق طرح طرح کے وسوسے پیدا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عربی ایک مردہ زبان ہے۔ اس مردہ زبان کے سیکھنے بولنے والے مٹ گئے ہیں۔ اسکے خلاف انگریزی زبان زندہ ہے اور اسکے پڑھنے والے دنیا میں عزت کی جگہ پا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ترکی وفد کے صدر مسٹر عطائی نے بھی یہی کہا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ عربیت سے مولویت پیدا ہوتی ہے۔ اور مولویت گداگری و دریوزہ گری سکھاتی ہے۔ اس لیے عربیت قابل نفرت ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عربی علوم و فنون کے حامل تاریک خیال، تنگ نظر ہوتے ہیں۔ ایسے ترقی پذیر زمانہ میں دقیانوسی ملاؤں کی کیا حاجت ہے۔ پہلے ہی سے ایسے ملاؤں کی کیا کمی تھی کہ نت نئے مدارس اور جامع کھول کر انکی کثرت اور انکی پیداوار بڑھا دی جائے

حضرات! کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن آپ غور کیجیے کہ دین الٰہی اور مذہب اسلام کی زندگی کی خاطر عربی تعلیم و تعلم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کچھ شک نہیں کہ ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سب عربی زبان میں ہیں۔ پس ان سے بلا واسطہ استفادہ کرنے کے لیے اور غور و خوض حاصل کرنے کے لیے عربی مدارس اور طلبہ و مدرسین کا وجود عقلاً ضروری ہوا۔ اب نفس واقعہ دیکھیے کہ کیا فی الاصل عربی ایک مردہ زبان ہے؟ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں، کیا وہ زبان جس میں سینکڑوں سے زائد اخبارات اور رسائل ہوں جو ریڈیو پر نشر ہوتی ہو، جو سرزمین عرب و مصر وغیرہ کی عام مادری زبان ہو، جسکی تعلیم جرمنی، فرانس، امریکہ و برطانیہ کی تمام بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں جاری ہو، جس میں عربی علم ادب و لغات پر ہزارہا ہزار اوراق کی ایک ایک کتاب تیار ہو رہی ہو، جس میں اقرب الموارد المحیط وغیرہ جیسی کتابیں لکھی جاتی ہوں، جسکا نصاب داخل ہو ہندوستان کے ہر ہر صوبہ کے محکمۂ تعلیم میں اور غیر اسلامی یونیورسٹی میں بھی، جسکے بولنے والے لکھنے والے اکیلے ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں، ایسی زبان کو مردہ کہنے کی جسارت وہی قوم کر سکتی ہے جو دین کے ساتھ

دریاباد ۱۹۶۳ء - ایک اور شہادت بھی سنتے چلیے - ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے ہیں اور لندن کے پی ایچ ڈی۔ انگریزی میں متعدد عربی کتابوں کے مصنف اور بکثرت علمی مقالات کے مقالہ نگار ہیں۔ آپ نے ایک تازہ رسالہ عربی زبان سیکھنے کی ضرورت اور اہمیت پر لکھا ہے۔ اور اسکے شروع میں لکھتے ہیں کہ جغرافی رقبہ کی وسعت کے اعتبار سے انگریزی و ... آپ نے زبان کے بعد تیسرے نمبر پر کرۂ ارض پر سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان بھی عربی ہے۔ (صفحہ ۹) آپ نے اسکے بعد بہت سے مقامات کا نام لیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔ و غرض یہ کہ جہاں بہی اعلیٰ ادبیات کی بنا پر عربی کا شمار دنیا کی مشہور علمی زبانوں میں ہے وہیں اسکی اہمیت نوع انسان کی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے بھی ہے زندہ صرف اس معنی میں نہیں کہ لوگوں کے ذہن اس سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، بلکہ زندہ ایک بڑی اور پھیلی ہوئی بولی چال والی زبان کی حیثیت سے ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱) یکم الصدق ۱۰ اپریل ۱۹۶۳ء

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس رسالہ کی تیسری فصل میں لکھا ہے کہ خود بائبل کے مطالعہ کے لیے بھی عربی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ دسویں میں یہ بیان کیا ہے کہ سائنس کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے عربی سے واقفیت کس درجہ ضروری ہے۔ پندرھویں فصل میں عربی کی اہمیت اور ہندوستان کے لیے اسکی منفعت بھی اہمیت جتائی گئی ہے۔ مولانا دریابادی نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے۔ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور اسکے ناشر ہیں صدق ۲۸ - جون ۱۹۶۳ء - ہمارے روشن خیالوں کو گوش ہوش سے سننا چاہیے کہ صرف مولوی ہی عربی زبان کا حامی نہیں ہے اسکے فضائل صرف انکی نگاہوں میں ہی نہیں بلکہ اونچے کلاس کے روشن خیالوں کے سرتاج بھی دیکھ سکتے ہیں جو مولوی کہتے ہیں ؎

آہ بلبل کی تھی پہلے سے چمن میں بدنام

محفل گل میں صبا آکے شریک اور ہوئی

مغربی علوم و فنون اور انگریزی تعلیم و تہذیب سو انکے متعلق یہ عرض ہے کہ انگریزی کا شوشہ کسی وقت میں ذریعۂ معاش تھا۔ یہ وہی ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ تھا جبکہ انگریز مسلمانوں کے قلب و دل پر حملہ آور ہونے کی اسکیم بنائی تھی - اور انگریزی حکومت کے ایک اہم رکن لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ دل کا مسئلہ رکھدو، چار و ناچار انگریزی تعلیم و تہذیب پر لوگ مجبور رہینگے۔ یہ سارے لوگ رنگ و نسل کے اعتبار سے اگرچہ ہندوستانی ہونگے مگر افکار و خیالات اور تہذیب و ذہنیت کے اعتبار سے یکسر انگریز ہو جائینگے - چنانچہ اس اسکیم کے ماتحت مسلمانوں کو انگریزی علم کی ترغیب دیگئی - جس نے مڈل بھی پاس کیا اسے ڈپٹی کلکٹری دیدیگئی - انٹرنس پاس کیا تو وہ وقت ہوئی کہ جسکی انتہا نہیں - ملاحظہ ہو کتاب "مسلمان کیا کریں (ص ۱۹۵)"

(باقی آئندہ)

گاندھی ٹریننگ کیمپ

سبق آموز حالات

اس وقت کانگریس کارکنوں کی سب سے بڑی مہم گاندھی جی کا تعمیری پروگرام ہے۔ ہم یہاں بتائیں گے کہ ہندو قوم کیسی خوش اسلوبی سے اس کام کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔

گاندھی جی کو تعمیری پروگرام کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی اسکے لیے کستورا بائی میموریل فنڈ میں ۷۵ لاکھ روپیہ مانگا گیا۔ یکم جولائی تک ۱۲½ لاکھ روپیہ جمع ہوگیا۔ ۳۰ ستمبر تک ۸۰ لاکھ ۲ اکتوبر تک ایک کروڑ [illegible] لاکھ آخر دسمبر تک پورا سوا کروڑ۔ گویا ۹ مہینوں میں ہندو قوم نے ۱۲۵ لاکھ روپیہ جمع کیا اور گاندھی جی کے حوالہ کردیا۔

گاندھی جی کی طرف سے دوسرا اعلان کیا گیا کہ مجھے اپنے تعمیری پروگرام کے لیے کل ایک لاکھ نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ میں انھیں ٹریننگ دونگا اور دیہات میں بھیجونگا تاکہ دیہاتیوں کو پڑھائیں، بچوں کو تعلیم دیں، گھروں اور گلیوں کی صفائی کریں، گھریلو صنعتیں جاری کریں، لوگوں کو بیماریوں سے نکالیں اور جس طرح بھی بن پڑے اہل دیہات کو بالکل با احساس، تعلیم یافتہ اور خوشحال بنادیں۔

جب سیواگرام میں ٹریننگ کیمپ کھولنے کے انتظام مکمل ہوگئے تو گاندھی جی نے پہلی جماعت کے لیے نوجوانوں کی درخواستیں طلب کیں۔ شرائط داخلہ حسب ذیل تھیں:-

۱۔ ٹریننگ کی میعاد ایک مہینہ ہوگی
۲۔ ہر امیدوار کرایۂ آمد و رفت خود ادا کریگا۔
۳۔ ہر امیدوار ۲۵ روپیہ خرچ خوراک خود دیگا۔
۴۔ ہر امیدوار ہر روز پاخانہ خود صاف کریگا۔
۵۔ اپنے رہنے کے لیے جھونپڑی خود بنائے گا۔
۶۔ باورچی خانہ کا تمام کام خود کریگا
۷۔ کیمپ کی صفائی خود کریگا۔

ٹریننگ کیمپ کے لیے ایک سو نوجوانوں کی ضرورت تھی۔ مگر ۸۵۰ نوجوانوں نے درخواستیں بھیجیں۔ جن میں صوبہ وار نسبت کا لحاظ کرکے ۱۸۳ امیدوار چنے گئے۔ اسکے بعد ایک اور انتخاب ہوا، اور کل ۱۰۹ نوجوان کیمپ میں داخل کیے گئے۔ جن نوجوانوں کو کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت ملی ان میں بی اے بھی تھے، ایم اے بھی تھے، غریب بھی تھے، امیر بھی تھے۔ بنگلوں میں رہنے والے بھی تھے اور موٹروں پر سوار ہونے والے بھی تھے، کاروباری لوگ بھی تھے اور تاجر بھی۔

ایک نوجوان نے ٹریننگ کیمپ کے حالات شائع کرائے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:-

۵ بجے صبح پہلا بگل بجتا ہے اور تمام نوجوان اپنے اپنے اٹھ بیٹھتے ہیں۔

۵ بجکر ۴۰ منٹ پر دوسرا بگل بجتا ہے اور ورزش اور پریڈ شروع ہو جاتی ہے۔ نوجوانوں کے آنے جانے میں قدم ملا کر چلنے پر زور دیا جاتا ہے

۶ بجکر ۴۰ منٹ پر پرارتھنا شروع ہو جاتی ہے۔ ۷ بجے ناشتہ دیا جاتا ہے۔ ناشتہ میں گڑ اور چنے ملتے ہیں۔ کبھی کبھی جوار کا ہلوا، ایک بسکٹ۔ کبھی کبھار ایک کیلا یا سنترہ۔ یا دودھ چھٹانک بھر اور پھر کسی دن دلیا۔

۷ بجکر ۱۰ منٹ پر تمام نوجوان کھادی ودیالیہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں قابلیت کا لحاظ کرکے چار جماعتیں بنادی گئی ہیں۔ کھادی ودیالیہ میں چرخہ پر بیلن سے کپاس اوٹنا، پھر بانس کی چھڑی سے تانا کرنا، پھر پونی بنانا، پھر کاتنا، پھر بننا۔ یہ سب کام درجہ وار سکھائے جاتے ہیں۔ ۹½ بجے سے ۱۰½ بجے تک سوت کی نمائش ہوتی ہے جس میں پچھلے دن کا کاتا ہوا، اوٹا ہوا، تانا ہوا تولتے ہیں ہر قسم کا حساب کرتے ہیں اور رفتار ترقی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اسکے بعد کھادی اسکول سے چھٹی ہو جاتی ہے۔

کیمپ کے نوجوان ۵ بجے بیدار ہوتے تھے۔ ۴۰ منٹ ضروریات اور غسل وغیرہ۔ پھر ۴۰ منٹ ورزش اور ڈرل، پھر ۴۰ منٹ عبادت پھر ۲۰ منٹ ناشتہ۔ پھر دو گھنٹے اوٹنا دھننا، کاتنا اور بننا۔ پھر ایک گھنٹہ نمائش سوت۔ اسکے بعد نوجوان کیمپ میں آجاتے ہیں، اور پیشاب خانوں، پاخانوں کی اور تمام کیمپ کی صفائی کرتے ہیں اسکے بعد ۱۲½ بجے تک غسل، کھانا اور آرام ہوتا ہے۔

۲ بجے پھر کھادی اسکول شروع ہوتا ہے، جس میں چار پیریڈ ہوتے ہیں

پہلے ۴۰ منٹ گایوں کی پرورش کے متعلق لکچر
دوسرے ۴۰ منٹ۔ کھدر کا مضمون اور معلومات
تیسرے ۴۰ منٹ۔ گاؤں کی خدمت کے طریقے
چوتھے ۴۰ منٹ۔ بنیادی تعلیم کا طریقہ
چار بجے کے بعد سب پارٹیاں بنا کر کھیلنا
۸½ بجے سے ۹ بجے تک پرچار اور تقریریں
۱۰ بجے سے ۵ بجے تک سونا۔

تمام نوجوان ہر اتوار کے دن جھاڑو، پھاوڑے، رسی، کھرپے، اور ٹوکریاں لیکر سیواگرام میں جاتے تھے۔ کیونکہ یہ ایک بہت ہی گندہ اور رسیلا گاؤں ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ اپنے کیمپ کی جھونپڑیاں، اردگرد کا میدان، سڑکیں، راستے، پاخانے اور پیشاب خانے تو ہم ہر روز صاف کرتے تھے، لیکن ہر اتوار کو دیہات میں چلے جاتے تھے اور وہاں گلیاں ہموار کرتے تھے، کنوؤں کی نالیاں صاف کرتے تھے اور پودوں کے گرد باڑیں اور منڈیریں بناتے تھے۔ چونکہ گاندھی جی نے پہلے ہی نامناسب نوجوانوں کو

(وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ) | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اِس پتہ پر کی جائے:

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے

ششماہی ... ۔

بیرون ہند ... سالانہ ... شلنگ

قیمت فی پرچہ ... ۲؍

ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۵ | شنبہ - ۱۹ رجب المرجب ۶۴ھ مطابق ۳۰ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ہرقل دیوتا کے پجاری کو ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ سوجھی کہ آؤ دیوتا سے ایک بازی چوسر کی بد کر کھیلیں۔ اور جیت میں کوئی قیمتی تحفہ اُس سے حاصل کریں۔ لیکن اگر دیوتا جیت جائے، تو اُسکے لیے عمدہ عمدہ کھانے پکوانے کے علاوہ ایک حسین عورت بھی پیش کی جائے۔ چنانچہ بازی بچھی اور کھیل شروع ہوا۔ اتفاق دیکھو کہ پجاری کا ہر پانسہ اُلٹا پڑا۔ اور دیوتا کی بازی جیت گئی۔ شرط کا ایفا ضروری تھا، اس لیے پجاری نے دیوتا کے لیے دسترخوان بچھانے کے علاوہ لادن شیہ کو جو اسوقت کمال حسن پر تھی، روپیہ دے کر دیوتا کی خدمت کے واسطے منتخب کیا۔ اور پلنگ بچھا کر مندر میں اُسکو تنہا بند کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اُسکا یہ سامان فی الواقع بیکار نہ گیا۔ بلکہ سچ مچ دیوتا لادن شیہ کے پاس آیا، اور اُسکو حکم دے گیا، کہ صبحدم منڈی میں جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے اُسی کو سلام کر کے اپنا دوست بنا لے۔" (مشاہیر یونان و روما۔ جلد اول، ص۵۸ مترجمہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی، جدید اڈیشن)

ان ہرقل دیوتا کا شمار قدیم رومی دیومالا میں صف اول میں ہے روم کے ایک زبردست دیوتا۔ ہاں وہی روم جسکی تہذیب، شائستگی، قانون و تمدن، علوم و فنون کی دھاک ہر انگریزی اسکول کے طالب علم کے دل میں شروع سے بٹھا دی گئی ہے!

ایک روم پر کیا موقوف ہے، یونان، ایران، مصر، ہندوستان، کس قدیم ملک کی دیومالا انھیں خرافات سے لبریز نہیں؟ کن کے دیوتا ایسے ہیں جو گاتے نہیں، ناچتے نہیں، جو سرجوا نہیں کھیلتے، شرابیں نہیں پیتے، حرام کاریاں نہیں کرتے، ہر ناکردنی نہیں کر گزرتے؟ بڑی بڑی مہذب و مشہور قوموں کا "کلاسیکل" اور مذہبی لٹریچر پڑھ جائیے، سوا انھیں نصوں قصوں کے اور آن میں ملیگا کیا؟ کہیں کہیں کوئی اخلاقی سبق بھی اُنکے اندر نکل آئیگے، جیسے رات کے وقت کالے ڈراؤنے بادلوں کے بیچ میں بجلی ورنہ عام طور پر تو انھیں غلطتوں اور اخلاقی کدورتوں کی گھٹا ٹوپ گھٹائیں ہیں!—— قرآن مجید کی جو تنزیہی آیات ہیں، جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی تنزیہ اور پاکی تمام گندہ صفات سے بیان کی گئی ہے انکا راز یہی دوسری قوموں کے مشرکانہ خرافات ہیں۔ کیسی کیسی گندی اور ناسزا باتیں بلا تکلف بلکہ فخر کے ساتھ دیوتاؤں، معبودوں، خداؤں کی جانب منسوب تھیں، اور دلوں میں رچی ہوئی تھیں۔ قرآن کو بار بار ان عقیدوں پر ضرب لگانی پڑی، اور بتانا پڑا کہ خدائے واحد کی ذات پاک تو لطافت و پاکیزگی کا سرچشمہ اور ان تمام لغویتوں سے برتر و منزہ ہے۔

کام کی رفتار

تفسیر اُردو کے پارۂ سوم کی نظر ثانی بحمد اللہ پچھلے ہفتہ ختم ہو گئی۔ ۲۶ مارچ کو شروع ہوئی تھی۔ ڈھائی مہینے ایک پارہ کی نظرثانی میں لگے۔ اب دو تین ہفتوں کے وقفہ کے بعد پارۂ چہارم شروع ہوگا ان شاء اللہ۔ وقفہ کا یہ زمانہ آرام کے لیے نہیں ہوتا۔ تصنیف و تحریر کے دوسرے ضروری کاموں کے لیے ہوتا ہے۔

پارۂ اول کی طبع و اشاعت کا ہنوز روز اول ہے۔ تاج کمپنی اپنی مصلحتوں کو خود ہی بہتر سمجھتی ہے۔

سورہ بقرہ رکوع ۲۲

(بہ سلسلۂ صدق جدید)

۱۷۸ یا ایہا الذین آمنوا کُتِبَ علیکم القصاص فی القتلیٰ، الحُرُّ بالحُرِّ والعبدُ بالعبدِ والانثیٰ بالانثیٰ. فمن عُفِیَ لہٗ من اخیہ شیءٌ فاتباعٌ بالمعروف

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے! آزاد کے بدلے میں آزاد اور غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بارے میں عورت۔ ہاں جس کسی کو اُسکے فریق مقابل کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے، سو مطالبہ معقول اور نرم طریق پر کرنا چاہیے۔

لہ (کا بقیہ)

بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کرکے کہا ہے کہ آیت اصل مدار ہے شریعت وطریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لیے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں احکام کی اطاعت بھی۔ اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں ایک مسیحی پادری وہیری (WHERRY) گزرے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما" سن رسیدہ گو لوگ ہی کے بال اسلام کی عداوت ہی میں صرف کیے۔ سیل SALE کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انھیں کے قلم سے ہے۔ اس آیت پر پہونچ کر قدرت اُنکے قلم سے یوں لکھواتی ہے:—

"یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں ہے۔۔۔۔ ذات باری کا ایمان، اور نوع انسانی کے ساتھ حُسن سلوک، اسکو اس میں واضح طور پر مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لب لباب عقائد اور اعمال کا آگیا۔"

خیر یہی بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید کی بلند نظر آگئیں۔

لکلہ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو، اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت رکھتے ہو)

اسلام اپنے پیروؤں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے، اور اسے بطور ایک مسلّمہ کے فرض کیے رہتا ہے کہ امت دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل کافروں کے تسلط و اقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضات اولیہ میں تو داخل ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظام حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی امت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔

لا خلاف ان القصاص فی القتل لا یقیمہ الا اولوا الامر فرض علیہم النہوض بالقصاص واقامۃ الحدود وغیر ذلک (قرطبی)

اتفق ائمۃ الفتویٰ علیٰ انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان ولیس للناس ان یقتص بعضہم من بعض (قرطبی)

قصاص — یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کر دے، بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منتظم، مہذب، منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ امت کا ایک قانونی و اجتماعی حق ہے۔ اسکے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل وعقد پر عائد ہوتی ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا میں مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔

قتلیٰ۔ قتل عمد کی سزا دنیا کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کرکے کسی آہنی سلاح سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے، قتل کرے۔

اما العمد فما تعمد ضربہ بسلاح او ما یجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء (کافی) السلاح ما یکون آلۃ قاتلۃ اعدت للقتال (قبابہ)

اور فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے۔

کلہ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہیگی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائیگا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑ گیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اُس آزاد کی لینے کے بجائے کسی غلام کی لیجاتی تھی۔ دنیا کی تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (WHITE) کا خون ایک کالے (NEGRO) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض، قاتل قوم کے کتنے ہی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہنچکر داد اُن فقہاء و مفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنھوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے

ای المساواۃ منہم لا الزیادۃ

اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا، اور اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی، امت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جسکا جو قاتل ہوگا، وہی سزا پائیگا۔

القصاص علیکم من المساواۃ۔ والمعنی فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ بین القتلیٰ (مدارک)

فقہ حنفی کے دو مسئلے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں۔

(۱) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اسکا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائیگا، اگرچہ وہ مسلم ہو
ہاں کافر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی "اسٹیٹ" کا بھی، اور اسی لیے تو اُسے حربی کہا ہی جاتا ہے، اسو اُسکے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔
(۲) دوسرے یہ کہ قتل عمد میں آزاد کے عوض میں تو آزاد قتل کیا ہی جائیگا، غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائیگا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو ماری ہی جائیگی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائیگا اگر وہ قاتل ہے۔
آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں، حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ بھی قابل ملاحظہ ہیں:-
"اور وہ جو انسان کو مار ڈالیگا وہ مار ڈالا جائیگا" (احبار۔ ۲۴: ۱۷)
"اور جو انسان کو مار ڈالے جان سے مارا جائے" (احبار۔ ۲۴: ۲۱)
"توڑنے کے بدلے توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اُس سے ویسا ہی کیا جائے" (احبار۔ ۲۴: ۲۰)
۱۷۵ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد قاتل یا قاتلین ہی ہو سکتے ہیں
یراد بہا القاتل ہذا قول ابن عباس وقتادۃ ومجاہد وجماعۃ من العلماء (قرطبی) من ہو قاتل معفو لہ (مدارک)
مِنْ اَخِيْهِ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ ولی یا مستغیث کی طرف سے۔
لفظ اَخِیہ کی بلاغت و معنویت اس سیاق میں سر دُھننے کے قابل ہے۔ شدید ہیجان جذبات انتقام و اشتعال برہمی کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لاکر بتا دیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہو جاتا، اخوت اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جاتا۔ مقتول کا ولی و وارث، قاتل کا دینی بھائی اُس وقت بھی رہتا ہے۔
والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) یعنی ولی الدم وذکرہ بلفظ الاخوۃ بعثا لہ علی العطف لما بینہما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک)
شَيْءٌ لفظ اہم ہے۔ یعنی سزائے واجب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ ہو کہ تمامتر معاف کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں بلکہ اسے ہلکی کوئی سزا دے کر! خون بہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصہ اُسے معاف کر کے، اُسکے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔

رومیوں کی مشترک قوم میں قتل تمامتر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا، دیوانی سے اسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمامتر رومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے، اس لیے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعت اسلامی کی نظر فطرت بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اس نے اپنے اصولی قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے، دیوانی کا بھی ہے۔ اس جرم سے محض (اسٹیٹ، حکومت، اور سوسائٹی) ہیئت اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ ہر فرد پر بھی اُسکی شخصی حیثیت میں ایک [illegible] گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیوٹ۔ اور جب اسکی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں، یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار رہنا چاہیے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لیکر انتہائی سزا سے دستبردار ہو جائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دِیَۃ یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہو سکتی ہے (دِیَۃ کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آرہا ہے)۔
آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) ملک کی رعایا کا خون دوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہو جائے، اور غیر ملک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اسکی پیروی کے صرف "ہرجانہ" (DAMAGE) کی رقم پر کفایت کر لی جائے۔ یہ "ہرجانہ" اُسی خونبہا کے لیے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔
(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

منزل پر پہونچ گیا ہے، کہ اسکو ادھر یا اُدھر ختم ہو جانا چاہیے۔ ہمارے علمائے کرام بالکل خاموش ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انکا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص معقول بات نہ کہہ سکتا ہو، تو دانشمندی یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے" (نگار، جون نمبر ص)
یہ راز تو اب بھی نہ کھلا کہ یہ "مسئلہ" "ادھر" ختم ہوگا یا "اُدھر"۔ نہ کسی اسم اشارہ کے مشار الیہ کی تعیین ہو سکی۔ البتہ یہ علم ضرور ہو گیا کہ نیاز صاحب کوئی جوابی تحریری مضمون اپنے پرچہ میں نہ چھاپیں گے۔ اور یہ فیصلہ بھی نیاز صاحب نے خود ہی کر دیا کہ (نعوذ باللہ) اسلام کے پاس کوئی جواب ہی پادریوں کے اعتراض کا نہیں! ——
اچھا ہوا ہمارے علماء نگار کے مضمون نگاروں کی صف میں آنے سے بچ گئے۔ اور دعوے نیاز صاحب مترجم کی زبان سے سننے کے بعد فیصلہ بھی اب نیاز صاحب ہی کی زبان سے سن لیں گے!

کہنے کو کچھ نہ پہلے تھے آپ رسا سے ہم
سنئے پڑا اگر "آج رہینگے ہوا سے ہم"!

فکر سندھی پر تبصرہ

نمبر (۵)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

بہر حال انکو بدل دیا جائے، انکی تجدید کی جائے، انکو توڑ پھوڑ کر رکھدیا جائے، البتہ انکو کفر سمجھا جائے۔ دیکھ رہے ہیں یہ انکے اشارے کن چیزوں کی طرف ہو رہے ہیں، قرآن پر عمل جو اسی زمانے کے بعد اسلے جو دو حصے کیے گئے تھے، یہ سب کچھ اسی کا شاخسانہ ہیں صرف ایک دلیل مبہم دعوے یعنی "بے روح ہو جانے کے دعوے کے بعد کر دیا گیا ہے۔ اور در اصل بے روح ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ روح دار ہو یا بے روح جب کوئی قانون ابدی و سرمدی ہوتا ہی نہیں، بلکہ ایک مرحلے تک کر انسانیت کو دوسرے مرحلے تک دھکیل دینے کا صرف ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر یہی اسکا کام ہے تو ہر حال میں اسکے ساتھ یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جسکے اختیار کرنے کا مشورہ "بے روح ہو جانے" کے نقاب کو اوڑھ کر دیا گیا ہے۔

خیر جانے دیجیے ان رسوم و شعائر کو جب حضرت مولانا عبید اللہ السندھی المجاہد الفاذی البطل فرماتے ہیں کہ وہ کبھی ابدی و سرمدی نہیں ہو سکتے تو خواہ مخواہ آپ انکی ابدیت و سرمدیت پر کیوں زور دیتے ہیں۔ قرآن پر عمل کرنے کے لیے اور قرآن کے ساتھ رہنے کے لیے اور اپنے کھوئے اسلام کو اس میں پھر پانے کے لیے

ایک چیز تو رہی باقی ہے۔ مولانا ارشاد فرما چکے ہیں کہ "ابدیت صرف حکمت کو ہے"

آئیے اس حکمت کو قرآن سے حاصل کر کے اپنے کفر کا ازالہ کیجیے مگر یہ حکمت ہے کیا چیز؟ کچھ نہیں تو قرآنی تعلیم کی آخری "مبادی معرفت" یعنی توحید و شرک کا مسئلہ، اور حق تعالیٰ کے صفات و کمالات کا علم یہ تو ضرور قرآن کی اس حکمت کا جزو ہوگا۔ قرآن نے ہر پیغمبر کی دعوت میں توحید کی دعوت کو ایک مشترک جزو کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، اور اسی توحید کے مقابلہ میں شرک کو اس نے اعظم الجرائم اور ایک ایسا جرم قرار دیا ہے جسے خدا کبھی معاف نہیں فرماتا۔ اب سنیے سندھی صاحب کے الرادیہ کے ارشادات عالیہ ایک جدید تقسیم سے پہلے مسلمانوں کو روشناس فرمایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مولانا کل انسانی فکر کی ارتقائی کشمکش کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ جو حضرت ابراہیمؑ سے پہلے گزرا ہے، اسے صابی دور کہتے ہیں۔ اور انکے نزدیک حضرت ابراہیمؑ سے حنیفیت کا دور شروع ہوا۔ (صفحہ ۸۵)

پھر سندھی صاحب کے اور الفاظ نقل کرنے کے بعد الرادیہ صاحب نے سندھی صاحب کی طرف پھر ان ہی الفاظ کو منسوب کیا یعنی "ابراہیم سے پہلا دور صابئین کا تھا۔ صفحہ ۸۵

حضرت ابراہیم سے پہلے انبیاء بت پرست تھے؟

ابراہیم سے پہلے صابئین کے اس دور کا تعلق کن لوگوں سے تھا۔ سندھی صاحب کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں "اس دور کی جس میں آدمؑ ادریسؑ نوحؑ ما قبل ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں۔ صفحہ ۸۵۔

مطلب جسکا صاف ظاہر ہے کہ آدمؑ، ادریسؑ، نوحؑ وغیرہ پیغمبروں کی تعلیم ماننے والوں کا نام "صابئین" تھا۔

اور وہ تعلیم جو ان پیغمبروں نے "صابئین" کو دی تھی کیا تھی۔ یہ فرماتے ہوئے کہ

"اس تمدن کے حامل صابی عقیدے کے تھے"

اس عقیدہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"یہ لوگ مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ انکے نزدیک چاند، ستارے، سورج، خدا کے مظہر تھے۔ مندروں میں انکے بت بناتے اور انکی پوجا کرتے" (صفحہ ۱۷۹)

اس مطلب کو اور واضح الفاظ میں ادا کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

۱؎ "مسلمانوں کے اعمال و افعال عبادات و معاملات کی روح نکل گئی ہے" اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ کلیہ صحیح ہے تو اصلاح کا طریقہ روح کا ان میں واپس کرنا ہوگا، یا سرے سے ان اعمال و افعال ہی کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھدینا چاہیے۔ جسکا پابند مسلمانوں کو قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ عہد صحابہ کے بعد اپنے عالمگیر سیاسی اقتدار کے ان ہی دنوں میں جن میں دنیا کی باگ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، اچھے برے ہر طرح کے مسلمان پائے گئے ہیں۔ گذشتہ مسلمانوں اور موجودہ مسلمانوں میں اس لحاظ سے اگر کچھ فرق ہوا ہے تو وہ بہت کم ہوا ہے۔ البتہ سیاسی اقتدار کے زوال کے بعد ایک نیا طبقہ تعلیم یافتوں کا مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ ان میں بھی سب نہیں بلکہ انکی بھی ایک محدود اقلیت "شک و ریب" کے عوارض میں مبتلا ہو گئی ہے۔ جب کہتے ہیں کہ ابھی ہندوستان میں دس فی صدی بھی صحیح تعلیم لوگوں میں نہیں پھیلی ہے تو مسلمانوں میں تعلیم یافتوں کی تعداد ہی کتنی ہے اور ان میں اس قسم کے ایمانی روگیوں کی تعداد کیا ہوگی۔ بہر حال

۲؎ روح رفتہ کی تلاش صرف گم شدہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے میرے نزدیک تو غیر ضروری ہے۔ عباسیوں بلکہ امویوں اور انکے بعد سلاجقہ۔ عثمانی ترک۔ وغیرہ کے زمانہ میں بھی مسلم "روح" کا حال قریب قریب یہی تھا جو آج ہے۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

صدق

ایڈیٹر - عبدالماجد
مقام - دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کی اطلاع و مراسلت اس پتہ پر کیجئے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ

نمبر ۱۷ | یوم شنبہ - ۲۶ - رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ - جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ریڈیو سٹ اگر آپ کے یا آپ کے کسی دوست کے یہاں ہے، تو آپ کو اکثر اسکے سننے کا اتفاق رہتا ہوگا۔ یا کم از کم محکمۂ ریڈیو کے رسالۂ آواز پر تو ہر چند روز میں آپ کی نظر پڑتی ہی رہتی ہوگی۔ پھر آپ کو اس میں سب سے زیادہ کیا لگتا ہے؟ فضا کی برقی لہریں سب سے زیادہ کس موضوع کے نشر کے لیے وقف رہتی ہیں؟ جنگ کی خبروں اور دوسری سرکاری خبروں کی اہمیت تو بالکل ظاہر ہی ہے۔ محکمہ بہرحال سرکاری محکمہ ہے، اور سرکار کی خدمت اسکا سب سے پہلا فرض ہے۔ لیکن اسکے بعد جہاں تک پبلک کی خدمت و نفع رسانی کا تعلق ہے، اولیت اور اہمیت کس عنوان کو حاصل ہے؟ معاشیات کو؟ اخلاقیات کو؟ تعلیمات کو؟ صنعت و حرفت کے مسائل کو؟ تجارت و زراعت کے عنوانات کو یا شعر و ادب کو؟

جی نہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہیں۔ اہمیت حاصل ہے صرف راگ اور گیت کو، باجہ اور ساز کو! صبح ہو یا شام، رات ہو یا دوپہر اور دہلی یا لکھنؤ، مدراس یا کلکتہ، لاہور یا بمبئی، آل انڈیا ریڈیو کا کوئی سا بھی اسٹیشن ہو، اسکے کھلے رہنے کے اوقات میں جب بھی کان لگائیے گا، ستر فی صدی یقین ہے کہ یا تو کوئی بائی صاحبہ تان لے رہی ہونگی، یا کوئی خان صاحب، پنڈت جی مہاراج استادی کے کمالات دکھا رہے ہونگے، یا کسی غزل یا ڈرامے کا ریکارڈ

...بنایا جا رہا ہوگا! بہرحال گانے ہی کی کوئی قسم کہا ہو گا!

ملک کو اس دور سے قبل یہ تمنّا آزادیاں کب حاصل تھیں؟ اتنی سربلندیاں کب نصیب تھیں؟ فتنا فرزدشی کے کاروبار کو کب اعلیٰ درجہ ترقی ہوئی تھی؟ سازندوں، مطربوں، ڈوموں، مداریوں، بھیواؤں کی سرپرستی کب اس پیمانہ پر اور ... نے کی تھی! ہمارے شاعر نے بڑی بلند پروازی سے کام لیا تو کہا تھا، کہ

قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو!

لیکن اب قصۂ منصور دیکھنے اور قوالی سننے کی ضرورت ہی کیا باقی رہی ہے؟ دیکھنے کو تو ہر طرف سینما کی تصویریں ہیں اور سننے کو ہر وقت ریڈیو کے گانے! — کیا خوب کام اللہ کی بخشی ہوئی بڑی سی بڑی نعمتوں، باصرہ اور سامعہ، آنکھ اور کان سے لیا جا رہا ہے! — وقت کے شیطانی تقاضوں کو کمپرو کرنے یا تو اسوقت بے شبہ ہمارے بس سے باہر ہے، تاہم ان پر کچھ نہ کچھ قیود و حدود تو ضرور ہی عائد کی جا سکتی ہیں۔ ریڈیو کسی تجارتی کمپنی یا پرائیوٹ فرم کی ملک نہیں، باقاعدہ سرکاری محکمہ ہے، اُسی طرح کا جیسے دوسرے محکمے ڈاک، تار، تعلیم، عدالت وغیرہ کے ہیں۔ مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبر اگر چاہیں تو یقیناً اپنا اثر ڈال کر اس حد سے بڑھی ہوئی لغویت میں کمی کرا سکتے ہیں۔ اور یہ جو ہماری ملی اور قومی انجمنیں اور مجلسیں ہیں، مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء وغیرہ! کیا ان پر کوئی ذمہ داری اس بارے میں ہے ہی نہیں؟

تثلیث نزع میں!

" لندن - ۱۹ - جون - کنٹربری اور یارک کے لاٹ پادریوں کی تحریک پر جو کمیشن چرچ آف انگلینڈ نے مقرر کیا تھا، اس کی رپورٹ آج شائع ہو گئی ہے۔ رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ آج برطانیہ میں مسیحی مذہب کی حالت انحطاط بہت زیادہ قابل توجہ ہو گئی ہے اور اب انگلستان کو نئے سرے سے مسیحی بنانا ہے۔

اس غرض کے لیے دعوت و تبلیغ مسیحیت کا کام ایک عظیم الشان پیمانہ پر نئے سرے سے شروع ہوگا۔ ساری آبادی کو جو عملاً دہری ہو چکی ہے، پھر سے مسیحی بنانا ہے، اور مسیحیت کو گھر گھر پہونچانا ہے۔ اسکے لیے ۸ لاکھ ڈالر سالانہ کے صرف سے ایک مستقل ادارہ قائم ہوگا۔ اور اخبارات کے علاوہ تھیٹر، سینما وغیرہ ہر مقبول، عام پسند ذریعہ سے پیام کو عوام تک پہونچایا جائیگا۔

رپورٹ میں یہ تصریح درج ہے کہ ایسے کافروں میں جو بہرحال کسی نہ کسی صورت میں خدا کے قائل ہوں، پیام پہونچا دینا آسان ہے، لیکن برطانیہ میں تو کلیسا کو اپنی آواز ایسی قوم کے ہر ہر حلقہ تک پہونچانا ہے، جو سرے سے کوئی مذہبی عقیدہ ہی نہیں رکھتی"۔
(اسٹیٹسمین ۲۲ - جون ۱۹۴۵ء کا خصوصی تار، بحوالہ نیو یارک ٹائمس، ملخصاً)

خوب خوب تالیاں بجی تھیں، خوب خوب قہقہے لگے تھے جب خبریں آنا شروع ہوئی تھیں کہ ٹرکی سے اسلام رخصت ہو گیا! خوب خوب آوازے سننے میں آئے تھے، کہ وہ دین تو تھا ہی اس لائق کہ دنیا، مہذب دنیا، جلد سے جلد اس سے آزادی حاصل کرے! —— یہ کیا ہوا کہ مصحف توحید پر ٹھٹھے لگانے والوں کو شکست تثلیث کا ماتم کرنا پڑ گیا! —— واللہ خیر الماکرین آخر حق ہے!

اور یہ کیا ارشاد ہوا کہ آیندہ "دین حق" کی اشاعت کا کام پروپگنڈا اور تھیٹر اور فلم کی مدد سے لیا جائیگا! —— یہ "آیندہ" کیا معنی؟ اب تک کیا تھا؟ "پروپگنڈا" کا تو لفظ ہی زبان میں مسیحیت کے راستہ سے آیا ہے، اور ایک رومن کیتھولک اصطلاح تھا! اور تھیٹر کی تاریخ لکھنے والے تو یہی لکھ گئے ہیں کہ مہذب دنیا میں اسکی ابتداء ہی مذہبی مسیحی سوانگ تماشوں سے ہوئی ہے! یہ کہیے کہ تثلیث کے شرک نے اب پھر علانیہ اور بے محابا فسق و آلات فسق سے استمداد اور ساز باز کی ٹھان لی ہے!

مذہب یونیورسٹیوں میں

ایک ماہر تعلیم اور موجودہ وزیر تعلیمات حکومت آصفیہ دکن کی ایک تازہ تقریر کا اقتباس :-

" مذہب اور اخلاقیات کی تعلیم پر جو آپ کے ہاں زور دیا جا رہا ہے وہ مناسب ہے۔ اب دیگر ممالک بھی آپ کی ہمنوائی کر رہے ہیں۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ ولایت کے ماہرین تعلیم کی پارٹیوں میں بھی یہی خیالات ظاہر کیے جا رہے ہیں۔ دو ماہ قبل باہر سے دو ماہر تعلیم حیدرآباد آئے تھے۔ جامعہ عثمانیہ کے معائنہ کے دوران میں انکی نظر ان تختیوں پر پڑی جن پر اخلاقیات اور لازمی دینیات لکھا ہوا تھا۔ چلتے ہوئے ان ماہرین تعلیم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا جامعہ عثمانیہ میں مذہبی تعلیم کا بھی انتظام ہے؟ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ جامعہ عثمانیہ کی ابتدا ہی سے یعنی ۲۵ برس سے یہاں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے تو انھوں نے بڑی طمانیت کا اظہار کیا اور کہا کہ اب متمدن دنیا کے بھی یہی رجحانات ہیں، اور غور کیا جا رہا ہے کہ مذہب و اخلاقیات کو لازم کر دیا جائے۔ جو چیز آپ کو ۲۵ برس سے حاصل ہے، دنیا اسکی ضرورت اب محسوس کر رہی ہے"۔ (رہبر دکن)

کیا ارشاد ہوا؟ مذہبی تعلیم کا کہاں تو علم دوست، علم پرور، علم نواز یونیورسٹیوں میں کوئی نام بھی نہیں لے سکتا تھا (لکھنؤ یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی، کلکتہ یونیورسٹی اور بمبئی یونیورسٹی، ناگپور یونیورسٹی، اور پنجاب یونیورسٹی میں کوئی یہ نام لے کر دیکھے تو!) اور کہاں اب یہ تجویز کہ مذہبی کورس کو یونیورسٹیوں میں داخل ہی نہیں، لازم بھی کر دیا جائے! یعنی بغیر مذہبی تعلیم حاصل کیے کسی کو ایم ۔ اے کی سند بھی نہ مل سکے —— ٹرکی کا تجدد اور ہندوستان کا تجدد اس خبر کو سن کیا کریگا!

رہی جامعہ عثمانیہ، تو اسکی ۲۵ سالہ دینی خدمات بجائے خود ایک مستقل مقالہ کا موضوع بن سکتی ہیں!

"روشن خیال" امریکہ!

" نیو یارک ۔ ۲۱ - جون - واشنگٹن کی اطلاع ہے کہ کہانت اور جوتش کی اب خوب بن آئی ہے۔ اور آپ ٹیکسی میں جا رہے ہوں، دکان پر گشت لگا رہے ہوں، شبینہ کلب میں ہوں، آفس میں ہوں، ہوٹل میں ہوں، کیبن میں ہوں، آپ جوتشی سے اپنے مستقبل کا نقشہ دریافت کر سکتے ہیں۔ ایک ڈالر خرچ کیجیے تو حسب ذیل سوالات کے جوابات لیجیے :-

جان نے میرے ہوتے ہوئے اس دوسری لڑکی کو کیسے پسند کر لیا؟

لوہے کے کاروبار میں اپنا روپیہ لگا دوں؟

میری شادی کب تک ہو گی؟

اور چار ڈالر اگر گرہ سے نکالیے، تو ان سوالوں کے جواب پائیے :-

جنگ (جاپان) کب ختم ہو جائیگی؟

اب کی انتخاب میں میری جیت یقینی ہے؟

پٹرول کی مقدار کب سے زیادہ ملنے لگیگی؟

ان جوتشیوں کے سرپرست اور قدردان، بڑے اور چھوٹے حکام، اہل سیاست، کانگریس کے ممبر وغیرہ، سب ہی قسم کے لوگ ہیں"۔
(گلوب ایجنسی، ملخصاً)

(ملاحظہ ہو صفحہ ۴ کالم ۲)

سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۲

(سلسلۂ صدق ۱۵)

وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ، فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔	اور مطالبہ کو اُس (فریق) کے پاس خوبی سے پہونچا دینا چاہیے[۳۲۹]۔ یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے[۳۳۰]۔ سو جو کوئی اسکے بعد بھی زیادتی کریگا، اُسکے لیے عذاب دردناک ہے[۳۳۱]۔
۱۷۹۔ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔	اور تمھارے لیے اے اہلِ فہم (قانونِ) قصاص میں زندگی ہے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ[۳۳۳]۔
۱۸۰۔ كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ۔	تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو، بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ رہا ہو، تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں معقول طریقہ سے وصیت کر جائے۔ یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر[۳۳۴]۔

۳۲۹ اور خواہ مخواہ جھیڑ چھاڑ، شور و فساد کا موقع نکالنا چاہیئے)
یعنی مقتول کا فریق، جو اب مدعی یا مستغیث ہوگا، خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت و آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اُسکے جوش کو نہ بڑھا دے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی۔
شدت و اشتعال طبع کے نازک موقعوں پر بھی رکھ رکھاؤ کی احتیاط رکھنا، اور حسنِ معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعتِ اسلامی کا خصوصی حصہ ہے۔

۳۳۰ اب یہ تاکید قاتل یا اُسکے فریق کو ہو رہی ہے۔ ان ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے یہی چاہیے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہو چکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت و پیچیدگی و بدمزگی کے، فریقِ مقتول یعنی مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہونچا دیں۔
الیہ میں ضمیر فریقِ مقتول کی جانب ہے۔
والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک)
فطرتِ بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل و مقتول ہر دو فریق کے مصالح و جذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی ہی قانون کی شان ہو سکتی ہے۔

۳۳۱ ذٰلک یعنی یہی حکم جو اوپر فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ کے اندر مذکور ہو چکا۔
یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیة (مدارک)
ایک طرف قصاص کی یہ ظاہر سختی، دوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حسنِ امتزاج اور اعتدال و توازن کا یہ کمال قوام اُسی قانون کا حصہ ہو سکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمتِ مطلق سے نکلا ہو۔

۳۳۲ (آخرت میں)
اعتداء یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہ بھی کہ کسی بےگناہ پر قتل کا جھوٹا دعوے دائر کر دیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کر دیا، اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہو گئے۔ وقس علی ہذا۔ ایسے بیدردوں اور ناخدا ترسوں کو صرف خوفِ آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔

۳۳۳ قانونِ قصاص عینِ عدل و مساوات کا قانون ہے، اور ہیئتِ اجتماعی کے نظم و قیام و راستی کا بہترین ضامن و کفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے، اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھاتے رہا کریں۔ امت کے مختلف طبقوں میں ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان و دلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔
اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہیگا، اس قانون کی روح امت میں سرایت کر جائیگی، تو ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائیگا، اور آئین پسندی، باہم صلح سازگاری، مدد و معاونت جزوِ زندگی بن جائیگی، اور امت دیکھتے ہی دیکھتے امتِ صالحین و ابرار، امتِ عادلہ کہلانے کی مصداق بنجائیگی۔

۳۳۴ یہ حکمِ وصیت آیتِ میراث کے نزول سے (جس میں جملہ حقداروں کے حصے معین کرکے بتا دیے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔
نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی)
اس لیے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اس آیت متأخر ما بعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔
جائداد کی تقسیم اب آیتِ میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائداد کے ایک ثلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے، اور اسکی تصریح بھی اسی سورۃ النساء کی آیتِ میراث میں موجود ہے۔
وصیتہ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں، جو وصیت کر جانے والے کی موت کے بعد قابلِ عملدرآمد ہوتی ہیں)۔

(۱۸۱) فمن بدّله بعد ما سمعه فانما اثمه على الذين يبدّلونه، ان الله سميع عليم	پھر جو کوئی اُسے اسکے سننے کے بعد بدل ڈالے، سو اسکا گناہ بس اُنھیں پر ہوگا جو اُسے بدل ڈالیں، بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں

(۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجۂ واجب میں ہے۔ مثلاً ادائے زکوٰۃ، کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔

(۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کارِ خیر کے لیے وصیت کر جانا یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصہ نہ پہونچ رہا ہو۔

(۳) بعض صرف مباح ہوتی ہیں، جیسے کسی امر جائز کے لیے وصیت کر جانا۔

(۴) انکے علاوہ بعض وصیتیں بھی ہوتی ہیں جنکی تعمیل ممنوع ہے، وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائیں گی۔ مثلاً کسی کا شراب یا کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا۔

(۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ انکی تعمیل شرط کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً ترکہ کے ایک ثلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اسکی تعمیل دوسرے ورثہ کی رضامندی پر موقوف رہیگی۔

الوصیۃ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے۔ اور اسی معنی کا لحاظ کرکے اسکے لیے فعل مذکر (کُتِبَ) لایا گیا ہے، ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (کُتِبَت) آنا چاہیے تھا۔ اور تاءِ تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیۃ اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے۔ اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاءِ تانیث حذف ہو جاتی ہے۔ (قرطبی)

خیراً۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے، مالِ طیب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔ مثلاً قل ما انفقتم من خیر (سورۂ بقر) یا وما انفقوا من خیر (سورۂ بقر) وقس علیٰ ہذا

بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر، مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخیر ہٰہنا المال من غیر خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء وانما سمی المال ہٰہنا خیراً وہنا علی معنی لطیف وہو ان الذی یحسن الوصیۃ بہ ما کان مجموعاً من المال من وجہ محمود (راغب) ای مالاً کما قالہ ابن عباسؓ ومجاہد (روح)

ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استناد کرکے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت ہر حال کر جانا چاہیے۔ دوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھہرایا ہے۔ امام نخعی کا قول اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ وصیت کر گئے تھے، لیکن خود رسول اللہ صلعم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔

وقال النخعی مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یوص وقد اوصی ابو بکر فان اوصی فحسن، وان لم یوص فلا علیہ شئی (قرطبی)

بالمعروف۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر، عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کرکے۔ حسن معاشرت وحسن معاملت دونوں قسم کے احکام کے بیچ پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔

علی المتقین۔ متقین سے یہاں مراد مومنین ہیں۔ انکے وصف تقویٰ کا ذکر کرکے مراد خود اُنھیں سے لی گئی ہے۔

مراد بالمتقین المومنون وہم الذین اتقوا الکفر (بحر) والمراد بالمتقین المومنون (روح)

(بقیہ صفحۂ ۲)

عقل پرستی کے مدعیوں کو، دعویٰ آخرت کے عقیدہ سے استخفاف کرنے۔ الوں کو بھی شیطان اپنی انگلیوں پر کیسا کیسا نچاتا رہتا ہے! ــــ کن کن پستیوں میں بیچاروں کو اُترنا پڑتا ہے، کیسے کیسے کھڈوں، خندقوں، غاروں میں اوندھے منہ گرنا پڑتا ہے!

مسجدِ ضرار ایک مراسلہ نگار پنجاب سے صدق کے ایک نوٹ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:۔ ”لندن میں نئے خانۂ خدا، تعمیر پر آپ نے جو نوٹ لکھا تھا اُس پر یہاں کے ... اختلافی تبصرہ کیا ہے۔ ممکن ہے پرچہ آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو، اس لیے اُسکا تراشہ ملفوف ہے۔“

لمبا تراشہ موصول ہوا۔ معاصر موصوف کے اختلافات کا خلاصہ صرف اسقدر ہے کہ عمل کا انحصار نیت پر ہے اور برطانیہ کی نیت ظاہر ہے۔ یہ مسجد برطانیہ نواز علماء کی سرگرمیوں کا مرکز بنائی جائیگی اور اس سے مسلمانوں میں تفریق کا کام لیا جائیگا، اس لیے یہ مسجد ”مسجد“ ہی نہیں، بلکہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل ہے، جسے قرآن مجید نے برباد کردینے کا حکم دیا تھا۔

افسوس ہے کہ تبصرہ چند در چند غلطیوں پر مشتمل ہے۔ پہلا دعویٰ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، لیکن اُسکو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ عمل کا مدار نیت پر صرف عامل کے لحاظ سے ہے، دوسروں کو اُس سے مطلق غرض نہیں۔ یعنی نیت اگر فاسد ہے، تو صاحب عمل کو کچھ اجر نہ ملیگا، باقی دوسروں پر اسکا کوئی اثر نہیں۔ کوئی شخص مسجد محض اپنی ناموری کے خیال سے بناتا ہے تو وہ اجر سے محروم رہیگا، لیکن خود عمارت کی مسجدیت میں اس سے کوئی فرق نہ آئیگا، وہ بدستور مسجد اپنے تمام احکام کے لحاظ سے رہیگی۔ ”مسجد ضرار“ کا حکم کسی مسجد پر جاری کرنے سے پہلے اُسے مسجد ضرار ثابت کرنا ضروری ہے۔ محض بدگمانی، یا احتمالات ہرگز کسی مسجد کو اس حکم میں لانے کے لیے کافی نہیں۔ رسول اللہ صلعم سے بڑھکر دانا تر، حکیم تر، فہیم تر کون بشر ہو سکتا ہے۔ آپ نے بھی اُس مسجد کو اپنی رائے واجتہاد سے ڈھا نہیں دیا تھا، جب تک کہ وحی الٰہی صاف صاف اسکے متعلق نہ آگئی۔ (باقی ہے)

فکر سندھی پر تبصرہ

نمبر (۷)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اس تمہید کے بعد ارشاد ہوتا ہے یعنی "اسی کا نتیجہ ہے کہ سامیوں کے پیغمبر خدائی پیغام کے ترجمان ہونے کے باوجود انسان ہی رہتے ہیں لیکن آریوں کے ہاں جو ذات پیغام کی حامل ہوتی ہے وہ خود پیغام بھیجنے والے کی مظہر ہو جاتی ہے"

اور فرماتے ہیں

"چنانچہ ایک میں خالص توحید ہے اور ایک اجسام و مظاہر میں خدا کو پاتا ہے" (صفحہ ١٥٥)

آپ نے سمجھا وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یعنی عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کا جو خیال ہے اور لم یلد سے قرآن نے جیسی تردید کی ہے، اور کیسی سخت تردید

تکاد السموات یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال ان دعوا للرحمٰن ولدا	قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اور شق ہو جائے زمین اور ڈھیر ہو جائیں پہاڑ اس وجہ سے کہ انھوں نے "الرحمٰن" کے لیے ولد

(بچہ) ہونے کا دعویٰ کیا۔

توحید قرآنی خاص چیز نہیں؟

اسکی وجہ کہ قرآن کا لہجہ اس مسئلہ کے متعلق اتنا سخت کیوں ہے، ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ میری کسی کتاب میں اسکی تفصیلات پڑھنا چاہیے۔ اسوقت تو مجھے کہنا یہ ہے کہ قرآنی حکمت کی اسی عظیم معرفت کو سندھی نے کیسا ہلکا بنا کر دکھا دیا۔ گویا یہ وہی توحید شہودی و وجودی والے اختلاف کی نوعیت ہے اور قومی خصوصیت ہے جس میں وہ بیچارے مجبور تھے۔ حد تو یہ کردی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر الزام لگایا کہ یونانی ذہنیت کی رعایت سے انھوں نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔ قرآن میں ان حواریوں کا جو مقام بیان کیا گیا ہے اسے پڑھیے اور سندھی صاحب نے اپنے اوپر قیاس کرکے انکو بھی اسی کا مریض قرار دیا جس میں خود مبتلا ہیں۔

اسی طرح ہندوؤں کا یہ خیال کہ جب دنیا کی اصلاح کا وقت آتا ہے، تو گو انکے محققین نے شدت سے اس کی تردید کی ہے[له] لیکن عوام کا خیال یہی تھا کہ خدا کسی آدمی کی کوکھ اور قالب میں جنم لیتا ہے۔ اسی بنیاد پر رام چندر جی کے متعلق انکا خیال تھا کہ دسرتھ راجہ اجودھیا کے گھر خدا پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح سری کرشن کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تعبیر اوتار کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ لم یولد (یعنی خدا کسی کا بیٹا بن کر نہیں پیدا ہوتا) اس لفظ سے اس عقیدہ کی تردید قرآن میں کی گئی ہے۔ لیکن سندھی صاحب نے اسکو بھی آریائی ذہنیت کا ایک ایسا نتیجہ قرار دیا ہے کہ گویا اُنکے دماغ سے یہ خیال نکل ہی نہیں سکتا اور اس عقیدہ میں ترمیم کی کوئی حاجت نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانیں یا ہندو خدا کو دسرتھ کا فرزند قرار دیں انکے نزدیک یہ باتیں قابل لحاظ نہیں ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کے ایسے اہم مسائل بھی قرآن کی مخصوص صداقتوں میں جب نہ رہے بلکہ انکی مخالفانہ شکلیں بھی اسی طرح صحیح ہیں جس طرح قرآن کی بتائی ہوئی باتیں، تو قرآن کو مان کر ایک مسلمان اُس میں آخر کیا پائیگا؟ قانون تو اسکا پہلے ہی غیر ضروری اور اس قابل ٹھہر چکا تھا کہ ضرور بدل جائے اور قانون کے سوا اس میں اسی قسم کے کچھ حقائق و معارف ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم اور چوٹی کے مسئلے یہی توحید و شرک اور مسئلہ صفات و ذات تھے۔ جب وہ بھی گئے تو اب قرآن میں باقی کیا رہا جس سے آدمی اپنی غلطیوں کی تصحیح قرآن سے کرے۔ لے دے کے صرف عربی زبان میں اسکا ہونا، سو سندھی صاحب مسلسل اول سے آخر تک عربی زبان اور عربیت کی اپنی کتاب میں تعریفیں کرتے چلے آئے ہیں، اور آخر میں تو کھل ہی کر کہہ دیا ہے۔ جیسا کہ اُنکے الراویہ راوی ہیں:—

"مولانا کے خیال میں قرآن کی تعلیم کا اصل مقصود اسکے معانی ہیں۔ الفاظ پر زور دینے والے عربی تفوق کے داعی ہیں" (صفحہ ٢٧١)

اور بڑے زور سے آپ نے مقتدیانہ رنگ اختیار کرکے ارشاد فرمایا ہے۔

قرآن عربی میں یوں ہی نازل ہوگیا؟

"چنانچہ امام ابو حنیفہ فارسی زبان میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور انکی طرف رجوع کا قصہ گھڑا گیا ہے۔[ﮦ]

معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یورپ والوں کی نکتہ نوازیوں کے سلسلہ کی وہ بات یعنی خلق قرآن کا مسئلہ جس نے خلافت عباسیہ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل کرلی تھی، آپ نے اسکو عربی اور غیر

[له] مسٹر بی ٹی سری نواس آئنگر اپنی مشہور کتاب "اصول فلسفہ ہنود" میں یہ لکھنے کے بعد کہ "اوتار کے معنی عموماً یہی سمجھے جاتے ہیں کہ یہ ایشور ہی کی ذات ہوتی ہے جو عالم خاکی میں نازل ہوتی ہے" وہی اسکے بعد رقمطراز ہیں کہ "یہ بالکل لغو بات ہے۔ ایشور ہر جگہ ہوتا ہے۔ اس لیے اُسکے واسطے نزول ایک ناممکن الفعل شے ہوگی۔ الخ"

[ﮦ] بعض ہندو مصنفین اوتار [illegible] کی توجیہ میں کہتے ہیں کہ ترقی یافتہ ہستیوں میں کبھی ایک ایسی [illegible] آجاتی ہے جس سے معمولی آدمیوں کا قلب طاری ہوتا ہے۔ خود کرشن جو اوتار کے ایک کامل نمونہ ہیں ہونے سے پہلے معمولی انسان کے شکل ہو جاتے ہیں۔ ص٢٥١ (اصول فلسفہ ہنود مترجمہ دار الترجمہ)

عربی کے اختلاف کی طرف اس طرح منسوب کیا ہے کہ گویا جناب والا ہی کی کوئی نئی اُپج ہے۔ حالانکہ مستشرقین یورپ کی خود یہ ایک شاعری ہے، جسکے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔ البتہ ارماڈیوک پکتھال مرحوم نے ایک دفعہ یہ بیان کیا تھا کہ لینن نے چند باتوں کے انجام دینے کا عزم بالجزم کیا تھا۔ ان میں قرآنی حروف بدلنے کی بھی تجویز تھی۔ لیکن لینن کے بعد چونکہ اشتراکی تحریک کو صرف روس تک محدود کردیا گیا۔ اسلیے بات آگے نہ پھیلی۔ بہرحال فقہ رخصت ہوئی۔ حدیث زبانی وہ کہانی بنکر رہ گئی۔ قرآن کا قانون مثال و نمونہ بنکر ختم ہوا۔ حکمت قرآنیہ میں جو اہم ترین معارف تھے انانیت بنگئے کہ وہ صرف ایک لفظی نزاع کی غلط فہمی تھی۔ بتایئے کہ مسلمانوں کے جس اسلام کو کفر سندھی صاحب نے قرار دیا تھا اس کفر کے ازالہ کے لیے وہ اب کہاں جائیں۔

اسکے سوا آخر ان تمام باتوں کا مطلب اور کیا ہوسکتا ہے کہ سندھی صاحب جس پروگرام کو بنام اسلام پیش کریں مسلمانان ہند اسی کو اسلام باور کرکے کافر ہونے کے بعد مسلمان ہوجائیں۔ سندھی صاحب کا تفصیلی پروگرام اس کتاب میں نہیں ہے لیکن "کلمۂ اسلام" کی جو جدید تفسیر اس کتاب میں سندھی صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہے اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ چاہتے کیا تھے۔ الراویہ راوی ہیں۔

مقصود صرف شخصی "انا" کی بیداری ہے

مولانا نے اس خیال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی "انانیت" کا بیدار کرنا انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد ہے"

مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے شخصی "انا" یا "شعور ذاتی" میں حق تعالیٰ کی معرفت و قرب محبت کے احساس کو بیدار کرلے۔ یہی انانیت کی بیداری ہے اور یہی انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصود ہے۔ فرماتے ہیں۔ یعنی سندھی صاحب کے الفاظ نقل کرتے ہیں "جب اس زندگی میں کسی فرد کی "انانیت" بیدار ہو جاتی ہے۔ تو موت کے بعد جب بدن اور اس کی انانیت میں مفارقت ہوجاتی ہے تو یہ انانیت دوسری دنیا میں بلا خوف و خطر ترقی کی راہیں طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اسے ہم فوز و فلاح اور جنت کہتے ہیں۔ اور جسکی انانیت خوابیدہ رہی اور ظلم و کفر کی وجہ سے اس نے اپنی "انانیت" کو ڈھانپے رکھا تو اس زندگی کے بعد جہنم کا عذاب ان پردوں کو جلاکر پھر اس "انانیت" کو مجلی اور بیدار کردیگا۔ جس دن اس شخص کی "انانیت" بیدار ہوجائیگی وہ جہنم سے نکل جائیگا"

مولانا نے فرمایا "محشر نام ان تمام "انانیتوں" کے ایک مرکز پر جمع ہونے کا ہے" (صفحہ ۱۰۱)

اس تقریر میں جو کچھ کہا گیا ہے اسکے دوسرے اجزاء سے سردست مجھے بحث نہیں۔ جنھوں نے "اخوان الصفا" کے رسائل پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کہاں سے لیے گئے ہیں، بلکہ مجھے اسوقت صرف یہ کہنا ہے کہ ہم عامی مسلمان تو یہ جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو قیام قیامت تک ہر انسان کے لیے آخری پیغام ہے۔ اس کی تکذیب اور اس نبوت کو اپنے لیے قرار نہ دینا اسی کا نام کفر ہے، اور محمد رسول اللہ اور آپ کی لائی ہوئی باتوں کو ماننا اسی کا نام ایمان ہے۔ لیکن یہ بات کہ "انانیت کی بیداری" اسلام ہے اور اسکی خوابیدگی کفر ہے۔ ہم اس سے ناواقف ہیں۔ بیشک انانیت کی یہ بیداری "اسلامی تصوف" کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا یہی اصل الاصول ہے۔ یعنی جس نے یہ کرلیا اس نے سب کچھ کرلیا۔ اور جس نے یہ نہیں کیا وہ بیچارہ جہنمی ہوگا، اور اپنے پردوں کو جلوانے کے لیے اسے جہنم میں کودنا پڑیگا۔ سندھی صاحب کیا یہ بتا سکتے ہیں۔ مگر جب وہ یہ کہتے ہیں کہ

تصوف شریعت سے بالا تر ہے

"اس تصوف کا پیام سب کے لیے ہے۔ کسی دھرم یا شریعت کی اس میں تخصیص نہیں" (صفحہ ۱۰۰) تو معلوم ہوا کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تکذیب کرے، آپ کی نبوت عامہ اور خاتمہ ہونے کو جھٹلائے لیکن اپنی انانیت کو بیدار کرلے، بس وہ نجات کا مستحق ہے پس دراصل مذہب کی اصلی روح یہی "فرد کی انانیت کی بیداری" ہوئی۔

---

۳ سب دیکھتے ہوئے یوں ہی اس شخص نے ایک بات کہدی اور خود یہ مشکوک ہے کہ حضرت امام نے یہ فتوےٰ محض اُن لوگوں کے لیے دیا تھا، جو عربی زبان کے تلفظ پر قادر نہ ہوں۔ یعنی جب تک قرآنی سورتیں انکو یاد نہ ہوں اُسوقت تک ترجمہ سے کام چلاکر نماز تو پڑھ لیا کریں۔ اور بعد کو علماء نے لکھا ہے کہ انکے تلامذہ کی جو رائے تھی اس کی طرف رجوع فرمایا ہے۔ لیکن اتنا سخت لفظ "گھڑتے" کا صرف اس لیے اُنکی زبان سے نکل گیا ہے کہ بار ثبوت سے اپنے دعووں کو وہ ہمیشہ مستغنی سمجھتے ہیں۔ فقہ میں گفتگو اسکے اصول و قواعد ہی سے ہوگی، یا جو جی میں آیا کہدیا۔ کیا سندھی صاحب یا ان کے عقیدت کیش ثابت کرسکتے ہیں کہ کسی عالم نے بھی رجوع کے قصہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ گھڑا ہوا قصہ ہے ۱۲

۴ علماء ازہر کے درس میں بیٹھ کر انکی پیغمبرزی کے احساسات لیے ساتھ لائے ہیں اُن پر حیرت ہوتی ہے۔ کیا وہ اتنی بھی عربی نہیں جانتے۔ پھر مصری علماء کے لکچر وہ کیسے سمجھتے تھے ۱۲

۵ یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں ہر جگہ "انا" کے الف یا ہمزہ کو مد کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یعنی "آنا" اور اسکا التزام کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاتب کی غلطی پر اسکو محمول کرنا مشکل ہے۔ سندھی صاحب سے اسکی توقع نہیں ہوسکتی۔ لیکن سرور صاحب تو مصر میں رہے ہیں ۴

علم عربی اور امرائے زمانہ

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر، ضلع بستی)

نمبر (۳)

حضرات! ہماری بدقسمتی سے علم عربی کا بہت بڑا صغر ہے مقام غور ہے آپ اس وقت کسی اچھے سے اچھے ٹیچر اور ایم اے بی اے کو چاہیں تو فوراً ضرورت سے زیادہ اعلیٰ معیار کے بہت سے اشخاص آپ کو مل جائینگے۔ لیکن ایک اعلان آپ ایسا نکلوا کر دیکھیے کہ ہم کو ایسے جید عالم فاضل کی ضرورت ہے جس میں فلاں فلاں اوصاف اور قابلیت ہوں، تو شاید آپ کو کسی طرف سے ایسا جواب نہیں ملیگا۔ اور آپ کو مایوس ہونا پڑیگا۔ بخلاف اسکے انگریزی ایم اے۔ بی اے کی تعداد اور اُن میں سے اعلیٰ معیار کے لوگ کثرت سے مل جائینگے۔ اس ترقی و زیادتی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انگریزی تعلیم و تہذیب کو روٹی کا بہت قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اس لیے ہزارہا ہزار روپیہ کے خرچ سے بھی اس تعلیم کو اس لالچ میں حاصل کرتے ہیں۔ اس تعلیم کا مطمح نظر صرف روٹی کا سوال ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سودا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ اتنا لے کے نہیں آتا جتنا دے کے آتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اکبر الہ آبادی نے اشارہ کیا ہے ؎

ترقی پانے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھوکر
غضب یہ ہے کہ سمجھے جاتے ہیں سب جاکر چمکتے ہیں

دراصل لطف یہ ہے کہ یہ جماعت اگرچہ مانیوگی تھی روٹی کیلیے، یہ بھی ملی نہیں۔ البتہ ایک قیمتی چیز دین تھی جسے دے کے آئی۔ کالج کے ان نوجوانوں کی روح اسلام سے ناشناسی و بیگانگی ہی سے متعلق اقبال فرماتے ہیں ؎

میں کہ کتب بایں دانش چہ نازی کہ نامد بکف ہزاد و جان تن بُرد

کونسلوں اور اسمبلیوں کی یا وزارت کی چند کرسیاں عامۃ المسلمین کی اقتصادی مشکلات کا کوئی حل نہیں۔ علاوہ ازیں سوال شکم پری کا نہیں ہے یوں تو شاہراہ ان بازاری بھی کھا لیتی ہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ انکی تہذیب جدید میں دنیا کے امن و امان کا کیا سامان ہے؟ انکی معیشت اور معاشرت کے اصول اور سائنس کی ترقی میں دنیا کی فلاح کے لیے کیا نوید ہے؟ انکے تعلیم و تہذیب کے ثمرات و نتائج کیا ہیں؟ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے بارے میں بیان کس قسم کا ہے۔

حضرت مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کے رسائل تنقیحات تنقیحات کے دیکھنے والے اور مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے اخبار صدق کو برابر مطالعہ میں رکھنے والے، قاری محمد طیب صاحب ناظم دار العلوم دیوبند کی تصنیف تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام کے پڑھنے والے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ان مفکرین نے مغربی تعلیم و تہذیب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کیطرفہ فیصلہ نہیں ہے بلکہ حالات کا صحیح اندازہ کر کے لکھا گیا ہے۔ ان بزرگوں کے فیصلہ کی روشنی میں خالص انگریزی تہذیب و تعلیم ہمارے لیے حد درجہ مایوس کن ہے۔ فردوسی وقت حفیظ جالندھری اپنے تلخ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں

ہزاروں اور ہیں جنکا یہی انجام ہوتا ہے
نئی تعلیم کی تکمیل ہی ناکام ہوتا ہے

حضرات! نصرانی تمدن اور یورپین ترقی اور مغربی تہذیب آج خود انکے لیے تباہی کا باعث اور بلاے جان ہو رہی ہے۔ اب وہ خود اپنے تمدن اور تہذیب کو ایک مصیبت سمجھ رہے ہیں اور اپنے اسی تمدن و تہذیب کے ہاتھوں آج وہ خود گرفتار رنج و بلا ہیں۔ الغرض انکی تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کا جو حال ہے اُسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہاں اکثر اقبال مرحوم کے حکیمانہ شعر میں جو اشارہ ہے آج سب کچھ وہی ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

تمھاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرےگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنےگا ناپائدار ہوگا

اب رہا یہ بات کہ بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ علمائے عربیہ کی کثرت کا سوا اسکے اور کیا انجام ہوگا کہ ملک میں گداگروں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جائے۔ اولاً یہ عرض ہے کہ حاجتمند علماء کی اعانت کرنی اور پھر انکو طعنہ دینا اصول اخلاق و تہذیب کے یکسر منافی ہے بیشک گداگری بُری چیز ہے، لیکن ضرورت سے مجبور انسان کی امداد کرنی اور پھر گداگر کہکر اسکے دل کو مجروح کرنا اس سے بھی زیادہ بُری بات ہے۔ اشارہ ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ - (بقرہ)

یعنی اپنی زکوٰۃ کو احسان جتا کر اور صدمہ پہونچا کر ضایع نہ کرو۔ اس لیے علماء حضرات یہی کہینگے کہ بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی۔

(باقی آئندہ)

خلاصۂ مراسلات

مولوی عبد الرؤف خاں صاحب ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر ضلع بستی لکھتے ہیں:- "ایک ہزار جن صاحبین نے دینے کا وعدہ فرمایا تھا انکا پانچسو تو وصول ہو چکا ہے، باقی بھی انشاء اللہ وہ بھی ملجائیگا مگر "صدق" کے ناظرین اور "المحدث" کے ناظرین اتنک تو یہ نہ فرما سکے۔ میرا جیب اب خالی ہے۔ عمارت کا اللہ والی ہے۔ لہٰذا بہرحال اگر اعانت نہ ہو سکی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصے بغیر تعمیر کے رہ جائینگے اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے۔"

مراسلہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں:-

(۱) شیخ خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(۲) جو میری تیغ دو دم تھی اب مری زنجیر ہے

شوخ و بے پروا ہے کتنا خالق تقدیر بھی [illegible]

(۳) تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے

بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم

بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

دام فیضہٗ - السلام علیکم - ان چھ مصرعوں کی نسبت عرض ہے کہ آپ شرعی نقطۂ نظر سے انکو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے سے ممتاز فرمائیں -

چھٹے مصرعہ "بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے" کی بابت یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ یہ مصرعہ "ید اللہ مغلولۃ" کے تحت میں آتا ہے یا نہیں؟ زیادہ ادب - والسلام

اشعار ذیل کی نسبت بھی رائے عالی سے سرفراز فرمایا جائے:-

نبی اور صدیق صالح شہید | کی تنقیص ہے کفر و فسق شدید

کرے گا جو تنقیص رب قدیر | اگرچہ ہو علامۂ بے نظیر

وہ گو نغز گوئی میں ہو بے نظیر | مگر ہو گا مردود رب جلیل

احقر صفدر (از خود بکو)

صدق - مبالغہ، غلو، افراط و تفریط، بے اعتدالی شاعری کا جزو اعظم تقریباً ہر دور اور ہر قوم میں رہے ہیں۔ شاعری کی بنیاد ہی جذبات پر ہے، اور معلوم ہے کہ جذبات کی شدت توازن فکری کی دشمن ہے - وحی الٰہی نے اسی لیے شاعری کو پیمبری کے بالکل منافی قرار دیا ہے - وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ - حالانکہ اہل جاہلیت کلام کے محض جوش، زور اور تاثیر کو دیکھ کر قرآن کو شعر قرار دے رہے تھے۔ اور وحی الٰہی نے یہی فیصلہ فرمایا کہ شاعر بیچارہ تو خیال و ضلال کی وادیوں میں سرگرداں پھرتا ہے - وہم فی کل واد یہیمون - اور اسکے پیچھے تو بس وہی لوگ ہو لیتے ہیں جو خود ہی جادۂ معانی سے بھٹکے ہوئے، خالی ذہن و بے توازن ہوتے ہیں - والشعراء یتبعہم الغاوٗن۔

پھر ہر انسان کی طرح شاعر پر بھی زندگی کے مختلف دور گزرتے ہیں۔ عمر، علم، تجربہ، احوال کا تفاوت اُسے کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ نوجوانی کا رند اکثر پیری کے وقت زاہد ہو جاتا ہے - اقبال نے کہاں تو کبھی یہ کہا تھا کہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اور کہاں حجاز کے نام پر جان دینے لگے تھے - اور وطنیت سے متعلق یہ فرمانے لگے تھے ؎ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے؛ جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے -

ملا جامیؒ کی مذہبیت اور دینداری میں کسے کلام ہو سکتا ہے باوجود اسکے کلام میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر توہین انبیاء جیسے شدید جرم کی مثالیں ملتی ہیں - مولانا سے رومی سے بڑھ کر عارف باللہ اور کون ہوگا؟ اس پر بھی مثنوی کے اشعار خصوصاً حکایات ایسے ہیں، جنکی توجیہ و تاویل میں اچھی خاصی دشواریاں آتی ہیں - اور حافظ شیرازی کے کلام کے الفاظ و عبارت کو پوچھئے ہی نہیں - تا سر ایک دعوت فسق!

ان حقائق و تصاویر کو پیش نظر رکھنے کے بعد پھر شاعر کے منقولہ بالا ۶ مصرعوں کی بابت سوال کچھ بہت زیادہ اہم و پریشان کن نہیں رہ جاتا - مصرعوں کے الفاظ یقیناً خلاف احتیاط اور مضمون کا ظاہری پہلو یقیناً خلاف شریعت ہے - لیکن شاعر اگر مسلمان تھا، تو کلام کی توجیہ و تاویل ناممکن بھی نہیں - ہو سکتا ہے کہ مصرعۂ اول میں ہستی شیخ کو ذات محمدیؐ میں فانی فرض کر کے اُسے اس خاص حیثیت سے سب سے اعلیٰ و اشرف قرار دیا ہو - اسی طرح ممکن ہے مصرعہ (۲) میں "شوخ و بے پروا" واللہ غنی عن العالمین' اور ان اللہ لا یستحیی من الحق کا ترجمہ ہو - مصرعہ ۳ تا ۶ میں شاعر اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کر رہا ہے، بلکہ خالق کی صفات رحیمیت، رزاقیت و ربوبیت کو بروئے کار لانے کے لیے طنز اور غیرت دلانے کا اسلوب بیان اختیار کر رہا ہے - رسول اللہ صلعم کی دعا کے الفاظ جنگ بدر کے موقع پر غلبۂ کفار کے وقت خیال میں رہیں - نیز قرآن مجید کی یہ آیتیں - (حضرت موسیٰؑ کی زبان سے) ان ہی الا فتنتک - یا حتیٰ اذا استیأس الرسل وظنوا انہم قد کذبوا - ید اللہ مغلولۃ تو یہود نے پیمبرؐ کی تکذیب و تضحیک کے لیے کہا تھا، جب آپؐ مسلمانوں سے انفاق مال کے لیے کہہ رہے تھے - اسکا شاعر کے اس نعرۂ مستانہ سے کوئی تعلق نہیں -

آخر کے تین شعر بلحاظ مضمون درست ہیں - لیکن یہاں وہ بالکل ہی چسپاں نہیں ہوتے - انکے حکم کے تحقق کے لیے لازمی ہے کہ پہلے تنقیص رسول، تنقیص ثابت ہولے - اور ایسے شدید جرم سے ایک مسلم کو بچانے کے لیے اُسکے کلام کی ہر ممکن تاویل کر لی جائیگی -

البتہ جس کلام سے شبہۂ تنقیص بھی پیدا ہوتا ہو، اُس سے بھی حتی الامکان احتیاط واجب ہے -

(بقیہ صفحہ ۴)

آج اگر وحی نہیں آسکتی تو کم از کم انسانی معیار سے تو ثبوت قطعی ہونا ہی چاہیے - مسامرہ مرحوم حقیقۃً بڑی خدمت کرتا اگر اس باب میں نقد شہادتیں پیش کر دیتا - "نظام باطل" کے ماتحت تو ظاہر ہے کہ اسوقت ہندوستان کی ساری مسجدیں ہیں - تو کیا محض اسی بنا پر انھیں مسجدیت سے خارج کر دیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی کلمہ گو کو منافق قرار دینے کے لیے بڑی حجت قوی، اور شہادت قطعی کی ضرورت ہے اسی طرح کسی مسجد کو بھی حکم مسجد سے خارج کر دینا بڑی اہم اور نازک ذمہ داری ہے -

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ
(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اسے سچ مانا وہی پرہیزگار رہیں)

سہ روزہ

صدق

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلیس، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ؍
ٹیلیفون نمبر ۱۴۹۱

نمبر ۱۹ | یوم شنبہ - ۴ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

یہ تارے جو رات کو چمکتے جگمگاتے نظر آتے ہیں، انکی تعداد آسمان کی چھت پر تو کوئی دو ہزار ہے۔ اور اگر اس گنبد کی افقی دیواروں پر بھی لٹکے ہوؤں کو جوڑ لیا جائے، تو کوئی ۶ ہزار۔ لیکن اگر آلات کی مدد اور بڑی بڑی رصدگاہوں جہاں بڑی بڑی دوربینوں کی وساطت سے یہ "اختر شماری" کا کام شروع ہو، تو میزان لاکھ دو لاکھ پر نہیں رکیگی، کروڑ دو کروڑ پر بھی نہیں، پورے ۲۰۰ ملین تک پہونچیگی! یا ہندسوں میں ۲۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ——— یہ تعداد بھی صرف انکی ہوئی جو ابتک انسانی آلات کی گرفت میں آسکے، اور جو ابتک انکی دسترس سے باہر ہیں، انکی گنتی کون کہے؟

——— حدود کائنات کی وسعت بے پایاں کی پیمائش کون بشر آج تک کر سکا ہے، یا کبھی بھی کر سکیگا؟

زحل، زہرہ، مریخ، مشتری، عطارد، وغیرہ بہت سے تاروں کے نام سے ہم آپ سب واقف ہیں۔ لیکن کل ۲۰ ارب تاروں کے نام بھی تو ۲۰ ارب ہی ہوے؟ یہ کس ڈکشنری میں ملینگے؟ کس نے اب تک اتنی ہمت کی ہے؟ ——— سنیے، کوئی مشین بالفرض ایسی نکل بھی آئے، جو بے تحاشہ بےتکان نامزدگی کا کام شروع کردے، اور ہر منٹ نہیں، ہر سکنڈ، گھنٹا گھنٹ ایک ایک تارے کا نام تجویز کرتی چلی جائے، تو بھی آپ کو اندازہ ہے کہ کل کتنی مدت لگیگی؟

کیا سال دو سال؟ جی نہیں۔ پھر کیا دس بیس پچاس سال؟ پوری ایک صدی؟ یہ بھی نہیں۔ پورے سترہ سو سال! ——— اور یہ نامزدگی بھی صرف معلوم تاروں کی ہوئی، نامعلوم پھر بھی نامعلوم، بےنام و بےنشان رہے۔ اور ان نامعلوموں کی تعداد خود بھی نامعلوم!

——— انسان کے جہل کا دائرہ اُسکے علم سے کتنا بڑا ہے! اور وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ کی یہ تفسیر دلپذیر نادانستہ و غیر شعوری طور پر سہی، بڑے بڑے ہیئت دانوں، "ناک بہ ناک" ماہرین فن کی زبان سے بہرحال ہو رہی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔

"علوم" الحاد، دہریت، بےدینی پھیلانے والے علوم بھی، وہ حیاتیات ہو یا نباتات، ریاضی ہو یا ہیئت، اگر صحیح نقطۂ نظر سے مطالعہ کیے جائیں، تو ان شاء اللہ دین کے خادم ہی ثابت ہونگے، اور ایمان گھٹائیں گے نہیں، کچھ بڑھا ہی دینگے۔ بڑی گمراہی اور اصلی زہر ان مادی علوم کی نفس تعلیم نہیں، بلکہ غلط نقطۂ نظر سے انکی تعلیم ہے۔ ——— بجز اُن چیزوں کے جو نص سے حرام قطعی ہیں، باقی بڑی گنجایش اسکی ہے، کہ جو چیزیں مشتبہ یا ذوجہتین ہیں، صحیح نقطۂ نظر سے کام لیکر زہر کو تریاق میں تبدیل کر دیا جائے۔ اور جو راہ کے کانٹے ہیں، اُنہیں کو مہکتے ہوے پھول بنا لیا جائے۔ سائنس، فلسفہ، ادب، شعر سب اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔

شراب کا کال

لندن - ۳۰ - جون - انگریز شراب سازوں نے پچھلے دنوں اسنے ...

کہ اب چار، پانچ سال تک وہسکی بہت ہی کمیاب رہیگی! گورنمنٹ نے گو اب اجازت اس سال ۱۰ لاکھ گیلن تیار ہونے کی دیدی ہے، تاہم یہ مقدار اُس مقدار کی جو اوسطاً ہر سال رہتی تھی، صرف ۱/۵ ہے۔
(ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ)

یہ احمق ہندوستانی! اپنے ملک میں کپڑے کی ذرا سی اور غلہ کی گرانی ہی کو روئے چلے جاتے ہیں! یہ نہیں دیکھتے کہ "صاحب" کے دیس میں وہسکی (شراب) جیسی نعمت کا کال پڑا جا رہا ہے!

وضو کی حکمتیں

محمد علی روڈ بمبئی سے ایک مراسلہ:—

"میرے ایک دوست مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ نماز سے پہلے وضو کرنے کی کیا مصلحت ہے؟ اگر آپ کا قلم اسکی وضاحت کرسکے تو بہت بہتر ہے۔"

لیکن خود نماز ہی کی کیا مصلحت ہے؟ کیا یہ پوری طرح ان صاحب کی سمجھ میں آگئی ہے! ——— عجب مرض یہ جزئی احکام شریعت کی حکمتوں اور مصلحتوں کے دریافت کرنے کا پھیلا ہے! عقلی حیثیت سے گفتگو صرف اصول دین اور بنیادی عقائد، توحید، رسالت، ضرورت دین وغیرہ پر ہو سکتی ہے، نہ فروع و جزئیات پر۔ انکے لیے شارع کا حکم بس یہی سب سے بڑی دلیل ہے (جس طرح نزلہ کے نسخہ میں ۶ ماشہ بنفشہ کی مقدار صرف حکیم حاذق کا ذوق و تجربہ ہے، نہ کوئی اور خارجی "دلیل عقلی"!)

چہرہ، ہاتھ، گردن پر پانی پڑنے، آنکھ، دانت، منہ، زبان کے بار بار دھلنے کی طبی مصلحتوں پر، اور جسمانی صفائی سے باطنی پاکیزگی اور حضور قلب میں مدد ملنے کی روحانی حکمتوں پر بہت سے ذہین لوگ اپنی اپنی ذہانت کے لحاظ سے لکھ چکے ہیں، اور چہرہ، ہاتھ، پیر کے غسل کی طرف تو ہر فطرت سلیم طبعاً بھی راغب ہے۔ لیکن یہ سب زائد چیزیں ہیں، اصل وہی شریعت و صاحب شریعت کا حکم ہے۔

ترقی کے قدم

"لندن۔ یکم جولائی۔ وگمور ہال لندن کا مشہور و معروف ناچ گھر (کنسرٹ ہال) ہے۔ ۹۔ جولائی کو مس آسالا ہارڈی (برمنگھم کے ڈاکٹر کے۔ ایم۔ ہارڈی کی لڑکی) اس میں مجرا کریں گی۔ یہ مس صاحبہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں، جو اس نامور کنسرٹ ہال میں قدم رکھیں گی" (رویٹر)

لیجیے۔ آپ کے ملک کی خاتون، صاحب کے دیس میں وہاں پہونچ گئیں، جہاں آجتک اسکی کوئی بہن نہیں پہونچی تھی۔ اسکا نام اخبارات میں اس حیثیت سے آگیا۔ اسکے فوٹو چھپیں گے، اسکے "انٹرویو" اخبارات میں نکلیں گے، اسکے "کام" پر تبصرے شایع ہونگے۔ آپ کے ملک کی ناموری ہوگی۔ اس سے زیادہ "ترقی" کے لیے اور چاہیے کیا؟ گانا اور ناچنا، اور وہ بھی غیر مردوں کے مجمع میں، "صاحب" کے سامنے! آزادی کے حوصلہ اور ارمان نکالنے کا اس سے بڑھ کر موقع اور نصیب کیا ہو سکتا!

حسرت بہت ترقیِ دختر کی تھی انہیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئیں!

لباس اور پارسائی

"بدن کے چست کپڑے، جسم کو ہر طرف سے ڈھک لینے والی پوشاک، انسان کی دماغی آزادی کے حق میں بھی سخت مضر ہے۔ قلب گویا بالکل سکڑ کر مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ مغربی خاتون نے جب سے پرانی طرز کی پوشاک ترک کی، اسی دن سے ذہنی آزادی میں آگے قدم رکھنے لگی، اسی وجہ سے اُسنے باپ اور بھائی اور شوہر کی غلامی سے آزادی حاصل کی۔ آج ۲۰ سال کے سن تک کی جو خواتین ہیں، انھیں اندازہ ہی نہیں کہ انکی ماؤں اور نانیوں کو کالروں، بندوں وغیرہ کی کیسی کیسی بندشوں میں جکڑ دیا جاتا تھا ——— یہ سب کچھ مس اتھل کیمبل نے اپنی تازہ کتاب (کین آئی ہیلپ یو، سر؟) میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔"
(لیڈر۔ یکم جولائی۔ بحوالہ گلوب ایجنسی، لندن)

غریب مشرق تو یہی کہتا آیا ہے کہ لباس اور ضبط ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور اگر شرافت، عصمت، عزت عزیز ہے، تو سر کو ڈھکے رہنا ہوگا، چادر اوڑھنی ہوگی، برقع بھی پہننا ہوگا، نقاب بھی ڈالنی ہوگی، وقس علی ہذا ——— خوش رہیں مس صاحب، کہ اپنے لفظ و اصطلاح میں "روشن خیالی" کی زبان میں انھوں نے صحیح اس بوسیدہ و فرسودہ خیال پر مُہر تصدیق لگا دی!

بید کی سزا

ہمعصر ریاست (دہلی) نے امرتسر کا واقعہ درج کیا ہے کہ وہاں کے رام باغ پارک میں کالج کے لڑکے عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ برابر شہدا پن سے پیش آتے رہتے تھے۔ آخر ایک دن ایک پولیس افسر برقع پہن کر گئے، اور ایک سائیکل سوار "عشقباز" نوجوان کو گرفتار کرکے حوالات میں بند کردیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے

"ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ پنجاب کو اس وبا سے پاک کرنے کے لیے ایسے جرائم کی سزا کی نوعیت بدل دی جانی چاہیے۔ ایسے غنڈوں کے لیے جرمانہ یا چند ہفتوں کے لیے جیلوں میں چلا جانا کچھ اثر نہیں رکھتا۔ انکا علاج صرف یہ ہے کہ ایسے جرائم کرنے والوں کو چوکوں اور گزرگاہوں پر عام پبلک کے سامنے بیدوں کی سزا دی جائے۔ تاکہ یہ لوگ پبلک میں اسی طرح رسوا ہوں جس طرح یہ کمینہ لوگ شریف خواتین کی رسوائی کا باعث ہوتے ہیں"۔

بالکل صحیح ہے۔ لیکن معاصر موصوف کو تجربہ شاید صرف پنجاب کا ہے، ورنہ حقیقتاً اس وبا میں کسی صوبہ کی کوئی قید نہیں۔ سنیما اور کالج اپنے موجودہ ماحول کے ساتھ جہاں جہاں بھی ہوں گے، وہیں یہ وبا پھیلیگی اور پھر امریکی فوجیوں کے دورے نے کہیں بڑھا دیا ہے۔ لکھنؤ اور دہلی، کلکتہ اور بمبئی، لاہور اور امرتسر سب ایک سے ایک بڑھ کر ہیں!

ادب صالح

خواجہ عبدالوحید صاحب لاہوری کے قلم سے مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب النکاح ریویو کے ضمن میں:-

"مولوی منور الدین صاحب نے اردو داں دنیا پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ فقہ اسلامی کی صدیوں کی میراث کو ان لوگوں کے لیے آسان بنا دیا جو عربی اور فارسی زبانوں میں درک نہیں رکھتے اور جنکے لیے اپنی معلومات بڑھانے کا ذریعہ صرف اردو زبان ہے۔

یہاں بے موقع نہ ہوگا اگر ہم ان ادیبوں اور افسانہ نگاروں کو مخاطب کریں جنکی تمام مساعی اردو زبان میں عریاں اور فحش افسانے جمع کرنے کے لیے وقف ہیں۔ قوموں کی تعمیر میں ادبیات کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اور وہ ادب جو تعمیر قومی میں حصہ لیتا ہے فحش اور عریاں افسانوں پر مشتمل نہیں ہوا کرتا۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اردو زبان کی جہانگیری دنیا پر واضح ہو اور ساتھ ہی اس کا دامن نگینوں سے بھر بھی جائے، تو ہمیں چاہیے کہ مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیادہ سے زیادہ اس زبان میں تصنیف یا تالیف کریں۔ کیا سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، عمرانی، قانونی اور علمی مسائل پر علمی اعلیٰ پایہ رکھنے والی کتابیں دنیا کے ہر ادب میں موجود نہیں ہیں"

تو کیا خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ "ترقی پسندی" اور "ادب لطیف" و "ادب جمیل" کے دفتر میں آگ ہی لگا دی جائے؟ کیا وہ یہ غنیمت نہیں سمجھتے کہ اس "لطف شباب" اور "مست قلندر" اور "حسین دنیا" (یہ تینوں مشہور رسالوں کے نام ہیں) اب بھی کچھ لوگ فقہ و کلام پر کتابیں لکھے جاتے اور کچھ ان پر ریویو کیے جاتے اور کچھ پڑھے جاتے ہیں۔

مراسلہ

حق کی پکار

۱- کیا آپ قرآن مجید کی کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سوچیے کہ نوع انسانی کے لیے اللہ کے "آخری پیام" کا علم کیونکر ہوگا، انسانیت اپنا کھویا ہوا وقار کیونکر حاصل کرسکے گی اور مسلمان اپنا بھولا ہوا سبق کیونکر حاصل کرسکیں گے؟

۲- کیا آپ کے احباب اجتماعی شکل میں خدمت قرآن کے لیے کوئی سعی فرما رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسکے متعلق مسئولیت لگی ہوئی ہے۔ لہذا جس قدر جلد ممکن ہو انکی توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیے

۳- کیا آپ کی قریبی مسجد میں درس قرآن مجید کا سلسلہ جاری ہے جس میں بلا امتیاز ہر شخص شریک ہوتا ہو۔ اسی طرح کیا آپ کے یہاں کی زنانہ اور مردانہ تعلیم گاہوں میں قرآن مجید کی با معنی تعلیم ہو رہی ہے؟ اسکو فراموش نہ کیجیے کہ انھیں بچے اور بچیوں پر اسلام کے روشن مستقبل کا انحصار ہے اور وہ قرآن کے علم و عمل بغیر

سورۂ بقرہ رکوع ۲۲و۲۳

بسلسلۂ صدق نمبر ۱

۱۸۱۔ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ	پھر جو کوئی اسے اسکے سننے کے بعد بدل ڈالے سو اسکا گناہ بس انھیں پر ہوگا جو اسے بدل ڈالیں۔[۱۳۲] بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا[۱۳۳]

۱۳۲؎ (نہ کہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں)

بدلہ، اور سمعہ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔

والضمیر فی بدلہ یرجع الی الایصاء وکذلک الضمیر فی سمعہ (قرطبی)

یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کر دیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

اثمہ علی الذین یبدلونہ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور۔ قصور تو بس انھیں جھوٹے گواہوں کا ہے۔

۱۳۳؎ سمیع اس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی۔

علیم اس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور اور بے بس ہوتا ہے۔

۱۳۴؎ اور وہ اس بنا پر از راہ اخلاص و خیرخواہی وصیت میں تبدیلی کر دے، جس سے اس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہو جائے۔

خاف۔ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

ای فمن توقع وعلم وہذا فی کلامہم شائع (کشاف) والخوف والخشیۃ العلم (کبیر) ومعنی خاف توقع وعلم (روح)

ای قد علم من احوال الموصی الغالب بسمع علی ظنہ انہ یرید الجور وصرف المیراث عن الوارث (جصاص)

جنفا۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی یا بے ضابطگی کو۔ مراد ہے سہو یا خطا ہے فہم سے گونہ زیادتی۔

الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباس) الجنف الخطاء من حیث لا یعلم بہ (کبیر) میلا عن الحق بالخطاء (کشاف)

اثما۔ یعنی دانستہ غلطی۔ کھلی ہوئی حق تلفی جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔

الاثم العمد (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الاثم العمد (کبیر)

۱۳۵؎ مضمون وصیت میں ترمیم کر کے، اور وارثوں کی حق تلفی دور کر کے

۱۸۲۔ فمن خاف من موص جنفًا او اثمًا فاصلح بینھم فلا اثم علیہ، ان اللہ غفور رحیم۔

البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہو جائے[تلہ] پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں صلح کرا دے[تلہ] تو اس پر کوئی گناہ نہیں[تلہ] بیشک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے[تلہ]۔

بینھم میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے۔

اے بین الموصی لھم (روح) الکنایۃ عن الورثۃ (قرطبی)

یعنی وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدۂ شرعی ہے اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوع نزاع یا احتمال نزاع ہی دیکھ کر مضمون وصیت میں ایسی ترمیم کر دے جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہو جائے

بعض فقہاء نے اس حکم کے ماتحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہان وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں امت کا ہر فرد اس پر عمل کر سکتا ہے

فمن خاف من سائر الناس من موص میلا عن الحق وعدولا الی الجور فالواجب علیہ ارشادہ الی العدل والصلاح (جصاص، الخطاب لجمیع المسلمین (ابن العربی)

اس لیے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری امت پر فرض ہے۔

ولا یختص بذلک الشاہد والوصی والحاکم دون سائر الناس فان ذلک من باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (جصاص) لان اصلاح الفساد فرض علی الکفایۃ (ابن العربی)

فقہاء نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ ظن غالب کے بعد رائے وعمل کا اجتہاد جائز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم وزیادتی کا اندیشہ تو ظن غالب ہی کے حکم میں ہوگا

وفیھا الدلالۃ علی جواز اجتہاد الرأی والعمل علی غالب الظن لان الخوف من المیل یکون فی غالب ظن الخائف (جصاص) وفی ہذا دلیل علی الحکم بالظن (ابن العربی)

[تلہ] اس تبدیل وترمیم مضمون وصیت کے باب میں، بلکہ وہ تو اور مستحق اجر وثواب کا ہوگا۔

لانہ تبدیل باطل الی حق (مدارک)

[تلہ] اللہ تو گنہگار کے حق میں غفور رحیم ہے چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار ہے بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے۔

غفور یعنی گناہوں کا بخشنے والا

رحیم یعنی خطاکاروں کے حال پر رحمت کرنے والا

[تلہ] صیام ... روزہ اصطلاح شریعت میں اسے

۱۸۳۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے[تلہ] جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں[تلہ] عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ[تلہ]

کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے، پینے، اور عمل زوجیت سے روکے رہے۔

جو روزے فرض ہیں وہ ماہ رمضان کے ہیں۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ جدید وقدیم حسب طبیبین اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کے لیے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ذہنیت اور ضبط نفس کی روح جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے اسکے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔

[تلہ] روزہ کسی نہ کسی صورت میں تو دنیا کے تقریبًا ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع چہارم کی جلد ۹ ص۱۰۶ اور جلد ۱۰ ص۱۹۳ سے ظاہر ہے، لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں، الذین من قبلکم سے اسکی اصل مراد اہل کتاب ہی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ روزہ، شریعت موسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے۔

مذاہب عالم سے اتنی گہری واقفیت، کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزو مذہب کی خبر دینا۔ آج اور بھی کے زمانہ سے صدیوں قبل اور اخبارات اور کتبخانوں کے دور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دور افتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک اُمی کے لیے کس طرح ممکن نہیں؟ بجز وحی الٰہی کے توسط کے!

[تلہ] روزہ، نہیں ارشاد خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اشخاص کے انفرادی اور امت کے اجتماعی دونوں نقطۂ نظر سے۔

لعلکم تتقون کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض وغایت کی تصریح ہو گئی کہ اس سے مقصود نفس کی عادت ڈالنا اور امت وافراد کو متقی بنانا ہے۔ تقوے نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے اور ادی لذتوں سے لطافت وانبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو کہ خوب کھا کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے، اسی طرح اس عالم میں تقوے اختیار کر لینے سے (یعنی حقیقی عادتیں صحت روحانی وحیات اخلاقی کے حق میں مضر ہیں، ان سے بچے رہنے سے) عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت واستعداد النفس میں پیدا

دنت رسول الا میین" و الا صیاء ی ایمان روس کا تحفہ نہیں ہے
اور صحیح تو یہ ہے کہ بیچارے نانک کی دعوت اسکے سوا اور کیا تھی
اگر واقعی سندھی صاحب کے اسی قسم کے خیالات تھے تو اُنکے الرادیہ
کے بیان پر اگر بھروسہ کیا جائے تو اسکے سوا اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔ تو
پھر میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ بار بار ہم مسلمانوں پر جو وہ یہ احسان جتلاتے
تھے کہ تمہارے اسلام کی وجہ سے ہم نے گھر چھوڑا اور چھوڑا مال کو
چھوڑا اپنوں کو چھوڑا۔ انکا یہ احساس کس حد تک برمحل ہے۔
لکھنے والا تو کہہ سکتا ہے کہ آپ مسلمانوں کو بھی وہی بنانا چاہتے تھے
جو آپ تھے۔
اِن روس سے واپسی کے بعد علاوہ ذہنی انقلاب کے سیاسی اور
معاشی انقلاب کا پیغام بھی اپنے ساتھ لائے تھے اسی لیے بیچارے
گاندھی جی سے بھی بہت خفا تھے۔ خفگی کی وجہ یہ تھی کہ
"شومی قسمت سے گاندھی جی محض ایک سیاسی لیڈر نہ رہے
بلکہ مذہبی رہنما بھی بنے۔ ہندو مذہب کا احیاء انکا مقصد ٹھہرا" (صفحہ
اس لیے گاندھی جی کو اپنی راہ کا کانٹا تصور کرتے رہے کہ وہ

؎ کبیر، بابا نانک وغیرہ ہندوستانی سنتوں نے یا نیوں نے اس خیال کو
ہندوستان میں جب پھیلایا تو اوروں نے جو کچھ اس سلسلہ میں کوشش کی
اسکو تو کتابوں میں پڑھنا چاہیے۔ اسوقت حضرت مجدد صاحب کا
ایک لطیفہ یاد آیا جو مکتوبات شریفہ میں ہے۔ کسی نے یہ بات دریافت
کی کہ خدا کو بجائے رحیم کے اگر رام کہا جائے تو اس میں کیا
حرج ہے۔ مجدد صاحب نے فرمایا کہ رام تو دسرتھ کے بیٹے کا نام تھا
جو سیتا جی کے شوہر تھے۔ اب یہی نام خدا کو اگر دیا جائے تو اسکے الحاد
فی اسماء اللہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ کسی بادشاہ
کو اگر کوئی بندہ بے نکور کہے تو ہم سے بیچارے تو ظاہر ہے کہ بادشاہ
کی ذات میں تو کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، لیکن ہے کوئی جو اپنے اصلی
نام کی جگہ بندر یا کتے وغیرہ کے صرف لفظ کے انتساب کو پسند کرے؟
حضرت مجدد کے مکتوب میں جو مضمون ہے اُسکا خلاصہ اپنے الفاظ
میں میں نے ادا کیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو اُسی میں پڑھیے۔

؎ صیادی یہری، یہی اصطلاح ہے۔ ابن صیاد یہودی جسکے
متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ دجال بنکر آخر زمانہ میں وہی نمودار ہوگا۔
بخاری وغیرہ سب میں ہے کہ جب ابن صیاد دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اُس نے کہا کہ آپ امیین
(یعنی عرب قوم) کے رسول ہو۔ آپ نے اور بھی کچھ باتیں دریافت
فرمائیں۔ آخر میں فرمایا "اخساء" یعنی دُور ہو، جیسے کتوں کو دھتکارتے
ہیں وہ اسکا مفہوم ہے۔ گویا "دھت" فرمایا۔ دراصل آنحضرت کا یہی
کہنا ابن صیاد کی پہلی آواز ہے جو کبھی کبھی اوروں سے بھی اُٹھتی رہتی ہے
ایسوں کو "اخساء" والا اللہ کے سوا اور کیا کہا جائے۔

ہندو مذہب کا نام کیوں لیتے ہیں۔ اب میں کیا کیا بتاؤں کہ
انکے ارادے کیا گیا تھے۔ شاہ ولی اللہ کا نام اپنے سودے کے
بیچنے میں جو بار بار لیتے ہیں اسکی کیا وجہ تھی۔ خود انکی زبان سے
ظاہر ہوگئی ہے۔ الرادیہ راوی ہیں یعنی سندھی صاحب کا بیان تھا کہ

شاہ ولی اللہ کی حکمت شریعت سے بالا ہے؟

شاہ صاحب کی حکمت عمومی چیز ہے

یہ کسی شریعت و ملت کے حدود میں مقید نہیں۔ ایک ہندو بھی
اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اور تو اور ہر وہ شخص جو کسی مذہب
کا پیرو نہ ہو، اسکے لیے جاذب توجہ ہو سکتی ہے۔ یہ حکمت خالص
انسانی حکمت ہے۔ اور انسانیت کے سوا کسی قید کو قبول نہیں
کر سکتی۔" (صفحہ ۳۴۶)

گویا شاہ ولی اللہؒ بھی ایک قسم کے کبیرداس اور نانک شاہ تھے
محمد رسول اللہؐ کی تو ہر چیز عرب کے دماغ کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ
جاتی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ کا دماغ ایسا دماغ تھا جو کسی زمانی
مکانی، قومی قید کو قبول نہیں کرتا تھا۔

میں سندھی صاحب کے متعلق کوئی مضمون خاص لکھنے نہیں بیٹھا
ہوں، بلکہ ایک خاص ترتیب سے تقریباً چار سو صفحات کی تہوں میں
چھپا کر جو باتیں کہی گئی ہیں ان ہی کو اس ترتیب سے پیش کرنا مقصود
تھا۔ اور وہ مقصود پورا ہو چکا۔

لیکن آخر میں دو باتوں کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے۔ ایک
تو یہ ہے کہ سندھی صاحب کے کلام میں ہر قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ جو
کوئی چاہے تو جو کچھ میں نے نکال کر دکھایا ہے بالکل اسکے مخالف خیال
بھی اسی کتاب سے انتخاب کر سکتا ہے۔ مثلاً ابھی آپ سن چکے
ہیں کہ "اعتماد علی اللہ" کے مسئلہ میں اپنے اندر وہ ہمیشہ روسی
انقلابیوں کے اعتماد علی النفس کی حقیقت کا شعور رکھتے تھے لیکن
اسکے مقابلہ میں آپ ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ زندگی کی مشکلات
جن میں آپ ہمیشہ مبتلا رہے تو ان موقعوں پر یہی خیال ان کی
قوت بنا رہا کہ
"اُس بڑے وجود (اللہ میاں) کو ہمارا خیال ہے اور ہمکو
کارسازی پر ہمارا پر نگاہ رکھتی ہے" (۱۰۲)
ظاہر ہے کہ روسی انقلابیوں کے اعتماد علی النفس والے
آدمیوں کی زبان پر یہ فقرہ کسی معنی میں پھبتا ہے۔ لیکن سندھی
صاحب کو اس قسم کے متناقضات کے بیان کرنے میں کمال ہے
اور اُنکو کیا، حافظ بنا شد تو ایسے نفوس کا عام دستور ہے۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ میرے بیان کی تردید کے لیے ضرورت
صرف اس بات کی ہے کہ میں نے جن حوالوں کو درج کیا ہے اُنکے
متعلق ثابت کر دیا جائے کہ "مولانا عبید اللہ سندھی" نامی کتاب یا رسالہ
شاہ ولی اللہ میں وہ نہیں ہیں۔

لیکن یہ ترکیب کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اسکے مناقض بیانات
نقل کر دیے جائیں۔ یہ قطعاً کافی نہیں۔ دوسری بات مجھے یہ کہنی ہے

مولانا کہتے ہیں کہ یہ گھروندے جو تم نے (مسلمانوں نے) بنا رکھے ہیں اور جنھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو، یہ گھروندے زمانہ کے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے"

اور فرماتے ہیں " تمھارا تمدن تمھارا سماج تمھارے افکار تمھاری سیاست تمھاری معاشرت سب کھوکھلی ہو چکی ہے"

اس لیے الارم دیتے ہیں کہ "بدلو، ورنہ زمانہ تمھارا نشان تک نہ چھوڑے گا، سنبھلو ورنہ مٹا دیے جاؤگے"۔ صفحہ ۱۳۔

اور آخر میں براہ راست مرحوم سلطان عبد الحمید اور امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کا نام لینے کے بعد، جو مقصود ہے اسکو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ "زار کا انجام جو کچھ ہوا سب جانتے ہیں"

دراصل آپ کی ان دھمکیوں کا اشارہ جس طرف ہے وہ وہی طاقت ہے جس نے زار کو اسکے انجام تک پہونچایا، مگر شاید خیال آیا کہ بیچارے مسلمانوں کے پاس رکھا ہی کیا ہے جسکی دھمکی دیں" تو فرماتے ہیں کہ " بدقسمتی سے ہندوستان والے شیشے کے کمرے میں بند ہیں اس لیے یہاں "مقدس" خدائی الٰہی انقلاب سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ صفحہ ۲۱۔

گویا روس میں جو کچھ ہوا شیشے میں رہنے والے ہم ہندوستانی لوگ اس سے کہاں واقف ہیں۔ اسکی خبر صرف سندھی ہی تو لائے ہیں۔

شاید انکو کچھ کہا بھی گیا تھا "بطور پیامبر کے آپ نے پیغام بھی دیا ہے" اب زمانہ بدل چکا ہے، انقلاب کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ صفحہ ۱۰۔

جو کچھ اس گھڑی میں ہوگا اسکے متعلق آپ خبر پہنچاتے ہیں " تمھارا یہ کھوکھلا سماج اور بے روح تمدن چند دنوں کا مہمان ہے اسکو خود بدل ڈالو تو بہتر ہے ورنہ زمانہ کا ریلا خود بدل دیگا اور اسوقت تم کہیں نظر نہ آؤگے"۔ صفحہ ۳۱

الغرض بیچ بیچ میں بڑے بڑے ڈراؤنے لہجوں میں آپ نے مسلمانوں کو دہلانے اور دہشت دلانے کی بھی مسلسل کوشش کی ہے۔

کتاب و سنت سے ہٹ لو!

لیکن سوال یہ ہے کہ جس بدلنے کا پیغام آپ اس گھڑی سے پہلے دے رہے ہیں اسکا حاصل یہی ہے کہ مقامی فقہ، زمانی حدیث، مثالی قرآن کے قوانین سب مسلمان چھوڑ بیٹھیں اور شرک و توحید دونوں کو ایک قرار دے کر اس اب بھی قرآن کی راہنمائی سے ہم مسلمان مستغنی ہو جائیں تو اس گھڑی سے پہلے ہی کیا ہم خود اپنے ہاتھوں ختم نہ ہو جائیں گے۔ گھڑی کے وقت تو اسکا الزام دوسروں پر آئے گا لیکن اس گھڑی سے پہلے آپ کے واویلا سے متاثر ہوکر ہم سب کچھ مٹا دیں گے تو اپنے ہاتھوں کیا یہ اپنی خودکشی نہ ہوگی عجب مشورہ نیک ہے، کہ اسلام بچانے کے لیے کفر کو قبول کرلو خیر آپ کے مشورہ کو قبول کر لینے کے بعد بچے ہی گا کیا؟ اور

اصل یہ ہے کہ ایک سندھی صاحب ہی نہیں بلکہ جب سے مسلمان سیاسی زوال کی موجودہ مصیبت میں مبتلا ہوئے ہیں، اس مصیبت کو دشمنی بنا کر مسلمانوں کے لیڈروں نے عجیب نوعیت کی کوششیں شروع کی ہیں اور ہر ایک اس بات کا وعدہ کرکے کہ اس مصیبت سے نکل جاؤگے۔ اگر میرے مشورے کو مان لو، نت نئی تجویزیں مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے صوفیوں کو انکی ان سیاسی بدبختیوں کی وجہ قرار دیکر ان سے جھگڑا لیتا ہے کوئی فقہ اور فقہا پر اسکا الزام تھوپتا ہے کوئی حدیثوں پر حملہ آور ہوتا ہے، کچھ لوگ اسلامی سلاطین کے نام رکھ رہے ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور سندھی صاحب نے تو سب ہی کو جمع کرلیا ہے۔ بلکہ یہ تو شاید کسی نے نہیں کہا تھا کہ قرآنی قوانین بھی مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ صرف ایک مرحلے دوسرے مرحلہ تک تشکیل کر انسانیت کو پہونچانا بھی انکا کام تھا جو پورا ہو چکا گویا بچوں کی زنانی چپن کے پاؤں کا جوتا پہنانا سوائے بچپن کے سوا اور کیا ہے

الغرض اس سیاسی مصیبت کے سلسلہ میں ہمدردوں کی جماعت سے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانوں پر صوفی، فقیہ، محدث، سلاطین اسی زمانہ میں تو مسلط تھے جو زمانہ انکے سامنے عروج و اقبال کا تھا۔ پھر ان غریبوں پر جو الزام لگایا جاتا ہے وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ باقی آپ لوگوں کے مشوروں پر تقریباً دو سو سال سے مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی گروہ عمل کر چکا ہے لیکن حالت دیکھ بھی بدتر سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

مسلمانوں کو میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ بلاشبہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں اور اس مصیبت سے نکلنے کی تدبیروں کا سوچنا انکے اہم ترین فرائض میں ہے۔ لیکن بدر کے بعد اگر احد کی صورت آج پیش آگئی ہے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں نے بدر کی بازی جیتی تھی چونکہ انھیں کو احد میں شکست اٹھانی پڑی اس لیے انکا انکار کر دیا جائے۔ یہ سیاسی عروج و زوال دنیا کا عام قصہ ہے، خصوصاً اقوام و امم کے لیے سو دو سو سال کی مدت کوئی بڑی مدت نہیں ہے۔ ہم کو اس احد کی شکست سے پھر خندق اور خیبر کے فتوحات کا راستہ پیدا کرنا ہے۔ اور بالفرض اگر یہ مقدر ہو چکا ہے کہ لا فعل اللہ، مسلمان مٹا دیے جائیں انکے قرآن کی، حدیث کی، تصوف کی، غالم بہت خاک اڑا دی جائے تو بجائے دوسروں کے اس جنازہ کی تیاری ہم خود کیوں کریں قبل اسکے کہ زبردستی بزور شمشیر ہمیں کافر بنایا جائے، اس جبری کفر کے ڈر سے یہ عجیب مشورہ ہے کہ برضا و رغبت العیاذ باللہ کافر ہو جائیں۔ اور میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اب اس سے زیادہ کیا ہوگا مسلمانوں کے قانون پر آج وہ حکومتیں کیا عمل کر رہی ہیں، جو ان پر مسلط ہیں، اگر بجائے انکے کوئی دوسری حکومت آئے تو وہ زیادہ سے زیادہ…

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد

سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کیجیے

محمد سعید الرحمٰن... مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

صدق

نمبر ۲۰ | یوم سہ شنبہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

برج جوزا کا نام ہر جنتری میں نظر سے گزرا ہوگا۔ یہاں جو چمکدار ستارہ ہے، اُس کا نام انگریزی میں SIRIUS اور عربی میں کلب اکبر ہے۔ ستاروں کی دنیا میں سب سے زیادہ روشن اور چمکدار اور آپ کی زمین سے سب سے زیادہ قریب۔ اس قریب ترین ہمسایہ سے بھی بُعد کا آپ کو کچھ اندازہ ہے؟ چند ہزار میل؟ نہ سہی، لاکھ دو لاکھ میل؟ اچھا یہ بھی نہ سہی، تو کوئی کرور دو کرور میل؟ جی نہیں، یہ بھی نہیں۔ بس سنیے، اور حیرت کیجیے۔

۵ سیل اور ۶۰ کھرب میل!

یا ہندسوں میں ۵،۲۰،۶۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میل!

روشنی کی بنی ہوئی رفتار فی منٹ نہیں، فی سکنڈ ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل ہے! لاکھوں میل دور چاند کی روشنی سکنڈوں میں، اور کروروں میل دُور سورج کی روشنی منٹوں میں کرۂ زمین تک آجاتی ہے۔ لیکن ستاروں میں اس قریب ترین ستارہ کی روشنی زمین تک پہونچنے میں مدت، منٹوں اور گھنٹوں کی نہیں، دنوں اور ہفتوں اور مہینوں کی بھی نہیں، آٹھ سال کی لگ جاتی ہے! ——— فاصلہ ہی اتنا ہے! ——— فتبارک اللہ احسن الخالقین!

کلب اکبر! CANIS MAJOR تو اسکا اصطلاحی نام اہل فن کے ہاں کا ہے۔ باقی عام نام زبانوں پر چڑھا ہوا عربی میں شعریٰ ہے۔ یہ دنیا میں خوب پجے ہیں۔ شروع سے پجتے آئے ہیں۔ مصر، یونان، رومہ، عرب، سب جگہ انکی پوجا مختلف ناموں سے ہوئی ہے۔ پرستش تو زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، سب ہی کی ہوئی ہے۔ لیکن ان بزرگ کا نمبر سب سے بڑھا رہا ہے ——— سورج دیوتا اور چاند دیوتا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انھیں کا رہا ہے ——— دنیا۔۔۔ شرک کی پوری تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد یاد کیجیے، قرآن کی وہ آیت جس میں مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ خدائے برحق وہ ہے جو تمھارے خدا کا بھی خدا ہے! ہو رب الشعریٰ (سورۂ نجم)۔۔۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ زہرہ کا خدا ہے، مشتری کا خدا ہے۔ پرستش انکی بھی ہوئی بھی گو اتنی کب ہوئی تھی۔ فرمایا تو یہ کہ آفتاب و ماہتاب کے بعد جو ستارہ معبود اعظم ہے، وہ اسکا بھی خدا ہے! عرب کا اُمّی یہ بات اپنی طرف سے کہہ سکتا تھا؟ یہ تو وہی کہہ سکتا تھا جسکے سامنے مشرکین عرب ہی کی نہیں، مشرکین عالم کی ذہنیت آئینہ تھی! جسکے لیے مصر اور یونان اور رومہ غرض دنیا کے کسی گوشہ کی بھی شعریٰ پرستی عالم "غیب" میں نہ تھی سب کی عالم شہود میں تھی!

دوسرے مضامین کے ہجوم کے باعث یہ نمبر بغیر شذرات کے شائع ہو رہا ہے۔

نائب مدیر

ہرگز کسی عقل و حکمت سے نہیں، بلکہ تمامتر نافہمی اور بے غوری سے ہوا ہے! —— عقل کا کام صرف جزئیات اور مدرکات کے باہمی تعلقات کو سمجھنا ہے، نہ یہ کہ جو ہستی کلیات سے بھی زیادہ کلی ہو، اور سرے سے انسانی ادراک سے ماورا، اُسکے افعال پر تنقید و احتساب کے لیے عقل غریب کو تکلیف دی جائے!

آ مسئلہ تقدیر پر صدق میں ایک بار نہیں متعدد بار چھوٹے بڑے مضامین نکل چکے ہیں۔ اب ہر مرتبہ آخر انھیں کہاں تک دہرایا جائے۔

پیش لفظ

اردو کی ایک زیر طبع کتاب پر

(از عبد الماجد)

مولانا حکیم سید عبد الحی رائے بریلوی ثم لکھنوی (متوفی سنہ ۱۳۴۱ھ) ناظم ندوۃ العلما ایک عجیب نیک نفس، پاکیزہ صفات بزرگ گزرے ہیں۔ طبیب جسمانی [illegible] طبیب روحانی بھی۔ اللہ نے ایک بڑی دولت اولاد صالح سے سرفراز فرمایا۔ بڑے صاحبزادہ حکیم حاجی ڈاکٹر عبد العلی۔ ایم بی۔ بی۔ ایس۔ طبابت و ثقاہت، شرافت و نفاست میں والد ماجد کے نقش قدم پر چلے بلکہ ان سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے۔ چھوٹے نے علم و فضل صلاح و تقوے اور صحیح روشن خیالی کی ایک نظیر قائم کردی۔ صاحبزادی نے "فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتاً حسناً" کے مصداق خدمت دین کی توفیق ایک نئے رنگ سے پائی۔

انکے چھوٹے بھائی مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب قصص النبیین للاطفال اب نہ کسی تعریف کی محتاج نہ تعارف کی۔ سلیس شستہ عربی میں پیمبروں کے سچے سبق آموز و ہدایت مآلات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل۔ حصہ

حصہ اول کچھ روز ہوئے شایع ہو چکا ہے اور حصہ دوم اب شایع ہو رہا ہے۔ ان ہی صاحبہ نے یہ کیا کہ انھیں مطالب کو عربی سے اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ اور افادیت کا جو حلقہ پہلے بھی ماشاء اللہ اچھا خاصہ وسیع تھا اُسے اب وسیع تر کر دیا ہے۔

قصص النبیین اصلاً عربی کے مبتدی طلبہ کے لیے خاص تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھی گئی، اور سرسری نظر سے دیکھیے تو صرف ایک درسی اور تعلیمی کتاب معلوم ہو گی۔ لیکن حقیقۃً علم کلام کی کتاب ہے۔ ایمان کے مسائل، توحید کے دلائل جس حسن لطافت سے اسکے اندر جمع کر دیے گئے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہے —— ادھر زبان عربی کے اسلوب بیان کے اصول سمجھ [illegible]

ادھر قلب ایمان اور قرآن کے حقائق سے معمور ہوتا گیا ——

دماغ نے نشو و نما پائی، روح نے بھی مایہ کی محسوس کی۔ اللہ کے ان پیام لانے والوں کو اپنے اپنے زمانہ میں کیسی کیسی منا لفتوں سے دو چار ہونا پڑا ہے۔ کیسے کیسے معرکے سر کرنا پڑے ہیں۔ اب نوحؑ و ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ، یعقوبؑ و یوسفؑ، ہودؑ و صالحؑ، یونسؑ و شعیبؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ (اللہ کی بیشمار رحمتیں ان پر نازل ہوں) تو نظروں کے سامنے موجود نہیں۔ لیکن انکی تاریخیں اور سرگزشتیں ہیں، اور دور جدید کے منکروں اور کافروں کو سب سے زیادہ انھیں اسی سلسلہ میں پیش آ رہی ہیں —— ادریس کس زمانے میں ہوئے ہیں، اور ذوالکفل سے کونسی شخصیت مراد ہے؟ لوطؑ کا ملک کون سا تھا، اور طوفان نوحؑ کہاں تک آیا تھا؟ موسیٰؑ کا معاصر کون سا فرعون تھا، یا کون کون سے فرعون تھے؟ اور عیسیٰؑ کا آخری انجام اس دنیا میں کیا ہوا؟ بیسیوں بلکہ سیکڑوں سوالات اسی نوعیت کے آج مذہبیات کے ہر متعلم کو پیش آ رہے ہیں۔ اور مبارک ہے وہ اہل قلم جسکا قلم ان گتھیوں کو حل کرتا جائے۔

فلسفۂ یونان اور معقولات کسی زمانہ میں اسلام کے دشمن ہونگے، آج تو اسلام کے پہلوان کو سب سے زیادہ مقابلہ تاریخ اور جغرافیہ اور معاشیات و سیاسیات کے میدانوں میں کرنا ہے

رائے بریلی ہی کا ایک سید زادہ کبھی ہجرت و جہاد کے شوق میں وطن سے بے وطن ہوا تھا اور قلعہ بالاکوٹ (پشاور) کی سرزمین پر اپنی زندگی کے حق سے ادا ہو گیا تھا۔ آج اللہ کے دین کو نصرت کے لیے تلوار سے بھی کچھ زیادہ قلم کے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ اسی خاندان سے پھر ایک سید اُٹھا ہے۔ اور انکی اسکے ہمراہ ایک برقع پوش سیدانی بھی ہے —— غزوات نبوی میں شہیدوں اور غازیوں کی خبرگیری و تیمارداری کرنے والیوں کی یاد تازہ کردینے والی!

آج مسلم خاتون غیروں کی دیکھا دیکھی کہاں سے نکل کر کہاں پہونچ گئی ہے۔ گھر سے نکل کر اسکول، اسکول سے کالج۔ اور پھر سوئمنگ بال، اور سینما گھر اور بے حجابی اور بیحیائی کا ہر اڈہ اور ہر منزل! —— عین اس زمانہ اور اس ماحول میں جو بہن دین کی خدمت کے لیے نکلی ہیں وہ اپنی صنف کا کفارہ کچھ تو ادا کر رہی ہیں۔ اللہ انکی ہمت میں برکت اور ارادوں میں استقلال نصیب کرے۔

کتاب ترجمہ نہیں ترجمہ سے کچھ بڑھکر ہے۔ زبان کی خوبیاں صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ "مشک آنست کہ خود ببوید" —— جو لڑکے اور لڑکیاں اسے پڑھینگے وہ ساتھ ہی ساتھ اردو زبان بھی سیکھتے جائینگے۔

نکتہ چینی کی نگاہ کو کتاب میں صرف دو جگہ حرف رکھنے کی گنجایش نظر آئی۔ ایک بالکل شروع یعنی پہلے صفحہ کی پہلی سطر میں، "شہر اور گاؤں" نہیں ایک مشہور "شہر" تھا۔ اور دوسرے صفحہ ۳ میں ختم صفحہ کے قریب "بار جانور" کے بجائے "بیار پرندے" ہونا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی ناکام تصنیف

نمبر (۱)

از مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی

ڈاکٹر ٹسڈل کی طرف ماٰخذ القرآن کے نام سے جس کتاب کا انتساب کیا گیا ہے وہ تدلیس و تلبیس کا ایک اعلیٰ نمونہ اور مغرب کے علمی اخلاق کی واضح دلیل ہے۔ نیز تصنیفی حیثیت سے اسقدر ناکام کہ اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔

سطور ذیل میں ہم اس نام نہاد تصنیف کو [illegible] حیثیت سے جانچنا چاہتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ کتاب تلاش و تحقیق کے [illegible] سے کس قدر خالی ہے؟ اس کتاب کے تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن مجید نعوذ باللہ وحی الٰہی نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور اسکا ماٰخذ دوسرے مذاہب کی روایات اور صحیفے ہیں! ڈاکٹر صاحب ایک محقق اور بلند پایہ مصنف کی حیثیت سے اس دعوے کو لیکر سامنے آئے تھے تو ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے موضوع کے تمام اطراف و جوانب کو سامنے رکھتے اور اپنے ناظرین سے داد تحقیق حاصل کرتے مگر افسوس وہ ایسا نہ کر سکے۔

(۱)

(۱) اس سلسلہ میں پہلی قابل لحاظ چیز یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت بھی بعض لوگوں نے کہا تھا کہ قرآن وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ بشر کا کلام ہے (وقال الذین کفروا ان ہذا الا افک افتراہ واعانہ علیہ قوم آخرون - فرقان) ترجمہ۔ جب لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا کہ یہ بالکل طوفان ہے اور اسکی دوسروں نے مدد کی ہے۔

قرآن نے ان منکرین الہام کی تردید کی اور اس سلسلہ میں کہا کہ اگر یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے تو تم بھی ایسا ہی کوئی کلام بنا کر لے آؤ؟

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات (ہود-۲) | کیا کہتے ہیں کہ اسکو گڑھ لایا ہے کہدو کہ تم بھی ایسی ہی دس سورتیں گڑھی ہوئی لے آؤ۔

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کسی کی امداد سے (نعوذ باللہ) اسکو تصنیف کیا ہے تو تم بھی اپنے تمام اعوان و انصار کو جمع کر لو۔

وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین - ہود ۲۰ | اور بلا لو جس کو بلا سکو خدا کے سوا اگر تم سچے ہو۔

سورہ بقرہ میں اسکے بجائے ایک سورہ کا مطالبہ کیا گیا۔ سورہ طور میں صرف ایک بات تک اس مطالبہ کو محدود کر دیا۔ اصول تصنیف کے لحاظ سے ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ یا تو قرآن کے اس مطالبہ کا جواب دیتے اور قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش فرماتے یا قرآن نے اس مطالبہ پر [illegible] کوئی نقص وارد کرتے کہ جس سے [illegible]

خلاف معلوم ہوتا، لیکن ڈاکٹر ٹسڈل نے اس مضمون کو ہاتھ ہی نہیں لگایا!

قرآن نے اس شبہہ کا دوسرا جواب دیا ہے

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا | اگر خدا کے سوا کسی کے پاس سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف النوع مضامین ہیں کہیں عقائد کا بیان ہے، کہیں معاملات کی تحقیق ہے کہیں اخلاق سے بحث ہے، کبھی موت کا منظر سامنے ہے، کبھی جنت و دوزخ کا نقشہ سامنے ہے۔ کبھی امم سابقہ کے حالات بیان ہوتے ہیں کبھی آنے والے واقعات کے متعلق اشارے کر دیے جاتے ہیں۔

کبھی مشرکین کی تردید ہے، کہیں یہود و نصاریٰ سے مناظرہ ہے۔ الغرض متنوع بیانات ہیں اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اسکے کسی حصہ میں کوئی سقم پایا جاتا۔

زمانہ نزول قرآن سے لیکر آج تک منکرین قرآن پر یہ فرض باقی ہے کہ وہ قرآن کے مضامین [illegible] اسلوب بیان پر دجل و تلبیس کے ساتھ نہیں بلکہ واقعی اعتراض وارد کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے (اور وہ ہرگز نہ کر سکینگے) تو انکو قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کرنا پڑیگا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا یہ فرض تھا کہ وہ قرآن کے اس استدلال کا کوئی جواب دیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

قرآن نے اس شبہہ کا تیسرا جواب دیا کہ زمانہ نزول قرآن کے اہل کتاب کے علماء جو آسمانی کتابوں کی [illegible] اور [illegible] سے واقف ہیں وہ قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

والذین آتیناہم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق (انعام) | اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے خدا کے پاس سے اترا ہے۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ یا تو قرآن کے اس دعوے کی تکذیب کرتے اور دلائل سے ثابت کرتے کہ اس قسم کی آیات کے نزول کے بعد علمائے اہل کتاب نے اس سے اپنی براءت کی [illegible] علماء اہل کتاب نے قرآن کو [illegible]

(۲)

افسوس کہ ڈاکٹر ٹسڈل نے اپنی تصنیف میں قرآن کے ماٰخذ کی تلاش کرنے میں مضامین قرآن کا استقصا نہیں کیا۔ قرآن میں صرف عقائد اور امم سابقہ کے حالات ہی نہیں ہیں، بلکہ اسکے سوا اور بھی چیزیں ہیں۔ ڈاکٹر ٹسڈل کا یہ فرض تھا کہ وہ ہر نوع کی آیات کے ماٰخذ کا سراغ لگاتے۔ ممکن تھا کہ اسی جدوجہد [illegible] بھی نظر [illegible] مثلاً [illegible] قوم کے [illegible] سے دور دراز اور [illegible]

اعتبار سے ناقابلِ یقین پیشگوئی فرمائی تھی کہ رومی چند سال میں غالب آ جائیں گے

وهم من بعد غلبهم سيغلبون (روم) | اور وہ اپنے غالب کرنے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے۔

چند سال میں یہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے اور قریش کے بہت لوگ اسکو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ ڈاکٹر سنڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ اس پیشگوئی کا ماخذ کیا تھا؟ یعنی اُسوقت جبکہ یہود اپنی قوت اور شوکت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ زبان رسالت نے اعلان کیا

ضربت عليهم الذلة اينما ثقفوا الا بحبل من الله وحبل من الناس | اور اُن پر رسوائی مقرر کی گئی جہاں بھی پائے جائیں۔ لیکن خدا یا آدمیوں کے سہے!

آج تک کیا اس پیشگوئی کے صادق ہونے کے خلاف کوئی شہادت پیش کی جا سکی؟ اور کیا یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ایسی صحیح پیشگوئی کا ماخذ کیا تھا۔ منافقین کو خوف تھا کہ کہیں انکا نفاق بذریعہ وحی آشکارا نہ کر دیا جائے۔ نفاق سے قطع نظر انکے اس خطرۂ قلبی کو وحی الٰہی نے یوں ظاہر فرمایا

يحذر المنافقون ان تنزل عليهم سورة تنبئهم بما في قلوبهم (توبہ) | منافقین ڈرتے ہیں کہ انکے متعلق کوئی سورۃ اُترے جو انکے دل کی باتوں کی خبر دے!

ڈاکٹر سنڈل کو نشاندہی کرنا چاہیے کہ منافقین کے اس خطرۂ قلبی کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوا؟

ڈاکٹر سنڈل کا دعوٰی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ یہودی عربوں سے یہودی روایات کو اخذ کیا۔ لیکن اُن عربوں کا حال اُنکے نزدیک یہ تھا،

"عرب یہودی جنکو یہودی دراصل یادتھیں زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اور انھیں مقابلۃً بائبل کے تالمود کی روایات زیادہ معلوم تھی ص۳۲"

عیسائیوں کے متعلق ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے

"وہ لوگ جو محمد پر ایمان لائے تھے اُن میں سے کوئی بھی سچا اور اچھا تعلیم یافتہ عیسائی نہیں تھا۔ ص۱۱۶"

ڈاکٹر سنڈل کے یہ بیانات ذہن نشین رہیں۔ اسکے بعد اس پر غور کیجیے کہ قرآن مجید یہود و نصارٰی کو سختی سے کفر و عید میں سناتا ہے اور انکی ایک ایک اخلاقی کمزوری اور معاشرتی پستی کی پردہ دری کرتا ہے انکی تحریف و تاویل کا راز فاش کرتا ہے لیکن یہ لوگ ایسے عاجز ہیں کہ زبان سے بھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ تم جاہل عربوں اور ناواقف اہل کتاب سے مضامین حاصل کرتے ہو اور پھر ہمارے مقابلہ میں آتے ہو؟ قرآن نے کہا

يا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا | اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا

تبيين لكم كثيرا مما كنتم تخفون من الكتاب | پیغمبر آیا وہ بہت کچھ ظاہر کرتا ہے جو تم کتاب میں سے چھپاتے ہو۔

ایک دو نہیں بلکہ یہ "کثیر" امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل عربوں سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ اور پھر وہ عرب جنکو بقول ڈاکٹر سنڈل بائبل سے زیادہ تالمود سے دلچسپی تھی وہ تو اس سلسلہ میں اور بھی بیکار تھے۔ ڈاکٹر سنڈل کو بتلانا چاہیے تھا، کہ یہ "مخفی" امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوئے؟ اور اگر قرآن کا یہ دعوٰی "نعوذ باللہ" صحیح نہ تھا، تو کیا یہود و نصارٰی نے اسکے جواب میں کوئی آواز بلند کی تھی۔ قرآن نے خبر دی کہ بعض پاک چیزیں یہود پر اُنکی بداعمالیوں کی وجہ سے حرام کی گئی ہیں۔

فبظلم من الذين هادوا حرمنا عليهم الطيبات | یہودیوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام کر دیا۔

یہود کو اس سے انکار تھا۔ قرآن نے اُن سے کہا کہ تم سچے ہو تو توراۃ لاکر پڑھو دیکھو اس میں کیا ہے

قل فاتوا بالتوراة فاتلوها ان كنتم صادقين | کہیے کہ توراۃ لاؤ اور اُسکو پڑھو اگر تم سچے ہو۔

اس قدر پُرزور مطالبہ کیا جاہل عربوں سے سُنی ہوئی باتوں پر ہو سکتا تھا اگر یہود کو وہم بھی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائبل کے مضامین سے واقف ہیں تو وہ قرآن کے اس دعوٰی کے انکار کی جرأت نہ کرتے بہرحال وہ قرآن کے اس مطالبہ سے پریشان ہوگئے۔ اور توراۃ کے پیش کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

ڈاکٹر سنڈل کا تصنیفی فرض تھا کہ اس قسم کے امور کا وہ اپنی تصنیف میں جواب دیتے، انکے ماخذ بتلاتے اور اپنے ناظرین کی تسلی کا سامان بہم پہنچاتے۔

---

(۳)

ڈاکٹر سنڈل کا اصل موضوع یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا سراغ لگائیں۔ لیکن داد دیجیے اُنکے اس عدل و انصاف کی کہ جب وہ اپنے نتائج تحقیق پیش کرنے لگتے ہیں تو قرآن کے بجائے کتب تاریخ کا حوالہ دیتے ہیں یا ان کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جو عموماً پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم اور آتش نمرود کے واقعہ کا جب سراغ دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا ماخذ تو فلاں کتاب ہے اور اسلامی ماخذ میں یہ واقعہ ابو الفداء اور عرائس المجالس میں موجود ہے۔ گویا فاضل مصنف کے نزدیک کسی واقعہ کا ابو الفداء اور عرائس المجالس میں ہونا عین قرآن میں ہونا ہے

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست!

اسی طرح ہاروت و ماروت، گوسالۂ سامری، کوہ قاف

یعنی آدم وغیرہ کے متعلق وہ کچھ بیان کرتے ہیں، اس میں وہ ایک بات قرآن سے لیتے ہیں باقی روایات ابو الفداء، عرائس المجالس، تفسیر عباسی، اور قصص الانبیاء وغیرہ سے بیان کرتے ہیں پھر ان کتابوں کی روایات یا ان سے ملتی جلتی چیزیں جب انکو اسرائیلیات یا کسی دوسرے دفتر میں ملتی ہیں تو ڈاکٹر صاحب جوش سے پکار اٹھتے ہیں کہ "دیکھو یہ ہے قرآن کے فلاں واقعہ کا ماخذ!"

---

(۴)

ڈاکٹر ٹسڈل کی اس تصنیف کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلام سے پیشتر کسی صحیفہ یا کسی مذہبی روایت میں انکو خدا، بہشت، جہنم، فرشتہ، شیطان، لوح محفوظ، میزان، عرش، اور اسی قسم کی مذہبی چیزوں کا نام مل گیا، اور یہی نام ان کو اسلامی تعلیمات میں بھی ملے، دونوں کے حقائق کا مقابلہ کیے بغیر انھوں نے یہ حکم لگا دیا کہ اسلام کا فلاں عقیدہ فلاں مذہبی روایت سے ماخوذ ہے۔ اگر ڈاکٹر ٹسڈل اسلامی تعلیمات سے کما حقہ واقف ہوتے تو غالبًا وہ ایسی واضح غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔ قرآن کا یہ دعوٰے اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ وہ اگلے صحیفوں کی صحیح تعلیمات کا حامل ہے۔ اور اسی لیے دوسرے آسمانی صحیفوں اور قرآن کے مضامین میں کہیں تطبیق پائی جاتی ہے۔ اور یہ قرآن کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس مطابقت سے یہ سمجھنا کہ قرآن ان صحیفوں سے ماخوذ ہے، معلوم نہیں کس منطقی دلیل کا نتیجہ ہے؟ لیکن یہاں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے ہیں بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر ٹسڈل جن چیزوں کو اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا ماخذ ہے، ان کا یہ کہنا غیر صحیح اور انکی نشان دہی غلط ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر موصوف نے یا تو خود بری طرح فریب کھایا ہے یا اپنے ناظرین کو بری طرح فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

بے شبہ عقائد کا ذکر دوسرے آسمانی صحیفے بھی کرتے ہیں، لیکن اگر اسلام کے بتلائے ہوئے اعمال میں اور ان دوسرے مذہبی صحیفوں یا مذہبی روایات کی تعلیمات میں بالکل یکسانی تھی تو عرب کا ذرہ ذرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کا دشمن کیوں ہوگیا تھا؟ اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کو مصائب کا نشانہ کیوں بننا پڑا؟

فاضل مصنف نے بار بار اپنی تصنیف میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی خاطر فلاں چیز کو اپنے مذہب میں شامل کیا، یہود کو مائل کرنے کے لیے فلاں چیز کو اپنے مذہب میں شامل کیا۔ نصاریٰ کی رضامندی کے لیے فلاں عقیدہ قبول کرلیا۔ مجوس کی خاطر فلاں بات قبول کرلی۔ لیکن اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا یہ تمام فرق باطلہ اس ترکیب سے رام ہوگئے؟ کیا مصنف نے عہد رسالت کی تاریخ سے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں۔

خدا کو کیوں مانا جائے؟ اسکی وحدت کیا ہے؟ اسکی توحید کی دلیلیں کیا کیا ہیں؟ اسکا اور بندہ کا تعلق کیا ہے؟ رسول دنیا میں کیوں آتے؟ رسولوں کی پہچان کیا ہے؟ انکا تعلق ہمارے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ کتاب الٰہی کا مقصد کیا ہے؟ کسی کتاب کو کتاب الٰہی کس طرح تسلیم کیا جائے؟ فرشتہ اور خدا کا تعلق کیا ہے؟ فرشتوں کا کام کیا ہے؟ موت کیا ہے اور قیامت کیا ہے؟ موت سے لیکر قیامت تک، اور قیامت سے لے کر ابد تک کیا ہوگا؟ قیامت کا تصور کیوں ضروری ہے؟ جزا و سزا کے اصول کیا ہیں؟ کیا قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے ان سوالات کا مفصل اور مکمل جواب دیا ہے؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ محض اشتراک اسمی کو نہ دیکھتے بلکہ انکی حقیقتوں کا مقابلہ کرتے، اسکے بعد اس سلسلہ کی اسلامی تعلیمات کے ماخذ بتاتے، تو دنیا انکی ممنون ہوتی۔

خدا کی عبادت کا حکم کس مذہب نے نہیں دیا؟ لیکن قرآن کے سوا کسی نے بتلایا ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ اسکا فائدہ کیا ہے؟ عبادت کے لائق کون ہے؟ خدا کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں نہ کی جائے؟ بدنی عبادتیں کس طرح کی جاتی ہیں؟ مالی عبادت کی ادائگی کا کیا طریقہ ہے؟ عبادت قلبیہ کے اصول کیا ہیں؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ اسلام کی ان تعلیمات کے ماخذ سے اپنے ناظرین کو محروم نہ رکھتے!

حسن اخلاق کے حکم سے کون آسمانی صحیفہ خالی ہے لیکن یہ کہ حسن اخلاق کا معیار کیا ہے؟ حسن اخلاق کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اخلاق حسنہ اور ایمان کا تعلق کیا ہے؟ بلکہ اخلاق کے ان مسائل کو قرآن کے سوا کسی نے حل کیا ہے؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ ان تعلیمات کے ماخذ کی بھی نشان دہی کرتے اور ہم سے خراج تحسین وصول کرتے۔

عقائد و اعمال کے سوا قصص قرآن کے ماخذ بتانے میں بھی دانستہ یا نادانستہ ڈاکٹر ٹسڈل اسی مغالطے کے شکار ہوئے ہیں۔ انھوں نے روایات یہود و نصاریٰ میں کسی واقعہ کو دیکھا اور اس سے ملتا جلتا واقعہ قرآن میں بھی دیکھا بس سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا کہ قرآن کے فلاں واقعہ کا ماخذ فلاں یہودی اور نصرانی روایت ہے۔ انکو یہ غور کرنا چاہیے تھا کہ یہود و نصاریٰ کے علما نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ قرآن بار بار انکو اپنی سند میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں بے کھٹکے پوچھ لو اہل کتاب ۔۔۔

الا ان جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ھم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

صدق

اڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب مدیر: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
(ٹیلیفون نمبر ۱۴۹)

نمبر ۲۱ | یوم شنبہ - ۹- شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱- جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہونچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا .... سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے۔ ہند، ابوسفیان کی بیوی آگے آگے تھیں، اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اشعار یہ تھے، ؎

نحن بنات طارق	ہم تالینوں کے اوپر چلنے والیاں ہیں
نمشی علی النمارق	اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو تمہیں گلے لگا لینگے
ان تقبلوا نعانق	اور اگر پیچھے قدم اٹھایا تو تم سے الگ ہوجائینگے"
وان تدبروا نفارق	(سیرۃ النبی، شبلی، جلد اول صفحہ ۲۷۳)

مشہور و معروف جنگ اُحد میں خاتونانِ قریش کا جنگ میں شریک ہونا، بلکہ صف جنگ میں آگے آگے ہونا، ساز بجا بجا کر پُر جوش نظمیں پڑھنا، جوانانِ قریش کو گلے لگانے کا وعدہ کرنا، تاریخ کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے —— اور یہ کوئی بھی نہیں لکھتا کہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تاریخ قریش میں بالکل انوکھا تھا۔ یا یہ کہ اسکی کوئی مثال انکے ہاں ملتی ہی نہیں! اہل جاہلیت اس طرز عمل سے بالکل اجنبی اور نا آشنا تھے!

- - - - - -

آج جو جنگ یورپ میں آپ جنگ اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ دیکھ رہے ہیں، جنگ کے ہر شعبہ اور ہر ہر صیغہ میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو گھسیٹا جا رہا ہے، آئے دن اخبارات میں پوری پوری زنانہ پلٹنوں کی تصویریں دیکھ چکے ہیں، اپنی آنکھوں سے ہر بڑے شہر میں فوجی عورتوں کو مردانہ وردی میں چلتے پھرتے ملاحظہ کرچکے ہیں، ان سب میں ایسی نئی کونسی بات ہے؟ یہ تو وہی پرانی سنت جاہلی ہے۔ جو آج پھر امریکہ میں اور روس میں، اور برطانیہ میں، اور آسٹریلیا میں نئے نئے ناموں اور خوشنما لقبوں کے ساتھ زندہ ہوئی ہے —— حجاب و نقاب کی قیدوں سے تو جاہلیت کی آزاد خیال آزاد عمل آزادی پسند، آزادی خواہ عورت کو ہمیشہ چڑھ رہی ہے، اور یہ تو محض تہذیب اسلامی تھی جس نے ان بے قیدیوں اور بیباکیوں کا ترجمہ "آوارگی" سے کیا تھا۔ "ترقی پسند" عورت ان بندشوں کو توڑ کر اب پھر آزاد یا آوارہ ہوئی ہے، اور "بزم و رزم" دونوں میں مردوں کے پیچھے رہنے کا نہیں، اُنکے آگے چلنے کا مطالبہ کر رہی ہے!

تناسخ پر ایک نظر

ایک مولوی صاحب کا مراسلہ:

"اسلام میں قرآن اور حدیث کے نقطۂ نظر سے تناسخ کی تردید کی واضح طور پر ضرورت ہے۔ عقلی دلائل تو موجود ہیں مگر نقلی دلائل کی ضرورت ہے۔ اگر جزا بین عمل کے نظریہ کو تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ قرآن و حدیث سے منضبط ہو سکتا ہے تو کیا عقیدہ لازم آئیگا۔ کیا قرآن سے جزاء و عمل کی مناسبت پر کوئی

روشنی ڈالی ہے یا نہ ؟"

جزاء اعمال عالم آخرت کے مطابق ہونا، سب ہونا تو بیشک قرآن مجید ہی سے ثابت ہے (جزاءً وفاقاً وغیرہ) حدیث نبوی اور بیانات صوفیہ سے تائیدی شہادتیں اسکے علاوہ۔ لیکن اس جزاء اعمال کا ظہور اسی عالم آب و گل میں نہیں، اسکے بعد کا عالم آخرت ہوگا۔ قرآن مجید اسکی تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ کوئی ایک دو آیتیں ہوں، تو نقل کر دی جائیں۔

تناسخ والوں کو اسکے بالکل برعکس یہ دھوکا ہے کہ جزاء کا مکمل ظہور بس یہیں عالم ہستی میں، سزا یہیں ملتی رہتی ہے، اور روح قدیم ہے اسے فنا نہیں۔ وہ برابر قائم رہتی ہے، اور صرف قالب بدلتی رہتی ہے اور یہ دونوں دعوے اسلام کے بنیادی عقائد کے منافی ہیں۔

تناسخ کی تہ میں چونکہ روح کے قدیم و غیر فانی ہونے کا عقیدہ کام کر رہا ہے، اس لیے یہ حقیقت ذرا بھی تعجب نہیں کہ تناسخ تقریباً تمام مشرک قوموں میں مشترک ہے۔ برخلاف اسکے اہل کتاب میں سے یہود نے بھی توحید کی بنا پر اس سے ابا و انکار کیا ہے، البتہ نصاریٰ پر چونکہ یونانی اور رومی شرک اچھی طرح غالب آ گیا، اس لیے وہ تثلیثی شرک کے ساتھ ساتھ، حضرت مسیح کی ذات کی حد تک تناسخ کے بھی قائل ہو گئے ہیں، مسیح کا بعد وفات دنیا میں دوبارہ تشریف لانا تناسخ ہی کی ایک صورت ہے۔ اہل قادیان جب گمراہ ہوئے، تو مسیحیوں کی تقلید میں انھوں نے بھی حضرت مسیح کی وفات کو تسلیم کر لیا، لیکن کلمۂ توحید کی برکت سے بہرحال اسکے قائل نہ ہو سکے کہ بجنسہ وہی مسیح ابن مریم دنیا میں دوبارہ آئیں گے، اور اس طرح تناسخ کی شدید تر گمراہی سے بال بال بچ گئے۔

مرض اور دوائے مرض

بمبئی کے ایک مشہور اردو روزنامہ کا اداریہ شذرہ :-

"ایک عرصہ سے بمبئی میں ڈکیتی، قتل، خون اور عصمت فروشی کا بازار حد سے زیادہ گرم ہے۔ روزانہ نہایت دردناک اور افسوسناک واقعات اخبارات کے کالموں میں آتے رہتے ہیں اور بتاتے رہتے ہیں کہ بمبئی کا امن و امان اور اخلاق کس حد تک تباہ ہو چکے ہیں۔

اخلاقی جرائم اور قتل و خونریزی کے واقعات میں اضافہ کا سبب صرف یہ ہے کہ بمبئی میں شراب سازی، شراب فروشی، اور شراب نوشی نیز قماربازی وغیرہ جیسے فساد انگیز اعمال کی حیات ہے۔ پولیس دیکھتی ہے اور کچھ نہیں کرتی۔ کرتی بھی ہے تو محض برائے نام۔ ظاہر ہے کہ جہاں اس قسم کے گندہ اعمال کی آزادی ہو، وہاں چوری، ڈکیتی، قتل و خونریزی اور عصمت فروشی کے سوا اور کسی چیز کا دور دورہ نہیں ہو سکتا۔"

بالکل سچ ہے، لیکن اس میں قید اور خصوصیت بمبئی کی کیا ہے؟ کلکتہ کا کیا حال ہے؟ اور پھر دہلی اور لاہور اور کانپور کو کیوں بھول گئے — صاحب کی "لائی ہوئی اور پھیلائی ہوئی ان ترقیوں" کے قدم تو جہاں جہاں بھی جس درجہ میں پہونچے ہیں، سب کا حال ایک سا ہے۔ قرآن اور شریعت کی حکومت اگر ہوتی، تو یہ بڑے بڑے بینک (سود خواری کے ٹھکانے) اور بڑے بڑے سینما (ہر قسم کے فحش اور فسق کے مرکز) اور بڑے بڑے کلب اور ریسٹوران (جوئے اور شراب کے اڈے) یقیناً نہ ہوتے، اور ساتھ ہی نہ کہیں عصمت فروشی کا بازار لگتا، نہ ملک بھر میں کوئی شرابی اور شراب فروش نظر آتا، اور نہ کوئی جواری اور نہ کوئی خونی اور ڈاکو!

یہ ترکی ہے!

"جس طرح ترکی انقلاب کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوئے ہیں، اسی طرح فن و ادب میں بھی نئی طرحیں ڈالی گئی ہیں۔ پہلے عام طور پر مصوری، بت تراشی، موسیقی اور تھیٹر کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی تھی۔ اتاترک کے حریت آفریں اثر نے صورت گری، موسیقی اور تھیٹر میں نئی روح پھونک دی ہے......

اتاترک کے جو مجسمے آسٹریا، جرمنی اور اطالوی صناعوں نے تیار کیے تھے، انھیں بڑے بڑے چوراہوں پر نصب کرنے سے جدید ترکی میں بت تراشی کا شوق پیدا ہوا۔ استنبول میں فنون لطیفہ کی تعلیم کے لیے ایک اکاڈیمی قائم ہوئی اور ترکی کے نوجوان طلبہ کو تعلیم دینے کے لیے غیر ملکی فن کار بلائے گئے۔ چنانچہ آج بہت سے قابل فخر فن کار پیدا ہو گئے ہیں......

اتاترک نے سرکاری تقریبات کے موقع پر ملکی غیر ملکی آرکسٹرا (ساز) کو رائج کیا، اور بڑے بڑے افسران اور تہذیب یافتہ لوگوں کو مغربی موسیقی سے واقفیت پیدا کرنے پر آمادہ کیا۔ اس طرح موسیقی میں مغربیت پسندی کی تحریک کا نشو و نما ہوا، اور انقرہ میں موسیقی اور اداکاری کی تعلیم کے لیے ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا....

ادھر ترکی میں تھیٹر پر بھی کافی توجہ کی گئی ہے۔ اور ۱۵ سال کے عرصہ میں اس نے نمایاں ترقی کی ہے۔ چنانچہ انقرہ میں ایک خوبصورت اعلیٰ درجہ کا جدید ساز و سامان سے آراستہ تھیٹر ہے جو خوش مذاق لوگوں میں بہت مقبول ہے۔" (اجمل۔ بمبئی۔ سنڈے ایڈیشن۔ ۸- جولائی ۴۵ء)

یہ ساری منقبت سرائی دوست، اور قدردان کی زبان سے ہے۔ مخالف و معترض کے قلم سے نہیں! — گویا مختصر لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ اتاترک بہادر نسل کی ایک ایک شاخ کو اپنی بنائی خوب چمکا گئے، اپنی قوم کو مصوروں، بت تراشوں، نقالوں، گویوں سے بھر دیا۔ اپنے محسن رسالت پیمبر کی امت کو اس میٹھے زہر کی چاٹ لگا دی، جہاں تک رسائی نہ بادشاہ اکبر کی ہوئی تھی، نہ بادشاہ زادہ دارا شکوہ کی! — واقعی اخلاص اور قرابت

ہے مرعوبیت کی! انھیں انوکھی صورتوں کا نام تجدید ہے!

قدیم صحیفوں کی زبان

صوبۂ سرحد سے ایک سوال:-

"توریت، انجیل کی الہامی زبان عبرانی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جب ہر پیمبر کی جو زبان ہوتی ہے، اُسی میں اُسے پیام لوگوں کو پہونچانے کے لیے دیا جاتا ہے۔ یہ مسلّم عقلی بھی ہے، اور قرآن مجید بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ اب یہ ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کی زبان عبرانی تھی (اور یہی گویا بنی اسرائیل کی زبان تھی) اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں یہی بدل کر سریانی (شامی) ہو چکی تھی۔ اسکے بعد یہ تسلیم کرنا رہ جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے الہامات پرانی عبرانی زبان میں تھے، اور حضرت عیسیٰ کے نئی سریانی میں۔"

دائرۃ المعارف (دکن)

سلطنت آصفیہ دکن کے معتبر ترین اور قدیم اداروں میں سے اسکا علمی حلقوں میں مشہور و معروف نام دائرۃ المعارف العثمانیہ ہے۔ مقصد اسلامی علوم کی نشر و احیاء اور نادر عربی کتابوں کی طبع و اشاعت ہے۔ ادارہ کے ناظم انتظامی مولانا محمد الیاس برنی، ایم اے، ال ال بی کی طرف سے مطبوعات ذیل وصول ہوئی ہیں:-

کتاب	جلد	کیفیت
(۱) مسند ابی عوانہ	حصہ اول	حافظ ابو عوانہ اسفرائنی (المتوفی ۳۱۶ھ) ایک قدیم اور نامور محدث گزرے ہیں۔ یہ انکا مجموعۂ احادیث دو ضخیم جلدوں میں ہے۔
(۲) ،،	حصہ دوم	
(۳) تاریخ الکبیر	جلد اول	مشہور امام المحدثین امام بخاریؒ کی یہ تاریخ صحابہ و تابعین ہے۔ جلد (۲) پہلے طبع ہو چکی ہے۔
(۴) ،،	جلد دوم	
(۵) مشکل الحدیث		چوتھی صدی ہجری کے حافظ ابن فورک کی جلیل القدر تصنیف ہے
(۶) کتاب المحبر		محمد بن حبیب بغدادی (۲۴۵ھ) کی ضخیم کتاب تاریخ عرب ابتداء اسلام پر ہے۔
(۷) کتاب الافعال	جلد ۳	ابن قطاع لغوی کی کتاب لغت پر ہے۔
(۸) کتاب المختارات	جلد اول	فن طب پر ابن ہبل بغدادی (المتوفی ۶۱۰ھ) کی یہ نایاب کتاب ہے۔ علم الامراض اور علم الادویہ دونوں کی جامع۔
،،	جلد دوم	
،،	جلد سوم	
(۱۱) فہرست المنتظم	جلد ۸	ابن جوزیؒ کی ضخیم تاریخ المنتظم جلد ۸ و ۹ کا یہ مفصل انڈکس (اشاریہ) ہے۔
(۱۲) ،،	جلد ۹	
(۱۳) کتاب الاعلام وغیرہ۔		عاملی (۱۰۶۱ھ) کے تین رسالوں کا مجموعہ ہے

کتابوں کی تصحیح و مقابلہ وغیرہ کے کام کے افسر مولانا سید محمد ہاشم ندوی ہیں۔ مناسبت طبعی اور کہنہ مشقی، دونوں نے مل کر اب انھیں اس فن کا استاد بنا دیا ہے۔

سورۃ البقرۃ - رکوع ۲۲

(از عبد الماجد)

(سلسلۂ صدق نمبر   )

ایامًا معدودات فمن کان منکم مریضًا او علٰی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ وعلی الذین یطیقونہ	(یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) ۱۴۴ پھر تم میں سے جو شخص بیمار رہے ۱۴۵ یا سفر میں ہو ۱۴۶ تو اس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا لازم ہے ۱۴۷۔ اور جو لوگ اسے

۱۴۴ یعنی یہ فرض روزوں کی ایک معین تعداد ہے، جیسا کہ دوسری تنظیم یا باقاعدگی کا اقتضاء ہے۔ یہ نہیں کہ جس جس کا جی چاہے، جتنے دنوں کے لیے اختیار کرے۔ وحدت امت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ متعین حدود کے اندر ساری امت کے لیے مقرر ہو۔ ضمنًا یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزہ رکھتے ہی جاؤ۔ چھ چھ مہینے تک، تین مہینے بھی نہیں۔ بس ایک مہینہ یعنی ۲۹ یا ۳۰ دن۔

۱۴۵ (اور بیماری کے باعث روزہ اس پر شاق ہو)

بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بیماری کی کیفیت شدید بھی ہو سکتی ہے اور بہت خفیف، برائے نام بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر موسم، عمر، جثہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثرانداز ہوا کرتے ہیں، یہاں مراد ایسی بیماری ہے، جو روزہ رکھنے میں مخل انداز ہو۔ محض مریض ہونا اجازت ترک صوم کے لیے کافی نہیں۔

اے مرضًا یعسر علیہ الصوم معہ (روح) قال جمہور من العلماء اذا کان بہ مرض یؤلمہ ویؤذیہ او یخاف تمادیہ او یخاف تزیدہ صح لہ الفطر (قرطبی) یخاف من الصوم زیادۃ مرض (مدارک) قال ابو حنیفۃ وابو یوسف ومحمد اذا خاف ان تزداد عینہ وجعًا او حماہ شدۃ افطر (جصاص) فثبت اتفاق الفقہاء ان الرخصۃ فی الافطار للمریض موقوفۃ علی زیادۃ المرض بالصوم۔ وانہ ما لم یخش الضرر فعلیہ ان یصوم (جصاص)

بیماری کی کوئی معین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اسکا فیصلہ کر سکتا ہے۔

۱۴۶ سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کر دیے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ قد اتفقوا علی ان للسفر المبیح للافطار مقدارًا معلومًا فی الشرع (جصاص) لیکن خود ان اندازوں میں اختلافات صحابہؓ کے زمانہ سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ ابن عمرؓ و ابن عباسؓ صحابیوں اور فقیہ ثوری کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن

باپ بھی تھا - ؟

ڈاکٹر نشڈل کے جواب میں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ کوئی نیا شبہ نہیں ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مغیرہ بن شعبہ کو نجران نبیا دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا تھا تو وہاں کے لوگوں نے بھی حضرت مغیرہ سے یہ بات کہی تھی - حضرت مغیرہ جب بارگاہ نبوت میں واپس ہوئے تو یہ شبہ نقل فرمایا - حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ لوگ اپنے پیغمبروں اور گذشتہ بزرگوں کے نام پر نام رکھا کرتے تھے -

ڈاکٹر نشڈل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ماخذ بتلاتے ہوئے کہا ہے کہ اس سلسلہ واقعات کا ماخذ "انجیل الیاس اسرائیلی" ہے - یہ انجیل ہم کو بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ حنیفہ کے کھیل کھیلا کرتے تھے - یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ تھے - یوسف نے حضرت عیسیٰ کو ڈانٹا ! ڈاکٹر نشڈل کو بتلانا چاہیے تھا کہ قرآن میں یہ واقعات کہاں مذکور ہیں ؟ اور حضرت عیسیٰ کے لیے باپ ثابت کرنا کیا قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں ہے ؟

---

(۵)

ڈاکٹر نشڈل کی اس تصنیف کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی پوری کتاب کی بنیاد احتمالات و امکانات پر رکھی ہے - کسی چیز کے متعلق وہ یقینی فیصلہ نہیں دیتے ہیں - وہ جن کتابوں کو قرآن کا ماخذ بتلاتے ہیں ان کا فرض تھا کہ اُن کتابوں کی تاریخیت سے بحث کرتے - اُنکو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ عہد رسالت میں یہ کتابیں عرب میں موجود تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اُن سے ملنے والے ان کتابوں سے واقف تھے - اُنکو یہ بھی واضح کرنا چاہیے تھا کہ اُن کتابوں کی قیمت اہل عرب کی نگاہ میں کیا تھی ؟ اس لیے کہ کوئی داعی مذہب محض افسانوں پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھ سکتا ہے - انکو اُن اشخاص سے بھی پوری بحث کرنا چاہیے تھا جن سے (نعوذ باللہ) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے خیال کے مطابق مسائل کو اخذ کیا تھا !

فاضل مولف نے پوری کتاب میں کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی یقینی طور پر یہ نہیں بتایا کہ قرآن کا فلاں واقعہ یا مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سے سنا - اور قرآن میں درج فرمایا !

پوری کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعہ کے متعلق انھوں نے ڈرتے ڈرتے یہ کہا کہ حضرت ماریہ قبطیہ سے غالبا حضور نے یہ واقعہ سنا ہوگا - ص۱۰۸ -

قرآن میں حضرت عیسیٰ کے بچپن کا واقعہ ترتیب نزول کے اعتبار سے پہلے سورۂ مریم میں بیان ہوا ہے - اور سورۂ مریم مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ سنہ ۷ھ میں حرم نبوی میں داخل ہوئی ہیں - یعنی نزول قرآن کے ابتدا کے سترہ سال کے بعد !

واہ رے ڈاکٹر نشڈل کی تحقیق اسی کا نام ہے کہ راوی اپنے مروی عنہ سے سالہا سال بعد متعارف ہو لیکن مروی عنہ کی سابقہ روایت کی سند اسی راوی سے ملا دی جائے

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت ماریہ کے سوا چند نام اور بھی ڈاکٹر موصوف نے گنائے ہیں - مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان، ورقہ، حضرت صہیب، حضرت زید، جبر و یسار اور ڈرتے ڈرتے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) قرآن کی تصنیف میں انھیں سے مدد لی ہوگی - امکان و احتمال کا سلسلہ یہاں بھی تام ہے !

ڈاکٹر نشڈل کے بیان کردہ ان اشخاص میں حضرت عبداللہ بن سلام سنہ ۸ھ یا سنہ ۹ھ میں مدینہ میں اسلام لائے - یعنی نزول قرآن کے تیرہ سال بعد یا اکیس سال بعد - حضرت سلمان فارسی مدینہ میں اسلام لائے - یعنی نزول قرآن کے تیرہ سال بعد !

ڈاکٹر نشڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ اُنکے نزدیک جو شخص قرآن کا مصنف ہے اتنے عرصہ تک کس سے نفع اُٹھاتا رہا - ورقہ بن نوفل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تیسرے یا چوتھے سال وفات پا گئے تھے - (زرقانی اول ص۲۱۵) ڈاکٹر نشڈل کو واضح کرنا چاہیے تھا کہ اُنکے انتقال کے بعد (نعوذ باللہ) مصنفِ قرآن کس سے استفادہ کرتا رہا ؟

باقی رہے حضرت صہیب و حضرت زید، جبر و یسار - تو انکے ڈاکٹر نشڈل کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ یہ لوگ اہل کتاب کے علوم سے اسقدر واقف تھے کہ (نعوذ باللہ) قرآن جیسی کتاب میں اُنکی مدد سے تصنیف کی جا سکتی تھی ؟

ڈاکٹر نشڈل کو غور کرنا چاہیے تھا کہ عہد نبوی میں مخالفین اسلام نے اسلام کی مخالفت میں تن، من، دھن سب قربان کر دیا، ان کے لیے کیا مشکل تھا کہ بدر و اُحد، خیبر اور حنین کے معرکوں کے بجائے وہ اُن لوگوں کو قتل کر دیتے جو اُنکے نزدیک (نعوذ باللہ) تصنیف کے مددگار تھے - اور اس طرح اپنی پریشانیوں کا خاتمہ کر لیتے ! نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات -

---

علم عربی اور امرائے زمانہ

(از مولوی عبد الرؤف صاحب۔ جھنڈے نگر۔ ضلع بستی)

نمبر (۵)

خادم ملک و قوم حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدظلہ لکھتے ہیں کہ جب میں سات برس کا تھا تو والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ چودہ برس تک میں بے سبب اقارب مع والدہ کے مجھ سے چھوٹ گئے۔ پورے چودہ برس کے بعد میں نے ابتدائی فارسی اور عربی کا آغاز کیا۔ امرتسر میں کچھ شد بد کے بعد حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی کے پاس جا کر پڑھا۔ پھر جا کر سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے سند اجازت لی۔ پھر سہارنپور و دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر کانپور علوم الٰہیہ منطق و فلسفہ، ریاضی وغیرہ پڑھنے کیلیے دوبارہ آئے۔ پھر سلسلۂ تقریر و تصنیف غالب آ گیا جس میں بہ اصول من صنف فقد استہدف مجھ سے مناظرے بھی ہوے اور ہر مذہب والوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ وغیرہ۔ دیکھیے رسالہ نور توحید۔ اب دیکھو یہی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں جنکی آج ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں وہ شہرت ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ پس اگر کل دنیا مولانا کو غربت زدہ نادار سمجھ کر شکم پرور قرار دے کر ٹھکرا دیتی، تو آج ہم سے کتنا بڑا جوہر کھو دیا جاتا۔ بچپن میں کون کہہ سکتا تھا کہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ اتنا بڑا امام ہوگا اور ایسی کتاب حدیث کی تالیف کریگا جسکو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ البخاری کا درجہ ملیگا!

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تم دانہ روزانہ چڑیوں کو دو۔ کسی دن کوئی ہما تمہارا شکار ہو ہی جائیگا۔ وہی مدرسۂ نظامیہ ہے جس میں چھ ہزار طلبہ روزانہ رہتے تھے، ان میں نامور محض تھوڑے ہی لوگ ہوے۔ مثلاً سعدیؒ، غزالیؒ، جیلانیؒ۔ پس یہ تلاش کرنا کہ سب کے سب طلبہ انتخاب زمانہ ہوں تو ایسے ادارے مفید ورنہ غیر مفید۔ محض بیکار جستجو ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ سب کے سب افراد قابل ہی ہوں۔ البتہ ان لاکھوں، ہزاروں بچوں میں سے کچھ افراد جوہر قابل بھی ہوتے ہی ہیں۔ امام رازیؒ، امام خواجہ نصیر الدین طوسی، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، مولانا شاہ ولی اللہؒ، سید نذیر حسین صاحب محدث وغیرہ فضلاء عصر ائمۂ وقت لوگوں کی نسبت انکے طفلی اور بچپن کے زمانہ میں کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کیسے جلیل القدر و مراتب لوگ ہیں، اور ان سے دنیا کو کیا فیض پہنچنے والا ہے لیکن عام طلبہ میں یہ بھی چھپے ہوے تھے۔ پس اگر ہم بظاہر غیر مفید طلبہ کی حالت دیکھ کر مایوس ہو جاتے، تو آج رازیؒ، غزالیؒ، مسلمؒ بخاریؒ جیسے لوگ ناپید رہتے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کسی کو یقین ہو جائے کہ طالب علم محض وظیفہ خوری شکم پروری کی غرض سے ہے تو بھی انکا وظیفہ بند نہ کریں بلکہ سنت فاروقیؓ پر عمل کریں۔ کیونکہ بند کر دینے سے اصلح و انفع ہستیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔

سنت فاروقیؓ

آپ کو اس واقعہ سے معلوم ہوگی کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے طلبہ کیلیے دائمی نفقہ مقرر کر کے عاملوں کو حکم بھیجا کہ ان اعط الناس علی تعلیم القرآن۔ اس حکم پر عاملوں نے لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب العلم بننا اختیار کر لیا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ اسکے باوجود وظیفہ جاری رکھا۔ (کتاب الاموال للامام ابو عبید الہروی صفحہ ۲۶۲) پس معلوم ہوا کہ طالبعلموں کے ابتدائی مراحل میں اس شبہہ کا لحاظ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ طالب علم گھربار چھوڑ کر محض شکم پروری کے حیلہ سے طالب علم بن گئے ہیں۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ جیسے اعلام امت نے طالبعلمی اپنی یتیمی و سایہ پدر سے محرومی کے زمانہ میں کی ہے۔ اگر آج کی طرح بدنیتی پہلے بھی قائم کر لی گئی ہوتی اور انکو مدرسوں سے شکم پرور سمجھ کر علحدہ کر دیا گیا ہوتا تو امت اسلامیہ کا کتنا بڑا نقصان تھا! حالی نے اس موقع پر خوب لکھا ہے؎

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی
خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جنکی
اگر بیٹے جیسے نہ انکی خبر لی
تو ہو جائیں گے ملکے مٹی میں مٹی

یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مبادا اکمعت ہو ودیعت خدا کی

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم جاہل
بہت ان میں ہیں جنکے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں جنکے فضائل
انھیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی
ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

نہ بو نصر تھا نوع میں سب سے بالا
نہ تھا بو علی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا
ہوے اسلیے صاحب قدر والا

اگر فکر کسب و ہنر تم کو بھی ہو
تمھیں پھر ابو نصر اور بو علی ہو

(باقی آئندہ)

تصحیح صدق

صفحہ ک ۱۔ انگریزی لفظ SIRIUS پڑھیے۔
" " ہندسوں میں صفحہ ۵ پڑھیے۔
" ک ۲ س ۱ CANIOMAJOR پڑھیے

ایک اور اشتہار!

المکرم والمحترم ایڈیٹر "صدق" - دریاباد

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ شاید آپ کو یاد ہو کہ بندہ نے حضرت سیدی و مولائی الحاج سالمین ایدہ اللہ کی کتاب بزبان انگریزی منظوم سوانح عمری مبارک سرکار دو عالم صلعم روانہ کی اور اسے مدت بھی ہو گئی۔ آپ نے فقط رسید کی سے آگاہی کی ہے مگر ریویو ہنوز نہیں لکھا۔ اگر اس متبرک و نادر الوجود کتاب پر ریویو لکھنا مقصود نہ ہو اطلاع دیں تاکہ انتظار کی زحمت گوارا نہ کیجائے کیونکہ الانتظار اشد من الموت۔[۱]

گرامی آپ کی توجہ بصد دل کرتا ہوں کہ خدارا آپ "صدق" کو صدق کی پالیسی پر ضرور گامزن کیجیے۔[۲] میں دیکھ رہا ہوں کہ فرقہ وارانہ رنگ اس پر غالب ہے اور "فرقہ" اور "مذہب" یہ نہ تو اسلام ہے اور نہ حق۔[۳] قرآن کریم میں درجنوں آیتیں "ولا تفرقوا" پکار رہی ہیں۔[۴] ادھر عام مسلمانوں کی یہ ذہنیت ہو رہی ہے کہ وہ تفریق بین المسلمین پر زور آزما رہے ہیں۔ اسلام اور مسلم کے نام پاک کو تو کوئی یاد نہیں کرتا، البتہ شیعہ، سُنی، وہابی، دیوبندی اور بریلوی تکفیر المسلمین زوروں پر ہے۔[۵] ہائے افسوس! نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

---

[۱] کتابیں ہر قسم اور ہر درجہ کی ریویو کے لیے موصول ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کسی کتاب کے درجہ اور اہمیت کا متعین کرنا یہ کام اڈیٹر کا ہے، نہ کہ مصنف یا انکے سکریٹری کا! البتہ جو ریویو سے نکلتے ہیں، بعض کی بصورت اطلاع دیدی جاتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ آپ کے "سیدی و مولائی" کی کتاب کو دوسرے بھی "متبرک و نادر الوجود" ہی سمجھتے ہوں! (صدق)

[۲] اس پالیسی کی تشریح نہ ارشاد ہوئی —— کیا یہ بھی کہ آپکے پروپیگنڈہ کی ہم آوازی ہوتی رہے! (صدق)

[۳] کیا اس پروپیگنڈے کے لیے آپ کا "گرینڈ مشن" کافی نہیں؟ (صدق)

[۴] لیکن ان آیتوں کے مخاطب کون ہیں؟ وہ جنھوں نے امامت وغیرہ کے نئے عقیدے دین میں داخل کر لیے، یا وہ جو دینِ محمدی پر بدستور قائم ہیں؟ (صدق)

[۵] یہ "تکفیر المسلمین" صدق کے کس پرچہ میں، کس صفحہ، کس سطر میں کی گئی ہے؟ (صدق)

[۶] اگر کسی سُنی کا اعتقاد اہل سنت پر فخر کرنا "النجم کا رنگ چڑھ جانا ہے" تو یقین فرمایئے، کہ ہر سُنی پرچہ النجم ہی ہے! (صدق)

[۷] یہ کس نمبر کے کس صفحہ پر؟ (صدق)

حال کی اشاعتوں میں تو صدق پر النجم کا رنگ چڑھ رہا ہے[۶] یعنی وہی شیعہ سنی تفریق اور حقارت آمیز کلمات[۷] بیچارہ شیعہ نہیں ہے[۸] اور نہ کسی فرقہ سے (خدانخواستہ) تعلق ہے[۹] تاہم میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ اسلام کے کسی فرقہ کو طعنہ بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ دیں۔[۱۰]

ویسے آپ نے میرے اور لکھنؤ کے ایک صاحب ظفر الملک کے درمیان مراسلت کا سدباب کیا ہے مگر آخر آپ نے یہ ظلم کیا کہ بغیر میرے جواب کے مراسلت کا دروازہ بند کر دیا۔[۱۱] یہ ہی بات حقیقت سے گری ہے۔ کاش کہ آپ اور موقع دیتے تو ظفر الملک صاحب کی اسلام دشمنی و بغض و عناد آل محمد منظر شہود پر آ جاتا۔ مگر الخیر فی ما وقع — والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔[۱۲]

الحقیر عبد الوہاب۔ گرینڈ مسلم مشن بمبئی

---

[۸] الحمد للہ! (صدق)

[۹] کاش آپ کا اور آپ کے "سیدی و مولائی" کا تعلق فرقہ اہل حق سے ہوتا! (صدق)

[۱۰] باطل کے درجات مختلف ہیں۔ باطل کا شمول جس درجہ میں جس فرقہ میں ہوگا، اُسی حد تک حسب ضرورت و موقع وہ طعن کا مستحق ہے۔ اور ایسے موقع پر مداہنت طریق تقیہ ہو تو ہو، طریق صدق ہرگز نہیں۔ (صدق)

[۱۱] کیا آپ کے خیال میں عدل یہ تھا کہ آخری مضمون مولوی ظفر الملک صاحب کا نہیں، بلکہ آپ کا رہنے دیا جاتا! یا یہ کہ سرے سے کوئی مضمون آخری مضمون ہی نہ ہونے پاتا؟ اور اس طرح "گرینڈ مشن" کا اشتہار کسی نہ کسی عنوان سے برابر نکلتا ہی رہتا! (صدق)

[۱۲] یہ ہر مراسلہ میں یہ عربی فقرہ جو اسلامی یہ بطور تکیہ کلام کے تحریر کر دیا کرتے ہیں، یا آپ اسکے محل استعمال سے بھی واقف ہیں؟ —— بہر حال یہ ذہانت قابل داد ہے کہ بحث کوئی بھی پہلو اختیار کرے، ہر بحث سے "گرینڈ مشن" کے اشتہار کا موقع ضرور ڈھونڈھ نکالا جائے! —— خوب ہے دیوانگی میں یہ ہوشیاری! سادگی میں یہ پُرکاری! (صدق)

اعلانِ تعطیل

شب برات کی تعطیل میں دفتر صدق و پریس بند رہیگا اس لیے آئندہ دوشنبہ ۲۴ - جولائی سنہ ۴۴ء کا پرچہ ارسال نہ ہوگا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔ (مہتمم)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

نمبر ۲۲	یوم شنبہ - ۱۸- شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸- جولائی ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

۱۹- جولائی ۱۹۴۳ء - دو برس، انگریزی حساب سے پورے دو برس گزرے، کہ آج ہی شام کو عشا کے وقت، ۸۰-۸۲ سال کی عمر میں اُس ہستی کی شمع حیات گُل ہوئی تھی، جو دین، خدماتِ دین، افادات دینیہ کے اعتبار سے اپنے وقت کی شاید سب سے بڑی شخصیت تھی! تھانہ بھون کا معمولی سا قصبہ، نہ تجارت میں ممتاز نہ سیاسیات میں نامور، نہ کوئی ریلوے جنکشن۔ لیکن اس آفتاب کی ذات تھی کہ اسی گوشہ میں بیٹھے بیٹھے سارے اسلامی ہند کے طول و عرض کو مطلع انوار بنائے ہوئے تھی! تفسیر، فقہ، کلام، ردِ بدعات وغیرہ علوم ظاہری کا کونسا شعبہ ایسا تھا، جسے مولانا نے چار چاند نہیں لگا دیے تھے؟ —— سچ کہا جس نے انھیں مجددِ ملت کہا! طریقت، سلوک، اصلاحِ نفس کے تو گویا امام تھے امام —— سچ کہا جس نے انھیں حکیم الامت کہہ کر پکارا! ایسا مجدد اور ایسا حکیم اب کہاں نظر آئیگا! آنکھیں قیامت تک ترستی ہی رہیں گی!

یاد تو سال کے سال قائم رہتی ہے - کون دن ایسا بدنصیب ہوتا ہوگا، جب گھر بیٹھے مجلس اشرفی کا سماں تخیل کے سامنے نہیں پھرتا رہتا، لیکن جولائی میں یہ یاد کچھ اور بڑھ جاتی ہے! ابھی حضرت بیمار رہتے! کیسی کیسی دوائیں، تدبیریں ہو رہی تھیں، لکھنؤ اور سہارنپور کے حاذق طبیب اپنی جانیں لڑائے دیتے تھے۔ کیسی کیسی دعائیں ہو رہی تھیں! ایک دو نہیں، سیکڑوں، ہزاروں اللہ کے مقبول اور پیارے بندے اضطراب اور اضطرار کے ساتھ اپنی آہیں اور اپنے نالے عرش الٰہی کی طرف بھیج رہے تھے! —— رسولؐ کی زیست و بقا کے لیے کیا بڑے بڑے صدیقوں نے، اہل بیت نے، صحابیوں نے، کسی نے کوئی کسر دعاؤں میں اُٹھا رکھی تھی۔ حکمت مطلقہ نے جب نبی، بلکہ نبی اعظمؐ کے معاملہ میں نظر میں بندوں کی نہ سنی، تو یہاں تو معاملہ صرف ایک ولی، یا بزرگ امت کا تھا! کوئی صورت اب بجز

اب کے بچھڑے ملیں گے حشر کے دن

کے وعدہ پر اطمینان کے نہیں۔

ایک مبارک موت

اطلاع آئی کہ ۲۰، جون کی شام کو خان صاحب شیخ حفیظ الرحمٰن قدوائی ایم- اس، سی مارکٹنگ آفیسر کوئٹہ نے بالکل دفعتہً کوئٹہ میں وفات پائی- انا للہ

موتیں تو عموماً افسوسناک اور دردانگیز ہوا کرتی ہیں - یہ مبارک موت کیسی؟ مبارک اس لیے کہ مرحوم نے عین حالت نماز میں، نماز مغرب کے سجدہ میں، جان جان آفریں کے سپرد کی! ایسی قابل رشک اچھے اچھے ذاکرین و صالحین کے لیے قابل رشک، موت کو مبارک نہ کہیے تو اور کیا کہیے؟ —— جن میں آتا ہے کہ فرزدہ باپ سو گیا دیئے

اور اشکبار عزیزوں کی خدمت میں بجائے تعزیت کے تحفۂ مبارکباد کا پیش کیجیے۔ ایسی موت کسی کے نصیب میں آتی کب ہے؟

بالکل جوان عمر تھے۔ ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے مشہور قصبہ بڑاگاؤں کے مشہور و شریف خاندان قدوائی سے تھے۔ والد ماجد شیخ احسان الرحمٰن قدوائی بیرسٹر لکھنؤ اور ممبر یوپی لیجسلیٹو کونسل، مدت تک صوبہ مسلم لیگ کے سکریٹری رہے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں سائنس کی اعلیٰ ڈگری ایم۔ ایس سی کی حاصل کی، وطن سے دور بہت دور کوئٹہ (بلوچستان) میں ملازمت پاکر تدین اور سیرت اعلیٰ کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کردیا۔ نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ کے ہمیشہ پابند رہے۔ ملازمت میں، خصوصاً آخری دور جنگ کے زمانہ میں عجیب عجیب آزمائشیں ہوئیں، ٹھیکہ داروں وغیرہ کی طرف سے دس دس اور بیس بیس، بلکہ شاید پچاس پچاس ہزار تک کی رقمیں پیش ہوئیں، اور کبھی بجائے نقد کے موٹر وغیرہ کسی جنس کی صورت میں۔ ہر دفعہ انکار ہی پر قائم رہے۔ ایک بار ایک افسر نے ترقی کی سفارش خود اپنے ہی خلاف یعنی اپنی جگہ کے لیے کردی —— اللہ کی رضا جوئی کے لیے مجاہدے صرف حجروں اور خانقاہوں ہی کے اندر نہیں کیے جاتے، کچہریوں، بازاروں، دفتروں کے مجاہدے عجب نہیں کہ کل اللہ کے ہاں کچھ بڑھ ہی چڑھ کر نکلیں!

۲۰۔ جنوری سہ پہر کو دفتر سے گھر آئے تو کہا طبیعت کچھ سست ہے۔ شام کو وضو کرکے نماز مغرب کے لیے کمرے میں داخل ہوئے۔ معاً بیوی کو آواز چھوٹے بچے کے رونے کی سی سنائی دی جھپٹ کر دیکھا تو جانماز پر گرا ہوا پایا۔ پانی پلایا۔ اور پڑوس کے ایک حاجی صاحب کو آواز دی۔ وہ فوراً آگئے، تو دیکھا کہ سجدے میں ہیں۔ انتظار کے بعد نبض دیکھی، سانس دیکھی۔ روح پرواز کرچکی تھی۔ جلد سے جلد ڈاکٹر لائے گئے۔ انجکشن پر انجکشن دیے۔ آخر دو گھنٹے کے بعد روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنی اور اپنے فن کی شکست اور فرشتۂ اجل کی فتح کا اعلان کیا! کوئٹہ کے اخبار کا بیان ہے کہ صبح شہر میں اس خبر نے گویا آگ ہی لگادی۔ خلقت جنازے پر ٹوٹ پڑی۔ اور کوئٹہ کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا کہ فروٹ مارکیٹ (میوؤں کی منڈی) اُس دن بند رہی! —— خلق اور خالق کے حقوق ادا کرنے والے کا یہ اعزاز پس مرگ ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجیے۔ کذٰلک نجزی المحسنین۔ وطن سے سیکڑوں ہزاروں میل دور موت یوں ہی قابل قدر ہوتی ہے، اور پھر یہ حالت نماز کی۔ واسجد واقترب والی، قابل صد رشک موت!

نکاح کا جرم

لندن۔ ۱۸۔ جولائی۔ ڈاکٹر گرین جنھیں ایک بیوی کے ہوتے ہوئے ہندوستان میں دوسری شادی کرلینے پر فوجداری عدالت سے ۲۲ مہینے کی سزا ہوچکی تھی، آج اُن کا معاملہ اُنکے پیشہ کے لحاظ سے لندن میں جنرل میڈیکل کونسل کے سامنے پیش ہوا۔ اور کونسل نے ڈاکٹر کی عدم موجودگی میں فیصلہ یہ کیا کہ ڈاکٹر کی سند چھین لی جائے۔ ڈاکٹر کی پہلی بیوی کی طرف سے درخواست بھی رحم کی درخواست پیش ہوچکی تھی، کہ میری ان سے کوئی حق تلفی نہیں کی، اور ان کا ذریعہ معاش یہی ڈاکٹری ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ یہ اپنی سند سے کام لیتے رہیں (رائیٹر، ایسوسی ایٹڈ پریس)

اللہ اللہ۔ دوسری شادی کے جرم کی ہولناک سزا صاحب "مغربی" معاشرت میں! پہلے تو جیل کی سزا، اور جیل بھی دو مہینے کم دو سال کی مدت کا! پھر یہ عدالتی سزا بھی گویا ناکافی! مزید سزا محکمہ کی طرف سے روزی چھین لینے کی! اور اخبارات کے ذریعہ سے جتنی رسوائی ہوئی، وہ تو کسی شمار ہی میں نہیں! —— سنتے ہیں کسی زمانہ میں مشرق نے یہ سزا جرم حرام کاری کے مجرم کے لیے رکھی تھی، کہ اُسکا منہ کالا کرکے، گدھے پر سوار، اور جوتوں سے پٹواتے ہوئے شہر میں تشہیر کرایا جائے! آج شیطان کی ذہانت نے وہی سزائیں اپنے پیرووں کے ایک "متمدن" میں حرام کاری نہیں، دوسری شادی کرنے والوں کے حق میں منتقل کردی ہیں! آج آزادی ہے کہ ان آزاد ملکوں میں منہ کالا جتنی بار بھی چاہے کرلیا جائے، لیکن ادھر نکاح کا نام آیا کہ اُدھر یہ سارے عذاب شروع ہوگئے! انّا للہ۔

ترک کی تحقیق!

جامعۂ استنبول کے شعبۂ "کلچرل ریسرچ" کے اُستاد کوئی ترک صاحب ہیں، جنکا نام نامی انگریزی اخبار میں ڈاکٹر عبدل دومنیتہ آیا ہے۔ آپ کا تازہ کارنامہ یہ چھپ رہا ہے کہ آپ نے ماضی کی ہیلن (یونانی) اور کلیوپٹرا (مصری) سے لیکر حال کی بٹی گریبل اور ہیڈی لامار تک جملہ مشہور "حسینان عالم" کے حسن و جمال کی تحقیق کرڈالی ہے، اور اعلان فرمایا ہے کہ حسن نسوانی کا معیار اتنے فٹ اور اتنے انچ ہونا چاہیے۔ کمر اتنے انچ، سینہ اتنے انچ، وقس علیٰ ہذا۔ امریکہ کی کولمبیا پکچرز (فلم ساز کمپنی) نے اس معیار کو لیکر جو جانچا، تو معلوم یہ ہوا کہ امریکہ کی فلاں فلم ایکٹرس دنیا کی حسین ترین عورت، معیاری حسن و جمال والی ہے!

دنیائے تجدد کے یہ "علوم" ہیں علوم! "حقائق" ہیں حقائق! دنیا کو ان معلومات کی کس درجہ ضرورت شدید لاحق تھی! ——

"لازوال سرداری" کے دور سے قبل، شریعت اسلامی سے علانیہ بغاوت اور عملی ارتداد سے قبل، کب کسی ترک کو، یا ترکی قوم کو فرنگیت کے ضمیمہ بن جانے کی یہ عزتیں اور یہ برکتیں حاصل تھیں!

تجدد کی تقلید

"دیکھ لیجیے گا ہندوستان کی بیشمار تیتریاں "پیمائش حسن" کے معیار کو پڑھ کر اپنے آپ کو ناپنے لگیں گی۔ حالانکہ ان میں حقیقی طور پر خوبصورت عورتیں بہت کم ہیں۔ یہ محض پاؤڈر، سرخی، اور لپ اسٹک کی کارفرمائی ہے جو بڑے شہروں کی سڑکوں پر چکا چوند پیدا کررہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ مسوری کی پہاڑ پر جو گرمی کے موسم میں حسن و جمال، لعد و نظر، رقص و سرود اور ناؤ و [illegible]

کے جا سود ہنگاموں کا سب سے بڑا مرکز بن جاتا ہے، ٹرکی کے پیش کردہ معیار پر ایک مقابلۂ حسن ہو جائے، اور پھر اول آنے والی کا نام ساری سوسائٹی میں اچھالا جائے، اور وہ بے حیا پھولی نہ سمائے" (انقلاب، لاہور)

مسوری کے مناقب پر جو کچھ تحریر ہوا، بالکل صحیح ہے۔ وہی مسوری جو آج سے ۳۰ سال ادھر اپنی سادگی کے لیے مشہور تھا اب "آرٹ" اور اسکے لوازم و فواحش کا مرکز اعظم ہے۔ لیکن جہاں تک "نقرہ کی شاگردی" اور "لازوال سرداری کے نقیب اعظم ہونے کا تعلق ہے" یہ شرف تو مسوری کو نہیں بلکہ یوپی کے ایک دوسرے شہر کو حاصل ہے! اور اسکے ہوتے ہوئے مسوری کا نام لینا اسکے شرف متعدد کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے!

الکشن کی بہار

"لندن۔ ۱۲۔ جولائی۔ ابکی مرتبہ کا انتخاب عام پارلیمنٹری انتخاب کی تاریخ میں اپنے عام سکون و سنجیدگی کے لحاظ سے ممتاز رہیگا۔ اب تک کوئی معتبر روایت نہ کپڑوں کے پھٹنے کی ملی ہے، نہ سوجے ہوے چہروں کی، نہ دھینگا مشتی کی۔ بلکہ بعض نوجوان ووٹران کو تو یہاں تک کہتے سنا گیا، کہ ابکی کچھ مزہ نہ آیا۔ تماشہ بالکل پھیکا رہا۔" (اسٹیٹسمین، ۱۵۔ جولائی ۴۵ء)

گویا الکشن کی اصل بہار تو جب تھی، کہ کسی کے دانت ٹوٹتے، کسی کی آنکھ پھوٹتی، اور کسی کسی کی ناک کٹ جاتی! یہ چپ چپاتا الکشن بھی کوئی الکشن ہے! ——— یہ ہیں ڈیماکریسی (جمہوریت) کے معنی "صاحب" کے مہذب دیس میں! تو ہندوستان غریب تو ابھی تہذیب کے سبق میں بہت پیچھے ہے، جہاں اگر گالیاں اور لاٹھیاں نہ ہوئیں تو ہوا ہی کیا!

غریبوں کی زندگی

"شملہ۔ ۱۶۔ جون۔ میں نے اپنے پندرہ روزہ قیام میں یہاں کے مہتروں کے محلہ کو بھی دیکھا۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی اسی عالیشان کوٹھیوں اور عظیم الشان محلوں والے شہر میں رہتے ہیں! ایک کوٹھری میں نے دیکھی ۱۰ فٹ لمبی ۸ فٹ چوڑی۔ اس میں پورے دس انسانوں کا ایک بڑا خاندان آباد تھا۔" (خبر)

یہ پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا۔ اور اس مختصر طول و عرض کے اندر یہ دس انسانوں کا خاندان محض اٹھتا، بیٹھتا، لیٹتا اور سوتا ہی نہ تھا، سب کا کھانا بھی اسی کلبۂ احزاں کے اندر پکتا، سب کا نہانا دھونا بھی اسی کے اندر رہتا، زندگی کی اور ضرورتیں بھی اسکے اندر پوری ہوتیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ انھیں کے دم سے بڑے بڑے محلوں اور کوٹھیوں کی صفائی قائم ہے! ——— امیروں اور غریبوں کے درمیان اتنی عظیم الشان عدم مساوات، اس "دورِ ترقی" میں نہیں کہاں ہے؟

نئی کتابیں

(۱) موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر

از رشید صدیق حسین صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ ایم (عثمانیہ) صفحات ۹۵ صفحے۔ قیمت عہ/ اوسط درجے کی طباعت و کتابت۔ ملنے کا پتہ:- دفتر انجمن طیلسانین عثمانیہ، باغ عامہ۔ حیدرآباد دکن۔

پیش نظر رسالہ جناب صدیق حسین صاحب کا مقالہ ہے جو انھوں نے ایل ایل ایم کے لیے لکھا تھا۔ یہ ایک خالص فنی مقالہ ہے جو انٹرنیشنل لا یا قانون بین الممالک پر اب تک اردو میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاذ قانون جامعہ عثمانیہ کے سوا کسی دوسرے کی تصنیف موجود نہیں اس لیے اردو کی ایک بڑی کمی مقالہ نگار کے ذریعہ سے پوری ہوئی۔

اس مخصوص موضوع پر غالباً یہ پہلا مقالہ ہے۔ موجودہ جنگ ایک ہمہ گیر جنگ ہے۔ بین الممالکی قانون پر بھی اسکے گہرے اثرات پڑے۔ انکو مقالہ نگار نے علمی پیرایہ میں اس مقالے میں بیان کیا ہے۔

بین الممالکی قانون کی تین خاص تقسیمیں ہیں۔ قوانین امن، قوانین جنگ اور قوانین غیر جانبداری۔ مارچ ۴۴ء تک ان میں سے ہر ایک پر موجودہ جنگ کے جو خاص اثر پڑے اور جو تبدیلیاں ہوئیں انکو مثالیں دے دے کر بیان کیا گیا ہے۔ فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہی ان تمام امور کا پتہ چل جاتا ہے جن کا مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ مقالہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جامع ہے۔ قریب قریب تمام باتوں کو بیان کر دیا گیا ہے۔

شروع میں نئے "نظام عالم" سے متعلق خاص نظریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ منشور اوقیانوس کی تشریح کی گئی ہے۔ انتداب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فلسطین اور لبنان کے حالات اس سلسلہ میں آگئے ہیں۔ روس کے دستور اساسی میں اس جنگ کی وجہ سے جو اہم اور دور رس تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں انکو بتایا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے حیدرآباد کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا ہے۔ وہاں یورپیوں اور امریکنوں کو مراعات خصوصی حاصل ہیں اسی سلسلہ میں اسکا ذکر کر دیا گیا ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے بین الممالکی قانون میں نئی اصطلاحات داخل ہو گئی ہیں۔ مثلاً کوئزلنگ، پانچواں کالم۔ مقالہ نگار نے قوانین جنگ کے سلسلہ میں انکا بھی ذکر کر دیا ہے۔

مصر، ٹرکی دونوں یورپین جنگ میں غیر جانبدار رہے اسکا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

علمی ہونے کے باوجود کتاب دلچسپ ہے۔ سیاسیات کے طلبہ کے لیے یہ خاص طور سے مفید ہوگی۔

بعض اصطلاحات کتب نامانوس ہیں۔ انکی مزید تشریح اگر حاشیوں میں کردی جاتی تو مقالہ کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا۔ مثلاً تاوی سرٹ اجازت نامے۔

انجمن طیلسانین اس مفید اور ٹھوس علمی مقالہ کی اشاعت پر قابل مبارکباد ہے۔ (م۔ د۔ ق)

(۲) **اسلام کے سیاسی تصورات**۔ مرتبہ جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے۔ دیدہ زیب گردپوش، عمدہ طباعت و کتابت۔ ضخامت ۲۳۲ صفحے۔ قیمت ۱۱ر ناشر۔ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ۔ حیدرآباد دکن!

اس موضوع پر اردو میں بہت کم کتابیں ہیں۔ زمانہ کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تو انکی تعداد بمنزلہ صفر کے ہے۔ عنوان کو دیکھ کر قدرۃً خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس موضوع پر ہوگی اور اس کمی کو پورا کرے گی، مگر افسوس ہے کہ یہ کتاب کوئی تصنیف نہیں بلکہ محض چند متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ بعض ناشرین نے یہ عجیب ادبی بدعت نکالی ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف الخیال مختلف الجہات بلکہ بعض بالکل مختلف معیار کے مقالوں اور مضمونوں کو لیکر یکجا کر دیتے ہیں، جس سے افادیت کا پہلو بہت کم ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو وحدتِ موضوع تک باقی نہیں رہتی، اور ایک مقالہ نگار کے ذہن میں موضوع کا تصور ہی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

پیش نظر کتاب اسلام کے سیاسی تصورات کے باب میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ، پروفیسر عبدالقادر پروفیسر جامعہ عثمانیہ علامہ اقبالؒ، اور پرنس سعید حلیم پاشا مرحوم ایسے مختلف النوع اہل قلم فاضلوں کے مضمونوں کا مجموعہ ہے۔ اور انکے درمیان کسی قسم کی وحدت، نظم یا ہم آہنگی نہیں اور نہ مضامین کا معیار ہی ایک ہے۔ اسکا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ پڑھنے والا ایک ذہنی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض مضامین ۳۰-۲۵ سال قبل کے اور ایک بالکل مختلف ماحول میں لکھتے ہوئے اور ایک بالکل مختلف طبقۂ مخاطبین کے لیے تمامتر خطیبانہ و ادیبانہ انداز کے ہیں، جو ایک ہفتہ وار ہی کے لیے موزوں ہوسکتے تھے۔ بعض اسکے برعکس خالص تحقیقی رنگ میں اونچے درجہ کے طلبہ کے کام کے ہیں۔ پھر کوئی مضمون تمام تر علمی اور فلسفیانہ ہے اور کوئی کمیر مذہبی۔ خدا معلوم ایسے انمل بے جوڑ مقالات کے اکٹھا کر دینے سے کس طبقے کا نفع خیال میں رکھا گیا۔؟

ایک دوسری بڑی کمی یہ رہ گئی ہے کہ مقالہ اور مقالہ نگار کا تعارف کرانا غیر ضروری خیال کیا گیا ہے۔ حالانکہ ضرورت اسکی تھی کہ مجموعہ کے شروع یا ہر مضمون کے شروع میں ایک تمہیدی نوٹ میں مقالہ نگار کی شخصیت اور مقالہ کے ماحول کا تعارف کرادیا جاتا۔

آج تو میں نوے پڑھنے والے پرنس سعید حلیم پاشا سے ناواقف محض ہیں۔ یہ تک نہیں جانتے کہ وہ مصری تھے یا ترکی۔ زندہ ہیں یا مرحومین میں ہیں۔ علیٰ ہذا مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے ذہن میں تصویر موجودہ صدر کانگریس کی آتی ہے۔ بتانا چاہیے تھا کہ یہ مقالات مرحوم الہلال کے ایڈیٹر کے ہیں، جن پر اب دو قرن گزر چکے!

کل دس مضامین ہیں۔ جن میں دو عہد رسالت پر ہیں۔ اور انکی نوعیت تحقیقی مضمونوں کی ہے۔ ایک مضمون قرآنی تصور مملکت پر ہے۔ ایک مضمون حکومت الٰہیہ پر، ایک مضمون ان الحکم الا للہ پر اور ایک اسلام کے سیاسی نظریہ پر اور ایک اسلام کے نظریۂ خروج پر ہے۔ بعض مضمون بہت مختصر ہیں اور بعض بہت مفصل۔ اور ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد بھی بہت کم واقفیت ان مسائل سے ہو پاتی ہے کہ اسلامی طرز حکومت متعین طور پر کیا تھا۔ اسکی مشخص ہیئت و نوعیت کیا تھی۔ راعی و رعایا کے باہمی حقوق، اور حکومت کے اقتصادی اور سیاسی اصول کیا تھے۔ باقی یوں متفرق مضامین کے لحاظ سے مجموعہ اچھا ہے۔ رشید صاحب بہت مخلص اہل قلم ہیں اور تھوڑی سی توجہ سے اسے کہیں مفید تر بنا سکتے تھے۔ (م۔ د۔ ق)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

سید شاہ شرف عالم ندوی (بھاگلپور) جو بات چار پانچ سطروں میں نرم لہجہ میں کہی جا سکتی تھی، آپ نے پورے پانچ صفحہ کے مقالہ میں، شاید "رکیک اور پگڑی اچھالنے کی حرکتوں" سے پرہیز کیے بغیر ادا فرمائی گئی! آپ اسی "صداقت کے اعتراف" کے منتظر رہیں گے؟

صوبۂ بہار

کے ایک دیندار شریف خاندان (سادات) کی ایک لڑکی کے لیے عقد کی ضرورت ہے۔ لڑکی صورت، سیرت، امور خانہ داری وغیرہ ہر لحاظ سے قابل اطمینان ہے اور ذاتی جائداد بھی للعہ ماہوار کی بچت کی رکھتی ہے۔ لڑکے کو خوش معاش ہونے کے علاوہ دیندار ہونا ضروری ہے۔

"ص" "ح" بذریعہ اڈیٹر صاحب صدق۔
دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق" اخبار گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)۔

چارسالہ تعلیمی تجربات

(ایک انٹرمیڈیٹ پاس نوجوان کے قلم سے)

لکھنؤ کے ایک اسکول میں دو سال اونچے درجوں میں پڑھنے کا اتفاق ہوا - اس اسکول کے لڑکے اپنی شرارتوں اور سرکشیوں کے لیے شہر میں اچھے خاصے معروف تھے - جاکر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں کے لڑکے علاوہ شریر ہونے کے گستاخ اور سرکش بھی ہیں - اکثر و بیشتر اُستادوں کا ادب و لحاظ اُنھیں بالکل نہ تھا - نہ اُنکی عزت کرتے تھے نہ ادب معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ اسکے اُستاد ہیں اور یہ شاگرد - پیٹھ پیچھے آپس میں تو اُنکو گالیاں تک سُنا لیتے تھے - اور سامنے بھی اُنکی بزرگداشت ذرا نہ کرتے - لیکن خود اُستادوں کی اکثریت کا طرزِ عمل بھی سوء الزام سے بری نہ تھا - محض ضابطہ اور قانون کی پابندی کرتے ہوئے وہ لڑکوں کے ساتھ بالکل خشک اور غیر ہمدردانہ برتاؤ رکھتے تھے - دلسوزی، شفقت، محبت اور ہمدردی تو گویا جانتے ہی نہ تھے - جب اُستاد ہی اپنے شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت آمیز سلوک نہ کریں تو پھر لڑکے کیونکر اُنکی عزت کرتے اور کیوں اُنکے حقوق پہچانتے - جیسا وہ لڑکوں کے ساتھ کرتے ویسا لڑکے اُنکے ساتھ - کچھ اُستاد ایسے بھی تھے جو لڑکوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھتے اور اُن سے محبت و شفقت سے پیش آتے - ایسوں کی عزت اور لحاظ لڑکے بھی کرتے تھے - اسکے علاوہ اُستادوں میں بھی پارٹی بندی بھی تھی - دو ٹولیوں میں اساتذہ بٹے ہوئے تھے اور اُنکے ساتھ لڑکے بھی - فرقہ داریت اور نہ ہی تعصب ہر ایک کرتا تھا - اسی وجہ سے آپس کے تعلقات بڑی حد تک ناخوشگوار تھے - اور یہی وجہ تھی کہ وہاں کے لڑکے اخلاقی حیثیت سے بہت پستی میں پڑے ہوئے تھے - بالکل یہی حالت دوسرے اسکول کی بھی تھی بلکہ وہاں پارٹی بندی کا تو بڑا زور تھا اور وہاں بدقسمتی سے مسلمان مسلمان آپس میں برسرپیکار تھے -

اخلاقی فضا دونوں جگہ بڑی حد تک افسوسناک تھی - لڑکوں کی اکثریت بہت ہی زیادہ پستی اور جہالت میں پڑی تھی - نہ اُنکو گھر پر ایسی تربیت ملتی تھی کہ وہ اخلاقی اعتبار سے اچھے بن سکیں اور نہ اسکولوں کے اساتذہ اُنکو بتلاتے تھے - ہر وقت غیر اخلاقی لغو چرچے ہوتے تھے جنکے سننے سے نہ کسی قسم کا فائدہ ہوتا تھا اور نہ صحیح واقفیت حاصل ہوتی تھی - جھوٹا فخر، دوسروں پر تہمت لگانا، جھوٹ بہت کثرت سے بولنا، اور چالاکیاں کرنا، یہی سب باتیں لڑکوں کے لیے ایک امتیاز تھیں - اور جو ان چرچوں سے الگ رہتا یا دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتا، پہلے تو اُسکو خوب بیوقوف بناتے، اور پھر اسکو ٹال دیتے تھے - دوسروں کی دلآزاری کردینا یا کسی کو فحش بات کو بکنا اپنے نزدیک بڑا مذاق اور عمدہ ظرافت سمجھتے تھے - لیکن ساتھ ہی کچھ نہ کچھ ایسے طلبا ضرور تھے جنکی اخلاقی حالت قابلِ رشک تھی - لیکن اول تو اُنکی تعداد کم تھی اور دوسرے انکا کوئی اثر نہ تھا - ان لڑکوں کی اخلاقی پستی کی بڑی وجہ شہر کی ترغیبات تھیں - مثلاً سنیما، کارنیوال وغیرہ - جنکے پیچھے یہ لوگ دیوانے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی بہکاتے تھے - مجھے زیادہ تر ایسے لڑکے ملے جو فلم ایکٹرسوں کے پیچھے دیوانے رہتے تھے اور اپنی زندگی کا مقصد ہی فلمی لائن بتلاتے تھے -

دونوں اسکولوں کی تعلیمی حالت بھی میں نے افسوسناک اور مایوس کن پائی - زیادہ تر لڑکے تعلیم کی اصلی قدر و قیمت اور اصلی مقصد جانتے ہی نہ تھے - وہ یہ سمجھتے تھے اور زیادہ تر اساتذہ بھی انکو یہی سمجھاتے تھے کہ بس امتحان پاس کرلینا اور ڈگری حاصل کرلینا ہی اصل چیز ہے —— چنانچہ رٹ رٹا کر یا اور کسی طریقہ سے بھی بس امتحان پاس کرلینا ہی چاہتے تھے - اسی وجہ سے نہ تو انکو صحیح قابلیت آتی تھی اور نہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے - اسی عرصہ میں نہ معلوم کتنے لڑکوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اُنکے تمام منصوبے اور ارادے خاک میں مل گئے - وقت کی پابندی اور باقاعدہ محنت ان سب چیزوں کی وہ پرواہ نہ کرتے تھے اور نہ انکو کوئی بتلاتا تھا -

مذہبیت بھی بہت کم لڑکوں میں تھی - بہت سے ایسے مسلمان لڑکے تھے جنکو معمولی معمولی چیزیں تک نہ معلوم تھیں - وہ لوگ جمعہ یا رمضان میں نماز پڑھ لینا بڑا کام سمجھتے تھے - چند ایسے لڑکے تھے جنکو مذہب سے دلچسپی تھی - ایک اسکول میں تو دینیات لازمی طور سے پڑھائی جاتی تھی - لیکن ہمارے یہاں لڑکے نہ تو جی سے پڑھتے تھے اور نہ کوئی ضرورت و اہمیت سمجھتے تھے - مذہبی کتابیں وغیرہ پڑھتے ہوئے یا مذہبی چرچے کرتے ہوئے میں نے خال ہی خال لڑکوں کو پایا - ورنہ زیادہ لڑکے لغو اور گھٹیا قسم کے اخلاق سوز افسانے اور نظمیں پڑھا کرتے تھے اور اسی قسم کی باتیں بھی کرتے تھے - بہت سے تو ایسے لڑکے بھی ملے جنہوں نے مذہب اسلام کو سمجھا بھی نہ تھا - اور مہمل اعتراضات کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ واقعی ہم نے دوسروں کو لاجواب کردیا - اور اپنی علمیت کا رعب دوسروں پر بٹھا دیا - اسی طرح جسمانی اعتبار سے بھی ہمارے نوجوان بھائی بڑی پستی میں پڑے ہوئے تھے - جسمانی کھیلوں اور ورزشوں کی طرف توجہ کم لڑکے کرتے تھے ورنہ عام طور سے تو طلبا سگرٹ پی پی کر اور سنیما دیکھ دیکھ کر اپنی صحتیں اپنے اخلاق سب چوپٹ کرتے تھے - اور حفظانِ صحت کی طرف توجہ کرنا تضیع اوقات سمجھتے تھے - اسی طرح سے ادبیت بھی بہت کم لڑکوں میں تھی - اچھے افسانے، اچھی نظمیں اور اچھے مقالات بہت کم لڑکے پڑھتے تھے - ورنہ عام طور پر لڑکے ادب میں بھی بہت پستی میں پڑے تھے - غرض ہر اعتبار سے دونوں اسکولوں کے لڑکوں کی اکثریت کی

حالت افسوسناک تھی - اور انکا اخلاق بہت خراب ہو گیا ہے *

نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اسلامی اصول کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مجلس علمی، ڈابھیل)

حجۃ الاسلام امام غزالی "مقاصد الفلاسفہ" وغیرہ میں فرماتے ہیں:- یونانیوں کے علوم میں حساب، ہندسہ و اقلیدس یقینی علوم تھے، لوگوں نے انکو یقینی اور صحیح پا کر انکے بقیہ علوم الٰہیات، طبعیات، نجوم وغیرہ کو بھی انکی تقلید کرکے صحیح خیال کرنے لگے - الخ - حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے، نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت - اکثر جب لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتے ہیں اُنکے بعض خود ساختہ غلط نظریات و افکار کو یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اُس میں تاویل کے درپے ہو جاتے ہیں اور اُنکی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں - آج کل بھی یہ بیل رہی ہے - بعض مشاہیر جنکے بعض کمالات و خصائص عوام میں مسلم ہوگئے ہیں، تو اکثر لوگ اُنکی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہو کر اُنکے بقیہ خیالات افکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کرکے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں - اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز خود دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے - ایک طرف کبار امت اور اساطین اسلام ائمہ دین اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام کی تحقیر کی جاتی ہے - کبار فقہاء امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر اشتباہ دیکھا جاتا ہے دوسری طرف قرن حاضر کے بعض ارباب قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر ہو کر یا انکی شخصیت سے مرعوب ہو کر انکے ہر فکر اور ہر خیال کو قطعی خیال کرنے لگتے ہیں - کچھ دنوں سے ہندوستان کے موقر محققانہ دینی جریدہ "صدق" میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے - جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ ہے اور فتنہ قادیانیت کی وجہ سے پھر تقریباً چالیس سال زیر بحث رہا اور متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں - مولوی ابو الکلام صاحب مولوی جار اللہ صاحب مولوی عبید اللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی - اور ان حضرات نے نزول مسیح سے صاف انکار کیا، بلکہ سابق الذکر صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر یہ عقیدہ نجات کے لیے ضروری ہوتا تو قرآن کریم میں کم سے کم "واقیموا الصلوٰۃ" جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں - الخ - اُس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شایع نہ ہو سکا اور نہ اُسکا مسودہ میرے پاس ہے - تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصلی داعیہ اس قسم کے خیالات میں عقلی استبعاد ہے اور بد قسمتی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دیدیا گیا - ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعض نیک دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں -

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد صاحب محدث تھانوی نے ایک مقالہ "صدق" میں شایع فرمایا - اسکے جواب میں جے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ "صدق" میں شایع فرمایا جسکی تنقیح حسب ذیل امور میں ہو سکتی ہے:-

(۱) نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں -

(۲) نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہونچیں -

(۳) نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے غیر مسلکے آیندہ امور میں اجماع محل نظر ہے -

ممکن ہے کچھ اور اجزا بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصلی مدار ان تین چیزوں پر ہے - اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں - اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کے چند اصولی گوشوں کو واضح کرنے کا ارادہ ہے اور اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آرہی ہیں اُنکا تصفیہ مقصود ہے - جے پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں، نہ اُنکے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے نہ طالبانہ بحثوں میں اُلجھنا مقصود ہے نہ انکی نیت پر حملہ ہے، صرف طالب حق کے لیے چند اصولی اساسی امور بیان کرنے ہیں، باقی جحود و عناد کا تو کوئی علاج نہیں - والسّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ -

(۱) دین اسلام کے مہمات عقائد و اعمال یا اصول و فروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہونچا ہے اسی طرح اعتقادی و عملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ پہونچتے رہے ہیں - بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اسکے کل ضروریات ہم کو اسی توارث کے ذریعہ پہونچی ہیں - لاکھوں کروڑوں مسلمان جنکو نہ تو قرآنی تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبویہ کا علم ہے لیکن باوجود اسکے وہ دین کی مہمات و ضروریات سے واقف رہتے ہیں - یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان اجمالی ہوتا ہے - تفصیلات کے وہ اُسوقت مکلف ہوتے ہیں جب اُنکے علم میں آجائے - یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قرآن کریم و حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دیدیا کہ اگر کسی وقت مدتوں کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہو جائیں تو تجدید و احیاء کے لیے ایک مکمل - اسی قانون "

اور "علمی ذخیرہ" بھی محفوظ رہے تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت نہ آنے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے - اور ظاہر ہے جب کتاب الٰہی خاتم الکتب الٰہیہ ہو اور نبی خاتم الانبیاء ہو اور دین خاتم الادیان اور امت خیر الامم ہو تو اسکے لیے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لیے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لیے عملی نمونوں کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہیگی تاکہ علمی و عملی دونوں طرح حق و باطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جائے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لیے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کر دیا - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

(۱) انا نحن نزلنا الذکر وانا — ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی

لہ لحافظون (آیہ نمبر ۹ حجر) — اسکے محافظ ہیں -

(۲) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرہم من خذلہم ولا من خالفہم (یعنی ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ کے لیے دین حق پر قائم رہیگا، کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے انکا کچھ نہ بگڑیگا)

اور میرے خیال ناقص میں تو فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دور میں کچھ اہل حق ضرور ہونگے - بہر حال اتنی بات واضح ہوئی کہ محافظین حق اور قائمین علی الحق کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا - جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حفاظت دین کے لیے صرف علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ وہ عملی آئینہ بھی موجود رہیگا - اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری ہی رہیگا - اگر بالفرض وہ علمی دفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہو جائے تو حصول مقصود کے لیے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا - "دین اسلام" کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید و فروخت کی اجازت، شراب خواری، زناکاری، قتل و قتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں - بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوٰۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں نہ اس بارے میں احادیث اصطلاحی متواتر ہیں، لیکن باوجود اسکے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری ہیں اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہہ بھی نہیں -

(۲) "ادلہ سمعیہ" یعنی عقائد و احکام کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث کے نصوص چار قسم پر ہیں :-

الف :- ثبوت و دلالت دونوں قطعی ہوں - ب :- ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو - ج - دلالت قطعی ہو، ثبوت ظنی ہو - د - ثبوت و دلالت دونوں ظنی ہوں - ثبوت کے معنی یہ کہ اللہ و رسول کا کلام ہے دلالت کے معنی یہ کہ مراد یہ ہے، قرآن کریم و احادیث متواترہ کے ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں البتہ دلالت کے اعتبار سے کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت -

اخبار احاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے - مزید تفصیل کے لیے کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام اور شرح تحریر الاصول وغیرہ ملاحظہ ہوں - پہلی قسم سے انکار کفر ہے - دوسری تیسری قسم کے انکار سے کفر تک نوبت نہیں پہنچتی -

(۳) تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ دل قبول کرلے اور تسلیم کرلے، جو قرآن میں "مصدق" ہے اور "ویسلموا تسلیما" میں مراد ہے - صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطق و معقولی تصدیق ہے قطعاً کافی نہیں ہے ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کے لیے اور نجات کے لیے اتنی بات کافی نہ ہوئی -

(۴) احادیث متواترہ کا افادۂ قطعیت اہل حق کا تمامت کا اجماعی مسئلہ ہے -

(۵) اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی و شبہہ کی گنجایش نہ رہے - نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں - بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہو جاتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہوسکتا ہے - اس لیے علماء اصول نے تصریح کردی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑ جاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہوسکتا ہے - دیکھو فواتح شرح مسلم (۲ - ۱۱۰) طبع مصر

(۶) بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق و مخارج کی تعداد پر نہیں بلکہ دار و مدار "تلقی بالقبول" پر ہے - جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہؓ کے عہد ہی میں امت نے قبول کر لیا ہے وہی متواتر ہیں - اس تعریف کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے - بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے - اس میں کوئی شبہہ نہیں عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرت روات سے کہیں زیادہ موثر و قوی ہے - اسی کو ہم نے توارث و تعامل سے تعبیر کیا تھا - عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہو جائیگی -

(۷) قرن اول میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی و ثالث میں کمی آجائے یہ محض عقلی احتمال ہے - ذخیرۂ حدیث میں اسکی مثال نہیں ملتی، بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی و ثالث میں "اخبار احاد" کے راوی بھی اس کثرت کو پہونچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے - چے پوری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے اگرچہ آخری جزو کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کر گئے ہیں -

(باقی آیندہ)

معاصرین کا حسنِ ظن

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

نمبر (۲)

تنظیم۔ (حیدرآباد دکن)

معاصر صدق ہفتہ وار لکھنؤ، گذشتہ مہینہ سے سہ روزہ ہوگیا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ جدید انتظام سے ہمارے اس معزز معاصر کا دائرہ افادیت کچھ اور زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ اسکے فاضل مدیر مولانا عبدالماجد دریابادی ہندوستان کے ممتاز ادیبوں اور یگانہ روزگار عالموں میں سے ہیں۔ "صدق" نے اب تک مسلمانوں کی جو مفید خدمات انجام دی ہیں اور اپنی خصوصیات خاص کی بدولت جس انفرادیت کا مالک ہے اُسکے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ مغرب زدگی کی اُس وبا کے خلاف جو ہندوستانی مسلمانوں کے اذہان پر مسلط ہوتی جاتی ہے اُسکے خلاف اس جریدہ نے بطور خاص قلمی جد و جہد کی ہے اور مولانا عبدالماجد کا خوش و دلنشیں اسلوب تحریر جو طنز نگاری کا عمدہ نمونہ ہے، صدق کے شذرات کو عرصہ دراز سے مقبول بنا چکا ہے۔ مذہبی اور علمی موضوعات پر صدق بلند پایہ مضامین پیش کرتا ہے اور مدیر محترم کے قلم سے تفسیر کا جو سلسلہ جاری ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ بہرحال ایک ایسے مفید اور بلند پایہ جریدہ سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہیے۔ ہم معاصر صدق سہ روزہ کا خیر مقدم کرتے ہوے اُسکی کامیابی کے متمنی ہیں۔ چندہ سالانہ آٹھ روپے۔ ملنے کا پتہ:— مرشد آباد ہاؤس پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ماہ اگست ۳۵ء میں تمام ہو رہی ہے براہ کرم چندہ ایسے وقت روانہ کریں کہ شروع اگست میں وصول ہوجائے ورنہ ۱۱۔ اگست سے بتدریج وی پی روانہ ہونگے۔

خریدار ۱۸۹، ۳۰۵، ۳۲۰، ۳۶۴، ۳۴۷، ۴۴۸، ۵۶۹، ۵۸۰، ۶۴۴، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۳، ۹۱۷، ۹۲۲، ۹۲۶، ۹۳۰، ۹۳۶، ۱۰۲۷، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۷، ۱۰۷۸، ۱۱۲۵، ۱۱۵۱، ۱۱۶۵، ۱۱۶۷، ۱۱۶۷، ۱۱۷۸، ۱۲۶۴، ۱۲۹۴، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۲۳، ۱۳۲۸، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۴۷، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۶۶، ۱۵۶۷

خادم مہتمم صدق لکھنؤ

فرعون نمرود اور شداد کی جرم و سزا کی تاریخ

جبکہ دولہن دولہا کے پاس جانے سے قبل بادشاہ کے پاس جاتی تھی۔ جبکہ باپ کی قبر قرض کی کفالت میں دی جاتی تھی۔ جبکہ جوتے کے پیوند کے لیے انسانوں کے کان کاٹے جاتے تھے۔ جبکہ طمانچہ مارنے کی سزا قتل تھی، اور انسان کو مورت میں ٹھونس کر مروا دیا جاتا تھا۔ اُسوقت یعنی نمرود۔ شداد۔ قوم لوط قوم عاد۔ بنی اسرائیل۔ موسوی۔ عیسوی۔ اور زمانہ جاہلیت عرب کی دردناک جرم و سزا کی تاریخ اور اسکے ساتھ قرآن مجید نے جو اصول عدل و اصول سزا مقرر کیے اور جن افعال کو جرم قرار دیا اور انکی جو سزائیں مقرر کیں، حضور صلعم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں قیدیوں کے ساتھ کیسا انسانی اور شریفانہ سلوک ہوتا تھا اور کس طرح عدل و انصاف کس شان کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ سب آپ کو **جرم و سزا جلد دوم** میں ملیگا جو اسلامی ابتدائی دور کے جرم و سزا کی تاریخ ہے۔ ۴۰۲ صفحات قیمت ۲ ،

جلد اول کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان کے عہد قدیم ہنود۔ بدھ مت۔ مغلوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی جرم و سزا کی مکمل تاریخ ہے، اور دوسرے حصہ میں ہندوستان کی جیلوں میں کیا کیا سزائیں دی جاتی ہیں، کیا کیا مشقتیں کرائی جاتی ہیں، کیسا لباس اور کھانا دیا جاتا ہے۔ ۵۵۰ صفحات۔ قیمت ۲، علاوہ محصول ڈاک۔

۲۔ علامہ اقبال کی تصانیف پر مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا فاضلانہ تبصرہ ملاحظہ کرنا ہے تو آپ **مقالات اسلم** پڑھیے تاکہ آپ علامہ اقبال کے تبلیغی ارشادات سے لطف اندوز ہوسکیں۔ صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/

۳۔ اُردو، فارسی، ہندی اور انگریزی محاورون و مثالوں کے متعلق اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کب کیونکر رائج ہوے تو آپ **قصص الامثال** منگا کر مطالعہ کریں۔ اس میں محاورات کو قصہ و کہانیوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ وہ کیونکر رائج ہوے۔ انداز بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔ صفحات ۳۰۰۔ قیمت ۱۲/

۴۔ مولانا محمد علی مرحوم کی مکمل سوانحعمری با تصویر ۱۲/

۵۔ غازی مصطفےٰ کمال " " " "

سب کتابیں اکٹھی منگانے پر محصول ڈاک معاف،

ملنے کا پتہ

دائل ایجوکیشنل بکڈپو ۴۲۸ اُردو بازار دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ	اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
موہن لال پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ ۔۔ روپیہ
ششماہی ۔۔
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۔۔

نمبر ۲۴	یوم شنبہ - ۲۵ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ - اگست ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

امریکہ کے ایک ماہر فلکیات، جارج گیمو (استاد طبیعیات، جارج واشنگٹن یونیورسٹی) کی ایک کتاب حال میں دیکھنے میں آئی۔ نام ہے (BIRTH AND DEATH OF THE SUN) "آفتاب کی پیدائش اور موت" —— تو کیا آفتاب باایں عظمت و اجلال، ہماری آپ کی طرح فنا پذیر بھی ہے؟ اور اُسی طرح فنا کی طرف قدم بڑھاتا جارہا ہے، جس طرح ہم آپ اور اللہ کی ساری ادنیٰ مخلوق ہے —— فنی بحثوں کو تو صرف اہل فن کے لیے چھوڑ دیجیے، یہ دیکھیے کہ کچھ ہمارے آپ کے بھی کام کی باتیں ہاتھ آتی ہیں؟ آتی ہیں، اور ایک نہیں، کئی ایک۔

ایک بات تو یہ ملی کہ آفتاب اور سارے نظام شمسی کی پیدائش کو تقریباً ۲۰ کھرب سال ہوئے! —— گویا اسکی تصدیق ایک ماہر فن کی زبان سے ہوگئی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستارے سب حادث ہیں، قدیم کوئی بھی نہیں! مدت پیدائش کا سوال بالکل غیر متعلق ہے۔

دوسری بات یہ ہاتھ آئی، کہ آفتاب اپنے عنصر ترکیبی یعنی ایدروجن وغیرہ کو بڑی احتیاط سے سنبھال سنبھال کر استعمال کر رہا ہے، اس لیے ابھی ۲۰ کھرب × ۱۰ سال یعنی دو نیل سال تک اور زندہ رہیگا —— اس سے تصدیق ہوگئی اس کی، کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کو ایک روز بہرحال فنا ہونا ہے۔ اور چشم کائنات کو اذا الشمس کورت، واذا النجوم طمست، واذا الکواکب انتثرت وغیرہ کا نظارہ کرنا ہے!

—— ——

تیسرے پتہ اسکا چلا کہ آفتاب، روز بروز گرم سے گرم تر ہوا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسکی گرمی کی شدت ایک دن زمین والوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائیگی، اور روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ سب اس سے جل جائیگا —— مذہب نے اگر اس کیفیت کو یوں بیان کر دیا کہ آفتاب ایک روز سوا نیزے کے فاصلہ پر آ جائے گا، تو کیا بیجا کیا؟

چوتھی گرہ یہ کھلی، کہ نئے نئے ستارے آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جاتے ہیں، اور پرانے، فنا شدہ ستاروں کی جگہ لیتے جا رہے ہیں —— سلسلۂ آفرینش جاری ہے، اور اختر آفریں اپنا کام کرکے معطل نہیں ہوگیا ہے۔ کل یوم ھو فی شان کی یہ کیسی پیاری تفسیر نکل آئی!

سائنس داں بیچارے کو مذہب سے مس نہیں۔ اور اسلام کا تو اس نے نام تک بھی شاید نہ سُنا ہو۔ اپنی دھن میں اپنے فن کے متعلق لکھتا چلا گیا ہے۔ لیکن یہ کیا ہے کہ قلم سے جو کچھ نکلا ہے، اُس سے ہمارے حقائق کی اور تائید و تصدیق ہی ہوتی گئی ہے! —— کہیں یہی معنی تو اس آیت کے نہیں، کہ

لہٗ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعًا او کرھًا۔	جو موجودات بھی زمین و آسمان میں ہیں وہ سب چار و نا چار اللہ ہی کے آگے جھکی ہوئی ہے!

کام کسی کا بھی کیا جائے، نام اُسکا کچھ ہی رکھ لیا جائے، وہ سب آخر میں تکمیل ہوکر اللہ اور اللہ کے دین ہی کا کام جا کر ٹھہرتا ہے!

خدائی قدرتوں کا اعجاز

[illegible]

معلوم ہوئے۔ کامل استخارہ کے بعد طبیعت کا میلان حضرت والا ہی کی طرف پایا گیا۔ اب یہ مریض حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہے اور توقع رکھتا ہے کہ اسکے علاج سے حضرت والا احتراز نہ فرمائیں گے۔

ج۔ مجھ جیسے کو شیخ بنانا تو محض میرے نفس کی رعونت اور شیخی کو بڑھانا ہے۔ ہرگز ہرگز اس منصب کی نہ کوئی صلاحیت رکھتا ہوں نہ اس سے کوئی مناسبت۔ سو اگر یہ ارادہ ہو تو اس سے قطعاً معذور ہوں۔ اور یہ جواب بالکل مختتم ہے۔

البتہ اگر محض طلب مشورہ ہے تو یہ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اپنی حدمت سے بقدر فرصت و وسعت کسی حال میں انکار نہیں۔ اور پھر یہ بیمار مریض نئے مریض کو مفید ہدایت دے بھی سکتا ہے۔

س۔ احقر کی طبیعت میں کاہلی بہت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں اور بعض بہت تاخیر سے ادا ہوتی ہیں۔ براہ کرم اس سقم کو رفع کرنے کی تدبیر سے مطلع فرمائیے۔

ج۔ کیا ترک نماز یا تاخیر نماز کی وعیدیں مستحضر نہیں رہتیں؟ بلا وجہ ایک نماز کے بھی ناغہ کر لینے یا تاخیر پر کیسی ملامت ہے! یہ محض طبعی کاہلی کا نتیجہ نہیں بلکہ سخت قسم کی بے (DISCIPLINE) یا عدم اطاعت ہے۔ جس سے اغماض ہرگز نہیں برتا جا سکتا۔

ہر ہر ناغہ پر نفس کو کوئی سخت سزا دینا چاہیے، مثلاً دو وقت کا فاقہ، یا نفس پر بار ڈالنے والا مالی جرمانہ۔

اسکے علاوہ متعدد پابند نماز دوستوں ساتھیوں کی صحبت کا ایک مدت تک لزوم۔

س۔ نماز میں بعض دفعہ تو خشوع و خضوع حاصل رہتا ہے مگر اکثر اوقات ذہنی انتشار رہتا ہے کہ یہ یاد بھی نہیں رہتا ہے کہ کونسی سورتیں میں نے پڑھی ہیں۔

ج۔ توجہ و یکسوئی کی جو صورتیں اپنے اختیار کے اندر ہیں انکا التزام رکھا جائے۔ مثلاً نماز سے قبل نماز کی اہمیت کا احساس اور اسکی فرضیت کا استحضار۔ محض MECHANICAL طور پر عادت کی بنا پر نماز کے لیے نہ کھڑا ہوا جائے، بلکہ تازہ دم قصد و ارادہ کے ساتھ۔ اور وضو بھی جی لگا کر کیا جائے غفلت کے ساتھ نہیں، احساس بیداری کے ساتھ کیا جائے۔ اور حالت نماز میں تصور خانہ کعبہ کا رکھا جائے۔ وقس علی ہذا۔

ان سب تدبیروں کے بعد بھی اگر جی نہ لگے تو بندہ معاف ہے۔ اس سے زیادہ بندہ مکلف نہیں۔ لیکن دل لگے یا کم لگے یا بالکل نہ لگے، لیکن ادائے نماز تو ہر حال و بہر صورت فرض ہے۔ ادائے نماز میں فرق کسی صورت میں نہ پڑنے پائے۔

س۔ بعض احباب صالح سے ملنے کی وجہ سے اور دینی

کتابوں کے پڑھنے کی وجہ سے طبیعت چاہتی ہے کہ اس دنیا کو ٹھوکر مار کر دین ہی کے لیے وقف ہو جاؤں، مگر یہ چیزیں جدا ہوتی ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے اور اسکا ٹھاٹ باٹ۔

ج۔ طبیعت کے احوال ہر وقت کیساں تو حضرات صحابہؓ تک کے نہیں رہتے تھے۔ اصل شے اعمال ہیں نہ کہ احوال یا طبیعت کے تلونات۔ اور اعمال کی صحت کے لیے عقیدۂ عقلی کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ سو وہ بحمد اللہ حاصل ہے۔

س۔ احقر سینیر بی اے میں ہے اور ..... کالج میں تعلیم پاتا ہے۔ دعا فرمائیے کہ اس بدترین ماحول کے برے اثرات سے محفوظ و مامون رہوں۔

ج۔ دعا کر دی۔ لیکن مقدم تر اس باب میں دوسروں کی دعائیں نہیں، بلکہ اپنے اختیار کی تدبیریں۔

س۔ پھر حضرت والا سے درخواست ہے کہ میری فلاح دارین کے لیے دعا فرمائیں۔

ج۔ انشاء اللہ فلاح دارین عطا ہوگی، جیسا کہ ہر مخلص طالب سے اللہ کا وعدہ ہے۔ باقی جہاں تک درخواست دعا کا تعلق ہے، وہی ادھر سے بھی ہے۔ ہر مسلمان کی بھلائی کی دعا کا حق دوسرے مسلمان پر ہے۔ اس میں بڑے، چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

قلب بہت متاثر ہے۔ اسی تاثر کا یہ اضطراری نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جن تحریکوں کو "انقلاب نو" اور "دنیائے جدید" "تہذیب جدید" کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ قرآن نے مجھ پر یہی واضح کیا ہے کہ انسانیت کی یہ سب سے پرانی دنیا نوسی تاریخ کا اعادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عہد حاضر کے فتنوں سے بچنے اور اسکے "مکر کبار" کے سمجھنے کے لیے قرآن کی نوحی آیتوں کی تلاوت انشاء اللہ مفید ہوگی۔ موقع ہو تو کسی مستقل مضمون میں ان آیتوں کو جمع کر کے ان پہلوؤں کو ناظرین صدق کے آگے انشاء اللہ پیش کروں گا۔ جواب تک میرے سامنے رکھے ہیں۔ فقط

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں

ماہ مبارک کا زمانہ آ رہا ہے اس ماہ میں اہل خیر حضرات زکوٰۃ کی رقم نکالیں گے۔ اس لیے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کے بہترین مصرف کی انھیں خبر دیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کثرت سے ایسے نادار طالب علم ہیں جنکے طعام و لباس کی کفالت اہل خیر حضرات کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر دور دراز مقامات سے آتے ہیں اور [illegible] دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور یہاں کی تعلیم و تربیت

پیدا ہو گیا۔ اب طالب حق خود ہی ان اصول اسلامیہ اور قواعد مسلمہ کی روشنی میں تفتیش و تلاش کرکے مزید ضروریات دین و ضروریات مجہولات کے گا لیکن تبرعاً چند مختصر گذارشات بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ "نزول مسیح علیہ السلام کے تینوں پہلوؤں قرآنی حیثیت اسکی کیا ہے؟ حدیثی رتبہ کیا ہے؟ اور اجماع امت کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟ تینوں امور واضح ہو جانے کے بعد خود بخود یہ چیز اظہر من الشمس ہو جائیگی کہ عقیدہ نزول ضروریات دین میں سے ہے یا نہیں۔

نزول مسیح اور قرآن کریم

(۱) وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها (زخرف ع ۶) ترجمان القرآن

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے تابعین میں سے ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، مجاہد وغیرہ سے آیہ کریمہ کی صحیح تفسیر یہ منقول ہے کہ "انه" کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور قرآنی سیاق کا یہی تقاضہ ہے اور "علم" کے معنی نشانی کے ہیں۔ تفسیر ابن جریر تفسیر ابن کثیر تفسیر در منثور میں مجاہد سے مروی ہے۔ قال آیة للساعة خروج عیسیٰ بن مریم قبل یوم القیمة۔ حافظ ابن کثیر دعوی کرتے ہیں کہ تفسیر صحیح ہے۔ ظاہر ہے کسی صحابی سے اسکے خلاف تفسیر جب منقول نہیں۔ ایسی صورت میں حبر امت اور بحر امت ترجمان القرآن ابن عباس کی تفسیر سے زیادہ راجح کیا تفسیر ہو سکتی ہے۔ اب ترجمہ آیہ کریمہ کا یہ ہوا کہ "یقینی ہے نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے پس اس میں شک نہ کرو" تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر (۲۵-۵۴) مطبوعہ میریہ تفسیر ابن کثیر (۹ — ۱۴۶) مطبوعہ میریہ الدر المنثور (۶ — ۲۰) طبع مصر عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام (ص ۱) ملاحظہ ہو۔ اسی لیے عقیدۃ الاسلام (ص ۵۴) میں حضرت امام العصر فرماتے ہیں:۔ واذا تواترت الاحادیث بنزوله: تواترت الآثار وهو المتبادر من نظم الآیة فلا یجوز تفسیر بغیره آه

(۲) وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیمة یکون علیهم شهیداً" (النساء ر ۱۵۹)	کوئی شخص اہل کتاب میں سے نہ رہیگا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر اُن کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

"موته" کی ضمیر میں نزاع ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین، ضحاک، جویبر وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح و ترجیح فرمائی ہے کہ "موته" راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہونگے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لائیں گے اور اسی قول کو ابن جریر اپنی تفسیر میں "اولی هذه الاقوال بالصحة" قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں وهذا القول هو الحق کما سنبینه بالدلیل القاطع ان شاء الله ۰۰۰۰ اور پھر فرماتے ہیں:

ولا شك ان هذا الذی قاله ابن جریر هو الصحیح لانه المقصود من سیاق الآی

غرضیکہ انتہائی تاکید سے ابن کثیر نے اس دعوے کو ثابت کیا ہے۔ فتح الباری (۶ — ۲۵۷) میں۔ عمدۃ القاری (۷ — ۲۵۲) میں نے اسی تفسیر کو اہل العلم کی تفسیر بتلایا ہے۔ بہرحال قرآن کریم کی راجح تفسیر کی بنا پر دو آیتوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے لیکن چونکہ دونوں آیتیں اس مقصود پر قطعی الدلالۃ نہیں ہیں اس لیے نزول کی قرآنی حیثیت سے "ظن غالب یا درجہ" حاصل ہوگا۔ لیکن یہ ظن ایسا ہے کہ مرتبہ یقین کے قریب ہے۔ بہرحال یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس موضوع کی تفسیر و تحقیق نکات و لطائف کو دیکھنے کا اگر شوق ہو تو "عقیدۃ الاسلام" اور "تحیۃ الاسلام" کی مراجعت کی جائے جو امام العصر مولانا انور شاہ صاحبؒ کی اس موضوع میں بے نظیر کتابیں ہیں۔

نزول مسیح میں تواتر حدیث

اب رہا دوسرا پہلو حدیثی اعتبار سے، تو یہ پہلے ذہن نشین ہو جانا چاہیے کہ تواتر حدیث یا تواتر احادیث دونوں ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک "متن" مثلاً دس صحابہ سے مروی ہے وہ دس حدیثیں کہلائیں گی اگر عدد صحابہ درجہ تواتر کو پہنچ گیا تو یہی حدیث متن کے اعتبار سے حدیث متواتر ہو گی اور رواۃ اور کثرت طرق کے اعتبار سے احادیث متواترہ کی تعبیر زیادہ انسب ہوگی۔ بظاہر جیوری صاحب اس سے بھی غافل ہیں۔ اب سنیے اگر کسی حدیث کے رواۃ اور طرق بحث و تفتیش کے بعد درجۂ تواتر کو پہونچ گئے ہیں تو ہر محدث کو اس حدیث کے متواتر کہنے کا حق حاصل ہوگا چاہے امت میں کسی نے تصریح نہ کی ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی محدث نے بغیر بحث و تحقیق کے کسی حدیث کے متعلق فرما دیا ہو کہ یہ "خبر واحد" ہے۔ بعد میں تتبع طرق و کثرۂ رواۃ سے کسی کو معلوم ہوا کہ متواتر ہے تو وہ متواتر ہو گی اور مفید للعلم القطعی ہو گی۔ نیز یہ معلوم رہے کہ ہر فن کا مسئلہ اس فن والوں سے لیا جاتا ہے۔ کسی حدیث کی تصحیح یا تحسین و تضعیف یا خبر واحد یا مشہور و متواتر ہونے کے لیے محدث ہی کی شہادت پیش کی جائیگی صرف فقیہ کا یہ منصب نہیں اور نہ صرف متکلم یا معقولی کا یہ وظیفہ ہے۔ ایک موقع پر جیوری صاحب نے "نزول مسیح" کی احادیث کو "اخبار آحاد" کہنے کے لیے تفتازانی کی عبارت پیش فرمائی ہے۔ یہ فن تفتازانی کا نہیں۔ وہ معانی و بیان یا منطق و کلام میں ہزار درجہ محقق ہوں تو ہوں، حدیث انکا فن نہیں ہے۔ یہاں تو غزالی امام الحرمین رازی آمدی جیسے اکابر کے اقوال بھی قابل اعتبار نہیں۔ یہ جائیکہ تفتازانی کا۔ ایسے موقع پر منذری، دمیاطی، مزی، ذہبی، عراقی، ابن حجر، بدر عینی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر وغیرہ وغیرہ محدثین امت حفاظ حدیث کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے۔ سید جرجانی و تفتازانی کی حدیث دانی کے لیے یہ واقعہ کافی ہے

(باقی آئندہ)

نسائیت اور جنگ

جنگ جتنی زیادہ طویل ہمہ گیر اور شدید ہوگی اُسکے اثرات ابھی اتنے ہی دیرپا اور ہمہ گیر ہونگے۔ موجودہ جنگ دنیا کی سب سے بڑی ہلاکت آفرین جنگ ہے اس بنا پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلی جنگ کے مقابلہ میں موجودہ جنگ کے نتائج انسانی اخلاق و معاشرت کے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہونگے۔

پہلی جنگ نے اگر عورتوں کی عریانی کو اس اندازہ پہونچایا تھا، تو اب نہیں کہا جا سکتا کہ اگر مذہب اور اخلاق کی بے قیدی کا یہی عالم رہا تو یہ عریانی کس حد تک پہونچ کر دم لیگی۔

چنانچہ موجودہ جنگ کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں مردوں کی تعداد کے کم ہو جانے سے وہاں کی عورتوں میں جو آوارہ مزاجی پیدا ہوئی ہے اُسکی خبریں ابھی سے اخبارات میں آنے لگی ہیں۔ اور ان سے ایک صاحب بصیرت انسان آسانی قیاس کر سکتا ہے کہ فضا کا یہ تکدر مستقبل میں کس دردناک طوفان کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔ امریکہ کے ایک رسالہ دی امریکن میگزین میں ایک یورپین فاضل ڈاکٹر ہنری یوین نے حال ہی میں ایک بیان شائع کرایا ہے جس میں موصوف نے کہا ہے کہ "امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں اب مردوں اور عورتوں کی تعداد ایک اور دس کی رہگئی ہے اور یہاں عورتوں کی ایک نئی قسم دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ عورتیں جوق در جوق سڑکوں پر چلتی پھرتی ہیں اور جہاں کہیں انکو کسی مرد کی صورت نظر آتی ہے یہ عورتیں اس مرد کو دیکھ کر سیٹی بجاتی ہیں اسکی طرف رومال اڑاتی ہیں اور طرح طرح کی ترکیبوں سے اسکو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں" یہ حالت تو اب ہے جبکہ فوجیں ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں۔ فوجوں کی واپسی کے بعد ان عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ اسکا اندازہ بھی مشکل ہے۔

اسی قسم کے خاص حالات کے پیش نظر اسلام میں تعدادِ ازدواج کو مباح اور جائز رکھا گیا ہے، جسکی وجہ سے ایک سوسائٹی جنگ کے بعد بداخلاقی اور بدکاری سے محفوظ رہ سکتی ہے، اور اس طرح جنگ میں جتنے مردوں کا نقصان ہوا ہے، اسکی مکافات بھی جلد ہی ہو سکتی ہے ورنہ اگر آپ ان حالات میں بھی ایک مرد کو ایک سے زیادہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو پھر دنیا میں کوئی تدبیر ایسی نہیں ہے جسکے ذریعہ آپ بداخلاقی، بدچلنی، آوارگی اور ہوس پرستی کے سیلاب کا انسداد کر سکیں۔

(برہان)

(بقیہ صفحہ ۵)

سے مستفید ہو کر اپنے اپنے مقامات پر جا کر اسلام کی خدمت کرتے ہیں اور سیکڑوں ناواقف مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر صاحب ثروت مسلمان اپنی زکوٰۃ کا کوئی حصہ ان غریب طلبہ کے لیے مخصوص فرما دیں تو زکوٰۃ ادا ہونے کے علاوہ انھیں قیامت تک ان بے شمار اللہ کے بندوں کے اعمال حسنہ کا ثواب ملتا رہیگا جنکی ہدایت بالواسطہ یا بلاواسطہ ان طلبہ کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ امید ہے کہ اس صدقۂ [illegible]

جاریہ کو صاحب نصاب مسلمان فراموش نہ فرمائیں گے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے غیر مستطیع طلبہ کے لیے کوئی رقم ضرور ارسال فرمائینگے

سید عبدالعلی - ناظم ندوۃ العلماء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

صدق

ایڈیٹر - عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین - کے متعلق خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں اس پتہ پر مراسلت کیجیے :-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ؎ ۵
سمالک غیر سے چندہ سالانہ ۱۵ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۲۵	یوم سہ شنبہ - ۲۸ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ - اگست ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

برطانیہ کی وزارت بات کی بات میں بدل گئی - برسوں کا جما جمایا نقشہ آناً فاناً الٹ گیا - "ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا"! جو بڑے مانے جاتے تھے، وہ چھوٹے نکلے، اور جو چھوٹے سمجھے گئے تھے، وہ بڑے بن گئے - "زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم نکلے"! چرچل گئے - اٹیلی آئے ---- چرچل کی شکست، حیرت انگیز انقلاب آفرینی میں، ہٹلر کی ہلاکت سے کم سہی، لیکن بہت کم تو یقیناً نہیں۔

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد!

ٹوری نکلے، لیبر والوں کا جھنڈا بلند ہوا - خیر وہ کوئی آئے یا کوئی جائے، "صدق" غریب کو ان قصوں قضیوں سے کیا واسطہ؟ بقول شخصے

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت!

---- واسطہ ہے؟ "سات سمندر پار کے" اسی گاؤ و خر کے قصۂ آمد و رفت سے ہے۔

ہندوستان کے اسٹیٹسمین اور ٹائمس آف انڈیا کو چھوڑ لیے - بہت بڑے اخبار سہی، پھر بھی ہندوستان کے ہیں - خاص لندن کے ڈیلی میل، ڈیلی ٹیلیگراف، ڈیلی اکسپریس اور آبزرور، اور سنڈے ٹائمس کو، اور سب سے بڑھکر ٹائمس کو لیجیے - سب کے سب ٹوری پارٹی کے ہمدرد، بلکہ اُسکے زبردست نقیب و ترجمان - لیکن اس شکست فاش پر

ایک بار بھی نہ غصہ نہ بدزبانی، نہ حریف پر بےایمانی اور بددیانتی کے الزامات، نہ کامیاب پارٹی کے مقابلہ میں بغاوت کی دھمکیاں، نہ کامیاب ممبروں پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں! نہ پاؤں پٹخنے جلسوں میں، کامیاب لیبر پارٹی کے لیے "مردہ باد" کے نعرے، نہ تقریروں میں اسکے لیے "غدار" اور "قوم فروش" کے خطابات! ---- بڑے بڑے لیڈر، اور بڑے بڑے اخبارات سب یہی کہ رہے ہیں یہی لکھ رہے ہیں کہ نتیجہ یقیناً سخت افسوسناک اور نہایت حیرت انگیز نکلا ہے، لیکن بہرحال جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا - قوم کا فیصلہ یہی ہے، اسی کے آگے گردن جھکانا ہے، اسی کے ساتھ سر تسلیم خم کرنا ہے - اور آیندہ الکشن کے وقت زیادہ سے زیادہ باقاعدہ و سرگرم کوشش کرنا اور پارٹی کو زیادہ مرتب و منظم بنا لینا ہے! ---- سنتے ہیں کسی زمانہ میں "سمع و طاعت" اطاعت یا ڈسپلن، غیروں کا نہیں، اپنا شیوہ رہ چکا ہے!

ڈیماکریسی (جمہوریت) کا جو فرضی بت انھوں نے گڑھ رکھا ہے، اطاعت، بے چون و چرا اطاعت، اسی کی ہو رہی ہے، ہمارے ہاں یہ مرتبہ کسی امیر قوم کو، کسی امیر الامرا کو، کسی قائد اکبر کو، کسی قائد اصغر کو نہ سہی، کسی لیگ، کسی مجلس، کسی جمعیۃ کو نہ سہی، خود کتاب و سنت کو بھی عملاً حاصل ہے؟ ہر زندہ ہستی کے مقابلہ میں گالیاں ہیں، تالیاں ہیں، سیاہ جھنڈیاں ہیں، اور "برباد" و "مردہ باد" کے نعرے ہیں! ---- "شتر بے مہار" قوم، بے گلہ بان کا گلہ، کس معنی میں "زندہ قوم" کہے جانے کا مستحق ہے؟

جاہلیت کی بازگشت

"خدا کی ذات ہر طرح کے اس لگاؤ سے بلند ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ جہاں کلام سے صرف اسکا مفہوم مراد ہوگا۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں طبعی و نفسیاتی کیفیت جیسکے زیر اثر ایک شخص بے اختیارانہ کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کا نام مذہبی زبان میں وحی و الہام، جبرئیل اور روح القدس وغیرہ ہے۔۔۔۔ (قرآن) چونکہ اسی زبان میں نازل ہوا تھا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی، تو اسکے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے؟ بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اسکا ایک ایک لفظ، ایک ایک نقطہ خدا کا بنایا ہوا ہے، اور خود رسول اللہ کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا، خدا کو اسکے منصب سے گرا کر انسان کی سطح تک کھینچ لانا ہے، اور رسول کو سطح انسانیت سے بہت نیچے گرا دینا ہے۔" (نگار، جولائی سنہ ۴۵ء، ۳۳، ۳۴)

وحی، جبرئیل اور روح القدس کی حقیقت آپنے سُن لی؟ ——— گویا دین کی ہر حقیقت ایک شاعرانہ مجاز ہے! ——— اور یہ سب تنزل اور فتنہ، دہریوں کے قلم سے نہیں، بلکہ اُنھیں کے دماغوں سے نکلی ہوئی چیزیں، "محقق زماں، علامہ دوراں" نیاز فتحپوری کی زبان سے دہرائی ہوئی! ——— اور آگے چلیے :-

"آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی قوم کی اس گری ہوئی حالت کا بہت اثر لیا۔ اور یہ اثر لینا صرف اس بنا پر تھا کہ قدرت نے آپ کے دل و دماغ میں غیر معمولی صلاحیت سوچنے سمجھنے کی ودیعت کر دی تھی۔ جب ہم مذہبی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو خدا نے منصب نبوت کے لیے چن لیا تھا۔ ۔۔۔۔

اس میں کلام نہیں کہ رسول اللہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی ذہنی صلاحیت لیکر آئے تھے اور سالہا سال کے غور و فکر کے بعد آپنے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس قوم کی اصلاح کر کے رہیں گے۔ اور دنیا کی کوئی مخالف قوت انھیں اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکیگی" (ایضاً، ص ۳۶)

گویا آپ اپنی قوم کے ایک مخلص اور باہمت مصلح (ریفارمر) تھے، اور بس ——— وہی تشخیص جو "دانایانِ فرنگ" بارہا کر چکے ہیں! ——— اور آگے بڑھیے :-

"آخرکار وہ وقت آیا کہ یہ سیلاب اُبل پڑا، یہ چشمے پھوٹ نکلے، اور جذبات و تاثرات کے طوفان نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی۔ اور انھیں الفاظ کا مجموعہ قرآن ہے۔" (ص ۳۷) "اگر آپ قرآن کا بغور مطالعہ کرینگے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ کے تاثرات کے لحاظ سے اسکا انداز بھی بدل گیا ہے۔ کہیں تو وہ بالکل ... ہے یعنی رسول اللہ نے خود اپنے نفس سے خطاب کیا ہے۔ کہیں انھوں نے خدا کو مخاطب کر کے اپنے جذبات فدویت و تشکر کا اظہار کیا ہے۔ کسی جگہ اپنے ابنائے قوم اور اپنے اعزہ و احباب اور اپنے دشمنوں کو مخاطب کیا ہے، اور کہیں ایسا انداز [illegible] کیا گیا ہے گویا خدا کچھ فرما رہا ہے۔ اور ان مختلف اسالیب بیان سے صرف یہی نہیں کہ ہم رسول اللہ کے ذہنی اثرات ہی کی صحیح تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، بلکہ اس نتیجہ تک بھی پہنچتے ہیں، کہ رسول اللہ کا تنہا مقصود (کسی نہ کسی طرح لوگوں کو) درستی اخلاق کی طرف متوجہ کرنا تھا، اور اسی مقصود کو مختلف طریقوں اور مختلف اسالیب بیان سے پورا کیا گیا ہے۔" (ص ۳۷ و ۳۸)

قرآن مجید کی قوت تاثیر سے تو کسی بڑے سے بڑے معاند کو بھی انکار نہ تھا۔ اور اسی سے تو وہ آپ کو زبردست شاعر، یعنی خطیب، کہتے تھے۔ آنحضرتؐ کی ذہانت و فطانت، ہوش و انصاف میں ابوجہل اور ابولہب دونوں کو مسلّم تھا۔ آج بھی میور اور مارگولیس کی برادری میں اکثر کو مسلّم ہے، گفتگو ساری کی ساری اس میں تھی، کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یا رسولؐ کا اپنا گڑھا ہوا، اور خواہ مخواہ اللہ کی جانب منسوب کیا ہوا؟ ——— نیاز اپنی "تحقیقاتِ عالیہ" کے بعد آج ٹھیک اُنھیں نتیجوں پر پہنچے ہوئے ہیں جن پر جاہلیت قدیم و جدید پہنچ چکی تھی! اور اس پر بھی، اس شخص کو اصرار ہے کہ دنیا اسے مسلمان کیوں نہیں سمجھتی!

اپنوں کا گلہ

"شملہ سے ۱۸ روز کے بعد واپس آیا ہوں ... آپ سیسل ہوٹل میں تشریف لائیے۔ پاکستان کے ارباب تقویٰ جمع ہیں۔ جتنے مرد ہیں، اس سے زیادہ عورتیں۔ سب تشریف فرما ہیں، نماز اور ناچ کا وقت ایک ہے۔ کون ہے جو اذان سنے اور کون ہے جو نماز سے مطلب رکھے۔ مسلمانوں کی بیویاں، بیٹیاں، پوتیاں، کبھی ایک کے پہلو میں ہیں، کبھی دوسرے کے۔ ناچ سب کے سامنے جاری ہے۔ لباس انگریزی، تمدن انگریزی، ہنسنے بولنے کا انداز انگریزی ... معتبر روایات ہیں کہ شاید کوئی ہوگا جسے دس بجے رات کے بعد اپنا ہوش ہو۔ سسل ہوٹل کے بل اٹھا کر دیکھ لیجیے ... جہاں پر سب مسلمان تھے، لیکن انگریز سے کم کوئی نہ تھا۔ آپ کس کس کو لکھیے گا، اور کیا لکھیے گا۔"

اقتباس ایک "نیشنلسٹ" مسلمان صحافی کے مکتوب کا ہے۔ جو کچھ بیان ہوا ہے، اگر اسکا نصف حصہ بھی صحیح ہے، تو گردن کسی ایک یا چند اشخاص کی نہیں، بلکہ ہم سب کی شرم سے جھک جانا چاہیے ——— آہ بہادر یار جنگ مرحوم! لیگ کے کیمپ میں بڑی بڑی اصلاحوں کی امید اُنھیں کے دم سے تھی۔ بعد محمد علیؒ کے اللہ نے اُنھیں کو اسی دل و دماغ کے ساتھ یہ دم خم بھی دیا تھا۔ لیکن شخصیتوں کا ماتم کیا، ملک! یہ فرض تو ہم سب کا مشترک ہے، اور بڑے چھوٹے سب پر اپنی اپنی بساط کے لائق عائد ہوتا ہے۔

فرعونِ مصر

ایک صاحب علم و فضل کے سوالات :-

"حضرت موسیٰ کے معاصر فرعون کا نام کیا تھا؟ کیا انکے واقعات کا تعلق ایک ہی فرعون سے ہے، یا اس عرصہ میں دو فرعون تخت مصر پر رہے؟ ایک وہ جسکے محل میں حضرت نے پرورش پائی ([illegible]

سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۳

(سلسلہ صدق نمبر ۲۳)

(از عبدالماجد)

ترجمہ	آیت
اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اُس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)۱۵۸ ۔ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا۱۵۹ ۔ اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو۱۶۰ ۔ اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی۱۶۱ عجب نہیں کہ تم شکرگزار بن جاؤ۱۶۲	ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ہدکم ولعلکم تشکرون

الشہر کوئی ملک اس دنیا کے پردہ پر ایسا آباد ہے کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے اُنتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے —— قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شہد الشہر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی!

بطور تطوع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اُسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔

۱۵۸ ابتدا میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں، قضا کر سکتے ہیں۔ جب آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ نازل ہوئی، اُس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔ اور رمضان کے روزے اُن کے لیے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہوگئے۔ لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لیے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو من کان مریضا الخ کو ایک بار پھر اسی لیے دوہرا دیا گیا کہ من شہد منکم الشہر فلیصمہ کی تعمیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی، اس لیے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقی اور معنوی نہیں۔

کرر لما توہم نسخہ بتعمیم من شہد (جلالین) مخصصا لمارن المسافر والمریض ممن شہد الشہر ولعل تکریرہ لذلک او لئلا یتوہم نسخہ (بیضاوی)

۱۵۹ چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام و قوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں۔ اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کتنی گنجائشیں، کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔

حدیث میں یوں جو آیا ہے، دین اللہ یسر، وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا نتیجہ ہے۔ اور واقعی اگر غور کرکے دیکھا جائے تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملیگا، جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جنس، موسم اور دوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔ اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائیگی کہ فرد یا امت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔

امت اسلامی کے فخر و مسرت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تعمیل میں بھی، اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مزاحمانہ فضا و ماحول کے باوجود، اس خوشدلی اور بےتکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ کر حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں:—

"روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں بھی پڑیں۔ اور آج تک مشرق کے میدانوں میں، جلجلاتی ہوئی دھوپ، اور جھلساتی ہوئی سموم میں، گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں، محمد کے پیرو، صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے.... اتنی سخت ریاضت، قوت ایمانی اور ضبط نفس کا پورا امتحان ہے" (لائف آف محمد، ص ۱۹۳)

۱۶۰ (ایام قضا کی)

یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں اُنکی تکمیل کر لو، تو پورا پورا اجر روزوں کا مل جائیگا۔

ولتکملوا نحوی اعتبار میں یرید اللہ کے ہے، اور عطف الیسر پر ہے
یجوز ان یعطف علی الیسر ای ویرید بکم لتکملوا (بیضاوی)

۱۶۱ (تمہارے ہی نفع اور فلاح کی)

اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پوری پوری رعایت۔

۱۶۲ شکرگزار بنجانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعت اسلامی کے ذریعے کیسے کیسے پرسہولت طریقے اسکے نفع اور درجے کے بتا دیے ہیں!

۱۶۳ (اے پیغمبر)

فانی یعنی میرے قرب و بُعد سے متعلق

القرب ... تمثیل لکمال علمہ ... (بیضاوی)

گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے وجود کا اقرار تو بارہا کیا ہے، لیکن ذات باری

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں،[۲۶۳] تو میں تو قریب ہی ہوں۔[۲۶۴] دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے،[۲۶۵] بس (لوگوں کو) چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں۔[۲۶۶] عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔[۲۶۷]

کو انسان سے اس قدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں!

اذا سألک اہل بلاغت نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قُرب و قبول مطلب پر موقوف ہے اور کَ خطاب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسط آنحضرت صلعم کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے۔ کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔

۲۶۳ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہہ دیجیے)

قریب۔ قریب باعتبار کمال علم، یا قریب باعتبار قبول دعا۔ ای قریب بالاجابة (ابن عباس) قریب بالعلم لا یخفی علی شیء (معالم) ای بالاجابة وقیل بالعلم (قرطبی) علمًا واجابة تعالیه عن القرب مکانًا (مدارک) انه تعالی یسمع دعاءهم ویرٰی تضرعهم او المراد من هذا القرب العلم والحفظ (کبیر)

قُرب سے ظاہر ہے کہ قرب مادی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، قُرب معنوی مراد ہوگا۔ وہو تمثیل لکمال علمه بافعال العباد واقوالهم واطلاعه علی احوالهم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے، ماہ رمضان میں اس عموم میں خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ قرب یا تعلق خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

بندوں کی تسکین اور تسلی کا کسقدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے! ہمیں اپنے خدا کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے، وہ تو ہم سے قریب بلکہ ہم سے متصل ہی ہے۔

۲۶۴ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیت مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا)

عنّی، انی، اجیب، دعان، متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا بھی فرق ملحوظ ہے۔ صیغۂ جمع عموماً قدرت، عظمت، قوت کا مظہر ہوتا ہے اور واحد اسکے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا بالکل ظاہر ہے۔

آیت کے الفاظ سے دعا کی ترغیب و تشویق بھی نکل آئی۔ اور اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ دعا شدہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔

ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جسکے لیے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یعنی دعا کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اسکے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔

۲۶۵ فلیستجیبوا لی یعنی میری دعوت ایمان و طاعت قبول کریں جس طرح میں انکی دعا و حاجات قبول کرتا ہوں۔

اذا دعوتهم للایمان والطاعة کما انی اجیبهم اذا دعونی لحوائجهم (مدارک) المعنی فلیجیبوا الیّ فی ما دعوتهم الیه من الایمان ای الطاعة والعمل (قرطبی۔ عن مجاہد وغیرہ)

حکیم مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں۔ بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ ان میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لیے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی)

والیؤمنوا بی۔ یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایت مصالح پر۔

۲۶۶ (اور ان پر فلاح دارین کا دروازہ کھل جائیگا)

لعل۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلام الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوکر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض امید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے، اور اسکے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازہ فلاح دارین کا کھل رہیگا۔

بقیہ صفحہ ۲

ایک وہ جسکو دعوت دی، اور وہ غرق ہوا۔ کیا انکے معاصر کا نام رمیسس تھا؟

(۲) دوسرے فرعون کے دعوے الوہیت کی حقیقت کیا تھی؟ وہ اپنے کو داعی کہتا تھا یا کسی دیوتا کا اوتار؟ کیا نمرود کی طرح اسکو بھی لوگ سجدہ کرتے تھے؟ بنی اسرائیل کی اس کے ہاں پوزیشن کیا تھی؟ کیا اسکی کچھ تصریح بائبل سے متعلق کتابوں میں ملتی ہے؟

(۱) اب تک تو علماء بائبل کا یہی خیال تھا کہ حضرت موسیٰ کے معاصر دو فرعون تھے ایک کا نام وہ RAMESES (رمیسس ثانی) بتاتے تھے، اور دوسرے کا MERNEPTAB جو غرق ہوا۔ لیکن اب مشہور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن نے تحقیق کرکے یہ بتایا ہے کہ ان دونوں فرعونوں کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ حضرت کی پیدائش اس سے بہت قبل ۱۵۲۰ ق م میں ہوئی تھی، اور اسوقت تخت مصر پر فرعون توتمس اول THOTMES جلوس افروز تھا۔ اسکا سال وفات ۱۵۰۳ ق م ہے۔ اسکا جانشین اسی نام کا ایک فرعون ثانی ہوا۔ اسکا سال وفات ۱۵۰۱ ق م ہے۔ اسکا جانشین پھر اسی نام کا فرعون ثالث ہوا۔ حضرت نے اسی کے عہد میں یعنی ۱۴۸۰ ق م (اپنی عمر کے ۴۰ سال) میں مدین کو ہجرت کی، یہ بادشاہ ۱۴۴۷ ق م میں فوت ہوا۔ اور اسکا جانشین آمین ہٹپ ثانی AMENHATEP ہوا۔ حضرت نے اسکے عہد یعنی ۱۴۴۰ ق م اور اپنی عمر کے ۸۰ سال میں مصر سے سفر کیا۔ اس حساب سے آپ کے معاصر چار فرعون ٹھہرتے ہیں (دیکھیے جیش)

اسلامی سیاسی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

(مسلسل)

افادہ: علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ

"اسلامی معاشیات" کے عنوان سے میرے مضامین کا ایک طویل سلسلہ پچھلے چند سالوں میں شمال و جنوب کے مختلف علمی مجلات میں شائع ہوتا رہا ہے، اور عنقریب میری ضخیم کتاب جو تقریباً ہزار بارہ سو صفحات پر ختم ہوگی۔ ان ہی مسائل کے متعلق انشاء اللہ پریس سے نکلنے والی بھی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ بنی نوع انسانی کی معیشت صالحہ کی اساسی بنیاد کس چیز کو قرار دیا جائے؟ آدمی آدمی ہی ہے آدمی ہونے کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے۔ نہ وہ شیر ہے اور نہ ہاتھی۔ نہ بکری ہے نہ بیل۔ آیا اس مشاہدہ اور واقعہ کو اسکی بنیاد بنایا جائے۔؟ یا سب کو غریب بنا کر امیر سے امیر بنتے چلے جانے کی نہ بجھنے والی جھوٹی غیر ضروری پیاس ملک کے چند امیروں میں جو کبھی کسی وجہ سے بھڑک اٹھتی ہے، محض اسی جھوٹی غیر فطری پیاس کی جھوٹی تسلی کے لیے یہ فرض کرایا جائے جیسا کہ یورپ و امریکہ کے سرمایہ دار ممالک میں کچھ دن پہلے فرض کرایا گیا تھا کہ آدمی آدمی نہیں بلکہ جنگل کا کوئی بھیڑیا، اور کچھاروں میں زندگی گزارنے والا وہ کوئی شیر ہے۔ طے کر دیا گیا تھا کہ کمزوروں کو فنا کرکے اپنی بقاء و ارتقاء کا سامان پیدا کرنا اسکا قدرتی حق ہے۔

یا پھر یہ کہ کر سب چونکہ امیر نہیں بن سکتے، اس لیے سب کو غریب بنا دینے کی جو جبری تحریک ان ہی ممالک کے بعض علاقوں میں شروع ہوئی ہے، اور اسی عام غربت کی دھمکیاں دوسرے ملکوں کو دی جا رہی ہیں کیا غریب بنانے کی اسی جابرانہ مہم کو جائز ٹھہرانے کے لیے یہ فرض کیا جائے کہ بجائے آدمی ہونے کے آدمی ایک قسم کی بکری یا گائے وغیرہ ہے یعنی ان ہی جانوروں میں سے ایک جانور آدمی بھی ہے جن کے ہر فرد کو گھاس چارہ، پانی وغیرہ ضروریات زندگی کی وہی مقدار ملتی ہے جو اسی صنف کے دوسرے افراد پا رہے ہیں جسمانی و دماغی، اخلاقی، الغرض زندگی کے اکثر و بیشتر شعبوں میں صفات و کمالات کے لحاظ سے جو پیدائشی تفاوت بنی نوع انسانی کے مختلف افراد میں پایا جا رہا ہے اور تفاوت کے اسی قدرتی قانون نے انکی نیتوں میں جو تفاوت پیدا کر دیا ہے ایسا تفاوت جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا یا دور کر دیا گیا ہے کہ وہی جھٹلا دیا گیا یا قریب ہے کہ اسے جھٹلا دیا جائے۔ کیڑوں مکوڑوں، جونکوں، تتلیوں، چیونٹیوں، مینڈکوں، گوہوں، کبوتروں، طوطیوں، مینوں، چڑیوں، الغرض انسان کے سوا زمین کے اس کرہ کے عام باشندوں

کو کسی معاشی نظام کا پابند بنا کر پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے۔ سینوں میں ہوس کے متعلق ان بدگمانیوں کی چنگاریاں سلگائی جا رہی ہیں کہ اسی قادر علی الاطلاق کا زبردست ہاتھ اور اسکی لامحدود قدرت صرف بنی نوع انسانی کو معیشت کے اس نظام کا پابند بنانے کی کوشش میں ناکام رہی۔ گویا پیدا کرنے والا جس مہم میں ناکام رہا اب اسی میں کامیاب ہونے کی کوشش خود پیدا کیے جانے والے کر رہے ہیں۔

بہر حال بنی نوع انسانی کے معاشی نظام کی بنیاد کے متعلق قرآن نے جو جواب دیا ہے اور اپنی مبن اندرونی و بیرونی خصوصیتوں کی امداد سے آدمی زندگی کے موجودہ دور (یعنی الحیوٰۃ الدنیا) میں نفع اٹھا رہا ہے۔ انکی نوعیت کیا ہے۔ نیز اسی "الحیوٰۃ الدنیا" کے بسر کرنے کے لیے زمین کے اس کرہ پر اذوقہ کا جو سرمایہ قدرتی پیداواروں کی شکل میں اسے عطا کیا گیا ہے انکی پیدائش کس پیمانہ پر ہو رہی ہے؟ کیا یہ کوئی ایسا سلسلہ ہے، جس سے آدمی چاہے تو اپنے لیے اور اپنے ابنائے جنس کے ہر ہر فرد کے لیے رزق مبسوط پیدا کر سکتا ہے؟ قرآن نے اسکا کیا جواب دیا ہے۔ خود اس رزق مبسوط اور اسی کے بالمقابل رزق مقدور کی اصطلاح کا کیا مطلب ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی آیات

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق	اللہ ہی نے تم میں بعض کو بعض پر اذوقہ (روزی) میں برتری عطا فرمائی ہے۔
ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض	اور بعض کو بعض پر جو برتری عطا کی گئی ہے اسکی تمنا نہ کیا کرو
اسی طرح بیسیوں جگہ واللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر	اور اللہ ہی کشادہ کرتا ہے روزی کو جسکے لیے چاہتا ہے اور تنگ فرماتا ہے جسے چاہتا ہے

کا قرآن نے بار بار اعادہ کرکے اس حقیقت کا جو اعلان کرایا ہے کہ "الرزق" میں بسط و قدر یعنی کشادگی اور تنگی کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ہمیشہ انسانوں کی مصنوعی تدبیروں سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے صحیح نہیں ہے بلکہ ایک خاص نصب العین کی تکمیل قدرتی مدارج و مراتب کے امتحانات سے مقصود ہے۔ رزق کی یہ دونوں کیفیتیں اپنے ساتھ کچھ مخصوص ذمہ داریاں بھی رکھتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ کوشش اجتماعی حیثیت سے انسانی زندگی کے موجودہ دور کو بھی خوشگوار بنا دیتی ہے، اور الآخرۃ کی آنے والی دوسری زندگی میں اسکے ثمرات و نتائج کا مشاہدہ بھی ثابت کرے گا کہ رزق کی یہ دونوں حالتیں کتنی مبارک و مسعود تھیں۔ اسی طرح ان دونوں کیفیتوں کے غلط استعمال کے غلط نتائج کے جن خمیازوں کو نسل انسانی بھگتتی

رہتا ہے، اور غلطیوں پر جب تک اصرار اسکا باقی ہے مطلبی رہیگی۔ اس زندگی میں بھی اور آنے والی زندگی میں بھی۔ انکی تفصیلات کی گئی ہیں ۔ ارشاد ربانی

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض	اور اگر اللہ رزق کو اپنے بندوں پر اتنا پھیلا کر مبسوط بنادیں تو زمین میں سرکشی کرنے لگیں

پھر قرآن نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو تدبیریں بتائی ہیں، ربوا (سودی کاروبار) اور اسکی مختلف شکلوں کا انسداد کرکے جن معاشی مفاسد کو اسلام نے روکا ہے، اُخروی سزاؤں اور دھمکیوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اسلامی حکومتوں کو انسداد ربوا پر آمادہ کرنا سود خواروں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی طرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اعلان جنگ دیدینا، ہر قسم کی مذہبی آزادی عطا کرتے ہوئے غیر مسلم رعایا کو خصوصیت کے ساتھ اس پر مجبور کرنا کہ وہ مسلمانوں سے اسلامی قلمرو میں انکو سودی لین دین کی اجازت دی جا سکتی ہے اور نہ باہم غیر مسلموں سے وہ اس چیز کو روا کر سکتے ہیں۔ مالی، جانی عزتی ذمہ داریاں جو غیر مسلم رعایا کی اپنے سر اسلامی دولت لیتی ہے ان ساری ذمہ داریوں کو اسی کے ساتھ مشروط کردیا یعنی سودی بیع کے ساتھ ہو وہ سب داری کا معاہدہ قطعی طور پر ختم ہو جائیگا[1] ایک ارف ربوا اور سود کے دروازے کو بند کرکے شرکت قراض مضاربت سلم اور دوسرے ایسے مختلف کاروباری ابواب کو کھلا رکھنا جنکے ذریعہ سے انکے بچے ہوئے پس انداز سرمایہ سے بڑے بڑے پیمانہ پر پیداوار کا امکان باقی رہتا ہے اور اسی کے ساتھ سجائے معاملہ کے قرض کو نیکی اور صدقات و خیرات کے ذیل میں داخل کردینا اور ہر مرنے والے کی موت پر اسکے چھوڑے ہوئے سرمایہ کی ایسے اصول پر تقسیم کہ ایک طرف رزق کے بسط محدود کی اسکے ذریعہ سے مسلسل حدبندی بھی ہوتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف مرنے والے کے جانشینوں میں سے ہر ایک تک سرمایہ کی ایک خاص مقدار پہونچ جاتی ہے۔ چاہنے والے اگر چاہیں تو اسکو پونجی بنا کر زائد آمدنی کا ذریعہ اسے بنا سکتے ہیں۔ پھر تاذوہ احتکار[2]، ربیع الحاضر لباد، تلقی جلب وغیرہ قوانین کے ذریعہ سے

---

[1] نجران کے عیسائیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ فرمایا تھا۔ اس میں منجملہ دیگر دفعات کے ایک دفعہ یہ بھی تھا کہ سودی کاروبار کرنے کے ساتھ ہی ذمہ کا یہ عہد ختم ہو جائیگا۔ ۱۲

[2] اسلام کے معاشی ابواب کی یہ چند خاص اصطلاحیں ہیں۔ احتکار کی اصطلاح تو اُردو میں بھی مستعمل و مشہور ہے۔ یعنی گرانی کے انتظار میں غلہ وغیرہ کو بیوپاری جو روک لیتے ہیں۔ اسی طرح بازار میں آنے سے پہلے آگے بڑھ کر بازار میں بکنے والی چیزوں کو اس غرض سے خرید لینا کہ عوام سے من مانگے دام اس طریقہ سے ہم وصول کر سکتے ہیں۔ آجکل منڈی والے اور سول ایجنسی وغیرہ کے ذریعہ سے جن فاسد اغراض کی تکمیل دام ؟

حکومت کو او ر متوجہ کرتا کہ تجارتی کاروبار میں بھی عوام کے منافع و مفاد کی نگرانی حکومت کے فرائض میں ہے، اور صرف یہی نہیں، بلکہ فتوحات کے بعد پیداوار کا سب سے بڑا ذریعہ جب مفتوحہ زمینیں بن گئیں، تو ابتداء اسلام ہی میں اس سوال کا اُٹھنا کہ پیداوار کے اس بڑے ذریعہ کو آیا شخصی ملکیتوں میں دیدیا جائے یا حکومت اسکو اپنی نگرانی میں لے لے؟ چند صحابہ کے اختلاف کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب (حضرت علی و حضرت معاذ و حضرت ابو عبیدہ بن الجراح) کی تائید سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے اس فیصلہ کو نافذ فرمانا کہ آج اشخاص پر ان زمینوں کو اگر تقسیم کردیا جائیگا، تو مسلمانوں کی آیندہ آنے والی نسلیں پائیں گی کہ انکے لیے کچھ بھی باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ اور اسکے بعد آمدنی کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو حکومت کا اپنے ہاتھ میں لے لینا، تاآنکہ اس سلسلہ میں جو اس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ قادسیہ کی مشہور جنگ جسکے بعد عراق کی سرزمین جسے السواد کہتے تھے، مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ چونکہ قادسیہ کا معرکہ جیتنے والی فوج کا چوتھائی حصہ قبیلہ بجیلہ کا تھا جسکے سردار حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع میں السواد کی زمین کا چوتھائی حصہ قبیلہ بجیلہ کے سپرد کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ دو سال یا تین سال تک بجیلہ والے اس پر قابض بھی رہے، لیکن جب آخر میں یہ طے پاگیا کہ مسلمانوں کی آمدنی کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو حکومت براہ راست اپنی نگرانی میں لے لے، تو حضرت عمر نے حضرت جریر بن عبداللہ (رئیس قبیلہ) کو آمادہ کیا کہ انکے قبیلے والے اس زمین سے اپنا قبضہ اُٹھا کر حکومت کے سپرد کردیں۔ حضرت جریر اس پر راضی ہوگئے۔ اور السواد کا یہ حصہ بھی حکومت کی زیر نگرانی آگیا۔ کہتے ہیں کہ قبیلہ بجیلہ کی عورت ایک عورت جسکا نام اُم کرز تھا، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ میرا باپ جنگ میں کام آیا ہے اور میرا حصہ سواد کی زمین میں ثابت ہو چکا ہے، میں اُس سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُم کرز! تمہاری قوم جیسا کہ تم جانتی ہو، اپنے حصہ سے دست بردار ہو چکی ہے، پھر تمھیں کیوں عذر ہے۔ اُم کرز نے کہا کہ قوم کے لوگوں نے خواہ کچھ ہی کیا ہو، لیکن جناب میں تو اُسوقت تک اپنے حصہ کو حکومت کے سپرد نہیں کر سکتی جب تک مجھے ایک سدھی ہوئی اونٹنی جس پر سرخ خوگیر کسی ہوئی ہو، اس طور پر نہ ملے کہ میری دونوں مٹھیاں سونے سے بھردی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اُم کرز کی اس خواہش کی تکمیل کردی۔ کہتے ہیں کہ مٹھی میں جو سونا بھرا گیا تھا، جب اُم کرز نے اُسے گنا تو معلوم ہوا کہ اسّی اشرفیاں اُنکے حصے پڑیں۔ (باقی آیندہ)

---

[3] عام پبلک کے مفاد کے مقابلہ میں سوداگر کرتے ہیں، ان ہی کی عربی صورتوں کا نام تلقی جلب بیع الحاضر لباد وغیرہ ہے۔ ۱۲

علوم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۷)

(از مولوی محمد عبدالرؤف خاں صاحب۔ جھنڈے نگر۔ ضلع بستی)

مسئلہ تعلیم پر غور کی ضرورت آخر میں چلتے چلتے ہماری گزارش ارباب مدارس و صاحبان علم و فضل سے یہ ہے کہ موجودہ نصاب اور درس نظامیہ کے موجودہ کتابوں میں حسن انتخاب و حسن التیرہ کا فرق کر دیا جائے۔ ملا نظام الدین مرحوم مغفور کے عہد کا تقاضہ شاید یہی ہو جو اب درس نظامیہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے لیکن ہم تو اب جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں ضرورت دینیہ کے لحاظ سے ہمیں اپنے نصاب کے اندر بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت نظر آ رہی ہے۔ کتب فلسفہ و منطق جسے ہم نے علوم عالیہ سمجھا تھا، آج ہمارے نصابوں میں علوم عالیہ (قرآن و حدیث) سے بھی زیادہ اسکے ذخیرے نظر آتے ہیں۔ تفسیر میں صرف جلالین کے کچھ پارے۔ بخاری شریف کا ایک دو پارہ تبرکاً نصاب کا حاصل ہے۔ برخلاف کتب معقولات کے کہ اس میں تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، سلم، میرزاہد، قاضی وغیرہ۔ فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت، میبذی، صدرا، شرح مواقف، اشارات وغیرہ وغیرہ ضرورت سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ آج بلاشبہ ان میں ترمیم تبدیل کی سخت ضرورت ہے۔ اور انکی جگہ پر علم ادب (تاریخ و تفسیر) تیرہ کے اضافہ کی سخت حاجت ہے۔ فلسفۂ قدیم کی موجودہ کتابوں میں توغل و انہماک اور اشتغال کو بڑی حد تک کم کرنے کی ضرورت ہے۔ حالی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ معقولات قدیم کی تردید میں یہ اشعار لکھ گئے ہیں کہ ؎

اب اس فلسفہ پر جو ہیں مرنے والے ۔۔۔ شفا اور مجسطی کا دم بھرنے والے

ارسطو کی پرکھٹ پہ سر دھرنے والے ۔۔۔ فلاطون کی اقتدا کرنے والے

وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں

پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

دلیلیں ہیں اب آج بیکار انکی ۔۔۔ نہیں چلتی تو پوں میں تلوار انکی

لیکن ہم اسے مولانا حالی کی زیادتی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ فلسفۂ قدیم کے سارے نظریات و اصول آج بھی بیکار و غلط ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ حدوث مادہ اور ابطال جزء لا یتجزیٰ اور قدم خالق کے مسائل آج بھی مدلل (ناقابل ترمیم) و مبرہن ہیں۔ ہاں بہت سے مسائل مثلاً عقول عشرہ کی تحدید اور الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد وغیرہ کے غلط بھی ہیں۔ جن پر علامہ ابوالبرکات بغدادی نے کتاب المعتبر نے خوب سیر حاصل بحث کی ہے لیکن اس سلسلے کے پیش نظر سائنس جدید کے نظریات بھی آج ۔۔۔ مکمل ہو چکے ہیں جو ہم اسے اعتقاد کی

کریں۔ نظریۂ اضافیت پر کیا سب متحد ہیں؟ کیا طریقۂ ارتقاء پر سب کا اجماع ہو چکا ہے؟ کیا ماہرین سائنس آج اپنے سب مسائل میں اتفاق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچیے کہ بالفرض سائنس قدیم کو اگر بیسویں صدی کے جدید سائنس نے غلط ہی کر دیا ہے تو کیا بیسویں صدی کے سائنس کی نسبت اطمینان ہو چکا ہے کہ بیسویں اور اسکے بعد والی صدیاں اس سے قطعاً متفق رہیں گی جبکہ ہم ان میں نظریۂ اضافیت وغیرہ کی تعبیروں میں خود آج بھی اتفاق نہیں دیکھ رہے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ موجودہ سائنس کے متعلق قطعاً غور و فکر دلائل کے اٹل و محکم ہونے کا کوئی صحیح موازنہ اور فیصلہ نہیں ہو سکتا اور سائنس جدید کے ارباب فکر و نظر کا موجودہ اختلافات خود ایک محاکمہ کو نیا چاہتا ہے تاکہ کسی تھیوری کے صحیح یا غلط ہونے پر دلائل اپنی پوری واقفیت کی بنا پر قائم کیا جا سکے۔ تازہ ترین تحقیقات و معلومات کا ایک مجموعہ آٹھ ضخیم جلدوں میں امریکہ سے شائع ہوا ہے۔ اسکی آخری جلد میں ایک باب ہے "نیو فلاسفی آف سائنس" یعنی سائنس کے فلسفۂ جدید پر۔ اسکا اقتباس ملاحظہ ہو:-

"جوں جوں ہم مطالعہ فطرت میں بڑھتے جاتے ہیں، اپنی جہالت ہم پر زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔ ہر عقدہ کشائی کے بعد نئے عقدے سامنے آنے لگتے ہیں۔ جہاں تک آخری اسرار کائنات کے حل کا تعلق ہے ہم وہیں ہیں جہاں ارسطا لیس اور فیثا غورث تھے۔ اور آخری حل کی تلاش اختلال زدہ دماغ کی نشانی ہے۔ بیسویں صدی کی ترقی انیسویں صدی کی ترقی کا تسلسل ہی ہے"۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ موجودہ تحقیقات و نظریات آخری و انقطاعی نہیں ہیں، اہل سائنس خود اسکو ابھی تک قابل اعتماد اور مکمل نہیں سمجھتے۔ (یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۵۰۱۲ بحوالہ صدق ۱۱۔ جولائی سنہ ۴۶ء)

الغرض حقائق شرعیہ کے مقابلہ میں نہ فلسفۂ قدیم کو لایا جا سکتا ہے نہ فلسفۂ جدید کو ؏

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے

غرض ان ساری معروضات سے یہ ہے کہ دونوں کے حقائق و نظریات کو محکم اور اٹل ہونے کی حیثیت سے ہم نہیں پیش کر سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفۂ قدیم کو سائنس جدید نے توڑ دیا ہے، کیونکہ یہ تو اب تک اکثر مسائل میں وہی ہیں جہاں ارسطا لیس (ارسطو) تھے تو پھر ارسطو کے پرکھٹ پہ سر دھرنے والے یہ بھی ٹھہرے۔ بس کتب معقولات میں کچھ کمی کرنے کی رائے محض اس لیے ہے کہ علوم عالیہ کتب تفسیر و سیر و فنون ضروریہ اور زیادہ اس میں جگہ پا سکیں۔ کلامی مسائل کے فہم اور تشحیذ اذہان اور قوت تکلم کے لحاظ سے بقدر ضرورت کتب منطق و فلسفہ پر کفایت کی جائے اور ۔۔۔ ۔۔۔ گا۔

تفاسیر اور اسکے اصول کی کتابیں تاریخ اور ۔۔۔

رکھدی جائیں تو تھوڑے وقت میں نفع کثیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔

امرائے زمانہ کی شکایت

امراء و پارٹی سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو عربی کی تعلیم دلائیں

انکے عربی میں لیاقت پیدا کرنے سے اسلام کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی توقع ہے کیونکہ انکو مطالعہ کی فرصت، کتابوں کے خریدنے کی حیثیت دونوں حاصل ہیں۔ اس سہولت اور فرصت کی بنا پر وہ زیادہ سے زیادہ کام کرسکتے ہیں۔ لیکن امرائے زمانہ کی بے توجہی کا یہ عالم ہے کہ مولانا شبلی کو اپنے وقت میں لکھنا پڑا (کہ آریہ انگریزی تعلیم میں) اس تیزی سے ترقی کررہے ہیں کہ مسلمان انکی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تاہم وہ گروکل (مذہبی اسکول) قائم کررہے ہیں جو سنسکرت کی تعلیم سے مخصوص ہے اور جسکا مقصد صرف اپنے مذہب اور اپنے لٹریچر کی حفاظت و اشاعت ہے۔ اس گروکل میں جو لڑکے داخل ہوتے ہیں، پچیس برس کی عمر تک اس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ انکو سادہ اور خشک غذا ملتی ہے۔ کمری کے بنے ہوئے سخت سونے کو ملتے ہیں۔ اس جفاکشی اور سخت تعلیم کے باوجود تین سو دولتمندوں نے اپنے بچے اس میں بھیجے ہیں اور باقاعدہ ماہوار اپنے بچوں کا خرچ دیتے ہیں۔ غرض اگر یورپ کو یہ ایک دنیا طلبی پادریوں کی حاجت ہے، آریوں کو یہاں انگریزی دانی گروکل کی ضرورت ہے تو خوشحال مسلمانوں کو بھی دنیا کے ساتھ ساتھ عربی اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہیگی جب تک مسلمان قوم کا باقی رہنا ضروری ہے۔" (رسالہ ندوہ ماہ اگست ۱۹۱۰ء)

سچ ہے ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

مولانا سید سلیمان ندوی کی بھی عصر حاضر کے امراء کے متعلق شکایت سنتے چلیے۔ فرماتے ہیں "یہ بات افسوس کے ساتھ دیکھی جارہی ہے کہ اعلیٰ گھرانوں سے عربی تعلیم بالکل فنا ہوگئی ہے، اور گویا مذہبی تعلیم کا سارا بوجھ غریبوں کے کندھوں پر رہ گیا ہے۔ کیا کھاتے پیتے گھرانوں نے امت محمدیہ کے دفتر سے اپنا نام کٹا دیا ہے؟ یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رزق کا دروازہ صرف رومن حروف کی تعلیم کے ذریعہ ہی کھل سکتا ہے، حالانکہ صاف نظر آرہا ہے کہ یہ جدید تعلیم اس دروازہ کے کھولنے سے عاجز ہے۔ مسلمان حیرت سے سنیں کہ ہمارے ہندو ہموطنوں کے سامنے اب یہ تجویز ہے کہ اسکول کے ابتدائی درجوں میں معمولی سنسکرت کی تعلیم لازمی کردی جائے۔ دوسری طرف ہم مسلمان ہیں کہ روز بروز اپنی مذہبی زبان سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ سارے عربی مدرسوں کا جائزہ لے لیجے شاید ہی کسی دولتمند رئیس یا اعلیٰ شریف گھرانے کے لڑکوں کو آپ علم عربی میں مصروف پائیں گے۔" (معارف، بابت ماہ نومبر ۱۹۳۹ء)

اگر دور سند چاہیے تو ایک سند اور لیتے چلیے۔ نواب مہدی یار جنگ جو مملکت آصفیہ دکن کے سررشتۂ تعلیم کے موجودہ ناظم ہیں انھوں نے اپنے والد ماجد نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی سے متعلق بیان کیا کہ نواب عماد الملک مرحوم کسی مسلمان کو تعلیم یافتہ نہیں سمجھتے تھے جب تک وہ عربی نہ پڑھے۔ یہ وہی نواب عماد الملک ہیں جو بڑے انگریزی داں اور بڑے صاحب رسیدہ انگریزی زبان کے ماہر و ذی حیثیت کی انڈیا کونسل کے ممبر تھے۔ انکا خیال ہے کہ بغیر عربی تعلیم کے حاصل کیے تعلیم یافتہ کا لقب انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ دنیاوی تعلقات اور دنیا سازی ضرورت کے پیش نظر انگریزی بھی پڑھیے لیکن بغیر عربی کے چارہ نہیں"۔ (صدق کلیم فروری ۱۹۴۶ء بحوالہ رہبر دکن) خلاصہ بحث یہ ہے کہ عربی تعلیم مسلمان قوم کی زندگی کے لیے ہوا میں سانس لینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ خود سوچیے، اپنے بچوں کو پڑھانے اور قومی جماعتی دینی کاموں کو ترقی پہنچانے آپ کو اگر اپنے مذہب کے علوم و فنون پر روپیہ خرچ کرنا پڑرہا ہے تو یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ کے ابنائے وطن اپنے قومی کاموں میں لاکھوں کروڑوں روپیہ اپنے مذہب و تہذیب کے نام پر خرچ کررہے ہیں۔ اس موقع پر ارشاد ہے ان تکونوا تألمون فانہم یألمون کما تألمون وترجون من اللہ ما لا یرجون (سورۂ نساء پارہ ۵)

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲۴)

جدید ترین تحقیق یہی ہے۔ لیکن پرانے محققین کے نزدیک کل دوی تھے اور خود بائبل سے بھی اسکی تائید نکلتی ہے۔ بہرحال وہ دو ثابت ہوں یا چار یا ایک یا دس۔ قرآن مجید کے بیان پر تو کوئی اثر کسی تعداد کو بھی مان کر پڑتا نہیں۔ البتہ یہ بحث تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) فراعنۂ مصر سورج دیوتا (Ra) کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔

اور یہی مصر کا سب سے بڑا دیوتا تھا (جیسے آج جاپان میں میکاڈو بادشاہ جاپان سورج دیوی کا اوتار سمجھا جاتا ہے) اور جب یہ معبود اعظم کے اوتار رہے، تو انکے ساتھ معاملہ بھی وہی کیا جاتا تھا جو خود دیوتاؤں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ سجدہ کی جو اہمیت سوال سے ظاہر ہوتی ہے، وہ تو صرف اسلامی ماحول اور اسلامی تربیت کا نتیجہ ہے، ورنہ مشرک قوموں میں "پاؤں پڑنا" تو ایک معمولی و روادارانہ تعظیمی رسم ہے، ہر بزرگ کو اسکا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کا طرز عمل اس باب میں کیا تھا، اسکی تصریح تو کسی کتاب میں نظر سے گزرتا اسوقت یاد نہیں پڑتا، لیکن عام حالات کی بنا پر بالکل ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ان تمام مشرکانہ رسوم سے الگ تھے۔ اور نہ ان اعمال کی توقع ان سے کی جاتی تھی۔ اور اگر ان چیزوں میں شریک ہو جاتے تو پھر اتنے مظلوم ہی کیوں رہتے۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے، دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد

حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

نمبر (۲)

از افادہ: مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

بہر حال یہ اور اسکے سوا ہیں خیبر، نجران وغیرہ جہاں زمین کا جبر تخلیہ کرا دیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] سادہ منہ حکومت اپنے صوابدید سے اس قسم کے اقدامات کر سکتی ہے - بلکہ جیسا کہ [illegible] حضرت امام مالک نے یہ مسلک اختیار فرمایا ہے جیسا کہ محلی میں ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ

"کسی کی زمین میں اگر [illegible] نکلے یا چاندی یا تانبا یا پیتل یا [illegible] یا رانگ یا [illegible] یا ہر مال یا ہڑتال یا یاقوت یا زمرد یا بلور وغیرہ کا تو اسکے"

تو قال مالک: تصیر الارض للسلطان (محلی - ۲۳۸ - ج ۶) یعنی اس صورت میں یہ زمین حکومت کی ہو جائیگی - اگرچہ اس مسئلہ میں ابن حزم کو دوسرے علماء کو اختلاف ہے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا امام مالک نے جن بنیادوں پر اس مسلک کو اختیار فرمایا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے پیمانہ پر آمدنی پیدا کرنے والی چیزوں کو حکومت اپنی نگرانی میں لیکر آمدنی بیت المال میں جمع کر کے ارباب استحقاق میں اگر تقسیم کرنے کا ارادہ کرے تو ایسا کرنے میں اسلام کا کوئی قانون اسکی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ مزاحمت کیا معنی؟ جن باتوں کی طرف میں نے اجمالاً اشارہ کیا ہے ان سے تو اسکی تائید ہوتی ہے کہ ضرورت کے وقت اپنے صوابدید سے حکومت ایسا کر سکتی ہے۔

بہر حال یہ اور اسی قسم کے دوسرے مسائل مثلاً آجر و اجیر و اجرت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر، مزدوروں کے حقوق اوقات کار کی تعیین، اسی طرح ملک کے عام غریب باشندوں، یتامی اور بیواؤں، بیکسوں حتیٰ کہ غارمین (یعنی تاوان زدہ مقروض لوگ) مسافروں وغیرہ وغیرہ کے لیے زکوۃ کا باضابطہ نظام جو اسلام نے قائم کیا ہے سرمایہ داروں کے پس انداز سرمایہ سے ان لوگوں کے حقوق کا حاصل کرنا، انکے روپیہ، انکے مویشی، انکی زمین پر باضابطہ ٹیکس لگانا اور اس ٹیکس کی وصولی میں حکومت کی ساری قوت کو خرچ کرنے کے لیے آمادہ ہو جانا، اور جنکے یہ حقوق ہیں ان تک انکے حقوق کو پہونچانا، ملک کے جن باشندوں میں اپنے مال و سرمایہ کی حفاظت کا سلیقہ نہ ہو، ان پر حکومت کی نگرانی قائم کرکے انکی جائداد کی حفاظت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں ہیں جنکے لیے لوگوں کو میری مذکورہ بالا کتاب اور دوسرے مقالات و مضامین کا انتظار کرنا چاہیے۔

لیکن اس وقت اس مختصر مقالہ کے ذریعہ سے جس چیز کو عام مسلمانوں اور اہل علم کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ پانچویں صدی کے ایک اسلامی عالم ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کا ایک "بیان" ہے جو مجھے حال ہی میں انکی کتاب "محلی" میں ملا ہے۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن مسائل و نظریات کو بیسویں صدی کے خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے، کتنی وضاحت بسط و شرح سے صدیوں پہلے اسلامی حقائق کی روشنی میں ایک اسلامی عالم دنیا میں پیش کر چکا ہے۔

بہر حال اپنی اس کتاب میں علامہ نے "کتاب الزکوٰۃ" کے مسائل کو ختم کرتے ہوئے ایک دعوے ان الفاظ میں کیا ہے

وفرض علی الاغنیاء من اہل کل بلد ان یقوموا بفقرائہم

(اور فرض کیا گیا ہے ہر شہر اور علاقہ کے امیروں پر کہ اپنے اپنے علاقہ کے غریبوں کی خبر گیری اور اعانت پر آمادہ ہوں۔)

یہ بتاتے ہوئے کہ یہ کوئی شخصی اور خانگی فرائض ہی میں سے نہیں ہے، بلکہ علامہ نے تصریح کی ہے کہ

ویجبرہم السلطان علی ذلک

(اور غریبوں کی ضروریات کی پاسبانی امیروں پر جو یہ فرض ہے) چاہیے کہ اس پر حکومت ان امیروں کو مجبور کرے۔

پھر اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ غریبوں ہی کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تو امیروں سے حکومت زکوۃ وصول کرتی ہے، تو کیا زکوۃ کے وصول کرنے کے بعد بھی اور زائد محصول لگا کر حکومت جبراً لوگوں سے غریبوں کی امداد کے لیے رقم وصول کرنے کا استحقاق رکھتی ہے - اسی کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں

ان لم تقم الزکوٰۃ بہم ولا فی سائر المسلمین بہم

(یعنی زائد محصول لگانا حکومت پر اسوقت فرض ہو جاتا ہے) جب زکوۃ کی رقم اور بیت المال میں مسلمانوں کے فئی کی جو آمدنی ہوتی ہے کافی نہ ہو - فئی سے انکی مراد ان زمینوں کی آمدنی ہے، جنھیں فتح کر کے حکومت اپنی نگرانی میں لیکر اسکی آمدنی کو بیت المال میں جمع کرتی ہے۔ الغرض زکوۃ کی آمدنی اور حکومت کی آمدنی اگر غریبوں کی ضروریات کی پاسبانی میں ناکافی ہو، تو علامہ کا فتوے ہے کہ امیروں پر جدید محصول عائد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ یہ سوال کہ "ضرورت" کا کم از کم معیار کیا ہے۔ اسکا جواب علامہ ابن حزم ان الفاظ میں دیتے ہیں:-

فیقام لہم بما یاکلون من القوت الذی لابد منہ ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک وبمسکن یکنہم من المطر والصیف والشمس وعیون المارۃ

(یعنی غرباء کے لیے مہیا کی جائے خوراک جو انکے لیے ناگزیر ہو اور سرما و گرما کے لیے کپڑے اور ایسا گھر جو بارش اور گرمی دھوپ سے بھی انکو محفوظ رکھ سکے اور عام راہ گیروں کی نگاہ سے بھی)

(باقی آئندہ)

احکام اور حِکَمِ احکام

(ماخوذ از مواعظ حضرت تھانویؒ۔ مرتبۂ مولوی محی الدین صاحب سیری از بمبئی)

۱۔ مومن کا طرۂ امتیاز سمع و طاعت ہے، نہ کہ علم احکام کے درپے ہونا۔

۲۔ افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے اصلی مخاطب ہی ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔

۳۔ تفکر فی الاحکام لازمی نہیں ہے، تعمیل احکام لازمی ہے۔ البتہ تفکر اہل فکر کے لیے ممنوع نہیں، اُسکا نفع باعث ازدیاد ایمان ہوتا ہے۔ عمل بلا تفکر باعث قرب و نجات ہے اور تفکر بلا عمل بیکار محض۔

۴۔ غور و فکر کا مشغلہ ایمان لانے تک ہے۔ جب اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ پر ایمان غور و فکر کے بعد آ گیا! تو اب بے چون و چرا سمع و طاعت کا مطالبہ ہے۔ غور و فکر کا کسی درجہ میں نہیں۔

۵۔ نا اہل عامیوں کا مصالح کے پیچھے پڑنا سخت خطرہ کی بات ہے۔ حتیٰ کہ کبھی ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

۶۔ کسی گورنمنٹ کو تسلیم کر لینے کے بعد اُس کے احکام کی تعمیل میں تامل بغاوت کہلاتی ہے، جسکی سزا قتل ہے۔

۷۔ سالار فوج کے آرڈر کی تعمیل میں تامل کورٹ مارشل کا موجب ہوتا ہے۔

۸۔ تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض، نتیجہ ہے اسی تامل کا جسکا منافی ایمان ہونا منصوص فی القرآن ہے۔

۹۔ تعمیل کیلیے کسی حکم کا حکم خدا ہونا کافی ہے۔ اپنی فہم میں بھی آ جانے کی شرط لگائے رہنا حق تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ سے صاف انکار اور شرکت فی الحکومت کا دعوے کرنا ہے۔

۱۰۔ حق تعالیٰ حکیم ہیں، اُنکا کوئی حکم حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں، تاہم ہر حکم کی حکمت بندوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اس بات کا یقین کافی ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام ہماری مصلحت اور منفعت سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ منافع اور مصلحتیں ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

۱۱۔ بعض احکام کی مصلحتیں اللہ اور رسول نے بتلائی ہیں لیکن وہ سب از راہِ شفقت اور تبرع ہے۔ حاکم کو احکام کی حکمت بتانا ضروری نہیں۔ اور محکوم کو احکام کے مصالح سے سروکار نہیں۔ بندہ کا منصب صرف تعمیل احکام اور امتثال امر ہے۔ جب ہمارا نوکر جو ہمارا ہی جیسا ہے، ہمارے احکام کے مصالح پوچھنے کا حق نہیں رکھتا تو مخلوق اپنے خالق سے کب حق رکھیگی۔

۱۲۔ حق تعالیٰ کبھی حکمائے امت کو احکام کے اسرار و حکم سے مطلع بھی فرما دیتے ہیں، اور جو واسطے اُن کا بیان کرنا ان پر ضروری نہیں۔ اُنکا کام صرف احکام کی تعلیم ہے۔ اگر وہ احکام کے مصالح و حکم سے کسی کو آگاہ کریں تو یہ اُنکا تبرع و احسان ہے۔

۱۳۔ اہل علم و فہم کا عوام کو حکم و مصالح کے درپے بنانا، اُنکو غلط راہ پر ڈالنا اور اُن سے اطاعت کاملہ کا جوہر کھونا ہے۔

۱۴۔ پس احکام کی جو حکمتیں اہل اللہ، رسول اللہ کے ذریعہ یا خود خزانۂ حکمت سے قرآن پاک کے اندر معلوم ہوں ان پر شکر بجا لائے اور بقیہ احکام کے حکم و مصالح سے سکوت ہو، اُنکے درپے نہ ہو۔

۱۵۔ احکام کے حکم و مصالح کا علم تشویش و ہمت عمل میں معین ہوتا ہے۔ پس جتنا علم ہو جائے اُسے غنیمت جاننا چاہیے۔

۱۶۔ علم اسرار و حکم شفقت اور رحمت حق کو بے نقاب کر دیتا ہے جس سے شکر گزاری کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے اور اطاعت کی مشقت خوشگوار ہو جاتی ہے۔

۱۷۔ ایمان قوی ہوتا ہے، اور عین الیقین و حق الیقین کے درجہ کو پہنچتا ہے اور بندہ اسکی برکتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔

۱۸۔ اور یہ نور بصیرت (فہم و اسرار) کا انہماک فی الاطاعت منجانب اللہ جسے منظور ہوتا ہے عطا ہوتا ہے۔

۱۹۔ سمع و طاعت کا عادی ہونے سے پہلے طبیعت کو علم و مصالح فی الاحکام کی چاٹ لگا دینا بالکل ویسا ہی ہے جیسے کسی بچہ کو امتثال امر کے لیے پیپرمنٹ کا خوگر بنا دینا کہ بغیر اسکے مانتا ہی نہیں۔

۲۰۔ طبیعت کا میلان جب احکام کی مصلحت کی طرف ہو جاتا ہے تو اب آہستہ آہستہ سمع و طاعت کا مادہ کمزور پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ بلا علم مصالح طبیعت عمل پر آمادہ نہیں ہوتی۔ ابتداءً کسل ہوتا اور بالآخر طاعت سے نفرت ہو جاتی ہے۔

۲۱۔ مصالح طلب طبیعت میں وساوس نفسانی و شیطانی کے در آنے کی گنجائش نکل آتی ہے، اور رفتہ رفتہ یہی نفس و شیطان شریر ناصح کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں بسا اوقات ایمان تک کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

۲۲۔ جب مدار عمل مصالح و منافع پر ٹھہر جاتا ہے تو اگر کسی اور طرح وہ مصالح و منافع حاصل ہو سکتے ہیں جو کسی عمل شرعی سے ہوں، تو پھر عمل شرعی کے ترک میں تنگی و تکلف نہیں ہوتا۔

نماز کے فوائد مثلاً ذکر اللہ، مساوات، احوال مسلمین وغیرہ کسی انجمن یا حلقۂ ذکر وغیرہ سے حاصل کر لیے جائیں تو ترک صلوٰۃ گوارا ہو سکتا ہے۔ یا مثلاً قربانی کی مصلحت اعانت مساکین نظر سے اور حج کی مصلحت کسی آل ورلڈ اجتماع (کانفرنس) سے حاصل کر لینے سے قربانی و حج کی ضرورت نہیں سمجھے گا۔

خاتمۂ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ سمع و طاعت یعنی سننے اور عمل کرنے کی راہ بڑی ہی سلامتی کی راہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا نقصان و ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے۔ بخلاف اس کے کہ علم مصالح پر عمل کی بنا رکھی جائے۔

علم مصالح کے منافع سے انکار نہیں جبکا مذکور ہوا اگر اسکو علّت
کی بنا قرار دینا مسلک و طاعت کے خلاف بھی ہے اور سخت خطرناک ہے۔
بہترین راہِ عمل یہ ہے کہ محض دلالت کو اصل مشرب قرار دیا جائے۔ اور
جن احکام کے حکم و مصالح معلوم ہو جائیں اور علم سے جسقدر فوائد
مرتب ہو جائیں اُن سے مستفید ہو۔ باقی کے زیادہ درپے نہ ہو۔ یہی
طریقہ ہے مصالح و احکام کی مضرتوں سے بچے رہنے کا۔ والسلام

بہیمانہ حرکت

ایک معاصر نے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ اُن بدمعاشوں اور آوارہ گردوں
کو بید کی سزائیں دیجائیں جو شریف عورتوں کی عصمت کے درپے رہتے ہیں۔ ہم
اس سے متفق ضرور ہیں لیکن اس ترمیم کے ساتھ کہ بید کی سزا اُن مہ جبینوں اور نسوانی
حسن کا عریاں مظاہرہ کرنیوالیوں کو بھی دیجائے جو سراپا اشتعال بنکر نفس سرکش کو سرکشی
اور معصیت کی ترغیب دیتی رہتی ہیں۔ اگر یہ شریف زادیاں شریف عورت بنکر زندگی
بسر کریں تو پھر اُنکے دامن کو داغدار کرنے کی کون جرأت کرسکتا ہے! بےحیائی،
بےپردگی کی نمائش لڑکیوں والی طرف سے نہ ہو تو انھیں پارکوں، سڑکوں،
ہوٹلوں اور کالجوں میں کیوں کوئی چھیڑے۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جرم
معصیت، سرکشی اور بیہودگی کی ترغیب کا پورا سامان لڑکیوں کی طرف
سے فراہم کیا جاتا ہے اور منچلے، بدقماش و ناعاقبت اندیش نوجوان
کو فسق و فجور کے مظاہرہ کا موقع بہم پہونچایا جاتا ہے۔ اگر آج سربازار
کی عشوہ طرازیاں بند ہو جائیں تو کل اس قسم کے متعفن واقعات کا سلسلہ
ختم ہو جائے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہونا اسوقت تک ممکن نہیں،
جب تک کہ فوقانی علوم کی علمداری قائم ہے، دین و مذہب سے بیگانگی
اور مغرب زدگی و فرنگ پرستی نے انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا رکھا ہے
اب اس سے جس قسم کی بھی بہیمانہ حرکت سرزد ہو وہ عین متوقع ہے (ندیم پٹنہ)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

.... گجرات (پنجاب)۔ پکتھال صاحب کے ترجمہ کے صرف پارۂ اول کی
غلطیاں شمار کرکے انھیں کی فرمائش پر انکی خدمت میں ۱۹۳۲ء میں روانہ کردی گئی
تھیں۔ ان مرحوم نے دو ایک غلطیوں کا تو کچھ دبی زبان سے اعتراف کیا، باقی
کو بڑی ناگواری کے ساتھ رد کردیا تھا۔ اس فہرست کی نقل اگر کاغذات میں
کہیں دستیاب ہوگئی، تو شاید کہ آپ کی فرمائش کسی درجہ میں پوری ہوسکے۔
لیکن پکتھال کا ترجمہ ان غلطیوں کے باوجود بھی، بحیثیت ترجمہ،
انگریزی کے دوسرے ترجموں سے کہیں بہتر ہے۔

تصحیح عنوان مضمون صدق نمبر ۲۵

مولانا مناظر احسن صاحب کے مضمون کا عنوان بجائے معاشی نظریہ
سیاسی نظریہ چھپ گیا ہے۔ ناظرین کرام تصحیح فرمالیں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد — سہ روزہ — چندہ اور انتظامی امور

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجئے

صدق

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
منیجر عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلیس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ... "
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۲۷	یوم سہ شنبہ - ۵ - رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ - اگست ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

ایک انگریزی اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں ایک تصویر شاہی خلعت کی نظر پڑی۔ خلعت وہ شال دوشالہ کی قسم کی پوشاک ہوتی تھی، جو بادشاہ کے ہاں سے انعام اور سرافرازی کے موقع پر کسی کو عطا ہوتی تھی۔ وہ دن اُسکے ہاں بڑی خوشی اور خوش نصیبی کا ہوتا — جیسے آج کسی کو سی۔ آئی۔ ای یا سی۔ اس۔ آئی یا نائٹ کا خطاب مل جائے، اور وہ جامہ میں پھولا نہ سمائے! — خلعتیں، بادشاہی دَور کے کئی سو سال کے زمانہ میں کس کثرت سے لوگوں کو ملی ہونگی! کتنی بڑی تعداد میں خاندانوں میں محفوظ چلی آرہی ہونگی! پھر آج انکا کہیں پتہ ہے؟ انکا وجود کہاں ہے؟ کہیں عجائب خانوں میں ہو تو ہو۔ کتابوں میں نام آتا ہے، اور کسی کے دل میں کبھی نہیں پیدا ہوتی کہ ذرا انکے نمونوں ہی کا مشاہدہ کرلے! دنیائے فانی کی شاہی چیزوں کی جگمگاہٹ بھی کیسی آنی اور کیسی ہنگامی ہوتی ہے!

یہ خلعت تو بادشاہوں کے خیر عطیے ہوتے تھے۔ خود اصل شاہی لباسوں ہی کو آج کون پوچھتا ہے؟ اکبر کا جامہ و نیمہ اب کہاں ہے؟ بہرام گور کا تاج آج کس خزانے میں محفوظ ہے؟ دارا شکوہ کی دستار کا اب کہیں پتہ ہے؟ — لیکن شاہوں کے مقابلہ میں ایک جماعت فقیروں کی بھی تو گزری ہے، کیا انکی گدڑیوں اور لنگیوں اور پوستینوں کا بھی یہی حال ہے؟ فلاں بزرگ کا پیراہن، فلاں درویش کا خرقہ، فلاں اہل اللہ کا جبہ، آج جہاں کہیں بھی نظر آجاتا ہے، کس احترام اور عقیدت کے ساتھ سر اور آنکھوں پر جگہ پاتا ہے! جو معاملات انکی زیارت کے وقت کیے جاتے ہیں انکے جواز و عدم جواز سے بحث نہیں، ذکر صرف ان اللہ والوں کی یادگاروں کی مرجعیت اور مقبولیت کا ہے! جس چیز نے انکے جسم سے تلبس حاصل کرلیا، وہ خاک سے پاک ہوگئی۔ خلقت اُدھر دوڑ رہی ہے، آنکھوں سے لگاتی ہے، سر پر جگہ دیتی ہے!

اور ایک لباس پر کیا موقوف ہے، ہر شے کا یہی حال ہے۔ بادشاہوں کے اونچے اونچے مقبروں کی طرف آج کون رخ کرتا ہے؟ کون عقیدت کے ساتھ جاکر فاتحہ پڑھتا ہے؟ کس بادشاہ، کس وزیر، کس امیر کا مقبرہ آج مرجع خلائق ہے؟ اور اگر کوئی ایسا ہے، جیسے خلد آباد (دکن) میں سلطان غازی اورنگ زیب کا، تو وہ تو بادشاہ سے کہیں زیادہ اہل اللہ درویش تھے — امیروں وزیروں فرمانرواؤں کو خود اپنی وفات کے بعد تلاش و فکر ہوتی ہے تو انھیں درویشوں کے مزاروں کے جوار کی! — آخر کوئی تو بات اللہ کا نام لینے والوں میں ہے جس نے اُن میں اور دوسروں میں اتنا نمایاں اور بیّن فرق اہل دنیا کی آنکھوں میں بھی کر دکھایا ہے!

واقعات موسوی

"بنی اسرائیل کے ارض سینا میں پہونچنے اور مصر سے نکلنے کے بعد جو واقعات پیش آئے، اور جو سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں مذکور ہیں"

وہ تاریخی تقدم و تاخر کے لحاظ سے کہیں مرتب ملتے ہیں؟ اُن میں آپ کیا ترتیب قائم کرتے ہیں؟"

قرآن مجید کو تو ایک کتاب ہدی و ہدایت کی طرح صرف نصیحتوں اور بصیرتوں سے بحث تھی اس لیے ظاہر ہے کہ اُس نے تاریخی کتاب سے قطع نظر ہی رکھی ہے۔ توریت موجودہ چونکہ اس کے برعکس زیادہ ایک مبسوط تاریخ و تذکرہ کی کتاب ہے، اس لیے قدرۃً اُس میں ان پہلوؤں کا لحاظ زیادہ ہے، اور توریت کی کتاب خروج، کتاب احبار، اور کتاب گنتی اور کتاب استثناء میں جو کچھ ہے اُس پر بڑی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے (خصوصاً کتاب گنتی کی تفصیلات پر) قدیم اور جدید مسیحی اور یہودی فاضلوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر توریت ہی کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ قدیم یہودی مورخ جوزیفس (متوفی ۹۵ء) کی تاریخ آثار یہود تو گویا توریت کی شرح ہی ہے۔

قرآن مجید نے تاریخی ترتیب و تسلسل سے اول تو تعرض ہی نہیں کیا ہے، لیکن اگر کہیں اس میں اور توریت میں تعارض نظر آئے، تو ظاہر ہے کہ توریت کی روایت کو ترک کر دیا جائیگا۔

ایک گندی کتاب

امریکہ کی چھپی ہوئی انگریزی کتاب "سنسنڈ گارڈن" (گلستان مسطر) جلد اول، جسے گورنمنٹ آف انڈیا نے حال میں ممنوع الاشاعت قرار دیا ہے، پچھلے ہفتہ ایک دوست کے ذریعے دیکھنے میں آئی۔ کتاب دو سو صفحہ سے اوپر کی ہے، اور درحقیقت مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی۔ اسکا موضوع صرف مطالعہ شہوانیات SEX ANTHROPOLOGY ہے! اور وہ بھی بحر روم کے مشرقی ساحلوں یعنی شام وغیرہ علاقہ لیوانت سے متعلق، اور اسکی تصریح اندر کے سرورق اور اور دیباچہ دونوں میں موجود ہے۔ لیکن بدبخت مصنف اصل موضوع سے بے تعلق کے باوجود ذکر کثرت سے مسلمان قوموں کی عورتوں اور مردوں کا کرتا گیا ہے، انکی تہذیب و تمدن و معاشرت سے تمسخر کرتا گیا ہے، یہاں تک کہ جا بجا لپیٹ میں قرآن مجید اور صاحب شریعت علیہ السلام کی حیات طیبہ کو لے آیا ہے۔ اور جسارت کا کمال یہ ہے کہ قرآن مجید کے حوالے بیس سے اسی اوپر تک نوٹس فی صدی تمامتر غلط!۔۔۔۔ جسکی جرأت قرآن مجید سے متعلق یہ ہو، اسکی بیباکی حدیث و سیرت سے متعلق ظاہر ہی ہے! خوب ہوا بہت خوب ہوا، جو ایسی گندہ در گندہ کتاب کی ضبطی کا حکم دے دیا۔

عورتوں کی تصویریں، نیم برہنہ بلکہ تقریباً برہنہ حالت میں آزادی اور بے تکلفی سے دیتے رہنا گویا مغربی تہذیب کا (SUN-BATHING) ایک لازمی جزو ہے۔ اِلی اپنی کے حق میں پروپیگنڈا جیسا بھی کچھ ہو، بہرحال نہ علم کی خدمت ہے نہ اخلاق کی۔ حیاتِ جنسی سے متعلق واقعات و حقائق زیادہ سے بھی بغیر ان تصویروں کے دیے جا سکتے تھے۔۔۔۔ قہر یہاں ان پہلوؤں سے بحث نہیں، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ شیطان کو بھی دین حق پر حملہ آور ہونے کے کتنے گر یاد ہیں! کہاں حیاتِ جنسی، اور کہاں قرآن و سیرت! کسی پر حملے! دونوں کے درمیان تعلق کبھی کسی کے خیال میں بھی نہ آتا، لیکن یہاں خیال کیا معنی، پوری طرح عمل میں موجود!

کجا می نماید کجا می زند!

اچوج کے بے پناہ حملوں کا آج بھی حال ہے: زندگی کے ایسے ایسے گوشوں اور زاویوں سے حملہ اسلام پر ہو رہے ہیں کہ بہتوں کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ تاریخ، ادب، طب، شاعری، افسانہ، صحافت، ہر رُخ سے نرغہ، اگر دین ہی پر بڑ رہی ہے۔ دفاع کرنے والے سپاہی بھی جب تک ہر ہر محاذ پر مقابلہ نہ شروع کرینگے، دفاع کامیاب معلوم!

اُردو کی آسانیاں

ہماری زبان کے نام سے دہلی سے ۲۰ پندرہ روزہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے ایک ہندی دان (غیر کی انگریزی میں) نکلتا ہے، اُس میں ایک ہندو مراسلہ نگار و بنکٹ راؤ صاحب کا مراسلہ: "اتفاق سے مجھے اسکے بعد سیواگرام میں بچوں کو "اردو" پڑھانے کا موقع ملا۔ میں تو صرف چند دنوں کے لیے سیواگرام گیا تھا۔ جو تعطیل سے دن میرے پاس تھے اسی میں سے کچھ کرکے کہنے کی خواہش ہوئی۔ صرف پانچ دن! آٹھ گھنٹوں کی پڑھائی میں بچوں کو اُردو کی دوسری کتاب پڑھنے کے لائق بنا دیا۔ ایک بھی لڑکا ایسا نہ تھا جو پہلے ایک حرف بھی اُردو کا جانتا ہو۔ سب کے سب غیر ہندی کے تھے۔ آٹھ دس گھنٹے میں "تین اُردو" پڑھا لینا اس سے مجھے خود حیرت ہوئی۔ جن چھوٹے بچوں نے اس تجربہ کو کامیاب بنایا انکا میں تازیست ممنون رہونگا۔ غرض میں نے اپنے تجربے کو جاری رکھا۔ اب تک قریب (۱۰۰) پر میرا تجربہ کامیاب ہو گیا ہے۔ جامعہ ملیہ کے چالیس روزہ کورس میں اور بمبئی اڈلٹ ایجوکیشن کمیٹی کے چار ماہی کورس میں جتنا کام ہوتا ہے اُس سے کہیں زیادہ میرے کورس میں (۱۰) دن میں پورا ہو جاتا ہے۔ ایشور نے اُردو کی یہ خدمت مجھ سے لی۔ اسکا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ ہندو مسلم ایک جہتی کے لیے (جو مجھے وراثت میں ملی ہے) اور بعد اُردو ہندی کی ایکتا کے لیے میرے دل میں جو لگن لگی ہے اُسی کا یہ ثمرہ ہے۔ مجھے بار بار ایسا اتفاق پڑتا ہے"۔

(ہماری زبان - یکم اگست ۴۵ء)

اُردو املا کی دشواریوں کا ڈھول حریفوں نے اس ہوشیاری اور اس زور و شور سے پیٹا، کہ خود اپنوں کو اسکا یقین آگیا۔ اور ان میں سے بعض ناداں، ڈری اور سہمی ہوئی ذہنیت کے ساتھ اُردو املا میں عجیب عجیب ترمیمیں پیش کرنے لگے! امید ہے کہ بنکٹ راؤ صاحب کا یہ عملی اور تجربی جواب بہتوں کے لیے کافی ہو جائیگا۔

"دلچسپ مطالعہ"

"جیسا کہ خیال تھا، جنگ کے ختم ہوتے ہی یورپ میں نکاح و طلاق کے مسائل کا ہنگامہ شروع ہو رہا ہے۔ ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ کسی خاتون نے اس بنا پر طلاق حاصل کی کہ انکے شوہر اولاد کا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک درخواست طلاق اس بنا پر گزری کہ شوہر بیوی کو شہر سے کہیں باہر ایک صحرائی قصبہ میں اپنے

سورۂ بقرہ - رکوع ۲۳

سلسلۂ صدق نمبر ۲۵

(از عبد الماجد)

۱۹۰ - احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن ، علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم ، فالئن باشروھن ،

جائز کردیا گیا ہے تمہارے لیے روزوں[۶۲۵] کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُنکے لیے لباس ہو۔[۶۲۶] اللہ کو خبر ہوگئی کہ تم اپنے کو خیانت میں مبتلا کررہے تھے پس اُس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کردی۔[۶۲۷] سو اب تم اُن سے ملو ملاؤ۔[۶۲۸]

۶۲۵ یہ اجازت شروع میں نہ تھی۔ ابتدا میں روزہ کی حالت میں رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علٰحدگی کا حکم تھا۔

شریعت اسلامی رسول اللہ صلعم کی حیات رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے، رفتہ رفتہ سخت کیے گئے۔ مثلاً شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی اور پھر ہوتے ہوتے اُسکی حرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اسکے برعکس ہوا ہے یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اُس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے، کہ پہلے صحبت راتوں میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کردی گئی۔

رفث کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں۔ لیکن جب صیغہ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے، تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں الرفث الی نسائکم ہے۔

عداہ بالی لانہ فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایۃ من الجماع وعدی بالی لتضمنہ معنی الافضاء (راغب) کنی بہ عن الجماع (کشاف) والمراد بہ ھہنا المباشرۃ (ابن العربی)

یہیں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیۂ نفس کے منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے۔ اور راہ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ شریعت اسلامی نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے وہ شہوت حرام اور اُسکے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفس شہوت —— بھوک پیاس نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر رہے تو ایک طبعی اور بے ضرر خواہش ہے۔

قصداً اور بلا ضرورت شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت میں دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک عمل سے روزہ توڑیں تو دونوں کی یہی سزا ہے۔ لیکن بیوی اگر رضامند نہ ہو اور شوہر اُسے زن میں ہمبستری پر مجبور کردے، تو بیوی بے گناہ ہے، اُسکے لیے صرف ایک روزہ کی قضا کافی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔

۶۲۶ قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دوسرے کے پردہ دار اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے۔ گویا اُردو محاورہ میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ اُنکے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں اور یہ اُنکے حق میں۔

یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اسکے مختلف جوابات ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر۔ کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست اور ملامست کی بنا پر۔ وقس علی ہذا۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ زن و شوہر کے حق میں ان کا پہلا امتیازی اُنکی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے، اُسکے حسن و خوبی کو اُبھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اسی پہلو کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، اُسکی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی اور مالی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی دوسرے عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے باقی رہ سکتا ہے۔ اس صورت حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپالے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے، اور

ناخوش تو خوش بود بر جان من

کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! —— دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ موثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پرتعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے، روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتا دیا!

یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے، جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے!

کتنا غلط یہ حرف کہیں مشہور ہوگیا!

کوئی جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کوئی اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟

منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُنکے سارے دفتر کتب و صحف میں کونسی تعلیم زن و شوہر کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟

کے قائل ہیں جنکی خبر اس حدیث میں دی گئی ہے۔

ابن حزم نے اس مشہور حدیث کو بھی اس موقعہ پر پیش کیا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکے پاس دو آدمی کا کھانا ہے وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جسکے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔" ابن حزم کہتے ہیں کہ اسی قسم کی دوسری بہت سی قرآنی آیات اور حدیثوں کو پیش کرنے کے بعد حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ

والمنصوص من القرآن و الاحادیث الصحاح فی ہذا اکثر من ہذا	قرآنی آیتیں اور صحیح حدیثیں اس باب میں بہت ہی زیادہ ہیں۔

پھر انھوں نے صحابہ کرام کے اقوال بھی اس سلسلہ میں پیش کیے ہیں مثلاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المہاجرین۔	جو بات میری سمجھ میں بعد کو آئی اگر پہلے آتی تو میں امیروں سے ان کے بچے ہوئے زائد سرمایہ کو ان سے لیکر مہاجرین کے غریبوں میں بانٹ دیتا۔

حافظ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

ہذا اسناد فی غایۃ الصحۃ والجلالۃ۔	یعنی جس سند سے حضرت عمرؓ کے اس قول کو میں نے نقل کیا ہے وہ حد سے زیادہ صحیح اور جلیل القدر ہے۔

اسی کے ساتھ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس روایت کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے یعنی

یقول ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالہم بقدر ما یکفی فقراءہم	حضرت علیؓ فرماتے تھے امیروں کے اموال میں خدا نے فقیروں کا اتنا حصہ مقرر کیا ہے جس سے ان غریبوں کی کفایت ہو جائے

اور آخر میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فتوے کو پیش کرتے یعنی وہ فرماتے تھے

فی مالک حق سوی الزکوٰۃ	تیرے مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔

صراحتہً اس دعوے کو انھوں نے مدلل کر دیا ہے کہ اسلام میں مالی مطالبات صرف زکوٰۃ ہی کی حد تک محدود نہیں ہیں۔ انھوں نے یہی لکھا ہے اور یہی واقعہ بھی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو بھی صدقہ فطر ادا کرنا پڑتا ہے، اضحیہ کی قربانی بھی ان پر واجب ہی رہ جاتی ہے چونکہ یہ سب مالی مطالبات ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ والدین اور ذوالقربیٰ ہی کیا، عام اقربا بھائی بہن وغیرہ وغیرہ سب ہی کے متعلق نصوص کی بنیاد پر علماء اسلام کا یہ اتفاقی فیصلہ ہے کہ اگر ضرورت پیش آجائے تو انکی مالی امداد بھی واجب ہو جاتی ہے۔

(باقی آئندہ)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

"نزول مسیح" علیہ السلام کا عقیدہ

اصول اسلام کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری [illegible] ڈابھیل)
بہ سلسلہ صدق [illegible]

نمبر (۲)

یہ [illegible] اور [illegible] [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] "[illegible]" میں [illegible] حدیث ہے اور "[illegible]" [illegible] ہے [illegible] کو [illegible] خبر نہیں [illegible] حدیث [illegible] [illegible] ثابت [illegible] [illegible] نزدیک [illegible] (احد و بیس) [illegible] عبد اللہ بن مسعود [illegible] عبد اللہ بن عمر، حذیفہ بن اسید، ابو امامہ باہلی، جابر بن عبد اللہ، نواس بن سمعان [illegible] [illegible] حذیفہ بن [illegible] [illegible] ان روایات [illegible] [illegible] موقوفات [illegible] مسند احمد [illegible] صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد، سنن اربعہ وغیرہ کی [illegible] مرفوعات کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہے۔ کیا ستر صحابہ جنکی فضیلت [illegible] ہے [illegible] روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد صدق شعار قوم ان سے زیادہ نہیں گزری۔ اگر لسان نبوت سے انکی حکایت مفید للعلم نہیں ہوگی تو کس قوم کی ہوگی؟ اگر ہمیں کسی کے صلاح و تقوے اور صداقت کا یقین ہو اور ہمیں ایسے آدمی آکر ہم سے کوئی بات بیان کریں تو انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے لیے مفید للعلم الیقینی ہوگی یا نہیں۔ حالانکہ ایک صحابی ایک ہزار پر بھاری ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری امت پر بھاری ہے تو شاید مستبعد نہ ہوگا۔ پھر ان ستر کے ساتھ تقریباً تیس صحابہ و تابعین سے آثار موقوفہ مروی ہیں اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر قیاسی و غیر عقلی امور میں موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔ گویا ستو مرفوع باسانید صحیحہ اور حسنہ جمع ہو گئی ہیں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جن محدثین نے جن احادیث کے متعلق تواتر اصطلاحی کا دعویٰ کیا ہے کثرت رواۃ و کثرت طرق اور کثرت تخریج میں اسکا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حدیث "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار" جو سب سے اعلیٰ ترین متواتر حدیث کی نظیر میں پیش کی گئی ہے اسکے رواۃ کہیں تقریباً ستو ہی تک پہنچتے ہیں، حالانکہ مشکل ہے کہ ستو کی ستو روایتوں کے رجال کل صحیح [illegible] پہنچیں۔ حدیث "مسح خفین" باتفاق محدثین حدیث متواتر [illegible] اصول فقہ و کتب فقہ شروح حدیث میں متعدد مواقع میں امام ابو حنیفہ کا یہ مشہور قول نقل کیا گیا ہے: [illegible] بالمسح علی الخفین [illegible]

مثل: ضوء النہار ۔ وانی اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین۔ تو گویا مسح خفین کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے۔ اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کسی نے ان کا مسلک پوچھا تو انہوں نے فرمایا: افضل الشیخین واحب الختنین وارى المسح علی الخفین۔ گویا سنی ہونے کے لیے مسح خفین کو ضروری معیار سمجھا۔ جواب کا خلاصہ تو یہی نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں نہ خارجی ہوں بلکہ سنی ہوں۔ تو گویا امام کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید العلم القطعی ہیں۔ حالانکہ غسل رجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسل رجلین بھی متواتر ہیں۔ دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غسل رجلین ثابت ہو چکی تھی، پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہو گئی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین بتصریح امام احمد حنبلؒ کل مرفوع چالیس حدیثیں ہیں اور صحابہ میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے۔ پھر یہ بھی مشکل ہے کہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں لیکن اتنی مقدار تواتر قطعی کے لیے کافی ہوئی۔ احادیث غسل رجلین کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ بمشکل اکیس حدیثیں ہیں۔ احادیث معراج جسمانی کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے۔ حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہونچتے ہیں۔ احادیث "حوض کوثر" کو متواتر اصطلاحی کہا گیا۔ حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہونچتی ہیں۔ احادیث "رفع الیدین عند التحریمہ" کو متواتر اصطلاحی کہا گیا حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہونچیں گی۔ حدیث "من بنی مسجدا للّٰہ" الخ متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے والے بیس سے متجاوز نہیں۔ ایسی ہی حدیث شفاعت، حدیث عذاب قبر، حدیث سوال منکر نکیر، حدیث "المرء مع من احب" حدیث "کل میسر لما خلق لہ" حدیث "بدأ الاسلام غریبا الخ" وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر سے متواتر کہا گیا ہے۔ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنت متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ ان کے رواۃ و طرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہونچتے۔ اب نہیں معلوم بنوری صاحب کے یہاں وہ کون سی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لیے چاہیے۔ محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ لغوی۔ نہ معلوم بنوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں "تواترت الاخبار" کا لفظ دیکھ لیا، فرمانے لگے یہ تواتر لغوی ہے۔ مراد کثرت ہے۔ نہ معلوم اس عجمی کا منصب آپ کو کس نے دیا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے لیکن خارجی قرائن اور بحث سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ اصطلاحی ہے یا لغوی۔ جن کا یہ فن ہے اور شب و روز اس کی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث ان کی صنعت نفس بن گئی ہے وہ ہی اپنی بصیرت سے اس کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ ہر عمرو زید کا یہ منصب نہیں۔ اب سوچیے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کے اتنے بیان کرنے والے ہیں اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے بھی زائد ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے متواترات کے مشہور احادیث کی تعداد بڑھ گئی کہ قرن ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرن ثالث میں تو احاد بھی شہور و متواتر کی کثرت طرق، کثرت رواۃ کو پہونچ گئے ہیں جو بنوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے جب حافظ ابن کثیر ان کو خبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی ان کو متواتر کہتے ہیں، قدماء محدثین میں سے "ابو الحسن السجزی الآبری" اس کو متواتر مانتے ہیں، اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہونچ جائے تو خدارا انصاف کیجیے کہ ایسی صورت میں کسی کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی مراد ہے۔ ابو الحسن آبری قدماء محدثین میں سے ہیں، ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں ۳۶۳ھ میں وفات پا چکے ہیں ان کا قول حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۶ — ۳۵۸ مطبوعہ میریہ) میں نقل کیا ہے: وقال ابو الحسن الخسعی الآبری: یہ ناسخین کی تصحیف ہے صحیح السجزی الآبری ہے۔ سجستانی کی نسبت غیر قیاسی سجزی آیا کرتی ہے کما فی القاموس السجستی نہیں آتی جیسا بنوری صاحب فرماتے ہیں) فی مناقب الشافعیؒ وتواترت الاخبار بان المہدی من ہذہ الامۃ وان عیسیٰ یصلی خلفہ الخ اصلی غرض اس عبارت سے پہلے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو سکتا ہیں: ولا مہدی الا عیسیٰ آیا ہے لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں الف۔ احادیث مہدی متواتر ہیں، ب۔ احادیث نزول مسیح متواتر ہیں۔ ج۔ مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے امام ہونا متواتر ہے۔ بجائے ایک کے اب تین دعوے ہو گئے۔ بنوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض تو یہ نہ تھی بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ لازم بین ہے لزوم صریح ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد بالاولیٰ ہے اور اس کا التزام ہے تو کیا یہ لازم ہونا ان کے خلاف مقصود ہے کیا "دلالت النص" اور دلالت بالاولیٰ یا "ظاہر النص" کی بحث اصول فقہ میں مفصل ہو چکا ہے۔ حقیقت میں خروج مہدی، نزول مسیح، خروج دجال تینوں متشاکل و متقارب امور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں تلازم ہے اس لیے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ "نرحم اللّٰہ من انصف" اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود ہے کیسے قابل توثیق ہو سکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے اثبات متواترات کی یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے ان کے قول کو قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔ احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے۔ اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج۔ (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

سہ روزہ

صدق

ایڈیٹر: - عبد الماجد -
پتہ: - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب: - حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق،
مرشد آباد پیلس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی عہ
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
ٹیلیفون نمبر ۱۴۹

نمبر ۲۸ | یوم شنبہ - ۹ - رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۸ - اگست سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

روزہ خوروں سے

اگر آپ روزہ رکھ سکتے ہیں اور نہیں رکھ رہے ہیں، تو آپ نے کبھی سوچا ہے، کہ کس چیز نے آپ کو اس کھلی ہوئی نافرمانی پر دلیر کر رکھا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں روزہ کی فرضیت ثابت نہیں؟ کیا آپ اپنے نزدیک احکام کی پابندی و عدم پابندی میں آزاد و خود مختار ہیں؟ کیا رمضان کی آمد آپ کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتی؟ آپ چلتے ہیں، پھرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں دنیا کے اور سارے کاروبار کرتے ہیں، لیکن بس ایک روزہ کے بارے میں آپ ضعیف و ناتوان ہیں، یہ عذر کچھ بھی آپ کے ضمیر کو مطمئن رکھتا ہے؟ یہ عذر کچھ بھی حشر کی عدالت میں کام آئیگا؟ یا معاذ اللہ حشر کی عدالت، اور اسکی حاضری ہی میں آپ کو شک و شبہ ہے؟ —— قبل اسکے کہ حساب وکتاب ہو، کیوں نہ اپنے ہی سے سوال و جواب کر دیکھیے، اس حال میں کہ ابھی زندگی کی مہلت باقی ہے؟

جس کی نعمتوں سے، ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے آپ دن رات فائدہ اٹھا رہے ہیں، چوبیسوں گھنٹوں کے ایک ایک منٹ، ایک ایک سکنڈ سے لطف و راحت پا رہے ہیں، سانس لے رہے ہیں، ہنس بول رہے ہیں، دیکھ سن رہے ہیں، کھا پی رہے ہیں، رہنے سہنے کو مکان، پہننے اوڑھنے کو کپڑا پا رہے ہیں، ہوا کی ٹھنڈک، سورج کی گرمی سے مستفید ہو رہے ہیں، مٹی، آگ، پانی سے اپنی ہر طرح کی خدمت لے رہے ہیں، اور جس نے آخرت میں ان نعمتوں سے ہزاروں گنی بڑھ کر نوازشوں، آسائشوں، آسائشوں، اور سرفرازیوں کا وعدہ فرمایا ہے، اسی حاکم مطلق اور اس حکیم برحق کے مقابلہ میں اپنے کو باغی نہ سہی، چور اور مجرم بھی بنائے رہنا، آخر کس آئین و دانش کے ماتحت اور کس دور اندیشی کے مطابق ہے؟ —— کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ روزہ اسقدر سخت چیز ہے کہ آپ اسے برداشت ہی نہ کر سکیں گے اور نوبت ہلاکت یا تقریباً ہلاکت کی آکر رہیگی؟

اگر یہی وسوسہ دل میں بیٹھ گیا ہے، تو اسکا عملی اور مؤثر کامیاب جواب یہ ہے کہ دو ایک روزے تجربہ کے طور پر تو رکھ کر دیکھیے، عجب کیا اب نتیجہ کا حصہ کلفت کے حصہ سے بڑھکر محسوس کریں! روزہ اتنا سخت اور شدید تو کسی موسم میں بھی نہیں ہوتا۔ مئی جون کی شدید، خشک "پیاس آور" گرمی میں ناقابل برداشت حد تک سخت نہیں ہوتا اور پھر اس نیم گرم نیم سرد برساتی موسم میں جو بعض وقت گرم کیسا ہی ہو جائے، خشک بہر حال کسی وقت نہیں ہوتا، روزے بحیثیت مجموعی خوشگوار ہی کہے جائینگے۔ افطار کے وقت کے لطف و تفریح کے اندازہ سے بھی روزہ خور اسی طرح محروم، جس طرح نسیم سحر کی لذتوں سے دن چڑھے تک سونے والا محروم رہتا ہے! —— مسلمان کے لیے بلا قوی عذر شرعی روزہ خوری مادی، روحانی ہر حیثیت سے ایک شدید بدنصیبی ہے۔

کام کی رفتار

اردو تفسیر کی نظر ثانی کا کام بحمد اللہ جاری ہے۔ اور جس وقت تک یہ سطریں شائع ہونگی ان شاء اللہ پارہ چہارم کا کام ختم ہو چکے گا۔ اسکے بعد ایک مہینہ بعد پارہ پنجم شروع ہوگا۔ یہ درمیانی وقفہ دوسرے ضروری کاموں کے لیے ضروری ہو گیا

انگریزی تفسیر کا پارۂ دوم ابھی تک ملتوی ہے - پڑھنے کے اوراق آئے ہوئے مدت ہو گئی - انگریزی تفسیر کا ٹائپ شدہ مسودہ تاج کمپنی کے پاس سنہ ۴۱ء میں پہونچ گیا تھا - مئی سنہ ۴۳ء میں خدا خدا کرکے پارۂ اول شائع ہوا، اس وعدہ کے ساتھ کہ ہر مہینے ایک پارہ نکلا کریگا - یہ اگست سنہ ۴۵ء ہے - ایک ایک پارہ والا مہینہ کیا ایک پارہ بھی جب سے اب تک نہ نکلا! سنہ ۴۱ء سے سنہ ۴۵ء تک ۴ سال ہوتے ہیں - اس چار سال کی مدت میں کُل ایک پارہ! فی پارہ گویا حساب یہ ہے کہ اس شرح سے تیس پاروں یعنی سارے قرآن کے لیے مدت ۱۲۰ سال کی درکار ہو گی! ——— زندہ باد تاج کمپنی!

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

امداد کی مد میں رقم پچھلے ہفتہ حسب ذیل قبول کی گئی :-

۱۱ - اگست ایک مخلص (مقیم پشاور) صدر کی دوسری قسط

نرس یا میل نرس

"بدقسمتی سے ہندوستان میں کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے، جہاں مسلمان نرسوں کی مناسب تعلیم کا عمدہ انتظام کیا جاتا ہو - انگلستان میں ہر ۳۰۰ اشخاص کے لیے ایک نرس موجود ہے، لیکن ہندوستان میں ۵ لاکھ مسلم آبادی کے لیے صرف ایک نرس ہے - نرسوں کی موجودگی ہر عمدہ اسپتال میں لازمی ہے مگر بیشتر اسپتال ایسے ہیں جہاں ایک بھی مسلم نرس نہیں ہے"

یہ سب کچھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مسلم میڈیکل کالج کی ایک تازہ اپیل کے سلسلہ میں کہا ہے، اور اس ابتدا کی خبر قدرۃً نکالی ہے، کہ اس مسلم اسپتال کے لیے مسلم نرسوں کا انتظام ہونا چاہیے اور اسکے لیے چندہ ہو - وقس علیٰ ہذا ——— اور اس پر ایک غیر مسلم پرچہ نے طنز کے ساتھ سوال کیا ہے، کہ مسلمان بغیر پردہ توڑے آخر کیسے نرسوں کی ٹریننگ کا انتظام کریں گے؟

سوال کچھ ایسا بے محل اور غیر معقول نہیں ہے - اصل یہ ہے کہ فرنگی تہذیب (یا اسلامی نقطۂ نظر سے "جاہلی تہذیب") ایک مستقل "سسٹم" ہے، ایک مرتب و مکمل نظام ہے - اسکے کچھ مبادی و مقدمات ہیں اور پھر اُنھیں کے متعلق نتائج و ثمرات - یہ ہو نہیں سکتا کہ تخم ریزی تو اُسی کی کی جائے، اور جب اُس میں زہریلے پھل پھول آنے لگیں، تو صرف اُنکے خلاف پُرزور فتوے دیدیے جائیں! سچا اگر منظور ہے تو ضرب جڑ پر لگانی پڑیگی، نہ کہ شاخوں، ٹہنیوں اور پتیوں پر - جہاد اصول کے خلاف کرنا چاہیے، نہ کہ صرف فروع و ثمرات کے ———

تو اب سوال یہ ہے کہ مریضوں کی تیمارداری اور خدمتگزاری کے لیے آخر عورتیں ہی کیوں ضروری ہیں؟ تیمار دار کے مونث ہی ہونے پر کون سی فنی، علمی، عقلی، تجربی دلیل قائم ہے؟ مقیم INDOOR مریض آخر چھوٹے چھوٹے اسپتالوں میں بھی تو رہتے ہیں، پھر وہاں انکا سارا کام کمپونڈر وغیرہ مرد ہی تو دار کر لیتے ہیں یا نہیں؟ کیا انکا کام نرسوں سے کچھ گھٹیا پایا گیا ہے؟

طب یونانی جب یونان میں مدت دراز سے کوئی جانتا بھی نہیں، اب عربی میں اور صدیوں سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں چلا آرہا ہے - ابتدا اگر بقراط و جالینوس ہی کا فن تھا - لیکن مسلمانوں نے جب اسے لیا، تو اپنا لیا - غیروں کی محض نقالی اور اندھا دھند تقلید نہیں کی - یہی معاملہ میڈیکل سائنس کا ہے - مسلمان اگر اسے لینا چاہتے ہیں، تو اسے اپنا کر لیں - شریعت نے صرف زندوں ہی کے نہیں، مردوں ہی کے بھی حقوق احترام قائم کیے ہیں - لاشوں کی چیر پھاڑ اس میں بلا قید و شرط ہرگز جائز نہیں - "مسلم میڈیکل کالج" کو اگر اپنے نام کا لحاظ ہے، تو بہت سب احتیاط میں کرنا پڑینگی - اور اس سلسلہ میں ایک اہم چیز یہ ہے کہ "نرس" کے جاہلی تخیل کو "میل نرس" (MALE NURSE) کے اسلامی تخیل سے بدلنا پڑیگا -

کام کی باتیں

تذکرۃ الرشید کے نام سے ایک ضخیم کتاب عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات و تعلیمات میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم کے قلم سے ہے - حال میں اسکے دیکھنے کا دوبارہ اتفاق ہوا - اسکے حصۂ اول میں دو باتیں بڑے کام کی نظر پڑیں، ایک مولانا تھانویؒ کے قلم سے، اور دوسری خود مولانا گنگوہیؒ کی زبان سے - دونوں باتیں قابل نقل و اشاعت ہیں :-

(۱) مولانا تھانویؒ اُس وقت کانپور میں مدرس ہیں - محفل میلاد میں شرکت اپنے شیوخ و اکابر کی طرح ناجائز سمجھتے ہیں - لیکن اصلاحی نقطۂ نظر سے کبھی کبھی عملاً شرکت کر بھی لیتے تھے، کہ اس ذریعہ سے موقع دوسروں کی اصلاح کا مل جائیگا - فرماتے ہیں :-

"یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ مثلاً جہاں ۹۰ موقع پرعذر کر دیا اور ۱۰ جگہ شرکت کر لی اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان کو ہدایت ہوگی - اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو، تو اللہ تعالیٰ سے اُمید تسامح ہے" (صفحہ ۱۱۹)

(۲) دوسری تعلیم خود حضرت گنگوہیؒ کی ہے - اور شیخ کے اتباع میں وہ غلو، جسکا صحیح نام مرشد پرستی ہے، لیکن عام ہے - حضرت فرماتے ہیں :-

جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے چلے آتے تھے اور ہوتے رہے ہیں، تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور بیعت ہوتے ہیں کہ جو کچھ اُستادوں سے کتب دینیہ میں اُنھوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اُس علم کو علم الیقین بنا لیویں، تاکہ عمل کرنا نفس کو اُس علم پر سہل ہو جائے - اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اُسکے صحت و سقم کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام متعلقہ قرآن و حدیث کو اسکے قول سے مطابق کرلیں - یہ خیال سراسر باطل ہے - بس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمائیگا تو اسکا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا -

پڑھا گیا ہے۔ عبارت جو قدیم کتابی یادداشت میں پائی گئی ہے اسکا ترجمہ یہ کیا گیا ہے

"چھٹا دن اور ... اتنی ہوا کے جھونکے چلتے رہے، سخت آندھی کی کیفیت پیدا ہوگئی، اور زمین پر طوفان چھا گیا۔ لیکن جب ساتواں دن نمودار ہوا اور آندھی کی کچھ کمی ہوئی اور دریا بھی کچھ ساکن ہوا اور جو بگولے اٹھ رہے تھے، وہ دب گئے، وہی بگولے جو اس طرح گویا آدمی سے جنگ کر رہے تھے، جیسے آدمی آدمی سے لڑتا ہو، تب میری نظر زمین پر پڑی، اور میں نے روزن رکھا کیونکہ جتنی کشتیاں تھیں وہ تالاب بن گئی تھیں، اور میں نے دریچہ کھولا، روشنی میرے چہرے پر پڑنے لگی ... تو ساتواں دن جب نمودار ہوا، میں نے ایک کبوتر کو اڑایا، اڑ کر وہ کبوتر تمام گھومتا رہا، لیکن کوئی جگہ اسے ایسی نہیں ملی جس پر بیٹھ سکتا ہو۔ پھر میں نے ایک کوّے کو چھوڑا، وہ اڑا، بعض مقامات میں اترے ہوئے پانی کی جگہ اسے ملی۔ تب اس کو کھایا اور پیا اور کائیں کائیں کرنے لگا، اور پلٹ کر نہیں آیا۔"

(المقتطف۔ مارچ ۱۹۳۲ء)

اسی مضمون میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مولد مبارک "اور" اور اس شہر کے ان بعض مدفونات کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو ادھر مسلسل نکل رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک خاص چیز یہ نظر آئی، کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قریب قریب تین ہزار سال پہلے شہر "اور" میں جو بادشاہ تھا اسکا نام

"مس انی پدا"

لکھا ہے۔ اس لفظ کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا، اور میرا اپنا خیال کہ دکن کے باشندے اس ملک میں عراق اور مصر سے آئے ہیں، مگر قرائن کے ایک عجیب بات اسی کی تائید میں یہ ملی، کیونکہ "پدا" کا لفظ اب بھی تلنگی زبان میں "الکبیر" یعنی "بڑے" کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ بلکہ اس نام کے دوسرے اجزاء بھی تلنگی الفاظ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ دکن کے شہروں کے آخر میں عموماً "اور" کا لفظ پایا جاتا ہے جیسے [illegible] بنگلور، کنور، منگلور، ایچور وغیرہ۔ [illegible] ہے کہ یہ آخر میں وہی "اور" کا لفظ ہے جو عراق سے دکن [illegible] دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تلنگی زبان میں اب بھی "اور" آبادی کو کہتے ہیں۔ ہندوستانی تہذیب وتمدن کے متعلق عموماً شمالی ہند کو مرکز [illegible] کی جاتی ہے۔ پچھلے دنوں کی تاریخ کے لحاظ سے ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ لیکن زمانہ قبل التاریخ کے متعلق میرا خیال ہے کہ اگر تفتیش وتلاش سے کام لیا جائیگا تو معاملہ ممکن ہے کہ بالکل برعکس ثابت ہو۔

مصر کے جامعہ ازہر کے علماء کا وفد حیدرآباد جب آیا تھا تو اسی قسم کے معلومات انکے سامنے میں نے اپنی ایک عربی تقریر میں ظاہر کیے، تو وہ حیران رہ گئے، خصوصاً جب میں نے ان سے کہا کہ اس علاقہ میں اب تک یہاں کے باشندے پانی کو "نیلو" کہتے ہیں۔ جو آپ کے دریائے نیل کی طرف سمجھا جائے تو اشارہ ہے۔ وہ بار بار پوچھتے تھے کہ کیا یہ واقعہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ

"نیلوفر"

کا عربی لفظ خود دکن ہی سے بظاہر عرب میں گیا ہے، یعنی

"پانی کا پھول"

"فر" پھول کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ تو ان کو تعجب ہوا۔

الہامی زبان صرف عربی ہے

(از قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب)

آج تک یہ بات مشہور رہی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر الہام عبرانی و سریانی میں ہوئے۔ اور اس کا استدلال بھی قرآن شریف کی ایک آیت سے جو اسی مضمون میں آگے آجائیگی کیا جاتا ہے۔ مگر جہاں تک تتبع و استقراء کا تعلق ہے یہ سلسلہ اسلامی تعلیم کی روشنی میں اس امر پر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر نبی پر الہام عربی زبان میں ہوا۔ جس وقت نبی اپنی اس قوم کی زبان میں جسکی طرف وہ بھیجا گیا اس الہام کو اس زبان میں ادا کر دیا۔

جبکہ کسی الہامی کتاب نے سوائے قرآن مجید کے اپنی الہامی زبان بلکہ اپنی زبان نہیں بتائی تو ہم کس طرح یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اصلی الہامی زبان یہ ہے۔ البتہ قرآن شریف نے الہامی زبان کی تشریح فرمائی ہے جس سے قرآن کی الہامی زبان کا عربی ہونا اور الہام کا عربی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قرآن شریف کا اپنے متعلق تو یہ ارشاد ہے کہ بلسان عربی مبین، مگر اس آیت پر غور سے نظر ڈالنے پر یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تمام انبیاء کو الہام عربی میں ہوا۔ فرمایا لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (الشعراء) اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام نے ہود، صالح، شعیب، اسمٰعیل علیہم السلام کو شامل کیا ہے۔ مگر اس مفسر کی [illegible] جب چار پیغمبر جو مختلف اقوام میں بھیجے گئے وہ شامل ہو گئے تو باقی کس طرح خارج ہو سکتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے انہ لفی زبر الاولین۔ بعض مفسر ضمیر کا مرجع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں مگر یہ واضح نہیں، بلکہ اس سے مراد قرآن ہی ہے۔ قیل الضمیر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس بواضح (ابو السعود علی هامش الکبیر ص ۵۵ ج ۶)

قرآن صرف معنی کا نام نہیں ہے بلکہ الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے ورنہ خلق قرآن کی بحث ہی ختم ہو جائیگی۔ جب قرآن لفظ او معنی کا نام ہے اور وہ پہلے زبر میں موجود تھا تو لازم ہوگا کہ پہلے زبر کی صورت اصلی (الہامی حالت) عربی ہو اکابر نے بھی اس طرف توجہ فرمائی ہے جیسا کہ خرج ابن ابی حاتم عن سفیان ما نزل من السماء وحی الا بالعربیة وکانت الانبیاء علیہم السلام تترجمه لقومها۔

(قسطلانی شرح بخاری ص ۲۵ ج ۱)

ازالہ شبہہ | قرآن شریف میں ارشاد الہی ہے۔ ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه حضرت شاہ عبدالقادر نے اسکا ترجمہ فرمایا "ہم نے جو رسول بھیجا وہ اپنی قوم کی بولی بولتا تھا" یہ آیت تو صرف اسقدر مقصد کو حامل ہے جسقدر مضمون نبی [illegible]

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اصول اسلام کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مجلس علمی ڈابھیل)

نمبر (۵)

بہر حال حدیثی ابحاث میں محض اٹکل سے یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا۔ نہ اس قسم کے وساوس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ محدثین میں سے جس محدث نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہے وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اخبار آحاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو انکے بیان تو "ضروریات دین" کے لیے صحیحین کے اخبار آحاد بھی کافی ہیں۔ آپ تلائیے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ضروریات دین کے ثبوت کیا رہ جاتا ہے۔ کیا اسکے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قطعیت کے لیے سوا قرآن کے متواتر حدیث ہونی چاہیے اور وہ ہے نہیں!؟ اللہ اللہ کیسے کام ہلکا ہو گیا۔ یہی تو فرقۂ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور تقریباً یہی منکرین حدیث کا قول بھی ہوتا ہے۔ بہر حال بقیہ ضروریات دین کے لیے یا تو صحیحین کے اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کر انکو ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کرکے ان ضروریات دین پر ایمان لانا ہوگا۔ تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو، اجماع مرکب باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم و انصاف عطا فرمائے۔ یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے۔ گویا آجکل اس فتنہ کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیونکہ "عقائد قطعیہ" کے لیے ان دلائل کی ضرورت ہوگی جنکا مفید علم قطعی ہونا مسلم ہو۔ اور وہ صرف قرآن کریم کے وہ نصوص ہوں گے جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو اور وہ ہے نہیں۔ یہی تو حضرات قرامطی اور انکے اتباع قرامطہ کا مسلک ہے۔ اب تلائیے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہونچ جائیگی؟ بس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزول مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں۔ محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادۂ علم و یقین کے لیے یہ بھی کافی ہیں۔ اور اگر مدار تواتر اس پر ہو کہ قرن اول میں ان احادیث کا تواتر موجود ہے۔ اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بنا پر متواتر احادیث چاہییں تو لیجیے گذشتہ تحقیق و تفصیل سے یہ بات بھی بحمداللہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ احادیث نزول مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں۔ اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ۔ جناب احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدۂ نزول مسیح کی فرضیت و قطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ اور جحود و انکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ کیا تعجب و اذعان کے ان مختلف جہات اور حیثیات کے بعد بھی اس عقیدہ کے ضروریات دین میں ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

نزول مسیح علیہ السلام اور اجماع امت

کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے اسکی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں، وہ تو علام الغیوب ہی کا خاصہ ہے۔ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ مخبر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر وہ نقل بذریعہ آحاد ہو جب بھی اجماع کے بعد قطعی و یقینی ہو جاتی ہے۔ اب غور کیجیے کہ کتب حدیث میں جو امہات و اصول ہیں مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ سے لیکر مستدرک حاکم و سنن کبریٰ بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں۔ سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور نفس نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علت قادحہ نہیں بیان کرتے۔ پھر ان ہی کتب حدیث و کتب تفسیر میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے، "مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام وغیرہ کے۔ سب سے نزول مسیح کے بارے میں نقول موجود ہیں۔ پھر کسی صحابی، کسی تابعی سے نہیں، بلکہ کسی امام دین، کسی محدث، کسی مصنف سے بھی اسکا خلاف کسی کتاب میں، کسی دور میں، کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا۔ کیا یہ اعلیٰ دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی و اتفاقی ہے۔ پھر کتب عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتب عقیدہ ہیں ان سب میں اس ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اسوقت ہم ذیل میں دو اہم ترین اسناد پیش کرتے ہیں:-

(۱) "عقیدۂ طحاویہ" جو امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد وغیرہ ائمہ حنفیہ کے عقائد میں موثوق ترین چیز ہے۔ اسکی عبارت ملاحظہ ہو:

ونؤمن باشراط الساعة من خروج الدجال ونزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام من السماء

خروج دجال اور آسمان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔

(۲) "فقہ اکبر" امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے۔ ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی ...... جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں۔ اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:-

ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء وسائر علامات القیامة علی ما وردت به

آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اسکے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں،

ان علماء دونوں میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی کیا تصریح ہوگی۔ کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی منصف کے لیے کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ توارث امت محمدیہ میں پہونچ چکے ہیں۔

اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ بیان سابق کی تصدیق و تائید ہو اور کسی طالب حق کے لیے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابو اسحاق کلاآبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین میں سے ہیں اور اپنی اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں، اپنی کتاب "معانی الاخبار" میں فرماتے ہیں:—

وقد اجمع اهل الاثر وكثير من اهل النظر على ان عيسى عليه السلام ينزل من السماء فيقتل الدجال ويكسر الصليب اه (تحفة الاسلام ص ۲۵)

کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف کسی کا ہو گیا ہو تو اجماع سابق کو مضر نہیں، نہ یہ خلاف اتفاق ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے جسکی تحقیق کتب کلام اور کتب اصول فقہ میں موجود ہے۔ نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے صحیح نہیں، جو کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

بہرحال یہ تو ہوئی نقل "اجماع" کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح۔ اب متاخرین اہل حدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظہ ہو:—

واما الاجماع فقد اجمعت الامة على نزوله ولم يخالف فيه احد من اهل الشريعة وانما انكر ذلك الفلاسفة والملاحدة مما لا يعتد بخلافه وقد انعقد اجماع الامة على انه ينزل ويحكم بهذه الشريعة المحمدية اه (شرح عقيدة سفارينيه ج ۲ ص ۹۰)

رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام میں اجماع تو کل امت محمدیہ کا اہل شرع میں انکے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہونگے اور شرع محمدی پر عمل کریں گے۔ بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور انکا خلاف قابل اعتبار نہیں۔

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں اور "حنبلی المذہب" نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں۔ نام محمد بن احمد [illegible] ... [illegible] کثیر التصانیف ہیں بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ (باقی آئندہ)

علم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۸)

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر ضلع بستی)

غیر قوموں کے صدقات و خیرات

اخبار کی دنیا میں غیر قوموں کے صدقات و خیرات کا حال

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ ڈاکٹر جگدیش چندر بوس نے اپنی قوم کے لیے چار لاکھ روپیہ ۱۹۳۷ء میں اکیلے دے ڈالا۔ اسی طرح محترم سرگنگارام نے اپنی قوم کے لیے متعدد اسکول اور بیوہ خانے کھول دیے۔

یہ بھی اسی دنیا کا واقعہ ہے لارڈ نفیلڈ نے قوم و ملک کے لیے بیس کروڑ روپیہ دے ڈالا۔ پونا میں انگریزی تہذیب کے مطابق زنانہ یونیورسٹی قائم ہے۔ اسکے سلور جوبلی کے موقعہ پر پندرہ لاکھ کی رقم اکیلی مسز ٹھاکر سی نے دے ڈالی۔ دو کالج دو ہائی اسکول، بیسیوں درسگاہیں اسکی شاخیں ہیں (سچ العدوق ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۲ء) حضرات! اتنی بڑی رقم ایک عورت دیتی ہے۔ ہم اپنی پست ہمتی اور ذہنی حالت کا اندازہ لگائیں۔ ہم عاشق رسول ہیں اور ہم اصحاب الحدیث و القرآن ہیں۔ ہمیں مبارک ہو لیکن عام ذہنی پستی اور بد ہمتی کی بنا پر خسروؒ کا یہ عاشقانہ شعر گویا ہمارے ہی لیے تھا ؎

خسروا در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش
کاں برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

غرض یہ ہے کہ جس طرح اور قومیں اور دوسری جماعتیں اپنے ذاتی فوائد پر قوم و مذہب کے فوائد کو ترجیح دیتی ہیں، قوم من حیث القوم کی ترقی کی خواہاں رہتی ہیں اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ بڑی بڑی رقمیں لگا کر دین و ملت کی ضروریات کے لیے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر کوئی تعمیری کام کر ڈالیں۔ یہ رقم انشاء اللہ ہرگز ضائع نہ جائیگی ایک ایک کے سو سو بلکہ اس سے زیادہ واپس ہونے کی امید رکھنی چاہیے۔ قرآن کریم میں یہ بشارت موجود ہے۔ مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء (پارہ ۳ رکوع ۴)

تہذیب الاسماء میں امام نوویؒ نے صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں انکے ٹھوس تعمیری کاموں کے ایسے حالات جمع کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا ریاست بھوپال و حیدرآباد جیسی ریاستوں کے مالک ہیں۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ پہلے چندہ میں چار ہزار روپیہ دیا، دوسری دفعہ چالیس ہزار، تیسری مرتبہ چالیس ہزار دینار، چوتھی دفعہ پانچ سو گھوڑے، پانچویں دفعہ پانچ سو اونٹ۔ اسکے بعد ایک باغ چار لاکھ کی قیمت پر فروخت کرکے اسلامی بیت المال کے حوالہ کیا۔ سیدنا طلحہؓ بن عبید اللہ

کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے لنگر خانہ میں ایک ہزار اشرفی کا روزانہ خرچ رہتا تھا۔ ساڑھے تین لاکھ اشرفیاں سالانہ خرچ فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے یہ مشہور واقعات گھر کا نصف سامان و رقوم آپ لائے یا سارا اثاثہ حاضر کر دیا تو مشہور عالم ہے۔

دینی تصنیفات کا قحط و کمی

آخر میں عصر حاضر کی علمی بے مائگی اور سرد بازاری کا بھی گلہ کرنا ہے جو بازار تصنیف و تالیف میں ہمیں نظر آ رہا ہے ہم اگلوں کے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے انھیں کے باغ کے بوئے کھا رہے ہیں ہم خود کوئی ایک پودا نہیں اُگاتے کہ جس سے ہمارے بعد کی نسلیں مستفید ہوسکیں۔ کیا جماعتی طور پر کوئی ادارہ قائم ہے جہاں اہل قلم کی کتابیں اور چھوٹے بڑے رسالے شائع ہوسکتے ہوں، نوجوان مستند پڑھے لکھے ایک اور جماعت میں بفضلہ تعالیٰ کچھ آگے مل جائیں گے۔ غرض موجودہ کمی اور قحط کا انتظام کیا جائے حالی رحمۃ اللہ علیہ گویا ہمیں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی ۔ نہ علم و ادب ہے نہ تکمیل باقی

نہ سلطنت ہے باقی نہ ہیبت ہے باقی ۔ اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی

ادھر اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں کہیں

پھر اُم کسادوا اس ٹمٹماتے دیئے کو

الغرض میدان تصنیف و تالیف خالی ہے۔ اس بیسویں صدی کے اہل علم کی طرح اگر اگلے اصحاب الحدیث بھی ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے تو آج دنیا میں جو کچھ قحط رہتا اُسکا قیاس آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھتے ہیں تو اسّی جلدوں میں قلم برداشتہ لکھ جاتے ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصانیف کی فہرست خود اپنے ہی ایک رسالہ شذرات الذہب میں پانچ سو شمار کرائی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے پُر مغز تصانیف کا شمار پانچسو سے بھی اوپر ہے۔ ہمارے اسلاف میں تو علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی گزرے ہیں، انکی تصنیف کا حال سنیئے کہ رات دن تصانیف کے لکھنے کے لیے جو قلم بناتے تھے اور اس قلم کا جو تراشہ حاصل ہوتا تھا اُسے محفوظ رکھتے تھے۔ اپنے ارتحال کے وقت وصیت فرمائی کہ میرے غسل کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا جائے۔ جو قلم دینی کی تصنیف کے سلسلہ میں میرے قلم کے تراشے ہیں۔ چنانچہ اسی تراشہ سے پانی گرم ہوا اور پھر تراشہ بچ رہا۔ (دیکھو مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۲۰) امام طبری کے متعلق تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی کی روایت ہے کہ آپ کی تصنیفات کا اندازہ بعد وفات کے لگایا گیا تو ضخیم مجلدات کا چالیس ورق یومیہ کا اوسط نکلا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صفحہ ۲۶۹)

صرف علم حدیث کے سلسلہ میں اصحاب الحدیث نے کتنی کتابیں کتنے جوامع کتنی کتنی جلدوں میں تصنیف فرمائیں اور کتنے سنن کتنی کتنی جلدوں میں اور کتنے مسانید ضخیم مجلدات میں اور کتنے مستخرجات اور کتنے کتنے معاجم معجم صغیر معجم کبیر وغیرہ اور کتنے کتنے امالی ۔ امالی ابن حجر امالی ابن عساکر وغیرہ۔ اور کتنے کتنے اجزاء مسائل خاصہ میں۔ جزء رفع الیدین جزء قرأت وغیرہ اور کتنے صحاح صحیح البخاری و مسلم وغیرہ، صحاح ستّہ کے اور کتنے صحاح ان کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان وغیرہ کتنے کتنے کتب اسماء الرجال کے، تہذیب التہذیب تقریب التہذیب میزان الاعتدال وغیرہ اور کتنے اصول حدیث کی کتابیں علامہ ابن الصلاح و علامہ عراقی وغیرہ اور کتنی کتابیں غریب الحدیث پر لغات کی مجمع البحار وغیرہ اور پھر کتنی کتابیں شروح کی صحیح البخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی کتنی کتنی شرحیں اور پھر کتنی کتابیں احکام الحدیث کی بلوغ المرام عمدۃ الاحکام وغیرہ۔ اور پھر کتنی کتابیں تخریج احادیث کی درایہ، نصب الرایہ وغیرہ، پھر کتنی کتابیں احادیث موضوعہ کے بیان میں، موضوعات کبریٰ علامہ ابن جوزیؒ کی تذکرۃ الموضوعات علامہ طاہر پٹنی کی۔ پھر کتنی کتابیں احادیث کے ناسخ و منسوخ ہونے کے متعلق پھر کتنی کتابیں احادیث کی تطبیق و توفیق کے متعلق مؤتلف مختلف وغیرہ۔ الغرض اپنے اپنے زمانہ میں ان اصحاب الحدیث نے میدان تصنیف و تالیف میں طرح طرح کے بیشمار درخت لگائے تھے جنکا پھل آج ہم کھا رہے ہیں اور ہمارے بعد والے بھی جن سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ تو غرض یہ ہے کہ ہمارے جن اسلاف کا علمی فیضان میں یہ حال رہا آج ہم اُنھی اسلاف کے نام لیوا اور انھی کے مسلک و روش کے مدعی ہوکر اس طرح خاموش ہیں۔ ہماری تاریخ پڑھنے والے ہماری نسبت کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو ۔ پھر پسر لائق میراث پدر کیونکر ہو

حیدری فقر ہے نہ دولت عثمانی ہے ۔ تمکو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

دینی تصنیفات کے قحط و کمی پر مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح لکھا۔ فرماتے ہیں

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر ۔ کہاں ہیں وہ علم الٰہی کے منظر

چلی ایسی اس بزم میں باد صرصر ۔ کہ جس سے مشتعلین دین حق کی سراسر

ادارہ غیر ادیان

دینی تصنیفات کے ساتھ ساتھ ملک میں ایک ادارہ غیر ادیان کا بھی قائم کرنا ضروری ہے۔ جس میں سنسکرت، ویدک زبان اور عبرانی انجیل کی زبان پڑھائی جائے۔ اور یورپ کے مذہبی لٹریچر و مصنفات سے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت کے پیش نظر انگریزی کا بھی انتظام ہو جسکی تفصیل میں نے اخبار اہلحدیث ۱۰ جون ۱۹۶۳ء میں کردی ہے۔ الغرض ہماری گزارش دردمندانہ اور باخبرانہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے علمی و تبلیغی خاطر خواہ مستعد ہو جائیے اور علم دین کے ترقی و عروج کے سامان مہیا کر کے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے سچے عشق کا ثبوت دیجئے۔ مولانا حالیؒ کے لفظوں پر میری اپیل ختم ہے ؎

بس اب علم دین کے وہ پھیلاؤ ساماں ۔ کہ نسلیں تمہاری بنیں جیسے انساں

[illegible] کو راہ ترقی ہو آساں ۔ امیر ان ہیں ... تعلیم تاباں

کرو قدر اُنکی ہنرمن میں پاؤ | ترقی کی اور اُنکو رغبت دلاؤ
دل اور حوصلے اُنکے مل کر بڑھاؤ | ستون اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ
کہ جو قوم کی چھت سے خدمت بچالئے | بٹھائیں اُنھیں سر پہ اپنے پرائے
کروگے اگر ایسے لوگوں کی عزت | تو پاؤگے اپنے میں تم اک جماعت
وہ جسقدر تم سے وہ آج لیگی | تو حق اسکا کل تم کو دہ چند دیگی

حامیان ملت بیضا سے عرض حال

حضرات کرام! ان ہی جذبات وخیالات کے اصول پر علم دین کے قیام وبقاء کی کوشش کے ثبوت میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کی پختہ دو منزلہ عمارت بغیر کسی قومی چندہ کے دس ہزار روپیہ کی لاگت سے مع مسجد ومکانات مدرسہ تیار کرائی گئی تاکہ مدرسہ کو کچھ نہ کچھ استقلال حاصل رہے۔ چنانچہ الحمد للہ آج عرصہ تیس سال سے ملک کی صحیح دینی خدمات نیپال راج جیسے سنگلاخ علاقہ میں انجام دے رہا ہے۔ اس مدرسہ کے پاس کچھ زمینوں کے اوقاف ہیں۔ جنکا غلہ سال بسال وصول ہوتا رہتا ہے اور کچھ اس میں کرایہ کے مکانات ہیں۔ اس مدرسہ کا ایک تعارف نامہ ہر دو رقی شایع ہو چکا ہے۔ اصحاب خیر اگر تعارف کی ضرورت سمجھیں تو وہ تعارف نامہ طلب فرماکر ملاحظہ کریں۔ اس میں مخدومی مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تصدیق و مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی تائید بھی موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس مدرسہ میں بادئی تفسیر و درس نظامیہ کی تعلیم کیلئے دو عربی مدرسین اور ایک درجہ حافظہ کے مدرس اور دو ماتحت مدرسین ہیں۔ تیس طالبعلموں کے خورد و نوش اور اساتذہ کی تنخواہ کا مدرسہ کفیل ہے۔ جسکا بیشتر حصہ اہل علاقہ کے عشری غلہ کی صورت میں ادا ہو جاتا ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ نقد وجنس کا میں اور میرے ہر دو چچا صاحبان ملاکر مدرسہ کو دیتے ہیں۔ بہرحال مدرسہ کا اندرونی نظام معقول صفائی طور پر انجام پاتا جا رہا ہے۔ جسکی تصدیق اتفاقی مشاہدے سے ہو سکتی ہے۔ صرف ایک ضروری امداد کیلئے گذشتہ دو تین سالوں سے البتہ اپیل کی جا رہی ہے جو مدرسہ کی افتادہ زمین پر بنوانی بے حد ضروری ہے۔ بعض صاحب درد اہل کرم کی امدادیں دو سو پچاس کی بذریعہ مولانا عبد الماجد صاحب اور بعض رقوم دیگر بزرگوں کے توسط سے پہونچی تھیں، ان سے کچھ تعمیر ہوگئی اور کچھ کے لیے رؤسائے قوم و اصحاب خیر کے عطایا کا انتظار رہے۔ بقیہ تعمیر کے لیے کم از کم چار ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ معاونین کرام کی رقوم کی فہرست آخر میں بذریعہ صدق شایع کردی جائیگی انشاء اللہ تعالےٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں کو توفیق عطا فرمائیں کہ علم عربی کو پروان چڑھائیں۔ عربی کے دینی اداروں کی بیش از بیش مددتیں انجام دیکر جنت میں گھر بنوائیں۔ ان حقائق اور صحیح حالات کو زیر نظر رکھکر ملت کی دردمندی کا عملی ثبوت دیں۔ جنکو ہم نے زیر نظر مضمون کے اوائل میں ازدیاد بصیرت وعبرت کے لیے آپ کے سامنے رکھدیا ہے۔ اب مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیش قیمت اپیل پر یہ معروضہ ختم ہے ؎

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو عزت | جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں [illegible] ہو گنوانے کی عزت | جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
انھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

(بقیہ صفحہ ۴)

الاسواق - یاکل الطعام - ہمارے نبی ہو جانے پر جس طرح اسکے کھانے پینے میں فرق نہیں آتا اسی طرح ترجمانی وحی میں بھی فرق نہیں آتا۔ اس سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر نبی پر الہام اسکی قومی زبان میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی جس قوم میں جائے جس قوم کو خطاب کرے وہ اسی کی زبان میں کریگا تاکہ انکو سمجھا سکے خواہ وہ اس قوم میں مبعوث ہو یا نہ۔ اگر آنحضرتؐ کو غیر عرب لوگوں سے واسطہ پڑتا تو آپ اسی زبان میں بولتے۔ ان اللہ الملہم جمیع اللغات نظر ان یکلم بلسانهم وان لم یثبت انه تکلم بالترکیة لانه لم یتفق انه خاطب احدا من الترک ولو خاطبه لکلمه بها (تفسیر صاوی ص ۲۱۶/۲ وجمل ج ۲ ص ۵۱۴) شیخ اسماعیل بروسوی کا قول ہے : المولی ابو السعود حیث قال الا لمنبیا بلسان قومه مشکل لعمومه ان ارسل الیهم من الامم المتفقة سواء بعث فیهم ام لا (روح البیان ص ۴۹۵/۴)
اس آیت کی تشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہو سکتی ہے جو جناب نے ایک حمیری مریض کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ لیس من امبر امصیام فی امسفر - وہ من البر الصیام کو نہ سمجھ سکتے تھے اس لیے انکی زبان کو جس سے آنحضرتؐ اسوقت خطاب فرما رہے تھے استعمال فرمایا۔ اسی آیت کی تفسیر میں امام کلبیؒ تو یہ بھی فرما گئے ہیں کہ قومہ کی ضمیر کا مرجع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہر نبی کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (عربی) سے بھیجا جاتا ہے۔
ائمہ تفسیر و حدیث کی ایک معتد بہ جماعت کا نظریہ یہی ہے کہ الہام عربی میں ہوا۔ رہا یہ عقلی شبہہ کہ غیر عربی نبی عربی الہام کو کس طرح سمجھ سکتا ہے اسکے جواب کی ضرورت ہی نہیں رہتی جبکہ نبی کی حالت کا امتیازی اندازہ لگایا جاتا ہے جب نبی کے ہاتھوں کتنی امور خلاف عادت صادر ہوتے ہیں تو یہ کیا مستبعد ہے کہ وہ الہامی زبان کو سمجھ جائے۔ آخر علمائے کرام یہی تو کہہ گئے ہیں کہ قبر میں ملائکہ کا سوال من نبیک ما دینک عربی میں ہوگا اور بندہ بھی جواب عربی میں دیگا۔ اور پھر جنت میں لسان اہل الجنۃ عربی ہی ثابت ہے ہی۔ یہاں جو مسلم ہے وہ وہاں بھی ہے بلکہ جب اقوام ماتحت سے نبی کا خاص لفظ کے تلفظ کا ارشاد ہوا تو نبی نے قوم کو اس عربی لفظ کے تلفظ کا حکم فرمایا قولوا حطۃ کی تفسیر تو مفسرین اور اہل لغت کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ لفظ عربی ہے۔ صرف ایک چیز کی شہرت پر اسے حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح الہامی زبان عربی ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی صاف ہے کہ قرآن غریب سارے کا سارا عربی ہے اس میں ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں۔

صدق - باہر کے کسی مضمون کے صدق میں چھپ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ادارہ بھی اُن نتائج سے متفق ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)	وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

رشید آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے

ششماہی ۴ عہ

بیرون ہند سے سالانہ ۱۵ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۲۹ | یوم سہ شنبہ ۱۲۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱۔ اگست سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

جولائی کا مہینہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے کھلنے اور نئے داخلوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے ایک اسکول میں ایک خاندان کے دو لڑکوں کا داخلہ کرانا تھا۔ معلوم ہوا کہ تاریخ، جغرافیہ، انگریزی زبان، حساب وغیرہ کی طرح ایک لازمی مضمون راگ راگنی یا موسیقی بھی ہے! اور اس سے مستثنیٰ ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب لڑکے کے والدین، سرپرست استثناء کی درخواست دے دیں! —— معلوم پہلی بار تھوڑے سے ہی ہوا۔ یہ کہیے کہ بھولی ہوئی بات پھر تازہ ہو گئی۔ علم تو تین چار سال قبل ہی ہو چکا تھا۔ بلکہ سنہ ۱۹۴۱ء کے پرچوں میں چھوٹے بڑے متعدد مضمون اسی پر انھیں صفحات میں نکل چکے ہیں۔ اور جمعیۃ العلماء کے توجہ دلانے پر مراسلت صوبہ کے ڈائرکٹر و منسٹر محکمہ تعلیمات سے بھی کی تھی۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تعلیم لازمی نہیں، جسکا جی چاہے، والدین کی طرف سے درخواست دلوا کر اپنے کو مستثنیٰ کرا سکتا ہے! —— گویا یہ جواب کافی تھا! کتنے سرپرست اس زحمت و طوالت کو گوارا کریں گے؟ کتنے طلبہ خود ایسے دلکش مضمون سے اپنے کو مستثنیٰ کرانا چاہیں گے؟ اور گویا میوزک ماسٹروں کی مد میں کوئی جزو مسلمان طلبہ کی فیسوں کا شامل نہیں ہونے پاتا!

غرض یہ کہ یہ بدعت کئی سال سے صوبہ کے اسکولوں اور کالجیئیٹ اسکولوں میں جاری ہے۔ گانا بجانا کسی زمانہ میں مخل تعلیم رہا ہوگا، اب جزو تعلیم ہے۔ کسی زمانہ میں منافی شرافت سمجھا گیا ہوگا۔ اب لازمہ شرافت ہے۔ اب گویے ہونے میں ذلت نہیں، عزت ہے۔ شرمانے کی بات نہیں فخر کرنے کا موقع ہے —— مسلمان لڑکے اپنے ہم سن ساتھیوں کو گلا سے بجاتے دیکھ کر کب تک غیر متاثر رہ سکتے ہیں؟ کتنے نیم پختہ ہیں، کتنے سب تک پہنچے ہیں؟ کتنے اپنے کو ان دلچسپیوں سے دور رکھ سکتے ہیں؟ —— مسلمان اپنی آنکھوں سے اس تہذیبی (کلچرل) انقلاب کو دیکھ رہے ہیں، اور ٹس سے مس نہیں ہوتے، گویا اہل حمیت و غیرت کو حرکت میں لانے کے لیے یہ اتنا بڑا دھکا بھی ناکافی ہے، اور انتظار اس سے زیادہ زبردست ٹھوکر کا ہے! گویے کی تحقیر اسلامی شریعت نے اگر دلوں میں بٹھائی تھی، ہندی اور فرنگی تہذیب کے اتحاد نے پھر اسی مردہ کو زندہ کر اٹھایا! اور جو حقیر سمجھا جا چکا تھا، اسے معزز بنا کر شریفوں کی محفل میں پھر سے لا بٹھایا!

صوبہ کے تعلیمی بورڈ میں مسلمان پانچ ہیں (کل ممبروں کی تعداد شاید ۲۷ ہے)۔ ایک مسلمان ممبر کا بیان ہے کہ "ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ ہماری دال نہ گلی، اور ہم نے مخالف ووٹ دے کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ ۲۷ ممبروں میں ہم کل پانچ ہی تو تھے" —— خیر، کر تو مسلمان اس سے زیادہ سکتے تھے، اسی مسئلہ پر رکنیت سے مستعفی ہو جانا تھا۔ لیکن وہ تو جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اصل سوال مسلمان قوم، اس کے ڈسٹرکٹ بورڈوں اور اخبارات کا ہے۔ یہ سب حال سننے اور جان لینے کے بعد بھی سکوت قائم رہیگا؟ اور مسلم لیگ بھی خاموش رہیگی، اور جمعیۃ العلماء بھی کوئی مزید قدم نہ اٹھائیگی؟ اسلامی تہذیب و تمدن پر یہ کھلا ہوا حملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ مسلمان بچوں کی نظر میں ایک معصیت کا بہلکا کر دکھانا، بلکہ اسے خوشنما صورت میں پیش کر کے اس پر انھیں اور دلیر کر دینا

نہیں تو اور کیا ہے؟ — صوبۂ متحدہ کو صحیح یا غلط، بہرحال اب تک اپنی "اسلامی تہذیب" پہ ناز تھا۔ یہ حال جب وہاں کا ہوا تو بہار، سی پی، مدراس، بنگال اور بمبئی کے علاقوں کی کوئی کیا کہے!

بزمِ فرنگ

ایک ولایتی جہاز کے مسافر کا خط نہر سویز کے اُس پار سے:

"سمندری سفر قریب ۱۴ دن کے رہا، اور تفریحوں اور تکلیفوں دونوں کے تجربے ہوئے۔ شروع میں تو بحرِ عرب نے اپنا بڑا زور دکھایا۔ جہاز کے ہچکولوں سے مسافروں کو چکر آنے لگے، ادھر کھانا کھایا اُدھر منتقل ہوگئی۔ جسے دیکھیے کوئی منہ پیٹے پڑا ہے، کوئی سر دبائے بیٹھا ہے۔ بہتوں کے رنگ پیلے پڑگئے۔ جہاز پر لیڈیاں بھی تھیں۔ سمندر نے انکی نزاکتوں کا بھی کچھ پروا نہ کی اور سب سے زیادہ غیر حالت انہیں کی تھی۔ اب نہ "میک اپ" کا خیال تھا، نہ لباس سنوارنے کا ہوش تھا، نہ "لپ اسٹک" باقی۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی۔ جب جان پر آ بنتی ہے تو فیشن اور خودآرائی ایسے میں رخصت ہو جاتی ہے۔ قریب ۶ دن کے یہی رنگ رہا۔ غضبناک سمندر معلوم ہوتا تھا کہ جہاز کو تہ آب نذر کرکے چھوڑیگا۔ ایک طرف پانی کی اونچی اونچی ڈراؤنی موجیں، دوسری طرف تند ہوا کے سخت تھپیڑے، بس، خدا ہی خدائی نظر آرہی تھی۔ خیر خدا خدا کرکے ہم عدن پہونچ گئے۔ اسکے بعد موسم بدلا۔ جان میں جان آئی اور حواس درست ہوئے۔ اب پھر وہی بناؤ سنگار کا شوق اُچھلا اور اپنی انتہا کو پہونچا۔ شیطان نے اپنے جوہر دکھانے شروع کیے۔ گھوڑ دوڑ، تاش، تمبولا، بےبی شو، اور کتنے ہی اور کھیل تماشے ہونے لگے۔ حسن و عشق کی داستانیں شروع ہوگئیں۔ دن چھپتے ہی عجب عجب منظر پیش نظر ہو جاتے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کے کسی شہر کا ٹکڑا ٹوٹ کر سمندر میں آگرا ہے۔ تفصیل لکھنے بیٹھوں تو یہ عریضہ بالکل "نئے ادب" یا "ترقی پسند ادب" کی عریانیوں کا نمونہ بنجائے۔"

لیکن ولایتی جہازوں کے یہ مشاہدے اور تجربے کچھ نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ اسکے قبل بھی کتنے سیاح یہی دیکھ سن چکے ہیں، یہی لکھ پڑھ چکے ہیں۔ اور اس داستان کو شاید سب سے زیادہ دلچسپ انداز میں اور اسے "نیا ادب" کا نمونہ بنائے بغیر تو اُردو کے مشہور و مشاق اہل قلم جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی ایڈیٹر "پیام" اپنے دورِ تجدد سے قبل اپنے سفرنامہ "نقشِ فرنگ" میں سپردِ قلم فرما چکے ہیں۔ — جہاز تو خیر رندی و سرمستی کے مظاہروں کے لیے خاص طور پر بدنام ہیں، باقی وہ ریل ہو یا ہوائی جہاز، موٹر ہو یا لاری، "صاحب" کے عشرت خانے، "صاحب" کا ساتھ آخر کہاں چھوڑتے ہیں؟

تو جدھر جائیگا نقشہ کوئی بدلا ہوگا!

یہ مصرعہ اُنکی تہذیب و تمدن کے حق میں لفظاً بلفظ حسبِ حال!

جوا، جوئے کی غرض سے

الہ آباد ۱۰ - جولائی

آج ہائیکورٹ میں مسٹر جسٹس سنہا کی عدالت سے بارہ ہندو ملازمین کو جنھیں قماربازی کے الزام میں مجسٹریٹ اور سشن جج کی عدالتوں سے سزا ملی تھی، اپیل میں بری کردیا گیا۔ جسٹس موصوف کا استدلال یہ ہے کہ یہ جوا دیوتھان اکادشی کی رات میں کھیلا گیا تھا، جبکہ دیوالی کی رات کی طرح ہندو شگون کے لیے جوا کھیلا کرتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ قانون نے اسکی اجازت دے رکھی ہے اس لیے ملزموں کا عین جوا کھیلتے ہوئے ۱۲۰۰ روپیہ کی رقم کے ساتھ ایک مجسٹریٹ کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا اور ہندوؤں کے ساتھ غیرہندوں (مسلمانوں) کا بھی شریک ہونا اثبات جرم کے لیے کافی نہیں۔ قانونی دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جوا نفع حاصل کرنے کے لیے کھیلا جائے، نہ کہ وہ جوا جو ایک تہوار کے دن محض جوے ہی کی غرض سے کھیلا جاتا ہے۔ سزا دلانے کے لیے ضروری تھا کہ استغاثہ جوے کی تجارتی نوعیت بھی ثابت کرتا۔ مجسٹریٹ اور سشن جج دونوں کا یہ کہنا کہ ملزموں میں ہندوؤں کے ساتھ غیرہندو بھی تو تھے، کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب جوا ہونے لگتا ہے، تو ہر مذہب و ملت کے لوگ اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں۔ ان حالات میں کل ملزم جبکہ انکی نسبت کسی خلاف قانون عمل کی نیت ہی نہیں، جرم سے بری کیے جانے میں (لیڈر، لکھنؤ، ۱۱ جولائی ۴۵ء)

انگریزی قانون کی یہ تشریح ایک ہندو جج عدالت العالیہ کے قلم سے ملک کے جواریوں کو مبارک ہو، کہ ہر جوا جرم کا حکم نہیں رکھتا، اور جرم وہی جوا ہے، جو نفع کے لالچ سے کھیلا جائے! — "ادب ادب کی غرض سے" "آرٹ آرٹ کی غرض سے" یہ ترکیبیں عرصہ سے رائج تھیں، آج اسی وزن و قافیہ میں یہ فقرہ ڈھلا ہوا بھی خوب سننے میں آیا کہ "جوا، جوے کی غرض سے"! — ہندی تہذیب اور افرنگی تہذیب کی ان باریکیوں، ان نزاکتوں تک خشک، کھرے مسلمان کا دماغ پہونچ ہی کہاں سکتا ہے؟

جو گنہ کیجیے ثواب ہے آج!

نفس کے سپاہی

مفتوح جرمنوں سے اہالی جارحہ کے حکم ممانعت کی تشریح ایک بڑے اتحادی فوجی افسر کی زبان سے:

"اسکی ممانعت نہیں کہ سپاہی اپنی رات کسی جرمن عورت کے ساتھ بسر کرے۔ ممانعت اسکی ہے کہ وہ صبح اسکے ساتھ ناشتہ کی میز پر نہ دیکھا جائے۔" (لیڈر، ۱۲ - جولائی ۴۵ء)

کنیڈین سپاہیوں کا بلوہ جو برطانوی ساحلی شہروں پر کئی دن تک برپا رہا [illegible]۔

ایسوسی ایٹڈ پریس ۔ ۵- جولائی آج رات کو پھر کنیڈین سپاہیوں نے
یہاں کھلے بندوں اودھم مچایا، اور چیزوں کو نقصان پہلے سے زیادہ پہونچایا
وہ گھنٹوں سے زیادہ وقت تک وسط شہر میں ہنگامہ مچاتے رہے،
اور انکے افسروں کی انھیں قابو میں لانے کی کوششیں بیکار گئیں۔
... انکی ایک ٹولی ایک بھٹی میں گھس گئی، اور شرابوں کا بازار
ذخیرہ صاف کر گئی۔ ایک سڑک پر کسی کھڑکی کا ایک شیشہ سالم
باقی نہ رہا۔ ایک بڑے ہوٹل کے نیچے کی منزل کی ساری کھڑکیاں
ٹوٹ پھوٹ کر رہیں (اسٹیٹسمین - ۱- جولائی)

فوج کا ہر سپاہی اپنی جگہ پر جانباز و سرفروش ہوتا ہے۔ ان مہذب
سپاہیوں کو تربیت اسکی ہمیشہ دی ہے کہ دشمن کے مقام پر سختی سے
سختی ترحم کھاؤ، یہاں تک کہ اپنی جان عزیز اس پر نچھاور کر دو۔
ان غریبوں کو کبھی اس تعلیم کی ہوا لگی ہے کہ شراب خواری حرام ہے،
زناکاری معصیت ہے، چوری اور پرائے مال پر دست درازی جرم
ہے؟ انکے نصاب اخلاق میں کہیں بھی یہ سبق درج کیا!——
پھر اس پر حیرت کیوں کیجئے، کہ ہمارے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کے
"وحشی" سپاہیوں کے بڑے سے بڑے جنگی کارناموں، فتح مصر، تسخیر
ایران، جہاد عراق، فتح شام، تسخیر روم کے دفتر شراب خواری، زنا
کاری، رعایا کی لوٹ مار کی سیاہ سطروں سے خالی ہیں؟——
اللہ کے سپاہی اور نفس کے سپاہی قیامت تک ایک سطح پر آسکتے
ہیں؟

عصمت کی قرباں گاہ

بنگال گورنمنٹ نے اعداد شایع
کیے ہیں، کہ جب سے اس نے کلکتہ میں امراض خبیثہ کے لیے ایک
مستقل اسپتال کھول دیا ہے، مریضوں کی تعداد میں خاطر خواہ ترقی
ہو رہی ہے۔ ۱۰ مہینے کے عرصہ میں ۴۲ ہزار نئے مریض داخل ہوے
اور اب اس میں مریضوں کی تعداد ۲۵,۲۸۸ سے اگنی بڑھ کر
۴۶,۶۷۶ تک ہو چکی ہے"۔ (اسٹیٹسمین - یکم جولائی)
کیا کہیے، کہ جنگ ہی ختم ہو گئی، ورنہ گورے سپاہیوں کی فوج
شہر میں اگر اور عرصہ تک رہ جاتی، تو شاید شہر کا شہر ہی ایک پورا
شفا خانہ امراض خبیثہ بن جاتا!—— یہ پونے تین لاکھ سے
اوپر کی تعداد صرف انکی ہے، جنکا داخلہ اس سرکاری
اسپتال میں ہوا!

دو عطیے

ڈربن (جنوبی افریقہ) سے ایک صدق نواز نے تار کی ہدایت
عنایت کی، کہ ۵۰۰ مدرسۂ سراج العلوم جھنڈے نگر کو بھیج دیے
جائیں اور ۵۰۰ مولانا محمد اسد دریس کے انگریزی ترجمۂ صحیح بخاری
کی اشاعت میں لگائے جائیں۔ بینک کا کمیشن اور منی آرڈر کا محصول وضع
کرنے کے بعد ۴۹ روپیہ کی رقمیں دونوں جگہ ارسال کر دی گئیں۔

سورہ بقرہ رکوع ۲۳

سلسلۂ صدق ۶۷

وابتغوا ما کتب اللہ لکم	اور اسے تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ [۳۱۱]

بقیہ حواشی نمبر سابق

[۳۰۹] یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صحبت کر لیتے تھے، اور جو حکم ممانعت اب تک تھا اسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔

[۳۱۰] یعنی پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا، اور آیندہ کے لیے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دیدی۔

[۳۱۱] (اپنے معمولی طریقہ پر جیسے رمضان کے علاوہ دوسرے زمانوں میں کر لیے رہتے تھے۔)

باشروھن صیغۂ امر ہے۔ مراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔
مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے
کنایۃ عن الجماع (قرطبی) کنی بہ عن الجماع (بیضاوی)

[۳۱۲] (یعنی صورت اولاد اور بطور میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے)

ما کتب اللہ لکم سے مراد اولاد، اور اولاد صالح ہے۔ عمل مباشرت میں اگر صحیح سن میں اور مناسب وقت پر ہو، تو بڑی گہری طبعی لذت بھی ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی مقصد افزائش نسل اور حصول اولاد رکھا ہے، کہ امت کی قوت اور کثرت برابر اضافہ ہوتا رہے، اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا ذریعہ بنتی ہے۔
—— ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنتی رہتی ہے فرد کی حیات و بقا کا، اور اسکی تقویت جسم کا۔
ای ما قضی اللہ لکم من ولد صالح (ابن عباس رض) یعنی الولد قالہ اکثر المفسرین (معالم)، اور ابن کثیر نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباس رض، ابو ہریرہ رض، انس رض جیسے صحابیوں سے لیکر قاضی شریح، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، عطا، سعید بن جبیر وغیرہ اکابر تابعین سب کا اجماع نقل کر دیا ہے

"لکھ رکھا ہے" یعنی لوح محفوظ میں۔ اپنی مشیت تکوینی سے۔ ای فی اللوح المحفوظ (معالم) ما اثبت فی اللوح من الولد (کشاف)

بعض نے وابتغوا سے مراد شب قدر کی تلاش اور ما کتب اللہ لکم کے معنی اسکے اجر و ثواب کے لیے ہیں، لیکن اہل تحقیق نے رد کر دیا ہے
ھو قریب من بدع التفاسیر (کشاف)
وابتغوا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلب افزائش نسل ہے، نہ کہ ارادی ممانعت یا عزل۔

ان میں پڑھتے ہیں۔ منافقین یہود کی اور جانی شرارتوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے

ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا — پھر نہ جوار میں رہیں گے تمہارے مگر کم (مدت تک یا انکی کوئی تھوڑی سی مقدار)

جس سے مجاورت اور جوار کے الفاظ کی حقیقت متعین ہوئی ہے کہ کسی شہر یا کسی ملک کے باشندے باہم ایک دوسرے کے ہم جوار ہیں، کیونکہ ان منافقین کو اسی کی تو دھمکی دی گئی تھی کہ اپنی حرکتوں سے اگر باز نہ آؤ گے تو پیغمبر کی مجاورت سے تم کو محروم کرکے جلاوطن کر دیا جائیگا اب ظاہر ہے کہ یہود کے یہ منافقین مدینہ و اطراف مدینہ کے سوا خیبر وغیرہ کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور بالآخر انکو اپنے کیے کی سزا اسی شکل میں بھگتنی پڑی تھی کہ عرب کی سرزمین سے جلاوطن کر دیے گئے۔

بہرحال یہ ایک طویل لمبی بحث ہے، خلاصہ یہی ہے کہ جوار کے جس حق کا اسلام میں ذکر کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تشریح کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

الجیران ثلاثۃ فجار لہ ثلاثۃ حقوق حق الجوار وحق القرابۃ وحق الاسلام وجار لہ حق الجوار المشرک (صحاح) — ہم جوار لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک قسم کا جوار اور پڑوسی تو وہ ہے جو تین تین حق رکھتا ہے یعنی جوار کا حق، رشتہ داری کا حق اور اسلام کا حق۔

اور دوسری قسم وہ ہے جسے دو حقوق حاصل ہیں پڑوس کا حق اور اسلام کا حق، اور تیسری قسم وہ ہے جسے ایک حق حاصل ہے۔ یعنی مشرک پڑوسی۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان جس محلہ، جس شہر یا جس ملک میں رہتے ہوں وہاں کے عام باشندے خواہ ان سے رشتہ ہو یا نہ ہو، بلکہ وہ مسلمان ہوں یا مسلمان نہ ہوں، لیکن صرف وطنی تعلق مسلمانوں پر انکے حق کو قائم کر دیتا ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ محلہ کے پڑوسیوں کے حقوق کو شہر والوں سے اور شہر والوں کے حقوق ملک کے عام باشندوں کے حقوق پر مرجح ہونگے۔ اسی طرح جنھیں حق قرابت و حق اسلام بھی جوار کے حق کے ساتھ حاصل ہونگے ان کو ایک دو حق رکھنے والوں پر ترجیح ہوگی، اور دو حق والے کو ایک حق والے کے مقابلہ میں برتری عطا کی جائیگی۔ بہرحال یہ مسائل تو بجائے خود بہت تفصیل طلب ہیں، یہاں انکے ذکر کرنے سے صرف اتنی غرض ہے کہ زکوۃ کے سوا بھی مالی مطالبات کا ایک سلسلہ اسلام میں باقی رہتا ہے۔ اسکا ثبوت جیسا کہ حافظ ابن حزم نے لکھا ہے اپنے الفاظ میں مجھے پیش کرنا تھا۔ انہوں نے ضحاک بن مزاحم کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے یعنی زکوۃ ادا کر دینے کے بعد مسلمانوں کے مال میں پھر کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، خود بھی یہ لکھا ہے

نیری فی المال حقوقا سوی الزکوۃ منہا النفقات علی الابوین وعلی الزوجۃ وعلی الرقیق وعلی الحیوان والدیون والارش فظہر تناقضہم۔ — (میرا مخالف) بھی تو اسکا قائل ہے کہ زکوۃ کے سوا بھی مال میں حقوق ہیں جس میں والدین پر خرچ کرنے کا حق، بیوی کے نفقہ کا خرچ، غلام کے مصارف کی ادائیگی، حیوان (مویشی وغیرہ) پر خرچ، قرض اور تاوان (جو کسی کے عضو وغیرہ کو نقصان کرنے سے ادا کرنے پڑتے ہیں) یہ سارے حقوق مال ہی پر عائد ہوتے ہیں جو یقیناً زکوۃ کے سوا ہیں۔ اس سے ان لوگوں کا تناقض بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ نادار والدین کے مصارف کی ادائیگی جب اولاد کے سرمایہ سے قرآن کی مذکورۂ بالا آیات سے ضروری ٹھہرائی گئی ہے اور ان ہی آیتوں کی بنیاد پر فقہاء کا یہ فتویٰ ہے کہ

ان جمیع ما یجب للمرأۃ للاب والام علی الولد من طعام وشراب وکسوۃ وسکنی (ص ۲۰۲ بحر الرائق ج ۴) — بیوی کے نفقہ کے سلسلہ میں شوہر پر جو کچھ واجب ہوتا ہے وہی کچھ بیٹے پر اپنے (نادار) باپ ماں کے نفقہ کے سلسلہ میں واجب ہے، یعنی کھانے پینے، کپڑے، مکان کا نظم انکے لیے کیا جائے۔

قرآن نے والدین کے ساتھ "جار ذی القربی" "جار جنب"[1] "صاحب بالجنب" کو بھی جب داخل کیا جاتا ہے، تو ان لوگوں کے متعلق بھی کیوں نہ سمجھا جائے کہ ملک کے سرمایہ داروں سے انکی ضرورتوں کے لیے اتنی رقم وصول ہو جائیگی جس سے ان قرآنی ارباب استحقاق کے اکل و شرب لباس و مکان کی ضرورتوں کی تکمیل ہو سکتی ہو۔ جب والدین کے علاوہ عام طور پر فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ

کل من وجبت علیہ نفقۃ غیرہ یجب علیہ لہ المأکل والمشرب والملبس والمسکن والرضاع ان کان رضیعا لان وجوبہا للکفایۃ والکفایۃ تتعلق بہذہ الاشیاء — ہر وہ شخص جس پر کسی کا نفقہ واجب ہو جائے تو اسکا مطلب یہی ہے کہ اس پر واجب ہے اسکا کھانا اسکا پینا اسکا لباس اسکا مکان، اور دودھ پلوانے کی ضرورت اگر شیرخوار ہونے کی وجہ سے ہو تو اسکا بھی نظم کرنا واجب ہوگا، کیونکہ ان چیزوں کے وجوب کے معنی یہی ہیں کہ اُسکے لیے کافی ہو جائے اور ان چیزوں کے بغیر ضرورتوں کی چیز کیسے کافی ہوگی۔

[1] بات یہ ہے کہ آدمی جن لوگوں کے ساتھ کسی ملک میں زندگی گزارتا ہے، ان چند ہی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ یا رشتہ دار ہوتے ہیں یا ایسے جن سے رشتہ نہیں ہوتا۔ پھر جن سے رشتہ نہیں ہوتا ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے آدمی کی دوستی ہو جاتی ہے میں انھی لوگوں کو "صاحب بالجنب" سمجھتا ہوں، اور بعضوں سے نہ رشتہ ہوتا ہے اور نہ دوستی، لیکن مقام سکونت میں اشتراک ان سے ہی، یہی جار جنب کے مصداق ہو سکتے ہیں، جنکے معنی یہی ہے کہ جس سرزمین میں آدمی رہتا ہو، وہاں کے تمام باشندوں کا اس پر حق ہے کسی کا ایک کسی کا دو اور ان تعبیروں سے قرآن کا اشارہ بھی حقوق کے مساوی درجوں کی طرف ہے۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

فعلی استبعاد ہے؟ "فتمثل لہا بشراً سویا" اور "لقد جاءت رسلنا ابراہیم بالبشریٰ" وغیرہ آیات قرآنیہ میں شکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت انکی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے اس لیے انکے اجساد مبارکہ پر روحانی کیفیات آسانی طاری ہو سکتی ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج نص قرآن سے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود و عروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے وہاں صعود و نزول آناً فاناً قابل انکار نہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی پھر نزول آسمانی میں کیا چیز پیش آرہی ہے۔ تمام انبیاء کرام سے عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت زیادہ قوی تھی روح اللہ انکا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ پھر حق تعالیٰ جل شانہ کے ارادہ کی تقاضا جیسی جذب نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہو تو اس میں کونسی حیرت کی بات ہے۔ آجکل مسمریزم اور اسپریچولزم کے عملیات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الٰہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتا۔ خیر! یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ و رسول کوئی بات ارشاد فرمائیں۔ ہمیں بجز تسلیم کے کوئی مخلص نہیں۔ قولہ تعالیٰ "ما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرة" (اللہ و رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا) عقیدہ کی تنقیح کے دو جز ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفع۔ اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول۔ یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں۔ جب نزول مانا جائیگا تو رفع جسمانی خود بخود ماننا پڑیگا۔ اس لیے اس مضمون میں اس جز کو نہیں لیا گیا۔ باقی یہ تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں، تھوڑی دیر کے لیے یا زیادہ دیر کے لیے رفع بحالت منام ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے۔ لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں منقح فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا۔ اسوقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا۔ اتنا عرض کر دیا گیا۔ اس پر کفایت کی جاتی ہے۔ توقع ہے کہ طالب حق کے لیے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

خلاصہ مراسلات

(۱) مدرسہ عربیہ بدریہ - نگرام ضلع لکھنؤ

یہ مدرسہ درسگاہ عربی ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت گاہ بھی ہے اور ہمیشہ تبلیغ دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ [illegible] سال سے پریشانیوں کا شکار ہے۔ غیر مستطیع طلبہ بھی اس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جو اہل خیر ماہ رمضان میں اس درسگاہ کی امداد کرنا چاہیں، مہتمم مدرسہ مولوی سید عبد الغفار صاحب قادری مجددی، مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام ضلع لکھنؤ کے نام ارسال فرمائیں۔

(۲) جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

اس درسگاہ کی خصوصیات یہ ہیں (۱) علوم دینیہ کی مکمل تعلیم ہوتی (۲) دورۂ حدیث شریف کی تعلیم بھی مکمل ہوتی ہے۔ (۳) صوبہ کے علوم مشرقیہ کے امتحانات سرکاری مثلاً مولوی، منشی، عالم، فاضل وغیرہ کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ (۳) ائمہ مساجد کی ٹریننگ کا کلاس قائم ہے۔ (۴) درجہ حفظ و تجوید قائم ہے (۵) چمڑے کا کام سکھایا جاتا ہے تاکہ طلبہ بوٹ سازی و چپل سازی وغیرہ کے ذریعہ حلال طور پر کسب معاش کر سکیں۔ (۶) اس غرض سے پارچہ بافی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ (۷) مدرسہ کے تحت جمعیۃ الاسلام قائم ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس کے طرز پر ۱۰۵ مقامات اور دیہات میں تبلیغی کام کر رہی ہے۔ (۸) مدرسہ جابجا اسلامی مکاتب قائم کرا رہا ہے (۹) طلبہ کی تربیت دینی و اخلاقی اور ورزش جسمانی کا خاص انتظام ہے۔ (۱۰) اسلامی جلسوں میں مدرسہ کی طرف سے مقررین بھیجے جاتے ہیں

اور بہت بڑے پیمانہ پر تبلیغی کام کرنا چاہتا ہے اور درسگاہ کے مسائل بھی زیر غور ہیں۔ لیکن مالی دقتیں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

اہل خیر سے استدعا ہے کہ وہ مولوی محمد احسان الحق صاحب مہتمم مدرسہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے نام اپنی رقوم امداد ارسال فرمائیں۔

داستان ترکستان

ایک عبرت انگیز روداد

(از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب)

بعض مقامات کی رپورٹوں سے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ جب ہمارے کارکنوں نے یہیں مزدور طبقہ کے اندر اشتراکی کارکنوں کے پھیلائے ہوئے زہر کو نکالنے کی کوشش کی، تو اس طبقہ کے مسلمانوں نے انھیں جواب دیا کہ علما تو ان اشتراکی کارکنوں کی موافقت کر رہے ہیں اور انھوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ اشتراکیت سے ہمارے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ پھر آپ ہمیں کیوں ڈراتے ہیں کہ اشتراکیت ہمیں الحاد کی طرف لے جائیگی یا یہ کہ اشتراکیت اسلام کے خلاف ہے۔ درحقیقت ہمارے بعض علماء کرام ہندوستان میں یہ اسی قسم کی غلطی کر رہے ہیں جیسی اس سے پہلے روسی ترکستان کے علماء کر چکے ہیں اور اسکا افسوسناک انجام دیکھ چکے ہیں۔ روسی ترکستان کا اشتراکی انقلاب کوئی بہت پرانی چیز نہیں ہے، اسی

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی ایسی ناگوار صورت پیش آئے تو لڑکیوں کو چاہیے کہ فوراً ہی قریب ترین پولیس کی مدد حاصل کرنے میں ذرا نہ جھجکیں۔"

پرنسپل صاحبہ یہ کیا فرما رہی ہیں! انھیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ شدت اضطراب میں وہ تحدید کی بنیادوں ہی پر ہاتھ صاف کر رہی ہیں! --- لڑکیاں، تعلیم یافتہ لڑکیاں اس قابل نہیں کہ تنہا باہر نکلیں، جب نکلیں تو مرد رشتہ داروں کی حفاظت و نگرانی میں نکلیں، اور قدم قدم پر اپنی عزت کے تحفظ کے لیے پولیس کی امداد لیتی رہیں! --- کوئی کٹر "تحدیث نسواں" یعنی مساوات مرد و زن کے مسئلے کی تردید اور کامل آزادی نسواں کے مسئلہ کی تردید میں اس سے زیادہ کچھ کرنا چاہتا؟

اس جولائی کے مہینے میں، سینکڑوں کالجوں اور اسکولوں کے سیشن کے شروع ہونے پر اسی قسم کے مراسلے پایونیر میں متعدد نکل چکے ہیں، لیکن نتائج جتنے بھی تجویز ہوئے، سب کے سب مانعی، مقامی۔ اور لکھنؤ ہی تک یا زیادہ تر ایک ہی زنانہ اسکول اور ایک غیر مسلم زنانہ درسگاہ کے نام خاص طور پر بدنام ہیں۔ حالانکہ اگر دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان، اور سوچنے کے لیے دل و دماغ ہیں تو بالکل ظاہر ہے کہ مرض سطحی نہیں، گہرا ہے، اور فتنہ مقامی نہیں، ہمہ گیر ہے۔ کیا لکھنؤ اور کیا دہلی، کیا لاہور اور کیا بمبئی، کیا شملہ اور کیا مسوری۔ جہاں جہاں بھی اسکولوں اور کالجوں کی برکتیں پہونچ چکی ہیں، یا سنیما، آپرا ہاؤس وغیرہ کے قدم جم چکے ہیں، کون سی جگہ اس گندگی سے پاک ہے؟ --- اور مرکز و معدن تہذیب، امریکہ کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے نامۂ اعمال پر جو کوئی نظر کرنا چاہے، وہ امریکہ ہی کے محقق اور مستند اہل قلم کی لکھی ہوئی کتاب SEX LIFE OF THE UNMARRIED ADULT پڑھ لے --- روشنی میں اندھیر تو اس بد روشنی کا خاصۂ طبعی ہے۔ اس سے بچنا ممکن کیونکر ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"محقق الدہر صاحب (ضلع مالدہ)" (۱) آپ کا مضمون نزول مسیح سے متعلق انگریزی زبان میں موصول ہوا۔ آپ براہ کرم اسے اردو میں روانہ فرمائیں۔ تو بااصلاح درست کر لی جائیگی۔ اسکی شکرگزاری۔

(۲) پرچہ کا جو نمبر نہ پہنچا ہو اسکے لیے براہ راست دفتر لکھنؤ کے پتہ سے لکھیے۔ ایڈیٹر کے نام مراسلوں میں ضمناً اسکا ذکر کر دینا بالکل لاحاصل ہے۔

گمنام کارڈ نویس صاحب یا صاحبہ ازگلبرگہ: صدق کی ظاہری حالت کے متعلق آپ نے جو توجہ دلائی ہے الحمدللہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اسکے لیے بجائے ایڈیٹر کو لکھنے کے ایک ذمہ دار خط منیجر صدق کے نام لکھنؤ کے پتہ پر لکھنا تھا۔

بطور لطیفہ ہر پرچہ میں زیادہ ایڈیٹوریل پڑھنے کی جو فرمائش آپ نے یہ لکھ کر بھیجی ہے کہ پرچہ؟

نئی کتابیں

(۱) **سراپائے رسول** - از مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی۔ ضخامت ۱۳۶ صفحات۔ قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ: کتابیہ قدوسی، محلہ نام پلی، لال ٹیکری، حیدرآباد دکن۔

رسالہ میں حضور رسول مقبول صلعم کے سراپائے مبارک ہی کا ذکر نہیں، بلکہ تقریباً سارے معمولات زندگی کا مختصر ذکر موجود ہے مثلاً یہ کہ آپ کس طرح چلتے تھے، گفتگو فرماتے تھے، آپ کے کھانے پینے کے آداب کیا تھے، نماز کیسی، کس وقت اور کس خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے، دیگر عبادات کس طرح ادا فرماتے تھے، اپنے والوں کے حقوق کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ آخر میں وفات، تجہیز و تکفین، ازواج مطہرات و اولاد کا مختصر ذکر بھی شامل ہے۔ عربی و اردو کی مستند کتب احادیث و سیر سے مرتب صاحب نے یہ سب چیزیں اخذ کر کے سلیس اردو میں لکھی ہیں۔ مسلم نونہالوں کے لیے یہ کتاب خاص طور پر قابل قدر ہے، اور محافل میلاد میں بجائے مروجہ کتب میلاد کے اسکے مضامین پڑھ کر سنائے جائیں تو عجب نہیں کہ بہت سی بڑی عمر کے مسلمانوں کی بھی اخلاقی حالت کے سنورنے میں بہت کچھ مدد ملے۔ رسالہ کے شروع میں پیش لفظ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے قلم سے ہے۔ (ع - ق)

(۲) **اسلامی نظام** - از حکیم مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی۔ ۱۰۳ صفحات۔ قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ: دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ، مسجد ملے پلی - حیدرآباد دکن۔

دنیا اپنی سیاسی و معاشی ابتریوں کے حل کے لیے بیتاب ہے اور مختلف نظاموں کی ناکامیوں کا مشاہدہ کر کے نظام کو جو اسکے درد کا درماں ثابت ہو، ڈھونڈھ رہی ہے۔ رسالہ ہذا میں اسلامی نظام یا خلافت الٰہیہ کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے اور دلائل سے اسکی اہمیت ثابت کی گئی ہے۔ مولف نے علوم جدیدہ کی کتب کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور جا بجا اثبات مدعا میں اُن سے بھی کام لیا ہے لیکن انگریزی خواں طبقہ کے مذاق کے لحاظ سے عبارت میں اور زیادہ سلاست و حسن ترتیب کی ضرورت تھی۔

اس کتاب میں انسان کی زندگی کو دو حصوں میں حیات طبعی و حیات عقلی میں تقسیم کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دنیا میں اور جتنے نظام ہیں سب کے سب انسان کی حیات طبعی ہی سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ناکافی ہیں۔ بخلاف اسکے اسلام کا نظام حیات عقلی سے روشناس کراتا ہے جسے حقیقی معنی میں انسانی زندگی کہنا چاہیے اور اسی لیے حیات عقلی کا مرکز اسکا اسلام میں توحید کو بنایا گیا ہے۔ توحید کو ماننے سے انسان کی فکری و ذہنی زندگی میں انقلاب عظیم

جو حضور کی زندگی اور مسلمانوں کے عقائد و معاشرت پر ہیں، انکے جوابات بھی سنز و مولفہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیے ہیں۔

غیر مسلموں اور انگریزیت میں مستغرق تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے رسالہ کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ (ع - ق)

(۶) پرانی اور نئی تعلیم مع دیگر مضامین خاص - از محمد شمس الدین صاحب صدیقی مصنف وظیفہ یاب۔ ضخامت ۹۲ صفحات قیمت و ملنے کا پتہ درج نہیں۔

اس مجموعہ میں محمد شمس الدین صاحب صدیقی مصنف وظیفہ یاب (ریاست حیدرآباد دکن) کے ۲۰ مضامین جو مختلف اخبارات میں شایع ہو چکے ہیں شامل ہیں۔ جن عنوانات ملاحظہ ہوں:- پرانی اور نئی تعلیم۔ انگریزی تعلیم کا مقصد۔ پردہ کے نقصان و نتائج از روی ہندوستانی عورت کے متعلق ایک مغربی مصنفہ کی رائے۔ اچھی تعلیم و تربیت کا نتیجہ۔ وغیرہ

ان مضامین میں خاص چیز یہ ہے کہ فرنگیت کے رسوم جاہلیت کے خلاف مضمون نگار نے اپنی ذاتی پوری سعی کی ہے، بے پردگی کے نتائج بد بتائے ہیں، اس دعوے کی شد و مد سے تردید کی ہے کہ انگریزی دوا ہی کارگر ہوگی اور بڑے عہدوں کی ذمہ داریاں جو احسن وجوہ پوری کرنے کے لیے ضروری ہے۔ گناہوں میں مبتلا ہونے پر وقوع عذاب و عقاب خداوندی سے ڈرایا ہے اور قدم قدم پر آخرت کی یاد غافل مسلمانوں کو دلائی ہے۔ چونکہ یہ مضامین زیادہ تر دکن کے اخبارات میں شایع ہوئے ہیں اور اصل مخاطب وہیں کی پبلک ہے۔ اس لیے مثالیں بھی زیادہ تر مقامی ہی دی گئی ہیں (ع - ق)

مراسلہ

عالیجناب مکرم و محترم مدیر صدق جناب مولانا عبد الماجد صاحب ادام اللہ ظلکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، - مزاج مبارک

بہت دنوں سے "صدق" دیکھتا آیا ہوں، اسکی یکانگت بھی کچھ عجب ہے "قدامت پرستی پر ضرب" دیکھ کر بڑا تردد ہوا۔ کیونکہ میں نے قدیم نصاب درس نظامی میں بہت کچھ ترمیم و اصلاح کرکے (اگرچہ یہ کوئی آخری اصلاح نہیں) "جادۂ سلف" سے "انحراف" کا "اصلاحی جرم" کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ کتب احادیث کے درس تعلیم کی ترتیب تک کو بدل دیا ہے ترمذی شریف جلد ثانی کی تعلیم پہلے اور جلد اول کی بعد میں، مسلم شریف پہلے اور ابوداؤد اسکے بعد - بالغ نظر رکھنے والے حضرات تو شاید مباحث و مضامین کے لحاظ سے اسی ترتیب کو احسن کہیں مگر جو بزرگ پرانی ترتیب کو قدرتی اور منزل من اللہ سمجھتے ہونگے بھلا اصلاح کے اس "جرم" کو کب معاف کرینگے - ایک جگہ سات برس تک مقامات حریری کا درس دیا مگر اسکو اپنے یہاں نصاب میں جگہ دینے کی گنجایش نظر نہ آئی۔ سلم، حمد اللہ، قاضی مبارک، تصریح، شرح چغمنی، صدرا، اشارات کو نسی کتاب اس میں ہے جسے پڑھا اور دو دو چار چار مرتبہ تکرار نہ کیا ہو۔

ممتحن کا خوف الگ دامنگیر رہتا کہ کہیں حاشیہ اور منہیہ سے سوال کر بیٹھیں یہ کتابیں جنکا درد اور وظیفہ رہتا تھا - خدا معلوم انکی افادیت کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔ انکو بھی داخل نصاب کرنے سے اپنے کو قاصر پایا۔ ابو الحسن علی صاحب نئے طرز پر کتاب لکھکر روز چارموں پر پہنچے ہیں - دیکھیے مجھے کیا حوادث پیش آتے ہیں علماء و فضلاء کے پاس اور جہت سے اوارہ میں بھیجا جا چکا ہے، آراء و خیالات کا انتظار ہے - آپکے پاس بھی نصاب گیا ہے، اصلاح کی ابتدائی کوشش سمجھ کر اپنی رائے بذریعہ صدق جلد تحریر فرمایئے - بعد رمضان مدارس عربیہ میں تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ ابھی وقت ہے شاید کہیں کچھ اصلاح و ترمیم ہو جائے۔

چونکہ دار العلوم کا نصاب جدید ہے اس لیے درس تدریس کی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں اور بہت ساری کتابیں خریدنی پڑینگی۔ ابو الحسن صاحب کی جو بہت افزائی ہوئی ہے معلوم ہو گئی، دار العلوم کو تجربہ کرنا باقی ہے - خدا جانے قدامت کا بت کب ٹوٹے گا۔ پتہ ذیل سے نصاب جدید مفت طلب کیجیے اور ہو سکے تو ارسال زر بھی۔

عبد الجلیل رحمانی ناظم دار العلوم الہیہ پور
ڈاکخانہ بڑھ پور - ضلع بستی - یو - پی

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد

حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

نمبر (۵)

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

اور بات اسی حد پر ختم نہیں کر دی گئی ہے۔ اس نقطہ کے آخری الفاظ یہ ہیں

فان کان للمنفق علیہ خادم یحتاج الی خدمتہ تفرض لہ ایضاً لان ذلک من جملۃ الکفایۃ ... العسلات

جسکے ضرورت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اگر وہ نوکر کی خدمت کا محتاج ہو تو نوکر کا مہیا کرنا بھی اس پر فرض ہوگا کیونکہ نوکر بھی تو انہی چیزوں میں داخل ہے ضرورتوں میں اطمینانی ہونے کے لیے جنکی حاجت ہے۔

شامی میں ہدایہ سے اس ضابطہ کو نقل کرنے کے بعد یہ بھی اضافہ کیا ہے

والمحتاج الی خادمۃ ان یکون بہ علۃ (شامی ج ۲ ص ۲۲۳)

نوکر کی خدمت کی ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً صاحب نفقہ کو کوئی بیماری ہو۔

یہ واقعہ ہے کہ یہ اور اسی قسم کے فقہی جزئیات کی روشنی میں ان کلیات کا مطالعہ اگر کیا جائے تو اغنیاء کے سرمایہ میں علاوہ زکوٰۃ کے جس حق کو اسلام نے ثابت کیا ہے اسکے ذیل میں قیام طعام وغیرہ کے ساتھ طبی و تعلیمی بلکہ تفریحی مرافق کی تکمیل بھی آسانی داخل ہو سکتی ہے۔

باقی یہ سوال زکوٰۃ کے سوا ان حقوق کی تکمیل کے لیے اغنیاء کے مال سے لینے کا یہ حکم جو اسلام نے دیا ہے اسکی آخری حد کیا ہے؟

حافظ ابن حزم نے جو مواد اس سلسلہ میں لے کے اس مضمون میں جمع کر دیا ہے اور کتاب النفقات میں جو فقہی جزئیات ملتے ہیں، انکو پیش نظر رکھتے ہوئے اسکا جواب بھی متعین شکل میں دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً عام طور پر حنفی کتابوں میں امام محمد کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے

ما یفضل عن کسبہ کل یوم حتی لو کان کسبہ درہما ویکفیہ اربعۃ دوانق وجب علیہ الدانقان للقریب۔ (صفحہ ... نفقات ... علی بحر الرائق)

روز کی کمائی سے جو کچھ بچ جائے اس حد تک اس سے لیا جا سکتا ہے) یہاں تک کہ اگر اسکی کمائی ایک درم روز ہو اور خود کمانے والے کی ضرورتیں چار پیسوں میں پوری ہو جاتی ہوں تو باقی دو پیسوں کو وہ اپنے قریب یعنی جسکا نفقہ واجب ہے اُسے دیدیا کرے۔

جس کا مطلب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا جو کچھ بھی اغنیاء کے پاس رہ جائے اگر ارباب استحقاق کے مطالبات کی تکمیل کے لیے اس کل بچے ہوئے سرمایہ کے لینے کی ضرورت پیش آ جائے تو اسلام اسکے لینے کو یہی نہیں کہ نہیں کرتا بلکہ ضرورت کے وقت لے لینے کا حکم دیتا ہے۔ ابن حزم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا جو ذکر کیا ہے جس میں آپ نے حکم دیا تھا کہ سواری کا زائد اونٹ جس کسی کے پاس ہو وہ اپنے اس زائد از سواری اونٹ کو اُسکے حوالے کر دے جو سواری نہیں رکھتا، اور زاد راہ سے جو کچھ جسکے پاس رہ گیا ہو وہ بچے ہوئے حصے کو اُسکے حوالے کر دے جو زاد راہ نہیں رکھتا۔ نبوت کے اسی طرز عمل کو دیکھ کر صحابہ نے فرمایا کہ

حتی ظننا انہ لا حق لاحد منا فی فضل

ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے یہ سمجھا کہ ضرورت سے زائد جو چیز کسی کے پاس بچ کر رہ جائے اُس میں کسی کا ہم میں سے کوئی حق نہیں ہے (یعنی وہ غریبوں کا حق ہے)

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خیال کہ جو بات آخر میں سمجھ میں آئی اگر پہلے سمجھ میں آتی تو امیروں کے بس انداز سرمایہ کو لیکر میں غرباء پر تقسیم کر دیتا۔ ان تمام امور سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ضرورت سے زائد بچے ہوئے سرمایہ کے متعلق یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ اسلام زبردستی سرمایہ داروں سے اسکو چھین لینا چاہتا ہے کہ امارت اور غربت کے فرق کو مٹا دیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ ان تمام روایتوں کا یقیناً یہ اقتضاء بھی ہے کہ غرباء کی ضرورتوں کی تکمیل میں زائد از ضرورت بچے ہوئے کل سرمایہ کی حاجت اگر کبھی پڑ جائے تو سرمایہ داروں کو اُسکے دینے سے انکار کرنے کا مذہباً کوئی حق نہیں ہے۔ آپ دیکھ چکے کہ ایک درم کمانے والے کے پاس ذاتی ضرورتوں میں خرچ کرنے کے بعد دو دانق بھی اگر باقی رہ جائے تو حکم دیا گیا ہے کہ ارباب استحقاق کو اگر اسکی ضرورت ہو تو اسکے دینے سے بھی انکار نہ کرنا چاہیے۔ صاحب بدائع نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر جو نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے

لو اصاب الناس السنۃ لادخلت علی اہل کل بیت مثلہم فان الناس لم یہلکوا علی انصاف بطونہم (ج ۲ ص ۳۶)

قحط کی مصیبت میں اگر لوگ مبتلا ہو جائیں تو میں یہ کروں گا کہ ہر خاندان والوں کے ساتھ انکے برابر لوگوں کو شریک کر دوں گا۔ کیونکہ آدھا پیٹ

---

[1] اگر صرف جسم کی پرورش کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ دودھ پلانے والی دایہ مہیا کی جائے تو روح و دماغ کی تربیت جس پر موقوف ہے یعنی "تعلیم" یقیناً اسکا انتظام بھی واجب ہوگا۔ فقہ کی کتابوں میں اسکی تفصیلات مل سکتی ہیں ۱۲

کھانے والے کبھی نہیں مرے ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت مالداروں کے بچے ہوئے پس انداز سرمایہ سے لینے کی اسلام اس حد تک اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد جو کچھ بھی جس کسی کے پاس باقی بچ جائے سب کو لے لیا جا سکتا ہے۔ زائد از ضرورت سواری اور زاد راہ والی حدیث کا تعلق بھی جنگی سفر سے ہے۔ اور فقراء مہاجرین جن میں امیروں کے زائد از ضروریات مال کو خرچ کر دینے کا خیال حضرت عمرؓ نے بطور تمنا کے جو ظاہر فرمایا تھا اس کا منشا بھی یہی ہے کہ مہاجرین بیچارے اپنے موروثی جائدادوں کو چھوڑ چھوڑ کر مدینہ عموماً اس شکل میں پہنچے تھے کہ انکے پاس اپنا ذاتی سرمایہ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ انکے خاص حالات کا لحاظ کر کے حضرت عمرؓ نے اس آرزو کا اظہار فرمایا تھا۔ حافظ ابن حزم نے اس سلسلہ میں مشہور فوجی واقعہ کو بھی یاد دلایا ہے یعنی

صح عن ابی عبیدۃ بن الجراح وثلثمائۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم ان زادہم فنی فامرہم ابو عبیدۃ فجمعوا ازوادہم فی مزودین وجعل یقوتہم علی السواء (ص ۱۵۸)	ابو عبیدۃ بن الجراح اور تین سو دوسرے صحابیوں سے بروایت صحیح یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ زاد راہ فوج کی ختم ہو گئی تب حضرت ابو عبیدہ نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اپنے توشوں کو دو

توشہ دانوں میں اکٹھا کر لیں۔ اور اسکے بعد لوگوں میں برابر برابر روزینہ وہ بانٹتے رہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بھی وہی جنگ کی حالت ہے، ایسے مواقع پر اگر معاشی سطح سب کی برابر کر دی جائے تو جو وثائق اسلامی اسوقت تک پیش کیے گئے ہیں ان سے یقیناً اسکی تائید ہوتی ہے۔

لیکن یہ یا اسی قسم کی بعض دوسری روایتوں کو پیش کر کے یہ نتیجہ پیدا کرنا یقیناً صحیح نہیں ہے کہ بنی نوع انسانی کے مختلف افراد مختلف قدرتی صلاحیتوں اور مناسبتوں کو لیکر جو پیدا ہو رہے ہیں اسلام اس مشاہدہ کا انکار کر کے انسانوں کو بھی پرندوں اور چرندوں پر قیاس کر کے یہ قرار دیتا ہے کہ جیسے ایک بکری کو گھاس چارے کی تقریباً وہی مقدار دی جاتی ہے جو دوسری بکری کھاتی ہے، اسی طرح ساری ہی انسانی آبادی بھی ایک ایسے یتیم خانہ کی شکل میں بدل دی جائے جس میں ہر یتیم طعاماً ولباساً دوسرے یتیم کا مثنیٰ نظر آتا ہے۔ گویا افراد انسانی میں ذہنی و کسبی کمالات جو پائے جاتے ہیں انکی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی کی تقسیم میں مساوات کے قانون کو پسند فرمایا تھا۔ لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ افراد کے انفرادی کمالات و فضائل کی قیمتوں کا وہ اپنے اس طرز عمل سے انکار کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ بات آپ کے اس جواب سے ظاہر ہے جو اعتراض کرنے والوں سے آپ نے فرمایا۔ جسکا حاصل یہی تھا کہ تمہارے فضائل و کمالات کا منکر میں نہیں ہوں لیکن ان کی قیمت کا انتظار دوسری آنے والی زندگی میں کرنا چاہیے، اور یہ تو دنیا کی مختصر زندگی کا معاملہ ہے، اس میں ان کمالات کی قیمتوں کو کیوں اہمیت دی جائے؟

بلاشبہ حضرت والا کا یہ خیال تھا کہ کوئی مذہبی حکم نہ تھا بلکہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے عہد خلافت میں راہ بدل دی، اور ارباب کمال و فضائل کی قیمتوں کا کھلے دل سے عملاً آپ نے اعتراف فرمایا۔

بہرحال الآخرۃ کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی یہ گذشتنی وگذاشتنی زندگی جسکی نگاہوں میں حقیر ہو چکی ہو، اور اسی حقارت کی بنا پر سمجھا ترجیح کے اس نے مساوات و تساوی کے مسلک کو اختیار کیا، اسکے طرز عمل کو سامنے رکھکر آخرت کے منکرین جو آج ناجائز نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، بجز زبردستی کے اسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ سب کچھ یہی مادر شکم سے قبر تک والی زندگی ہے اس لیے زندگی کی لذتوں سے ہر ایک کے لیے متمتع ہونے کے مواقع ان غلط تدبیروں سے پیدا کرنا۔ کہاں حیات انسانی کا یہ تنگ، پست و ذلیل نظریہ، اور کہاں یہ خیال کہ سب کچھ چونکہ وہی زندگی ہے جو آئندہ [illegible] ہر ایک کو ملنے والی ہے۔ اس لیے ان چند لمحات والی زندگی کو کوئی اہمیت نہ دینی چاہیے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ دونوں میں کوئی مناسبت بھی ہے۔ قرآنی آیت

انظر کیف فضلنا بعضہم علی بعض وللآخرۃ اکبر درجات واکبر تفضیلا (بنی اسرائیل)	دیکھو تو بعضوں کو بعضوں پر ہم نے کیسی برتری بخشی ہے، اور قطعاً آخرت میں مدارج اور باہم ایک کی برتری

دوسرے پر زیادہ بڑے پیمانہ پر نمایاں ہوگی۔

کو جو براہ راست جو خدائی قانون یقین کرتا ہو کیا کسی حیثیت سے بھی وہ اس سے راضی ہو سکتا ہے جو پرندوں اور چرندوں پر قیاس کر کے مدارج و مراتب کے تفاوت کے اس سارے قصے کو ختم کر دینے پر تلے ہوئے ہوں جو پیدائشی اور کسبی کمالات و فضائل کے لازمی نتائج کی حیثیت سے بنی نوع انسانی میں پائے جاتے ہیں۔

پس صاف اور سیدھی بات حافظ ابن حزم کے مسلک کے رو سے یہی ہے کہ زکوۃ کے سوا بھی اغنیاء اور سرمایہ داروں کے مال میں غرباء کا حق ہے اور اس حق کا دامن اس حد تک وسیع ہے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتوں میں صرف ہو جانے کے بعد جو کچھ بھی جس کسی کے پاس بچ رہا ہو، وہ غرباء کی ضرورتوں کے لیے لیا جا سکتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے صحابہ کے اس خیال کا کہ زائد از ضرورت مال میں ہم سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن بلا ضرورت محض اس خیال کو پورا کرنے کے لیے کہ سب چونکہ امیر نہیں بن سکتے، اس لیے سب کو نسل انسانی کے ہر ہر فرد کو غریب بنا دیا جائے، قطعاً یہ اسلامی مسلک نہیں ہو سکتا۔

اور حافظ ابن حزم نے [illegible] جو ثبوت پیش کیے ہیں

اغنیاء اور سرمایہ داروں سے غرباء کے اس حق کو حاصل کرنا حکومت کے فرائض میں ہے۔ انکے اپنے الفاظ یہ تھے

یجبر السلطان علی ذلک | اور مجبور کریگا سلطان (حکومت) لوگوں کو اسپر

کو اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ کہتے ہوئے تو کوئی چیز انکی طرف سے نہیں پیش کی گئی ہے، مگر اس سے انکے دعوے کی تائید ہوتی ہے لیکن جو مواد اس ذیل میں اُنھوں نے جمع کر دیا ہے، اس کی روشنی میں یہ بات بھی طے ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مسلمانوں میں پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم وقت اور بادشاہ کی بھی تھی، لیکن جنگ کے موقع پر آپ کا یہ فرمانا کہ زاد سواری اور زاد [illegible] رکھنے والے ان لوگوں کو اپنے زائد چیزیں دیدیں جنکے پاس وہ نہیں ہیں، یا حضرت عمرؓ کا قول قحط کے متعلق جو گزرا یعنی ہمارا ارادہ ان مالوں کے ساتھ قحط کے زمانہ میں یہ رہیگا کہ جتنے آدمی گھر میں ہیں اسی قدر آدمی ان میں اور اضافہ کر دیں، یہ فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ اس حدیث کا بھی ذکر کرتے کہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعام الواحد یکفی للاثنین الخ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کا مطلب یہ قرار دیا تھا کہ حکومت اگر کبھی ضرورت محسوس کرے تو طعام الواحد یکفی للاثنین (ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہو سکتا ہے) کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر غرباء کی امداد کر سکتی ہے۔

اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمانوں کے امیر عسکر ہونے کی حیثیت سے یہ حکم دینا کہ ہر سپاہی اپنے زادراہ کو ایک جگہ جمع کر دے اور جمع کرنے کے بعد امارت کے اسی اقتدار سے کام لیتے ہوئے فوجیوں میں اس جمع شدہ سرمایہ کو علی السویہ تقسیم کرنا؛ ان تمام باتوں سے یقیناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت اسلامی بادشاہوں کا یہ فرض ہے کہ غرباء کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل امراء کے بچے ہوئے پس ماندہ سرمایہ سے کریں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مشہور حدیث

تؤخذ من اغنیائہم و تقسم علی فقرائہم	لیا جائے ان کے امیروں سے اور بانٹ دیا جائے اُن کے غریبوں میں۔

کے اجمال کی یہ تشریحی صورتیں ہیں۔

حافظ ابن حزم نے اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو فقہ کا وہ مشہور جزئیہ بھی یاد دلایا ہے، یعنی پیاس سے اگر کوئی مر رہا ہو تو جہاں کہیں سے پانی مل سکتا ہو اُسے حاصل کرنا چاہیے۔ پانی والوں سے اگر اس سلسلہ میں لڑائی کی ضرورت ہو تو لڑنا بھی چاہیے۔

حافظ نے اس جزئیہ کو نقل کرنے کے بعد پوچھا ہے

فای فرق بین ما اباحوا لہ من القتال علی ما یدفع بہ عن نفسہ الموت من العطش و بین ما منعوہ منہ من القتال عن نفسہ فیما یدفع بہ عنہا الموت من الجوع والعری (ص۱۵۹)	پیاس کی وجہ سے موت کا اگر اندیشہ ہو اس وقت لڑکر پانی لینے کو جو جائز ٹھہرایا گیا ہے، اور بھوک یا عریانی کی وجہ سے اگر موت کا اندیشہ ہو تو لڑائی اور قتال کو جن لوگوں کو منع کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں میں فرق کیا ہے!

(باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریداروں کی میعاد خریداری ماہ ستمبر میں تمام ہوتی ہے۔ براہ عنایت چندہ جلد روانہ کر دیا جائے۔ ورنہ ۱۱ اگست سنہ ۴۵ء سے وی پی روانہ ہونگے۔ وی پی میں ۵ ر فی وی پی زائد خرچ ہوتا ہے۔

خریدار نمبر ۲۰۱، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۲۹

۳۶۸، ۴۶۶، ۴۶۵، ۶۳۲

۶۵۴، ۶۶۳، ۶۶۴، ۷۱۶

۹۳۵، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱

۹۴۶، ۹۴۷، ۹۶۴، ۹۸۰

۱۰۲۴، ۱۰۸۶، ۱۰۹۰، ۱۰۹۲

۱۱۰۴، ۱۱۴۲، ۱۱۸۲، ۱۱۸۷

۱۱۹۰، ۱۲۰۷، ۱۲۲۴، ۱۳۰۲

۱۳۰۶، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۲

۱۳۱۳، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹

۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵

۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۴۳۷

۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳

۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱

۱۴۵۲، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷

۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱

۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۵، ۱۴۶۹

۱۴۷۰، ۱۵۰۱

خادم - مہتمم صدق - لکھنو

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے سن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۱۳۱ | یوم سہ شنبہ۔ ۱۹۔ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸۔ اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام رضی اللہ عنہ از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد تا بہ فتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند آنکہ رویت بود و بود یکسال مستغرق آن بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت۔

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے گیارہ سال تک نکاح کی مصیبت سے محفوظ رکھا۔ اسکے بعد تقدیر الٰہی یہ ہوئی کہ میں آزمایش میں پڑ گیا اور دل وجان سے ایک حسن نادیدہ پر گرویدہ ہو جاؤں۔ چنانچہ ایک سال میں اس کیفیت میں غرق رہا، اور قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو کر رہے کہ حق تعالیٰ نے عین وقت پر اپنے لطف وفضل سے میری دستگیری کی اور اپنی رحمت سے مجھے اس سے خلاصی عطا کی۔ (کشف المحجوب، ص ۲۸۵ لاہور۔)

یہ حال کون اور کہاں بیان کر رہا ہے؟ بیان کرنے والے ہندوستان کے بہت قدیم اور مشہور ومعروف بزرگ ومقتدائے طریقت، پانچویں صدی ہجری کے شیخ الشیوخ شیخ علی الہجویری الغزنوی (عرف عام میں داتا گنج بخش لاہوری) ہیں۔ تصوف کی اپنی مستند ومشہور عالم کتاب کشف المحجوب میں جا بجا اپنی آپ بیتی بھی اپنے نام کی تصریح کے ساتھ لکھتے گئے ہیں، اور انھیں مقامات میں سے ایک مقام کا اقتباس یہ درج ہوا۔

کیا صوفیا و عالی مقام بزرگان کرام بھی کسی انسانی حسن نادیدہ کی محبت میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟ انکا ظاہر و باطن بھی کسی انسان کے خیال میں غرق ہو سکتا، اور سال سال بھر تک مستغرق رہ سکتا ہے؟ اولیاء اللہ بھی دین کو تباہ کر دینے والی معصیت کے قریب پہونچ سکتے ہیں؟ —— یا یہ ہے کہ خدا نخواستہ یہ مشائخ طریقت اپنے متعلق صریح غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں؟

وہ خوش عقیدہ گروہ ایسے کلمات کو سن رہا ہے؟ جسکے نزدیک بزرگی مقبولیت اور ولایت کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان بشریت کی حد سے گزر جائے، اور اگر ملائکہ کی طرح نہیں تو انبیاء کرام کے درجہ میں تو ضرور معصوم ہو جائے؟ اور گناہ کیا معنی، گناہ کا خیال بھی اسکے پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور خیال معصیت کیا معنی کوئی عمل مرتبۂ فضائل سے فروتر اس سے سرزد نہ ہونے پائے!

انسان بہر حال انسان ہے، اور بشر بہر حال بشر۔ ابو البشر کی صفت ہی اس سے لغزشیں (کم وبیش کا سوال الگ ہے) صادر ہوتے رہنا اسکے کمال اور بزرگی کے ذرہ بھر بھی منافی نہیں۔ اَنا ظلمنا انفسنا کی مناجات آدم کی حرز ساری نسل آدم کے لیے ہے —— نفعل ونستغفر (ہم کرتے بھی رہتے ہیں اور استغفار بھی کرتے رہتے ہیں) قول تاج شریعت امام مالک کا ہے۔

اشخاص اور مسائل

... لی سے ایک گریجویٹ کا مکتوب:-

"حال میں مکاتیب مہدی نظر سے گزری۔ خطوط بنام سید سلیمان ندوی

نئی کتابیں

(۱) **قرآن مجید کی دوسری کتاب** - از مولوی عبد السلام صاحب قدوائی ندوی - ضخامت ۱۷۲ صفحے - مجلد - قیمت ۱۲ر - پتہ: ادارہ تعلیمات اسلام - متصل امین الدولہ پارک - لکھنؤ

سلسلہ کی پہلی کتاب اور اس سے بھی قبل کی تمہیدی کتاب جیسے ان مفید قرآنی ریڈروں کی پر اثر کہنا چاہیے، یعنی عربی کے دس سبق ان دونوں پر ریویو ان صفحات میں ہو چکے ہیں۔

کتاب یہ فرض کر کے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا سلسلہ کی پہلی دونوں کتابیں پڑھ چکا ہے، پارۂ اول کی منزل سے گزر چکا ہے، اور اب پارۂ دوم پڑھنے بیٹھا ہے۔ کتاب کے سولہ سبق ہیں۔ اکثر سبق میں پارۂ سیقول کا ایک ایک رکوع آگیا ہے۔ رکوع کا ترجمہ نہیں، متن رکوع۔ اور اسکے بعد بعض مشکل الفاظ کے معنی دے کر، مشکل ترکیبوں کو سمجھا کر، پورے رکوع کا ترجمہ متعلم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قواعد نحوی کی بابت مصنف کی کوشش ہے کہ مشق سے اور مثالوں کی کثرت سے از خود ذہن نشین ہوتے جائیں۔ - - سارے قرآن مجید کو یوں پڑھا دینا اور سمجھا دینا آسان نہیں۔ جوں جوں کام آگے بڑھتا جاتا ہے، قدرۃً متعلم کے لیے مشکلات بھی بڑھتی جاتی ہیں، اور انتشار دماغی بیش سے بیشتر ہوتا جاتا ہے۔ نئی زبان، اور پھر عربی جیسی باقاعدہ زبان کے اس بار کو سنبھالنا مبتدی کے بس کی بات نہیں۔ اور مصنف جیسے فاضل منتہی کے لیے یہ ممکن بھی نہیں، کہ وہ اپنے کو متعلم کی نفسیاتی سطح پر اُتار لائیں۔

عربی زبان، خصوصاً قرآن مجید کو اب تک جتنا زیادہ دشوار سمجھا جاتا رہا ہے، اندیشہ ہے کہ اس افراط کا ردعمل اب تفریط کی صورت میں ہونے لگا ہے، اور اسے ایک ہلکا اور سہل سا کام سمجھا جانے لگا ہے، کہ طالب علم اگر اپنے دوسرے مشاغل زندگی کے ساتھ دو ایک گھنٹہ بھر بھی اسکے لیے نکال لے تو چند مہینوں کی مدت بالکل کافی ہو جائیگی ——— یہ حسن ظن تمام تر مبالغہ آمیز اور شاعرانہ ہے گو اس منزل کی جانب کوشش کا ہر قدم اجر اور حوصلہ افزائی ہی کا مستحق ہے۔

تشریح کے نام سے جو کچھ درج ہے، وہ انگریزی فوائد کیلیے ایک اچھی خاصی دلچسپ دکار آمد تفسیر ہے۔ گو ظاہر ہے کہ کسی تفسیر پر بھی متفق علیہ کا اطلاق دشوار ہی ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ ہر سبق میں دوسری کتابوں کی عبارتیں بھی ترجمہ کے لیے درج ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں تک تو غنیمت تھا۔ (بشرطیکہ اُنکی عبارتیں آیات متعلقہ کی تفسیر و تشریح تک محدود رہتیں) لیکن قرآن مجید سکھانے والی کتاب میں مستطرف یا سیرۃ عمر بن عبد العزیز وغیرہ ادب و تاریخ کی کتابوں سے اقتباسات دینا تو بڑی ستم ظریفی ہے۔ اسی طرح جو اور عبارتیں عربی ترجمے کے لیے درج ہیں، اُن میں نا،

ناشپاتی، چنا، کشمش، پستہ، دہی، نارنگی، امرود، باز، شکرہ، چیتا، ہرن، بارہ سنگھا، اخروٹ، بادام، وغیرہ کے الفاظ لانا، یا قواعد کے ذیل میں اس طرح کے معلومات درج کرنا کہ پہلے عربی میں ایک لاکھ کے عدد کے لیے مِأَۃ الف لاتے تھے، اور اب آجکل ملیون (۱۰ لاکھ) اور اسکی جمع ملایین سے کام لیتے ہیں" (صفحہ ۱۶۱) قرآن مجید کی تعلیم کے سلسلہ میں غیر مفید ہی نہیں، صریح مضر ہیں۔ اور پھر اُردو کی عام مشق لیسی لیسی باتیں عربی ترجمہ کیلیے اس قرآن آموز کتاب میں بالکل ہی بے محل ہیں۔ یہ قرآن فہمی میں ذرہ بھر بھی معین نہیں۔ قرآن مجید پورے کا پورا بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے، بغیر اسکے کہ اُردو سے عربی ترجمہ کی ذرا بھی مشق ہو۔ ضرورت کے مطابق عربی لکھنے اور بولنے کی صلاحیت (صفحہ) پیدا کرانے کا خیال اپنی جگہ پر بہت اچھا سہی، لیکن اسکے لیے قرآن مجید کی نہیں، بلکہ "عربی زبان" کی پہلی اور دوسری ریڈروں کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔

(۲) **تاریخ جرم و سزا** - جلد دوم - از جناب امداد صابری صاحب ۳۰۱ صفحے - مجلد مع گرد پوش - قیمت ۳ر، پتہ:- رائل ایجوکیشنل بک ڈپو - اُردو بازار - دہلی۔

کتاب کی صرف جلد دوم تبصرہ کے لیے موصول ہوئی ہے۔ اغلب ہے کہ جلد اول کے ساتھ کوئی دیباچہ یا مقدمہ بھی ہو، اور اُسی میں کتاب کے مقاصد، ترتیب بیان وغیرہ کا ذکر ہو۔ موجودہ جلد گرد پوش کی تصریح کے مطابق "اسلامی دور" پر ہے۔ یہ تصریح صحیح نہیں، حقیقۃً کتاب بعض قدیم قوموں اور عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے قوانین و تعزیرات سے متعلق ہے۔

کتاب دلچسپ و پُر معلومات ہے۔ تحتانی عنوانات بکثرت ہیں اور بعض بالکل اخباری انداز کے ہیں، لیکن تحقیق کا معیار ہر جگہ کسا نہیں۔ اور بعض غلطیاں تو ایسی ہیں کہ ان پر حیرت ہی ہو کر رہ جاتی ہے (۱)۔ مثلاً توریت کا حوالہ دیتے وقت بجائے توریت کے بار بار "زبور" کا نام لینا۔

"زبور سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شراب عام طور سے ہر شخص پیتا تھا" (صفحہ ۱۷) "زبور کے نزدیک حضرت نوح بھی شراب پینے والوں میں سے تھے" (صفحہ ۲۳) "اس قتل کا تذکرہ زبور میں بھی ہے" (صفحہ ۲۱) زبور میں سدوم کی لواطت کا حسب ذیل واقعہ درج ہے" (صفحہ ۲۹) "زبور جیسا مقدس صحیفہ ہے، اُس میں اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے" (صفحہ ۲۳) زبور سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں زانیہ عورت کی سزا زندہ جلانا تھی" (صفحہ ۳۴) "زبور میں ہے" (صفحہ ۴۲) "چنانچہ زبور میں اسکے متعلق یہ واقعہ درج ہے" (صفحہ ۱۰) "شراب پینے کی زبور میں ممانعت کی ہے" (صفحہ ۷) "چنانچہ زبور میں اسکی تفصیل یہ ہے" (صفحہ ۶۹)

حالانکہ ان میں سے ایک مقام پر بھی اقتباسات زبور کا نہیں، بلکہ ہر جگہ توریت ہی کا ہے۔ اگر اسے کتابت کی غلطی فرض کر لیا جائے،

ایک اسلامی معاشی نظریہ

حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

(نمبر ۶)

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

واللہ اعلم ابن حزم کے اس سوال کا رُخ کن لوگوں کی طرف ہے، ورنہ ہمارے حنفی مذہب کے علماء نے تو پیاس اور بھوک وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ ابوبکر الجصاص اپنی تفسیر میں اسی مسئلہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں

من قد اجہدہ الجوع حتی یخاف علیہ التلف فلزمہ ان یطعمہ ما یسد جوعتہ ج۱ ص۱۵۱	بھوک سے جو اس درجہ متاثر ہو کہ اپنے ہلاک ہو جانے کا خوف اسے پیدا ہو جائے تو واجب ہو جاتا ہے کہ بھوک کا ازالہ جس سے ہو وہ اسے دیا جائے۔

بہرحال ابن حزم نے اس مسئلہ کا ازالہ کے قریب قریب دوسرا مسئلہ جو ہے کہ مُردار یا شراب وغیرہ کے استعمال کی اجازت بقدر اضطرار اس وقت تک کسی مسلمان کو نہیں مل سکتی جب تک کہ ازالۂ ضرورت کھانا کسی سے وہ حاصل کر سکتا ہو، حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ ازالۂ ضرورت کھانا رکھنے والا دینے سے انکار کرے تو اس سے جنگ کرکے اس کھانے کو حاصل کرنا چاہیے، ابن حزم نے لکھا ہے کہ

فان قتل فعلیہ القود وان قتل المانع فالی لعنۃ اللہ لانہ منع حقا	اب اگر ضرورت مند اس لڑائی میں قتل ہو گیا تو قتل کرنے والے سے قصاص لیا جائیگا اور اگر ضرورت کی چیز سے انکار کرنے والا مارا جائے تو اُسکا ٹھکانا خدا کی لعنت ہے۔

اور اب اسی مسئلہ پر قیاس کرکے اُنھوں نے آخر میں اپنا یہ فیصلہ درج کیا ہے کہ غرباء کے حقوق خواہ زائد از زکوٰۃ ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر اغنیاء اور سرمایہ دار ان کے ادا کرنے سے گریز کر رہے ہوں۔ تو اُنکا فتوے ہے کہ

ہو طائفۃ باغیۃ	امراء اور سرمایہ داروں کا یہ طبقہ باغی قرار پائے گا۔

اور "طائفہ باغیہ" قرار دینے کے بعد حافظ نے قرآن کی آیت

فان بغت احداہما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ۔	پس مسلمانوں کا ایک طبقہ اگر دوسرے طبقے کے مقابلہ میں بغاوت کی راہ اختیار کرے تو بغاوت اختیار کرنے والوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ بات خدا کے حکم تک واپس لوٹ جائے۔

کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے

ومانع الحق باغ علی اخیہ الذی لہ الحق وبہذا قاتل ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ مانع الزکوٰۃ ص۱۵۹	حق کا انکار کرنے والا اور اسکو روکنے والا باغی ہے یعنی اپنے اُس بھائی کے خلاف اُس نے بغاوت اختیار کی ہے جسکا اس پر حق ہے۔ زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے صدیق اکبر نے اسی لیے تو جنگ کی۔

جسکا حاصل یہی ہوا کہ زکوٰۃ کے بعد بھی غرباء کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے سرمایہ داروں کی زائد از ضرورت بچی ہوئی دولت سے اس حد تک لینے کی اجازت حافظ ابن حزم کے مسلک کی رو سے اسلام دیتا ہے، کہ ایک پیسہ بھی اس زائد از ضرورت دولت کا امراء کے پاس اگر باقی نہ رہے، تو اسکی پرواہ نہ کی جائیگی۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ غرباء کے حقوق امراء سے بزور حاصل کرکے غرباء تک پہونچائے۔ اور اس راہ میں جنگ و قتال کی بھی ضرورت پیش آجائے تو مسلمانوں اور اسلامی حکومت کو اس سے اعراض نہ کرنا چاہیے، بلکہ غرباء کے حقوق سے گریز کرنے والوں کو باغی قرار دے کر قرآن کے حکم قرآنی جنگ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خدا کے حکم کی طرف بات لوٹ نہ جائے۔ یہ تھا خلاصہ اُس مسلک کا جو حافظ ابن حزم نے اسلام کے معاشی نظریہ کی تشریح میں اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب میں مجھے پیش کرنا مقصود تھا۔

(بقیہ صفحہ ۳)

اذا جوزنا الوطء قبل الفجر ففی ذلک دلیل علی جواز طلوع الفجر علیہ وہو جنب وذلک جائز اجماعا (ابن العربی)

الی اللیل ای الی دخول اللیل (ابن عباسؓ) فجعل اللیل غایۃ الصیام ولم تدخل فیہ (جصاص) فانہ تعالی ذکرہ حد الصوم بان آخرہ اقبال اللیل (ابن جریر) کلمۃ الی للانتہاء والغایۃ ففی جہالۃ ان الصوم ینتہی عند دخول اللیل (کبیر) اللیل لیس من جنس النہار فیکون اللیل خارجا من جنس النہار (کبیر)

اللیل۔ اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر معاً ہو جاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال قرص شمس کا کیا گیا ہے
اللیل من مغرب الشمس الی طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج)
اللیل عقب النہار ومبدؤہ من مغرب الشمس (لسان) اسلیے آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔
یقتضی الافطار عند غروب الشمس حکما شرعیا (ابن کثیر)

لاہوری مراسلہ نگار کا پتہ

صدق ۲۹ میں درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ ص۸ کی آخری سطر یہ ہونا تھی
ہارون الرشید۔ کلرک اکاؤنٹس برانچ ان ڈبلو ریلوے۔ لاہور

تصحیح صدق ۳۲ - صدق ۲۰ صفحہ اول، شذرہ دوم اوقات صوم کی میں شروع کے یہ الفاظ رہ گئے ہیں، "ایک صاحب علم و فضل کا سوال"

کس قدر عجیب ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ قرآن کی اس آیت پر تو انکی نظر فوراً پڑتی ہے، لیکن ملائکہ و رسول بلکہ ایک مومن کے عمل سے دوسرے مومن کو فائدہ پہونچنے کا جن قرآنی آیتوں میں تذکرہ کیا گیا ہے ان سے چشم پوشی کیوں کی جاتی ہے۔ شاید انھیں قرآن کے اندر مختلف قانونوں میں تضاد یا تناقض نظر آتا ہے اس لیے اپنی غرض کے مطابق جو آیت ہاتھ آئی اُسے پیش کر دیتے ہیں اور جن آیتوں سے اُنکے مقصد پر زد پڑتی ہے اُن سے گویا انجان بن جاتے ہیں۔ حالانکہ میں نے جیسا کہ عرض کیا یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے۔

آخر جب غیر کے عمل سے اسکا استفادہ اسوقت تک ناممکن ہے جب تک کفر و شرک کرکے ایمان کی دولت اور شراب کو چھوڑ کر توحید کی روشنی نہ حاصل کی جائے تو یہ کہنا بھی قطعاً صحیح ہے کہ جسے جو کچھ بھی فائدہ پہونچا اپنی سعی اور اپنی کوشش سے پہونچا۔ اگر مرنے والے کی طرف سے ایمان و توحید کی سعی نہ ہوتی تو دوسروں کے کیا خود اپنے عمل کے منافع سے بھی آدمی کب مستفید ہو سکتا ہے

هل تجزون الا ما كنتم تعملون | نہ بدلا دیے جاؤگے مگر اسکا جو تم نے عمل کیا ہو
یا۔ کل امرء بما کسب رہین | یا۔ ہر شخص اپنے کیے کے ہاتھوں گرو ہے

میں ان سب کا یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ عمل ہو یا خود اپنے اعمال سے استفادہ ہو سب خود اپنی ایمان اور توحید کی کوششوں پر تکیہ بنی ہے۔ بس جسے جو کچھ بھی فائدہ پہونچتا ہے درحقیقت اپنی سعی اور اپنے عمل ہی کا فائدہ پہونچتا ہے۔ منافقین اور کفار دوسروں کے عمل سے کیا، وہ تو خود اپنے اعمال کے فوائد سے بھی اگر محروم رہ جائیں گے تو اسی وجہ سے رہ جائیں گے کہ خدا کا رسول اُنکے پاس آیا، خدا کی کتاب آئی، لیکن اُنھوں نے نہ خدا کے رسول ہی کو پہچاننے کی کوشش کی اور نہ خدا کی کتاب کو سمجھنے کی سعی کی۔ اس لیے کفر و شرک کی حالت میں مر گئے۔ دوریاں اپنے لیے ہو سکتا ہے۔ اعمال یا دوسرے اُن کے لیے اگر کچھ کریں، دونوں کے استفادہ کا دروازہ اُنھوں نے اپنے اوپر خود بند کر لیا۔

کیسی عجیب بات ہے مشہور و متواتر حدیث ہے

انما الاعمال بالنیات ولکل | اعمال کی قیمت نیت کے ساتھ وابستہ ہے
امرء مانوی (بخاری وغیرہ) | اور ہر ایک شخص کے لیے وہی ہے جو

اُس نے نیت کی۔ یہاں بھی تو یہی بتایا گیا تھا کہ اپنے اعمال سے بھی فائدہ اُسی وقت پہونچ سکتا ہے جبکہ صحیح نیت سے اُسکا تعلق ہو بلکہ قرآنی آیت

ما كان الله ليضيع ايمانكم | یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے ایمان کو ضائع
(البقرہ) | نہ کریں گے۔

کی جو تفسیر حدیثوں میں بیان کی گئی ہے کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے والوں کے متعلق بعضوں کو شبہہ ہوا کہ اُن نمازوں کا انجام کیا ہوگا۔ تو فرمایا کہ اصل چیز ایمان ہے۔ عمل میں قیمت ایمان ہی سے پیدا ہوتی ہے پس جب اپنے عمل کی قیمت بھی ایمان کے ساتھ وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے عمل سے استفادہ ایمان و توحید پر کیوں نہ موقوف ہوگا

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کے عمل سے فائدہ نہ پہونچنے کا آج جو ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، اگرچہ حقیقی محرک تو طبل نوازی کے اس قصہ میں عصر حاضر کی مادی تنگ ذہنیت ہے۔ یعنی انسانی زندگی کو آخرت سے مایوس بنا دینے کے بعد مذہب کو جن لوگوں نے بے قیمت قرار دے رکھا ہے، ان کے لیے جنکی زندگی کے حدود شکم مادر سے لیکر شکم قبر تک ختم ہو جاتے ہیں۔ اسکے سوا اور سوچا ہی کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال ان ہی لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مذہب کے عملی نظام سے دنیا میں امن و امان کا فائدہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے اس لیے عمل کی حد تک فیاضی سے کام لیکر کہتے ہیں کہ مذہب کو اگر زندہ رکھا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ البتہ ایمان کی یہاں کوئی قیمت نہیں ہے۔ آدمی خواہ ایک خدا کا یا دس معبودوں کا قائل ہو، یا سرے سے خدا کا منکر ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر عمل اور سیرت میں وہ اچھا ہے، عام عرف میں جو اچھے کیرکٹر سمجھے جاتے ہیں اُن پر عمل کرتے ہیں، تو اُسے اچھا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ دراصل عصر حاضر میں عمل کے اتنے کہنے والوں کو آپ جو ہر جگہ دیکھتے ہیں اُسکا اصلی راز یہی ہے۔ چونکہ اصلاح عمل کی اس کوشش میں بعضوں کو یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی عملی کمزوریوں میں جہاں دوسری باتوں کو دخل ہے، انھیں میں انکا یہ اعتقاد کہ دوسروں کے عمل کا ثواب آدمی کو پہونچ سکتا ہے۔ ایک موثر وجہ ترک عمل کی یہ بھی ہے۔ فیض کے عدم افادہ کا ہنگامہ جو آج مچا رہے ہیں، خواہ انکو اس کا شعور ہو یا نہ ہو لیکن میں جانتا ہوں اور انکو بھی مطلع کرتا ہوں کہ اس ہنگامہ کے حقیقی محرکات دراصل انکے اسی قسم کے مادی احساسات ہیں۔ اور اس زمانہ کے بیشمار عوارض میں ایک بڑا عارضہ یہ بھی ہے یعنی اصل مقصد کسی خاص مصلحت کے زیر اثر پہلے طے کر لیا جاتا ہے، دلائل بعد کو تلاش کر لیے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی چیز مطلب کے مطابق قرآن میں اگر انکو مل گئی، دیکھتے ہیں کہ جو مطلب ہم قرآن کا بیان کرینگے حدیثوں سے جسکی تردید ہو جائیگی تو عموماً حدیثوں کے انکار اور انکی بے وقعتی سے مضمون کو شروع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان ہی حضرات کو بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ حدیث تو حدیث عام تاریخی کتابیں مثلاً طبری، ابن اثیر وغیرہ میں بھی کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے جس سے اپنے مقصد کے اثبات میں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تو اُس وقت اُنکے پیش کرنے سے بھی یہ نہیں جھجکتے۔ خود حدیثوں کی تضعیف اور اُنکے عدم اعتبار کے متعلق جو مواد انکی طرف سے پیش ہوتا ہے، بجز چند گری پڑی پامال روایتوں کے دہرا دیا گیا ہے۔

بہرحال مسلمانوں کی عملی کمزوریوں کا مجھے انکار نہیں ہے۔ انکی عملی بیداری کی ہر کوشش کو میں زمانہ کی اہم ترین ضرورت یقین

کرتا ہوں۔ لیکن اسلام کے کسی ایک قانون کی تشریح کے لیے یہ کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ اسی کے دوسرے قانون کا وقتی مصالح کی بنیاد پر انکار کر دیا جائے۔ آپ مسلمانوں میں عملی بیداری ضرور پیدا کیجیے، ان میں ہر ایک کو غوث و قطب ابدال اوتاد بنا کر دم لیجیے بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ بات کہ مومن جو ایمان و توحید کی دولت لے کر دنیا سے روانہ ہوا ہے، اگر عمل کی دنیا سے وہ اب خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اسلام نے اس بیچارے کے لیے فائدہ پہونچانے کا یہ دروازہ جو کھول رکھا ہے، یعنی جو لوگ ابھی عمل کی دنیا میں موجود ہیں، وہ چاہیں تو اپنے اعمال کے منافع سے تمتع کا موقعہ اُسے بھی دے سکتے ہیں۔

آپ بلا وجہ اس دروازہ کو اس غریب پر کیوں بند کرتے ہیں اور تماشہ تو یہ ہے کہ قرآن ہی کی آیتوں سے آپ اپنے اس غلط طرز عمل کی تائید میں ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بہر حال جب قرآن ہی سے یہ ثابت ہے کہ غیر کے عمل سے ایمان والوں کو نفع پہونچ سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ اگر کوئی بیٹا جو ابھی اسی عمل کی دنیا میں موجود ہے، وہ اپنے اُس باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرے جسکا تعلق عملی دنیا سے منقطع ہو چکا ہے، یا بجائے اسکے کہ وہ کچھ پیسے یا کھانا پکا کر خیرات کر کے اس ثواب کو جو خیرات کے اس عمل سے اُسے حاصل ہو، وہ اپنے مرحوم باپ کو پہونچا دے، یا قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب حق تعالیٰ سے عرض کر کے اُس کی طرف منتقل کرتا رہے۔ مانا کہ ان تفصیلات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے لیکن اسکے خلاف بھی تو کوئی بات قرآن میں پائی نہیں جاتی، بلکہ اصولاً معلوم ہو چکا کہ غیر کے عمل سے افادہ کو قرآنی قانون کی حیثیت عطا کی گئی ہے۔ اب اسی اصول کے تحت حدیثوں میں جب تفصیلات کی صراحت موجود ہے تو آپ آخر ان حدیثوں کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ آخر جب یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جو شخص قرآن مجید کے لفظ الٓمٓ کا تلفظ کرتا ہے تو اُسے ہر ہر حرف کے مقابلہ میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یعنی الف میں دس حسنہ، لام میں دس حسنہ، میم میں دس حسنہ۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ حسنات کا اتنا بڑا ذخیرہ اتنی سہولت سے کیا اور کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے ان لوگوں کے لیے جن سے اگر کچھ نہیں ہو سکتا تو انکو یہی مشورہ دیا گیا ہے کہ قرآن کی آیتیں ہی پڑھ کر انکے پڑھنے سے جو حسنات اور نیکیاں تمہیں حاصل ہوتی ہیں اُنھیں مرنے والوں تک پہونچا دیا کرو یا اگر توفیق ہو تو خیرات اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلا کے اسکا ثواب بخش دیا کریں۔ ظاہر ہے کہ مسئلہ کی اصل صرف اتنی ہے اور جیسا کہ معلوم ہو چکا، یہ ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہے۔ (الفرقان بریلی)

بقیہ صفحہ ۲

کو زیادہ ہو جائیں۔ اور اس طرح ہماری ساری مشکلات از خود

حل ہو جائیں۔ (ریپوشی اڈیٹ اینڈ پریس آف امریکہ)

یہ کیا! اب تک تو "صاحب" کی زبان سے یہی سنا تھا کہ قیامت کا تخیل نرا وہم ہی وہم ہے محض مذہب والوں کا ایک ڈھکوسلا ہے، اور یہ ڈھکوسلا ہے بوڑھوں اور بچوں سے بعض بھی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور اب خود "صاحب" ہی قیامت کے امکانات پر گفتگو کرنے لگے، اور اُن احتمالات کو پیش کرنے لگے کہ زمین شق ہو جائے، نظام کائنات یک بیک درہم برہم ہو جائے، اور نسل انسانی بات کہتے فنا ہو جائے۔ ——— اکبر کی زبان میں،

صاحب سے سنی ہے اب قیامت کی خبر!

(بقیہ صفحہ ۴)

تو بھی اتنی بار اسی غلطی کی تکرار حیرت انگیز ہی ہے

(۲) اسی طرح متعدد مقامات پر مصنف نے ایک مخصوص اور جزئی واقعہ سے قاعدہ اور کلیہ استنباط کرنے میں بڑی جلدبازی سے کام لیا ہے۔ اسکی مثالیں دو ایک نہیں، خاصی کثرت سے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بعض جگہ جرأت یہ کی ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کو ایسے وسیع مفہوم میں آزادی کے ساتھ لے لیا ہے، جسکے متحمل نہ الفاظ قرآنی ہیں نہ اکابر تفسیر ہی سے سند ملتی ہے۔ مثلاً ص۱۴۹ پر ایک عنوان ہے "تلبیس سکہ واشامپ کی ممانعت"

حیرت ہوئی کہ قرآن میں "تلبیس سکہ" اور "تلبیس اسٹامپ" کا ذکر کہاں ہے، دیکھا تو نیچے یہ آیت درج تھی: ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الخ۔ (بقرہ رکوع ۵) اور یہ آیت حصوصاً جس سیاق میں ہے اُسے سکہ اور اسٹامپ سے تو کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(۳) بعض عنوانات کے تحت میں جو آیتیں بہ غرض استشہاد پیش کی ہیں اُنھیں اس عنوان سے کوئی تعلق ہی نہیں، مثلاً ص۱۶۰ پر عنوان ہے "خودکشی کی ممانعت" اور اسکے تحت میں یہ آیتیں درج ہیں: لا تقتلوا انفسکم (سورۂ نساء ع ۵) ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ (بقرہ ۲۴) ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفوراً رحیماً (نساء ع۱۶)۔ اس میں بجز پہلی آیت کے، اور آیتوں کو ممانعت خودکشی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

(۴) بعض جگہ مسائل کے بیان کرنے میں قرآن پر اضافہ تک کی نوبت آگئی ہے، مثلاً ص۱۶۱ پہلے تو یہ مضمون درج کیا ہو کہ اگر چور چوری کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے کہ آیندہ یہ فعل نہ کرے گا، تو اسکے ہاتھ پیر کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اسکے بعد سورۂ مائدہ کی آیت السارق والسارقۃ نقل کر کے اسکا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے:۔

فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ غفور رحیم	اگر چوری کے بعد چور توبہ کر لے اور وعدہ کرے کہ وہ آیندہ چوری نہ کریگا تو خواہ مخواہ اسکا ہاتھ کاٹنا

ضروری نہیں، بلکہ اللہ اسکو معاف کرتا ہے۔" زیر خط حصہ تمام تر اپنا زیادہ کیا ہوا ہے

شروع میں بڑی مفصل فہرست مضامین کی طرح ماخذوں کی فہرست بھی طویل دی ہے، اور ۶۱ کتابوں کے نام گنائے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو مستند اور معروف ہیں، لیکن بعض غیر معروف ہیں، انکے پورے نام مع انکے مصنفوں کے دیے جاتے، اور بعض بہت کم درجہ کی ہیں، جو ہرگز کسی علمی اور ٹھوس معیار کی نہیں ہو سکتیں۔ بعض کتابیں بجائے خود اولے اپنے فن میں مستند ہیں۔ مثلاً

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

صدق

نمبر ۳۲ | شنبہ - ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

نئی برطانوی پارلیمنٹ کے تشکیل کا افتتاح اسی ۱۵ اگست کے وسط سے ہوا۔ اُسی پارلیمنٹ کا جو اتنے شور وہنگامہ کے بعد، چرچل کی ٹوری پارٹی کو کچلتی ہوئی، لیبر پارٹی کا جھنڈا لہراتی ہوئی منتخب ہوئی ہے۔ نئے اور کامیاب وزیر اعظم اٹیلی کی افتتاحی تقریر آپ نے پڑھی؟ بڑے اشتیاق سے نظریں اس پر پڑی ہونگی، کہ چرچل کی خوب خبر لی گئی ہوگی۔ نگاہوں نے ڈھونڈھا ہوگا کہ اس میں کیا کچھ سب وشتم چرچل کے حق میں ملیگا! —— لیکن ملا کیا؟ ملا یہ کہ

"ہماری فتح عظیم کا سہرا سب سے بڑھ کر میرے پیش رو مسٹر چرچل کے سر ہے۔ تاریخ میں انکا مقام محفوظ ہو چکا ہے۔ فتح بڑی حد تک انھیں کی تدبیر، ہمت اور کوشش کا نتیجہ ہے"

کیا چرچل صاحب کے معتقد ومداح بھی اس سے زیادہ کچھ کہتے ہیں؟

اور پھر چرچل نے حزب المخالف (اپوزیشن پارٹی) کے لیڈر کی حیثیت سے کیا کہا اور کیا کیا؟ کیا یہ کہ ملک نے میرے ساتھ بڑی غداری کی؟ یا یہ کہ قوم بڑی احسان فراموش اور قدر ناشناس نکلی؟ یا یہ کہ مخالفوں نے "بے ایمانی" سے ووٹ حاصل کر لیے؟ اسکے برعکس پوری تقریر وقار وسنجیدگی کا نمونہ ہے۔ نہ مخالفین پر چوٹیں ہیں، نہ کسی پر ذاتی کیا معنی صفاتی حملے بھی۔ بس وہی ملک وقوم کی رائے عامہ کے آگے جو سر جھکا دینے کی عادت انگریز قوم کی رگ رگ میں بسی چلی ہے۔ اسی کا عملی مظاہرہ! نہ تب تاب، نہ جھک جھک، نہ طعن نہ طنز، جب تک الکشن میں مقابلہ کا وقت رہا، جی کھول کر مقابلہ کر لیا۔ اور جب قوم کا ایک فیصلہ ہو گیا، اپنے موافق یا اپنے مخالف، تو بس اُسی پر راضی ومطمئن، اپنے کام سے لگ گئے۔ نہ گلہ نہ شکوہ، نہ آوازے نہ پھبتیاں —— دونوں پارٹیوں میں صرف طریق کار کا اختلاف، منزل ایک! اپنی اپنی فہم وبصیرت کے مطابق، اپنے اپنے حدود میں ہر فریق آزاد!

کوئی نسبت اس سے آپ کے ہاں کے "آزاد" اور "پُرجوش" لیڈروں اور نامی گرامی ایڈیٹروں کو ہے؟ جب تک بڑی سے بڑی دل آزار اور دل شکن بات دوسرے کے لیے نہ کہہ ڈالی، جی بھر کر اُس کی پگڑی ملک میں اُچھال کر نہ رکھدی، ہر طنز اور ہر طعن سے دل کے حوصلے نہ نکال لیے، تو بات ہی کیا ہوئی؟ محفل میں گرمی اور تحریر میں زور ہی کہاں پیدا ہوا؟

اللہ کے بندو! ڈسپلن، نظم، ضبط، سمع وطاعت کے ان نمایاں، بین، مظاہروں کے بعد بھی اس پر کچھ حیرت ہے کہ اپنی بیسیوں اخلاقی لغزشوں کے باوجود، بیسیوں اجتماعی مفسدوں کے باوجود، فسق وفجور کی گہرائیوں میں ڈوبے ہونے کے باوجود، یہی قوم آج بھی دنیا پر حکومت کر رہی ہے، میکاڈو کو پچھاڑ دیتی ہے، مسولینی کو ذبح کر ڈالتی ہے، ہٹلر کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہے!

انگریزی تفسیر قرآن

جناب غضنفر علی صاحب (تعلیمی گوڑہ، حیدرآباد دکن) سے لکھتے ہیں:-

فرمایا گیا ہے کہ انکو

(۱) "صدق کے امام" اور "لکھنوی ادارت میں بے نظیر" مولانا ابو الکلام سے بغض و حسد ہے!

(۲) مولانا ابو الاعلیٰ مودودی سے دیرینہ عناد ہے!

(۳) وہ حق کو صرف ایک مخصوص حلقہ کے اندر سمجھ رہا ہے!

گویا ان بزرگ نے التزام کر رکھا ہے کہ تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی زبان سے سچی اور راست ہونے پائے! مولانا ابو الاعلیٰ اور مولانا ابو الکلام دونوں کے ساتھ مدیر صدق کا جو ذاتی اور پاک تعلق ہے اُسکا حال تو خود بلکہ دونوں صاحبوں سے دریافت کیا جا سکتا ہے، البتہ جن بزرگوں کے معتقدوں کی فہم یا دیانت کا یہ عالم ہو، خود وہ معتقد، ہرگز کسی رعایت کے مستحق نہیں، تاآنکہ اُسے ہمدردی ہمدردی کے تابع نہیں،

ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُسکا آسماں کیوں ہو!

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون -

عصمت کی قتل گاہیں!

" لکھنؤ میں حسین گنج اور نشاط گنج

جب حضرت گنج روشنی سے منور ہورہا ہے، کالج کی متعدد لڑکیوں پر کالج کے لڑکوں نے دست درازیاں کیں - حکام سے معاملہ کی رپورٹ کردی گئی ہے، تحقیقات ہورہی ہے، اور کہا یہ جارہا ہے کہ ایسے مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دی جائینگی - اسکولوں اور کالجوں کے ذمہ دار عہدہ داروں کو بھی تنبیہ کردی گئی ہے کہ اپنے ہاں کے طلبہ پر سخت نگرانی رکھیں اور بیہودہ طلبہ کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کریں" (پانیر ۲۴ - اگست)

آہ یہ اسکول اور یہ کالج! کتنے فتنے انکے اندر پوشیدہ ہیں، اور کتنے جرائم کی یہ پرورش گاہیں ہیں! سنتے ہیں کہ ۸-۱۰ ماہ قبل اسی شہر لکھنؤ کے ایک ایسے ہی آباد محلہ امین آباد میں دیوالی کی رات میں، اس سے بھی کچھ بڑھے ہوئے نظارے بھی اسکول کی لڑکیوں اور کالج کے لڑکوں کے درمیان پیش آئے تھے - اور یہ کوئی اتفاقی اور استثنائی حادثے نہیں - اسکول اور کالج تو ان شیطانی علوم کی مستقل درس گاہیں ہیں - اور اس پر یہ سلسلہ ہے کہ ہر روز نئے اسکول اور نئے کالج کھلتے رہیں، اور یہی "ترقیوں" کا پیمانہ ہے، آہ یہ دلوں اور دماغوں پر چند خوشنما الفاظ کی حکومت!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) چودھری عرفان حسین صاحب (لکھنؤ) | آپ سب حضرات کے محبت
(۲) مولوی عبدالرؤف خاں صاحب (جھنجھانگر) | آمیز مراسلوں کا شکریہ -

لیکن انکی اشاعت سے معاف فرمایا جائے - اُس مراسلہ کے کسی جزو پر بھی ... تبصرہ گنجائش ... آپ تو ... ہو ... رکھو ... ۔

سورہ بقرہ - رکوع ۲۳

بقیہ نوٹ ۴۷۵

اتموا - صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے -

امر یقتضی الوجوب من غیر خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام ہنا للوجوب بلاکر

صوم وصال یعنی بلا افطار کیے دن اور رات کے مسلسل روزہ کی ممانعت بھی اسی آیت سے بہت سے فقہاء نے نکالی ہے - اور حدیث میں اسکی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے

فیہ ما یقتضی النہی عن الوصال اذ اللیل غایۃ الصیام وقالتہ عائشۃ (قرطبی) فدل الآیۃ علی نفی کون اللیل محل الصوم وان یکون صوم الیومین صومۃ واحدۃ وقد استنبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہا حرمۃ الوصال (روح)

معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لیے ہر زمانہ، ہر موسم میں حرام ہے - لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد درجہ کی ہو جاتی ہے - روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے، اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الٰہی کے احترام میں لذائذ نفس وطیبات سے اجتناب میں بسر ہوتا ہی ہے - بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں، رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہو جاتی ہیں - پورے مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہی اسلام کی روحانی ٹریننگ کا زمانہ ہے بغفلت کسی لمحہ نہ ہونا چاہیے -

مسٹر ڈبلیو - ٹی - آرنلڈ مسلمان نہیں مسیحی ہیں تاہم جذبۂ انصاف پسندی وحق گوئی سے مجبور ہوکر بید، مسیحی معترضین کے جواب میں لکھتے ہیں:-

"ماہ رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اسقدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لیے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کردینے سے ہوئی ہے کار لائل کے یہ قول، محمد کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے، طہارت کے ضابطے، عبادت کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اُسکی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتی" (پریچنگ آف اسلام، ص ۴۱۹، طبع ثالث)

ملاحظہ ہو ضمیمہ سورہ بقرہ کے خاتمہ پر -

۴۷۶ (ایک کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول اُن سے نہ رکھو)

ولا تباشروھن، لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے - یعنے عمل مجامعت کے علاوہ اسکے مقدمات دواعی بوس وکنار وغیرہ ... تمام ہیں

طبیعت ذرا کھلی۔ خدا کرے یہ دونوں اشرف کے بالکل ابتدائی دور کی ہوں۔

زبان حتی الامکان بہت صحیح رکھنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی کہیں بعض ترکیبیں اور بعض محاورے نظرثانی کے محتاج رہ گئے ہیں مثلاً

مجبور ستم کیے ہیں وہ عبرت و اعتبار رسنے
اتنی بھی اب مہلت نہیں بار الم اٹھا سکوں

عبرت و اعتبار کا تیسرا سمجھ میں نہ آیا۔ یا مثلاً

میں ہوں گدائے بینوا، مجھ کو وہ جام ہو عطا
عقل سے بہرہ پا سکوں ہوش میں پھر نہ آ سکوں

"ہوش میں آنا" تو ٹھیک ہے، لیکن عقل سے جانا "محل نظر" ہے۔

ہمارے اشرف صاحب ہر طرح ہونہار ہیں اور ابھی دنیائے عالمیت کے مالک۔ اس عمر کی خامیاں سب کے کلام میں ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ مشق و ذوق سے گھٹتی جاتی اور مٹتی جاتی ہیں۔ اقبال کے رنگ میں وہ قوت و امت کی بہترین خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ اللہ کرے ان کا "فردا" انکے "امروز" سے بہتر اور روشن تر و مبارک تر ہو۔

تصحیح نئی کتابیں صدق نمبر ۳

(افسوس ہے کہ صدق ۵۳ میں نئی کتابوں کے تحت میں کتاب داستان شہید کربلا پر ریویو سہو کاتب سے رہ گیا اور داستان شہید کربلا کا نام دینے لکھنے کے بعد اسکے بجائے دوسری کتاب جو نمبر ۵ پر تھی، یعنی اسلام تھیوسوفی کی روشنی میں کا ریویو شایع ہوگیا ہے۔ لہذا اس پرچے میں اس کتاب پر ریویو از سر نو شایع کیا جا رہا ہے۔ (نائب مدیر))

(۲) **داستان شہید کربلا** ۔ مرتبہ محمد عبد الرحمٰن صاحب سعید صدیقی۔ ضخامت ۲۵۶ صفحات۔ قیمت ۱۲/ ملنے کا پتہ: نفیس اکاڈمی۔ حیدرآباد دکن

اس مجموعہ میں حادثۂ کربلا کے بارے میں سات مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ چار مضامین مولانا ابوالکلام کے دور الہلال و البلاغ کے ہیں۔ ایک مضمون مولانا مناظر احسن صاحب کے قلم سے ہے، اور وہ بھی غالباً ۱۹۲۶ء میں پہلی بار اخبار سچ میں شایع ہو چکا ہے۔ دو مقالے ذکر حسینؓ از ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور شہادت کبریٰ از نواب بہادر یار جنگ مرحوم نسبتہً نئے ہیں، یعنی شہادت حسینؓ کی سیزدہ سالہ یادگار کے سلسلہ میں پڑھے جا چکے ہیں۔

مضامین سب کے سب اچھے اور قابل مطالعہ ہیں۔ واقعی شہادت کربلا سے اس دور کے مسلمان بھی بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں اور اسکی تکرار (بشرطیکہ وہ مراسم مروجہ سے خالی رہے) یقیناً نافع ہے۔ اس مجموعہ میں اتنی کمی رہ گئی کہ اتنے پرانے مضامین پر اگر انکے لکھنے والوں سے نظرثانی کرالی گئی ہوتی تو یقیناً مجموعہ کی افادیت بڑھ گئی ہوتی۔

مجموعہ میں حضرت حسین کے ساتھ بجائے "رضی اللہ عنہ" کے "علیہ السلام" کا ہر جگہ لزوم، طریق اہل سنت سے تجاوز ہے۔
(ع - ق)

(۳) **اسلام تھیوسوفی کی روشنی میں** ۔ مترجمہ جناب ضیاء الدین برنی بی اے۔ ضخامت ۲۸ صفحات قیمت ۲/ ملنے کا پتہ: غالباً کتبۂ سلطانیہ، بھنڈی بازار، بمبئی نمبر ۳

مسز اینی بسنٹ آنجہانی (تحریک تھیاسوفی کی پرجوش کارکن) کے ایک پرانے لکچر کا، جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا، سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔ ایک ہمدرد غیر مسلم جس حد تک اسلام کی حمایت کر سکتا ہے، وہ اس لکچر میں موجود ہے۔ مغربی اہل قلم، پادریوں کے اعتراضات جو حضورؐ کی زندگی اور مسلمانوں کے عقائد و معاشرت پر ہیں، انکے جوابات بھی مسز موصوفہ نے اپنے رنگ میں دیے ہیں۔ غیر مسلموں اور انگریزی میں مستغرق تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے رسالہ کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ (ع - ق)

(بقیہ صفحہ ۴)

احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔

رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے اور علائق دنیوی سے جو انقطاع یوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کیلیے کامل تر ہو جاتا۔ اعتکاف مسنون بھی ہے، بلکہ رمضان میں تو فقہاء نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کر لے تو پوری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائیگی۔ بالکل نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہر حال استحباب و فضیلت کی چیز ہے۔

روحانی قوت و توانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لیے اور سال بھر کے لیے ایمانی اور اسلامی پروگرام بنانے کے لیے اپنے کو ایمانی اور روحانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور موثر تر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ بیس دن کے مسلسل طاعت و عبادت اور شب و روز کے ذکر الٰہی و فکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص و للٰہیت کی مشقوں کو دعاؤں، عبادتوں سے، ذکر و فکر سے انتہا کے کمال پر پہونچا دے!

لیکن ہر کس و ناکس کا ظرف اس مرتبہ کا تحمل نہیں ہو سکتا، عجیب عجیب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آ جاتی ہیں، جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ و قابل نفرین تجربات ہو چکے ہیں، مثلاً یہ کہ کھانے لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر میں لایا، اور معتکف بیچارہ خستہ اُس پر برس پڑا۔ (دیکھیے صفحہ)

شریعتِ اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں میں

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

ابھی ابھی صدق نمبر ۲۵ میں لکھا تھا کہ جب سرزمین ہند کے مسلمان تنہا فرماں روا تھے تو یقیناً ملک اس وقت بھی آباد اور رعایا شاد تھی، شاید اسی قدر آباد جتنی اب ہے۔ اور رعایا تو شاید اس سے بھی زیادہ شاد تھی جتنی اب ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ حکومت جو اپنے آغوش میں [illegible] نہیں ایک نصف درجن صدیوں کو لپیٹے ہوئے ہے۔ کیا یہ باور کرنے کی بات تھی کہ حکومت کا یہ سارا زمانہ گزارا گیا جس میں نہ ملک ہی کسی دستور کا پابند تھا اور نہ حکومت ہی نے ملک پر کسی قسم کے آئین کو عائد کیا تھا؟ کیا واقعی مسلمانوں کی حکومت کا عہد بے آئینی کا عہد تھا؟ ایسی بے آئینی کا عہد جو صرف ان لاٹھیوں کے سایہ میں ختم ہوا جس میں ہنکانے والے وہ اپنی بھینسوں کو جس طرح چاہتے تھے ہنکاتے چلے جاتے تھے؟

شاید کچھ یہ دیکھ کر کہ قانون وضع کرنے والی مختلف گوناگوں ناموں والی مجلسوں، گرم گرم تیز و تند پارلیمانی مباحثوں اور تجدیدوں، نیچے سے اوپر تک تہ بہ تہ قانونوں کو نافذ کرنے والے مختلف مدارج اختیارات رکھنے والے اداروں کے ذریعہ سے امن و امان کے جس نتیجہ کو آج بمشکل حاصل کیا جا رہا ہے جب ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی مسلمانوں کے دورِ حکومت میں نشان نہیں ملتا تو تو کیسے باور کر لیا جائے کہ ان گذشتہ حکومتوں کا بھی کوئی آئین تھا، حالانکہ تو یہ ہے کہ محاصل کی تحصیل و وصول اور اسی قسم کی چند دوسری چیزوں کا ایک دفتر آئینِ اکبری (مولفہ ملا ابو الفضل) میں جو پایا جاتا ہے، اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو قانون کے نام سے ورق دو ورق کے کسی رسالہ کا بھی مسلمانوں کے زمانہ میں سراغ نہیں ملتا۔ پھر کیا امن و امان کا یہ پھل جسکا اسلامی عہد میں مشاہدہ کیا گیا تھا بغیر درخت کے قائم تھا؟ اس زمانہ کا مورخ ان سوالوں کو اٹھاتا ہے، اٹھاتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ شاید کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ جن دماغوں سے سوچنے کا عادی آج لوگوں کو بنا دیا گیا ہے ان سے سب کچھ سوچا جا سکتا ہے، لیکن جو چیز نہیں سوچی جا سکتی یا لوگ نہیں سوچنا چاہتے وہ بھی ایک اور صرف ایک ہی بات ہے، یعنی مذہب نے بھی دنیا کی کوئی خدمت انجام دی ہے، دین کا بھی آدم کی اولاد پر کچھ احسان ہے؟ دنیا اسکے سوچنے سے معذور بنائی جا چکی ہے۔ کمال کا انتساب مذہب کی طرف ناقابلِ برداشت حقیقت بن چکی ہے۔ بلکہ آج ہیچمیرزی، نامعیاری کے لیے مذہب کی طرف کسی شے کا انتساب کافی ہے۔

عہدِ علمی کا انتہائی عظیم [illegible] کی شیشہ جیسا کہ [illegible]

چند لمبے لمبے کرتوں اور لمبی لمبی داڑھیوں والے ملاؤں کی طرف اسے منسوب کر دیا جائے؟ ایک احساس پیدا کر دیا گیا ہے جو اس نسبت کے جواز سے منسوب کرنے والوں کو روکتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے عہدِ اسلامی کی تاریخ کا یہ باب گونگے کا خواب بنا ہوا ہے، جو دیکھ رہے ہیں وہ بول نہیں سکتے اور جو بول سکتے ہیں انھوں نے دیکھا نہیں یا دیکھنے سے انھیں روکا گیا ہے۔ بند سہی غیر واضح الفاظ میں کچھ لکھ بھی دیا جاتا ہے تو پڑھنے سے پہلے جو کچھ معلوم تھا، ان الفاظ کے پڑھنے کے بعد بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا، لیکن واقعہ یہی ہے، واقعیت بیچاری ہے کہ کسی کے جاننے نہ جاننے کا تابع نہیں ہوتا۔ آنکھوں کے بند کر لینے سے بندر اگر یہ سمجھتا ہے کہ اسکے سامنے پھن کھول کر لہرانے والے سانپ پر موت طاری ہو جاتی ہے، تو یہ سانپ کی نہیں، بندر کے احساس کی موت ہے۔

پس سچی بات کھرے کھرے الفاظ میں یہ ہے اور یہی ہے کہ فقہ کے نام سے مذہبی علم جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، اب مذہبی ہونے یا کہنے کی وجہ سے آپ چاہیں جتنا بھڑکیں بھڑکنے کا آپ کو اختیار ہے، لیکن واقعہ یہی تھا اور یہی رہیگا کہ ہندوستان کے باہر بھی جہاں کہیں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں تو صدی دو صدی تک ہی نہیں بلکہ ہزار اور ہزار سے بھی زیادہ مدت تک ان حکومتوں کا قانون فقہ کا یہی مذہبی علم تھا، ایسا قانون جو اتنی طویل و دراز مدت تک زمین کے اتنے بڑے رقبہ پر حکومت کے قانون ہونے کی حیثیت سے زندہ رہا ہے کہ مشکل ہی سے قانون کے نوزائیدہ عصری مجموعوں میں کوئی مجموعہ اپنی اتنی طویل اور عریض تاریخ رکھتا ہو۔

حکومتی مصالح اور اربابِ اقتدار کے ذاتی اغراض کے دباؤ سے آزاد، قطعاً آزاد ہو کر صداقت کی ان ہی بے لاگ اور عمیق اور گہری بنیادوں پر جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ملی تھیں ان ہی سے علماءِ اسلام کا ایک طبقہ، بڑا طبقہ، قانون پر قانون بناتا چلا جاتا تھا اور انکے نافذ کرنے میں مشغول و منہمک تھا۔ یہی فقہاءِ امت کا گروہ تھا۔

پھر ڈھونڈنے والوں کو قانون کے نام سے ورق دو ورق کا رسالہ بھی اس زمانہ کے متعلق اگر نہ ملتا ہو تو نہ ملے لیکن فقہاء کے وضع کیے ہوئے ٹھیک ٹھیک الفاظ میں استنباط و اجتہاد سے نکالے ہوئے مسائل اساسی کتابوں اور روزمرہ وقتاً نئے حوادث و واقعات کے پیش آنے کی صورتوں میں وقائع، فتاویٰ، الحوادث، النوازل وغیرہ وغیرہ ناموں سے نظائر اور ذیلی قوانین کا جو دفتر تیار ہو گیا ہے، بلا مبالغہ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ لاکھوں لاکھ اوراق میں پھیلا ہوا وہ

اب تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ المستعان اس وقت تک محفوظ رکھنے کی کوشش سرگرمی سے جاری رہیگی جب تک پھر آخر اسی پر عمل درآمد کیلیے دنیا آمادہ نہ ہو جائیگی اور اسکو آمادہ ہونا ہی پڑیگا کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون[1]۔

اسلامی قانون کی تدوین کے اس کام میں خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ باوجود نومسلم ہونے کے ہمارے (کشور ہند) کا بھی کافی حصہ ہے۔ غیر معروف چھوٹے بڑے متون یا رسالوں، شروح و حواشی کے سوا تغلقوں کے عہد میں "تاتارخانیہ" جیسا مستند فتاوے ہندوستان ہی نے دنیا کی اسلامی حکومتوں کے سپرد کیا تھا۔ اسی طرح گجرات میں فتاوے حمادیہ کی ترتیب بھی ہندوستان ہی کی محنت کی رہین منت ہے۔ فتاوے ابراہیم شاہی کے نام سے جونپور کی حکومت شرقیہ نے بھی اسی کام کو اپنے وقت میں انجام دلایا تھا، اور بالآخر اسلامی قانون کی تدوین کا آخری کام فتاوے ہندیہ یا فتاوے عالمگیری کے نام سے اسی ملک کیلیے ازل سے مقدر تھا۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب انار اللہ برہانہ کے حکم سے مستند علماء اور وقت کے سربرآوردہ فقہاء کی ایک جماعت نے بظاہر ملا نظام برہان پوری کی نگرانی میں اس کام کو انجام دیا ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ براہ راست خود بادشاہ خدا آگاہ، معارف پناہ، عملی دلچسپیوں کے ساتھ اس اہم "آئینی کام" کے پیراستہ خود نگراں تھے۔ دن میں جتنا کام مکمل ہو جاتا تھا، شب کی خلوت میں ملا نظام سے براہ راست لفظاً لفظاً سب کو سنتے تھے، بیچ بیچ میں اپنی تنقیدی رایوں کو بھی ظاہر کرتے جاتے تھے۔ خیر یہ تو ایک طویل قصہ ہے[2]، میرا ارادہ ہے، خدا پورا کرے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون یعنی فقہ پر عملاً و علماً مختلف شکلوں سے جو کام ہوا ہے، اسکی داستان ایک مستقل کتاب ہی کی صورت میں مرتب کردوں۔ اسوقت سردست اس کتاب ہی کی یادداشتوں سے اخذ کرکے بعض واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ ہماری اسلامی حکومتوں پر اس شرعی قانون یعنی فقہ کا کسی زمانہ میں کتنا

کا اثر تھا۔

اب کہنے والوں کو کیا کہیے۔ میں شستہ رو ہیرالٹ تو کیا اب دن رہ گیا تھا، جب انہوں کسی نے "تاریخ ہند کے ایک مسلمان استاد مسلم نے مجھ سے پوچھتے ہوئے کہا تھا کہ کیا فقہ کی کتابوں کے دینی مسائل پر حکومت کا کسی زمانہ میں عملدرآمد بھی تھا؟" کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔

گھر کا آدمی جب یہ کہہ ... سے جب یہ کہلوایا جا رہا ہے تو باہر والوں کو خدا ہی جانتا ہے کہ کیا کچھ باور کرایا گیا ہوگا۔ اسی فکر میں ڈوب گیا۔ کیسی عجیب بات!

اسلامی عہد میں نازک ترین وقت اس حیثیت سے اگر کبھی آیا بھی تھا تو اکبری عہد کا وہ نازک وقت تھا جب بادشاہ کے مزاج کے مزاج میں کچھ انحراف پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن تاریخ کی ان نازک اور کٹھن گھڑیوں میں بھی کیا ہوا تھا۔ نواب شاہنواز خان اورنگ آبادی مآثر الامراء میں رقمطراز ہیں:-

قاضی بقطع معاملات اہل اسلام متعین گشت و برہمنے دانا بجہت فصل قضایاے ہنود قرار یافت (مآثر ص ۳۹۶ ج ۳ مطبوعہ کلکتہ)	مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے کیلیے قاضی کا اور ہندوؤں کے جھگڑوں کو چکانے کیلیے کسی دانا برہمن کا تقرر کرنا قرار پایا۔

اور یہ تو خیر زیغ اور انحراف کے وقت کا نقشہ ہے۔ ورنہ یہی جلال الدین محمد "اکبر بادشاہ" جب تک "جلال الدین محمد" ہی تھے جہاں پناہ اکبر بادشاہ نہیں ہوسکے تھے، تو مآثر ہی میں اس زمانہ کا حال یہ لکھا ہے

دراں وقت اکبر بادشاہ بترغیب شیخ (عبد النبی) در اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی منکر اہتمامی فرمود۔	اس زمانہ میں اکبر بادشاہ شیخ عبد النبی (صدر الصدور) کے اشارہ سے شرعی احکام کے جاری کرانے میں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں انتہائی کوششوں سے کام لیتے تھے۔

انتہا یہ تھی کہ بقول انہی کے

خود اذان می گفت و امامت میکرد حتی کہ بقصد ثواب مسجد جاروب می زد۔[1] ص ۵۶۰ ج ۲	خود بادشاہ اذان دیتا تھا اور امامت بھی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ثواب لوٹنے کی غرض سے جھاڑو بھی مسجد میں خود دیتا تھا۔

(باقی آیندہ)

---

[1] خدا اپنی روشنی کو پوری کرکے رہیگا، خواہ کافر برا مانیں۔ اسلیے اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں ۱۲

[2] ہندوستان میں اسلامی قانون کے جو بیسیوں فتاوے کی کتابیں مختلف زمانوں میں مرتب و مدون ہوئی ہیں ان کے تفصیلی حالات ایک حد تک آپ کو میری کتاب "تعلیم و تربیت" میں مل سکتے ہیں۔ جس میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تعلیم و تربیت کے نظام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب وقت کے نشری ادارہ ندوۃ المصنفین سے ملیگی۔

[1] بادشاہ کی طبیعت کی اس انتہا پسندی کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ لوگوں کا ماتھا اسی وقت ٹھنکتا۔ جب دینداری میں وہ یہاں تک پہونچا ہے تو اس کیفیت کے ازالہ کے بعد اعتدال کے نقطہ پر شاہی مزاج باقی تو رہیگا۔ اور یہی ہوا۔ اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ اکبر شاہ سے جو کچھ بھی سرزد ہوا یہ انکی افتاد اور افتاد طبع کا نتیجہ تھا۔ انتہا پسندی ہی انکی فطرت تھی ... آخری حد تک اسی کے پیچھے

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن

(از مدیر صدق)

"ترجمان القرآن" کی نظر میں

"محمد علی لاہوری کا ترجمہ و حاشیہ معنوی تحریفات سے بھرا ہوا ہے۔ زبان بھی پھیکی اور بے مزہ ہے۔ پکتھال نے ترجمہ کے بجائے تشریح کو پسند کیا ہے۔ مگر توضیحی حواشی کی کمی کے باعث اُسکی افادیت کم ہو گئی ہے۔ عبد اللہ یوسف علی کے ترجمہ میں زبان کا چٹخارہ بھی ہے اور توضیحی حواشی بھی ہیں۔ مگر خود انکا دینی علم اتنا محدود ہے کہ اتنے بڑے کام کی ذمہ داری کے وہ اہل نہیں سمجھے جا سکتے۔ بہر حال اُس میں اتنی خوبی ضرور ہے کہ وہ ارادی تحریفات سے خالی ہے۔ موجودہ ترجموں کی ان کوتاہیوں کے پیش نظر قرآن کریم کے ایسے انگریزی ترجمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جو اِن خامیوں سے پاک ہو جسے پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ نوجوانوں کے ہاتھوں میں دیا جا سکے مولانا عبد الماجد کا ترجمہ اس کمی کو ایک حد تک پورا کرتا ہے۔ مولانا عبد الماجد ایک طرف راسخ العقیدہ اور ٹھیٹھ مسلمان ہیں۔ دوسری طرف یورپ کی نت نئی گمراہیوں اور فکری بھول بھلیاں پر خاص نظر رکھتے ہیں۔ نیز ترجمہ و تالیف کی مختلف منزلوں میں وہ وقت کے مستند عالموں سے برابر مشورہ بھی لیتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ توقع رکھنا بعید نہ ہوگا۔ ان کا ترجمہ نئی پود اور انگریزی دانوں کے لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہوگا۔ ترجمہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ عقائد کے بارے میں ٹھیٹھ اسلامی روش اختیار کی گئی ہے اور … نو روشان عصر حاضر کی طرح خواہ مخواہ کی تحریف و تاویل سے اجتناب کیا گیا ہے۔ دوسری امتیازی چیز اسکے توضیحی

حواشی ہیں جو اکثر و بیشتر نہایت قیمتی اور مفید ہیں۔ بائبل اور یہودی اور عیسائی اہل علم کی دوسری مستند کتابوں سے بکثرت شواہد جمع کیے گئے ہیں۔ جنکی قدر و قیمت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھوں نے کبھی یہودیت کے متن سے شکر جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن عربی مفردات کے لفظی ترجمے تسلی بخش نہیں معلوم ہوئے، اُنکی توضیح حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔ اسی طرح حواشی گوناگوں لغوی۔ نحوی۔ تاریخی۔ اور جغرافی معلومات اور فوائد کا مجموعہ ہیں۔ البتہ ترجمہ میں بائبل کی زبان اور طرز اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں … اختلاف کی گنجائش ہے اور اصحاب ذوق کی دو رائیں ہو سکتی ہیں۔

"تفسیری کام اور چندہ"

(از عبد الماجد)

ایک لاہوری مہربان شیر پنجاب کا جو مراسلہ ۲۹ مئی میں بلا کسی ادنیٰ سعی جواب کے شائع ہوا ہے اُس سے بعض صاحبوں کو خیال جو پیدا ہو گیا ہے۔ کہ شاید تفسیری کام کے لیے کوئی عام چندہ کی اپیل کی گئی تھی! استغفر اللہ۔ صورت حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ تفسیر ذاتی یقیناً ایک پر مصارف شغل ہے۔ صدہا عربی، انگریزی، ضخیم اور نفیس (بعض نادر) کتابوں کی فراہمی، ٹائپ کی اُجرت، مبیضہ نویس کی تنخواہ وغیرہ۔ لیکن خود سے طلب کرنا الگ رہا، جن مخلصوں نے از خود کچھ شرکت کرنا چاہی اُن میں سے بھی سب کی امداد نہیں قبول کی گئی۔ متعدد منی آرڈر واپس کیے گئے۔ بعض کی پیش کردہ رقموں میں سے صرف ایک جزو کو قبول کیا گیا، اور صدق میں اعلان اِن معطی حضرات کے نام اور مفصل پتہ کے بغیر، اُنکے شکریہ کے بغیر، انکی رقموں کا اندراج مقصداً ان الفاظ کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ فلاں فلاں حضرات سے امداد قبول کی گئی۔ قبول امداد کا معیار، صرف ان حضرات کا اخلاص کامل ہے، اور اخلاص کامل کا معیار شہادت قلب ہے۔ شرکت کی اجازت صرف اُن کو ہے جو محض اجر و رضائے الٰہی مقصود رکھتے ہوں۔ اور ساتھ ہی وہ سلامت سواد و بے استعداد کے ساتھ حسن ظن اور اعتماد اس درجہ کا رکھتے ہوں، کہ اُنکے سامنے اگر رقم اٹھا کر دریا میں پھینک دی جائے، جب بھی وہ حساب و کتاب کا مطالبہ نہ کریں۔ یہ شرطیں اس کے قبل بھی درج ہو چکی ہیں کبھی صراحۃً کبھی کنایۃً اور آج ایک بار پھر انکے اعادہ کا موقع نکل آیا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

تو نخواہ سے کہا ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقض ہے جس طرح نماز و طہارت کی ناقض جیسی نالیاں ریول پرانا ہیں۔

المتکمعت اذا اتی کبیرۃ فسد اعتکافہ لان الکبیرۃ ضد العبادۃ کما ان الحدث ضد الطہارۃ والصلاۃ قالہ ابن ویمن سعد: عن مالک (قرطبی) ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف علیہ العجز عن الوفاء بحقوقہ (قرطبی)

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف تقریباً ۲۵ سال کی) حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علماء اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگی۔

پتہ۔ محمد نقی خاں۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نمبر ۳۳ | یوم سہ شنبہ ۔ ۲۶ ۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

مدت دراز کے بعد ابھی ایک دن لکھنؤ میں "ملا انوار" کے باغ کو جانا ہوا۔ "باغ"! نام کے ساتھ ہی خیال درختوں اور پھول پتیوں کا آجاتا ہے، اور ذہن کے سامنے نقشہ سبزہ وچمن کا پھرنے لگتا ہے۔ یہاں باغ کے نام سے گھاس کی پتی تک نہیں۔ ایک چہار دیواری، لق ودق احاطہ، اندر ایک پورا محلہ آباد۔ اردگرد لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات، درمیان میں لمبا چوڑا قبرستان، ہر طرف قبروں، قبوں، اور مزارات کی آبادی۔ ایک گوشہ میں مسجد اور خانقاہ! —— آبادی کے اندر ویرانہ، یا یوں کہیے کہ ویرانہ کے اندر آبادی —— فرنگی محل کے ایک قدیم بزرگ ملا محمد انوار گذرے ہوئے ہیں، انھیں کی جانب یہ محلہ منسوب ہے۔ ممکن ہے شروع شروع میں باغ ہی رہا ہو۔ کبھی شاید عام قبرستان رہا ہو، اب تو مدت سے صرف فرنگی محل والوں کا قبرستان ہے، اور انکا شکے لیے وہ اجازت دیں

مدت کے بعد جانا ہوا۔ اور دل عجب اثر لیکر آیا۔ کیسی کیسی یادیں تازہ ہو گئیں، اور کتنے بچھڑے ہوؤں کی شبیہیں صورتیں نظر کے سامنے پھر گئیں! —— سامنے سفید شفاف، سنگ مرمر کی آرامگاہ، فرنگی محل کے علم وشہرت کی آخری یادگار مولانا عبدالباری کی ہے۔ جس نفاست کے ساتھ حیات گذری، شاید وہی وہاں بھی ساتھ دے رہی ہے۔ اور پہلو میں سبز گنبد کے نیچے ان کے والد ماجد مولانا عبدالمجید وغیرہ۔ اور یہ کھلے ہوئے میدان میں اور فلاں کے مجاہد مولوی سلامت اللہ اور مفتی وشیخ الحدیث عنایت اللہ ہونہار مولوی محمد یونس (مترجم "روح الاجتماع") اور جوانمرگ مولوی عزت اللہ، انکے والد ماجد اور اس نامہ سیاہ کے استاد مولوی عظمت اللہ، اور ایک کونے میں نیم پختہ ونیم خام تربت فرنگی محل ہی کے نہیں ہندوستان کے نامور محقق مولانا عبدالحی کی۔ کیا نور رحمت اور کیسی کشش اس ایک قبر پر ہے! پاس جانے تو بیٹھے کو جی نہ چاہے! —— اور عذاب میں لئے بڑے اور چھوٹے بوڑھے اور جوان، بچے اور سپاہیا —— اور تو اور اپنے زمانہ کی نامور امیرزادیاں۔ ایک رانی صاحب جہانگیر آباد، آہ، انکی وہ داد ودہش اور فیاضیاں! اور دوسری رانی قمر زمانی بیگم، آہ، وہ انکے دور شباب وشہرت کی داستانیں پہلا عقد ایک راجہ سے اور دوسرا ایک رئیس سے۔ اور دوسری طلاق کے بعد تیسرا عقد اپنے ہی علاقہ کے ایک کارندہ سے! اور مقدمہ بازی کے سلسلہ میں لکھنؤ ہی کے ایک اخبار میں مدتوں "دور قمر" کے عنوان سے نوٹس! —— کیا کہیے، قبروں کے بے زبانہ اعمال کے کن کن گوشوں کی نشان دہی شروع کر دیتے ہیں! خدائے ستار، آمرزگار سب کو اپنی رحمت ومغفرت کے پردے میں ڈھانپ لے!

دو قدم اور مغرب کی طرف بڑھیے۔ تو دیکھیے، وہ سامنے اونچے چبوترے پر ڈھیر شعر وتصوف کے نام مولانا محمد نعیم کا ہے۔ اور انکے بازو پر انکے والد اور بھائی۔ اور نیچے دونوں بھتیجے۔ فرنگی محل کے "شمس العلماء" ابو الفضل مولوی عبدالمجید اور ابو [illegible] مولوی عبدالحکیم [illegible] ایک معقولی، دوسرے منقولی۔ اور عذر علوم اور کتنے ——

کونی فہرست اور شمار تقویٹے ہی کا مقصود ہے!

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا!
ہر طرف عبرت کا کارخانہ - حسرتوں کا خزانہ -
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

حسرت دہلوی کے دیوان میں "شہر اولاد کا باغ" کے ردیف و قافیہ میں جو غزل ہے، اسکی تلمیح اسی عبرت گاہ کی جانب ہے۔ اپنے بھی دو چار عزیز قریب اسی خاک میں آسودہ ہیں —— اسمبلی اور کونسل والوں، چیف کورٹ اور گورنمنٹ ہاؤس والوں سب کی آخری منزل یہی ہے۔ کیوں نہ جیتے جی کبھی کبھی ان ویرانوں اور کھنڈروں کو جھانک لیا کیجیے اور قبل اسکے کہ وہاں لائے جائیے، کیوں نہ خود ہی بصحت عقل بسلامت - اس جہاں کے خاموش پیام سن جا لیجیے!

نئی روشنی پرانے حقائق پر

ٹائمس آف انڈیا (۶ اگست ۱۹۴۵ء) میں ایک مضمون جاپانیوں پر "دیوتاؤں کے فرزند" کے عنوان سے ہے۔ اس میں جاپانیوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے کہ ہم لوگ عام انسانی مخلوق کی طرح نہیں، بلکہ دیوتاؤں کی اولاد ہیں، اور اس لیے خود بھی نیم دیوتا اور تقدس مآب ہیں —— یہ عقیدہ صاف آواز بازگشت ہے یہود کے اس دعوے کی کہ نحن ابناء اللہ واحباؤہ (ہم خدا کی اولاد اور اسکے چہیتے ہیں)

مقالہ نگار نے مقالہ میں شاہی محل کی بھی تصویر درج ہے جسکے آگے فوجی سپاہی بحالت نیم رکوع کی حالت میں محل کی طرف رخ کیے، اسکی پوجا کر رہے ہیں - یہ ترجمان ہے انکے اس عقیدہ کا کہ میکاڈو (شاہ جاپان) اوتار ہوتے ہیں معبود اعظم سورج دیوتا کے! —— ٹھیک یہی عقیدہ جو اہل مصر کا فرعون سے متعلق تھا۔

تاریخ پر، جغرافیہ پر، واقعات معاصرہ پر نظر رہے تو قرآن مجید کے بیانات کی نظیریں اور تائیدی مثالیں قدم قدم پر ملتی جائیں گی مفسر جدید کے لیے یہ علوم ناگزیر ہیں۔

پردہ اور پردۂ عصمت

ایک ہندوستانی "ماں" صاحبہ کا مراسلہ پائنیر (لکھنؤ) میں:-

"بڑی ہی شرم اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستانی شرفاء نے چاہے وہ طلبہ ہوں یا کوئی اور، اب تک اپنی عورتوں کی عزت کرنا نہیں سیکھا ہے۔ ہندوستان خودمختاری کے دروازہ پر پہونچ چکا ہے، اور ملک کی عورتیں پردہ سے باہر آکر مردوں کے شریک عمل ہونے کو ہر شعبۂ زندگی میں تیار ہیں، لیکن خود ہمارے نوجوان ہی راہ کی روک بنے ہوئے ہیں۔ سڑکوں اور شاہراہوں پر عورت کی توہین اور چھیڑ چھاڑ اس درجہ ہونے لگی ہے کہ مجبوراً پولیس کو جسکا کام بدمعاشوں اور گنڈوں کی گرفت کرنا ہے، اسے اسکولی اور کالجی لڑکیوں کی حفظ ناموس کے لیے مستعد ہونا پڑتا ہے"

لیکن محترم خاتون، یہ ارشاد ہو کہ قصور اب بھی تمامتر مردوں اور لڑکوں ہی کا رہا؟ آخر سیکڑوں ہزاروں عورتیں اور لڑکیاں ڈولی میں، پالکی میں اور بند گاڑیوں میں اور پردہ دار تانگوں میں اور پیدل برقعوں میں بھی تو اسی شہر کی سڑکوں پر، انھیں مردوں اور لڑکوں کے سامنے سے گزرتی رہتی ہیں، پھر آخر اسوقت ان آوارہ مردوں کی بدمعاشی اور "گنڈہ پن" کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا ان پر بھی دست درازی کی وارداتیں، اتنی نہ سہی، اسکی آدھی، چوتھائی بھی گزرتی رہتی ہیں؟ کیا انھیں بھی بیرمارہ چھیڑنے کی ہمت کرتے ہیں؟ کیوں چھیڑیں؟ —— کسی نے بھی اپنی بہن اور بیٹی اور ان کو سرراہ چھیڑا ہے؟ لیکن جب آپ خود ہی پردہ اور برقع اور نقاب اور لباس ساتر اور نیچی نگاہوں اور شرم و جھجک کو اپنے ہاتھوں آگ لگا چکی ہیں، اور اپنے کو نیم برہنہ ایکٹرسوں ملکہ نیم عریاں کی اداؤں سے آراستہ کر چکی ہیں، تو یہ کیونکر توقع کیے ہوئے ہیں کہ راستہ میں آپ کو بھائی اور بیٹے اور باپ ملتے رہیں گے؟ —— دریا میں آگ تو آپ نے خود لگائی ہے اور پھر شور یہ ہے کہ کپڑے بھیگے جا رہے ہیں!

افضل البشر

ایک صاحب خورد مئو سے لکھتے ہیں:-

"اول ما خلق اللہ نوری - یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ - لولاک لما خلقت الافلاک - پہلی روایت کی نسبت سیرۃ النبی جلد سوم میں صاف مرقوم ہے کہ اسکے موضوع ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے - دوسری روایت کی صحت کی بابت تذبذب تحریر ہے اور استدلال تذبذب میں اول ما خلق اللہ القلم بحوالہ صحیح بخاری رقم ہے - تیسری روایت کے لیے ہدیۂ مجددیہ (ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ) کید نمبر ۶۵، [illegible] میں بہت واضح لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی کچھ اصل نہیں -

عوام میں مشہور و معروف ہے کہ آنحضرت صلعم کو اگر خلاق عالم نہ پیدا فرماتا تو زمین و آسمان وغیرہ کچھ نہ پیدا فرماتا — میلاد کی کتابوں میں بھی یہی پایا جاتا ہے - لیکن جن روایتوں سے استدلال کیا جاتا ہے، انکا حال اوپر عیاں ہے - اب جناب والا سے یہ عرض ہے کہ کہیں قرآن مجید میں اسکا اشارہ ہے، یا کوئی حدیث صحیح اسپر دال ہے؟ یا صرف واعظوں کی رنگین بیانی ہے اور بس -

مجھے اس امر سے سخت نفرت ہے کہ بزرگان دین کی نسبت ایسی بات کہی جائے جو فی الواقع ان میں نہ ہو - نہ کہ سرور عالم صلعم کی بابت - بس عرض ہے کہ میری تشفی فرمائیں"

دو سوال الگ الگ ہیں، اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہیں - ایک سوال یہ ہے کہ روایات بالا کس درجہ کی ہیں؟ دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلعم کو مقصود کائنات سمجھنا کہاں تک صحیح ہے؟

پہلے کا جواب یہ ہے کہ تینوں روایتیں بے ثبوت ہیں، بلکہ تیسری تو یقیناً موضوع۔ اسکے متعلق جو تحقیق سائل نے نقل کی ہے وہی صحیح ہے۔

لیکن اس سے دوسرے سوال کی نفی لازم نہیں آئی۔ ذیل کے دو مقدمے الگ الگ سمجھ لیے جائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان خلاصۂ کائنات و اشرف خلائق ہے۔ آیاتِ قرآنی "انی جاعل فی الارض خلیفہ"، "ولقد کرمنا بنی آدم" وغیرہا نیز احادیث نبوی "ان اللہ خلق آدم علی صورتہ"، "لکم و کم خلقتم للآخرۃ" وغیرہ اس پر ناطق ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم افضل البشر اور اشرف خلائق ہیں ——— ان دونوں مسلّم حقیقتوں کے ملانے سے اگر کوئی اس نتیجہ تک پہونچ جائے کہ آنحضرت صلعم کی ذات خلاصۂ کائنات اور مقصودِ اعظم آفرینش ہے، تو اس نے شاعری نہیں کی۔

رہا یہ سوال کہ آپ کی پیدائش نہ ہوتی، جب بھی اس آسمان و زمین کی آفرینش ہوتی یا نہ ہوتی، تو ظاہر ہے کہ مشیت کے امکانات پر کون بندہ اپنی زبان کی جسارت کر سکتا ہے۔ البتہ یہ بھی یقینی ہے کہ اس درجہ مرتب و مکمل نظام میں جیسا کہ اس کائنات کی مشینری کا ہے، ایک ادنیٰ سے پرزے کا رد و بدل بھی عظیم الشان، بلکہ زمین و آسمان کا فرق پیدا کر سکتا تھا، چہ جائیکہ ایسی ہستی کا عدم جو مخلوقات میں عظیم ترین مرتبہ رکھتی ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"ایک خادم دین وملت" (کلکتہ) یقیناً انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں میں اسلامی لٹریچر پھیلانے کی شدید ضرورت ہے لیکن اڈیٹر صدق جتنا وقت نکال سکتا تھا، وہ تو انگریزی قرآن مجید کے کام میں اب بھی لگا ہوا ہے۔

ریاضی و انگریزی داں مدرس کی ضرورت

مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد شاہجہاں پور میں شوال ۱۳۶۳ھ سے ایک ایسے مدرس کی ضرورت ہے جو ریاضی اور جغرافیہ و تاریخ کی اچھی طرح تعلیم دے سکتے ہوں۔ ایک ایسے انگریزی داں مدرس کی بھی ضرورت ہے جو کم از کم انٹرنس پاس ہوں اور طلبہ کو اچھی طرح انگریزی کی تعلیم دے سکتے ہوں۔

درخواستیں ناظم مدرسہ کے نام آنا چاہیے

تنخواہ بذریعہ خط و کتابت طے ہو جائیگی۔

المشتہر

ناظم مدرسہ سعیدیہ۔ جامع مسجد شاہجہانپور

نئی کتابیں

(۱) **میخانۂ ریاض** ۔ از تسنیم مینائی۔ ۲۸۰ صفحے۔ قیمت عہ پتہ، دار الاشاعت اردو، عابد روڈ حیدرآباد دکن۔

ریاض خیرآبادی مرحوم، دور کے ایک نغز گو شاعر ہوئے ہیں۔ شاعری کے علاوہ نثر و انشا پرداز بھی۔ یہ انکے حالات و کلام پر ایک دلچسپ تبصرہ انکے استاد زادہ یعنی امیر مینائی کے پوتے تسنیم مینائی کے قلم سے ہے۔ اصل کتاب ۱۶۵ صفحہ پر ختم ہو گئی ہے، باقی حصہ انتخاب کلام کے لیے وقف ہے، کسی تبصرہ و تشریح کے بغیر۔

تسنیم اچھے لکھنے والے ہیں۔ انکے بعض مضامین انکی ادبیت و حسن انشاء کے شاہد عادل ہیں۔ ریاض کی نثر و نظم پر لکھنے کا انھیں حق حاصل تھا۔ لیکن یہ کتاب اس معیار کی نہیں، جسکی ان سے توقع تھی ——— اچھے مصنف ہونے کے لیے محض ذہانت اور زباں دانی کافی نہیں۔ خاصی محنت اور وقت صرف کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

اس کتاب کا حال یہ ہے کہ فہرست مضامین دینے تک کی زحمت گوارا نہیں کی گئی ہے، اور مصنف نے اپنا تعارف اپنے قلم سے کرانے کے بجائے (صفحہ ۱۹ کی عبارت اس مقصود کے لیے کافی نہیں) یہ خدمت ناشر غریب کے سر ڈال دی ہے۔ جا بجا، تحریروں کے بڑے لمبے لمبے اقتباسات درج ہیں۔ اور بعض دفعہ مصنف کی رائے کو دوسروں کی رایوں سے ممتاز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ پھر اس سارے حصہ میں اکثر اشعار کو بلا ضرورت جلی قلم سے لکھنے کی روش نے ایک طرف تو کتاب کو ناحق ضخامت دیدی ہے اور دوسری طرف مطالعۂ کتاب کی روانی میں سہولت نہیں، دشواری پیدا کر دی ہے ——— نتیجہ یہ ہے کہ مصنف کے حسن بیان کے باوجود کتاب اتنی دلچسپ نہیں رہی، جتنی موضوع اور مصنف کی شخصیت دونوں کے لحاظ سے ہونی چاہیے تھی۔ ص ۹۴ کے وسط میں لفظ "متلاشی" مصنف کے سنبھلے ہوئے قلم کے شایان شان نہیں۔ خدا کرے آئندہ ایڈیشن میں ہونہار مصنف کو زیادہ توجہ اور زیادہ وقت کا موقع مل جائے۔

(۲) **مرزا غالب کی شاعری** ۔ از مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے۔ ۵۲ صفحے۔ قیمت ۸؍ پتہ:۔ صدیق بکڈپو۔ امین آباد لکھنؤ۔

مرزا صاحب کا ایک فاضلانہ مقالہ ہے، جو ۱۹۲۰ء میں ایم اکادمی لکھنؤ میں پڑھا گیا تھا۔ ۲۰ سال کے بعد اب کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ بظاہر صرف ایک مقالہ ہے لیکن اسکے اندر غالب اور متعلقات غالب پر بہت کچھ آ گیا ہے۔ غالب کا ماحول، غالب

کی شاعری کا نشو و نما، غالب کا نسب، غالب کا مذہب، یہ سب مباحث رسالہ میں سمونے ہوئے ملیں گے، خصوصاً غالب کے مذہب پر گفتگو بسط و تفصیل سے ہے۔ مقالہ شیدا "ایمان غالب" کے کام کی چیز ہے، اور بکا بہترین، گو مختصر، حصہ وہ ہے، جس میں اشعار غالب کی شرح و ترجمانی کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نامِ مثل لکھنوی اماناً اسی میدان کے مرد ہیں۔

ق ۳ پہ فی الذین اشاعر میں ذمن سے قبل "الان" زائد چھپ گیا ہے

(۳) تذکار الحج۔ از مولانا ابوالقاسم محمد عتیق بحر العلومی فرنگی محلی۔ ۹۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، ابو الکمال محمد حبیب الحلیم آستانہ حمیدیہ، ٹکسال۔ لکھنؤ۔

اسکا نام کتاب الادعیہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اس میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی دعائیں ملینگی۔ زیادہ تر ... حادیث سے ماخوذ، لیکن کچھ انکے علاوہ بزرگوں سے بھی منقول۔ سفر حج اور واپسی احرام وحرم داخلۂ حرم، کعبہ و طواف، سعی و عرفات، طواف وداع وغیرہ کی دعائیں تو ہونا ہی تھیں، انکے ساتھ ہی اور بھی دعائیں ہر موقع کی درج کردی گئی ہیں، مثلاً سونے کے وقت کی دعا، رویت ہلال کی دعا، صبح و شام کی دعا، دفع خوف و دفع دہشت کی دعا، وغیرہا۔ اتنی دعاؤں کا جامع یقیناً اسکا مستحق ہے کہ خود اُسکے حق میں ... دعائے خیر کی جائے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام (بچوں کی قصص الانبیاء) از تسنیم صاحب، ۳۶ صفحے۔ قیمت ۴؍ پتہ، مکتبۂ اسلام، نمبر ۳۔ گوئین روڈ۔ لکھنؤ۔

عربی کی نقص النبیین للاطفال، حصہ اول کا ذکر انہی صفحات میں عرصہ ہوا آ چکا ہے، یہ اُسکا شستہ و شگفتہ ترجمہ ہے۔ گویا خود ایک مستقل تصنیف، بچوں، بچیوں، جوانوں، بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل، دلچسپ بھی اور سبق آموز بھی۔ پیش لفظ مدیر صدق کے قلم سے ہے، جو صدق میں شایع بھی ہو چکا ہے۔

(۵) NATIONAL STATE (قومی حکومتیں اور اقلیتیں) & NATIONAL MINORITIES از پروفیسر محمد عبد الستار خیری۔ اُستاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔ ۲۰ صفحات

(۶) THE COMMUNAL PROBLEM OF INDIA (ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ) از ڈاکٹر قاضی سعید الدین اُستاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سفحات ۱۶ صفحے

(۷) SOME ASPECTS OF PAKISTAN (پاکستان کے بعض پہلو) از جناب محمد جمیل الدین

صاحب اُستاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ۲۸ صفحات

(قیمت فی رسالہ ۸؍ ناشر، شیخ محمد اشرف کشمیری محلہ لاہور)

مسلم لیگ کے خلاف جس شد و مد کے ساتھ انگریزی پریس میں پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسکے پیش نظر لیگی نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے والی انگریزی کتابوں کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ لیگ والوں کو احساس ہوا۔ مجلس مصنفین کا قیام ایک مبارک عملی قدم ہے۔ زیر نظر رسالے اسی مجلس کے زیر اہتمام شایع ہوئے ہیں، انگریزی کے آکسفورڈ یونیورسٹی کے پمفلٹوں کی طرح .... یہ رسالے اپنے محدود صفحات کے باوجود اچھے خاصے بصیرت افروز اور دلچسپ ہیں۔

(۵) پہلے رسالہ میں پروفیسر خیری نے اقلیتوں کے لیے تحفظات کے سوال پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دوسرے ملکوں کی مثالوں سے واضح کیا ہے کہ تحفظات، اقلیتوں کے لیے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوے۔ خیری صاحب نے مسئلۂ قومیت کی حقیقت کو بھی خوب بے نقاب کیا ہے۔ مغربی سیاسی مفکروں کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسلمان ایک مستقل جداگانہ قومیت رکھتے ہیں اور اس لیے انکا مطالبہ پاکستان بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے بالکل واجبی ہے۔

(۶) ڈاکٹر سعید الدین مشہور جغرافیہ داں ہیں۔ تقسیم ہند کے بارے میں انکی رائے لائق توجہ ہے۔ ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ انکے بے لاگ سیاسی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اعداد و شمار اور دلائل کی رو سے رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی بسنے والی قوموں کو آزاد خود مختار حکومتیں قائم کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ رسالہ کے پیش کردہ دلائل ارباب سیاست کی سنجیدہ توجہ کے مستحق ہیں۔

(۷) پاکستان کے بعض پہلو۔ جمیل الدین صاحب کے قلم سے ہے۔ پاکستان کے متعلق گو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، پھر بھی ایک مختصر جامع پمفلٹ کی ضرورت باقی تھی، یہ رسالہ اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتا ہے۔

تینوں رسالے صاف ستھری زبان میں لکھے گئے ہیں۔ انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔ تینوں رسالے وقت کے اسلامی لٹریچر میں خوشگوار اضافے ہیں۔ مجلس مصنفین کے ارکین مستحق مبارکباد ہیں۔ (ح۔ ا۔ ق)

ملحد شاعر کا جواب

(عتیق جعفری خیرآبادی کی زیر طبع کتاب، "جوش و ہوش" کا مقدمہ۔

از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ

جوش ملیح آبادی کے ملحدانہ کلام کے جواب میں عتیق خیرآبادی (زادہ اکرم اللہ غیرۃً للدین) نے کچھ نظمیں لکھی ہیں، جو اس مجموعہ میں جمع ہیں، اس سے اس مسلمان شاعر کی قوت شعری کے ساتھ ساتھ اسکی قوت ایمانی بھی ظاہر ہوتی ہے

شعر کو تاثیر کی جو قوت ملی ہے اُسکا انکار کون کر سکتا ہے۔ اسی

بنا پر کفر نے ہمیشہ اس آلہ سے کام نکالنے کی کوشش کی ہے، مگر حق نے
بھی اسکے جواب میں اسی کارگر آلہ کو استعمال کیا ہے اور اس سے
باطل کا استیصال کیا ہے —— خود اسلام کے دور نبوت میں
کافر شاعروں کے جواب میں مسلمان شاعروں نے اس سے کام لیا ہے
اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے داد
اور روح القدس کی تائید کی بشارت پائی ہے۔ چنانچہ حضرت
عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت حسان بن ثابت اور دوسرے شاعر
صحابہ کرام نے اپنے سحر بیانی اور زور کلام سے جہاد بالسیف
کے ساتھ ساتھ کفر کی بیخکنی کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔

جاہلیت کے اس عہد اور کفر و جاہلیت کے اس دور میں باطل
نے پھر شاعری ہی کی تاثیر سے عوام کے دلوں کو مسحور کرنا چاہا ہے
ضرورت ہے کہ حق کے حامی اب پھر شمشیر قلم کو علم کریں اور تیغ زباں
کے جوہر دکھائیں

اس حیثیت سے جناب عقیل خیر آبادی مبارکباد کے مستحق ہیں
کہ انھوں نے ملحد نو کو ناکام بکلہ جواب دے کر باطل کے منہ پر
وہ طمانچہ مارا ہے جس سے بھری محفل میں انکی رسوائی ہوئی ہے
جوش صاحب کی اپنی نظموں میں کبھی تو وطن پرست نیشنلسٹ
کہیں اشتراکیت پسند اور سوشلسٹ، کہیں تیسرت اور سرمایہ داری
کے دشمن اور مزدوروں اور کسانوں کے حامی معلوم ہوتے ہیں لیکن
دوسرا ہی صفحہ الٹیے تو معلوم ہوگا کہ وہ خواہش کے بندہ،
فواحش کے طلبگار، دولت کے پرستار، سرمایہ کے پجاری امیروں
راجاؤں کے مصاحب اور پنشن خوار، عیش شباب اور
شراب ناب کی تلاش میں تھیٹروں اور سنیماؤں کے زائر بار نظر آتے
ہیں۔ اس دو رنگی سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر کفر بھی نام ہے۔
نے کافر مطلق رست نے مسلمان تمام

افسوس ان مسلمانوں پر ہے جو ایسے ملحد کو اپنی محفلوں میں بلاتے
اور اپنے ہاتھوں سے جام پلاتے ہیں اور اسکا کلام سنتے اور سناتے
ہیں اور مشاعروں میں اسکے ملحدانہ کلام کی داد دے کر اس کا
حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

عقیل صاحب ماشاء اللہ شعر و سخن کی گود میں پلے ہیں۔ ایمان
کے نور سے منور ہیں۔ دین کی غیرت رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان
نوجوان انکے اس کلام کو پڑھ کر جوبان زہر پیلنے دیکھیں گے یہ
تریاق پیش کریں گے۔

نولکشور پریس اور قرآن کریم کی توہین

(از مولانا شاہ محمد عبد الماجد صاحب قادری بدایونی)

نولکشور پریس لکھنؤ جو سابقہ زمانہ میں قرآن کریم کی کتابت و
طباعت میں غیر معمولی حزم و احتیاط کرتا تھا جسکی وجہ سے
مسلمانوں نے اسکی مطبوعات وغیرہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن اس طرف
تھوڑے عرصہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ یہی پریس قرآن کریم کی بے حرمتی
اور اہانت کی طرف قدم اٹھا رہا ہے۔

سب سے پہلی بات تو اسکے مطبوعہ قرآن پاک میں یہ ہے کہ وہ
اغلاط سے لبریز ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کے سیپارے جو علٰحدہ علٰحدہ شائع کیے جاتے ہیں
اُن پر بجائے لفظ ہدیہ طبع کرنے کے قیمت کا لفظ طبع کیا جاتا ہے۔
چنانچہ سیپارہ الم مطبوعہ اوسط ۱۹۴۴ء اور سیپارہ ۱۵۔ اگست ۴۵ء
پر لفظ قیمت ہی طبع کیا گیا ہے۔ اس درمیان میں ہمارے یہاں سے
۷۔ جولائی ۱۹۴۵ء اور اگست ۴۵ء کو منیجر صاحب نولکشور
پریس کو مخصوص طور پر توجہ دلائی گئی، مگر انھوں نے اسوقت تک
کوئی جواب نہ دیا۔ جسکے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ انکی نظروں میں
اصلاح کا مطالبہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اور وہ مسلمانوں کے
جذبات سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ ہم آخری بار اخبارات کے ذریعہ
منیجر صاحب کو مطلع کرتے ہیں کہ وہ جلد اصلاح کریں ورنہ مسلمان
مجبور ہوکر قانونی چارہ جوئی کرینگے۔

صدق - واقعات کا تو کوئی علم ادارۂ صدق کو نہیں
لیکن مراسلۂ بالا ایک ذمہ دار و معروف شخصیت کے قلم سے ہے۔
نولکشور پریس کی موجودہ بے اعتنائی اس لیے اور بھی حیرت انگیز ہے
کہ اس پریس اور کیڈیو کے بانی منشی نولکشور صاحب اسکے برعکس
اپنے اسلامی جذبات کے لیے ممتاز تھے۔

چائے اور شراب

(ایک انگریزی طبی مضمون کا ترجمہ)

گرم سیالات سے عام طور پر قبض اور خشکی پیدا ہوتی ہے
مثلاً چائے کے استعمال سے اور اسکی کثرت سے تو آنتوں پر بہت
ہی برا اثر مترتب ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر الیف ہرسٹ اپنی کتاب
"قبض اور آنتوں کی خرابیاں" کے ص ۹۲ پر لکھتا ہے "خشکی کرنے والی
چیزیں خواہ وہ کھائی جائیں یا مقعد کے ذریعہ آنتوں میں پہونچائی
جائیں، آنتوں کے غشاء مخاطی کو برابر نقصان پہونچائی جاتی ہیں
کے تاہم بعض اثرات خاص طور پر غریبوں کے حصہ میں زیادہ آتے ہیں،
یہ لوگ کثرت سے گاڑھی چائے پیتے ہیں جس میں چائے کی پتی دیر
تک جوش کھاتی رہتی ہے۔ اس قسم کی چائے جس میں ٹننا اس مقدار
میں موجود ہو، جو کچی شراب اور دیسی شراب کو چھوڑ کر پینے کی چیزوں
میں سب سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوتی ہے۔

لطف یہ ہے کہ باوجود علم سائنس کی اس قدر ترقی و اشاعت
کے ہمارے ملک کے امیر و غریب سب ہی ان نقصان رساں چیزوں کو
استعمال کرہی رہے ہیں۔ بلکہ عادی ہیں۔ چائے اور شراب (ملاحظہ ہو

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

(۲)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

جس شخص کے دل پر دین کا یہ اثر ہو - اگر اسکے ساتھ یہ لطیفہ پیش آیا ہو جیسا کہ مآثر الامراء میں لکھا ہے تو پھر اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے - لطیفہ یہ ہے ان ہی کے الفاظ میں درج کرتا ہوں

روزے بتقریب سالگرہ پوشش بادشاہی رنگ زعفران پوشیدہ بود شیخ (عبد النبی) برغضب آمدہ بر سر دیوان بعصا منع کرد چنانکہ سر عصا بعرش آشیانی رسید شکستہ شد ص ۵۶۵	ایک دن سالگرہ کی تقریب کے موقعہ پر بادشاہی لباس پر زعفران کا رنگ چھڑکا گیا تھا - شیخ عبد النبی اس رنگ کو دیکھ کر غصہ میں جوش آئے تو سر دربار اپنا عصا پھینک کر بادشاہ کی طرف اس طرح

چلایا کہ شیخ کی عصا عرش آشیانی (اکبر) کے دامن تک پہونچ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی -

لطیفہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا ہے - اکبر بادشاہ کی نو عمری کا زمانہ تھا - شیخ کی بھرے مجمع میں یہ حرکت قدرتاً کچھ ناگوار گزری لیکن ناگوار گزرنے کے جو وزن اسلامی قانون شریعت اور شریعت کے منتسبین کو مغل خاندان میں حاصل تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر نے یہ شکایت اندر زنانہ میں جاکر اور وہ بھی اپنی ماں مریم زمانی سے بلکتے ہوئے کہا

بایستے کہ در خلوت شیخ منع می کرد	چاہیے یہ تھا کہ شیخ تنہائی میں منع کرتے

لیکن مریم زمانی نے اپنے اکلوتے لخت جگر کو جو تمام ہندوستان کا تنہا بادشاہ تھا، جن الفاظ میں جواب دیا تھا، تاریخ نے اسکو نوٹ کر لیا - نواب شاہنواز خاں صاحب لکھتے ہیں کہ مریم زمانی (حمیدہ بانو، ہمایوں بادشاہ کی ملکہ) نے اکبر کو سمجھانا شروع کیا

اے فرزند گران خاطر نشوی باعث نجات آخرت تو است - تا قیامت خواہند گفت کہ ملائے مفلوک با بادشاہ چنیں حرکت کرد و سعادتمند متحمل شد ص ۵۶۵ ج ۲	تم (میرے بیٹے) اس سے (ملا کی حرکت سے) گراں خاطر نہیں نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ آخرت میں تمھاری نجات کا ذریعہ ہے اور قیامت تک لوگ تذکرہ کرینگے کہ ایک مفلوک الحال

ملا نے وقت کے بادشاہ کے ساتھ ایسی حرکت کی لیکن اس سعادتمند بادشاہ نے برداشت کر لیا -

شریعت کا یہ احترام ہمایوں کی ملکہ اور ظہیر الدین بابر کی بہو کے دل میں جو تھا "اندر کا یہ اثر" کیا باہر ہی کے احوال کا نتیجہ نہ تھا سچ تو یہ ہے کہ مغل امپائر کے بانی و موسس خود شہنشاہ بابر انار اللہ برہانہ کے متعلق اگر یہ روایت صحیح ہے جیسا کہ "طبقات اکبری" کے مصنف اور دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے

کتاب در کلام و فقہ حنفی بزبان ترکی بہ نظم در آوردہ کہ مبین نام کردہ اند (طبقات ص ۲۷ ج ۲)	بابر بادشاہ نے کلام اور فقہ حنفی کے مسائل کو ترکی زبان میں نظم کیا تھا اور اس کتاب کا نام مبین رکھا گیا تھا -

تو "اسلامی قانون" فقہ کی اہمیت کے متعلق مغلوں کے زمانہ میں جو باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں اُن میں شک کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے - آج بھی حکومتوں میں اپنے اپنے آئین و قانون کا بہت کچھ احترام کیا جاتا ہے - حکومتوں کے برگزیدہ اسا لمین اور سربرآوردہ ارکان کا قلم قانون کی کتابیں لکھ رہا ہے - لیکن خود بادشاہ وقت نے بلا واسطہ براہ راست قانون کی کوئی کتاب تصنیف کی ہو، مشکل ہی سے اسکی نظیر مل سکتی ہے - لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ مغل حکومت کا بانی اول گو فقہ کا ایک منظوم متن تیار کر رہا ہے تو اسی مغل حکومت کے آفتاب اقبال کو سمت الراس پر پہونچا کر جھکانے والا بابر ہی کا پوتا اورنگ زیب فقہی نظائر اور فتاوی کی تدوین میں جیسا کہ گزر چکا براہ راست خود حصہ لیتا ہے - ممکن ہے کہ آج دلوں کو اس واقعہ کی اہمیت نہ محسوس ہو لیکن جن دنوں میں ہندوستان کے آسمان کے نیچے ایسے واقعات گزر رہے تھے، ایک قاضی شیخ الاسلام نامی حج کے سفر سے سورت واپس آتے ہیں - دلی کے قاضی ہیں - عالمگیر ان دنوں دکن میں تھے - شاہی فرمان صادر ہوا کہ قاضی صاحب براہ راست اورنگ آباد پہونچکر بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں - قاضی شیخ الاسلام اورنگ آباد آتے ہیں شاہی دربار میں جو آؤ بھگت انکی ہوتی ہے اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے - مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ جب قاضی صاحب رخصت ہونے لگے تو براہ راست خاقان مکاں (عالمگیر بادشاہ) اُٹھتے ہیں اور

۱؎ عبد النبی عہد اکبری کی مشہور شخصیتوں میں ہیں انکا حال مفصل دربار اکبری میں پڑھیئے - حضرت امام ابو حنیفہؒ سے نسبی تعلق رکھنے والے مشہور بزرگ و صوفی شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ جنکا شمار ہندوستان کے اساطین صوفیہ میں ہے، بابر اور ہمایوں سے حضرت شیخ کی مراسلت ہوتی تھی، شیخ عبد النبی ان ہی شاہ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے تھے - عرب جاکر حدیث کی سند حاصل کی تھی - اکبر شروع میں انکا بڑا گرویدہ تھا، انکے گھر جاکر حدیث پڑھتا تھا اپنے ہاتھ سے شیخ کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا لیکن اکبری دربار پر جب دوسرے طبقہ کے اہل علم کو دمس کا تسلط چھا گیا تو شیخ کی عزت دن بدن گھٹتی چلی گئی - مکہ معظمہ جلاوطن کر دیئے گئے تھے، لیکن پھر ہندوستان واپس ہوئے اور ہزار خرابی و رسوائی ہندوستان ہی میں وفات پائی - ابتداء میں صدر الصدور کے عہدہ پر سرفراز تھے ۱۲

لیکن ظاہر ہے کہ قانون تو قانون ہی کب باقی رہتا ہے جو سفارشوں
کے زور سے بدل سکتا ہو۔ اسی کتاب میں ہے کہ جعفر خاں کی
سفارش پر شریعت کے قاضی نے جو جواب دیا وہ یہ تھا:۔

این قدر مہلت در کشتن او	
می توان فرمود کہ اول کسے	اتنی مہلت دی جا سکتی ہے کہ پہلے
کہ ادعای او باشد کشتہ بعد ازاں	اس شخص کو قتل کر دیا جائے جو چھڑانے
او را بقتل رسانند ص ۱۶۲	کی کوشش کرے پھر اسکے بعد
	مجرم کو قتل کیا جائیگا۔

یہ تھا قانون شریعت کا دور زریں جسکے متعلق آج یہ باور کرایا
جا رہا ہے کہ حکومت کے قانون کی حیثیت سے اسکا استعمال
ہی [illegible] ہوتا تھا۔ بہرحال ہوا تو وہی جو قانون کا فیصلہ تھا
یعنی مجرم پر سزا نافذ ہوئی، وہ قتل کرا دیا گیا، اور گورنر یا
شاہزادہ کسی کی سفارش قاضی کے فیصلہ کو متاثر نہ کر سکی۔ اور
قصہ یہیں تک ختم نہیں ہو گیا۔ آگے لکھا ہے کہ شہزادہ عظیم الشان نے
اپنے دادا عالمگیر کو لکھا:۔

قاضی محمد شرف دیوانہ شد	قاضی محمد شرف دیوانہ ہو گیا اور میرا ایک
بندہ این را ناحق کشت	کو بلا وجہ اُس نے قتل کر دیا۔

شہزادے کی یہ رپورٹ شاہی دربار میں پہونچتی ہے۔ لیکن
جو کچھ ہوا تھا، قانون کے تحت ہوا تھا۔ لکھا ہے

بادشاہ بر عرضی شہزادہ	بادشاہ (عالمگیر) نے شاہزادے کی
دستخط کرد کہ "ہذا بہتان	عرضی پر دستخط کرتے ہوئے لکھا
عظیم" "قاضی خدا کی طرف"	"ہذا بہتان عظیم" قرآن کی آیت ہے
ص ۲۵۶ (باقی)	حاصل یہ کہ قاضی پر یہ بہت بڑا

الزام اور افترا ہے۔ اسکے بعد اردو کے الفاظ یہ تھے کہ "قاضی
خدا کی طرف" جسکا مطلب یہ تھا کہ قاضی خدا کی طرف سے نمایندہ
ہے اس نے خدا کے قانون کو نافذ کیا ہے۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ واقع میں قاضی محمد شرف کا یہ فیصلہ
کس حد تک حق بجانب تھا۔ قاضی حق پر تھے یا شہزادہ عظیم الشان
لیکن شرعی قانون [illegible] اس وزن اور اثر کو دکھاتا ہے جو بتاتا ہوا
جو شرعی حکومت میں اسے حاصل تھا اور اسکے لیے کیا اس سے
بھی قوی تر ثبوت کچھ اور ہو سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲) [illegible] گذارشت" ہفتہ میں ایک دفعہ بازار کا
نرخ نامہ اُنکے سامنے پیش ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ اگر ایک دام نرخ کی افزود
[illegible] کیالان (تولنے والے) را بانواع عقوبت سیاست
کردہ تشہیر می نمود" اسی کا نتیجہ تھا کہ انکی گورنری کی پوری مدت
میں [illegible] بنگال میں چاول روپیہ میں چھ من عام طور پر
بازاروں میں ملتا تھا۔ "[illegible] در نرخ یک روپیہ [illegible] پیادہ و قلعہ
ہر روز میسر [illegible] سے واقعات ریاض السلاطین سے
ماخوذ ہیں [illegible] ایشیاٹک سوسائٹی کے منشورات منتخبہ میں سے ہے۔

الٰہی یہ بات کہ سب سے مسلمان حکومتوں کا دامن پاک
تھا، خود گورنر اور شہزادے کا طرز عمل کافی ثبوت ہے۔
آخر میں قاضی اگر ایک مسلمان حاکم تھا تو جعفر خاں اور عظیم الشان
بھی تو مسلمان ہی تھے اور کیسے مسلمان! بلکہ میرا تو خیال یہ ہے
کہ قاضی صاحب کی اتنی سختیوں کے بعد کہ خود جعفر خاں کو بھی انھوں
نے قتل کی دھمکی دی۔ لیکن جعفر خاں پر قاضی کے کردار اور اخلاق
کا جو اثر تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے جو اسی واقعہ کے آخر
میں لکھا ہے کہ

بعد استعفا شدن عالمگیر (قاضی	عالمگیر کی وفات کے بعد قاضی محمد شرف
محمد شرف) استعفاء منصب	قضا کے عہدہ سے استعفا دے دیا
قضا کرد ہرچند جعفر خاں	جعفر خاں نے باوجودیکہ قاضی صاحب کو
تکلف داد قبول نہ نمود۔	مجبور کیا لیکن قبول نہ کیا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

جسکے استعمال سے دیگر نقصانات ایک طرف، تمام نظام ہضم وغیرہ
کا ستیاناس ہو جاتا ہے ہماری گھٹی میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہماری
قوم نے چند ہی سال سے ان چیزوں کا استعمال شروع نہیں کیا ہے،
عرصہ دراز بلکہ صدیوں سے ان چیزوں کو عادتاً استعمال کرتی آ رہی ہے
اور ہم کو تو انکے مضر اثرات کے نتائج اکثر و بیشتر حالات میں باپ دادا
سے ورثہ میں ملتے چلے آئے ہیں اس پر مزید ہم اپنی کمائی کا اضافہ
کرتے ہیں تاکہ آیندہ نسلیں اس ضروری ورثہ سے محروم نہ رہ جائیں۔
معلوم ان قبیح و مضر اثرات کے توارث کا یہ سلسلہ کہاں تک پہونچیگا
اور ہمیں کب ہوش آئیگا کہ نفس کی اندھا دھند خواہشات کے
چکر دار راستہ سے ہٹ کر عقل و سائنس کی سیدھی شاہراہ پر لگ
جائیں۔ (ہمدرد صحت)

اعلان تعطیل

بوجہ عید الفطر آیندہ ضمیمہ (۸۔ اگست) کا پرچہ شائع
نہ ہوگا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔

(ناچیز مہتمم)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے
اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر۔ عبد الماجد

پتہ:۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:۔ حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر کے لئے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرسلہ آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

صدق

چندہ سالانہ ۸ روپیہ

ششماہی صہ

ممالک غیر ۱۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۳۴ | یوم سہ شنبہ۔ ۴۔ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۱۔ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"مسٹر جناح کی پتلون ڈھیلی ہو گئی"۔

"سرکاری پٹھو جناح نے طاغوت پرستی کی حد کردی"

یہ ٹینٹ "مسلم پریس نے گہر باری کی۔

"راشٹرپتی آزاد جی مہاراج نے بھوجن کیا"

"ہندوؤں کا غلام اور غدار ملت ابوالکلام اپنے وقت کا میر جعفر ہے"۔

یہ "قومی دنی" "مسلم لیگی" اخبارات نے گلفشانیاں کیں!

ایک کا دعوے ہے کہ ہم ہندوستان کو "آزاد" کراکے رہیں گے۔ دوسرے کا نعرہ ہے کہ ہم پاکستان لے کر دم لینگے! —— دونوں کے سلاح خانہ میں گویا سب سے زیادہ موثر ہتھیار گر حربہ بدزبانی اور آتش بیانی کا۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!

مصرعہ میں لوگوں نے محبت کی آگ مراد لی ہے شاعر نے بھی یہی سمجھ کر کہا تھا۔ لیکن عداوت اور نفرت کی آگ محبت کی آگ سے سوزش میں کم نہیں، کہیں بڑھ کر ہے!

گویا قرآن مجید میں لاتنابزوا بالالقاب | ایک دوسرے کے نام نہ دھرو

کا حکم موجود ہی نہیں! گویا احادیث نبوی میں اکرام و احترام مسلم کی تاکید اہانت و تحقیر مسلم پر سخت سخت وعیدیں وارد نہیں ہو چکی ہیں! گویا شریعت نے ہر کلمہ گو کو دوسرے کلمہ گو کا بھائی نہیں قرار دے رکھا ہے

اور یہ اصول طے نہیں کردیا ہے کہ اجتہادی اختلافات کا اثر اس بھائی چارے پر بالکل نہیں پڑتا! —— گویا دوسرے فریق کے لیڈر کو گالی دینے سے، کوسنے سے، اس کی تحقیر و تضحیک سے، اپنے مسلک کی خوبیاں از خود روشن و ثابت ہو جائینگی! اور گویا زیادہ سے زیادہ دلآزاریوں اور دل شکنیوں سے، وہ بھی زیادہ سے زیادہ رکیک لہجہ میں اپنے مسلک و عقیدہ کی تبلیغ خوب ہوجاتی ہے اور لوگ اسکی طرف زیادہ سے زیادہ کھنچ کر آنے لگتے ہیں —— کیا خوب یہ عقل اور کیا خوب یہ نقل ہے! پروپیگنڈا ہنا کرتا ہے تو کمبخت کم اسی کے طریقے اہل فرنگ سے سیکھ لیے ہوتے! بغیر سامنے حملے کیے ہوئے، بغیر مخاطب کے جذبات کو ذرا سے بھی صدمہ پہونچائے ہوئے، کس طرح خاموشی کے ساتھ اسکے دل میں اندر ہی اندر جگہ پیدا کر لی جاتی ہے!

بھائیو اور دوستو، آخر شخصیتوں کو بار بار زیر بحث لانے سے حاصل کیا ہے؟ کام کی چیز، اور بحث و غور کے قابل ہر پارٹی کا **مسلک**، ہر جماعت کا پروگرام ہے، یا فلاں فلاں شخصیتیں؟ زہر کا جام اگر کوئی متقی پیش کر رہا ہے، تو کیا اس سے زہریت میں کچھ کمی آجائیگی؟ دوا کا گلاس اگر کسی فاجر کے ہاتھ سے مل رہا ہے تو کیا اس سے دوا کی تاثیر شفا بخشی باقی رہیگی؟ معصوم ظاہر ہے کہ نہ کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ خوردبین لگا کر دیکھیے گا تو ہر ایک کے عیوب اسکے واقعی عیوب سے اور سیکڑوں گنے زیادہ ہی نظر آئینگے خطاکار و غیر معصوم کارکنوں کی زندگی سے مقاصد کار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نظر میں صرف انکو رکھیے اور ہر کلمہ گو کی عزت سے قلب میں صفائی

کرکے صرف یہ سوچیے: ایک مسلمان کی حیثیت سے اُس کے لیے بہترین راہ کون سی ہے! — مختصر یہ کہ رہنما سے راہ کو نہیں، بلکہ راہ سے رہنما کو جانچیے!

آہ یہ اسپتال!

محمد [illegible] صاحب ٹیلہ [illegible] صدق [illegible] ۱۸ اگست ۱۹۴۵ء کے شذرہ "نرس یا میل نرس" کے حوالے سے دہلی سے تحریر کرتے ہیں۔

"جب سر ضیاء الدین صاحب کی اس نرسنگ اسکیم کا اعلان ہوا تو ڈان (دہلی) میں ایک خط اس مضمون کا نکلا کہ پردہ کا انتظام کیا رہے گا؟ اس پر کسی صاحب کا جوابی خط یہ نکلا کہ پردہ دقیانوسی باتیں ہیں، اور ایسے سچے خیال پس پشت ڈال کر قومی کاموں کو ترقی دینی چاہیے۔ خود ضیاء الدین صاحب نے بھی کچھ اپنی بات کو دوہرا دیا۔ اور اپنی اسکیم میں کسی تبدیلی کا امکان نہ بتایا۔ اب پھر ڈان میں جواب الجواب ظاہر ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اخبار مذکور کا یہ نوٹ تھا کہ اس سلسلہ میں مزید خط وکتابت بند۔ میں بھی اس فکر میں تھا کہ آخر ہسپتالوں میں نرس کا عورت ہونا کیا فرض ہے؟ ممکن ہے کہ مغربی ممالک میں یہ فرض ہی ہوں گے مگر ہندوستان جیسے کثیر آباد ملک میں یہ کس طرح لابدی ہو سکتا ہے۔

میرا اس سلسلہ میں ایک ذاتی خیال ہے۔ وہ یہ کہ یہ بات ضیاء الدین صاحب اخبارات کے ذریعہ نہیں مانیں گے۔ (کیونکہ روشن خیال لوگ کچھ نہ کچھ موافق نکل ہی آئیں گے) آپ خود اُن سے بھی خط وکتابت کرکے اس کی برائیوں اور اس کے نعم البدل سے آگاہ کرکے میل نرس پر آمادہ فرما دیں یا اگر آپ اس طرح نہ کر سکیں یا آپ کے نزدیک اس قسم کی خط وکتابت کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلتا دیکھیں تو پھر آپ اُن لوگوں کو بطور خاص متوجہ فرمائیں کہ جو یونیورسٹی، کونسل یا کورٹ سے متعلق ہوں اور وہ لوگ اس شیطانی اسکیم کو ختم کرائیں ——

دوررس زہریلے اثرات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ الامان، الحفیظ۔ شیطان اپنے داؤں سے باز نہیں آرہا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مومن کتنا ہوشیار رہے! یہ بھی عرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اہمیت کے اعتبار سے یہ کسی سے بھی کم نہیں ہے۔ ایکٹرس بننے کی خواہش رکھنے والیوں کے لیے نرس بننا آسان بھی اور باعزت بھی! شیطان نے فسق وفجور کی ایسی آسان اور دلفریب، نہ صرف دلفریب بلکہ مسلم فریب راہ نکال ڈالی!!"

تشخیص صحیح ہے، علاج اس قدر آسان نہیں۔ کورٹ کے ممبروں کی اکثریت کے ذمہ دار افسروں کو اتنا احساس ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آنے لگی تھی۔ جن حضرات کی خوش عقیدگی فرنگی تہذیب سے بڑھی ہوئی ہے، وہ تو اس سارے تخیل ہی کو مضحکہ خیز قرار دیں گے۔ اور واقعہ میں یہ تحریک ہے بھی ایک حد تک انقلاب انگیز۔ ملت کے اکابر اور قوم کے اکابر دونوں کے دل میں یہ بات ڈالنی آسان نہیں، کہ تیمارداری کے لیے لازمی طور پر عورت ہونے کا نظریہ ہی غلط ہے۔ یورپ میں نرسنگ کا یہ طریقہ باضابطہ طور پر کچھ اوپر سو برس یعنی ۱۸۴۰ء سے جاری ہے اور براہ راست مسیحیت اور کلیسا کا ایک تحفہ ہے۔ آہ یہ کالج اور یہ اسپتال! کتنوں کے دل سینما اور تھیٹر اور آرٹ کی نذر ہو چکے، اور کتنوں کے دینوں پر چھاپہ مارنے کو بڑے سنجیدہ ناموں اور بڑی خوشنما نقابوں کے ساتھ کالج اور اسپتال موجود ہیں۔

برہمن کی پختہ زناری

مدراس کے دیوان بہادر رنگا چاری کا شمار ملک کے مشاہیر میں تھا۔ مرکزی اسمبلی کے بہت دیر اس کے ممبر اور اب نائب صدر رہے۔ سرکاری کمیٹیوں اور کمیشنوں میں پیش پیش۔ وفات ابھی ہوئی ہے۔ ایک رفیق کار مسٹر [illegible] ایس۔ اینگار اپنے تعزیتی مضمون میں لکھتے ہیں:-

"سر ڈینس برے کی صدارت میں جو کمیٹی صوبہ سرحد کے سیاسی حقوق کی تحقیق سے متعلق بیٹھی تھی، میں مسٹر رنگا چاری اس کے ایک رکن رکین تھے۔ جب ہندوستان کی سرحد ختم ہو گئی اور ہم آزاد قبیلوں کے علاقہ میں تھے، کہ صوبہ گورنمنٹ کی طرف سے ہماری مہمانداری ہوئی، اور دوپہر کا کھانا آیا۔ [illegible] ایک [illegible] ہندو سرحدی پٹھانوں کا لباس پہنے ہوا ہمارے لیے ترکاری، روٹی وغیرہ لایا۔ رنگا چاری بگڑ کر بولے کہ مسلمان کے ہاتھ سے میں ترکاری اور روٹی کیسے کھا سکتا ہوں۔ اس شخص سے نام پوچھا، اور اس نے اپنا ہندوانہ نام بتایا۔ رنگا چاری کو اب بھی اس کے ہندو ہونے کا یقین نہ آیا۔ اور مجھے سوالات پر سوالات کرنا پڑے۔ آخر کو اس شخص نے اپنے کرتے کے نیچے سے اپنا جنیو نکال کر دکھایا۔ یہ بالکل کافی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن رنگا چاری اب بھی مطمئن نہ ہوئے۔ مجبور ہو کر میں نے اس شخص سے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ تمہیں سندھیا (ہندوانی نماز) بھی آتی ہے؟ اس پر اُس نے گایتری (یا جادوئی دعا) فر فر پڑھ کر سنا دی۔ رنگا چاری، افغانستان کی سرحد پر ایک برہمن کو پاکر اور اس کی زبان سے گایتری سن کر باغ باغ ہو گئے، اور اب کھانے پر جٹ گئے۔" (ہندو، مدراس، ۲۶ اگست ۱۹۴۵ء)

اقبال نے جو کہا تھا،

برہمن کی پختہ زناری کا نظارہ بھی کر!

رہا اس شعر کا دوسرا مصرعہ، تو وہ بے محل تو شاید کبھی اور کسی وقت بھی نہیں ہوتا۔ ع

اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ!

تجدد کی بے مغزی

"دونوں جنگوں کے درمیانی زمانہ میں ترکی بلبل پر جس کا جو زور نہ چل سکا، لندن اور روم میں رائج رہی، انقرہ میں کیا [illegible]

یہ صوبہ کے محکمۂ تعلیم کا تعلیمی رسالہ ہے اور عرصہ سے نکل رہا ہے۔ زیر نظر رسالہ جلد کا نمبر ۱۸ پڑا ہے۔

رسالہ اُردو اور فن تعلیم کی خدمت تو خیر کر ہی رہا ہے کہ یہ تو اسکے خاص موضوع ہی ہیں، لیکن خاص طور سے قابل داد چیز اسکی اسلامیت ہے۔ ابتدا چند قرآنی آیات کے اُردو ترجمہ سے کی ہے دوسرے مضامین میں بھی جا بجا اسلامیت کی جھلک ہے۔ خصوصاً شہریت کی تعلیم کے مضمون میں جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شہریت کی تعلیم کے سلسلہ میں مسلمان طلبہ کو اسلامی تہذیب کی تعلیم دینا ناگزیر ہے۔ اقبال کے فارسی اشعار جنکا تعلق آزادی نسواں کی مذمت سے ہے مع ترجمہ کے درج کیے گئے ہیں اور آخر میں چند اُردو کہاوتوں کی تشریح اور مشہور الفاظ کی جنکا تلفظ عام طور سے غلط کہا جاتا ہے تصحیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں سلسلے جو غالباً رسالہ میں مسلسل شایع ہونے رہتے ہیں بہت کار آمد ہیں خصوصاً ایسے علاقہ میں جہاں اُردو کا چلن یوں بھی کم ہے۔ (ع۔ ق)

رسید کتب

(۱) جوابات "حاضر و ناظر" از مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی ضخامت ۲۸ صفحات۔ قیمت درج نہیں ملنے کا پتہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر، ڈاکخانہ رادت گنج۔ ضلع بستی۔

حضور رسول مقبول صلعم کے "حاضر و ناظر" ماننے کا عقیدہ جو اہل بدعت نے اختیار کیا ہے اور جس قسم کے سطحی دلائل انکی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں، انکی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور انکے دلائل کا ضعف اور لغویت آیات قرآنی و احادیث نبویہ سے واضح کیے گئے ہیں۔ (ع۔ ق)

(۲) سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی۔ ۱۹۴۲ء از سکرٹری انجمن۔ ضخامت ۱۱۶ صفحات۔ قیمت ۴ر ملنے کا پتہ، انجمن ترقی اُردو دریا گنج۔ دہلی۔

۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اُردو نے جو جد و جہد ترقی اُردو کے سلسلہ میں کی، اسکے سکرٹری و دیگر کارکنوں نے جن جن مقامات کے دورے کیے، جہاں جہاں جلسے اور کانفرنسیں ہوئیں اور جن جن کتابوں کی اشاعت انجمن کی طرف سے ہوئی یا آیندہ ہونیوالی ہے انکی تفصیل اس رپورٹ میں درج ہے۔ ہر اُردو دوست کے مطالعہ میں یہ رپورٹ آنی چاہیے تاکہ اُردو کی ترقی کا اندازہ ہو سکے (ع۔ ق)

سدا سہاگن

(بنام ایڈیٹر صاحب پیام دکن)

پیام ۱۰۔ اگست کے صفحہ ۲ پر جاپانی مذہب سے متعلق کسی انگریزی مضمون کا ترجمہ درج ہے۔ وہ فقرہ میں جہاں وہاں کی "سدا کنواریوں" کا ذکر ہے آپ کے مترجم نے برٹیش کے انداز یا فقرہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے "جیسے ہندوستان کی خانقاہوں میں سدا سہاگن"۔

یہ فقرہ اگر یوں ہوتا "جیسے ہندوستان کے مندروں میں دیو داسیاں" تو آگے کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن خانقاہ تو اسلامی اصطلاح ہے۔ اس لیے آپ کے مترجم صاحب کی اطلاع و واقفیت کے لیے عرض ہے کہ "سدا سہاگن" یا "سدا سہاگن" نیم شریعت سے آزاد "رسول شاہی" فقیروں کی اصطلاح میں اُن مردوں کو (نہ کہ عورتوں کو) کہتے ہیں جو اپنی مردانہ شکل قائم رکھ کر صرف زیور اور بعض صورتوں میں کسی قدر لباس کے ذریعے بھی اپنے میں نسائیت پیدا کر لیتے ہیں، اور نعوذ باللہ اپنے کو خدا کی بیویاں ظاہر کرا چاہتے ہیں۔ داڑھی مونچھیں ہر طرح قائم بعض اوقات خوب بڑی اور سفید داڑھی۔ البتہ ہاتھ میں کنگن اور پیروں میں پازیب اور کبھی کبھی (لازماً ہرگز نہیں) زنانہ۔

یہ تنہیں اور یہ عمل دونوں بھی اگرچہ قطعاً غیر اسلامی ہیں۔ تاہم یہ نام کے سدا سہاگ ہوتے ہر حال مرد اور پورے مرد ہی ہیں عورتیں ہرگز نہیں۔

مناسب سمجھیے تو یہ تصحیح فوراً شایع کر دیجیے عبدالماجد

(پیام)

مدرسۂ علوم شرعیہ مدینۂ طیبہ

یہ مدرسہ خاص مدینۂ طیبہ میں جوار حرم شریف نبوی میں واقع ہے۔ اسکے قیام پر ۴۲ سال گزر چکے ہیں اور اس مدت میں بہت سے حفاظ یہاں تیار ہو چکے ہیں اور بہت سے طلبہ فارغ التحصیل ہوکر اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ اس مدرسہ کو حضرت مولانا سید احمد مرحوم فیض آبادی نے قائم کیا تھا۔

چونکہ طلبہ کی تعداد روز افزوں ہے اس لیے مدرسہ کی موجودہ عمارت ناکافی ہو رہی ہے۔ روپیہ کی سخت ضرورت ہے تاکہ زمین خرید کر مدرسہ کی توسیع عمل میں آئے۔ زمین کی خرید و تعمیر عمارت میں ۵۰ ہزار روپیہ صرفہ کا اندازہ ہے۔ اسوقت الحمد للہ مدرسہ میں ۴۰۰ سو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور معلمین و مدرسین کی مجموعی تعداد ۵۳ ہے۔ طلبہ سے کسی قسم کی فیس نہیں لیجاتی، بلکہ محتاج و مسکین طلبہ کے بہت سے تعلیمی و دیگر مصارف مدرسہ کی طرف سے پورے کیے جاتے ہیں۔ اور وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ مدرسہ میں علاوہ علوم دینی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے علوم معیشت جغرافیہ، حساب وغیرہ اور بعض صنائع مثلاً نداری، سنجاری وغیرہ کی تعلیم بھی دیجاتی ہے

اس مدرسہ کی امداد ہندوستان میں حسب ذیل پتوں کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ (۱) مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، (۲) حکیم ڈاکٹر عبد العلی صاحب گوئن روڈ لکھنؤ (۳) کوٹھی حاجی علی جان صاحب محلہ چاندنی چوک دہلی۔ (۴) عبد اللہ عطائی عبد القادر بمبئی، وغیرہ۔

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

نمبر (۳)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

جیسا کہ شروع میں عرض کرچکا ہوں سردست ایک مختصر مضمون کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ اگر مغلی حکومت کے دوسرے واقعات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا تو مختصر مضمون مقالہ بلکہ رسالہ ہی ہو جائیگا اس لیے مغلوں سے ہٹ کر اب ہندوستان کی چند دوسری حکومتوں کی شہادتیں پیش کرتا ہوں۔

یہی بنگال جہاں مغلوں سے پہلے خود مقامی بادشاہوں کی حکومت تھی، ان ہی بادشاہوں میں خواجہ حافظ شیرازی کا مشہور ممدوح بنگالی بادشاہ سلطان غیاث الدین جسکی طرف منسوب غزل میں حافظ کے دیوان کا یہ شعر

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

زبان زد عوام و خواص بھی ہے۔ اسی سلطان غیاث الدین کے متعلق جو آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں بنگال کا مطلق العنان فرماں روا تھا، تاریخوں میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ میں ترجمہ کے ساتھ بعینہ فارسی کی عبارت درج کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے

روزے در حالت تیر اندازی تیر سلطان غیاث الدین بہ پسر بیوہ زنے رسید۔ بیوہ زن پیش قاضی سراج الدین داد خواہ شد۔ قاضی متحیر شد اگر رعایت بادشاہ کنم در درگاہ خدا ماخوذ شوم و اگر نہ کنم طلبیدن او کار دشوار است۔ آخر بعد تامل بسیار پیادہ را بطلب بادشاہ فرستاد و خود دورہ زیر مسند گذاشتہ در محکمہ نشست۔ پیادہ قاضی چوں بدربار رسید دررسیدن پیش سلطان محال دانستہ اذان آغاز کرد سلطان اذان بے وقت شنیدہ باحضار موذن فرمان داد۔ چوں صاحب درگاہ او را بحضور رسانید سلطان موجب اذان بے وقت استفسار کرد گفت مرا قاضی سراج الدین تعیین کردہ اند کہ بادشاہ را در محکمۂ شریعت برم۔ چوں رسیدن بحضور متعسر بود باین حیلہ خود را رسانیدم۔ حالا برخیزد و بمحکمہ حاضر شود پسر بیوہ زنے را از زخم تیر زدۂ مستغیثہ است۔ بادشاہ فی الفور برخاست و نیمچۂ شمشیرے زیر بغل پنہاں گرفتہ رواں شد۔ چوں پیش قاضی رسید قاضی اصلا با بادشاہ ملتفت نشدہ فرمود کہ استرضائے ایں ضعیفہ بکن۔ سلطان بہ طورے معاملہ گذاشت او را راضی ساخت۔ گفت ایہا القاضی اینک ضعیفہ راضی شد۔ پس قاضی رو بہ ضعیفہ کردہ پرسید کہ بداد خود رسیدی و راضی شدی۔ گفت بلے راضی شدم (آنگاہ) بشگفتگی تمام برخاست بتعظیم سلطان نمودہ بر مسند نشاند۔ سلطان شمشیر از بغل برآوردہ گفت اے قاضی من بحکم شرع در محکمۂ تو حاضر شدہ ام اگر یک موے از ادائے شرع خلاف از تو مشاہدہ می کردم بہمیں شمشیر گردنت می زدم شکر خدا کہ خیر شد۔

(از ریاض السلاطین)

ایک دن تیر اندازی کی حالت میں سلطان غیاث الدین کا تیر ایک بیوہ کے لڑکے کو جا لگا۔ بیوہ عورت قاضی سراج الدین کے اجلاس میں داد خواہ ہوئی۔ قاضی حیران ہوئے کہ کیا کیا جائے، اگر بادشاہ کی رعایت کرتا ہوں تو خدا کے پاس ماخوذ ہوتا ہوں اور اگر اعانت نہیں کرتا ہوں تو بادشاہ کا اجلاس میں بلانا بڑا مشکل کام ہے۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد پیادہ کو حکم دیا کہ بادشاہ کو بلا لائے۔ اور اپنی مسند کے نیچے درہ رکھ کر اجلاس میں بیٹھے۔ قاضی کا پیادہ جب دربار شاہی میں پہونچا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اس نے اذان شروع کردی۔ بے وقت اذان سنکر بادشاہ نے حکم دیا کہ مؤذن کو حاضر کیا جائے۔ درباریوں نے مؤذن کو لاکر پیش کیا۔ بادشاہ نے بے وقت اذان دینے کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ مجھے قاضی سراج الدین نے اس کام کے لیے مقرر کیا ہے کہ بادشاہ کو محکمۂ شریعت میں لیجاؤں چونکہ آپ تک پہونچنا دشوار تھا اس لیے یہ حیلہ میں نے اختیار کیا ہے اور آپ تک پہونچ گیا ہوں۔ پس اے بادشاہ اٹھئے اور محکمہ میں حاضر ہو۔ ایک بیوہ عورت کے لڑکے کو تم نے تیر سے زخمی کیا ہے بیوہ نے استغاثہ دائر کیا ہے۔ بادشاہ سننے کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور ایک نیمچہ (چھوٹی تلوار) کو بغل میں رکھکر روانہ ہوا۔ جب قاضی کے سامنے پہونچا تو قاضی نے بادشاہ کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں کی اور حکم دیا کہ اس بوڑھی عورت کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ بادشاہ نے جس طرح ممکن ہوا بڑھی کو راضی کرلیا۔ اور قاضی سے کہا کہ اے قاضی بڑھی راضی ہوچکی ہے قاضی نے بڑھی کو خطاب کرکے پوچھا کہ کیا تو واقعی راضی ہوچکی ہے جواب میں بڑھی نے کہا کہ ہاں میں راضی ہوچکی ہوچکی ہوں۔ قاضی تب انتہائی مسرت کے ساتھ اٹھے اور بادشاہ کی تعظیم بجا کر اپنی مسند پر بٹھایا۔ بادشاہ نے بغل سے تلوار نکالی کہ اے قاضی شریعت کے حکم کے بموجب میں تمہارے محکمہ میں حاضر ہوگیا اگر بال برابر بھی یہ دیکھتا کہ تم نے شریعت کے حکم سے تجاوز کیا ہے تو تمہاری گردن اسی تلوار سے اڑا دیتا۔ خدا کا شکر ہے کہ خیر گزری۔

یہاں تک تو واقعہ کی جو صورت تھی اسے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ شریعت کے حاکم اور حاکم ہی نہیں شرعی محکمہ کے ایک پیادہ کی ہمت و جرأت، اور اسکے ساتھ بادشاہ وقت کے دماغ میں جو بے پایاں لحاظ و پاس تھا، اسکی کتنی واضح شہادت آپ کے

سامنے پیش ہو رہی ہے لیکن لطیفہ دلچسپ آگے کا یہ ہے کہ بادشاہ نے بغل سے تلوار نکال کر سب قاضی کے سامنے چمکائی اور وہ الفاظ کہے کہ "اِں برابر شرعی احکام ہیں کو تاہی نہ کیجیئا تو گردن اُڑا دیتا" تو قاضی نے بھی جواب میں جو بات کہی وہ اس کچھ کم نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ اپنی مسند کے نیچے سے قاضی نے بھی اپنا تیر نکالا اور نکال کر بادشاہ سے کہنے لگا

اے سلطان، اگر امروز تو ادنیٰ تجاوز از شرع مشاہدہ می نمودم کہ بہ ہمیں دو پشت تو سیاہ و سرخ می کردم	یعنی اے بادشاہ، اگر تیں دیکھتا کہ شریعت کے حکم سے تم نے کچھ بھی تجاوز کیا ہے تو اسی وقت یہ تمہاری پیٹھ کو سیاہ و سرخ کئے دیتا

راوی کا بیان ہے کہ یہ "سن کر" سلطان خوشنود شد و قاضی را بہ انعام و اکرام فراواں شاد فرمودہ و خود رفتن بادشاہ کرد مراجعت فرمود۔ یہ تھا بنگال کے ایک اسلامی بادشاہ کا قصہ۔ اب آئیے بنگال سے دور بہت دور گجرات چلے آئیے۔

سلطان محمود بیگڑہ جسے اُس زمانہ کے مغربی سیاحوں نے اپنے سفر نامہ و داستانوں کی بنا پر بہت کچھ شہرت دے رکھی تھی ہندوستان سے واپس ہونے کے بعد اپنے اپنے سیاحت ناموں میں جہاندیدوں کا یہ گروہ اپنے ارباب وطن کو جو عجیب افسانے سنایا کرتے تھے اُن میں یہی تھا کہ ہندوستان میں ایک سلطان بادشاہ محمود نامی ہے جو بکثرت سمیات اور زہریات کے استعمال کا عادی ہے۔ زہر کی کثرت استعمال کا یہ نتیجہ ہے اسکے جسم پر مکھی اگر بیٹھتی ہے تو بیٹھنے کے ساتھ ہی مرکر گر جاتی ہے۔ اور یہ بھی مشہور کیا گیا تھا کہ محمود کی مونچھیں اتنی لمبی اور دراز ہیں کہ سر کے پچھلے حصہ کی طرف دونوں مونچھوں کو لیجا کر باندھ دیتا ہے۔ خیر یہ تو مغربی جہاندیدوں کے بیانات ہیں۔ مرأت سکندری جو گجرات کی معتبر تاریخ ہے اسی بادشاہ کے متعلق یہ قصہ اس میں درج ہے

زرگرے رباب مرصع بتکلف ساختہ بخدمت سلطان (محمود) می آورد در راہ شریعت پناہ قاضی نجم الدین کہ منصوب بمنصب قضائے احمد آباد بود پیش آمد چوں نظر قاضی بر رباب افتاد از او پرسید کہ ایں چیست و از آں کیست گفت رباب سلطان است فرمود بیار چوں قاضی نظر بداں دیدہ آورد قاضی گرفتہ پارہ پارہ کرد جواہرش از ہم پاشیدہ بخاک یکساں گشت زرگر خاک بر سر کرد فریاد کناں پیش سلطان آمد و عرض کرد کہ بہت پسند او رست کہ حسب الحکم در ترصیع رباب اوقات صرف کردہ بودم امروز بخدمت می آوردم کہ قاضی نجم الدین از دست گرفتہ پاش پاش ضائع کرد۔ سلطان دم نزد و بعد زاں برخاست و در خلوت نشستہ گفت "بنچھی بیری سب کوئی جھورے" یعنی درخت کنار کہ پست است ہمہ کس بر وی دست رساند (صفحہ ۱۳۱) مرآۃ سکندری	ایک سنار ایک دن جڑاؤ رباب جسے اُس نے بڑے تکلف سے بنایا تھا لیے جا رہا تھا۔ بادشاہ (محمود) کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے، راستہ میں قاضی نجم الدین کا سامنا ہوگیا جو احمد آباد کے قاضی تھے۔ قاضی کی نظر رباب پر جب پڑی تو پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کس کا ہے، سنار نے کہا کہ بادشاہ کا رباب ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ میرے سامنے لاؤ لوگ دوڑے اور قاضی کے حوالہ کیا۔ انھوں نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جواہرات جو اس میں لگے ہوئے تھے ادھر اُدھر بکھر گئے، اور مٹی میں مل گئے۔ سنار روتا پیٹتا بادشاہ کے پاس پہنچا اور فریاد کرنے لگا کہ چند مہینوں میں بڑی محنت سے یہ رباب تیار ہوا تھا، آج اسی کو خدمت شاہی میں لا رہا تھا کہ قاضی نجم الدین نے اسکو اس طرح ضائع کر دیا۔ بادشاہ یہ سنکر چپ ہوگئے اور دربار سے اُٹھ کر خلوت خانہ میں چلے گئے۔ وہاں پہنچکر صرف یہ فقرہ بادشاہ کی زبان سے جاری ہوا "نیچی بیری کو سب کوئی جھورے"

یعنی بیری کا درخت چونکہ چھوٹا ہوتا ہے اس لیے ہر ایک کا ہاتھ اُس تک پہنچتا ہے۔ ضرب المثل والا آخری فقرہ "نیچی بیری کو سب کوئی جھورے" جو ہندی زبان کا فقرہ ہے اور اس زمانہ میں ہندی زبان جو بولی جاتی تھی اسکی نوعیت کا گونہ پتہ چلتا ہے۔ خیر ہمارے مقصد کے اعتبار سے قابل غور نقطہ یہ ہے کہ شرعی قوانین کے مقابل میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اپنے آپ کو "نیچی بیری" قرار دیتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے اس زور اور قوت کا جو اسلامی حکومتوں میں فقہ اور اسکے مسائل کو حاصل تھا۔

اور یہ قصے تو خیر پرانے تھے اب آپ کے سامنے ہندوستان کی آخری اسلامی حکومت جو الحمدللہ اب تک باقی ہے (حماہا اللہ تعالیٰ وحرسہا) اسکے بعض بادشاہوں کے بعض واقعات اسی سلسلہ کے پیش کرتا ہوں۔

سب سے پہلا قصہ تو حضرت آصفجاہ اول انار اللہ برہانہ وقدس سرہ و جنانہ ہی کا ہے۔ عام کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ میں اخبار رہبر دکن مورخہ غرہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ کی اشاعت سے اس قصہ کو نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے، حاصل یہ ہے کہ

حضرت آصفجاہ اول کے عہد میں قاضی کریم الدین خاں نے کسی مقدمہ میں فیصلہ صادر کیا۔ حسب دستور رئیس وقت کے دستخط کی بھی اس فیصلہ پر ضرورت تھی۔ جب حضرت آصفجاہ کے پاس قاضی صاحب دستخط کے لیے آئے، تو کسی خاص وجہ سے اُس وقت آصف جاہ نے دستخط کرنے سے احتراز کرنا چاہا، بظاہر قاضی کے فیصلہ سے راضی نہ تھے، لیکن قاضی نے اصرار شروع کیا، لیکن حضرت آصف جاہ انکار ہی پر مصر رہے۔ گفتگو ذرا تیز ہوگئی۔ لکھا ہے کہ قاضی کریم الدین کو غصہ آگیا۔ آصف جاہ نے انکی حالت دیکھ کر چاہا کہ دربار سے اُٹھ کر چلے جائیں، لیکن قاضی نے دامن پکڑ لیا اور غصہ ہی کے لہجہ میں کہنے لگے کہ "انصاف کرکے جائیے گا" تب آصف جاہ نے آہستہ [illegible]

قصر شاہی میں پہونچکر قاضی صاحب کی طلبی ہوئی، اُسوقت حضرت آصفجاہ نے قاضی کو مخاطب کرکے جو بات کہی وہ شرعی قوانین کے اس اقتدار و اثر کی تصویر ہے جو اسلامی حکومتوں میں انھیں حاصل تھا فرمایا "میرا قصور معاف کردو، میں نے سہواً کہا تھا، جو کچھ شرعی احکام ہیں ان تمام امور کے تم مختار رہو"

خانوادۂ آصفجاہی کے ایک دوسرے رکن نظام خاص نواب افضل الدولہ بہادر مرحوم کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے جسے مولوی نصر اللہ خاں خورجوی نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ دکن" میں نقل کیا ہے جو خود انھیں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالار جنگ اول کی وزارت کا زمانہ تھا۔ عدالتوں کی تنظیم جدید ہوچکی تھی۔ بجائے قضاۃ و مفتیین کے نظماء عدالت کے تقرر کا قصہ شروع ہوچکا تھا اور ان ہی جدید ناظموں میں مولوی نصر اللہ خاں بھی ہیں۔ فوجداری بلدہ کی نظامت پر کوئی قادر غنی نامی بزرگ کی وفات پر انکا تقرر ہوا تھا۔ دستور اس زمانہ کا یہ تھا کہ میں وقت کی خدمت میں جاکر نئے تقرر یافتہ نظماء نذریں پیش کیا کرتے تھے۔ نصر اللہ خاں کو مقرر کرنے کے بعد سر سالار جنگ نے حکم دیا کہ پیشگاہ خسروی میں حاضر ہو کر مجرا بجالائیں۔ حسب الحکم مولوی صاحب حاضر ہوئے۔ اب خود لکھتے ہیں کہ جب افضل الدولہ بہادر کے سامنے پیش ہوا تو نام، نوکری وغیرہ دریافت کرنے کے بعد ان ہی کو مخاطب کرکے فرمانے لگے

بدانید کہ شما بر مسند پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ اید باید کہ موافق حکم خدا و رسول بہ امانت مقدمہ ہا را فیصلہ کنید و مردمان را بحق رسانید تا بشنوائے عدل و انصاف شما ما دولت راضی و خوش شویم و شما را طلب فرمودہ پیش خود بنشانیم و با شما سخنہا کنیم۔ (تاریخ دکن ص ۳۴)

تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند پر تم بیٹھے ہو چاہیے کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق فیصلے صادر کرو، دیانت داری کے ساتھ اور لوگوں کو انکے حق تک پہونچانے کی کوشش کیجیو، تاکہ تمھارے عدل و انصاف کا حال سن کر میں خوش اور راضی ہونگا اور تمھیں اپنے پاس بٹھاؤنگا، تم سے باتیں کرونگا۔

مولوی نصر اللہ خاں نے لکھا ہے کہ یہ فرمانے کے بعد مجھے جانے کی اجازت ہوئی۔ چند قدم آگے چلا تھا کہ پھر دوبارہ بلوایا گیا، کہنے لگے کہ جہاں سمجھانا نصیحت دا اعادہ فرمودند پھر اسی نصیحت کو دوبارہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ تنظیم جدید نے حکومت آصفیہ کے آئین نظام کے آسمان و زمین کو بالکل بدل دیا تھا، لیکن نواب افضل الدولہ بہادر پر اب تک یہی اثر قائم تھا کہ کام خواہ کچھ بھی ہو لیکن کام شریعت کے مطابق ہی جاری حکومت میں انجام پاتا ہے۔ فوجداری کے ناظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین وہ اسی بنیاد پر قرار دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق فیصلے کرنا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آخر آخر وقت تک ہمارے بادشاہوں پر قانونی حیثیت سے صرف فقہ اور فقہی مسائل ہی کا اثر تھا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ فقہ کے سوا بھی قانون کی کوئی دوسری صورت ہوسکتی ہے، ان بیچاروں کے لیے یہ ایک ناقابل تصور بات تھی۔ (باقی آئندہ)

ایک خارج شدہ تصنیف

(از عبد الماجد)

الہ آباد یونیورسٹی کے ایک ایم اے (اُردو) سے ابھی ملاقات ہوئی، ایم اے کیے ہوئے انھیں تین ہی چار سال ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ "آپ کی کتاب فلسفۂ اجتماع تو ہمارے کورس میں تھی۔ اسے خوب پڑھ چکا ہوں" انا للہ۔ یہ کتاب میری بہت ابتدائی تصانیف میں ہے اور اب اسے چھپے ہوئے ۲۰ سال ہوچکے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو نے اسے چھاپا تھا۔ دوسری تصنیفی خامیوں سے قطع نظر، کتاب الحاد و ضلالت کے عنصروں سے لبریز ہے۔ کوئی ۵ سال ہوئے اسے اپنی تصانیف سے خارج اور اسکی اشاعت ممنوع قرار دے چکا ہوں۔ اس علم سے کہ اُسکی اشاعت اب بھی جاری ہے، بلکہ یہ یونیورسٹی کے اونچے کورس میں داخل ہے، جتنا صدمہ مجھے ہوسکتا تھا وہ بالکل ظاہر ہے! آٹھ دس سال ہوئے اسی قسم کی اطلاع ایک یونیورسٹی سے ملی تھی، اور اُسی وقت وائس چانسلر کی خدمت میں اس کے متعلق مناسب عرض حال کی گئی تھی، اُسکے بعد اسی نوعیت کا یہ دوسرا صدمہ ہے۔

الہ آباد یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اُردو، نیز کتاب کے ناشر کو ابھی خطوط لکھ رہا ہوں۔

اس اعلانِ عام سے دو مقصد ہیں:۔

(۱) کتاب مذکور سے بیزاری و بے تعلقی کی تاکید مزید۔

(۲) اہل حل و عقد سے کتاب کے خارج کرنے کی استدعا۔

جو گمراہیاں متعدی قسم کی ہوتی ہیں، اُن سے پیچھا چھوٹنا بھی کسقدر دشوار ہوتا ہے! اور ان کا وبال کتنے دنوں تک اور کتنے طریقوں سے چمٹا رہتا ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

خریدار صاحب نمبر ۱۰۹۰ آپ کا سوال ایک فقہ دان مولوی صاحب کے پاس جواب کے لیے بھیج دیا گیا ہے۔ جواب آنے پر شائع کردیا جائیگا۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے

نمبر ۳۶ | یوم سہ شنبہ - ۱۱ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ایٹم بم (ذراتی بم، جوہری بم، ترجمہ جس لفظ سے چاہیے کیجیے) کی حقیقت و ماہیت آپ سن چکے، سمجھ چکے؟ اور اس کی قیامت خیز اور لرزہ انگیز ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تو ہر حال واقف ہو چکے ہونگے۔ جزئیات و تفصیلات میں گئے بغیر خلاصہ سائنس کے اس جدید ترین "معجزہ" کا یہ ہے کہ مادہ کے ہر ایٹم یعنی جوہر فرد، یا سالمہ، یا جزو لا یتجزیٰ کے اندر بے پناہ قوت یا توانائی (انرجی) کا ذخیرہ محفوظ ہوتا ہے، اور وہ اس ذرہ کے پھٹنے سے بے تحاشہ نکل پڑتا اور ابل پڑتا ہے —— ذرہ جو جسامت میں اس قدر حقیر اور ضخامت میں اتنا صغیر ہوتا ہے کہ آنکھ سے نظر ہی نہیں آسکتا، جب وہ پھٹتا ہے، تو قلعوں کو ہلا دیتا ہے، پتھروں کے در و دیوار کو جنبش میں لے آتا ہے، بیسیوں نہیں، پچاسوں بلکہ سیکڑوں میل کے رقبہ میں تزلزل پیدا کر دیتا ہے! سائنس نے قدرت کے حقیر سے حقیر اور صغیر سے صغیر فرد کے انشقاق کی بے پناہ قوت کا مشاہدہ کرا دیا۔

کیا عالم ہوگا اس وقت جبکہ ایک ذرہ نہیں، دس بیس، سو پچاس ہزار دس ہزار ذرے نہیں بلکہ ذرات کا مجموعہ، چاہئے اسے فضاے محض کہیے یا کوئی ٹھوس مادی جسم، بہر حال آسمان پھٹے گا؟ اور [illegible] شق ہو کر رہیگا؟ اس وقت کی بے اندازہ ہلاکتوں کا کوئی انسانی دماغ اندازہ بھی کر سکتا ہے؟ اس وقت کے حساب و شمار ہی سے نہیں، وہم و گمان سے بھی باہر تباہیاں اور بربادیاں کسی بشری فہم و عقل کے احاطہ گرفت میں کبھی آسکتی ہیں؟ "قیامت" کا اگر کا اطلاق اگر اس ہنگامہ رستخیز پر اس طوفان موت و ہلاکت پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ ذرہ کے پھٹنے کا جب یہ عالم ہے تو آسمان کے پھٹنے کی جو کیفیت محشر برپا ہو کر رہیگا! —— اب جا کر کچھ روشنی پورے مسئلہ پر پڑی کہ قرآن مجید نے قیامت کی ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں کے سلسلہ میں آسمان کے لیے "پھٹنے" ہی کا لفظ کیوں بار بار استعمال کیا ہے!

اذا السماء انشقت، اذا السماء انفطرت، وغیرہا۔ یہاں تک کہ انسان کی شدید مشرکانہ گستاخیوں پر بھی یہی لفظ لایا ہے تکاد السموات یتفطرن۔ اب کچھ کچھ روشنی "انشقاق" و "انفطار" کے معنی پر پڑی! —— سائنس کے "معجزہ" نے طوعاً و کرہاً، قرآن کے معجزہ پر ایمان تازہ کر دیا!

کام کی رفتار

تاج کمپنی کے ہاں سے پارہ دوم کے پروف کا ایک صفحہ ۸- ستمبر کو پھر موصول ہوا۔ اسکے قبل اسی پارہ کے کچھ پروف مارچ میں آئے تھے! ابھی بھی وہی وعدہ خط میں تھا، کہ پارہ بس اب [illegible] ہی پر ہے، جو چھ مہینے قبل بھی تھا، بلکہ اس سے قبل بھی! —— مئی ۱۹۴۳ء کے بعد پارۂ دوم اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ڈھائی سال کے بعد، اگر نکلا بھی، تو اس ایک پارہ سے ظاہر ہے کہ خریداروں کی اشتہا شوئی کیونکر ہو سکیگی۔ کم از کم دو تین پارے ساتھ تو نکلنے تھے۔

امداد ہی رقمیں اس درمیان میں حسب ذیل اور قبول کی گئیں:-

آہستہ سے پڑھنے لگے۔ وہ پوری آیت لوگ سمجھ نہ سکے، بس معلوم ہے
کہ بار بار اسکی تکرار میں اِنَّ الشِّدَّ اِنَّ اللہ کا لفظ نکل رہا تھا۔
اسکے بعد خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد کلمۂ طیبہ زور زور
سے پڑھنے لگے اور مثل استغفار کے اسکی بھی رٹ لگا دی۔ جب
آواز نے کام نہ دیا تو سب ہی ورد کرتے تھے۔ ایک عزیزہ جو اُنکے
پاس بیٹھی ہوئی پانی پلا رہی تھیں، اُنکا بیان ہے کہ ہونٹ کی
جنبش میں کلمہ طیبہ ہی کا ورد تھا۔ بہرحال کیا عرض کروں۔ میرا بھائی
استغفار اور ذکر کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

محترما۔ کیا عرض کروں۔ میرے کوئی حقیقی بھائی نہ تھا اور
اور نہ مرحوم کے کوئی حقیقی بھائی تھا ہم دونوں نے ایک دوسرے کو
حقیقی بھائی سمجھا۔ پروگرام کے قرب و جوار میں مرحوم نے جو تبلیغی
کام کیا ہے اور خاندان کے تبلیغی اور اصلاحی طریقہ کو جس طرح
سنبھالا تھا، کوئی دوسرا اسکا اندازہ نہیں کرسکتا ہے۔ گزشتہ جنوری
اور فروری میں ہم دونوں نے سلطان پور کے دیہاتوں کا دورہ تک
دورہ کیا۔ ہم دونوں نے بڑے خیالات قائم کر رکھے تھے کہ اس طرح
کام کرینگے، مگر افسوس! نہیں معلوم کتنے آدمیوں نے مرحوم کے وعظ کو
سن کر شرک، تعزیہ، اور سود سے توبہ کی۔

ہم دونوں اکثر تنہائی میں عذاب قبر اور سکرات موت کے متعلق
گفتگو کرتے۔ مرحوم بڑے زور سے کہتے کہ میرے خاندان میں ہمیشہ
شرک کا رد کیا گیا ہے، اس لیے بحمداللہ سب کا خاتمہ بخیر ہوا ہے اور
مجکو بھی یقین کامل ہے کہ انشاءاللہ دنیا سے باایمان جاؤں گا۔ اللہ
نے اپنے بندے کا ظن پورا کردیا۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اس پر اجماع بھی رہا ہے، ان وجوہ سے اسکا انکار اگرچہ تاویلات بھی
ہو تو زیغ و ضلال اور دائرہ حق سے خروج ہے، لیکن صرف اسکی
وجہ سے قطعی تکفیر محققین اور محتاطین کا مسلک نہیں، کیونکہ اسکو
"ضروریات دین" کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

واضح رہے کہ یہ کلام صرف مسئلہ "نزول مسیح" میں ہے۔ مرزا
غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کی تکفیر دوسری وجوہ سے ناگزیر ہے۔

یہ مباحث جنکی کافی چھان بین ہوچکی ہے، چونکہ ان پر زیادہ لکھنا
اور زیادہ وقت خرچ کرنا اب میرے لیے ممکن نہیں رہا ہے، اس لیے
ضروری سمجھتے ہوئے صرف یہ سطریں لکھ دی ہیں۔ نام اس لیے ظاہر
کرنا مناسب نہیں سمجھتا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ نہ کریں کہ اسکا جواب
دو، اسکا جواب دو۔ والسلام

"صدق" کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۲ - ستمبر کو انشاءاللہ لکھنؤ سے بمبئی کیلیے روانہ ہونگا
کہ جہاں ۲۸ - ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰ - ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد
پہونچوں گا کہ جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن
صاحب اول تعلقدار ضلع اطراف بلدہ صرف خاص مبارک کے یہاں
رہیگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے
اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں
تو وہ براہ کرم اس دوران میرا پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق"
کی توسیع اشاعت میں ایک ایک خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی
حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔

محمد عبدالرؤف عباسی۔ مہتمم "صدق"، لکھنؤ

مقالۂ علمیہ کے اشاعت کی درخواست

معزز ناظرین! "صدق" کے صفحات پر آٹھ قسطوں میں علم
عربی کی حمایت میں میرا جو مقالہ "علم عربی اور امراء زمانہ" کے
عنوان سے چھپتا رہا، اور آخر میں مدرسہ کے تعمیری پروگرام کی جو
اپیل ہوئی، اسکے متعلق درخواست ہے کہ امراء کرام میں اہل
فکر و صاحب نظر حضرات مقالہ کی اشاعت کے لیے بشکل رسالہ
۵۰۰ نسخوں کی طباعت کا خرچ ۱۱۰ دو سو دیں۔ اور اسی طرح
تعمیری کام کے لیے مبلغ چار ہزار کے اخراجات کی جانب دردمندی
سے متوجہ ہوں۔ اسکا صلہ حق تعالیٰ سے لیں۔

بیرون ہند سے ایک اعانت بذریعہ مولانا دریابادی آچکی
ہے، اندرون ہند کے اہل نظر صاحب جود و سخا صبرآزما مدت تک
خاموش رہ چکے ہیں۔ یہ طلب سرور حق ہے کہ اللہ وعلا کی رضا
کیلیے میری ہمدردانہ درخواست پر "چیک" یا "بیمہ" کی رقوم کے
ساتھ توجہ فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

پتہ:- عبدالرؤف خاں رحمانی۔ نائب ناظم مدرسہ
جھنڈانگر ڈاکخانہ رامت گنج - ضلع بستی
یا بذریعہ مدیر "صدق"

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے
دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

صدق

مدیر — عبد الماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی
حکیم عبد القوی بی اے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے: —
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ار

جلد ۱۱	یوم شنبہ۔ ۵ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۴۵ء

سچی باتیں

ہندوستان کے قدیم اور مشہور و مستند پیشواے طریقت، شیخ علی ہجویری (داتا گنج بخش) صاحب کشف المحجوب گزرے ہیں خواجۂ اجمیری تک کے مستفید۔ سماع کبھی کبھی کسی مصلحت سے سُن لیتے تھے۔

ایک مرتبہ شہر مرو میں تھے، ... آنکہ معروف ترین ایشاں بود مرا گفت کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام۔ گفتم زرگ مصیبتے کہ اندر دین پدیدار آمد کہ خواجہ امام لہو را کہ اصل ہمہ فسقہاست حلال کرد۔ مرا گفت پس اگر حلال نداری تو چرا می کنی۔ گفتم حکم این بر وجوہ ست بر یک چیز قطع نتوان کرد۔ اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال بود۔ و اگر حرام بود حرام۔ و اگر مباح بود مباح۔ چیزے را کہ حکم ظاہرش فسق ست و اندر باطن حالش بر وجوہ است مطلق ...

شہر کے نامور ترین اہلحدیث عالم سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا کہ میں نے جواز سماع پر ایک کتاب تیار کردی ہے شیخ بولے یہ تو بڑا غضب کیا۔ اگ جب دیکھیں گے کہ امام ہی نے ایسے لہو کو حلال کردیا جو سارے فسق کی جڑ ہے تو دین میں بڑا رخنہ پڑ جائیگا۔ عالم صاحب نے کہا کہ آپ کے نزدیک اگر جائز نہیں تو پھر آپ خود کیوں سنتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ سماع کے باب میں احکام مختلف ہیں۔ کوئی ایک ہی حکم قطعی نہیں۔ اگر دل پر اسکا اثر حلال صورت میں ہو رہا ہو تو اسکا سننا حلال ہو گا۔ اگر مباح صورت میں ہو رہا ہو تو سننا بھی مباح ہوگا، اور اگر حرام صورت میں ہوگا تو سننا بھی حرام ہو گا۔ جو عمل کہ اپنی ظاہر صورت کے لحاظ سے فسق ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے اثرات مختلف رکھتا ہے۔ اس پر کوئی ایک ہی حکم ہر جگہ نہیں چلتا۔

(ان یک چیز حلال باشد — کشف المحجوب صفحہ ۳۱۶)

روایت کسی اور راوی کی نہیں، شیخ کی خود بیان کی ہوئی ہے۔ اقبال کا مشہور مصرعہ

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں

بہت سے اہل مدرسہ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ عجب نہیں کہ شیخ کی اس حکایت سے مصرعہ کے اجمال کی کچھ تفصیل ہو گئی ہو ——— جن چیزوں کی حرمت پر نص صراحت کے ساتھ موجود ہو، وہاں تو چون و چرا کی گنجایش نہیں، لیکن جو چیزیں استنباطی ہیں، اُنکے احکام برابر حالات کے تابع ہیں۔ اُنکی وسعتوں اور گنجایشوں کو تنگی سے بدل دینا دین کی اصل روح پر ظلم کرتا ہے ——— کم از کم محققین طریقت و شریعت کا اسوۂ حسنہ ہم عامیوں اور عامیوں کے لیے یہی ہے —

"صاحب" کے داؤپیچ

ملک سیام، ہر اخبار بیں ایک جانتا تھا کہ امریکہ و برطانیہ کے دشمن جاپان کے ساتھ ہے، اور دشمن کے دوست کی حیثیت سے خود بھی اتحادیوں کا دشمن ہے۔ لیکن اب تازہ ترین خبر ملاحظہ ہو: —

"واشنگٹن ۸ ستمبر۔ آج امریکہ کے جنگی چالوں کے محکمہ نے اس راز کا انکشاف کیا ہے کہ سیام کی گورنمنٹ گو بظاہر اتحادیوں سے اعلان جنگ کر چکی تھی، لیکن حقیقۃً وہ اتحادیوں ہی کی شریک و دمساز تھی۔ ملک سیام کے ریجنٹ، وزیر اعظم اور پولیس کے افسر اعلیٰ

ذکر عروس البلاد بمبئی کا ہو رہا ہے! سیٹھوں اور ساہوکاروں، کروڑ پتیوں اور کروڑ پتی تاجروں کے شہر کا! فلک بوس "کوٹھیوں"، قصر و ایوان والے شہر کا! —— اسی شہر میں ۱۲ لاکھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کے پاس بیوی بچوں کے، رہنے سہنے، کھانے پکانے، سونے اور بیٹھنے، کھانے اور سونے کے لیے کل ایک کمرہ یا بڑی کوٹھری ہے! — اور لاکھوں کی تعداد تو ایسوں کی ہوگی، کہ ان غریبوں کو سر چھپانے کی اتنی جگہ بھی نصیب نہیں۔ ساری رات آسمان کی چھت کے نیچے، سڑک کی پٹریوں پر گزار کر صبح کر دیتے ہیں، گرمی کے اور جاڑے میں بھی، اور موسلا دھار بارش میں بھی!

سرکاری کلال خانہ

خبر پرانی ہوگئی ہے، لیکن پھیکی اور بےمزہ اب بھی نہیں ہے:—

"پنجاب میں شراب نوشی، افیون، چرس نوشی اب ۱۹۴۲ء کے دیکھتے کم ضرور ہوگئی تھی، لیکن گورنمنٹ کی آمدنی ان مدوں سے اب تگنی ہوگئی ہے

۱۹۴۲ء میں آبکاری کی آمدنی ایک کروڑ ہوئی تھی۔

۱۹۴۵ء کے تخمینوں میں یہ آمدنی کچھ اوپر ۳ کروڑ رکھی گئی ہے۔

جنگ کے زمانہ میں شراب کی کشید صوبۂ پنجاب میں دوگنی ہوگئی لیکن اسکی کل آدھی مقدار عام آبادی کے استعمال کے لیے ہے۔ اور باقی آدھی فوجیوں کی ضرورت کے لیے محفوظ کر دی گئی ہے (اسٹیٹسمن کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے، اسٹیٹسمین، ۹ فروری ۱۹۴۵ء)

اعداد کو پڑھ کر یاد مسرت آتا؟ دیکھیے کہ پنجاب کی سرکار تمامتر "صاحب" کی سرکار نہیں، بلکہ بہت کچھ ہمارے ہی بھائی بندوں کے ہاتھ میں ہے!

سعدی از دست خویشتن فریاد!

یزید پر ایک سوال

"ہمیں کوئی ابوجہل یا ابولہب عبداللہ ابن ابی، یا یزید یا فرعون یا ہامان یا چنگیز کہہ تو دیکھے، ہم لٹھ لیکر اسپر جھٹ پڑیں گے، لیکن اگر ہمارے خیالات اور ہمارے کرتوتوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو ان میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اور یزید اور دوسرے مشہور زمانہ لوگوں کے طرز عمل کے سارے اجزاء ملیں گے تھوڑے نہیں بہت بڑی مقدار میں۔" (ایک پرجوش مسلم معاصر)

یہ اگر شیعہ نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے، جب تو آگے کوئی سوال ہی نہیں۔ لیکن اگر اہل سنت کے عقائد کو ملحوظ رکھ کر ہے، تو اعتراض کی نیت سے نہیں، اپنے علم پر اضافہ کی غرض سے سوال ہے، کہ یزید کو ابولہب اور فرعون اور ہامان کی سطح پر رکھنا کس قرآنی شہادت، یا ابوجہل اور عبداللہ بن ابی کی صف میں لانا کس حدیثی شہادت، یا چنگیز کے برابر کھڑا کرنا کس تاریخی شہادت کی بنا پر ہے؟

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۵)

(از عبدالماجد)

تتمۂ نمبر ۴۴ مطبوعۂ صدق ۱۹۴۵ء ص ۵ ک ۱ نصف آخر میں سوال یہ جواب نمبر ۷ کو نکل چکا ہے۔ اسی سوال کا دوسرا جواب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے قلم سے:—

یہ صورت حال مسلمانوں کی بدنفسی یا غفلت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اصلاح صورت حال کی چاہیے نہ کہ شریعت کے مسائل کی۔ یہ بڑی کوتاہی ہے۔

پھر ایسے جلسوں میں شرکت ہی کی کیا ضرورت ہے جس میں فرائض نماز کی اہمیت اتنی کم ہو کہ نماز بھلے ہی چھوٹے مگر جلسہ نہ چھوٹے۔ ہر مسلمان کو ایسے جلسہ میں جاتے وقت وضو اور نماز کا خیال پہلے ہی کر لینا چاہیے۔ تیار ہو کر جانا چاہئے۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسے جلسہ میں شرکت کرے، جہاں سے پانی ایک میل پر ہو تو تیمم جائز ہے۔

س۔ حضرت والا نے اپنے عنایت نامہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ دوران نماز میں اللہ تعالیٰ یا کعبہ شریف کا تصور کرنا چاہیے، مگر حقیر کی حالت یہ ہے کہ زیادہ تر حضرت والا ہی کا تصور نماز میں آجاتا ہے اور کبھی حضرت رسول خدا عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی بندھ جاتا ہے۔

ج۔ خیال آجانا اور چیز ہے اور خیال لانا یا تصور قائم کرنا اور چیز۔ پہلا عمل بے اختیاری کا ہے، اس میں چاہے مجھ جیسے ننگ انسانیت انسان کا خیال آجائے، یا بھیڑ بکری، گھوڑے، گدھے کسی جانور کا، سب برابر ہے۔ لیکن ارادہ کرکے خیال کسی جاندار مخلوق کے لانے میں نفع سے زیادہ پہلو نقصان کے ہیں۔ بلکہ اپنے مرشد یا کسی اور بزرگ کے تصور میں یہ خطرہ اور زائد ہے۔ ارادی تصور حتی الامکان کعبۃ اللہ ہی کا رہنا چاہیے۔

س۔ حقیر کے دو دوست مولانا ... صاحب سے اصلاح لیتے ہیں۔ دونوں بہت نیک طینت اور پاکباز ہیں، ان سے حقیر تقریباً روزانہ ملتا رہتا ہے۔ جب کبھی یہ دونوں آپس میں گفتگو کرتے ہیں، تو حقیر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ اور خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ اتنے اچھے ہیں اور حقیر سراپا گنہگار۔

ج۔ بہت مبارک خیال ہے جتنے زیادہ قائم رہ سکے بہتر ہے۔ اپنے عجز و نارسائی، عبدیت کے مشاہدے سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔

س۔ بعض دفعہ نماز کے بعد جب حقیر یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ اپنے اس عاصی گنہگار، سرکش بندہ کو بخش دے تو بے اختیار رونا آجاتا ہے۔ خیال یہ یک لخت اپنے تمام گناہوں اور کوتاہیوں کا آجاتا ہے، اور ایک عجیب اضطراری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ج - یہ اضطراب اور گریہ دونوں مبارک ہیں۔ اس کا ہر عالم ایسے ہیں

اس سیاہ تباہ کار کو بھی دعا سے خیر میں شریک کرا لیا جائے تو بڑی عنایت ہو۔

س - گریہ وقتی و دور ہنگامی ہوتا ہے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد پھر وہی پہلے والی دوری اور سختی طبیعت میں آ جاتی ہے۔

ج - حضور والا کی نسبت تو کاملین کو بھی مشکل سے میسر آتی ہے حضرات صحابہ تک خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنی یہی روداد بیان کرتے تھے۔

س - حضرت والا یہ بالکل سمجھ نہیں آتا کہ حقیر کو اپنی حالت کا شعور بھی ہے۔ رونا بھی ہے مگر برائیوں کو ترک نہیں کرتا۔

ج - ایک انبیاء کی طرح بشر کو گناہوں خطاؤں سے بالکل پاک و صاف رکھنا شاید حکمت تکوینی کا مقصود ہی نہیں، علم سبحانہ تعالیٰ۔ بشر کے لیے بس اتنی قدر ہے کہ ہر تازہ لغزش پر تازہ توبہ اور ہر نئی خطا کی نئی تلافی و تدارک بقدر امکان کرتا رہے۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین، جس طرح ہمارے سب پرانے بزرگوں کا وظیفہ تھا۔ ہر دم ہمارے بھی ورد زبان رہنا چاہیے۔ مقصود اصلی تعلق مع اللہ ہے وہ ان ہی حسرتوں اور ندامتوں سے ضعیف نہیں ہوتا، شاید قوی تر ہی ہوتا جاتا ہے۔

گناہوں سے اصل مانع حضور کامل ہے اور بنی آدم میں سے کس کو نصیب ہے؟ (انبیاء کی شخصیت یہاں زیر بحث نہیں)

قرآنی اصطلاح میں اسی بےہوشی کا نام جہالت ہے۔ اور اسی سے فوری افاقہ پر توبہ کا حکم ہے۔ انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب- فان تابوا واصلحوا۔ اور اسی مضمون کی دوسری آیتوں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ البتہ ہر شخص کا مقام الگ الگ ہوتا ہے اور اسی نسبت سے لحاظ سے اس کی لغزشیں اور ہستیاں ہوتی ہیں۔

س - بعض دفعہ طبیعت چاہتی ہے کہ قرآن پڑھتے رہیے یا نوافل ادا کیجیے۔ مگر دفعۃً کسی کام کا خیال آ جاتا ہے۔ جو بہت اہم معلوم ہوتا ہے۔ حقیر اس خیال کے آتے ہی قرآن اور نوافل سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کام کو ختم کر دے۔ لیکن قرآن اور نماز کے چھوٹتے ہی کام کی اہمیت تقریباً کچھ نہیں رہتی۔ حضرت والا اس بیماری کا علاج فرمائیں۔

ج - یہ عادت مطلق صورت میں تو بیماری نہیں، ہاں بعض صورتوں میں اس پر مرض کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

عبادت کا حصر تلاوت و نوافل پر نہیں۔ کوشش ایسی ہونی چاہیے کہ ہر عمل عبادت بن جائے۔ سونا، جاگنا، کھانا، پینا، چلنا پھرنا، دوستوں عزیزوں سے بات چیت کرنا، بزرگوں، عزیزوں اور دوسروں کی خدمت کرنا، پڑھنا لکھنا، جائز کسب معاش کی مصروفیت، ضروری تفریح، یہ ساری چیزیں بھی تو کسی مشق و توجہ کے بعد خالص عبادت بن سکتی ہیں۔ اور ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف حسب ضرورت و موقع منتقل ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک ہی عبادت کے تسلسل سے اکتاہٹ

سے طبیعت کا اکتا جانا امر طبعی ہے کوئی معصیت نہیں۔

بہتر ہوگا کہ تلاوت شروع کرنے سے قبل ایسے ضروری اور مشغولیت پیدا کرنے والے کاموں سے فراغت کر لی جائے۔ اسکے بعد درمیان میں اگر وہ بار بار یاد آنے لگیں تو اسکی طرف التفات نہ کی جائے، بلکہ نفس کی تادیب و تربیت کے لیے دستور کی عبادت میں مصروف رہا جائے، خواہ دل ذرا بھی نہ لگے۔

س - حقیر جب بازار میں ہوتا ہے اور سڑکوں پر چلتا ہے تو بدنظری سے پرہیز کرتا ہے۔

ج - الحمدللہ۔ اسی عادت کو پوری طرح راسخ کر لیا جائے۔

س - لیکن کلاس میں جب لڑکیاں سامنے ہوتی ہیں تو پرہیز نہیں ہوتا۔ طبیعت چاہتی ہے کہ کسی کے چہرے کو، سینے کو، یا سارے ہی کو دیکھ لیجیے۔ کبھی حقیر اس خواہش کو دباتا ہے مگر بسا اوقات اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ حضرت والا کوئی تدبیر بتلائیں۔

ج - بیشک کلاس میں انتہائی نگرانی کی احتیاط سے دشوار تر ہے۔ لیکن یہ بدنظری بڑی ہی بے لطفی کی بات ہے۔ نامحرم پر نظر کرنے سے وصل تو ہوتا نہیں، پھر محض اشتیاق بڑھا لینے سے آخر نتیجہ اور حاصل کیا؟ یہ تو اور اپنے کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہوا۔ روزہ کے لیے سمجھ کا راستہ کون سا ہے۔ آیا یہ کہ دن میں کھانے پینے کی طیب و لذیذ چیزوں سے دور رہیے؟ یا برابر انہیں سامنے لا لا کر اپنی طبیعت کو للچاتے رہیے؟ یہ تو اپنے کو مزید صبر و امتحان کے تعب میں ڈالنا ہوا۔

اس لیے حاصل جتنا صحیح و قوی استحضار رہتا جائیگا، طبیعت از خود ادھر سے ہٹتی جائیگی۔ اپنے ساتھیوں کے سامنے بدنظری کے عقلی نقصانات اور شرعی قباحتوں پر اگر گفتگو بھی وقتاً فوقتاً کی جاتی رہے تو اس سے بھی ہمت کی استواری میں ان شاء اللہ بہت مدد مل جائیگی اور نفس کو اپنے کہے کے خلاف کرتے ہوئے خود شرم آئیگی۔

کلاس میں ایک آدھ اپنے ہم خیال ضرور ہوں گے۔ بہتر ہوگا کہ ان سے معاہدہ ہو جائے کہ آپس میں جس کسی سے لغزش ہو جائے دوسرا اسے اسی وقت متنبہ کر دے۔

یہ سب احتیاطات ان شاء اللہ کافی ہو جائیں گے۔ فکر و اہتمام خود ان امور میں بہت موثر ہے۔ عادت کے رسوخ کے بعد دقت ذرہ بھر بھی نہ رہیگی۔ لیکن ان سب سے مقدم و اہم خوف آخرت کا استحضار ہے۔ تجربہ ہے کہ یہ سخت پہرہ کا کام دیتا ہے۔

س - نماز تراویح میں خیالات بڑے پریشان رہتے ہیں اور یہی فکر رہتی ہے کہ اب بارہ رکعتیں باقی ہیں، اب آٹھ اور اب چار۔ ہر حال ایک بیزاری کا اظہار ہوا ہے اور علاج سوجھائی ہی نہیں دیتا۔

ج - نفس بشری کا ہر قید و بند سے گھبرانا ایک امر طبعی ہے اگرچہ اسکے منافع و مصالح عقلاً بھی پیش نظر ہوں۔ اور اسے بیزاری نہیں کہیے، بیزاری کے لیے عقلاً قبیح سمجھنا بھی ضروری ہے —— وہ اگر کڑوی ہے تو مریض منہ ضرور بنائے گا، گو اسکے مفید ہونے پر یقین کامل رکھتا ہو۔

جدید فتنۂ تاتار

[صدق نمبر ... میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے قلم سے ترکستان میں اسلام کی ہولناک بربادی کا نقشہ، ترجمان القرآن سے لیکر شائع ہوچکا ہے۔ اب اسی سلسلہ میں مولانا نے مدیر صدق کے استفسار کے جواب میں اپنے مکتوب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی بجنسہ درج کیا جاتا ہے —— تاتاریوں کی مشہور قدیم چنگیزیت سے یہ جدید فتنہ کیا کچھ کم ہے؟]

ترکستان میں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزری، اسکے حالات کا عشر عشیر بھی کتابوں میں نہیں آیا ہے۔ روسی انقلاب کا دوسرا رُخ دیکھنے اور دکھانے والے اہل مغرب ہی ہوسکتے تھے اور انھیں کیا پڑی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کا دردناک قصہ دنیا کو سناتے۔ اس لیے جو کچھ کتابوں میں ہم نے پڑھا تھا اس سے اصل حالات کا کچھ بھی اندازہ نہ ہوسکا تھا۔ مجھے تو اس داستان درد کا علم اُن ترکستانی مہاجرین سے ہوا جو بولشویکوں کے مظالم سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ اس ملک میں انکی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ ان میں اچھے اچھے صاحب علم، فہمیدہ اور سنجیدہ لوگ ہیں۔ ترکستان کے بڑے بڑے ذی عزت اور شریف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی خود اپنے ملک میں وہی حیثیت رکھتے تھے اور وہی پوزیشن رکھتے تھے جو اس ملک میں ہماری آپکی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو سنہ ۲۸ء میں نکلے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے بولشویکوں کی قائم کردہ درسگاہوں میں پڑھا بھی ہے۔ بعض وہ ہیں جو خود اس نظام حکومت کو چلا رہے تھے جو زار کے خاتمہ پر ترکستان میں قائم ہوا تھا اور جسے بالشویکوں نے بزور ختم کیا۔ ان لوگوں کی زبانی جو حالات معلوم ہوئے وہ اتنے دردناک ہیں کہ انکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ آج کل انہی میں سے ایک صاحب میرے ساتھ رہتے ہیں اور میری کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ انکے والد ترکستان کے اکابر علماء میں سے تھے اور بولشویکوں نے انکو سخت عذاب دے دے کر قتل کیا۔ میں نے بارہا ان سے اصرار کیا کہ وہ اس انقلاب کی داستان لکھیں۔ چنانچہ میرے اصرار پر انھوں نے لکھنی شروع بھی کی۔ لیکن چند روز کے بعد انھوں نے مجبوراً یہ کام چھوڑ دیا۔ کیونکہ جب وہ لکھتے تھے تو رنج و غم کے جذبات کا اُن پر اتنا غلبہ ہوجاتا تھا کہ کئی کئی روز تک بھوک اور نیند غائب ہوجاتی تھی اور راتوں کو جنگل میں جا جا کر پھرتے اور رونے لگتے تھے۔ انہی سے معلوم ہوا کہ یورپ اور ایشیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ترکستان سے نکلے ہوئے مسلمان مہاجرین موجود نہ ہوں۔ ہر جگہ ان لوگوں کی باقاعدہ انجمنیں ہیں اور رسالے نکلتے ہیں۔ مگر سب یا تو ترکی میں ہیں یا فارسی میں۔ اس لیے ان بیچاروں کی فریادوں کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن ہندوستان میں تو یہ ستم ہوا کہ جب حضرات علماء کرام اور مسلمان لیڈروں سے مل کر انھوں نے اپنی داستان مصیبت سنائی تو بڑی بڑی جگہوں سے انکو یہ جواب ملا کہ تم لوگ انگریز کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہو جنھیں کمیونزم کے خلاف تبلیغ کرنے کے لیے اُس نے بلایا ہے۔ اس سے بھی زیادہ سنگدلی کا برتاؤ انکے قدیم ترین ہمسایہ ملک افغانستان نے کیا۔ اور ایسا ہی رویہ ایران کا رہا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اگر کل خدانخواستہ ہندوستان میں ہم پر کوئی آفت آئے تو ہم کو اور ہمارے دین کو اس طرح بیدردی سے مٹایا جاسکتا ہے، کہ دنیاے اسلام کے نام سے جو اسم بے مسمّیٰ مشہور ہے، اُسکے کان پر جوں تک رینگیگی، اور ایک ہلکی سی صداے احتجاج بھی کہیں سے نہ اٹھیگی۔

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اسے پیتا ہی چلا جائے۔

نماز رسم کے ادا ہوجانے کے لیے صرف اُس پر عمل پیرا ہونا، بغیر کسی اعتراض عقلی کے کافی ہے۔ رہا یہ درجہ کہ نماز نفل میں لذت اتنی آنے لگے، کہ رکعتوں کی تعداد کا بھی احساس باقی نہ رہے، یہ ہم عامیوں اور عاصیوں کے نصیب میں کہاں؟

س۔ اپنے گزشتہ خط میں حقیر نے حضرت والا سے یہ عرض کیا تھا کہ کچھ ہدایت فرمائیں، تاکہ گناہوں کے ذخیرہ میں حقیر کچھ تو کمی کرے۔

ج۔ یہ طلب اور یہ جذبہ فی نفسہ مبارک ہے۔ لیکن متعین سوالات کے جواب میں جو کچھ گزارش کردی جاتی ہے، وہی کافی ہے۔ باقی ایک خط میں سب کچھ کہاں تک لکھا جاسکتا ہے، کون اسکے لکھنے پر قادر ہے؟

عام ہدایت تو بڑے اور چھوٹے عالم اور عامی، زاہد اور فاسق، ہر کلمہ گو کے لیے ایک ہی ہے۔ فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ ایمان پر استقامت اور غیرت ایمانی کی ہر لحظہ طلب اور افزائش! جزئیات بیشمار ہیں۔ اصل الاصول یہی ایک ہے۔

صدق کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۳ ستمبر کو انشاء اللہ لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہونگا جہاں ۲۸ ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہونچونگا کہ جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب اول تعلقدار اطراف بلدہ صرف خاص مبارک کے یہاں خاص بلدہ میں رہیگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک دو خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" لکھنؤ

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

نمبر (۵)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(بسلسلہ صدق ۳۳ء)

کا ماخذ، جہاں تک کی جس رسم کا نواب مرحوم نے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، اسکی تفصیل وہی ہے جسے طباطبائی کے حوالے آپ سن چکے ہیں۔ یعنی وہی قضا و احتساب کے مظالمانہ دستور کی طرف اشارہ ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں سے ان بے شرم و بے غیرت ننگ اسلام سیاہ سینہ تمام نہاد قاضیوں اور محتسبوں نے مسلمانوں کے غریب عوام طبقہ پر عائد کر رکھا تھا۔ میں تو ان ہی وجوہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ احتساب و قضا کے ان نام نہاد عہدوں پر اگر قدرت کی طرف سے قضا طاری کی گئی تو حق تعالیٰ کا ہندی مسلمانوں پر یہ فضل عظیم ہوا۔ یقیناً اسکے بعد بیگانوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو دور مغلوبیت و انحطاط میں ان نام کے یگانوں نے انتہائی قساوت قلبی، بیدردی و خدا ترسی کے ساتھ روا رکھا تھا۔ بلا شبہ ایک بڑا عذاب تھا جو ان ظالموں کے ختم ہونے سے غریب مسلمانوں کے سر سے ٹل گیا۔

اگرچہ عدل و انصاف کا جو نظام اسکے بعد قائم ہو سکنے کی حد تک تو اُسکے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے اور قانون سازی کی حد تک جن بڑے لفظوں میں یہ کام انجام پا رہا ہے اسکا کون انکار کر سکتا ہے، لیکن وہ آخری نقطہ جہاں قانون عمل کی شکل اختیار کرکے ملک کے عام باشندوں پر عائد ہوتا ہے، یعنی عدالت کی عام کچہریاں اور محکمے، عجیب بات یہ ہے کہ آج سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے بلکہ شاید اس سے بھی پہلے یعنی جس زمانہ میں ہندوستان پر حکومت کمپنی بہادر کرتی تھی اُسی زمانہ کے مورخ صاحب سیر المتاخرین نے اپنی کتاب کے آخر میں کمپنی کے اس جدید حکومت کے طور و طریق پر جو ایک دلچسپ تنقیدی مضمون لکھا ہے اُس وقت کے لحاظ سے تو وہ ایک تنقیدی مضمون تھا لیکن ہمارے لیے اسکی حیثیت ایک تاریخی یادداشت کی ہے۔ اسی سلسلہ میں کمپنی بہادر کی طرف سے انگریزی عدالتیں جو اس ملک میں قائم ہوتی تھیں ان کے متعلق وہی لکھتے ہیں:-

الحال عدالت وجہ عمدہ برائے طلب منافع گردیدہ، مردم آرزوئے خدمت مذکور می نمایند بلکہ پیشکشہا دادہ، سلسلہ ہا برانگیختہ می شانند

اب تو عدالت کا محکمہ نفع اندوزی کا ایک بہترین ذریعہ بن گیا ہے۔ لوگ اس خدمت کی آرزو رکھتے ہیں اور پیشکش پیش کرتے ہیں اور اسے قائل

حاکم را اگر کسے رعایتے منظور باشد این کار را و عنایت می کند۔ چندے روز قبل ازیں در راہ پیدا شدہ و اتباع و عملۂ عدالت از جا برآورد تحصیل آں چہ دو صاحب خدمت و عملہ مسلوک و دو عہدہ ایام بکام خود رسیدہ و از بہت خطیرے اندوختند و کسے نمی پرسد کہ در عدالت در بہ تفصیلات نہ و چیست۔ (ص ۹۲۹ سیر)

کہتے ہیں تاکہ عدالت کے محکمہ میں گھس جائیں، حکام بھی جیسے ساتھ چاہتے ہیں عدالت کی نوکریاں انکے حوالے کرتے ہیں۔ پہلے عدالت کے ملازموں کی تنخواہ معمولی تھی اور ابھی چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ عدالت کے ملازمین عملہ و غیرہ بڑی رقموں کے مالک ہو جاتے ہیں کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ عدالت کے محکموں میں روپیہ کمانے کی کیا صورت ہے۔

کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی، عدالتوں کا رنگ روپ کچھ نام بھی بدل گئے ہیں اور مختلف ترقیوں کے ساتھ عدالت قضا نے بھی قائم کر دیئے گئے، یہ سب ہو چکا، لیکن نتیجے کے لحاظ سے جو حال آج سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے کمپنی بہادر کی قائم کردہ عدالتوں کا تھا، دیکھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا اس میں سرمو فرق ہوا ہے؟ اسی موقع کو اسلامی حکومتوں کے عہد حیات و شادابی کا دور اسکے بعد یاد آ گیا ہے۔ پہلے بھی دل سے اسکو جو لکھا ہے جی چاہتا ہے کہ کہ تم سے بھی نقل کر دیا جائے۔ وہی لکھتے ہیں:-

پیش تر مردم با دین و دیانت جرأت بہ قبول این کار کمتر نمودند کہ چوں حق الناس است مبادا پیش خدا مشغول الذمہ گردند، امرا و سلاطین بتجسس تمام متدینین را بہم رسانیدہ و کسانیکہ خدا ترس و صالح و حق شناس می دانستند بہ سماجت و ابرام می گماشتند و زیادہ از جمیع امور دریں باب موکد می گذاشتند کہ اتلاف حقے نمی آید و بر کسے ازینکہ ظلمے رود و چہ کار است متدینین و ہوشیار را کارگزاری سپرد و دانسته از طرق رشوت وارتشا منظور داشتند و کسے را مرتکب این بد تر از فنش یاد و بعضی از تقیدات و تربیت مردم نیک خصلت بہم رسیدہ و دانستی بادن از ... عظیم ... [illegible]

پہلے زمانہ میں لوگ جو دین و دیانت والے تھے اس کام کو یعنی قضا و عدالت کو کم قبول کرتے تھے۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ حقوق الناس کا اس سے تعلق ہے۔ خدا کے آگے ذمہ دار ہو جائینگے۔ اُس زمانہ میں امراء و سلاطین بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر متدین لوگوں کو اور ایسے آدمیوں کو جو خدا ترس، صالح اور حق شناس ہوں بڑی آرزو اور منت و سماجت سے ان عہدوں پر بحال کرتے تھے، حکومت کے تمام شعبوں میں سب سے زیادہ اہمیت اسی شعبہ کو دی جاتی تھی۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کا حق مارا جائے یا کسی پر کوئی ظلم کرے ہر کام متدین ہوشیار کارگزاروں کے سپرد ہوتا تھا، اور رشوت دہی یا رشوت خوری کو کسی طرح جائز نہ سمجھتے تھے۔ جو رشوت خوار کے نام سے مشہور ہو جاتا ... [illegible]

[illegible] اشغال از جملہ [illegible] عہدہ و عمدہ ترین [illegible] آگرد یدہ۔ (صفحہ ۲۹) عیوب میں ہوتا تھا بلکہ اکثر کے قریب قریب خیال کرتے تھے۔ لیکن اب تو اسکا شمار اچھے کاموں اور پاکیزہ ستودہ صفت میں کیا جاتا ہے۔

لیکن ان کمین مورخ کو کیا معلوم تھا کہ آیندہ زمانہ جو آنے والا ہے اسمیں دین اور تدین، خدا ترسی، حق الناس و حق اللہ کے الفاظ تک اسی شعبہ کے لیے کافی قرار دیے جائیں گے کہ جو انکی طرف منسوب ہے۔ اسکو عدالت و حکومت کا کوئی کام سپرد نہیں کیا جاسکتا چونکہ تم نے "دینیات" کی تعلیم پائی ہے، اس لیے تم سے حکومت کے کسی شعبہ میں کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔ یہ ناطق فیصلہ صادر کردیا جائیگا۔ اسی مورخ نے آگے جو لکھا ہے،

بعض حکام و اتباع بزرگ ایں اقسام مردم از دو ہمیں را کارگزار و ہوشیاری دانند تا عہدہ با اولی الابصار۔ بعض حکام اور انکے ماتحتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے آدمی (جنمیں دین و خدا ترسی و اصلاح سے کوئی سروکار نہ ہو) انہی کو تلاش کرتے ہیں اور اسی قسم کے لوگوں کو کارگزار و ہوشیار خیال کرتے ہیں۔

یہ حال تو اسکے زمانہ میں "بعض" کا تھا، کاش وہ آکر دیکھتا کہ اب تو سبھی کا یہ حال ہے۔ اسکے عہد میں تو شاید بصر و بصیرت والے نفوس کچھ ہونگے بھی جنھیں عالم اضطراب میں حصول عبرت کے لیے وہ پکار رہا تھا۔ لیکن میں کن لوگوں کو پکاروں کہ

این خانہ تمام آفتاب ست!

تاہم پھر بھی میں مایوس نہیں ہوں، مذہب کے نام سے قلوب میں اگر نفرت پیدا کردی گئی ہے تو نام سے قطع نظر کرکے اگر علماء اسلام کا کوئی طبقہ اسلامی قوانین کو [illegible] ذہنیتوں کی مانوس تعبیروں میں پیش کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اسمبلیوں، کونسلوں، وضع قوانین کی تشریعی مجلسوں میں بجائے اپنی اپنی خودساختہ تجویزوں کے خداساختہ ضوابط و آئین کو غور و فکر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اسی طرح اور دوسرے ذرائع سے کام لیا جائے تو انسانوں کے خودساختہ ناقص قوانین پر اگر خداساختہ کامل آئین کو غلبہ حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ استدلال و [illegible] کے وہی طریقے جو اپنی اپنی شخصی تجویزوں کے منوانے میں لوگ ترویج کرتے ہیں، انہی طریقوں سے مذہب کے نام سے نہیں عام قانون ہونے کی حیثیت سے اگر اسلامی قوانین کو پیش کرنے کا ارادہ کرلیا جائے تو اس سے علماء اسلام کو کون روک سکتا ہے۔ البتہ اسکے لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ جدید طریقہ بیان و استدلال اور عصری معلومات سے کافی مناسبت پیدا کی جائے۔ اور شاید آج ایک چھوٹے منہ کی یہ بڑی بات خیال کی لیکن بقول اللہ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی علوم کی تعلیم کے سارے اداروں میں سے اسوقت کسی ادارہ کے خریجوں اور طلبا ئیوں کے ساتھ امید پرور توقعات اگر وابستہ کیے جاسکتے ہیں تو وہ صرف جامعہ عثمانیہ کا وہی ادارہ ہو سکتا ہے جسکا نام "شعبۂ دینیات" ہے۔ کہ اسی ادارہ میں اسلامی علوم کا درست عصری طریقوں پر جدید تعلیم اور علمی دنیا کی ایک بڑی سرمایہ دار زبان انگریزی کے ساتھ نہ صرف سرزمین ہند ہی میں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں پہلی دفعہ انتظام کیا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ آج "گاؤ و پادری" کے مقابلہ میں جسے "اسپ لاغر" ٹھہرایا جارہا ہے، میدان کے روز وہی کام آئے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

شاہ عثمان زندہ باد۔ سعادت عہد عثمانی پاینده باد

طالع دودمان آصفی تابندہ باد!!

(مجلۂ عثمانیہ دکن)

پچھلا رمضان

(ایک ملازمت پیشہ حافظ قرآن کے تاثرات)

روزوں کا موسم اس سال سال گذشتہ کے مقابلہ میں سخت تھا لیکن بجز پہلے روزہ کے اور کسی دن کوئی قابل ذکر تکلیف نہ پیاس کی محسوس ہوئی نہ تھکن کی۔ بلکہ بارش ہو جانے سے تو بعض روزے بہت خوشگوار گزرے۔

تراویح میں کلام مجید سنانے کی سعادت امسال بھی نصیب رہی۔ مطب کی روز افزوں مشغولیت اور دوسرے اور ذاتی کاموں سے شدید اندیشہ تھا کہ کہیں ایسی تراویح کے معمول میں خلل نہ پڑ جائے، یا یہ کہ اس شب و روز کی مصروفیت کا بار کہیں صحت پر نہ پڑ جائے لیکن الحمد للہ کہ یہ [illegible] باطل ثابت ہوئے۔ خدا کے فضل سے روزمرہ کے [illegible] ایسے اتفاقی اسباب کی بنا پر، جنکا پہلے سے گمان بھی نہ تھا۔ تقریباً پورے ماہ تخفیف رہی اور قرآن مجید کی تیاری کے لیے پورا وقت ملتا رہا۔ رہی محنت، تو اس سے صحت پر برا اثر پڑنا کیا معنی، صحت پہلے کے مقابلہ میں کچھ ترقی ہی کرگئی!

دن میں تلاوت کی ایک بڑی برکت یہ محسوس ہوتی رہی کہ روزہ کی شدت گویا معلوم ہی نہ ہوئی۔ اس طرح اپنے روزمرہ کے دیگر مشاغل میں بھی برکت ہی معلوم ہوتی رہی۔ یعنی جتنی یکسوئی کے ساتھ خدمت خلق کے یہ کام رمضان میں انجام پائے اتنی یکسوئی غیر رمضان میں کبھی میسر نہ آسکی۔ البتہ جس دن کسی ایسے مشغلے میں پھنسنا پڑا جو روح صوم کے منافی تھا، مثلاً گفتگو یا مطالعہ کی نوعیت میں بے احتیاطی اس دن ضرور روزہ میں کچھ گرانی محسوس ہوئی۔ اور جس دن خدا کے فضل سے کام آنے والے کاموں میں لگا رہا اس دن صورت حال برعکس رہی۔

بعض احباب ایسے بھی تھے جو روزہ تو رکھتے تھے لیکن روزہ کی شدت کا شکوہ کرتے تھے، انکے حالات سننے اور دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ لوگ نام کا روزہ تو رکھ رہے تھے، لیکن دن دن بھر کے مشاغل روزہ داروں کے سے نہ تھے، بلکہ بعض تو کھلی ہوئی معصیتوں میں [illegible] تاش و شطرنج کی بازیاں، غیبت و لغو بیانی کی صحبتیں، اور

[illegible]

الّذی جاء بالصّدق وصدّق بہ اُولٰئک ھم المتّقون

وہ جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین:- کے بارے میں خط وکتابت اس پتہ پر کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے۔
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
〃 ششماہی 〃
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

صدق

نمبر ۳۸ | یوم سہ شنبہ - ۱۸ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۵ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

... جو ... سپاہی ... کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کے ... ہونے کے ساتھ اہل قلم بھی ہیں۔ اور فن حربیات پر ان کی پر تحریر مرتبہ استناد رکھتی ہے۔ حال میں ٹائمس آف انڈیا میں ان کا مقالہ دو نمبروں میں "اچھا سپاہی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ مضمون کے کاپی رائٹ ہونے کی تنبیہ کے ساتھ تصریح ہو چکی ہے ورنہ اس قابل تھا کہ پورے کا ترجمہ کیا جاتا ——— بہر حال تین باتیں اس میں پتے کام کی ملیں۔ ملاحظہ ہو، موصوف نے انھیں زور کے ساتھ پیش کیا ہے،

(۱) سپاہی کو مشقت کا خوب خوگر رہنا چاہیے، اور سست اکتا دینے والی آرام طلبی سے کوسوں دور۔

(۲) روزانہ ڈرل (قواعد) محض ضابطہ پرستی نہیں، بڑی قیمتی شے ہے، اس سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہیے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ سپاہی کو خشک اور بیجان مشین کی طرح نہیں بلکہ دل جذبہ اور ولولہ کے ساتھ میدان جنگ میں آنا چاہیے۔ مقصد جنگ جتنا زیادہ سپاہی کے دل نشیں ہوگا، اتنی ہی ہمت ودلیری سے وہ مقابلہ کریگا۔

اب تجربہ کار سپاہی کی ان تینوں باتوں کو اپنے اوپر چسپاں کرکے دیکھیے۔ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ سال میں کم از کم مہینہ بھر تو ضرور دن بھر بھوکے پیاسے رہیے، راتوں کو دیر تک جاگ کر عبادت کرتے رہیے، سال کے باقی دنوں میں بھی جتنے اور روزے رکھ سکیے اتنا ہی اچھا ہے۔ عمر میں کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور سفر کا گرم وسرد دیکھ کر حج کرنے آئیے۔ طرح طرح سے دل ماریے۔ اور پھر اپنی آمدنی کا جتنا زیادہ حصہ ہو سکے کے کام میں لگائیے، اتنا ہی اللہ سے قرب حاصل کیجیے۔ اور کم از کم ... حصہ تو ضرور ہی نکالیے ... نفس ... جسم دونوں کی مشقت کی ٹریننگ کے لیے اب اور کسی مجاہدہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

نماز کے لیے آپ کو ہدایت ہوئی تھی کہ روزانہ پڑھیے، سال بھر بلا ناغہ پڑھیے، سفر میں پڑھیے، بیماری میں پڑھیے، خوشی میں پڑھیے، رنج میں پڑھیے، افلاس میں پڑھیے، امارت میں پڑھیے، عید بقرعید میں بھی نہ چھوڑیے، دن رات میں کم از کم پانچ وقت تو ہر حال پڑھیے، ہو سکے تو سات اور آٹھ وقت بلکہ اس سے بھی زیادہ پڑھیے۔ گرمی میں پڑھیے، سردی میں پڑھیے، خشکی میں پڑھیے، تری میں پڑھیے، کرۂ ہوائی میں پڑھیے، کھڑے ہو کر پڑھیے، بیٹھ کر پڑھیے، لیٹ کر پڑھیے ——— کوئی فوجی ڈرل اس خدائی فوجی ڈرل کے مقابلہ میں لائی جا سکتی ہے؟

لڑائی کے لیے آپ کو بتایا گیا تھا کہ اپنے نفس کی بڑائی کے لیے ہرگز نہ لڑیے، اپنے نفس کی لذت کے لیے کسی کو مارنے نہ نکلیے۔ اپنے وطن اور قبیلہ کی بے جا گرد ... کو ہرگز نہ لڑیے۔ ہاں لڑیے تو اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے خوب لڑیے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کو خوب لڑیے۔ جنت سامنے ہے، نیکی کی اوٹ ہوا ہے، اس میں داخل ہونے کے لیے، اس پر حق جتانے کے لیے خوب لڑیے ——— کون سا مقصد (آئیڈیل) اس سے بلند تر ہو سکتا ہے؟ دنیا کی کون سی بڑی سی بڑی تشویق و ترغیب جذبہ ... کے مقابلہ میں لائی جا سکتی ہے۔ کاش ہم کچھ نہ ہوتے صرف مسلمان ہوتے! ——— اور یہی ہونے سے سب کچھ ہوتا!

قرآن مجید اور قسمیں

حیدرآباد دکن سے ایک مراسلہ:—

"حضرت والا، اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں۔ پھر قرآن مجید میں والشمس واللیل، والارض جیسی قسمیں کیوں آئی ہیں؟ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ سے بہت حقیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور برتری کی وجہ سے اپنی ہی قسمیں کیوں کھائیں؟ بہر حال حقیر کی ناقص فہم پر یہ مصلحت ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت والا مناسب سمجھیں تو یہ نکتہ ارشاد فرمائیں"

آپ نے صدق کو شاید بالکل ہی حال میں پڑھنا شروع کیا ہے، ورنہ اس موضوع پر تو ایک مفصل مضمون، کئی کالم کا، اسی سال جلد ۱۰ نمبر ۲ (۵۔ فروری ۵۴ء) میں قرآنی قسمیں کے عنوان سے ایک باری مراسلہ نگار کے جواب میں نکل چکا ہے

ہر زبان کا ایک خاص اسلوب بیان ہوتا ہے۔ دوسروں کو وہ کیسا ہی اجنبی معلوم ہو، مگر اس زبان میں وہی عین حسن سمجھا جاتا ہے، اور فصاحت و بلاغت کا جزو لاینفک۔ عربی، انگریزی، فارسی، اردو، جرمن، یہ کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ ایک کے بہترین ادب و انشاء کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں اسی لیے جاکر مہمل نظر آنے لگتا ہے——— تاکید اور زور بیان کے موقع پر قسم کھانا عربی فصاحت و بلاغت کی جان ہے۔ قرآن مجید نے جس طرح عربی ادب و انشاء کی اور ساری خصوصیات کو ملحوظ رکھا، اس خاص پہلو کی بھی رعایت رکھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو سورتیں (یعنی مکی سورتیں) ادیبانہ و خطیبانہ زور بیان کا بلند ترین نمونہ ہیں، انھیں میں قسمیں بھی آئی ہیں۔ بہ خلاف اسکے جن سورتوں میں محض قانونی مسائل، حکایات و قصص، یا احکام عبادات و معاملات کا بیان ہے، وہاں قسمیں یعنی تاکید یا زور کلام کا یہ عنصر بھی نہیں۔

قسم ہمیشہ عظمت ہی کا پہلو لیے ہوئے نہیں ہوتی۔ مقصود اس سے استشہاد ہوتا ہے، وہ بڑی چھوٹی جس چیز سے بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ تو جس چیز کو بھی موقع شہادت پر پیش کریگا، وہ بہرحال اس کی ذات سے کمتر و فروتر ہی ہوگی۔ وہاں عظمت و اہمیت صرف مخاطب کے اعتبار سے مقصود ہوگی نہ کہ متکلم کے——— پھر اللہ تعالیٰ نے جن مخلوقات کے نام ایسے موقع پر لیے ہیں وہاں حقیقۃً اپنی ہی صناعی، قدرت، و حکمت پر استشہاد کیا ہے۔

۷½ لاکھ بن بیاہیاں!

امریکہ کے مشہور پرچہ نیویارک ٹائمس میگزین میں امریکی خاتون مس لوسی گرین بام کے قلم سے ایک اہم مضمون شائع ہوا ہے، اور اس سے بمبئی کرانیکل (ہفتہ وار ایڈیشن۔ ۱۶ ستمبر) میں نقل ہوا ہے۔ اسکے دیے ہوئے کچھ اعداد:—

سنہ ۱۹۵۰ء میں مردوں کی تعداد امریکہ میں بالغ عورتوں سے ۵ لاکھ کم تھی۔

جولائی سنہ ۱۹۵۵ء " " ۷½ لاکھ کم ہو جائیگی۔

½ لاکھ سے اوپر مرد تو لڑائی ہی میں کشتہ ہو چکے ہیں۔

ہزاروں فوجیوں نے باہر شادیاں کر لی ہیں۔

سیکڑوں اب دوسرے وطن میں بس گئے۔

واقعات و اعداد تو یہ تھے۔ اب اگر یہ ۷½ لاکھ بن بیاہیاں شادی کو آمادہ ہوں، تو آخر کہاں کھپیں گی، تا وقتیکہ عقلاء فرنگ اسی ابراہیم اور یعقوب اور داؤد اور سلیمان اور موسیٰ کلیم اور خاتم الانبیاء کے قانون ازدواج سے مدد نہ لیں؟——— وہی "صاحب" کی نظر میں قابل صد نفرت و بیزاری قانون!

اسی راوی کی یہ روایت بھی سُن لیجیے، کہ امریکہ میں اس وقت طلاق حاصل کیے ہوئے جوڑوں کی تعداد ایک کروڑ ہے!——— جن طلاق کی یہ کثرت "صاحب" کے صرف ایک دیس میں ہے!

چاند پر تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے۔ عوام کی اس مثل کو مادیات تک کیوں محدود رکھیے، معنویات میں اسکا ظہور کچھ کم ہو رہا ہے؟

بندوں کی خدائی

معزز ماہنامہ برہان (دہلی) کے ستمبر نمبر سے:—

سر راس مسعود مرحوم نے جاپان کے سفر سے واپس آنے کے بعد کہا تھا کہ ایک مرتبہ وہ جاپان کے وزیر اعظم سے گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں خدا کا ذکر آگیا، تو جاپانی وزیر اعظم نے نہایت مغرورانہ انداز میں کہا، کیسا خدا؟ ہم کبھی اس خدا کو اپنے ملک میں نہ آنے دیں گے۔ لیکن آج یہ کیا ہے کہ خود خدا نہیں، اُسکے حقیر ترین بندے جاپانی خداوند کی شہنشاہی پر قبضہ کیے بیٹھے ہیں، اور یہ معبود باطل اور اُسکے تمام پجاری بالکل دم بخود ہیں، یہاں تک کہ آزادی سے سانس بھی نہیں لے سکتے!.... [جاپانیوں نے] نے اگر تمام نقصانات کے باوجود اگر صرف ایک چیز کا یقین حاصل کر لیا، تو ہمارے نزدیک اُنھوں نے سب کچھ کھونے پر بھی بہت کچھ پا لیا ہے، اور وہ یقین اس بات کا ہے کہ خدا کبھی کوئی انسان نہیں ہو سکتا"

جی ہاں، بندوں کی خدائی کا یہی حشر ہر سو یا دنیا کے ہر حصہ میں ہمیشہ ہی ہوتا آیا ہے——— سر مسعود مرحوم کی اس روایت کے بعد دل ایک تازہ قوت ایمانی کے ساتھ گواہی دیتا ہے، کہ بیشک فرعون مصر نے ضرور "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگایا ہوگا!

"قصور ڈھونڈھ کے پیدا کیے جفا کے لیے!"

"یہ تحریر اس [illegible] ذہنیت کی سو فی صدی آئینہ بردار ہے، جو شیعوں کو اس سرزمین پر زندہ رہنے کا حق اگر دیتی ہے تو صرف اپنا احسان عظیم سمجھ کر..... [مولانا] کے میٹھے بولوں میں وہ خالص سُنّی ذہنیت کارفرما ہے جسکو مٹانے کے لیے ہم نے اپیل کی تھی"۔ (لکھنؤ کے مشہور شیعہ روزنامہ کے طویل اداریہ سے)

یہ کس گھٹی ذہنیت کے مٹانے کے لیے اعلان جہاد ہو رہا ہے؟ وہی جسکا اظہار صدق [illegible] میں "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کے زیر عنوان ہوا تھا؟ جس میں نیاز مندی کے پورے آداب کے ساتھ عرض یہ کیا گیا تھا،

سنیوں نے تو پبلک زندگی میں سرسید کے وقت سے اب تک برابر ہر موقع پر شیعوں کو ساتھ رکھا ہے، اور تفریق تو اُنھوں نے نہیں کی، بلکہ اُن سے کی گئی! —— کیا اعلانِ اتحاد کا نام "احسانِ عظیم" ہے؟

نوٹ کی سرخی ملاحظہ ہو، "شکوہ و جوابِ شکوہ" "گویا ہم نے ایک عبدِ ذلیل کی حیثیت سے اپنی کمزوریوں کے ساتھ بارگاہِ اہلبیت میں التجائیں پیش کی تھیں، جنکے جواب میں یہ لن ترانیاں سنائی جا رہی ہیں" گویا آج اگر کسی کو رستم کہہ دیا جائے، تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ وہ ہندوستان کا نہیں ایران کا باشندہ ہے، اور مسلمان نہیں مجوسی ہے، اور سہراب کا باپ اور زال کا بیٹا ہے! —— کیا سفیت کی خاصیت یہی ضروری ہے کہ ایسا علمِ معانی و بیان ختم کر دیا جائے —— یہ ظلم صدق پر ہوا تو ہو لیکن ادارۂ مذکور نے تو خود اپنے مذاقِ سخن فہمی پر تو یقیناً کیا ہے!

"گویا یہ (شیعہ) حضرات اپنی نااہلیتوں کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے اور مسلمانوں کے لیڈر نہیں ہیں، بلکہ سنیوں کے رحم و کرم کے نتیجہ ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ مسٹر جناح نے لیگ کی میٹنگوں میں جب بھی اپنی گذارش کا رجحان ظاہر کیا تو تمام سُنی اکابر کانپ کانپ گئے، اور اُنھوں نے خوشامدیں کر کے جناح کو منایا۔۔۔۔ کیا اس احسان کا بدلہ یہی ہے کہ آپ اُلٹا احسان جتائیں کہ ہم نے تمہیں بڑھا دیا۔ کیا احسان ناشناسی کی اس سے بدتر مثال کوئی ممکن ہے"؟ (ایضاً)

رجز خوانی کا جوش و خروش اپنی جگہ پر بالکل مسلم، لیکن بندہ پرور، عرض یہ ہے کہ صدق کے مقابلہ میں آستینیں چڑھانے کا یہ کون سا موقع تھا؟ روایت کی تحقیق سے یہاں غرض نہیں کہ لیگ کے جلسوں میں کانپ کانپ اُٹھنے والے صرف "سُنی اکابر" ہی تھے، یا شیعہ اصاغر بھی، اور جاں نثاری کے عالم میں اگر سُنی صفوں میں تھوڑا سا پانی تھی، تو کیا شیعہ صفوں میں فراوانی — یہاں گزارش صرف اتنی ہے کہ صدق کی کس عبارت سے، کس لفظ سے یہ معنی "احسانِ عظیم" اور "احسان ناشناسی" کے اختراع کیے گئے؟ معنی آفرینی مانا کہ ایک صنعت ہے، مگر اس کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ لکھنؤ میں اردو کے ادیب شیعوں میں ایک دو نہیں ماشاء اللہ متعدد موجود ہیں، چلیے انھیں پر چھوڑ دیجیے! —— "مدحِ صحابہ" کے بعد خدا نخواستہ اس ذکرِ اتحاد کو بھی اپنی دوسری چڑھ بنا لینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ یہ ہے تو صاف صاف اسی کا اعلان فرما دیجیے،

فرمایئے تو ہاتھ اُٹھا لیں دعا سے ہم!

آخر میں ڈرتے ڈرتے، جان کی امان طلب کر کے سوال یہ ہے کہ "مدحِ صحابہ" جس سے اتنی بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے، اور جو نہ شیعہ حکومتوں میں کبھی ممنوع رہی، اور نہ آج کسی شیعہ رئیس کے ہاں ممنوع ہے، اسکی نوعیت آخر آپ حضرات کے ذہن میں کیا ہے؟

سورۂ بقرہ رکوع ۲۴

سلسلۂ صدق ۳۶

(از عبد الماجد)

وأتوا البيوت من أبوابها واتقوا الله لعلكم تفلحون	اور گھروں میں انکے دروازوں ہی سے آؤ[۵۸۵] ۔ اور اللہ سے تقوے اختیار کیے رہو، تا آنکہ فلاح پا جاؤ[۵۸۶]۔

۵۸۵ (جب کہ نیا ہو اور گویا رسومِ شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوئے) آیت سے فقہاء امت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب و سنت میں اُسکی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت و عبادت ٹھہرا لینا، یا اسی طرح اُسے بلا دلیلِ شرعی معصیت و محلِ ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں اعتقاد گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔

ہذا دلیل علی ان مسئلۃ من الفقہ وہی ان الفعل بنیۃ العبادۃ لا یکون الا فی المندوبات خاصۃ دون المباح ودون المنہی عنہ وہذا اصل حسن (ابن العربی) فی ہذہ الآیۃ بیان ان ما لم یشرعہ اللہ قربۃ ولا ندب الیہ لا یصیر قربۃ بان یتقرب بہ متقرب (قرطبی) قال ابن خویز منداد اذا اشکل ما ہو بر وقربۃ بما لیس ہو بر وقربۃ ان ینظر فی ذلک العمل فان کان لہ نظیر فی الفرائض والسنن فیجوز ان یکون وان لم یکن فلیس ببر ولا قربۃ (قرطبی)

قرطبی نے ابن عباسؓ کی سند سے حدیثِ نبوی بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلعم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے — دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں۔ اور انکی نذر مانے ہوئے ہیں کہ روزہ رکھ کر دھوپ میں کھڑے ہی رہیں گے، اور سایہ میں نہ کھڑے ہونگے، اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔

مروہ فلیتکلم ولیستظل ولیقعد ولیتم صومہ	وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں بھی رہیں اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں۔

اسلام نام صرف امتثالِ امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیلِ احکامِ الٰہیہ خود رائی اس راہ میں سرتاسر کج رائی ہے۔

۵۸۶ (دنیا اور آخرت دونوں میں)

تقوے (خوفِ خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کرتی ہے اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاحِ دارین کا اصل الاصول تقوے ہے۔ خشیتِ الٰہی اور محبت اس سے [illegible] ، بلکہ تابعین کی

راہ میں ہو، شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دینِ حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو، ذاتی اغراض کے لیے نہیں، خدا کے لیے ہو۔ نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لیے، "آزادیِ تجارت" کے لیے، "آزادیِ سمندر" کے لیے، "نوآبادیوں کے تحفظ" کے لیے، "بازار کی منڈیاں" پیدا کرنے کے لیے، غرض کہ اور کسی قسم کی بھی عصبیتِ جاہلی کے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لا عزاز دین اللہ کے۔

الجہاد لاعلاء کلمۃ اللہ واعزاز الدین (مدارک) ای جاہدوا لاعلاء کلمتہ واعزاز دینہ (بیضاوی) یعنی دیناً واعزاز الکلمۃ (قرطبی) ای فی طاعتہ وطلب رضوانہ (کبیر)

قتال کا طریقہ دوسری امتوں سے کچھ امت محمدی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بائبل میں اسکا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔

رہیں مسیحی قومیں، اور انکی خوں ریزیاں اور خوں آشامیاں، تو انکی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملیگی! عیاں راچہ بیاں؟ اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اسکا اعتراف تو خود مسیحی اہلِ قلم کو ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو

ص۲۵۳ ، نیز

ص۲۱۶ و ۲۱۸

امام رازی نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں احکام حج تقویٰ کی تاکید آ چکی ہے، اب اسی مناسبت سے ذکر تقویٰ کی شدید ترین اور نفس کے لیے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔

لما امر بالتقوی امر فی ہذہ الآیۃ باشد اقسام التقوی واشقہا علی النفس (کبیر)

۶۵۶ ولا تعتدوا۔ اعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔

حد سے مراد حد شریعت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش! غضبناکی کے زور میں بے تحاشا دشمن کو مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کر دیا جائے، انکے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگا دی جائے، انکے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیے جانے لگیں، وقس علیٰ ہذا۔ قرآن نے دنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہو۔

حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ عہد و پیمان شکن قوموں کو دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پروا نہ کی جائے۔ اور عہد شکنی کی ابتدا اپنی طرف سے کر کے حملہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے، اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔

ای لا تعتدوا بابتداء القتال او بقتال المعاہد او المفاجاۃ بہ من غیر دعوۃ او المثلۃ او قتل من نہیتم عن قتلہ (بیضاوی) ای لا تعتدوا بوجہ من الوجوہ (روح)

اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔

ای لا تقاتلوا علیٰ غیر الدین (ابن العربی) المعنی لا تعتدوا فی القتال لغیر وجہ اللہ کالحمیۃ وکسب الذکر (قرطبی)

غلبۂ جذبات اور وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے مرتبۂ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اسکے لیے جمہور کی عقل، متانت اور قوت عدل و روا داری سوختہ جواب دے دیتی ہے۔ اور کل کے مظلوم بیساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیروؤں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا افراد امت کو حکمت و اخلاق نا متناہی کے بلند سے بلند مقام پر پہونچا دیتا ہے۔

اور پھر جب یہ یاد کر لیا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ ۷ھ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے کہ روانہ ہو رہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ جنگ شروع کر دینگے، اور انکے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہو جائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور اہتمامی حکم کی قدر و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے!

پھر فتحمندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسول کے صحابیوں اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں، محض تاریخ کا ہے!

جوش و عقیل

[عقیل خیرآبادی کی زیر طبع کتاب جوش و ہوش پر "تعارف"
مدیر صدق کے قلم سے]

ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ مذہب کا اصل مخالف فلسفہ یا معقولات تھا، لیکن زمانہ کے تغیر کے ساتھ زمانہ کے اکھاڑے میں حریفوں کی جوڑیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ آج دین کے اختلافات میں دین پر حملہ آور فلسفہ سے کہیں آگے بعض خاص قسم کے سیاسیات اور بعض خاص قسم کے ادبیات ہیں۔ قرآن مجید اپنے معنوی فضائل و کمالات سے قطع نظر خود ادب و انشاء کے لحاظ سے بھی بس اپنی نظیر آپ ہے اور دنیا کے ادبیات عالیہ میں سب سے بالاتر۔ چاہیے یہ تھا کہ ہر ادب عالی اسکا خادم ہوتا، شارح ہوتا، حلقہ بگوش ہوتا۔ ہوا یہ کہ شعر و ادب کے ہر غیر صالح، پست و ذلیل عنصر نے اس سے بے نیاز ہونے ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور جنھوں نے انکار

ایک گمراہ کن فتوےٰ

(از مولانا شاہ محمد عبد السجاد صاحب قادری بدایونی)

(ذیل کا مراسلہ مراسلہ نگار کی شخصیت کے احترام میں شائع کیا جا رہا ہے ورنہ ان بحثوں کے لیے صفحات صدق موزوں نہیں، اور نہ اس تمام تر سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری ہے۔ صدق)

اس میں شک نہیں کہ جناب مولوی ابوالکلام آزاد بہترین خطیب تھے، زبان و قلم میں زور الفاظ میں روانی ادبی و تاریخی مضامین سے ہندوستان میں انھیں مقام مرتفع پر پہنچا دیا تھا لیکن ان کی مذہبی حیثیت ابتدا سے آخر تک اہل علم کے نزدیک وقیع نہ ہو سکی .... جس طرح زمانہ اسیری میں انھوں نے بہت سے مسائل میں لغزشیں کیں اسی طرح ۱۰ ستمبر ۴۵ء کو ریڈیو پر نشر کی ہوئی خبر پر عید منانے کا فتوے دے ڈالا اور حضرات علماے احناف کی طرف ایک ایسے فتوے کو منسوب کر دیا جس کا ثبوت وہ نہیں دے سکتے۔ اخبار خلافت مورخہ ۶ شوال ۱۳۶۴ھ ۱۳ ستمبر ۴۵ء میں جناب آزاد کا جو بیان شائع ہوا اس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے "حنفی فقہاء میں اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اگر کسی جگہ سے نئے چاند کی اطلاع مل سکتی ہو تو اس پر اعتماد کیا جائے اور جہاں یہ اطلاع پہنچے وہاں عید منائی جائے"[1] اول تو یہ بات محتاج تشریح ہے کہ نئے چاند کی اطلاع ملنے اور اس پر اعتماد کرنے کا طریقہ فقہاء کرام نے کیا تحریر فرمایا ہے اور رویت ہلال کی کونسی روایات و شہادتیں تسلیم کیے جانے کے قابل ہیں۔ کیا ریڈیو کا نشریہ شرعاً شہادت کے دائرہ میں آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فقہاے کرام نے تو تار و خطوط کی اطلاعات کو بھی رویت ہلال کے لیے ناقابل تسلیم قرار دیا ہے۔ اسلامی قانون شہادت میں جو قیود ہیں وہ اپنی جگہ عدیم المثال اور ناقابل تغیر ہیں۔ کیا آج مغربی دنیا اور اس کی عدالتوں میں تار پر بھیجے ہوئے بیانات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

[1] مگر معلوم نہیں کہ مولانا کے اصل الفاظ کیا تھے۔ ... تو انگریزی خبر کا ترجمہ ہے۔ اور انگریزی خبر بھی مولانا کے بیان کا شستہ خلاصہ، اپنے فہم کے مطابق تھی (صدق)

حقیقت یہ ہے کہ بیرونی مقامات سے تاربرقی کی اسپیڈ وغیرہ کے ذریعہ جس قدر خبریں آتی ہیں اور جس قدر نشریات دنیا میں نشر کیے جاتے ہیں کیے جاتے ہیں ان کا حال ہم شبانہ روز دیکھتے ہیں کہ خبروں میں ہر قسم کا تضاد ہوتا ہے۔ اور خبر کی تعریف ہی ہمارے یہاں یہ ہے کہ الخبر یحتمل الصدق والکذب۔ یعنی خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہے۔ بس ریڈیو کے نشریات پر ہرگز فتوے جواز کا نہیں دیا جا سکتا۔

اب ہم ذیل میں چند احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کی عبارات فقہیات کے تراجم درج کرتے ہیں تاکہ اخبارات و جرائد اپنے صفحات پر ان کو درج کر سکیں اور عوام مسلمان جناب آزاد صاحب کے بیان سے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں:-

۱- صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم روزہ نہ رکھو جب تک تم چاند نہ دیکھ لو اور افطار نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور اگر ابر ہو تو مقدار پوری کر لو۔

۲- صحیحین میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر ابر ہو تو گنتی پوری کرو۔ درمختار اور ردالمحتار میں ہے اگر کچھ لوگ آ کر یہ کہیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا بلکہ شہادت بھی دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا۔ بلکہ اگر یہ شہادت دیں کہ فلاں فلاں نے چاند دیکھا۔ بلکہ اگر یہ شہادت دیں کہ فلاں جگہ کے قاضی نے روزہ یا افطار کے لیے لوگوں سے کہا۔ یہ سب طریقے ناکافی ہیں۔ نیز اسی ردالمحتار میں ہے، ایک جگہ چاند ہوا تو صرف وہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہان کے لیے ہے مگر دوسری جگہ کے لیے اس کا حکم اس وقت ہے کہ ان کے نزدیک اس دن میں چاند ہونا شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے۔ یعنی دیکھنے کی گواہی یا قاضی کے حکم کی شہادت گزرے یا متعدد جماعتیں وہاں سے آ کر خبر دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے اور وہاں کے لوگوں نے روزہ رکھا یا عید کی ہے۔ کتب فقہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔ لہٰذا جب تک شہادت شرعیہ سے ثبوت رویت نہ ہو جائے خط غیر معتبر ہے اگرچہ مکتوب الیہ کاتب کے دستخط و تحریر کو پہچانتا ہو اور اس پر اس کی مہر بھی ہو۔ بس ان فتاوی کی روشنی میں تار اور ریڈیو

ایک عجیب تحفۂ عید

(از عبد الماجد)

عید میں اسے بھی کوئی کوئی مہربان، میرے مذاق طبیعت سے ناآشنا، عید کارڈ بھیج دیا کرتے ہیں۔ اب کی عید کے موقع پر میرے ذاتی پتہ (دریاباد) پر نہیں، لکھنؤ کے دفتری پتہ پر جنوبی ہند سے، میرے غلط نام لیکن صحیح دفتری پتہ سے ایک رجسٹرڈ پیکٹ موصول ہوا، اور دفتر میں کھول لیا گیا۔ اور مجھے ۸ شوال کو ملا —— کیا عرض ہو کہ پیکٹ کس کی طرف سے تھا، اور پیکٹ کے اندر کیا کیا نکلا! ایک نفیس کارڈ، جس کے عین صدر میں ایک نامحرم خاتون کا سینہ تک فوٹو، تصویر کی پوری اداؤں اور نسائیت کے پورے مظاہرہ کے ساتھ! —— یہی فوٹو گویا متن اور کارڈ کی شاعرانہ عبارت گویا حاشیہ! ایک نفیس ریشمی رومال عطر میں بسا ہوا، سبز ریشم سے بھیجنے والی صاحبہ کا نام کڑھا ہوا، اور رومال کے ایک طرف انھیں صاحبہ کا دوسرا فوٹو، کان اور پیشانی کے زیوروں کے مظاہرہ کے ساتھ چھپا ہوا!

بھیجنے والی خاتون کوئی گمنام ہستی یا کوئی ایکٹرس یا فلم ایکٹرس نہیں، ایک معلوم و معروف شاعر، مضمون نگار خاتون۔ قومی مجلسوں کی زیب و زینت!

اس سرفرازی کے لیے مدیر صدق جیسے خشک مزاج و بدمذاق ناقدرے کا انتخاب فرمانا ستم ظریفی میں اپنی مثال آپ ہے! نسائی آرٹ اور تہذیب و "روشن خیالی" کے کمالات کی داد دینے والے اور قدر کرنے والے تو ابھی نگار (لکھنؤ) اور پیام (دکن) کی سلامتی کے صدقہ میں ماشاء اللہ دور دور بہت سے موجود ہیں!

سیرِ کائنات

(۱)

(از شیخ بشیر احمد صاحب بی اے لدھیانوی)

ذیل میں ایک تقریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جو لاہور کے ایک مقامی مدرسہ کے طلبا کے سامنے کی گئی تھی:۔

عزیزو! انسان کا قد عام طور پر پانچ چھ فٹ ہوتا ہے۔ اسکے مقابلہ وہ کمرہ کافی بڑا ہے، جس میں بیٹھ کر تم تعلیم پاتے ہو۔ اور یہ صحن جس میں ہم آج جمع ہوئے ہیں، اور بھی بڑا ہے۔ اگر سارے مدرسہ کی عمارت کا خیال کرو تو وہ تمھارے قد سے کتنی بڑی ہے!

لاہور کا شہر اس مدرسہ کی عمارت سے ہزاروں گنا ہے اور پنجاب کے صوبہ میں لاہور جیسے بیسیوں شہر سما سکتے ہیں۔ اور ہندوستان کا برِّ اعظم بیسیوں پنجابوں کے مجموعے برابر ہے۔ اس سے آگے نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا کہ ایشیا کا برِّ اعظم کتنا بڑا ہے، اور پھر دیکھو کہ اس کرۂ زمین پر کتنے ایشیا آ سکتے ہیں۔

یہ کرۂ زمین جس پر ہم تم بستے ہیں کوئی مختصر سی گیند یا ہانڈی نہیں ہے۔ اس جگہ سے جہاں تم بیٹھے ہو ایک سوراخ کیا جائے جو زمین کے مرکز میں سے گزر کر اسکے دوسرے سرے تک پہونچ جائے تو وہ کم و بیش آٹھ ہزار میل ہوگا۔ اور اگر تم میں سے کوئی لڑکا اس پشت والے دروازہ سے روانہ ہو کر سارے کرۂ زمین کا چکر کاٹ کر مدرسہ کے بڑے دروازہ سے پھر اپنی جگہ آ جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے کم و بیش ۲۵ ہزار میل کا سفر طے کر لیا ہے۔

آؤ اب ذرا زمین سے باہر کی دنیا کی سیر کریں۔ کسی چاندنی رات میں کرۂ قمر کی طرف نگاہ دوڑاؤ۔ اس کی روشنی کیسی سہانی معلوم ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ پَر ہوں تو اُڑ کر چاند تک جا پہونچیں! لیکن یقین جانو کہ اگر تمھیں عقاب کے بازو اور باز کے پر بھی مل جائیں تو چاند تک پرواز نہیں کر سکتے۔ جانتے ہو یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ اسکا فاصلہ خدا جھوٹ نہ بلائے کوئی ڈھائی لاکھ میل ہے۔ اسکے باوجود یہ ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ہماری مادرِ زمین کا بچہ ہے جو روٹھ کر آسمان پر جا بسا ہے۔

چاند کے بعد ہمارا سب سے بڑا محسن جو خدا تعالیٰ کے حکم سے ہمیں روشنی اور حرارت بہم پہونچاتا ہے، سورج ہے۔ یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ اسکا اندازہ اس سے لگاؤ کہ اگر تم میں سے دو بچوں کی شادیاں ہو جائیں اور وہ اپنی بیویوں سمیت سورج کی سیر کو روانہ ہوں، اور جس گاڑی میں وہ سوار ہوں وہ اتنی تیز رفتار ہو کہ ایک منٹ میں ایک میل طے کرے، اور اُنکے پاس کھانے پینے کا کافی سامان ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز ہوں اور گاڑی کا انجن بھی ایسا ہو کہ اس میں ایندھن وغیرہ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑے تو وہ دونوں دوست اور انکی بیویاں اور ان کے بچے — کیونکہ راستے میں انکے بچے ضرور پیدا ہونگے — لطیفہ — بال بچوں کے بال بچے، اور اُنکے بال بچے اور خدا جانے اُنکی کتنی پیڑھیاں گزر کر ایک سو اسی سال میں سورج کے قریب پہونچیں گے! لیکن چونکہ سورج میں کوئی وادیٔ کشمیر یا سوئٹزرلینڈ تو ہے نہیں جہاں یہ چند دن آرام کر لیں اس لیے انھیں فی الفور واپس آنا پڑیگا۔ اور واپسی سفر پر بھی ایک سو اسی سال لگ جائیں گے۔ گویا انکا ایک ٹرپ (۳۶۰) تین سو ساٹھ سال میں جا کر ختم ہوگا۔ اس عرصہ میں انکی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کتنی ہوگی اسکا حساب تم خود لگا لو۔ اتنا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ واپس آئیں گے تو ایک پورا پاکستان لے کر آئیں گے جو ہندوستان کے اوپر کے کرۂ ہوا میں بسانا پڑیگا۔

خیر یہ تو سورج کے سفر کا حال تھا۔ آؤ اب دیکھیں کہ سورج کا قد کتنا بڑا ہے۔

تم جانتے ہو کہ زمین بہت بڑا کرہ ہے۔ اسکی جسامت نکالی جائے تو ایک کھرب ۴۴ ارب ۶۶ کروڑ ۵۶ لاکھ مکعب میل سے کم نہ ہوگی۔ اس جسامت کے مقابلہ میں انسان کی جسامت کا یہ حال ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام انسان جمع کر لیے جائیں اور انھیں اتنے بڑے صندوق میں گٹھڑی کی طرح تہیں لگا کر بھر لیا جائے جو ایک میل لمبا، ایک میل چوڑا اور اتنا ہی اونچا ہو تو سب کے سب اس میں سما جائیں گے اور اگر اس صندوق کو بحر اٹلانٹک میں اُنڈیل دیا جائے تو اسکی سطح ذرا بھی اونچی نہ ہوگی۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ حضرت انسان کے نام کی کوئی فسادی مخلوق بھی اس کرۂ زمین پر بستی تھی۔

اتنی بڑی جسامت کی زمین کے مقابلہ میں سورج کتنا بڑا ہے؟ اسکا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر سورج کے خطِ استوا پر ہماری زمین کے برابر زمینیں رکھی جائیں تو اس سرے سے دوسرے تک ایک سو ۹ زمینیں رکھی جائیں گی۔ اور اگر زمین کے برابر قد کے لڈو توڑ کر سورج جتنا لڈو بنانا ہو تو کم سے کم تیرہ لاکھ ۳۲ ہزار زمینیں توڑنی پڑیں گی!

سورج کے گرد ہماری زمین کے علاوہ آٹھ اور سیارے گردش کرتے ہیں۔ یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو۔ ان میں سے مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اسکا قطر ساڑھے ۸۶ ہزار میل ہے۔ حالانکہ ہماری زمین کا قطر صرف آٹھ ہزار میل ہے۔ باقی سیارے نسبتہً چھوٹے ہیں تاہم سب کا حجم مل کر بھی آفتاب کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ گویا کچھ ایسے ایسے کئی ہزار سیارے جمع کیے جائیں تو سورج بنے گا۔

غور کرو۔ اس آفتاب کے مقابلہ میں انسان کی کیا حقیقت ہے۔ اسکے باوجود جب یہ اکڑتا ہے تو اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ اور حکومت کے نشہ میں فرعون کی طرح خدائی کا

سما جائے گر بیٹھتا ہے۔ سچ ہے، انہ کان ظلوماً جہولا۔ انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔ سورج کے قد کے ساتھ اسکی حرارت کا بھی کچھ حال سن لو۔ آج کل مئی کا مہینہ ہے۔ دھوپ میں کھڑے ہونا دشوار ہے۔ لیکن سورج کی کل حرارت کے مقابلہ میں وہ کل حرارت جو کرۂ زمین کو ملی ہے کتنواں حصہ ہے۔ اس سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ سورج کی ساری گرمی کتنی تیز ہوگی۔ ایک سائنس داں نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر برف کا ایک ستون اتنا بڑا بنایا جا سکے جو زمین سے سورج تک پہونچ جائے یعنی ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل لمبا ہو اور ۲½ میل چوڑا ہو تو اگر سورج کی ساری حرارت یک لخت اس پر ڈال دی جائے تو وہ سارا ستون ایک سکنڈ میں پانی بن جائیگا۔ اور آٹھ سکنڈ میں بھاپ بن کر اڑ جائیگا۔

تم جانتے ہو کہ پانی ۲۱۲ درجہ فارن ہائٹ پر کھولنے لگتا ہے اور لوہا پانچ ہزار درجہ فارن ہائٹ پر پگھل جاتا ہے۔ لیکن ہماری سخت سے سخت دھات کے پگھلانے کے لیے چھ ہزار سے زیادہ درجوں کی حرارت درکار نہیں۔ مگر سورج کی حرارت کا یہ حال ہے کہ اسکی سطح پر جو اسکے اندرونی حصوں کے مقابلہ میں برف کے مانند سرد ہے ۱۲ ہزار درجہ فارن ہائٹ کی حرارت ہے! یہ وہ حرارت ہے کہ اس پر کوئی معلومہ چیز ٹھہر نہیں سکتی۔

آؤ اب ہوائی جہاز میں سوار ہو کر نظام شمسی کی سیر کریں۔ فرض کرو کہ اس ہوائی جہاز کی رفتار پانسو میل فی گھنٹہ ہے۔ اس جہاز میں سوار سورج کی طرف روانہ ہوں تو ہم ۲۲ سال میں اپنی منزل مقصود پر پہونچیں گے۔ ہمارے نظام شمسی کا بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے، جو جنوری ۱۹۳۰ء میں دریافت ہوا۔ اسکا فاصلہ سورج سے پونے چار ارب میل ہے۔ ہمارا ہوائی جہاز اس سیارے تک آٹھ ہزار چار سو برس میں پہونچےگا۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

بننے سے عار ہوا انھیں بنا ہو شیطان ہی کے دامن میں طغیان و عدوان کے یہ علم بردار آج مختلف اسماء و القاب کے خوش رنگ نقاب اپنے چہروں پر ڈالے ہوئے طرح طرح کے روپ بھرے ہوئے ملک بھر میں چھوٹے ہوئے ہیں اور فسق کی فضا میں خوب خوب اپنا زور پرواز دکھا رہے ہیں ——— اور آہ کہ ان میں کتنے ہی خود مسلمان گھرانوں کے چشم و چراغ ہیں! جنھیں اسلام کا سپاہی ہونا تھا، اُلٹے وہ خود غدار ہو کر دشمن سے جا ملے ہیں۔

اس ٹولی کے ایک ممتاز سردار اسوقت جوش ملیح آبادی ہیں۔ ایک معزز شریف خاندان کے رکن، اچھے خاصے ذہین و ہوشیار۔ ابھی کل تک شعرگوئی کی خوشبوئیں پھیلا رہے تھے، آج جو دیکھا تو ارتداد و الحاد کی گندی [illegible] سے جیسے ہیں۔

یہ اُن پر غصہ اور خفگی کا اظہار نہیں، دل کی کراہ اور اخلاص و دردمندی کی پکار ہے! کاش وہ دن جلد سے جلد آنے کو۔۔۔ کہ وہ

سکتے کے عالم سے نکل کر پھر اہل صحو کی بزم میں آئیں اور اپنی کھوئی ہوئی بصیرت کی بازیافت کا اعلان کریں۔

جوش کی ضد عقل و ہوش ہے۔ قدرت نے اپنے نشانات (?) جوش کی بے ہوشیوں کی اصلاح کے لیے ایک اسم با مسمیٰ عقیل کو پیدا کر دیا ؎ ہر فرعونے را موسیٰ۔

عقیل، ریاض کا لخت جگر اور وطن خیرآباد۔ یوں کہیے کہ پیدائش ادب و انشاء کے آغوش میں ہوئی اور پرورش شعر و سخن کے گہوارے میں۔ طبیعت کی ذہانت اس پر مستزاد۔ جوش ہی کے حربوں کو جوش پر اُلٹ کے رکھدیا! وہی ردیف و قافیہ، وہی زمین و آسمان۔ سخن گوئی کے میدان میں اُترے، الحاد کے پہلوانوں کو سخن گوئی ہی کے داؤں پیچ سے دم کے دم میں چت کر دیا۔

تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ ڈھائی تین ہزار سال قبل وقت کے ایک بڑے نامور سورما اور پہلوان جالوت کو مع اُس کی ساری شیخیوں کے ایک نوعمر نوآموز لشکری داؤد نامی نے آناً فاناً میں خاک میں ملا دیا تھا۔

انصاف شرط ہے۔ سخن فہمی کا فیصلہ بالکل کافی ہے۔ جوش اور عقیل کے ایک ایک شعر کو سامنے رکھکر دیکھیے۔ طنز و استہزاء جو ملحد کا سب سے بڑا حربہ تھا کیسا اُلٹ اُلٹکر خود اُسی کے منہ پر جا پڑا ہے ——— الحاد میں جان کہاں؟ صرف لفظوں کی صنعت گری تھی ——— صنعت گری ہی اُسکے حق میں وبال ہو گئی!

"صدق" کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۳۔ ستمبر کو انشاء اللہ لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہونگا کہ جہاں ۲۸۔ ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہونچوں گا کہ جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب اول تعلقدار اطراف بلدہ صرف خاص مبارک کے یہاں خاص بلدہ میں رہیگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں، تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک دو خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہو گی

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" لکھنؤ

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"ایک نیاز مند ندوی حاسلم" اچھا کیا کہ آپ نے اپنا نام اور مقام مخفی رکھا۔ ایسے خطوط میں صداقت کا نمونے ہیں؟ ندوی کے ساتھ [illegible] کا سلسلہ تو اب بھی شاید قائم ہی ہے۔ اچھے پیراگراف کے ختم پر جہاں آپ کا قلم بالکل بے قابو ہو گیا ہے، اللہ اُس سے رجوع کرنے کی توفیق آپ کو زندگی ہی میں دے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب ایڈیٹر - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی "
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴۰ | یوم سہ شنبہ - ۲۵ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ / اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"آپ کے آدمی نے کھانا کھا لیا؟" "میں خود تو وہاں جا نہ سکا، آدمی بھیج دیا تھا"۔ "آدمی اب کم تنخواہ پر ملتا نہیں"۔ ایسے تمام فقروں میں آپ لفظ "آدمی" کس معنی میں بول رہے ہیں؟ "انسان" کے معنی میں یقیناً نہیں۔ پھر کس معنی میں؟ ملازم کے، نوکر کے مفہوم میں۔ اور یہ آپ کیا بول رہے ہیں، آپ کی زبان کا محاورہ ہی یہی ہے۔ جس تہذیب نے آپ کی زبان پیدا کی ہے، اُس نے آپ کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنے تنخواہ دار ملازم کو بے جان، بے حس مخلوق نہ سمجھ لینا۔ جانور، چوپایہ، گھوڑا بیل نہ سمجھ لینا، وہ بھی تم ہی جیسا آدمی ہے۔ آدمیت کے سارے حقوق رکھتا ہے —— زبان میں یہ لفظ رکھکر ملازم کے حقوق کی دائمی یاد دہانی، ہمہ وقتی نگہبانی کے لیے ایک زبردست پہرہ دار آپ کے دل و دماغ پر بٹھا دیا! —— اور خود "ملازم" کے لفظ کو آپ کیوں بھولے جا رہے ہیں۔ اسکے معنی بھی تو یہ ہیں کہ جس طرح آپ اُسکے لیے ضروری ہیں، وہ بھی آپ کے لیے "لازمی" ہے۔ اور آپ اُس کی مدد سے، کارگزاری سے، کسی وقت کسی حال میں مستغنی نہیں ہیں —— تو غرض یہ ہے کہ ایک نظام تہذیب، ایک آئین معاشرت ایسا ہے جس میں ادائے حقوق کی یوں قدم قدم پر تاکید ہے! اور اسی بول چال میں ایک لفظ "رعایا" یا "رعیت" بھی تو ہے، جسکے معنی ہیں کہ آپ کے حقوق کی نگہداشت کی جائے، نگہبانی رکھی جائے۔ نہ یہ کہ اُسے حقیر و ذلیل سمجھا جائے، اُسے گالیوں، لاتوں اور گھونسوں اور جوتوں کا نشانہ بنایا جائے!

اسی دنیا میں، اور آپ کی نظروں کے سامنے ایک تہذیب، متمدن اور بھی ہے۔ یہاں رعایا کے لیے لفظ ہے (SUBJECT) "سبجکٹ" کا، اور "سب جکٹ" کے معنی جس انگریزی ڈکشنری میں جی چاہے دیکھیے۔ جس لاطینی مادہ سے یہ ماخوذ ہے اسکے معنی ہیں نیچے ڈال دینے، قدموں کے نیچے ڈالنے کے، گویا رعایا وہ ہوئی جو پامال ہونے کے قابل ہے، پیروں سے روندنے اور کچلنے کے لائق ہے! —— اور آدمی یا ملازم کے لیے لفظ SERVANT "سرونٹ"، جسکے معنی ہیں غلام، یا غلامانہ خدمت کرنے والے کے! اور انتہا یہ کہ ہمارے ہاں خود اس بدنصیب زرخرید کے لیے بھی لفظ کتنا پیارا رکھا ہے، یعنی "غلام"، جسکے معنی "لڑکے" کے ہیں!

حس اور علاوہ آمد کا سوال بعد کا ہے۔ یہاں دونوں تہذیبوں کے چند ابتدائی اور بنیادی تصورات کا ذکر کر دیا گیا۔ ایک تہذیب، اسلامی نہیں، لیکن اسلام سے متاثر، یعنی مشرقی یا نیم اسلامی ہے، دوسری تمامتر مغربی یا فرنگی —— دونوں کے راستے آپ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

اسلام سے باغی مسلمان

"حال ہی میں پنجاب کے اندر پنجاب کی ایک عدالت میں پنجاب کے ایک مشہور مسلمان لیڈر کے فرزند نے اپنی بہنوں کو باپ کے ورثہ سے محروم کرنے کے لیے جو بیان دیا ہے، وہ یہ ہے کہ میں رواج کے مقابلہ میں شریعت کو نہیں مانتا"۔

فقہاء کا مشہور فیصلہ ہے کہ ایک مسلمان شراب پینے سے کافر نہیں ہو جاتا بشرطیکہ وہ شراب کی حرمت کا قائل ہو، اور اپنے آپ کو گنہگار اور خاطی تصور کرے۔ لیکن اگر شراب پینے والا اس بات پر مُصر ہو کہ شراب نوشی حلال ہے تو وہ اسکا تصور کرتے ہی دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے حلت و حرمت کے قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اور خدائی قانون کو جھٹلانے اور اسلام سے بغاوت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ اس شخص کے متعلق کیا کہیں گے، جو ورثہ کی خاطر، دوسرے حقداروں کو انکے حق سے محروم کرنے کے لیے پوری شریعت الٰہیہ کا انکار کرتا ہے۔ اور انکار بھی خلوت میں نہیں، عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر!..

شریعت سے انکار کرنے کی وبا پنجاب میں عام ہے۔ زمیندار اور جاگیردار، رؤساء اور امراء، صرف چند خزف ریزوں کی خاطر اللہ کی دائمی شریعت سے برملا انکار کرتے ہیں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ اور نہ انھیں گمان ہوتا ہے کہ وہ عدالت میں انکار کرتے ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اور اسی وقت سے انکی زندگی کافرانہ ہو گئی۔ جب سے انھوں نے ایمان سے دست برداری کی، اور عدالت کو گواہ ٹھہرایا کہ وہ شریعت الٰہی سے بیزار ہیں، وہ اس بغاوت کا اعلان کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اسلام کی کسی دفعہ کی رُو سے ایسے لوگوں پر لفظ مسلم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں نے ایسے باغیوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے کیا قدم اٹھایا ہے؟ افسوس اس کا جواب نفی میں ہے۔ ایسے باغی دندناتے پھرتے ہیں، اور کوئی ان سے باز پرس نہیں کرتا۔ وہی خاندانی تعلقات ہیں، وہی آپس کی رشتہ داری، وہی پہلا سا میل جول ہے، وہی قرابتداری اور وہی احترام، جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا کرنا چاہیے؟ (مدنۂ حرم - [illegible] ستمبر)

معاصر موصوف نے جو کچھ لکھا، تمام تر حقیقت کی ترجمانی ہے لیکن یہ بلا تنہا پنجاب کے ساتھ مخصوص نہیں، ادھر یو پی میں بھی یہ بلا بُری طرح پھیلی ہوئی ہے۔ جرم کے شدید بلکہ اشد ہونے میں ذرا کلام نہیں۔ عدالت میں اس طرح کا بیان دینا، صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا ہے کہ میں احکام و اوامر شریعت کو نہیں، اپنے خاندانی رسم و رواج کو سمجھتا ہوں، اور یہ کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ علانیہ ارتداد کی طرف اقدام ہے۔ اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ عام معاشرۂ اسلامی اپنے سکوتِ بے محل سے عملاً ایسے مجرموں کی تائید اور حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی معاشرتی مقاطعہ ان سرکشوں کا شروع کر دیا جائے، ان سے میل جول، شادی بیاہ، صاحب سلامت ترک کر دی جائے، انکے بہشتی، انکے نائی، انکے خاکروب، انکے دھوبی بند کر دیے جائیں، تو یہ ڈھیٹ، جرائم پیشہ اپنی ساری ڈھٹائی بھول جائیں —— تحمل و رواداری کی بھی ایک حد ہونی چاہیے، اور پھر رواداری تو صرف عاصیوں اور خطاکاروں سے کی جا سکتی ہے غداروں، باغیوں، اور ارتداد کا علم بلند کرنے والوں کے ساتھ نہیں!

شیخ الازہر مرحوم کا ایک اقدام

شیخ محمد مصطفےٰ المراغی مرحوم شیخ الازہر جنکی وفات ابھی حال میں ہوئی ہے، انکے حالات انکے ایک شاگرد جناب محمد حسن الاعظمی الازہری کے قلم سے روزنامہ انقلاب (لاہور) میں نکلے ہیں:

"شیخ مراغی عقائد و افکار میں نہایت وسیع النظر واقع ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے۔ چنانچہ جب علامہ محمد حسین آل کاشف الغطاء نجفی (شیعہ مجتہد اعظم) قاہرہ تشریف لائے اور ایک موقع پر امامت کے لیے کھڑے کیے گئے تو شیخ مراغی کو بلا تذبذب صف میں پایا گیا۔ اور ہمارے لیے یہ واقعہ نہایت مسرت انگیز اور اطمینان بخش تھا کہ عربی دنیا کا سب سے بڑا عالم اور مصر کا شیخ الاسلام شیعہ مجتہد کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اسی رواداری اور وسعت خیال کا نتیجہ تھا کہ ایک دوسرے موقع پر علامہ کاشف الغطاء نے شیخ مراغی کے پیچھے نماز پڑھی"

یہ اقدام ایسا تو نہیں کہ بلا تامل اسکی تائید و تحسین کر دی جائے، لیکن قابل غور ضرور ہے۔ ابھی کئی سال ہوئے لکھنؤ میں راجہ صاحب محمود آباد کی دعوت پر عراق کے ایک مشہور و ممتاز شیعی فاضل مرزا عبدالکریم زنجانی آئے تھے۔ انکا قول تھا کہ میں برابر اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور بعد کو اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ خود انکے پیچھے قدس میں اہل سنت نے نماز پڑھی۔ اتحاد اسلامی کے علمبرداروں کو برابر یہ سوچتے رہنا چاہیے کہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہ کر بھی دوسرے فرقوں سے زیادہ سے زیادہ اتحاد و اشتراک کن طریقوں سے کیا جا سکتا ہے

مدح صحابہ شیعہ زبان سے

معاصر انقلاب (بمبئی) مجلس احرار کے نقیب و ترجمان کے حوالہ سے "سید مظہر علی صاحب اظہر بی اے، ایل ایل بی، ایڈوکیٹ پنجاب اور سکرٹری یا سابق سکرٹری مجلس احرار کی بابت ناقل ہے:-

"انھوں نے مجلس احرار کے نصب العین حکومت الٰہیہ کے متعلق بتایا کہ ہماری جماعت میں سب لوگ صحابہ کا احترام کرنے والے ہیں۔ جو شیعہ بھی احرار میں شریک ہیں یا ہونگے وہ صحابۂ کرام کی مدح پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اور یو پی، خصوصاً لکھنؤ کے [illegible] نے مجلس احرار کے اس مسلک کو ثابت کر دیا ہے۔ مولانا مظہر علی جو خود شیعہ ہیں، جب انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اور بالکل بے لاگ الفاظ میں، مدح صحابہ کے حق کی حمایت میں دلائل پیش کیے تو ہزار ہا مسلمان خوشی سے نعرے بلند کرتے تھے" (۲۳ - ستمبر ۴۵ء)

"صحابہ کرام کا احترام" "مدح صحابہ کا حق" "مدح صحابہ کے حق کی حمایت میں دلائل" یہ سب ایک شیعی لیڈر کی زبان سے!! لکھنؤ کی شیعی دنیا اگر اجازت دے تو قرآن مجید ہی کے الفاظ میں سنایا جا سکتا ہے اقرأ کتابک، کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا

کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے!

" مولوی ظفر الملک [illegible]

ایک مرنجاں مرنج ادیب اور ایک خالص ادبی رسالہ الناظر کے اچھے خاصے ایڈیٹر تھے۔ مگر اُن پر آگے بڑھتے ہوئے زمانہ کا ردِّ عمل ایسی رجعت پسندی کی شکل میں ظاہر ہوا کہ اب اُنھوں نے شیعہ مذہب اور شیعہ فرقہ کو اپنی باقی زندگی کا مشن بنا لیا ہے"۔ (لکھنؤ کے شیعہ روزنامہ کے اداریہ سے)

اس بحث سے قطع نظر کہ شیعہ عقائد سے اختلاف اور اُن سے اہلِ سنت کے تحفظ سے "شیعہ فرقہ کی مخالفت" کیونکر لازم آجاتی ہے، اصل گزارش یہ ہے کہ آخر کوئی تو بات ہے، جو اسی معاصر کے بہ قول مرنجاں مرنج ادیبوں اور خالص ادبی رسالوں کے ایڈیٹروں کو رفتہ رفتہ "شیعہ دشمنی" کی طرف لے آئی ہے! ——— دوسروں پر دعا داپو لینے سے قبل کیوں اپنے ہی بیان کا جائزہ کبھی لے لیا جائے!

ایک عربی مدرسہ

مولوی محمد خیر الدین صاحب وکیل زواعظ سرکار دکن حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں:-

"مدرسہ عربیہ خیریہ علاقہ حیدرآباد کی اپیل برائے تعمیر دار الاقامہ مرسلِ خدمت ہے۔ اس مدرسہ کی خدمت میں الحمد للہ ایک نفل سے میرا اکثر وقت گزرتا ہے، اور خود مولانا ابوالحسن سید علی صاحب نے اسکی امداد کے لیے ایک بیان جاری فرمایا ہے۔ جب کبھی جناب والا حیدرآباد تشریف لائیں تو انشاء اللہ ضرور تشریف آوری کی زحمت دی جائیگی۔ بلدہ سے صرف عمر کرایہ کے فاصلہ پر ہے۔ نواب ناصر یار جنگ اور دیگر تمام علم دوست حضرات وہاں جا چکے ہیں۔ براہ کرم اس اپیل کو صدق میں درج فرمائیے تاکہ جس کسی مسلمان کو بیرون ملک اسکی امداد کی توفیق ہو وہ اس مدرسہ کی امداد میں حصہ لے سکے۔ مدرسہ نظامیہ کے بعد اس ملک میں عربی کا واحد مدرسہ ہے"۔

مکتوب نگار بڑے پرانے صدق نواز ہیں۔ انکے مکتوب کی یہ مختصر عبارت مطبوعہ طویل اپیل سے زیادہ قوت و وزن رکھتی ہے۔

غیر سودی بینک کا قیام

لکھنؤ۔ ۲۰ ستمبر۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد نے اپنی ریاست میں ایک ایسا کوآپریٹو بینک کھولا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں غیر سودی قرض دیگا۔ قرض دینے کا اصول یہ ہوگا کہ قرض لینے والا ایک معاہدہ نامہ لکھیگا کہ وہ آئندہ کبھی سود پر کہیں سے روپیہ قرض نہیں لیگا۔ اس بینک کے اخراجات نکالنے کیلیے قرضداروں سے بہت تھوڑی رقم بطور فیس کے لے لی جائیگی۔ لیکن اس قسم کی فیسوں کی رقم مجموعی طور سے کبھی بینک کے کل اخراجات سے زیادہ نہیں ہوگی۔ موجودہ بینکوں کے معاملے کے خلاف اس بینک کی خصوصیت یہ ہوگی کہ بینک میں روپیہ لگانے والے محض نفع ہی میں شریک نہیں ہونگے بلکہ نقصان میں بھی شریک ہونگے۔ اس تمام اسکیم کا مدعا یہ ہے کہ سود خواری کو ذلیل کیا جائے اور جو لوگ واقعی مستحق ہیں اُنکی مدد کی جائے۔ (اورینٹ پریس۔ تنویر)

نئی کتابیں

(۱) **چاند بی بی سلطان** - از وزیر حسن صاحب - ۲۴۷ صفحے - مجلد سرورق مصوّر - قیمت قسم اول لله قسم دوم ۱۲/ پتہ:- دکن اُردو اکاڈمی - ادارۂ فخریہ، حیدرآباد دکن۔

چاند بی بی سلطان، دکن کی ایک نامور تاریخی خاتون گزری ہیں۔ یہ کتاب سمجھئے کہ اُنکے حالات و سوانح میں ہے، اور اس لیے اسکا شمار سیرت یا سوانح عمری میں ہونا چاہیے، لیکن درحقیقت اُس پر اخلاق و موعظت، تاریخ و سیرت پر غالب ہے، اور ادب و انشا، تاریخ و اخلاق، دونوں پر غالب۔ مصنف کو جو کچھ کہنا تھا، سب اس آپ بیتی میں کہہ گئے، جس طرح نانا اماں مرحوم افسانہ کو بہو بیٹیوں کے حق میں آپ بیتی بنا کر سنا گئے تھے۔ معمارِ دستکار کے ذہن میں اس "روضۂ تاج" کا جو نقشہ تھا (پرانی اصطلاح میں "سبب تالیف") بہتر ہوگا کہ اسے اسی کی زبان سے سنتے چلیے:-

"چاند بی بی سلطان کی زندگی ایسی ہو سکتی ہے جو ملک کی بہو بیٹیوں کے لیے مثال بنے۔ خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ اپنے معاشرہ کی جو بات آجکل اُجاگر ہو کر سامنے آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے یہاں کی ہر اچھی چیز بُری اور دوسروں کے ہاں کی بُری چیز بھی اچھی دکھائی دینے لگی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے گھروں سے یہ البیلی فضا دور ہو، اور ہم محسوس کریں کہ ہم کل کیا تھے، آج کیا ہوگئے۔ پھر گھر ہی درحقیقت اساس تمدن ہوتا ہے۔ اس لیے بھی گھر کی رانی ہی کو باری طرح ہاتھ بٹانا ہے، جو آج کی بیٹی، کل کی بہو، پرسوں کی ماں ہے۔ یہ خیال کرکے میں نے کتاب لکھنی شروع کی"۔

کتاب "عرض" کے بعد کتاب تین بابوں میں تقسیم ہے۔ "نوید"، "نسبت" اور "بیاہ"۔ اس میں حالات چاند بی بی کی شادی تک آتے ہیں۔ باقی حالات کتاب کے دوسرے حصوں کے لیے اُٹھا رکھے گئے ہیں۔

کتاب اسلامیت کی تو نہیں، البتہ مشرقی تمدن، یعنی ہندو مسلم ملی جلی تہذیب کی ترجمان ہے۔ مشرقی اخلاق، مشرقی معاشرت، معاشرتی روایات ——— فرنگیت کے بے پناہ سیلاب کے وقت اسلامیت نہ سہی، مشرقیت کی بھی اتنی حمایت بہت غنیمت اور لائق صد شکر و تحسین ہے۔ ادبی اعتبار سے کتاب معیاری مرتبہ کی ہے۔ دہلی کی سی نستعلیق، شستہ، بیگماتی زبان لکھنے والے اب بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ معنوی اعتبار سے کتاب آج سے دو صدی قبل کے اُس مشرقی تمدن کا پورا آئینہ ہے، جو کیا دکن اور کیا دہلی ہر جگہ کے شاہی خاندانوں اور امیروں وزیروں کے گھرانوں میں پھیلا ہوا تھا۔

(۲) **اقبال ایز اے تھنکر** IQBAL AS A THINKER مجموعۂ مضامین۔ مرتب کا نام درج نہیں۔ صفحات ۳۰۰ صفحے۔ قیمت صہ، پتہ:- شیخ محمد اشرف۔ انگریزی کتب فروش۔

اقبالؒ کی شہرت، علاوہ اپنے دور کے شاعر اعظم ہونے کے ایک بڑے فلسفی کی بھی ہے، اور یہ کتاب انکی زندگی کے اسی پہلو پر ہے۔

کتاب آٹھ مختلف مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف مقالہ نگاروں کے قلم سے ہے۔ یہ مقالے کہاں پڑھے گئے تھے، یا کہاں چھپے تھے، اسکا کچھ ذکر دیباچہ میں نہیں۔ مقالہ نگاروں میں سے اکثر ایسے ہیں جو ایک معروف و ممتاز شخصیت رکھتے ہیں۔ مثلاً نوبل پرائز پانے والے جامعہ عثمانیہ کے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، خواجہ غلام السیدین، پروفیسر محمد شریف (مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم وغیرہ۔ اور مقالوں کے عنوانات اس قسم کے ہیں:

اقبال کا تصور زمان و مکان

فکر اقبال میں ترقی پسندی کے عناصر

اقبال کا تصور باری

رومی، نیٹشے اور اقبال

ہر لکھنے والے نے اقبال کو اپنی مخصوص عینک سے دیکھا ہے، اور اکثر خوب بال کی کھال نکالی ہے۔ شارح اور مدرسہ … کی تصدیق صرف شعر ہی میں نہیں نثر میں بھی پوری طرح ہو چکی ہے اور ان اوراق میں ہو رہی ہے۔ اقبال خود اپنے متن کی بعض تفسیروں سے یقیناً گھبرا اٹھتے۔ تاہم پیام اقبال کی ترجمانی غیر مسلموں، خصوصاً اہل فرنگ کے سامنے رکھنے کے لحاظ سے کتاب مفید ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ اسکے نسخے زیادہ سے زیادہ تعداد میں یورپ اور یورپ زدہ ملکوں میں پہنچائے جائیں —— اسلام کی ناقص ترجمانی بھی تا ستر غلط یا مسخ شدہ ترجمانی سے بہرحال بہتر ہے۔

افسوس ہے کہ ناشر کو اقبال کے ایسے شارح و ترجمان جو فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ بحمد اللہ پختہ مسلمان بھی ہیں، مثلاً ڈاکٹر ظفر الحسن (مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ) فضل الرحمٰن انصاری (مسلم یونیورسٹی) ظفر احمد صدیقی (پرنسپل اسلامیہ کالج اٹاوہ) زیادہ تعداد میں نہ مل سکے۔

تحفۃ المسلمین ۔ مصنفہ شاہ محمد اسحق دہلوی۔ مترجم مولوی محمد نظام شاہی بنوری۔ طبع جدید، ۷۶ صفحے ۲۰×۲۶ تقطیع۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: شروانی پرنٹنگ پریس، علیگڈھ

خاندان ولی اللہی کی آخری یادگار، دلی میں مولانا شاہ محمد اسحق تھے۔ وقت کے ایک مشہور و مستند عالم۔ آخر میں مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ انکی کتاب مسائل اربعین اپنے زمانہ میں خوب چلی اور گھر گھر پھیلی۔ شادی و غمی سے متعلق مروجہ بدعتوں کا رد ۴۰ سوالوں کے جواب میں ہے۔ تحفۃ المسلمین اسی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بھی آج سے ۱۰۸ سال قبل ۱۲۶۰ھ میں ہو چکا تھا۔ اب حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے اچھا کیا کہ ایک مزید دیباچہ اور فہرست مضامین کے اضافہ کے ساتھ از سر نو شائع کر دیا۔ ولیمہ، نیوتہ، فتنہ، آتشبازی، زیارت قبور وغیرہ کے ضروری مسائل اس میں مسلک دیوبندی کے مطابق آ گئے ہیں۔

ترجمہ اگرچہ بہت پرانا ہو چکا لیکن زبان اب بھی اچھی پرانی شیریں معلوم ہوتی ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ مفید اور اشاعت عام کے قابل ہے۔

(۴) **مجموعہ مقالات علمیہ** ۔ حیدرآباد اکاڈمی، نمبر ۲، ضخامت ۲۴۴ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: مجلس ادارت حیدرآباد اکاڈمی، حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد اکاڈمی ایک زمانہ سے مفید علمی اور ٹھوس کام کر رہی ہے اور مقالات علمی کے مجموعے شائع کرتی رہتی ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ اس میں پانچ مضمون مختلف مقالہ نگاروں کے قلم سے حسب ذیل ہیں:

۱۔ حقائق حیات انسانی — از مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب سابق صدر کلیہ عثمانیہ

۲۔ اردو جنگ کی معاشی توجیہ — از مولوی عبد القادر صاحب

۳۔ فارسی شاعری کا آغاز اور اس کی تاریخ — از حکیم ڈاکٹر کلیم اللہ صاحب قادری

۴۔ اقبال کا نظریۂ عقل و عشق — از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

۵۔ تعلیم تنظیم ما بعد جنگ — از مولوی محمد یوسف الدین صاحب

پانچوں مقالے غور و فکر سے لکھے گئے ہیں اور سنجیدہ حلقوں میں پڑھے جانے کے قابل ہیں۔ البتہ فارسی شاعری والے مضمون میں مضمون نگار نے فردوسی کی داد جن حدود تک دی ہے، وہ خود شاعرانہ ہو گئی ہے۔ چوتھا مضمون، اقبال کے نظریۂ عقل و عشق پر، محقق کے نقطۂ نظر سے خاص طور پر قابل داد و توجہ ہے۔

(۵) **ہندوستانی معاشیات کے مبادی** ۔ مع خصوصی تفصیلات مملکت آصفیہ۔ از شرف الدین صاحب بی اے۔ ضخامت ۲۵۰ صفحے

پتہ: دفتر انجمن طیلسانین عثمانیہ۔ باغ عامہ، حیدرآباد دکن۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ اسکے قبل بھی چھوٹی بڑی ۱۲-۱۴ کتابیں علمی، فنی، ادبی عنوانات پر شائع کر چکی ہے۔ اور یہ اسکا تازہ ترین اضافہ ہے۔ کتاب مخصوص فن پر ہے، اور اس پر تبصرہ کوئی اہل فن ہی کر سکتا ہے۔ سرسری نظر میں ایک عامی کو بھی کتاب دلچسپ، مفید اور پر معلومات نظر آئی۔ پیش لفظ ایک استاد فن کے قلم سے ہے اور یہ سماجی خود مضامین کتاب کے استناد کی کافی ضمانت ہے۔

(۶) **پردہ کسٹمری اینڈ اسلامک** (انگریزی) از سید قبول احمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر۔ سیتاپور (اودھ) ۸ صفحے مصنف ہی کے پاس سے ملیگا۔

سید قبول احمد خیرآبادی اپنی انگریزی تعلیم اور ہائی اسکول کی ہیڈ ماسٹری کے باوجود مولانا تھانوی کے راسخ مریدوں میں ہیں، غالباً خلیفہ مجاز بھی۔ انکے قلم سے یہ مختصر رسالہ "پردہ، رواجی و شرعی" کی تحقیق میں ہے۔ مختصر ہونے پر بھی خوب ہے۔ مقالہ نگار لکیر کے فقیر نہیں۔ صحیح معنی میں روشن خیال ہیں۔ رواجی پردہ کو انھوں نے شرعی حدود سے بالکل الگ کر دکھایا ہے۔ رسالہ زیادہ سے زیادہ

استدراک

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۳۲ - صفحہ ۶ کالم ۱)

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری - مجلس علمی - ڈابھیل)

ابھی یاد آیا کہ ۱۰ رمضان کے کسی پرچہ میں حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" پر کسی سائل نے "اتفاقی موضوع ہونے" کا حکم لگایا تھا۔ اسنادی حیثیت سے قطع نظر کرکے آپ نے جو توجیہ فرمائی تھی، وہ پسند آئی تھی۔ اسوقت خیال آیا کہ حدیث مذکور کے متعلق کچھ عرض کیا جائے۔ لیکن یاد نہیں رہا۔ آج یاد آنے پر اجمالاً اتنا عرض کیے دیتا ہوں تاکہ بالکل یکطرفہ فیصلہ نہ ہو اور کسی قدر اسنادی اعتبار سے بھی حقیقت سامنے آئے۔

۱- "لولاک لما خلقت الافلاک" کے لفظ سے تو حدیث نہیں ہے، البتہ اسکے ہم معنی الفاظ سے کتب حدیث میں موجود ہے۔

الف: مستدرک حاکم (۲-۶۱۵) میں ابن عباس کی روایت ہے: قال: اوحی اللہ الی عیسی علیہ السلام یا عیسی آمن بمحمد، أمر من ادرکہ من امتک ان یومنوا بہ، فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار" ..... حاکم ابو عبداللہ روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔ حافظ ذہبی اگرچہ فرماتے ہیں "اظنہ موضوعاً علی سعید" لیکن کوئی وجہ اپنے گمان کی تائید میں بیان نہیں فرما سکے۔ حافظ تقی الدین سبکی اپنی کتاب شفاء السقام میں اور شیخ سراج الدین البلقینی اپنے فتاویٰ میں حافظ ابو عبداللہ حاکم کی تائید میں اسکی تصحیح فرماتے ہیں: "ومثلہ لا یقال رأیاً فحکمہ الرفع"۔

ب- نیز مستدرک حاکم (۲-۶۱۵) میں اور مجمع الزوائد (۸-ص ۲۵۳) میں بحوالہ طبرانی حضرت عمر فاروق کا ایک طویل اثر ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا ہے: "ولولا محمد ما خلقتک" حاکم نے اسکی بھی تصحیح فرمائی ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے، موضوع ہونے کا حکم پھر بھی مشکل ہے۔ عبدالرحمن بن زید ترمذی ابن ماجہ کے رجال سے ہے۔

ج: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر زرقانی شرح مواہب میں ہے: ان اللہ قال لنبیہ: من اجلک اسطح البطحاء وامرج الموج وارفع السماء واجعل الثواب والعقاب

۲- ان وجوہ کی بنا پر حدیث مذکور پر یہ حکم لگانا کہ موضوع ہے اور اتفاقی موضوع ہے، کیونکر صحیح ہے۔ بیہقی ابو الشیخ اصبہانی وغیرہ نے بھی پہلے حدیث کی روایت کی ہے۔ غرض حدیثی اور اسنادی اعتبار سے مطلقاً موضوع کا حکم نہایت مشکل ہے، خصوصاً اتفاقی موضوع کا حکم۔ بہرحال یہ دونوں دعوے تحقیق و واقعیت کے خلاف ہیں۔ مزید بحث و تحقیق کے بعد ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ اسوقت صرف اجمال ہی عرض کرنا مقصود تھا۔

۳- عقلی حیثیت سے تو حدیث مذکور کی تصحیح و تائید میں بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے۔ جسکی اسوقت حاجت نہیں۔ محدثین کی کتابوں میں کتنی حدیثیں ملتی ہیں جو اسنادی اعتبار سے یا کسی خاص لفظ کے اعتبار سے یا مرفوع ہونے کے اعتبار سے ضعیف و ساقط ہوتی ہیں لیکن معنوی حیثیت سے اور دوسری وجوہات سے وہ صحیح ہوتی ہیں۔ جسکی تحقیق و تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

والسلام

درسگاہیں اور دوسرے ادارے

(از عبدالماجد)

عربی، دینی درسگاہوں نیز دوسرے ملی اداروں کے لیے جو امدادی اپیلیں وقتاً فوقتاً صدق میں نکلتی رہتی ہیں ان سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکالنا کہ مجھے خود بھی ان سے پورا اتفاق ہے، یا یہ کہ میں اپنی ذمہ داری پر انکی سفارش کررہا ہوں تاوقتیکہ میری طرف سے ایسی تصریح نہ موجود ہو۔ بیشتر صورتوں میں تو مجھے کوئی ذاتی واقفیت ان سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے جو صاحب کرم جس حد تک جسکی مدد کرنا چاہیں، وہ اپنی ذمہ داری اور محض اپنی ذاتی واقفیت و تحقیق کے بھروسہ پر کریں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

انگریزی خوانوں کے ہاتھوں میں بھی جانے کے قابل ہے

(۷) **مطبوعات ادارۂ تربیت جنسی** - از نمبر (۱) تا نمبر (۹) پتہ:- مہتمم ادارۂ تربیت جنسی، پورا ہا بشیر باغ - حیدرآباد دکن

حیدرآباد میں حال میں ایک مفید ادارہ صحیح تربیت جنسی کی غرض سے سوشل ہائیجین ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہوا ہے۔ ادارہ مذہب و اخلاق کے حلقہ میں قدم نہیں رکھتا۔ صرف طبی اور سائنسی حدود تک محدود ہے۔ یہ حلقہ بھی اچھا خاصہ وسیع اور کام کرنے والوں کے لیے کافی ہے۔ جو ۹ کتابچے اب تک موصول ہوئے ہیں، ہمارا نصب العین - حیات، یا جنس کا مقام، تربیت جنسی اور والدین کی ذمہ داریاں، باپ اپنے بیٹوں کی کس طرح رہبری کرسکتے ہیں، مائیں اپنی بیٹیوں کی کس طرح رہنمائی کرسکتی ہیں، امراض خبیثہ کے مسائل، جنسی تعلقات کے اخلاقیات، فحش کاری، ازدواج - پورا سلسلہ بہ حیثیت مجموعی بہت مفید ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع ہوا

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب ندوی سندیلوی۔ اُستاذ دارالعلوم ندوہ

(۱)

حمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔ مسیحی دنیا اسلام کے ساتھ جو بغض و عناد ہے اسکا ظہور وقتاً فوقتاً اُنکی تحریر و تقریر، شمشیر تینوں ذرایع سے ہوتا رہتا ہے۔ جسکا نمونہ ڈاکٹر ٹسڈال کی کتاب ماخذ القرآن ہے۔ جسکا اُردو ترجمہ حال ہی میں رسالہ نگار نے شایع کیا ہے۔ زیر تحریر سطور اسی کتاب کا جواب ہیں۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کی کتاب اس امید کے ساتھ دیکھی کہ اس میں کوئی جدت و ندرت ہوگی، مگر باوجود تلاش و جستجو اس میں کوئی جدت و ندرت نظر نہیں آئی، بلکہ وہی پرانے فرسودہ اعتراضات صورت بدل کر دوہرائے گئے ہیں جنکا شافی جواب دیا جاچکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا مبلغ علم

ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی بیکنی کے لیے قلم اُٹھایا، مگر عام عیسائی مبلغین کی طرح انکی معلومات کا یہ عالم ہے کہ قصص الانبیاء اور عرائس المجالس کی ایسی ناقابل اعتماد کتابوں پر آپ نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ پھر اسی بنیاد پر عجیب و غریب اور دلچسپ دلائل و شواہد پیش فرمائے ہیں۔ ان دلائل سے تو ہم آیندہ صفحات میں بحث کرینگے، یہاں موصوف کے چند تحقیقات علمیہ نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جن سے انکا مبلغ علم ظاہر ہوتا ہے۔

ایک جگہ باب دوم میں فرماتے ہیں کہ اللات لفظ اللہ کی تانیث ہے۔ اس تحقیق عجیب کے لیے موصوف کو کسی لغت کا حوالہ دینا ضروری تھا، لیکن جس طرح اس کتاب میں آپ نے تاریخ کے متعلق قیاس سے کام لیا ہے، اسی طرح لغت میں بھی آپ نے قیاس کو ثبوت کے لیے کافی سمجھا۔ مزید لطف یہ کہ آپ نے محض دعوے کافی سمجھا، دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اگر موصوف یہی غور فرماتے کہ مونث میں مذکر کے حروف اصلی مفقود نہیں ہو جاتے ہیں تو بھی اس قسم کے دعوے کی جرأت نہ ہوتی، اس لیے کہ ہائے ہوز لفظ "اللہ" میں اسکا حرف اصلی ہے۔

لفظ "حنیف" کی تحقیق میں بھی موصوف نے ایسی ہی عربی دانی کا ثبوت دیا ہے۔ موصوف کے نزدیک عبرانی زبان میں حنیف کے معنی ملحد و زندیق کے ہیں، لیکن عربی میں اسکے کیا معنی ہیں؟ ممدوح کے نزدیک یہ چیز قابل اعتنا نہیں ہے۔ حالانکہ اہل عرب کی زبان عربی تھی، نہ کہ عبرانی۔ اگر ڈاکٹر صاحب "لسان العرب" ملاحظہ فرماتے تو اس شبہہ کی جسارت نہ فرماتے، اس لیے کہ اس میں صاف طور پر تحریر ہے کہ "حنیف" "حنف" سے مشتق ہے، جسکے معنی میلان کے ہیں یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف مائل ہونا۔ یہ لفظ اچھے معنی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے اور بُرے معنی میں بھی۔ "حنیف" کا میلان جس طرف ہوتا ہے اُس پر "لام" داخل کرتے ہیں۔ اور اسی کے حسن و قبح کے لحاظ سے اسکے معنی میں حسن و قبح پیدا ہوتا ہے مثلاً حنیف اللہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف مائل ہونے والا۔ جب یہ لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو عموماً اچھے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

"تابوت" کے متعلق جو تحقیق نفیس آپ نے فرمائی ہے وہ بھی آپ اپنی نظیر ہے۔ اسی طرح "خلق قرآن" کی بحث کے متعلق بھی آپ کے ارشادات آپ کی قوت تحقیق کے آئینہ دار ہیں۔ نمونہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب کی علمی تحقیق کے دو ایک نمونے پیش کردیے گئے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے معلومات نہ صرف اسلام کے متعلق بلکہ عربی زبان کے متعلق بھی کسقدر محدود و ناقابل اعتماد ہیں۔ پوری کتاب پر نظر کرنے سے اس قسم کے نمونے بکثرت ملیں گے۔

کلی جواب

انفرادی طور پر ہر ایک باب پر تنقید کرنے سے پہلے ہم ایک کلی جواب تحریر کرتے ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کی پوری کتاب کا مختصر اور جامع جواب ہے۔ اور جس سے اُنکے پورے استدلال و دعاوی کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

خلاصۂ اعتراضات

ڈاکٹر صاحب کے کل دعاوی اور دلائل کا ماحصل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ دعاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اسلام نے کسی جدید چیز کی تعلیم نہیں دی بلکہ عرب ... البتہ یہودیت، نصرانیت، صابئیت اور دیگر مذاہب و اقوام کی [illegible] کلمات کا ملغوبہ جمع کردیا ہے۔ اسلیے اسلام الہامی مذہب نہیں ہے۔ دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اسلام کا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور اسکی تعلیمات و اخبار اور دوسرے مذاہب و اقوام کی تعلیمات و اخبار میں مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور موخر الذکر اقدم ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے مضامین انھیں سے ماخوذ ہیں۔

ڈارونی ذہنیت

اس سارے استدلال کی تہ میں جو ذہنیت کارفرما ہے وہ ڈارون نے اہل مغرب میں پیدا کردی ہے کہ جہاں دو چیزوں میں مشابہت دیکھی اور ایک کو مقدم پایا بس فوراً یہ حکم لگا دیا کہ موخر مقدم سے ماخوذ ہے۔ یہ اصول اسقدر مہمل اور لغو ہے کہ اسکی غلطی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت و مطابقت کی یہی وجہ نہیں ہوتی کہ ایک دوسرے سے ماخوذ ہے بلکہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں کا اصل منبع اور سرچشمہ ایک ہی ہے۔

کل الہامی مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے

دنیا میں جتنے بھی الہامی مذاہب

موجود ہیں یا فنا ہو چکے ہیں انکا اصل منبع ایک ہی ہے یعنی ذات حق سبحانہ تعالیٰ بلکہ دراصل وہ ایک ہی مذہب کے مختلف درجات ہیں۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کو متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم چند آیات نقل کرتے ہیں

(۱) شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحاً ۔ وما وصّینا بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ

(۲) قولوا آمنّا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربہم لانفرّق بین احدٍ منہم ونحن لہٗ مسلمون (بقرہ ۔ پ)

(۳) ما کان ابراہیم یہودیاً ولا نصرانیاً ولٰکن کان حنیفاً مسلماً وما کان من المشرکین ۔

(۴) ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰہاً واحداً ونحن لہٗ مسلمون ۔

ان آیات نے بتادیا کہ ان انبیاء سابقین کا مذہب تھا جسکی تبلیغ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے کی اور اسی مذہب کا نام اسلام ہے۔ اسکے مختلف درجات رہے ۔ اور آخری درجہ جو اسکی تکمیل کا درجہ ہے اسکی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ ان تمام مذاہب کی خوبیاں اسلام محمدی میں پائی جاتی ہیں ۔ البتہ اُن مذاہب کے متبعین نے جو خرابیاں ان ادیان میں داخل کرلی ہیں اور جو غیر دینی چیزیں ان ادیان کا جزو بنگئی ہیں انکو اسلام نے ان سے خارج کردیا ہے۔ اور اسلام ان سے بالکل پاک و مبرا ہے ۔ دوسرے الفاظ میں حقیقی موسویت اور حقیقی عیسویت اور حقیقی ابراہیمیت، غرض ہر نبی کی حقیقی تعلیم اب اسلام اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہے ۔ اس لیے اب اسلام کے ہوتے ہوے ان ادیان میں سے کسی کی کوئی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے کہ اکمل کے ہوتے ہوے انقص کی طرف رجحان بالکل خلاف عقل ہے ۔ خصوصاً اس لیے کہ ان مذاہب کے متبعین نے اپنے مذاہب اور انکے منابع یعنی کتابوں کو مسخ و تحریف کرکے بالکل ناقابل اعتماد بنادیا ہے ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے بیانات دیگر الہامی مذاہب و ادیان سے کسی درجہ میں مشابہت رکھیں تو یہ اسلام کے الہامی و ربانی مذہب ہونے کی دلیل ہے نہ کہ غیر الہامی ہونے کی ۔

اسلام محمدی کے خصائص امتیازی

لیکن اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف مذاہب سابقہ کا مجموعہ ہے ۔ اور اس میں کوئی جدت اور انوکھا پن نہیں ہے ۔ یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط اور گمراہ کن ہوگا۔ اس لیے کہ اسلام نے دین کی بنیادوں کو جس طرح مستحکم کیا اور اسکے اصول و فروع کو جس طرح درجۂ کمال کو پہونچایا ۔ جس طرح ان کو کامل و مکمل اور جدید و مناسب شکلیں عطا کیں۔ جس طرح قیامت تک کے لیے مناسب، مفید اور ناقابل تغیر بنادیا جس طرح ان میں عجیب و غریب حکیمانہ نکتہ آفرینی، باریک بینی، جامعیت اور نشو ونما کی ترتیب پیدا کی ۔ یہ سب چیزیں صرف اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ ہیں۔ انکی نظیر ادیان سابقہ میں کہیں نہیں مل سکتی اور جس طرح دین عیسوی دین موسوی سے تفصیل کے درجہ میں ممتاز اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے ۔ اور جس طرح اجمال کے درجہ میں عیسویت اور موسویت میں وحدت ہے اسی طرح دین محمدی اور کل ادیان حقہ سابقہ میں اجمال کے درجہ میں وحدت و یکرنگی ہے۔ اور یہ دلیل اسکی حقانیت و ربانیت کی ہے نہ کہ اسکے غیر الہامی ہونے کی ۔

وحدت و اختلاف کا راز

ادیان حقہ کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اس لیے انکی تعلیمات میں اصولی و بنیادی اختلاف ناممکن ہے ۔ ہر مذہب نے توحید کی تعلیم دی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ کسی مذہب حق میں شرک کی تعلیم مل جائے۔ ہر مذہب نے عدل کو مستحسن اور ظلم کو قبیح کہا ہے ۔ ہر دین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اچھا اور اس کی نافرمانی کو برا قرار دیا ہے بلکہ یہ چیزیں چونکہ فطری ہیں یعنی فطرت انسانی انکو پسند کرتی ہے اور اجمالی طور پر انکی تعلیم دیتی ہے اس لیے ان بنیادی اصول کو تو ادیان باطلہ بھی صحیح کہتے ہیں ۔ مثلاً ایک بت پرست بھی توحید کو پسند یدہ کہیگا اور شرک سے اپنی برأت ظاہر کریگا حالانکہ بلاشبہہ وہ مشرک ہے اور توحید کی حقیقت کو وہ سمجھا بھی نہیں ہے ۔ لیکن یہ اجمالی اصول عملی زندگی میں بنیادی اور اخروی کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے ۔ بلکہ ضرورت ہے تفصیل کی ۔ اسی تفصیل میں آکر ادیان میں باہم اختلاف ہوتا ہے اور اسی کے لحاظ سے ایک دین دوسرے دین سے امتیاز حاصل کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے مجموعی طور پر ذہن انسانی کی تربیت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کی اور انکے ارتقاء ذہنی کے مدارج کے لحاظ سے مختلف زمانوں میں مختلف جماعتوں میں مختلف درجات کی تفصیل انکے سامنے پیش فرماتے رہے ۔ یہاں تک کہ جب ذہن انسانی اس درجہ پر پہونچ گیا کہ اس میں ان جدید اعلیٰ و مکمل تفصیلات کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہیں تو اسی کامل و مکمل دین کو اسکے لیے بھیجا گیا جو قیامت تک کے لیے کافی اور دائمی ہے اور جو بنیادی و اساسی اصول کے لحاظ سے بالکل وہی ہے جسکی تعلیم کل انبیاء و مرسلین نے دی ہے اور تفصیلات کے لحاظ سے بالکل جدید اور انوکھا ہے ۔

بنیادی اصول کی وحدت کی وجہ سے اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مستقل دین ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی مضحکہ خیز ہے

جیسے کوئی شخص اربعہ متناسبہ اور کسور اعشاریہ کے قاعدوں کے متعلق یہ کہے کہ ان میں کوئی جدت نہیں ہے اور انکے موجدین نے کوئی کارنامہ نہیں انجام دیا، اس لیے کہ انکی بنیاد توجمع تفریق کے قاعدوں پر قائم ہے جو بالکل بدیہی ہیں اور جنکو ہر انسان جانتا ہے یا کوئی شخص حکیم اقلیدس کے فضل و کمال کی نفی اس بنا پر کرے کہ اس نے اقلیدس کی شکلوں میں جدت ہی کیا دکھائی ہے، اس لیے کہ اسکے اصول تو بالکل بدیہی اور عام طور پر معلوم ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسی اصول کی بنا پر دنیا کی کوئی ایجاد و اختراع، ایجاد و اختراع رہتی ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اسکی بنیاد آخر کار بدیہی اصول پر قائم ہوتی ہے۔

اگر تعصب کو ترک کرکے دیکھا جائے تو اسلام کی یہ جدت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ توحید کی تعلیم اسلام بھی دیتا ہے اور موجودہ مسیحیت بھی اسکی دعویدار ہے مگر مسیحیت تثلیث پرستی کو توحید کے منافی نہیں سمجھتی اور اسلام اسکو توحید کے منافی سمجھتا ہے۔ ایک بت پرست باوجود بت پرستی کے توحید کا دعویدار بنتا ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ بت پرستی اور توحید میں سراسر تناقض اور بعد المشرقین ہے۔ انہیں سے ظاہر ہے کہ اگرچہ اصولی اور بنیادی حیثیت سے اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) دیگر انبیاء کی تعلیمات سے بالکل مطابق ہے۔ مگر ادیان کے ان متبعین نے موجودہ زمانہ میں انکی تعلیمات کو اسقدر مسخ کر دیا ہے کہ اب اسلام اور ان ادیان میں بنیادی وحدت و یکرنگی بھی مفقود ہو گئی ہے اس لیے کہ اب انکے پاس اپنے انبیاء و کتب کی حقیقی تعلیمات بھی مفقود ہیں۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان ادیان کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کی ہے اس لیے کہ جن اصولی چیزوں کو خود مستحسن قرار دیتے ہیں، مذہب ہے خود انکا دامن خالی ہے۔ مثلاً وہ توحید کو مستحسن سمجھتے ہیں مگر توحید کی دولت سے محروم ہیں، وہ عدل کو بہتر سمجھتے ہیں مگر انکے یہاں عدل مفقود ہے، وہ عبادت کو اچھا کہتے ہیں مگر روح عبادت سے محروم ہیں۔ حقیقی توحید، حقیقی اصول اخلاق، حقیقی عبادت اور دوسری کل خوبیاں اور محاسن اب اسلام اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہیں اور کل ادیان عالم خواہ وہ عیسویت ہو یا یہودیت یا ثنویت یا اور کوئی مذہب ان خوبیوں سے یکسر خالی اور ان دولتوں سے قطعاً محروم ہیں۔ اس لیے اسلام ہی حق ہے اور بقیہ کل ادیان و مذاہب موجودہ صورت میں قطعاً باطل اور غیر الہامی ہیں۔ اگر ہمارے اس دعوے میں کسی کو شک ہو تو بسم اللہ اسی معیار پر مقابلہ کر لے۔ یعنی جو محاسن مسلمہ فریقین ہوں عقل و حکمت کی روشنی میں انکو تلاش کر لیا جائے کہ وہ کہاں موجود اور کہاں مفقود ہیں۔ ہمارا یہ چیلنج ہر غیر مسلم کو ہے لیکن اسکا خصوصی رخ جناب ڈاکٹر رنڈل صاحب کی طرف ہے۔ دیکھیں ڈاکٹر صاحب اس چیلنج کو قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ (باقی آئندہ)

ایک جوانمرگ مسلم

ثناء الدین ابوالحسن مرحوم

[مرحوم کو اخبار صدق سے بہت دلچسپی تھی۔ صدق وہ برابر پڑھتے تھے۔ اور شاید اسی وجہ سے مذہبیت کا رنگ اچھا خاصہ ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ جسکا اندازہ ان وصیتوں سے ہوتا ہے جو مرحوم نے تحریری چھوڑی ہیں۔ ایک مختصر خاکہ مرحوم کے حالات زندگی کے متعلق آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ "صدق" کو دلچسپی سے پڑھنے والے اور اسکے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے والے کے حالات اس اخبار میں جگہ پائیں گے فقط نیاز مند محمد سلیم قریشی آنریری جنرل سکریٹری مسلم کلب لکھنؤ"]

مرحوم کی ولادت ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۳ء بمقام قصبہ "سہالی" ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ ۴ سال تک ایک آنہ فنڈ اسلامیہ اسکول میں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ۵ سال تک عربی، فارسی اور انگریزی تعلیم کے بعد ۱۹۴۰ء میں بغرض حصول طب "تکمیل الطب کالج" میں داخل ہوئے۔ چوتھے سال میں تعلیم پا ہی رہے تھے کہ مرض "دق وسل" میں مبتلا ہو گئے۔ باوجود مختلف طریقۂ علاج کے جانبر نہ ہو سکے۔ انتقال سے ایک ہفتہ قبل پنجشنبہ کو دعا کی "یا اللہ کل بلا لیجیے بہت اشتیاق ہے" مگر مشیت کہ بجائے اس جمعہ کے دوسرے جمعہ کو انتقال کیا۔ تیسری شعبان ۱۳۶۳ھ کو ۱۰ بجکر ۵ منٹ پر اللہ اللہ کہتے ہوئے سورہ یٰسین کے ختم پر۔ ۲۱ ½ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے۔ بعد نماز جمعہ عیش باغ میں تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم کو مسلم کلب سے خاص دلچسپی تھی۔ شعبۂ ادبیات کے سکریٹری تھے۔ کلب کے جلسوں میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ حال کے میونسپل الکشن میں لیگ کے امیدواروں کی کامیابی کے لیے بڑے جوش و خروش سے کام کیا کہ یادگار چھوڑ گئے۔

شدت مرض میں ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ اکثر یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم پڑھتے سورۂ یٰسین ایک قاری صاحب سے سنتے اور روتے ——— مندرجہ ذیل تحریری وصیتیں چھوڑیں:—

"اللہم ارحم ابی و امی و علی اخوانی و اخواتی آمین یا کریم لا موجود الا اللہ لا شیٔ الا اللہ لا الہ الا اللہ

(۱) اگر وطن پہونچنا ناممکن ہو تو غسل و کفن دینے کے بعد مولانا محمد اسلم صاحب قبلہ سے نماز پڑھا کر لیجایا جائے۔ اگر وطن لیجانا ناممکن ہو تو پھر یہیں کسی بزرگ سے نماز پڑھا کر دفن کیا جائے۔

(۲) سیوم اور چالیسویں کی تقریب ہرگز نہ منائی جائے۔ (۳) ہجائے اسکے میرے مغفرت کے لیے دعا کی جائے (۴) قبر خواہ کچی ہو، ایک کتبہ لگا دیا جائے تو سبحان اللہ۔ کلمہ گو ہوں۔ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ اللہ تعالے خاتمہ بخیر کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ثناء الدین ابوالحسن

حکیم الامت:

نقوش و تاثرات

نمبر (۱۶)

(از عبدالماجد)

مدینہ منورہ ہر سال ہزاروں حاجی حاضر ہوتے رہتے ہیں، اور اپنے اپنے ظرف و بساط کے لائق وہاں کے انوار و برکات سے بہرہ مستفید ہو کر آتے ہیں۔ اپنی کم نصیبی، کہ جب اسی سال مارچ ۱۹۲۹ء میں قبل حج حاضری ہوئی، تو بجائے کسی ایجابی نفع اور فرحت و انبساط کے ایک سلبی کیفیت محسوس ہوئی۔ یعنی اپنے ڈھکے چھپے عیوب سب اپنے پر کھلنے لگے،۔۔

اور دل بے اختیار اپنے کو نفرین و ملامت کرنا چاہنے لگا، اور اپنی بے شمار ملکہ بدعملی قدم قدم پر محسوس و مشاہد ہونے لگی —— چھ مہینے بعد اسی کیفیت کا اعادہ تھانہ بھون کے قیام میں ہوا۔ معتقدین یہاں کے طرح طرح کے فضائل و عجائب بیان کرتے تھے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ مجھے یہاں کی ہوا میں خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ہوتی ہوگی۔ اپنا تجربہ سب سے مختلف، اپنی یافت سب سے الگ رہی۔ اپنے کو تو نہ انوار نظر آئے، نہ اسرار و عجائب کا انکشاف ہوا۔ ہفتوں کے طویل قیام میں بات ایک ہی ہاتھ آئی، چاہے جتنے مختلف عنوانوں سے بیان کیا جائے، اور وہ تھی اپنے نفس کی کدورت، اپنے اندر کی خباثت، کہ جسے خود دیکھیے اور آپ اپنے منہ پر ... بدت لهما سوآتهما وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة —— غالب نے جو بات بولی کہا تھا ؎

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے!

شاعری نہ تھی، اب جا کر کھلا کہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان آپ اپنی نظر میں چور ٹھہر جائے۔ اب تک نظر میں جو ہنر تھے، معلوم ہوا کہ وہ عیب ہیں، اور دوسروں کی جھولی میں جو کنکر اور پتھر دکھائی دے رہے تھے، اب ثابت ہوا کہ وہ عین لعل و گہر ہیں۔ تکلفات، رسوم، تصنعات کی ایک دنیا کی دنیا نظر سے رخصت ہوگئی، اور اپنی جگہ حقائق کے لیے خالی کر گئی۔

خیال یہ تھا کہ یہاں صوفیوں کے سے دھوم دھام ہونگے۔ مجذوبوں کے سے احکام جاری ہوتے ہونگے، کشف و کرامات کے چرچے اور تذکرے ہونگے۔ بازار خوابوں اور کیفیات کا ہوگا۔ اور سب سے زیادہ اہمیت و اہتمام کے ساتھ ذکر و شغل کے حلقے ہوتے ہونگے —— مولاناؒ کی تصانیف و مواعظ کے مطالعہ اور قبل کی مختصر صحبتوں اور ملاقاتوں نے اس خیال کو ذرا ضعیف ضرور کر دیا تھا، پھر بھی اچھی خاصی قوت اس میں باقی تھی۔ ایک طویل صحبت اور روزمرہ کی گفتگوؤں نے رفتہ رفتہ بتایا اور دل میں اتارا کہ اصل شے یہی احکام شریعت ہیں، یہی اتباع کتاب و سنت ہے۔ البتہ پورے اخلاص و تزکیۂ قلب کے ساتھ۔ اللہ کے حقوق بقدر امکان ادا کیجیے۔

فرائض میں حتی الامکان غفلت نہ کیجیے۔ اللہ کے بندوں سے ... طرح ملیے جلیے۔ باپ، بھائی، بیٹے، بیوی، شوہر، ماں، بہن، لڑکی، استاد، شاگرد، ملازم، آقا، پڑوسی، سب کے حق پہچانیے۔ بلا ضرورت دنیا کے جھگڑوں اور دوسروں کے قصے قضیے میں نہ پڑیے۔ بلاوجہ کسی کی ادنیٰ سی دل آزاری، دلشکنی نہ کیجیے۔ احتساب نفس کرتے رہیے، اپنی اصلاح کی فکر میں رہیے، طاعت ارادی کو جانے نہ دیجیے، غفلت غیر ارادی کی زیادہ پروا نہ کیجیے، بس یہی عطر تصوف ہے اور یہاں طریقت ہے۔ بیسیوں غیر ضروری مسائل جو تصوف میں گھس آئے ہیں، سب مجالس اشرفی کی برکت سے صاف ہوگئے —— ایک آدھ وہم بھی اسی دوران میں ہوا۔ اور خوب ہوا۔ لیکن جو علوم و معارف روزمرہ کی بے تکلف مجلسوں میں سننے میں آتے رہتے، ان کی بات ہی کچھ اور تھی۔ گہری سی گہری باتیں، دلچسپ رنگ میں۔ ادبی لطیفے، مزاحی چٹکلے، لفظی مناسبتوں کے مظاہرے اس پر مستزاد۔ بڑا ہی ظالم ایک مفتری تھا وہ جس نے مولاناؒ کو "خشک" مشہور کیا۔

ناقص قسم کے صوفیہ کی تعلیمات جو دماغ میں بسی ہوئی تھیں وہ تو تھیں ہی، اس سے بڑھ کر زہریلا مواد دل میں فقہ و فقہاء کے خلاف جمع تھا۔ اللہ بخشے مولانا شبلی مرحوم کو، اور بہت سی خوبیوں اور لیاقت کے آدمی تھے۔ لیکن اس خاص آگ کو انکی تصانیف اور پھر طویل صحبت نے اور بھڑکا دیا تھا، اور جی میں یہ بات جم گئی تھی کہ جیسے یہ پوری جماعت کی جماعت، احمقوں، کم فہموں، خشک مزاج لکیر کے فقیر کٹھ ملاؤں کا گروہ ہے —— یہ زنگ بھی مجالس اشرفی ہی سے دور ہوا۔ مولاناؒ ہی نے بار بار معقول، مدلل گفتگوئیں کر کے، کثرت سے مثالیں دے دے کر سمجھایا کہ شریعت کے نظام میں فقہ کا کتنا بلند مقام ہے، اور یہ فقہاء درحقیقت امت کے عقلاء اور ملت کے حکماء ہوئے ہیں۔ انھوں نے اگر کتاب و سنت کی روشنی میں، عقلی، منطقی، قاعدوں کے ماتحت، اور فطرت بشری کے روزانہ تجربوں کی مدد سے اگر اتنے جزئیات ہر شعبۂ زندگی سے متعلق نہ مرتب کر دیے ہوتے، تو آج ہم لوگ خدا معلوم کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے ہوتے، اور امت منتشر ہو کر کیسی کیسی گمراہیوں میں پڑ چکی! فقہاء و صوفیہ دونوں درحقیقت اسلام کی فوج کے دو بازو ہیں۔

وہ لشکر "بدنام کنندۂ نکو نامے چند" ہونے، تو وہ ظاہر ہے کہ کسی گروہ میں نہیں ہوتے، یا نہیں ہو سکتے۔ ویسے ہر گروہ کے ... ہی نمائندہ ...

قائم کرنا چاہیے [illegible] ہے:

بڑے گاؤں (ضلع بارہ بنکی) کے ایک بزرگ تھے شیخ حسن الرحمٰن قدوائی (گھر کا نام محسن میاں) بڑے متقی، محتاط، عالم و طبیب بھی تھے۔ مولانا کے شاگرد بھی زمانۂ قیام کانپور کے رہ چکے تھے۔ اور ایک زمانہ میں لکھنؤ کے شیخ وقت مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ سے بیعت بھی ہو چکے تھے۔ بڑی تمنا رکھتے تھے کہ اب تجدید بیعت مولانا کے ہاتھ پر کریں۔ گھر سے نکلنا اور اتنا بڑا سفر کرتے ہچکچا رہے تھے۔ میں نے ہمت دلائی کہ میرے زمانۂ قیام میں آ جائیے، اور مجھے بھی ساتھ لیے۔ آ گئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ شام کو بعد مغرب دیکھا کہ مولاناؒ اپنے ہاتھ پر شیخ سے بیعت کر رہے ہیں۔ نہ کوئی جرح نہ سوال و جواب ——— مولاناؒ نے اب بیعت لینا بہت کم کر دی تھی۔ جب کسی کو مرید کرتے بھی تو بڑی قیل و قال اور بہت سی شرطوں کے پورا کرانے کے بعد، انکے لیے یہ کوئی بھی صورت پیش نہ آئی۔ آتے ہی ارکھٹ سے مرید ہو گئے۔ اس لیے کہ صلاحیت پوری طرح موجود تھی۔ شیخ نے اول نظر میں بھانپ لیا۔ اور کسی مزید جرح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسروں کے مذاق فاسد کی بنا پر ضرورت رد و قدح کی ہوتی ہے ——— مولاناؒ قواعد و ضوابط کے محکوم نہ تھے۔ قاعدے اور ضابطے سب ضرورۃً اور سہولت کے لیے بنا لیے تھے، یہ نہ تھا کہ اپنے اور دوسروں کے ہاتھ باندھ دینے کے لیے خواہ مخواہ کچھ ضابطے عائد کر لیے ہوں۔ یہ واقعہ خاص اسی غرض سے درج کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ کو ایک گروہ ضابطہ پرستی میں بدنام کر چکا ہے۔ بدنامی تمامتر بیجا۔ ایسے لوگوں نے قریب سے مولانا کو دیکھا ہی نہیں۔

یاد ہوگا کہ جولائی [illegible] میں میری بیعت ضابطہ سے مولاناؒ ہی کے حسب مشورہ دوبارہ مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔ تفصیل سب اوپر گزر چکی ہے۔ تھانہ بھون کے قیام کو ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ مولانا کا مکتوب ذیل دیوبند سے موصول ہوا ہے:—

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ مورخہ ۱۶ اکتوبر باعث سرافرازی ہوا تھا۔ اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہونگے۔ خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات غیر متناہیہ کرے۔ آمین۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر محبان بادہ پیما را

مجھکو قوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقیہ میں صرف فرمائینگے، جنکے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بنا پر کرتا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر مکمل پر عمل نہ فرمائیں۔ میں نے حسب ارشاد حضرت مولانا دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے اصرار پر اسوقت بیعت کر لیا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بدحالی، روسیاہی، ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کناں ہوں، اور سخت شرمندہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہونچا دیا ہے، اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے خدا کے فضل و کرم سے اُنس اور تعلق پیدا ہو گیا ہے، وللہ الحمد۔ اللہم زد فزد۔ اب مناسب اور ضروری یہ ہے کہ آپ مولانا سے بیعت بھی کر لیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم اب آپ کو قبول فرما لینگے۔ میں نے خود ان دنوں جب حاضر ہوا تھا یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں تو جناب اُنکو ضرور بیعت کر لیں۔ قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کر لینا ہی زیادہ تر مفید اور کارآمد ہے۔ اور اسی کی بنا پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔

مجھ روسیاہ کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرما لیا کریں۔ نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کر دیا کریں۔ . .

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند، ۲۳ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ

مکتوب آپ نے (کاتب کی اجازت کے بغیر) پڑھ لیا، تو وہ لفظ مکتوب الیہ کی زبان سے کاتب سے متعلق بھی سنتے چلیے، اور جس کے لیے ذرا صبر و انتظار سے کام لیجیے کہ اس ارشاد کی تعمیل ہوئی یا نہیں، اور حکیم الامت نے اس سے کیا اثر لیا۔

مولانا سے دیوبندی کے سیاسی خیالات جو کچھ بھی ہوں اور اجتہادی غلطیاں تو صحابہ کرام تک سے ہوئیں اور بارہا ہوئی ہیں، بلکہ مذہب اہل سنت کا دار و مدار ہی ایک بڑی حد تک غیر نبی کے غیر معصوم ہونے پر ہے۔ لیکن اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ جہاں تک تواضع، ضبط نفس، ایثار، رواداری اور جذبۂ خدمت خلق کا تعلق ہے، مولانا حسین احمد مدظلہ کی ذات اپنی جگہ بے نظیر ہے، ہاں خود انکے استاد شیخ الہندؒ کی نظیر ہو تو ہو، یا پھر انہیں کے بڑے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی مہاجر مدنیؒ تھے ——— قوم جیسے افراط و تفریط کے مرض میں مبتلا ہے۔ کسی سے خوش ہوئے تو اُسے پوجنے لگے، خفا ہوئے تو گالیاں دینے لگے۔ گویا انکا لیڈر فرشتہ ہو، اور اگر فرشتہ نہیں ہے تو پھر شیطان کے ادھر کوئی درجہ نہیں! توازن و اعتدال کا گویا قحط پڑ گیا ہے۔ اور اشخاص و رجال کو اُنکے صحیح مقام پر رکھنا ہم لوگ بھول ہی گئے ہیں۔ شیعیت و خارجیت دونوں اسی بے اعتدالی کی پیداوار ہیں اور اہل سنت کا مذہب جو بین بین اور سارے پہلوؤں کے درمیان ایک حکیمانہ توازن کے ساتھ قائم ہوا تھا، افسوس ہے کہ وہ خود اب اسی بدبختی کا شکار ہوا جا رہا ہے!

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے [illegible] پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ سے شائع کیا)

تنزل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(از مولانا حکیم محمد اسحاق سندیلوی اُستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نمبر (۲)

باب اول

باب اول میں ڈاکٹر صاحب نے تمہید کے طور پر ان اصول کا تذکرہ فرمایا ہے جنکی بنا پر اُنھوں نے بحث فرمائی ہے اُن اصول کے قائم کرنے میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ موصوف نے یہ بات صحیح کہی ہے کہ قرآن مجید کو اسلام میں اولیت کا درجہ حاصل ہے اور حدیث کو ثانویت کا۔ لیکن اس اولیت و ثانویت کا پورا مفہوم ڈاکٹر صاحب نہیں سمجھ سکے۔ اسی لیے موصوف نے اپنے نزدیک ایک بہت صحیح اصول یہ پیش نظر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی رسوم سے بحث کرتے ہوئے ہمارا دستور العمل یہ رہے گا کہ ہم کسی ایسی تعلیم یا رسم سے بحث نہ کریں گے جسکی بابت ظاہراً یا منشاً قرآن کا کوئی حکم موجود نہ ہو یا جسکا ذکر مستند احادیث میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے کئی غلطیاں کی ہیں۔

اول عقائد کا ماخذ قرآن مجید ہے یا احادیث متواترہ ہر مستند حدیث عقیدہ کا ماخذ نہیں ہو سکتی۔ محض عمل کا ماخذ ہو سکتی ہے۔

دوم۔ اسلام کی کوئی تعلیم رسمی حیثیت نہیں رکھتی ہے اس لیے یہ لفظ بالکل بے معنی اور غلطی پیدا کرنے والا ہے۔

سوم۔ قرآن مجید کے متعلق منشاً کا لفظ مبہم ہے۔ موصوف کے نزدیک اسکے کیا معنی ہیں۔ جب تک اس معنوی استنباط کا مفہوم متعین نہ ہو اسکا درجہ متعین نہیں ہو سکتا ہے۔

چہارم۔ لفظ مستند احادیث بالکل مبہم ہے۔ جب تک اسکا مفہوم متعین نہ ہو اُس وقت تک ماخذ ہونیکا درجہ متعین نہیں ہو سکتا

اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے مفسرین اور فقہا کے اقوال کو بھی اہم کہا ہے مگر نہیں ابہام کے ساتھ۔ انکو واضح کرنا چاہیے تھا کہ انکی اہمیت کس درجہ کی ہے۔ اور آپ ان سے کس درجہ میں استناد کرنا چاہتے ہیں۔ اصول میں یا فروع میں عقائد میں یا اعمال میں دعلیٰ ہذا۔

دراصل اس ابہام و اجمال سے ڈاکٹر صاحب کا مقصود اسلام سے اپنی ناواقفیت کو چھپانا ہے لیکن ؎

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

ڈاکٹر صاحب کی ناواقفیت و لاعلمی قدم قدم پر ظاہر ہو رہی ہے۔

وہ اپنی کوشش تنزل میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ اس باب میں اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بحث کا آغاز نہیں کیا ہے بلکہ محض تمہید کے طور پر اپنے اصول بحث متعین کیے ہیں اس لیے درحقیقت اس باب کا جواب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ اتنا کافی ہے کہ اگر اصول بحث غلط قائم کیے گئے ہوں تو انکی غلطی واضح کر دی جائے چنانچہ اس غلطی کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو کم از کم اس باب میں غلط بیانیوں اور طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ یہ باب بحث کے لیے نہیں ہے بلکہ اصول بحث متعین کرنے کے لیے ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے بتقاضائے طبیعت اس باب میں بھی بالکل بے محل طعن و تشنیع اور جھوٹے دعاوے کا ایک مجموعہ پیش کر دیا ہے اس لیے ہم بھی ان غلط بیانیوں کے متعلق سلسلہ وار مختصراً کچھ عرض کرتے ہیں۔

(۱) احادیث کے متعلق ارشاد ہے کہ "یورپین نقطۂ نظر سے انکی صحت بہت مشتبہ ہے" اسکی دلیل کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب یورپ کیا چیز ہے اور اُسکا نقطۂ نظر کیا ہے۔ یورپ کے (بقول خود) "مہذب حیوانات" کے اقوال ہمارے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی قدر نہیں رکھتے۔ خصوصاً جب ہم احادیث کی صحت کے لیے شہادتوں کا ایسا ذخیرہ رکھتے ہیں جسکا پتہ آپ کے ہم مذہب، سارے یورپ اور سارے عالم کو نہیں ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کی توراۃ و انجیل کی صحت کس نقطۂ نظر سے ثابت ہے؟

(۲) قرآنی سورتوں کی ترتیب کو بھی آپ نے بے اصول فرمایا ہے، جواب میں عرض ہے کہ ؎

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

اسی دعوے بے دلیل کو عربی کا معمولی طالب علم خاک میں ملا سکتا ہے بشرطیکہ آپ اس سے استفادہ گوارا کریں۔

(۳) فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعض مقامات اس قدر مبہم ہیں کہ بغیر حدیث کے انکا سمجھنا دشوار ہے۔ گذارش ہے کہ حضرت آپ کا ادعائے بلا حجت سر آنکھوں پر بشرطیکہ آپ قرآن مجید میں ایک مقام بھی اس طرح کا دکھا دیں یہ مثال میں تو آپ نے ستم ہی ڈھایا ہے۔ ق سے مراد کوہ قاف کس مستند حدیث میں آیا ہے؟ براہ کرم اسکی عبارت نقل فرمائیے یا کم از کم مفصل حوالہ ہی دیجیے۔ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حروف مقطعات کے متعلق جمہور اہل اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انکے معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ انکا بیان نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں۔

آیت اسرا میں کیا ابہام ہے جسکو حدیث نے رفع کر دیا اور جسکی وجہ اسکا سمجھنا بقول آپ کے مشکل تھا؟ واقعہ صرف یہ ہے کہ ایک واقعہ کے کچھ اجزا کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور بقیہ اجزاء کو حدیث میں مکمل مفصلاً واقعہ فرما دیا

نیا بیان ہوا ہے وہ اپنی جگہ پر بالکل واضح ہے - اسکے سمجھنے کیلیے کسی روایت کو ماننے کی حاجت نہیں ہے

(۴) قرآن مجید کی بعض آیتوں اور سورتوں کے متعلق آپ نے ضائع ہونے کا دعوے کیا ہے، لیکن دلیل و ثبوت حسب عادت کچھ بھی نہیں صرف یہ ارشاد ہوتا ہے "کہا جاتا ہے" - حضرت اکن کہنے والے اور کہاں سے لیا؟ آپ نے کہاں دیکھا؟ ذرا واضح تو فرمائیے ہمارا تو دعوے ہے کہ قرآن کا ایک شوشہ بھی ضایع نہیں ہوا - اور ہم اسکے دلائل رکھتے ہیں - اگر تم کو اپنے دعوے پر اصرار ہے تو "ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین"

(۵) تاریخ قرآن بیان کرتے ہوے موصوف نے ایسی ایسی غلطیاں کی ہیں جو ایک معمولی طالب علم بھی نہیں کرسکتا ہے - ان میں سے بعض تو موصوف کی ناواقفیت اور کم علمی کو ظاہر کرتی ہیں اور بعض تعصب اور تنگ نظری کو - تفصیل فضول معلوم ہوتی ہے اس لیے نمونہ کے طور پر چند باتیں پیش کی جاتی ہیں - بمصداق قیاس کن ز گلستان من بہار مرا، بقیہ کو بھی انھیں پر قیاس کرلینا چاہیے -

(الف) ایک جگہ جمع قرآن کو کمی بیشی سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے اسی کتاب میں اور اسکے دوسرے ہم مذہبوں نے اس امر کو تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن مجید میں کمی بیشی نہیں ہوئی - پھر ان الفاظ کا استعمال محض دلآزاری، فریب دہی اور انتہائی تعصب و تنگ نظری نہیں ہے تو اور کیا ہے -

(ب) خلق قرآن کی بحث سے موصوف یہ سمجھے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی بحث تھی - حالانکہ ان دونوں بحثوں میں بہت فرق ہے جسکو ایک معمولی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے ڈاکٹر صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اسلام میں جو شخص قرآن مجید کے الفاظ و معانی دونوں کو منزل من اللہ نہ سمجھے وہ باتفاق اہل اسلام کافر اور خارج از اسلام ہے -

(ج) ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف قرأت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تغیر اور تبدل ضرور ہوا - لیکن حدیث کے الفاظ کیا ہیں اور ان سے نتیجہ کس طرح نکلتا ہے اسکے متعلق ڈاکٹر صاحب خاموش ہیں - بغیر ثبوت کے یہ الزام لگا دینا محض دلآزاری نہیں تو اور کیا ہے - اسی طرح اسی باب میں ایک جگہ اور ڈاکٹر صاحب نے اختلاف قرأت کو غلطیوں کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے - جو محض تعصب اور بہتان عظیم ہے -

(د) ایک جگہ ضمناً یہ دعوے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعواے رسالت کے خلاف ہیں - لیکن حسب دستور ثبوت و دلیل سے گریز فرمایا ہے اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب خوب جانتے ہیں کہ وہ اور انکے اولین و آخرین مل کر بھی اسکا ثبوت قیامت تک نہیں پیش کرسکتے - بلکہ ڈاکٹر صاحب کے اپنے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں - اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنے قول پر اعتماد ہے تو بسم اللہ وہ اپنے قول کے ثبوت میں کوئی قرآنی آیت پیش کریں -

نمونہ کے طور پر چند چیزیں پیش کردی گئیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں دانستہ اور نادانستہ کس قدر غلطیاں کی ہیں اور کیسے پُرفریب اور خلاف اصول طریقوں کو اختیار کرکے ناواقفوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے - علاوہ بریں آپ کے مبلغ علم پر بھی مزید روشنی پڑتی ہے - ڈاکٹر صاحب کے بقیہ خرافات کو بھی اسی پر قیاس کرلیا جائے -

باب دوم

اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عقائد و رسوم عرب جاہلیت سے حاصل کیے تھے - اس کی پہلی دلیل ڈاکٹر صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ لفظ اللہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں رائج تھا - اور وہ لوگ اللہ کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے - اس لیے توحید کا عقیدہ ان میں پایا جاتا تھا - اسی کی فضول تفصیل میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سا کاغذ صرف فرمایا ہے - حالانکہ اسکی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ اسکا انکار کس کو ہے کہ "اللہ" کا لفظ اہل عرب میں بعثت محمد یہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ سے پہلے بھی رائج تھا - بلکہ ہم تو اس سے ترقی کرکے کہتے ہیں کہ "اللہ" کا لفظ عربی زبان میں اُس وقت سے پایا جاتا ہے جب سے عربی زبان کا وجود ہوا ہے - ہم کو اس چیز کے تسلیم کرنے میں بھی پس و پیش نہیں ہے کہ اہل عرب اسلام سے پہلے "اللہ تعالیٰ" کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے - لیکن کیا اس سے انکا موحد ہونا ثابت ہوگیا؟ کیا توحید اسی چیز کا نام ہے؟ ڈاکٹر صاحب اُنکے موحد ہونے کے مدعی ہیں، لیکن آگے چل کر اپنے دعوے کی خود ہی تردید بھی فرما دیتے ہیں - ص۱۳ پر ارشاد فرماتے ہیں "اور مختلف قبائل جو اپنے ادنیٰ درجہ کے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے کہ یہ بُت اللہ کی درگاہ میں شفیع ہونگے" آگے فرماتے ہیں "اگر ہم اُس زمانہ کی شاعری سے اندازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ کے عرب چنداں پابند مذہب یا دیندار نہ تھے - اور زیادہ تر انھیں کم درجہ معبودوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے"

ڈاکٹر صاحب کی مسیحی توحید اس بت پرستی کے منافی ہو یا نہ ہو لیکن ہماری توحید تو اس بت پرستی کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہوسکتی اسلیے کہ اہل عرب کی اس بت پرستی کا اقرار اور اسکے بعد انکو موحد کہنا اجتماع نقیضین ہے جسکی توقع صرف مسیحی سیلفوں ہی سے کی جاسکتی ہے - ڈاکٹر صاحب اپنی دلیل کی کمزوری سے واقف ہیں، اس لیے اُنھوں نے ایک دوسرا پہلو بدلا اور فرمایا "مگر یہ عقیدہ (توحید کا عقیدہ) عربوں کے لیے کوئی نیا عقیدہ نہ تھا اور وہ کم از کم نظری طور پر ضرور اس عقیدہ کے قائل تھے"

ہماری گزارش یہ ہے کہ اہل عرب نہیں بلکہ دنیا کا ہر انسان فطری طور پر توحید کا عقیدہ اپنے دل میں رکھتا ہے اور ہمیشہ سے رکھتا ہے

بیان ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی فطرۃً موحد ہیں گرباوجود اسکے شرک میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ فطرت تفصیلی رہنمائی سے قاصر ہے اور انسان یا تو غلطی سے یا ماحول کے اثر سے اپنی فطرت کو مسخ بھی کر لیتا ہے۔ اس لیے محض وہ رجحان اور ایک توحید شکست و فلاح کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اسکے لیے اُس تفصیلی توحید کی ضرورت ہے جسکی تعلیم اسلام نے دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو اسلامی توحید کی مطلقاً خبر نہیں ہے ورنہ انکو اس دعوے کی جسارت نہ ہوتی۔ اسلامی توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں ہر طرح سے یکتا و یگانہ سمجھنا اور ہر غیر اللہ سے اسکی ذات و صفات کی نفی کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک صفت میں بھی کسی کو اُسکے شامل سمجھنا اسلام کے نزدیک شرک ہے۔ اب اہل انصاف خود فیصلہ کر لیں کہ خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق اہل عرب مشرک تھے یا نہیں اور اسلامی توحید کا عقیدہ اُنکے لیے نیا تھا یا نہیں؟

ڈاکٹر صاحب کے استدلال کی حقیقت تو معلوم ہو چکی۔ اب ضمناً کے طور پر "الغرانیق العلیٰ" والی بے اصل روایت کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا جسکو ڈاکٹر صاحب زور بیان میں ذکر فرما گئے ہیں۔ حالانکہ شاید ڈاکٹر صاحب کو اس روایت کے بے اصل اور غلط ہونے کا خود بھی علم ہے اس لیے آپ نے کسی مستند کتاب کا حوالہ دینے سے گریز فرمایا ہے۔ لیکن بحث کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس روایت کو نقل کرنے سے خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ اگر اس مہمل قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی تعلیم دی تھی اس میں اہل عرب کے عقیدۂ شفاعتِ اصنام کی کوئی گنجایش نہ تھی اس لیے وہ اہل عرب کے لیے نئی چیز تھی۔

ڈاکٹر صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عرب جاہلیت کے بہت سے رسوم کو باقی رکھا۔ مثلاً حج و نکاح، ختنہ وغیرہ وغیرہ کے بہت سے رسوم و رواجات بدستور باقی رکھے گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس دلیل سے اُنکا دعوےٰ ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اسکو ارباب انصاف خود سمجھ سکتے ہیں۔ محض بعض چیزوں میں اشتراک سے یہ استدلال کرنا کہ اسلامی مسائل انہیں مراسم سے ماخوذ ہیں ایک ایسا دعوےٰ ہے جسکو کوئی سنجیدہ ذہن تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب یہ اشتراک تشابہ بھی محض صوری اور ظاہری ہو اور دونوں کی روح و حقیقت میں بُعد المشرقین ہو۔ بیشک حج کے طریقہ میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن پر عرب جاہلی بھی عامل تھے اور اسلام نے بھی انکو باقی رکھا۔ مگر نیت و مقصد نیز روح و حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی نسبت موضوع ہی نہیں ہے۔ مثلاً طواف خانہ کعبہ اسلام سے پہلے بھی ہوتا تھا لیکن اسکا مقصد نفس کعبہ اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کی تعظیم کرنا ہوتا تھا۔ اسلام نے بھی طواف کی تعلیم دی مگر اسکا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکے ساتھ اظہار تعظیم اسوۂ حسنہ کو قرار دیا نہ کہ کعبہ کی دیواروں کی تعظیم کو۔ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینے کا مقصد ہرگز خود اسکی تعظیم و پرستش نہیں ہے بلکہ اسکا مقصد محض ایک نبی سابق کا رنامہ کی یادتازہ کرنا اور انکے آثار کی عظمت کا اظہار ہے[عـه]۔ علیٰ ہذا القیاس جسقدر امور میں عرب جاہلیت اور اسلامی تعلیمات میں تشابہ اور تماثل ملتا ہے[عـه]۔ ان میں یہ چیز بھی مشترک ہے کہ عرب جاہلیت میں اُنکی روح دوسری تھی اور اسلام نے ان میں دوسری روح پیدا کر دی ہے۔ عام طور پر اس قسم کے سارے مراسم عرب جاہلیت میں محض رسمی حیثیت رکھتے تھے نہ کہ دینی، اور اسلام نے ان میں دین کی متحرک روح داخل کرکے انکو بالکل تبدیل کر دیا۔ ان امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی دونوں کو ایک کہنا سراسر تعصب اور تنگ نظری ہے۔

(باقی آیندہ)

عـه ڈاکٹر صاحب نے حجر اسود کی سیاہی کے متعلق جو روایت تحریر فرمائی ہے موصوف کو اسکے متعلق کسی مستند کتاب کا حوالہ دینا چاہیے ورنہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

عـه ان امور کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ہم اسکو کل اسلامی تعلیمات کا ہزارواں حصہ بھی نہیں کہہ سکتے۔

ایک غلط بیانی کی تردید

(از مولوی محمد عبد اللہ سیالکوٹی صاحب)

لاہور ۲۰ ستمبر۔ لاہور اور امرتسر کے جلسوں میں مولوی ظفر علی خاں نے قائد اعظم محمد علی جناح کے خلاف یہ الزام لگایا ہے کہ اُنھوں نے سول میرج ایکٹ کے ماتحت ایک پارسی لڑکی سر ڈنشا پٹیٹ کی لڑکی رتن بائی سے شادی کی تھی اور عدالت میں حلف اُٹھایا تھا کہ وہ کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے"۔ حقیقت یہ ہے کہ سر ڈنشا پٹیٹ کی لڑکی رتن بائی جسکے ساتھ مسٹر جناح کا نکاح ہوا تھا، پہلے ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کر چکی تھی اور اس نے رحمۃ للعالمین کی صاحبزادی خاتون جنت سیدہ پاک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت سے اپنے لیے غلام فاطمہ کا نام پسند کیا تھا۔ آپ دونوں کے مطابق نکاح خوانی کی رسم رجسٹرار کی عدالت میں نہیں بلکہ بمبئی کی جامع مسجد میں شرفائے اکابر کے بھرے مجمع میں عین شریعت اسلامی کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ اور ناکح مسجد مذکور کے خطیب تھے۔ جو اصحاب اس تقریب میں شامل تھے اُن میں سے بہت سے اب تک بقید حیات ہیں"۔

ان حالات میں کسی ایسے حلف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ مولوی صاحب اپنے "مواعظ حسنہ" میں بار بار فرماتے ہیں۔ (انقلاب)

لیگی اور غیر لیگی

ہر پارٹی، ہر مسلک کے مسلمانوں سے دردمندانہ عرض

الکشن کی تاریخیں آگئیں اور قریب ہے کہ وہ طوفان خیز ہنگامے شروع ہو جائیں جن سے کسی کلمہ گو کی بھی عزت محفوظ نہ رہ جائے۔ بلکہ عجب نہیں کہ مال سے گزر کر نوبت جانوں تک کی آ جائے!

ووٹ اپنی عقل، بصیرت و ضمیر کے مطابق جسے چاہیے دیجیے، لیکن

اپنی شرافت اور متانت بہر حال قائم رکھیے۔

نہ گالی دیجیے، نہ گالی کھائیے۔

ہر کلمہ گو کی عزت کو اپنی عزت سمجھیے۔

آخرت کی بازپرس کو یاد رکھیے۔

اشخاص و رجال کو ہرگز زیر بحث نہ لائیے

بحث و گفتگو صرف مسلک اور پالیسی پر کیجیے۔

آپ کا خادم، عبد الماجد مدیر صدق - لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
اشاعت کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - ۱۴۲ گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار
بیرون ہند سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۳ ار
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

نمبر ۴۲ | سہ شنبہ - ۲ - ذیقعدہ الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

آپ سے ملاقات کیجیے، آپ شہر ہی کے نہیں، صوبہ کے نامور ایڈوکیٹ ہیں - خان بہادر ہیں - کونسلوں اور کمیٹیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے منتخب ہوتے رہتے ہیں - بڑے ہمدرد قوم مشہور ہیں - ہر قومی تحریک میں پیش پیش رہتے ہیں۔ چندہ بھی دیتے اور دلواتے رہتے ہیں۔ کسی انجمن کے صدر ہیں۔ کسی مجلس کے نائب صدر۔ اودھ کے ایک مشہور تعلقہ کے مقدمہ کی پیروی میں آج کل مصروف ہیں - بہن نے تعلقہ دار صاحب پر اپنے حصۂ شرعی کا دعویٰ دائر کردیا ہے - خان بہادر صاحب تعلقہ دار صاحب کی طرف سے وکیل ہیں -- آپ نے جواب دعویٰ یہ تیار کر رکھا ہے کہ اول تو تعلقہ میں حصۂ شرعی کے کیا معنی؟ یہاں تو قاعدہ اسٹیٹ پر عمل ہوگا، جس میں تقسیم کا کوئی دفعہ ہی نہیں، نہ بھائی کے لیے نہ بہن کے لیے - مسلم علاقہ فرزند اکبر ہی کو ملیگا۔ اور پھر یہ بہن کا دعویٰ کیسا؟ خاندان کے مورث اعلیٰ تو مدت ہوئی اولاد دختری کو جائداد کے ہر جزو سے محروم کرچکے ہیں - یہ پشتوں کے بعد اٹھا دعویٰ کیسا؟

وکیل صاحب اپنی ساری قانونی قابلیت اور اللہ کی بخشی ہوئی ذہنی قوت صرف کرکے کھلی عدالت میں ثابت کردینگے کہ اللہ کا قانون ہم جانتے نہیں، محرومی کا لایا ہوا قانون ہم مانتے ہیں، وہ

غریب ... ... کے لیے ہوگا - ہم تو تعلقہ داری ایکٹ کو مانتے ہیں اور گاؤں کے چوپاری کی رسوم و رواج کو جانتے ہیں! قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے، کہا کرے، اس میں جتنی تصریحیں ہیں، تاکیدیں ہیں، وعیدیں ہیں، ہوا کریں - ہم تو اپنے خاندانی ... اپنے ہرگز کسی دوسرے قاعدے قانون کو نہیں پہچانتے! ———— مسلمان وکیل صاحب مسلمانوں کے نمائندہ، مسلمانوں کے لیڈر، مسلمانوں کے ہمدرد و غمخوار وکیل صاحب یہ سب کچھ مسلمان ہی گواہوں کی مدد سے ثابت کرکے رکھدینگے - اپنے اس کارنامے کے معاوضہ میں ہزاروں کی فیس وصول فرمائیں گے! اور پھر بھی مسلمانوں کے مسلمان باقی رہینگے! ———— عجب نہیں کہ اسی آمدنی سے حج بھی کر آئیں ———— برادری والے، کنبہ والے، محلہ والے، بستی والے، سب کے سب مسلمان آپ سے اسی طرح بدستور ملتے جلتے رہیں گے، نہ کوئی صاحب سلام ترک کریگا، نہ کوئی کھانے پینے، شادی اور موت میں ان سے احتیاط و پرہیز کریگا، اور انکی مرجعیت و مقبولیت میں کسی فرق کا شائبہ بھی نہ آنے پائے گا!

صحیح اعتراض

آندھرا دیش (تلنگانہ) کے ایک فاضل مہندر ... سبرامنیا شاستری کے قلم سے:-

"آندھرا دیش کی آبادی تقریباً ۳ کروڑ ہے، جس میں ۲۰ لاکھ سے زائد مسلمان ہیں - یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے تلنگانہ پر ۵۰۰ سال تک حکومت کی، لیکن تلنگی زبان میں انکے مذہب سے متعلق کوئی کتاب نہیں لکھی گئی - اسکے برعکس عیسائیوں کی

ذالک الذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلیس، گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی عہ ر
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ٢ ر

نمبر ۴۴ | یوم سہ شنبہ - ۹ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

مسیحیوں کی تعداد آج اکیلے شہر کلکتہ میں ہزاروں کی ہے، اور سارے ہندوستان میں تو انکی آبادی کا ذکر ہی نہیں - ڈیڑھ سو سال قبل تو سرزمین کلکتہ پر شاید چند عیسائی بھی نہ تھے - پھر آخر اتنی مدت میں اتنے ایک کہاں سے نکل پڑے، یا برس پڑے؟ —— نہ آسمان سے برسے ہیں، نہ کسی غار سے اُبل پڑے ہیں، نہ زمین کے نیچے سے اُگے ہیں - بنانے سے بنے ہیں - انسانی کوشش اور تدبیر، مشنریوں کی سعی وتبلیغ کے کامیاب عملی نمونے اور نتیجے ہیں. ——

آج تک ہیں انکے صدہا گرجے ہیں، سیکڑوں اسکول اور کالج ہیں، شفاخانے ہیں، محتاج خانے ہیں، کئی کئی اخبار اور رسالے ہیں - ۱۷۹۹ء میں انھیں کوئی جانتا بھی نہ تھا - لندن مشنری سوسائٹی کے نام سے ایک مسیحی انجمن اُسی سال کے ستمبر میں قائم ہوئی - بعد کو اور بیسیوں مشن ہندوستان میں قائم ہوئے، تقریباً سب کی نقل اول یہی ہے - ہر پچاس سال کے بعد اپنی جوبلی مناتی رہتی ہے - ابھی ستمبر میں اپنی تیسری جوبلی کلکتہ میں دھوم دھام سے منائی، کلکتہ ہی اسکا اصلی مرکز ومستقر رہا ہے.

"اُس جزیرہ میں [illegible] اگرچہ سانپ اور کنکھجورے ہیں"
"اگر [illegible] سیاح نے آکر ایک مسیحی مشنری کو آکر چوٹ دی.
"خیر انھیں ہونے دو - یہ بتاؤ کہ یہاں کچھ انسان بھی ہیں؟"
"ہاں ہیں، کم ہیں [illegible] لیکن سب کے سب [illegible] وحشی [illegible]"

ہیں کر چلئے درمیان قدم رکھنے کا تو خیال بھی نہ کیجیے
"بس معلوم ہو گیا، اتنی اطلاع کافی ہے - انسان جہاں کہیں بھی آباد ہیں مشنری کا وہاں پہونچنا ضروری ہے"

یہ خلاصہ ہے اُس گفتگو کا جو ایک سیاح اور لندن مشنری سوسائٹی کے درمیان ۱۸۴۰ء میں جزیرہ نیوگنی کے جنوبی ساحل پر ہوئی - سوسائٹی مذکورہ اسکے ۴۰ سال قبل ہی قائم ہو چکی تھی، اور اس سال اپنی تیسری جوبلی منائی ہے - —— مسلمان آج ان روایتوں کو قصہ کہانی کی طرح سُن رہے ہیں - صحابہ کرام کے زمانہ میں، اشاعت اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور تیز رفتاری کا راز بجز انکے اسی بے پناہ جوش تبلیغ کے اور کیا تھا؟ —— جو چیز خاص الخاص اپنی تھی دیکھتے دیکھتے وہ کیسی پرائی اور اپنے سے بیگانہ ہو گئی!

بیجا مطالبہ "لکھنؤ سنی الکشن بورڈ نے مولوی حاجی ظفرالملک صاحب کے زیر صدارت جلسہ کرکے فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ مرکزی اور صوبہ دار قانون ساز مجلسوں کے انتخاب میں کسی شیعہ کو ووٹ نہ دیا جائیگا، بلکہ ہر شیعہ امیدوار کی مخالفت کی جائیگی، اور اسی طرح اُس سنی امیدوار کی بھی، جو مدح صحابہ کے حق کیلیے شیعوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوگا" (خبر)

خبر اگر صحیح ہے تو مسرت انگیز نہیں، افسوسناک ہے - مدح صحابہ کا مسئلہ یقیناً ایک اہم مسئلہ ہے، لیکن اسی نوعیت اور درجہ کے اہم مسائل اور بھی بہت سے ہیں - اگر انھیں مسائل کو بینی بیکر توحید ورسالت کے کسی دوسرے مسئلہ کو بنائے تفریق بنا لیا گیا، تو ایک بے پناہ اور غیر منقطع سلسلہ ذخائر امت محمدی کے اندر شروع ہو جائیگا

اور یہ خانہ جنگی کسی فریق کو بھی ایک لمحہ چین سے نہ بیٹھنے دیگی ——
کیا جناب حاجی صاحب اُس دن کو دور سمجھ رہے ہیں، جب یہ حربہ خود ان پر اور اُنکی پارٹی پر اُلٹ پڑیگا، اور آج جو "بدعت" "رفض" کے خلاف مشتعل کیے جا رہے ہیں، کل وہی "وہابیت" کے خلاف بھی اسی آسانی کے ساتھ بھڑکا دیے جا سکینگے، اور "امکان کذب باری" اور "خلق قرآن" اور "رسول کا علم غیب" اور "عرس و زیارت مزارات" اور "قیام میلاد" اور "عدم تقلید" اور خدا معلوم کتنے دبے دبائے فتنے از سر نو کھل پڑینگے؟
—— فرقہ وارانہ سوال کی رعایت تو ہمیشہ سنت فاروقی ہے، اور موجودہ احوال میں یہ "الکفشنی" نعرہ بلند کرنا تو اہل سنت کے ساتھ دوستی و ہوا خواہی نہیں، دشمنی اور بدخواہی ہے۔

تحریک خلافت کے وقت ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں بڑے غور و فکر کے بعد یہ طے ہوا تھا، کہ کفر کے مقابلہ کے وقت لفظ سواد اعظم، یعنے اقرار توحید و رسالت کو تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بطور قدر مشترک کے رکھنا چاہیے۔ اور اس سے زیادہ کسی چیز کا مطالبہ وقت کی فضا میں ہرگز موزوں و مناسب نہیں۔ یہ فیصلہ جس طرح ۲۰ء میں صحیح تھا، آج بھی صحیح ہے۔ اور اسی فیصلہ کا نتیجہ تھا کہ تحریک خلافت جیسے مخصوص اہل سنت کے مسئلہ میں شیعہ برابر شریک رہے۔ بہار کے سید خورشید حسنین، پنجاب اور بمبئی کے آغا محمد صفدر اور یوپی کے سید حسین وغیرہ کارکنوں کی صف اول میں تھے۔

ایک صحیح طرز عمل

لکھنؤ سنی مسلم لیگ کے ایک کارکن لکھتے ہیں :-

"آپ اگرچہ مسلم لیگ کے ممبر نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کی ہمدردی اسکے ساتھ شامل ہے۔ اور ایک اسی پر کیا موقوف ہے، آپ کی ہمدردیاں ہر اسلامی نام کی انجمن و مجلس کے ساتھ رہتی ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے لکھتا ہوں کہ ۸ اکتوبر کی شام کو لکھنؤ میں ہمارے مخالف کیمپ والوں نے اپنا ایک جلسہ امین الدولہ پارک میں کیا۔ بڑے بڑے مولوی صاحبان رونق بزم تھے۔ اور اُنکے ہاں کے دوسرے لیڈر اور وہ کل لوگ جو کسی وجہ سے بھی مسلم لیگ سے خفا ہیں۔ مجمع میں اکثریت ہماری ہی تھی۔ لیکن ہم نے اس فریق کو پوری طرح بولنے اور تقریریں کرنے کا موقع دیا۔ کہیں اُنکی تقریروں کے درمیان مزاحم نہیں ہوئے۔ لیکن ادھر اُنکی تقریروں کا ختم ہونا تھا، اُدھر ہم لوگوں نے "مسلم لیگ زندہ باد، پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کردیے، مجمع چونکہ زیادہ تر ہمارا ہی تھا، ہماری آواز غالب رہی، اور مخالفین کو پورا اندازہ ہوگیا کہ مسلمانوں کی رائے عامہ کس کے ساتھ ہے"۔

یہ اطلاع واقعی بہت غنیمت ہے۔ اگر ہر فریق اپنے جذبات پر قابو رکھکر، سنجیدگی کے ساتھ، اسی طریقہ پر اپنا مافی الضمیر ظاہر کردیا کرے تو اب تک مزید تفریق، تلخی و بدمزگی کی نوبت ہی کیوں آئے — اور فضیحتوں، رسوائیوں، فوجداریوں اور بلووں کا موقع ہی کیوں آنے لگے ...... جذبات کیسے ہی شدید ہوں، بہرحال انھیں عقل و ہوش و عاقبت اندیشی کے ماتحت رکھ کر، نظم و امن کے ساتھ بھی کام کیا جا سکتا ہے۔

ایک غلط اقدام

"میں نے بڑی تشویش کے ساتھ اس خبر کو پڑھا کہ سنی بورڈ نے اپنے ہاں یہ تجویز پاس کی ہے کہ مرکزی اور صوبہ وار قانون ساز مجلسوں میں ہر شیعہ امیدوار کی مخالفت کی جائے خواہ اسکا کسی پارٹی سے بھی تعلق ہو۔ اس تحریک کی مذمت سخت سے سخت زوردار الفاظ میں کی جائے، کم ہے۔

تاکہ سنی پبلک کے حق میں ناانصافی نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ سنی بورڈ اپنا آئین اور اپنے ممبروں کے نام شائع کردے، اور اُن لوگوں کے بھی نام جنھوں نے ایسی تجویز کو پاس کیا۔ اس وقت اس سے بڑھکر نقصان رساں کارروائی مسلم مفاد کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ لکھنؤ میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان چند شعائر کے بارے میں جو اختلافات تھے، اُن سے یہ سیاسی فائدہ اُٹھایا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی صحیح الخیال شخص ایسے شرارت انگیز قسم کی انتخابی مہم کی ہرگز تائید نہ کریگا"۔ (پاینیر ۱۱- اکتوبر ۴۵ء)

یہ سب کسی غیر ذمہ دار قسم کے "نیم رافضی" سنی نے نہیں، بلکہ ایک پُرجوش مخلص سنی، اینٹی تبرا لیگ کے صدر، [illegible] کے نامور ایڈوکیٹ چودھری نعمت اللہ صاحب (سابق جج الہ آباد ہائیکورٹ) نے اپنے تازہ بیان میں فرمایا۔ اور بالکل صحیح فرمایا۔ امید ہے کہ اس کی تائید وہ تمام اہل سنت کرینگے جو ہوش کو جوش پر اور آجل کو عاجل پر مقدم رکھتے ہیں۔

ایک معاصر کی "سلور جوبلی"

روزنامہ رہبر دکن میں یہ پڑھکر بڑی مسرت ہوئی کہ معاصر موصوف اسی سال اپنی ۲۵ سالہ جوبلی منانے والا ہے۔

"قارئین رہبر کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ کام میں زیادہ باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے اب لندن کے مرکز صحافت، فلیٹ اسٹریٹ میں رہبر کا ایک مستقل دفتر قائم کردیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ دنیا کے ۱۵ شہروں میں جن میں تمام براعظموں کے بڑے بڑے مقامات شامل ہیں، رہبر کی نمائندگی کے ابتدائی انتظامات طے پا گئے ہیں۔ گذشتہ سال رہبر نے ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں بھی اپنا خصوصی نامہ نگار مقرر کیا۔ خبروں کی فراہمی کے اس سلسلہ کو مزید وسعت دینے کی تجاویز پیش نظر ہیں"۔

یہ اطلاع جتنی مسرت انگیز ناظرین رہبر کے لیے ہوگی، ان شاء اللہ اسی قدر خوش آیند عامۂ صدق میں بھی ثابت ہوگی۔ کمتر لوگوں کو شاید اسکا علم ہو، کہ تمام اردو روزناموں میں، رہبر ہی ایسا ہے جو بلاناغہ

قال مجاہد ایجوز قتال اہل فی المسجد الحرام الابعد ان یقاتل وہو قال طاؤس وہو الذی یقتضیہ نص الآیۃ (قرطبی) والیہ ذہب ابو حنیفۃ و اصحابہ (قرطبی) فیہ قولان احدہما انہ محکم قال مجاہد وابو حنیفۃ (ابن العربی)

۲۹۵ حفاظت خود (مقابلہ) میں حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کردیگی۔

کذلک یعنی یہی سزائیں جو اوپر گزر چکیں: وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔

جزاء الکافرین یعنی ایسے معاند، پیمان شکن، بےادب کافروں کی سزا۔

کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام میں جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداء ناجائز ہے البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے۔ (تھانوی)

۲۹۶ (محض جنگ سے نہیں جسے انہیں نے شروع کیا تھا، بلکہ خود کفر و شرک سے جو محرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے)

اے عن الکفر والشرک وتابوا (ابن عباس) اے فان تابوا (ابن جریر۔ عن مجاہد) من قتالکم وکفرہم باللہ (ابن جریر) عن الشرک و القتال (مدارک) یعنی انتہوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منہ کما روی عن مجاہد وغیرہ او عنہ وعن القتال (روح)

فان انتہوا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔

صرف تعقب نیت سے مراد ہے، جنگ شروع کرنے کے بعد۔

جن مفسرین معاصرین نے انتہوا سے صرف جنگ سے باز آجانا مراد لیا ہے، انھوں نے سخت غلطی کی ہے

۲۹۷ (اس لیے ان کی توبہ قبول کرلی جائیگی، انھیں دائرہ اسلام میں داخل سمجھا جائیگا، اور انکے اسلام کو لاحاصل اور بے قدر نہیں سمجھا جائیگا)

آیت کے اس جزء نے ان انتہوا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کردیا کہ مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ صفات مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہو سکتا ہے نہ کہ محض ترک جنگ پر۔

جو کفر سے تائب ہوگیا اسکے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اور آیندہ بھی اسکے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے قل للذین کفروا ان ینتہوا یغفر لہم ما قد سلف۔

غفور لمن تاب ورحیم لمن امن علی التوبۃ (ابن عباس) فان اللہ یغفر لہم جمیع ما تقدم ویرحم کلا منہم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) ولذلک علق علیہ الغفران والرحمۃ وہما لا یکونان مع الکفر (بحر)

فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو قتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔

وفیہ دلالۃ علی قبول توبۃ قاتل العمد اذ کان الکفر اعظم ماثما من القتل وقد اخبر تعالیٰ انہ یقبل التوبۃ من الکفر (بحر) ہذا یدل علی ان قاتل العمد لہ توبۃ اذ کان الکفر اعظم ماثما من القتل وقد اخبر اللہ انہ یقبل التوبۃ منہ ویغفر لہ (جصاص)

سُنّی الکشن بورڈ

لکھنؤ کے بعض سنی لیڈروں کے اس اقدام کو تمام دنیا تعجب کے ساتھ دیکھیگی کہ انھوں نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب میں مدح صحابہ کی بنیاد پر مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اور نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرلینے کے بعد ہم اس معقولیت کے قائل نہیں ہو سکتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات موجود ہیں۔ بعض شیعہ تبرے کو اپنا جزو ایمان خیال کرتے ہیں اور بعض سنی مدح صحابہ کے بغیر تکمیل ایمان کے قائل نہیں۔ لیکن یہ چیزیں ترقی پسند سمجھدار اور مصالحت پسند شیعوں اور سنیوں کیلیے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں صرف ایک انتہا پسند اور متعصب طبقہ انکا قائل ہے۔ ایسی حالت میں مدح صحابہ یا تبرہ کی بنیاد پر اگر الکشن لڑنے کی وبا پھیل گئی تو پھر مدح صحابہ اور تبرہ کے علاوہ قیام میلاد، رفع یدین، آمین بالجہر، یا غوث اعظم مدد سے، مسجد و قبور کی بنیاد پر الکشن لڑے جانے کو کون روک سکیگا۔ کیا موجودہ دنیا میں اس قسم کے جھگڑے کھڑے کرنا خود کو دنیا کی نظروں سے گرانے اور اپنی بدترین فرقہ پرستی کا تماشہ دکھانے کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ....

اگرچہ شیعوں اور سنیوں میں اختلافات ہیں، لیکن اسکے باوجود ہندوؤں کی ہوس اقتدار اور لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بننے میں دونوں برابر ہیں۔ ہندو صرف مسلمان کو جانتا ہے۔ اور اسکو اکیلے اثر انتہائیت بنا دینا چاہتا ہے، وہ شیعہ سنی کے فرق کو نہیں دیکھتا۔ اگر کوئی فرق بھی ہے تو اس نقطۂ نظر سے کہ مسلمانوں کی باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھاکر اپنا کام نکال لے۔ ایسی حالت میں شیعوں اور سنیوں کا فرض ہے کہ وہ برادران وطن کے مقابلہ میں اپنے قومی مفاد کے تحفظ کے لیے متحدہ محاذ پیش کریں۔ اور یہ محاذ صرف مسلم لیگ کی صورت میں قائم ہو سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ محاذ موجود ہے۔ شیعہ سنی، مسلمانوں کے عام مفاد کے لیے شانہ بشانہ چل رہے ہیں اور لگ رہے ہیں بہت اچھا ہے کہ انکا انتہا پسند طبقہ بھی قوم اور ملک کے مفاد کی خاطر اور اپنی عزت و عظمت کے تحفظ و بقا کے لیے مسلم لیگ میں آجائے۔ ہم صرف ان سے درخواست اور التجا اور خدا سے دعا کرسکتے ہیں کہ وہ مقلب القلوب انکے دلوں کو بدلدیگا اور خدا اور رسول کی رہنما ہوکر انکو دین لے آئیگی جیسا

اسلام اور سود

مصنفہ ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے پی ایچ ڈی کا مقدمہ

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ)

نمبر (۲)

غالباً یہی وجہ ہوئی کہ اسلامی قانون کے شارحین یعنی فقہاء نے بھی فقہ کے معاشی ابواب کے ذیل میں "حرمت سود" پر عقلی بحث و تنقید کو ضروری خیال نہ کیا ہے۔ یہی دنیا جس چیز کو ناجائز ہی سمجھ رہی تھی اس سے یہ بات ظاہر تھی کہ اسلام اسکو بھی منوانا چاہتا ہے لہٰذا یہ کہ خواہ مخواہ اسکے لیے استدلال و بحث کی الجھنوں میں لوگ الجھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ واقعہ بھی تو یہ ہے کہ فقہ کی ان کتابوں میں ربوا کی تمام مروجہ صورتوں کا تذکرہ صحیح معنوں میں گویا نہیں کیا گیا ہے بلکہ قرآن و حدیث ہی کی تصریحات کو اسکے لیے کافی سمجھا گیا تھا۔ بحث کی بھی ہے تو اپنے دور اور زمانے کے جزئیات کے متعلق کی ہے جن میں کسی نہ کسی حیثیت سے تھوڑا بہت سود یا ربوا کا شائبہ پایا جاتا تھا کہتے ہیں کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور فرمان "دعوا الربوا والریبۃ" (یعنی سود کی جو حقیقی شکل ہے اسکو بھی چھوڑ دو اور ریبہ یعنی جس میں سود ہونے کا کچھ بھی شک و شبہ ہو چاہیے کہ اسے بھی ترک کر دیا جائے) اس فرمان کی تعمیل میں اسلامی فقہاء نے تلاش کر کر کے ربوا کی معمولی معمولی اشتباہی شکلوں کا استنباط کر کے ان پر حرمت اور عدم جواز کا حکم لگایا۔ انتہا احتیاط کی ان لوگوں کی یہ ہے کہ بعض فقہی ائمہ کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ کے نیچے دھوپ سے پناہ لینے تک کو وہ ایک طرح سے فرضی سود کی شکل قرار دیتے تھے۔

لیکن زمانہ بدلا۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبہ نے بتدریج مغلوبیت کا رنگ ہر اس جگہ اختیار کیا جہاں وہ غالب تھے۔ معیار بدل گیا۔ اسلام کی طرف کسی شے کا انتساب بھی اسکی خوبی کی دلیل تھی۔ یہ بات جاتی رہی۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا، ادھر یورپ جسے مسلمانوں کی مغلوبیت کے بعد دنیا کا سیاسی اقتدار بخشا گیا تھا وہ کلیسائی آویزشوں کے سلسلہ میں بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ کلیسا کے ساتھ ساتھ قریب قریب اس نے مذہب کے اقتدار کا بھی انکار کر دیا۔ "سود" حالانکہ اسی مذہب میں بھی کچھ اچھا فعل نہ تھا جسکا کلیسائی عہد میں یورپ پابند تھا۔ لیکن کلیسا اور مذہب کے اقتدار کے ختم کر دینے کے بعد صرف اس لیے کہ "سود خواری" مذہبی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ فعل ہے قابل توجہ باقی نہ رہا۔ سوال اٹھایا گیا کہ مذہب سے قطع نظر کر کے خالص عقلی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ "سود" اور "ربوا" کی کیا حیثیت ہے۔ اسی عرصہ میں چونکہ یونانی "حکمت عملیہ" کی مشہور پرانی شاخ "تدبیر منزل" کا ایک خاص شعبہ "مال اور دولت" نے یورپ میں "علم معاشیات" کی ایک شکل اختیار کرنی شروع کی۔ "سود" بھی ظاہر ہے کہ اسی علم کا مسئلہ ہو سکتا تھا۔ عقلی معاشیین نے اس پر بحث شروع کی۔ زیادہ مدت نہیں گزری کہ مباحث اور رد و قدح کا ایک کافی ذخیرہ فن معاشیات کی کتابوں میں جمع ہو گیا۔ اور بحث و تکرار کے بعد "جاہلی" عرب کی اسی مردود دلیل نے جسکا قرآن نے "انما البیع مثل الربوا" کے الفاظ میں ذکر کیا تھا، پھر کروٹ لی۔ اس جاہلی دلیل کو یورپ کے ارباب فکر و نظر نے نئے سرے سے پھر زندہ کیا اور اپنی اپنی حکومتوں کو متاثر کر کے "سود خواری" کے کاروبار کو قانونی جواز کی سند عطا کی گئی۔ یورپ نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح حیرت انگیز انقلابی اقدامات کیے، "سود" کے کاروبار کے قصہ کو بھی نت نئی شکلوں میں منظم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس دور سے پہلے سود خواری کے مواقع انہیں افراد اشخاص تک محدود تھے جو براہ راست اس کاروبار کو کرتے تھے لیکن "سود خواری" کی جدید مغربی تنظیموں نے ہر اس شخص کے لیے سود خواری کے مواقع فراہم کر دیے جو اپنی آمدنی سے کچھ بھی حتی کہ ایک روپیہ دو روپیہ ماہوار بھی پس انداز کر سکتا ہو، موقع دیا گیا کہ براہ راست اگر وقت نہیں دے سکتا ہو جب بھی اسکی پس انداز آمدنی کا سود بغیر کسی خرخشہ کے اسکے گھر پہونچا دیا جائیگا، اور اسکے سوا بھی دوسرے طریقوں لین دین کی دوسری راہوں میں بھی "سود" کو کچھ اس طرح جذب اور پیوست کر دیا گیا کہ اس زمانہ میں کسی قسم کا کاروبار کرنا یا مالی ذرائع کی کسی شاخ سے بھی تعلق پیدا کرنا سود لینے یا دینے کے بغیر قریب قریب ناممکن ہو گیا جسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے اور تفصیل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس زمانہ میں جو بھی جی رہا ہے اپنی کھلی آنکھوں سے اس قصہ کو دیکھ رہا ہے۔ بعض مذہبی پیشگوئیوں میں اسکا ذکر پہلے بھی کیا گیا تھا کہ ایک وقت دنیا پر ایسا آکر رہیگا۔ بہرحال اسلامی ممالک میں جب مغربی تمدن کا اقتدار سیاسی اقتدار کی راہ سے قائم ہوا تو قدرتاً ان ممالک میں جو مسلمان رہتے ہیں انہی حال کو دیکھ کر جیسا کہ چاہیے تھا سوالات اٹھنے شروع ہوئے خصوصاً ہندوستان اور مصر کہ سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مغربی تمدن کا دباؤ اسلامی ممالک کے سلسلہ میں انہیں دونوں ملکوں پر پڑا۔ ان دونوں اسلامی ملکوں میں مسئلہ ربوا اور سود پر بحثیں شروع ہو گئیں۔ مقالے شائع ہونے لگے، کتابیں لکھی گئیں، فتوے مرتب کیے گئے، اور اسکا سلسلہ اسوقت تک جاری ہے جو مواد اب تک اس سلسلہ میں لکھا جا چکا ہے اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ "حرمت سود" یا "جواز سود" پر اسلامی ممالک میں اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے زیادہ تر کیا بلکہ بالکلیہ یہ سارے مباحث مذہب اور مذہبی روایات کی تنقید و تنقیح سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عقلی اور فنی حیثیت سے تو "حرمت سود" کا مسئلہ قابل بحث باقی نہیں رہا ہے: دوسرے

(باقی [illegible])

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(۵)

(از مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اُستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

قصص القرآن

(۱) اخبار، قصص میں اختلافات اُس وقت ہوتا ہے جبکہ بیان کرنے والے متعدد ہوں اور اُنکے قوائے علمیہ میں اختلاف ہو، یا ذرائع علم مختلف ہوں یا اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے وہ صدق و امانت کو کام میں نہ لائیں یا اور اسی قسم کے دوسرے اسباب ہوں۔ بلکہ اس قسم کے اسباب کی بناء پر ایک ہی شخص کے مختلف بیانات میں اختلافات واقع ہو سکتے ہے۔

قرآن مجید میں جو واقعات و قصص مذکور ہیں وہ بعثت محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ سے بہت پہلے کے ہیں اور انکا تذکرہ کتب سابقہ میں بھی موجود ہے، اور چونکہ واقعہ بیان کرنے والے خود حق تعالیٰ جل شانہٗ ہیں اس لیے قرآنی بیان اور کتب سابقہ میں وحدت ہونا لازمی ہے البتہ اجمال و تفصیل اور مواقع و مقاصد ذکر میں اختلاف ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ توراۃ میں ایک واقعہ کے کل جزئیات کا تذکرہ ہو، قرآن مجید میں اُسکے بہت سے اجزاء کو چھوڑ کر حسب موقع صرف بقدر ضرورت اجزاء کا ذکر کیا گیا ہو۔ اس لازمی تماثل کی بناء پر ایک کو دوسرے سے اخذ کہنا ایک لایعنی بات ہے۔

اس قسم کے واقعات ہم تک پہونچنے کا ایک اور ذریعہ بھی ہے یعنی زبانی یا تحریری مشہور روایات۔ چونکہ ان روایتوں کے رواۃ میں مختلف اعتبارات سے اختلافات ہے، اس لیے انکے بیانات میں بھی اختلافات ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اسی قسم کی روایتیں بعض اُن کتابوں میں بھی پائی گئی ہوں جو منزل من اللہ تعالیٰ تو نہیں ہیں مگر کسی مذہب کے متبعین انکو یہی درجہ دیتے ہیں۔ اس لیے اُن میں اختلافات ہونا بھی بعید از قیاس نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید میں کوئی قصہ محض قصہ ہونے کی حیثیت سے مذکور نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب محض قصے و حکایات بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ قرآن مجید جب کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اسکے بیان کرنے سے اسکا مقصود قاری کو کسی نتیجہ تک پہونچانا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن مجید میں اخبار مقصود نہیں ہیں بلکہ ہر خبر سے کوئی انشاء مقصود ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے قصص کو محض بقدر ضرورت بیان کیا ہے اور اسکے اجزاء میں ترتیب کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ایک ہی قصہ کے مختلف اجزاء مختلف مقامات میں بیان کیے ہیں۔ گر انمیں یہ بے نظیر خصوصیت رکھی ہے کہ قصے میں ہر جگہ ایک ایسی خاص روح پیدا کر دی ہے کہ اگر قصہ کے اجزاء میں کمی بیشی کریں تو اسکی روح میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس روح پر نظر کرنے سے قرآن مجید کے اخبار کی ایک امتیازی شان نمایاں ہوتی ہے جسکا تذکرہ ہم حسب موقع آئندہ صفحات میں کرینگے۔

(۳) چند سطور قبل ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قرآن مجید میں قصوں کا حصہ محض بقدر ضرورت ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی قصہ کے کل اجزاء کا تذکرہ کرے۔ لیکن عموماً طبائع کو قصوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اس لیے بہت سے مفسرین نے ان قصوں کے بقیہ اجزاء کو بھی ذکر کر دیا ہے اور چونکہ ان میں سے کثرت مفسرین ایسے تھے جو اسرائیلیات پر بھی عبور رکھتے تھے اس لیے انھوں نے بعض اوقات قصہ کے بقیہ اجزاء اسرائیلی روایات سے معلوم کرکے درج کر دیے۔

بعض احادیث میں بھی ان قصوں کے نتیجے بیان فرمائے گئے ہیں اور مفسرین نے مختلف مواقع میں انکو بیان کیا ہے۔ حاصل یہ کہ قرآنی قصوں کے متعلق تین طرح کا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ خود قرآن مجید کا بیان، احادیث نبویہ، اسرائیلیات۔ علاوہ بریں بعض وہ روایات بھی ہیں جو اہل عرب وغیرہ میں مشہور تھیں مگر انکی کوئی سند نہ تھی، نہ کوئی سلسلہ رواۃ تھا۔ بعض مفسرین نے اُن روایات کو بھی ذکر کر دیا ہے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان واقعات کے متعلق مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں صحیح اور غلط قوی اور ضعیف کی اس طرح آمیزش ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن یا مشکل ہے ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ الحمد للہ کہ ہماری کتب دینی کے ذخیرے میں ایسے اصول و ضوابط اور بیانات و توضیحات موجود ہیں جن سے بڑے سے بڑے مفسر کی غلطی بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اور حق و باطل، قوی و ضعیف ایک دوسرے سے قطعی اور یقینی طور پر ممتاز ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا تقسیم کے بعد ہم ہر قسم کے درجہ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جو کچھ آیا ہے وہ بالکل قطعی اور یقینی ہے اس میں شک و شبہہ کی ذرہ برابر بھی گنجایش نہیں ہے۔ احادیث میں جو کچھ آیا ہے وہ درجہ یقین میں صحیح ہے بشرطیکہ وہ روایت محدثین کے نزدیک قابل تسلیم ہو اور اُنکے اصول روایت و درایت پر پوری اترتی ہو۔ البتہ زید و عمرو کے قائم کیے ہوئے اصول روایت و درایت کا اعتبار نہیں ہے۔ محض انکی بنا پر کسی روایت کا رد کرنا جہل عظیم ہے۔

اسرائیلیات اور مشہور عام بازاری روایات کا کوئی بھی وزن نہیں ہے۔ ان پر اعتقاد کرنا یا انکی بنا پر کسی معمولی سے معمولی فرعی مسئلہ کا استخراج کرنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ کسی عقیدہ کا۔ غرض یہ کہ یہ بالکل ناقابل اعتبار چیزیں ہیں۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

بلا ناغہ ہر روز کسی آیت قرآنی اور کسی حدیث نبوی کا سلیس ترجمہ اپنے صفحات میں درج کرتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں اپنے روزانہ معاصرین سے زیادہ مسائل وقت کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہے!

بیسویں صدی کا روزنامہ اور اس میں روزانہ قال اللہ و قال الرسول کے کالم! کیسی ناقابل برداشت دقیانوسیت!

سیاسیات اور نکاح نامے

"مسلمانوں کے ایک اجتماع عظیم کے سامنے سید مظہر علی اظہر جنرل سکریٹری مجلس احرار نے ایک طویل تقریر میں یہ سوال اٹھایا کہ آیا مسٹر جناح مسلمان بھی سمجھے جا سکتے ہیں؟ آپ نے مسٹر جناح کی مطبوعہ سوانح عمری سے یہ بیان پڑھ کر سنایا کہ انھوں نے ایک پارسی عورت کے ساتھ سول میرج کی تھی۔ یعنی اس قسم کی شادی جو لامذہبی کے اعلان کے بعد رجسٹرار کے سامنے ہوتی ہے"۔ (خبر)

خبر پر معاصر پیام (حیدرآباد) کا دلچسپ تبصرہ:-

"معلوم ہوتا ہے کہ اب ہر لیڈر کو اپنے نکاح نامے سند لانی پڑے گی تب ہی تو معلوم ہو گا کہ وہ مسلمان ہے یا کافر!

— آخر کدھر جا رہی ہے یہ ہماری سیاست! ... نکاح کے بعد اور بھی بہت سے اعمال ہیں، جنکے متعلق صداقت ناموں کی ضرورت ہو گی! کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ لیڈروں کے لیے ایک دار الافتاء قائم کر دیا جائے جسکے پرچۂ سوالات کا جواب دینے کے بعد ہر قائد ملت کو لیڈری کرنے کا اجازت نامہ ملا کرے! — آخر کسی نے کبھی سوچا بھی کہ یہ بات کہاں سے کہاں پہنچے گی!!"

نکاح اور انکے متعلقات پر تبصرہ و اظہار رائے کا حق بھی قاضی صاحب کے اخبار سے زیادہ کس کو پہنچ سکتا ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

محقق الدین صاحب (مالدہ)

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کے موضوع ہونے کی تردید میں آپ نے انگریزی کے لکھے ہوئے بائبل کے حوالہ (پیدائش ۲۹: ۱۰، دانیال ۵: ۲۴، حبقوق ۳: ۳) موصول ہوئے۔ لیکن حدیث کی صحت و عدم صحت پر گفتگو صرف فن حدیث و رجال کی رو سے ہو سکتی ہے، نہ کہ بائبل کی کسی عبارت سے۔

خلاصۂ مراسلات

آفتاب الدین احمد صاحب ایڈیٹر اسلامک ریویو (لندن)، عزیز منزل، لاہور سے ایک انگریزی تحریر میں لکھتے ہیں، کہ گاندھی جینتی کے موقع پر امام مسجد ووکنگ کی زبان سے گاندھی سے متعلق مدح سرائی کی جو اطلاع رپورٹر نے دی ہے، اول تو وہ روایت ہی ابھی تحقیق طلب ہے۔ اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ہم لوگ (یعنی ووکنگ مشن کے کارکن) ان خیالات سے اپنی بالکل بے تعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔

صدق بک ایجنسی لکھنؤ

(۱) الکلام — جدید علم کلام پر بہترین کتاب قیمت عہ
(۲) ہنگامۂ بلقان — مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی مشہور قومی نظم ار
(۳) یاد ایام (مولانا حکیم عبد الحی مرحوم) تاریخ گجرات عہ
(۴) تعلیم الاسلام — ضروری مسائل کا بیان ۸ر
(۵) نور الایمان (مولانا حکیم عبد الحی مرحوم) عقائد اسلامی کا بیان ۲ر
(۶) دروس الادب (۲ جلد) از مولانا سید سلیمان ندوی ۱۳ر
(۷) رسالات نبویہ — مولانا محمود حسن ٹونکی عہ
(۸) اصول حدیث — مولانا محمد ادریس ندوی ۳ر
(۹) النفحۃ الاجلیہ فی الصلات الفعلیہ (عربی) عربی افعال کے صلوں کے استعمال کے قواعد ۱۴ر
(۱۰) عقد السحر شرح نقد الشعر مع متن عربی از مولانا اصغر حسین ۸ر
(۱۱) مہمات الصرف والنحو — از مولوی عبد الوحید ندوی ۲ر
(۱۲) ٹرکی و یورپ ۶ر
(۱۳) دائمی اسلامی جنتری — کلاں ۱۰ر خورد ۲ر
(۱۴) نابینا علماء — از مولانا حبیب الرحمن شروانی ۸ر
(۱۵) بہشتی زیور (آخری ایڈیشن) از مولانا تھانوی مکمل عہ
(۱۶) الموزج بے نظیری — ترجمہ مقامات حریری ۸ر
(۱۷) مکاتیب وقار الملک و محسن الملک عہ
(۱۸) محاسن یوسفی — از مولانا عبد الباری فرنگی محلی عہ
(۱۹) خزائن الملوک — جلد اول و دوم (طب) ۸ر
(۲۰) تفصیل الخطاب فی العلم بالخطاب (عربی) از مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی ۳ر
(۲۱) نور العین (فتاوائے عربی) عہ
(۲۲) نفس اللغۃ (رشک لکھنوی) عہ
(۲۳) الانتقاد علی التمدن الاسلامی (عربی) از مولانا شبلی عہ
(۲۴) ارض القرآن — مولانا سید سلیمان ندوی کامل عہ
(۲۵) الغزالی — (از مولانا شبلی) ۶ر
(۲۶) مقدمۂ رقعات عالمگیر عہ

انکے علاوہ جناب مدیر صدق مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تمام تصانیف آپ کو براہ راست صدق بک ایجنسی سے مل سکتی ہیں۔

منیجر صدق بک ایجنسی — گولہ گنج — لکھنؤ

(بقیہ صفحہ ۵)

الفاظ میں کوئی کہنا چاہے تو کہنا چاہیے تو کہہ سکتا ہے کہ عقلی دلائل میں جاہلیت عرب کے استدلال کی حیثیت گویا مسلّم ہو چکی تھی نئے سرے کی بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ مذہب جو اس میدان میں چت ہو چکا ہے اُسکی طرف سے کوئی معقول "معذرت نامہ" دنیا میں پیش ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا ایسی کوئی صورت کیا نکالی جا سکتی ہے کہ "سود" کے مسئلہ میں عقل و علم سے مصالحت ہو جائے۔ اب تک اس سلسلہ میں جو کیا جا چکا تھا اُسکا خلاصہ یہی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معاشیات کی تمام مشقی و فنی کتابوں میں بحث کرنے والوں نے صرف سود کے جواز ہی پر زور دیا ہے یقیناً بحث کرنے والے اس دائرہ میں مختلف باتیں کہہ رہے تھے۔ بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں مغربی تمدن کے استیلاء کے بعد خود ان ممالک میں مسلمان علماء یا دوسروں نے جو کچھ لکھا تھا اسکا خلاصہ وہی تھا جو میں نے بیان کیا۔

لیکن ۱۳۶۳ھ کا سن یہ پہلا سن ہے اور جامعہ عثمانیہ اسلامی ممالک کا پہلا "سود" پر ایک مستقل مقالہ محض فنی اور عقلی نقطۂ نظر سے پیش کیا جا رہا ہے اور یہ وہی مقالہ ہے جسکا تعارف ان الفاظ سے فقیر کرا رہا ہے 'یہ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی، استاد معاشیات جامعہ عثمانیہ کے قلم کا کارنامہ ہے۔'

لیکن میں بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ ششدر و حیران ہو کر رہ گیا جب ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ "جواز سود" کے مسئلہ کا غیر مشتبہ ہونا تو خیر دور کی بات ہے۔ ماہرین معاشیات اب تک صحیح طور پر اسکے پتہ چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ "سود" کے "جواز" کی معقول وجہ ہے بھی یا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلسل میں ارباب فن کی ان فکری قلابازیوں کا تماشا دکھایا ہے جن میں یہ الٹ پلٹ رہے ہیں اور یہ ابتدائی سوال کہ "سود کی آمدنی لینے کا سود خوار کو اگر حقدار قرار دیا جائے تو کیوں دیا جائے؟" اس ابتدائی سوال کے جواب میں انکی سراغرسانیاں کسی آخری نتیجہ تک نہیں پہنچی ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے سود حرام کیوں ہو؟ سمجھا یہ گیا تھا کہ اس سوال کا جواب مشکل ہے لیکن ورنہ سود کا جواز تو گویا ایک بدیہی مسئلہ ہے لیکن ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب کے اس مقالہ سے معلوم ہوا کہ

سود جائز کیوں ہو؟

اسکا کوئی عقلی اور فنی جواب تلاش کرنے والوں کو اب تک نہیں مل سکا ہے کوئی ایسی مشخص و متعین چیز لوگوں کی گرفت میں نہیں آ رہی ہے جسے "سود" کا واقعی معاوضہ قرار دیا جا سکتا ہو۔ پیش کرنیوالوں نے انتہائی شاید سے کام لے کر ڈھونڈنے کی کوششوں کو ختم کر دینے کے بعد جس زمانہ میں بھی جو چیز معاوضہ کے اس سوال کے جواب کے لئے پیش کی ہے، ہلکی سی رد و قدح کے بعد فن کے ماہرین نے اسکو مسترد کر دیا ہے۔ تدریجی طور پر ٹٹول کی اس مہم نے جو منازل و مراحل اب تک طے کئے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے عام فہم سلجھے ہوئے الفاظ میں انکا تماشہ پیش کیا ہے اور معاوضہ ہی نہیں اس سے بھی زیادہ دشوار جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے تعین معاوضہ کا سوال ہے یعنی شرح سود کی کمی و بیشی تعین میں کس معاوضہ کی کمی و بیشی کا خیال کیا جائے۔ یہ مسئلہ تو گویا جذر اصم کی صورت رکھتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے ان روشن خیالیوں کی طرف بیچ بیچ میں اشارہ فرمایا ہے جنکا اظہار بعض اسلامی علماء کی جانب سے اس مسئلہ میں پہلے بھی کچھ کیا گیا ہے اور آج بھی ہنس کی چال چلنے کے شوق میں بعضوں کی طرف سے اس تماشہ کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ اس منطقی مغالطہ کی بھی بحیثیت ایک ماہر فن کے انھوں نے قلعی کھول دی ہے جو سود کے جواز کی کوشش لفظ "بنک" کے نقاب کو اوڑھ کر کرنے والے کر رہے ہیں۔ یعنی "بنک" کے اضافہ سے چاہتے ہیں کہ وہ سود کو سود ہونے کے دائرہ سے خارج کریں۔ انھوں نے عقلی مباحث کے ساتھ درمیان میں اسلامی مستندات کے ان دلائل کو بھی موقع موقع سے اپنے اس مقالہ میں درج کیا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

"سودی کاروبار" کی قطعی ممانعت کے بعد بھی دنیا کے تمام معاشی معاملات بہ احسن وجوہ بہترین نتائج کے ساتھ جاری رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اسکے امکانات بھی دکھلائے ہیں، اور بتایا ہے کہ اسلام کا "معاشی نظام" اسکے لیے قطعی طور پر ہر لحاظ سے کافی و وافی ہے۔ بہرحال مضامین کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو اصل مقالہ کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ میں آخر میں اسلام کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔

ایک مسلمہ پر اتہام

لاہور ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے چوتھے صفحہ کے چوتھے کالم میں "قبول اسلام" کے عنوان سے مندرجہ ذیل خبر شایع ہوئی تھی جو بغیر کسی تبصرہ کے ہے: بمبئی کے مقتدر اور نامی پیرن سر ڈنشا پیٹیٹ کی اکلوتی بیٹی مس رتن بائی نے کل اسلام قبول کر لیا تھا۔ آج اسلامی شریعت کے مطابق ان کی شادی مسٹر جناح کے ساتھ ہو رہی ہے۔ (انقلاب)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق لکھنؤ سے شایع کیا)

والذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئک هم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس ۔ گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۔۔
بیرون ہند ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
(ٹیلیفون نمبر ۲۹۱)

صدق

نمبر ۴۵ یوم شنبہ ۱۲ ذیقعدہ سنہ ۱۹۳۵ء مطابق ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۳۵ء جلد ۱۱

سچی باتیں

بات بہت پرانی نہیں، ابھی کچھ ہی دن کی ہے۔ ایک صاحب الہ آباد سے جاکر ایک بڑے معزز، اپنے مرتبہ میں کہیں بڑے میزبان کے ہاں آکر اترتے ہیں۔ ساتھ میں ایک ملازم بھی ہے، معزز میزبان کی دعوت شب میں کہیں باہر ہے۔ مہمان کھانے وغیرہ سے فراغت پاکر سونے لیٹ جاتے ہیں۔ میزبان صاحب بارہ بجے شب کے بعد واپس آتے ہیں۔ موٹر کی آواز سے مہمان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کیا دیکھتے ہیں، کہ میزبان صاحب وہی ڈنر سوٹ پہنے، اپنے ہاتھ میں ایک سینی لیے کوٹھی سے شاگرد پیشہ (ملازمین) کے مکانات کی طرف جارہے ہیں! —— صبح سویرے کھوج لگانے پر معلوم ہوا کہ میزبان نے موٹر سے اترتے ہی دریافت کیا کہ مہمانوں کی مدارات میں کوئی کوتاہی تو نہیں رہ گئی، جواب ملا، کہ مہمان صاحب کا نوکر شہر چلا گیا تھا، اس لیے اسکا کھانا نہیں جا سکا۔ میزبان نے یہ سنتے ہی کھانے کی سینی اٹھالی، اور لوگوں کے ہاں ہاں کرنے پر یہ کہتے ہوے چلے گئے کہ نوکر دن بھر کے تھکے ہیں، یہ وقت انکے سونے کا ہے۔ یہ کام مجھے خود کرنا چاہیے۔ میرے مہمان محض وہ مہمان صاحب ہی نہیں، انکے ملازمین بھی میرے مہمان ہیں!

حکایت تمام ہوا ہی[1] صرف اتنا کہنا باقی رہ گیا، اور یہی حکایت کی جان ہے، کہ یہ رات کو ۱۲ بجے کے بعد اپنے ہاتھ سے دوسرے کا کھانا ایک معمولی خدمتگار کے لیے لے جانے والے، کوئی درویش خرقہ پوش کوئی ذاکر و شاغل کے حلقوں میں بیٹھنے والے اس طریق نہیں، بلکہ منڈی ہوئی داڑھی رکھنے والے، سوٹ پہننے والے، ڈنروں پہ جانے والے، انگریزی یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریاں، اور سرکار انگریزی سے "سر" کا خطاب رکھنے والے، الہ آباد ہائیکورٹ کے جج ہی نہیں، نامور چیف جسٹس سر شاہ سلیمان، بیرسٹر اور ال ال ڈی تھے! —— سچ کہا جس نے کہا کہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست —— اصل طریقت مخلوق خدا کی خدمت،
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست —— کا نام ہے، ہاتھ میں تسبیح لے لینے سجادہ پر بیٹھ جانے، اور گدڑی پہن لینے کا نام نہیں!

—— اور یہ بھی سچ کہا جس نے کہا، کہ حقیر اور حقارت سے دیکھے جانے کے قابل کوئی ادنیٰ مسلمان بھی نہیں۔

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد؟

مسلّم بزرگوں اور ستارہ درویشوں کا ذکر نہیں، ٹھیٹھ "دنیاداروں" میں بھی کیسے کیسے اہل دل نکل آتے ہیں! —— اللہ کی رحمتوں کو کھینچنے اور حاصل کرنے کے طریقے بیشمار ہیں۔

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں!

کام کی رفتار

پانچویں پارہ اردو کی نظر ثانی بحمد اللہ ختم ختم ہو گئی۔ اب بڑا مرحلہ ان پاروں کے مسودے کی صاف کاپیاں جو پریس میں جانے کے قابل ہو۔ جو کاتب عموماً پیشہ ور خوشنویس ہیں، انکی اجرتیں بہت زائد ہیں۔ اور جو معمولی صاف نویس ہیں انکی

---

[1] اخذ پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے کی نشری تقریر۔

اجزائیں اگرچہ ملکی ہیں، لیکن خود انکا دستیاب ہونا آسان نہیں۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح کام انھیں لوگوں سے چلایا جارہا ہے گو قدرۃً اس میں وقت بہت ہی زائد صرف ہورہا ہے۔ چھٹے پارہ کی نظرثانی کا مزید کام ابھی چند ہفتوں کے طویل وقفہ کے بعد ہی شروع ہوسکیگا۔

انگریزی پارۂ دوم کے شایع ہوجانے کا وعدہ تاج کمپنی (لاہور) کی طرف سے اسی مہینے کے اندر ہے۔

اس ماہ میں یہ امداد رقم ذیل قبول کی گئی۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء ایک مخلص (از پشاور) عہ (۵۶ ویں قسط)

"صاحب" کی عدالت

لندن ۱۲ - اکتوبر۔ موسیو لاول (LAVAL) سابق وزیراعظم فرانس پر غداری کے الزام میں جو مقدمہ چل رہا ہے، اُسکی کارروائی نے فرانسیسی پریس کو سخت بیزار کر رکھا ہے۔ عدالتوں کا جو طرزعمل جمعرات، سنیچر، دونوں دن رہا، اُس پر نیا رات میں خوب لعن طعن ہوئی ہے۔ سنیچر کو تو حاکم عدالت غصہ میں آکر بالکل بے آپے ہوگئے، اور مجرم کو بار بار "سور" کہکر پکارا! ... اہل جوری نے چلا کر کہا، کہ "تیری گردن اس لائق ہے کہ اس میں بارہ گولیاں پیوست کی جائیں" (رایوٹر)

یہ منظر بیسویں صدی کی ایک بڑی "مہذب" قوم فرنگ کی ایک اونچی عدالت کا ہے! کہ حاکم عدالت غصہ سے بیخود ہوئے جاتے ہیں، اور زبان پر بے تکلف گالیوں کے الفاظ چلے آرہے ہیں۔ اور جوری صاحبان ہیں کہ بدزبانی میں شاید جج صاحب سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں!

یہ منظر "صاحب" کی عدالت کا تھا۔ آپ کی الماریوں میں بھی شاید کچھ پرانی دقیانوسی کتابیں فقہ کی نکل آئیں۔ عجب نہیں کہ انھیں کتابوں میں باب آداب القضاء کے تحت میں یہ ہدایت بھی نظر آجائے، کہ

سنهاان لایکون غضبان وقت القضاء	حاکم پر لازم ہے کہ مقدمہ سنتے وقت وہ غصہ میں نہ ہو۔

آپ کے خلیفہ راشد فاروق اعظمؓ بھی کچھ ایسا ہی فرماگئے ہیں کہ

ایاک والغضب	قاضی کو تقاضات کے وقت غصہ سے احتیاط لازم ہے۔

اور وہ کیوں نہ کہتے، جبکہ اُنکے آقا و سردار کا یہ ارشاد موجود تھا، کہ

لایقضین الحکم بین اثنین وھو غضبان۔	کوئی حاکم وقت غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

"سائنس کا معجزہ"

لندن ۳۰ - ستمبر۔ کیمبرج کے پروفیسر ایس، ڈی، ویڈرن کے زیرصدارت، ماہرین سائنس کی کمیٹی ایک ایسے آلہ کی ایجاد میں مصروف ہے، جو اندھوں کو یہ بتادیگا کہ وہ دیکھ کیا رہے ہیں اور مطبوعہ عبارتیں اُنھیں سنا کیا رہی ہیں! کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر کلفرڈ پٹرسن نے ایک بیان میں بتایا ہے کہ برقی قوت کی مدد سے مطبوعہ عبارت کو راگ کی آوازوں میں تبدیل کردینا بھی ممکن ہوجائیگا۔ (گلوب)

خداکرے یہ ایجادیں جلد سے جلد پایۂ تکمیل کو پہونچ جائیں، اور کاغذ کی چھپی ہوئی کتابیں اسی عالم آب وگل میں، مادی مشاہدہ کے اشخاص تو بولنے لگیں، تاکہ اُس وقت "روشن خیالی" کی خدمت میں یہ سوال عرض کیا جاسکے، کہ فرمائیے، اب بھی آخرت میں جلد انسانی کا بولنے لگنا، "ناممکن" "محال" "خلاف قانون قدرت" بلکہ محض "مستبعد" بھی باقی رہا؟

ٹرکی کے بعد ایران

ورن (دہلی) ۱۰ - اکتوبر میں ارشد تھانوی صاحب کے قلم سے جدید ایرانی شاعری پر ایک طویل مقالہ ہے:-

"نئی قومی تحریک نے جو سارے ملک پر چھاگئی، ہر اس چیز سے بغاوت شروع کردی، جو قومی خودداری کے منافی سمجھی گئی۔ چنانچہ زبان پر عربی کا جو اثر و تسلط تھا، اُسکے خلاف علم بغاوت پوری طرح بلند کیا گیا، اور باقاعدہ منظم انجمنیں اور مجلسیں قائم کرکے زبان سے عربی الفاظ اور ادب سے عربی تلمیحات چن چن کر علٰحدہ کردیے گئے۔ ایک ادبی اکاڈمی فرہنگستان کے نام سے قائم ہوئی۔ اور جہاں مغرب کے بہت سے الفاظ کا ذخیرہ داخل کیا گیا، وہاں عربی لفظوں اور محاوروں کے بجائے قدیم قبل اسلام والی زبان پہلوی کے الفاظ مروج کی گئی۔ اور اب تلمیحات ادبی بجائے قیس و لیلیٰ کے بیژن اور منیژہ کی نظر آنے لگی ہیں ...

یورپ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح ایران سے بھی اب مذہب کا خیال منتقل ہوگیا ہے، اور اسکی جگہ نسلی تخیل نے لے لی ہے۔ اور اب فخر کا سرچشمہ زردشت کی ذات قرار دیاگیا ہے۔ ہر قسم کی برکت اُسی کے نام سے حاصل کی جاتی ہے، اور اُسی سے استمداد و استعانت کی جاتی ہے۔ چنانچہ عشقی ہمدانی کے آپیرا میں مناجات بھی زردشت ہی کے نام ہے۔ پورداؤد، عارف قزوینی، اور شاعراعظم بہار سب کے کلام میں برابر حوالے اب قبل اسلام والے معبودوں اور دیوتاؤں کے کثرت سے آنے لگے ہیں" (ملخصاً)

ایران جدید سے متعلق یہ خبریں نئی اور انوکھی نہیں۔ ٹرکی کے بعد ایران کے بارہ میں بھی اسی نوعیت کی اطلاعیں برابر آرہی ہیں۔ بہرحال ایران جدید کی یہ تصویر اگر صحیح ہے (اور صحیح کیوں نہ ہوگی) تو کس درجہ افسوسناک اور یاس انگیز ہے! —— کاش ایران ہمیشہ شیعہ ہی رہتا۔ غالی سا غالی شیعہ ہوجاتا۔ لیکن اس کم بخت الحاد و ارتداد کی لعنتوں سے تو محفوظ رہتا! ہمارے قبلہ کا، ہمارے کلمہ کا، ہماری توحید و رسالت کا تو قائل رہتا! بدعت بڑی سے بڑی اور قبیح سے قبیح ہو، جب بھی شرک و الحاد سے اسکا کیا مقابلہ!

رسالہ "نگار" اور دکن

صدر مجلس علماء دکن کے ایک تازہ اجلاس کی تجویز:- "رسالہ نگار کی روزافزوں بیہودہ گوئی اور دریدہ دہنی کی تو بہ شکنی کے باعث ضروری ہے کہ اُسکا داخلہ ممالک محروسہ میں

نئی کتابیں

(۱) حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور انکی دینی دعوت۔
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ضخامت ۲۸۰ صفحات قیمت عے
پتہ: کتبۂ الفرقان بریلی

بریلی کے مذہبی ماہنامہ الفرقان کی اشاعت خاص ہے جسے کتابی شکل میں شایع کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ ابھی تھوڑے سے ہی دن کی بات ہے کہ ہمارے درمیان موجود تھے آپکی تحریک دیکھتے ہی دیکھتے شروع ہوئی، اور آپکے اخلاص نیت کی برکت سے پھلی پھولی۔ بعض بعض علاقوں (میوات وغیرہ میں) تو ایسا انقلاب اس تحریک کی بدولت جاہل اور دین سے بے بہرہ مسلمانوں میں ہوا کہ گویا کہ ... نقشہ جو قبول اسلام کے متصل بعد پایا جاتا تھا، اس کی ایک ہلکی سی جھلک نگاہوں کے سامنے آ گئی۔

اس کتاب میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے (جو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی ہی میں انکی اس تحریک کی ترجمانی بذریعہ تحریر و تقریر کرتے چلے تھے) اس تحریک کی مفصل تشریح اسکے آغاز کی تاریخ طریق کار اور اسکے نتائج محمودہ کو دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ آٹھواں باب اس تحریک کی توضیح پر مشتمل ہے۔ بقیہ ابواب میں حضرت مولاناؒ کی سوانح، مجاہدات، اخلاق وغیرہ کا ذکر ہے، مگر یہ ابواب بھی قدم قدم پر انکی تحریک کی تشریح کرتے جاتے ہیں۔ مولانا کی زندگی تو اس تحریک کے لیے وقف ہو ہی گئی تھی، انکا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سیر و سفر سب اس تحریک کے لیے تھا۔ حتیٰ کہ بستر علالت پر اور انتہائی اشتداد مرض بلکہ انقطاع روح سے قبل بھی اسی کام کی دھن سوار رہی، اس لیے یہ ابواب بھی تمامتر اس تحریک ہی کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

کتاب کا مطالعہ سب مسلمانوں کے لیے نافع ہے، لیکن اس عموم میں خصوصاً علماء امت اور طلبہ مدارس دینیہ (جو آگے چل کر مقتدائے قوم بننے والے ہیں) کو ہے۔ اور خود بانی تحریک کے پیش نظر زیادہ یہی دو گروہ تھے، جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حضرات جو وقت کی دیگر سیاسی تحریکات میں شامل ہیں جن سے دینی نفع کا تو ذکر ہی کیا، خود دنیا ہی میں امت وعلماء امت کی فلاح کی کوئی سبیل اب تک نہیں نکلی اور نہ آیندہ نکلنے کی امید ہے، اس تحریک میں جو خالص اسلامی، خود ساختہ عناصر کی آمیزشوں سے پاک اور خیر القرون کے نقش قدم کی حیثیت رکھتی ہے، شامل ہو کر قلیل مدت میں مسلمانوں کی زندگی کی کایا پلٹ کر سکتے ہیں۔

یوں تو مولانا مرحوم کے ملفوظات و ارشادات سب ہی آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور ہر مسلمان کے لیے باعث رشد و ہدایت ہیں لیکن شاید دور حاضر کے لیے یہ ارشاد سب سے زیادہ دقیع اور قابل عمل ہو:-

کوئی شخص اور کوئی مسلم ایسا ہرگز نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو، ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں اگر یہ خرابیوں کے ساتھ نظر انداز کرنے (اور ستر اور پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور انکے اکرام کا عام مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں۔ اور ہزاروں خوبیوں کو اپنے آپ بڑھاوا مل جائے۔ مگر دستور اسکے خلاف ہے (ص ۲۱۱)

ایک اور جگہ مولانا نے ایک خط میں ارشاد فرمایا ہے:-

مسلمان کتنے ہی کم درجہ کا ہو عظمت سے اسکی طرف نگاہ کی مشق کرو۔ (ص ۲۰۹)

اسلامی ہند کے زمانہ ماضی کے ایک اولوالعزم مجاہد صاحب تحریک مولانا سید احمد شہیدؒ کی سوانح مبارک پر مولانا ابوالحسن علی صاحب کے قلم سے ایک مستند و محققانہ تالیف نکل چکی تھی۔ یہ انہیں کا حق تھا کہ حال کے ایک بزرگ و صاحب دعوت کے سوانح پر قلم اٹھائیں۔ (ع۔ ق)

(۲) رسول اللہ صلعم — از مولوی محمد ایوب اصلاحی ضخامت ۲۲۸ صفحات قیمت ... پتہ: موتمر المصنفین، کوچہ چیلاں — نبیت السعید — دہلی۔

اس رسالہ میں سیرت نبوی کے ضروری واقعات سادہ اور عام فہم انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ سیرت نبوی کے واقعات مسلمانوں کے سامنے باربار اور مختلف راستوں سے پہونچیں۔ یہ رسالہ مفید کہا جا سکتا ہے۔ لیکن سیرت نبوی پر چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی معتبر و مستند کتب کا اتنا بڑا ذخیرہ اردو میں ماشاء اللہ آ چکا ہے کہ جب تک کوئی خاص اور امتیازی بات نہ پیدا کی جائے کسی جدید رسالہ کی تالیف کی ضرورت نہ تھی۔ تقریباً وہی سب چیزیں اس میں بھی ہیں جو اس ضخامت و معیار کی متعدد کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔ (ع۔ ق)

(۳) مقالات گارسان دتاسی (جلد اول) ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب زیر نگرانی عزیز احمد صاحب۔ ضخامت ۴۰۶ صفحات قیمت غیر مجلد للعہ مجلد صہ ملنے کا پتہ، انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج۔ دہلی

مشہور فرانسیسی مستشرق گارسان دتاسی کا نام ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ناآشنا نہیں رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو اسکے مبسوط خطبات کا ترجمہ عرصہ ہوا شایع کر چکی ہے۔ بعض جگہ تو

وہ اُردو کے اعلیٰ امتحانات کے نصاب میں بھی شامل ہے ۔ اس کتاب میں اسکے چار سالانہ لکچروں کا (جو ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۳ء) ترجمہ ہے ۔ شروع کے تین لکچروں کا ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اور آخری لکچر کا ترجمہ عزیز احمد صاحب پروفیسر جامعہ مذکور نے فرمایا ہے ۔ ترجمہ شگفتہ و سلیس ہے ۔ اور کتاب اُردو ادب کے ہر طالب علم کے لیے قابل مطالعہ ہے ۔ اس محقق نے ان لکچروں میں تفحص و دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور اُردو کی جملہ مطبوعات سالانہ (بشمول اخبارات و رسائل) کے ذکر کے ساتھ اس زمانہ کی انجمنوں ، ادبی تحریکوں اور بعض سیاسی چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے معمولی اور ادنیٰ درجہ کی کتب و رسائل بھی اس جائزہ سے نہیں بچ پائے ایک غیر ملکی کی یہ محنت ہمارے ہم وطنوں کے لیے قابل رشک ہے کاش اسکے اتباع میں ہمارے محقق اہل قلم خصوصاً دیہات کے طلبۂ اُردو اٹھیں اور کم از کم اسی نہج پر یا اس سے ترقی یافتہ شکل میں سارے ملک کا نہ سہی تو کم از کم اپنے اپنے صوبہ کی ترقی اُردو کا جائزہ سال بسال لیکر کتابی شکل میں شائع کرتے رہیں ۔ گارساں دتاسی کے زمانہ میں اُردو نے ایسی نمایاں ترقی نہ کی تھی ، لیکن اب تو ماشاء اللہ وہ بہت آگے بڑھ چکی ہے ، اور معلومات فراہم کرنے کے ذرائع بکثرت نکل آئے ہیں ۔ اُردو ہندی کا جھگڑا گارساں دتاسی ہی کے سامنے شروع ہوچکا تھا ۔ اس محقق نے ہر جگہ اُردو ہی کی تائید کی ہے ۔ اسکا ایک اقتباس ملاحظہ ہو

”مختصر یہ کہ اگر صوبجات کی علیحدگی کی وجہ سے یورپ کا وقت یہ وہ دُور ہو جائے ۔۔ ملک کے مختلف حصوں میں آزاد ذرائع آمد و رفت کا رواج ہو جائے تو اُردو ہی جو اسقدر صاف ، سادہ ، لطیف زبان ہے جو ہر طرح کی بات کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے ، جو اب بھی حقیقت میں ہندوستان میں ہندوستان کے بہت سے حصوں میں لنگوا فرنیکا کا کام دیتی ہے ۔۔۔۔۔ وہ بلاشک ایک ایسی زبان نظر آتی ہے جو جلد یا بدیر ہندوستان کی سب بولیوں پر سب کی نہیں تو اکثر کی جگہ لے لیگی ، اور پورے آریائی ہند کو ایک مستحسن اور مہذب بولی عطا کرے گی“ (صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۲)

امید ہے کہ انجمن ان مقالات کی دوسری جلد کا ترجمہ جلد شائع کرے گی ۔

(ع - ق)

(۴) دُرجِ لُولُوے فصاحت ۔ یعنی کلیات منظوم نواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ ۔ ضخامت ۱۵۶ صفحات بلا قیمت ۔ ملنے کا پتہ ، محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی شروانی پرنٹنگ پریس ۔ علیگڈھ

صوبہ کے نامور مخیر رئیس نواب محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے متعلق کم لوگوں کو علم ہوگا کہ وہ شعر بھی کہتے تھے ۔ اور وہ بھی زیادہ تر فارسی میں ۔ زیر نظر مجموعہ میں انکے کلام کو مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے ردیف وار مرتب کرلیا ہے ۔ دیوان کے ۱۵۳ صفحات میں فارسی کلام آیا ہے بقیہ چار صفحوں میں اُردو ، چند عربی اشعار اور ایک انگریزی قطعہ ہے ۔

فارسی کلام میں تقریباً سب اصناف سخن پر نواب صاحب مرحوم نے طبع آزمائی فرمائی ہے ۔ حمد و نعت بالالتزام اور اسکے بعد غزلیات ، قصائد ، رباعیات ، قطعات تاریخ ، مراثی ہیں ۔ جنکے مطالعہ سے نواب صاحب کی موزونی طبع اور ہمہ گیری کا پتہ چلتا ہے ۔ اگلے مشرقی رئیسوں کی شان ہی یہ تھی کہ وہ علمی و ادبی مشاغل بھی برابر جاری رکھتے تھے ۔

[ناشر نے اطلاع دی ہے کہ یہ کتاب مثل تحفۃ المسلمین کے جسپر ریویو ایک پچھلے نمبر میں نکل چکا ہے ، بلا قیمت ملیگی ! (ع - ق)

ذاتیات و سیاسیات

”آجکل بعض معاصرین کے صفحات اس بحث سے رنگے جارہے ہیں کہ آیا قائد اعظم کا نکاح اسلامی طریقہ سے ہوا تھا ، یا سول میرج ایکٹ کے ذریعہ سے ۔ ایک طرف سے قائد اعظم کی تنقیص کے لیے یہ دعوے پیش کیا جارہا ہے کہ وہ ایک غیر اسلامی طریقہ کے مرتکب ہوے لہذا ملت اسلامی کے قائد اور رہنما تسلیم نہیں کیے جاسکتے ۔ اور دوسری طرف سے اس الزام کا رد ایک کانگریسی لیڈر کے ازدواج کا مسئلہ بنایا جارہا ہے

.... اسلام کی تاریخ جب صرف ۴۰ سال اپنے گزرنے میں جب پیغمبر اسلام کے بعد قائدین ملت کی شخصی زندگی عوام کیلیے ایک مثال اور دلیل ہوا کرتی تھی ۔ اسکے بعد گذشتہ ۱۳۰۰ برس کے عرصہ میں وہ ۴۰ سال پھر کبھی واپس نہ آئے ۔ اگر آج کوئی خالص ”حکومت الٰہیہ“ پھر قائم ہو جائے تو شاید پھر کسی گوشہ سے یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ قومی قیادت کی کسوٹی شخصی اعمال کو ہونا چاہیے لیکن جب تک ”حکومت الٰہیہ“ قائم نہیں ہوتی جماعتی اغراض یا ذاتی تعصبات کی بنا پر لیڈروں کی شخصی زندگی کو قومی سیاست میں گھسیٹ کر لانا حماقت اور بیہودگی کے سوا کچھ بھی نہیں ! یہ کیا انصاف ہے کہ زندگی تمام قومی خدمات پر اسکی بعض شخصی لغزشوں کی وجہ سے خاک ڈالی جائے ۔ اور صرف جماعتی تعصبات کے تحت اس قسم کے اخباری مباحث سے سیاسی مسائل میں انتشار پیدا کیا جائے ؟ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ سیاست پر اولے مذہبی تعصبات حاوی ہوگئے ہیں اور اب یہ صرف مسلم و غیر مسلم ہی کا سوال نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بعض فریقین کے رویتیانہ غلو کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم کسی لیڈر کے خیالات سے متفق نہیں ہیں تو ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ اس بات کا پتہ چلائیں کہ اس شخص نے نکاح اسلامی طریقہ کے مطابق کیا تھا یا نہیں ! ....

چوروں کی طرح لوگوں کے گھروں کے اندر جھانکنے کا جو شیوہ ہماری صحافت نے اختیار کیا ہے وہ اسکے لیے ہرگز قابل فخر نہیں ہو سکتا .... (پیام)

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور انکا مدلل جواب

(از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۴)

البتہ "اسرائیلی روایات" جو کتب مقدسہ مثلاً توراۃ و انجیل وغیرہ میں درج ہیں انکا درجہ قریب قریب وہی ہے جو کتب تاریخ میں درج شدہ واقعات کا۔ بلکہ چونکہ ان کتب میں تحریف ہو چکی ہے اور ان کا کوئی سلسلۂ سند موجود نہیں ہے نہ اسکے رواۃ کے ذوات و صفات کا کوئی علم ہے۔ اس لیے ان روایتوں میں جو اسلامی اصول درایت پر پوری اترتی ہیں وہ درجۂ ظن میں بلکہ اس سے بھی کم درجہ میں قابل قبول ہیں اور جو ایسی نہیں ہیں وہ قابل رد ہیں، لیکن اگر مشہور عام روایات اور ان روایات میں تعارض ہو تو کسی ایک کو ترجیح قرائن کی بنا پر حاصل ہوتی ہے ورنہ مشکوک ہوتے ہیں۔ دونوں کا درجہ یکساں ہے۔ اس لیے کہ سلسلۂ سند مفقود ہونے کی حیثیت سے دونوں یکساں ہیں

(۴) جہاں قرآنی بیان اور اسرائیلی بیان میں تعارض ہو وہاں قرآنی بیان کو قطعی طور پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ ترجیح اسلامی نقطۂ نظر سے بھی ہے اور عقلاً و اصولاً بھی اس لیے کہ قرآن مجید کے متعلق مخالفین کا بھی اقرار ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ ہے۔ اور اسرائیلیات محرف ہیں۔ نیز اسکے بیان کردہ قصوں کی تردید اسرائیل کی جانب سے ثابت نہیں۔ حالانکہ اسکا خود دعویٰ ہے۔ ان ہذا القرآن یقص علیٰ بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون (نمل) اور اس دعوے کی تردید بھی منقول نہیں ہے۔

قصہ قابیل و ہابیل اس قصہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے خود اقرار فرمایا ہے کہ "تاریخ" کی روایت میں اور قرآنی بیان میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اگر مماثلت بھی ہوتی تو اس سے ڈاکٹر صاحب کا مقصد ہرگز نہیں پورا ہو سکتا تھا جیسا کہ ہم اس بحث کی ابتدا میں پہلے اصول میں واضح کر چکے ہیں؛ تاہم ڈاکٹر صاحب کو اعتراض کرنا ضروری تھا، اس لیے آپ نے "فرر" کی روایت کو اسکا ماخذ قرار دیدیا۔ لیکن اس اخذ کی دلیل کیا ہے؟ اسکا کوئی جواب ڈاکٹر صاحب کے پاس نہیں ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ قرآنی بیان اس روایت سے بھی بالکل مختلف ہے۔ ربی مذکور کی روایت میں ہے کہ کتے نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کا فن سکھایا اور قرآن مجید کہتا ہے کہ اس نے قابیل کو سکھایا۔ پھر بھی ثانی کو اول سے ماخوذ کہنا ڈاکٹر صاحب ہی کے ایسے دلیر انسانوں کا کام ہو سکتا ہے۔ موصوف اگر غور فرماتے تو انکو معلوم ہوتا کہ اس اختلاف کی وجہ سے جو موصوف کو بہت معمولی معلوم ہوتا ہے روح قصہ میں کسقدر عظیم الشان فرق ہو گیا۔ قرآنی بیان کی روح یہ ہے کہ قابیل کوے کے اس فعل کو دیکھکر اپنے گناہ کی خاصیت کا ادراک کرتا ہے یعنی اسکو مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس گناہ نے اسکے ذہنی قوے کو مضمحل کر دیا ہے۔ اور اسکے فہم عمومی کو بھی اس سے چھین لیا ہے۔ اس پیرایہ میں قرآن مجید گناہوں کی اس خاصیت کا بیان بھی کرتا ہے کہ انکا اثر کم و بیش اور مختلف صورتوں میں عقل و فہم پر بھی پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ انسانی فہم کو حیوانی فہم سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔ دوسری چیز جو قرآنی قصہ سے سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ انسانی فہم جب تشریعی مناہج کو چھوڑ دیتی ہے اور وحی کے مقرر کیے ہوئے راستوں سے منہ موڑ لیتی ہے تو اسکو محض طبعی مناہج پر چلنا پڑتا ہے۔ اور اس حالت پر پہونچکر اشرف المخلوقات اسقدر ذلیل ہوتا ہے کہ اسکو حیوانات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے۔

اسرائیلی قصہ میں قرآنی قصہ کی اس روح کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان نے اپنی معاشرتی افعال و حرکات کو حیوانات سے سیکھا ہے۔ یہ بات نہ صرف غیر اہم ہے بلکہ کلیہ کی حیثیت سے مہمل اور غلط بھی ہے۔ اس خیال کی سرحد اگر غور سے دیکھو تو ڈارون کے لغو و لایعنی نظریۂ ارتقا سے ملی ہوئی نظر آئیگی۔ جو ان سب ادیان کے نزدیک واجب الرد ہے جو اپنے مذہب کو الہامی کہتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ربی کی غلط روایت یا جو اسرائیلی روایات اس بارے میں مشہور تھیں قرآن مجید نے انکی غلطی کو واضح فرما کر صحیح واقعہ بیان فرما دیا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کو یہ تردید و تصحیح اخذ و استنباط نظر آتی ہے۔ سچ ہے ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است

اس آیت کا ربط قابیل و ہابیل کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ موصوف کے اس اقرار نافہمی پر ہنسی بھی آتی ہے۔ سوا اسکے کیا کہیں کہ ؎

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا ست

بہرحال ہمارا مشورہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی معمولی عربی کے طالبعلم سے قرآن مجید کے اس مقام کو پڑھ لیں یا اگر دیکھ سکتے ہوں تو کوئی معمولی سی تفسیر دیکھ لیں تو انکی مشکل حل ہو جائیگی۔

تفسیر نادر میں موسیٰ کی عبارت نقل فرما کر ڈاکٹر صاحب بہت مسرور ہوئے کہ دیکھیے قرآن مجید کا یہ مضمون اس میں مل گیا اس لیے یہ اسی سے ماخوذ ہے۔ اس لغو بات کا جواب تو گذشتہ صفحات میں بار بار دیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ کسی مضمون کا اشتراک اخذ کی دلیل نہیں ہے۔

اب اسکے اعادے کی حاجت نہیں ہے مگر یہاں یہ بات عرض کر دینا

مشیت و رضا

(از جناب ابو احمد غلام دستگیر صاحب گلبرگہ - دکن)

انسانی مادی، عقلیاتی، دماغی الجھن انکار اور دلی اضطراب کی پیدائش اس لیے ہوتی ہے کہ شعور و فکر کی قوتیں بیدار ہوں اور انسان حقیقت و معرفت کی جانب قدم بڑھائے۔ تکالیف و مصائب اور افکار کی یورش اس لیے ہوتی رہتی ہے کہ ان سے نجات کی کوشش کرتے ہوئے انسان اچھی طرح جان سکے کہ مادی ذرائع کس حد تک اسکی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ مطلق مادی ذرائع کی کثرت خزانہ [illegible] کے لیے مصائب و آلام کے نئے نئے میدانوں کا اضافہ کرتی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا رہا ہے کہ پھر اس دور کا اعادہ ہو کہ بندہ صرف ایک و احد ہستی کی جانب اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ رجوع ہو جائیں۔ دماغی غلجان اور دلی اضطراب [illegible] پیچیدہ مسائل کرنے کا نام ہے۔ وہاں کوئی غلجان اور اضطراب نہیں جہاں سلسل ایک ہی ایک پیش نظر دل کی احتیاج اور اسکی پیاس اسوقت تک نہیں بجھتی جب تک کہ دل کی بے پناہ وسعتوں کو ربانی تجلیات پر نور و معمور نہ کر دیں۔

وہ جو اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اُسی سے استعانت طلب کرتا ہے اُسکو اسکی قدرتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اپنی احتیاج اسکی عطا، اپنی بیکسی و بے بسی اور اسکی قدرت و طاقت، اپنی موت و فنائیت، اُسکی حیات و بقا، اپنا جہل، نادانی و ظلم، اسکا علم، حکمت اور عدل اُس پر روشن ہوتے ہیں۔ یہی آب و گل سے آگے عالم، حکمت اور عدل اُس پر روشن ہوتے ہیں۔ یہی آب و گل سے آگے عالم بالا کا پاتا ہے۔ اسی سے دماغ کا غلجان، دل کا اضطراب دُور ہوتا ہے۔ وہ جو اسکی جانب رجوع نہیں ہوتا اور نہ اُس سے استعانت طلب نہیں کرتا۔ اسکو صفات و تجلیات کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف نفسانی خواہشات کی ہنگامہ آرائی کو دیکھتا ہے۔ اس لیے اسکو اپنی ہستی چند روزہ فانی نظر آنے لگتی ہے۔ اسکو بقا اور حیاتِ دوام سے محرومی ہو جاتی ہے۔ ازلی و ابدی نعمتوں اور ہزارہا عالم کی سیر سے محروم رہ جاتا ہے کیا ہی بدنصیبی ہے اور کیا ہی حسرت و الم!

جبر و اختیار، مشیت و رضا، خیر و شر، جزا و سزا، فنا و بقا، اسی قسم کے منطقی سوالات ہیں، جنکے حل کرنے کے لیے ہر دل انسانی کو مضطر رکھا جاتا ہے۔ یہ سوالات الست بربکم، قالوا بلیٰ کے منطقی و سادہ سے بر سرِ پیکار ہونے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان سے دل بے چین اور مضطرب پیدا ہوا کرتا ہے۔ خود ہی کی غور و فکر اور عجز و دعا کے بغیر کسی کبھی دماغ اور ذریع قلب نے الہامی تعلیمات کی جانب صدق دل سے رجوع ہوں تو ان حالات مسائل کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور یہ اللہ ہی کے ذکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ ہدایت متقین کے سبب ہے، صاف و پاک دل، عجز و انکساری سے رجوع ہونے والوں کے لیے ہے۔

مومن کے دماغ میں مشیت کے متعلق غلجان اُسوقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ بدی اور اسکی آخری سزا پر غور کرتا ہے۔ سزا کے درد و تکلیف سے ڈرتا ہے۔ بدی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اطاعت میں تساہل اُس سے سرزد ہو جاتا ہے۔ اسکا دل متاسف اور ملول ہوتا ہے۔ وہ توبہ و استغفار کی جانب رجوع کرتا ہے۔ دل میں خشیت اور اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ بدی اور نیکی کی تمیز آجا گر ہونے لگتی ہے۔ بندہ خدا کی مزید رحمتوں کا مستحق ہونے لگتا ہے۔ شیطان سے بھلا ان رحمتوں کا جوش میں آنا کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اُسکو اپنے عدول حکم پر اصرار رہے۔ وہاں گناہ کا اقرار کہاں۔ یہ بندہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہے۔ اللہ کی رحمتوں کا طلبگار بن رہا ہے۔ ایسے مومن کو شیطان توبہ و استغفار کی نعمتوں سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ مشیت کے غلط مفہوم سے گناہ پر اصرار کرانا چاہتا ہے۔ یہ عدو مبین کا ایک فریب ہے مشیت کے اس غلط مفہوم کو دور کرنا ہے تو اللہ ہی کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ اور اُسی سے اس امر کی استطاعت طلب کرنی چاہیے کہ فہم نصیب ہو۔ اور یہی اللہ کا ذکر ہے اور انشاء اللہ اس تسلسلِ ذکر، عبادت و استعانت سے دماغ کا غلجان اور قلب کا اضطراب دُور ہوگا۔ مشیت و رضا کے فہم کے لیے انسان کی عاجزی اور اسکی رحمتیں درکار ہیں۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔

مشیت کے متعلق مومن کے دل میں اُسوقت بھی اضطراب پیدا ہوتا ہے جب عذابِ دوزخ کے تصور میں ظلم کا شائبہ پیدا ہو جائے اسکی حکمت اور صفت عدل و رحم کو بندہ فراموش کر جائے اور اپنی اُس استعداد کی نفی کرے جسکا وہ مکلف کیا گیا ہے۔ اور جب وہ اپنے اختیارات کے [illegible] اور قانونِ دینی کے تحت پیدا ہونے والے واقعات جو عظیم تر کائنات کے اپنے مقصد کی طرف روانی میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملا دے۔ قلبی ایمان کے بجائے عقل تجزیہ کرے۔ وہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا سے آگے مکلف نہیں ہے۔ ہر مومن کے دل کی دھڑکنیں اسکی وسعتِ نفس کا ہر آن پتہ دیتی رہتی ہیں۔ یہ کسی سے دریافت کرنے کا امر نہیں ہے، اپنا آپ محاسبہ ہے۔ اسکو اس امر کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ خشوعِ قلب سے ہر معاملہ کے فہم کے لیے اللہ ہی کی جانب رجوع ہو۔ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے اللہ ہی کی طرف دوڑے اور اسکی پناہ میں آ لے۔ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس۔ اگر قوت کے استقلال کے لیے یہ اپنے آپ کو دیکھیگا۔

تو نفس کی طرف رجحان ہوگا، اللہ کی استعانت نہ ہوگی، بدی کی نفی ہوگی، گناہ سے بچنا دشوار و ناممکن ہوگا۔ اسی دیر اور عبادت کی طرف بلایا جاتا ہے، "الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اہدنا الصراط المستقیم۔

کائنات جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اسکا رخ عالم ایک خاص ترتیب و نظام اور اٹل اصول و قوانین پر چل رہا ہے۔ ابتدائی وجود کے آثار و سیع تر زمان و مکان کے تخلیقی پردوں پر نمایاں کیے گئے۔ مدریجاً ان آثار وجود سے حیات، نشو و نما اور حرکت و ارادہ کی تخلیق کی گئی۔ عالم جمادی، نباتی، حیوانی زجود میں آیا۔ انکی تعمیر و تخریب، ترکیب و تحلیل، حیات و موت، ظلمت و نور کی گردشوں سے کسی فعال مطلق کے وجود کا اظہار کیا گیا۔ کوئی ہوتا جو اظہار جلال و جمال اور قدرتوں و حکمتوں کو دیکھتا، اور پیدا شدہ عالم سے اسکا پتہ چلاتا۔ اسی دوسرے مقصد کی تکمیل کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا۔ اُسکے رحم و کرم، عدل و انصاف اور صفات کی معرفت کے لیے۔ اس انسان کو عقل و ارادہ کے ساتھ قدرت و اختیار کی بخشش ہوئی۔ اب بندوں کی جانب سے شوق و اشتیاق اور خلوص و محبت کی پیشکش ہے۔

قانون تکوینی کے تحت مخلوقات کے دو دائرے قائم ہوتے ہیں۔ ایک وہ مخلوق جس سے خدا کے وجود، قدرت و طاقت، حکمت و کبریائی کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔ یہ جلوہ نمائی اس مخلوق کی تسبیح و تحمید ہے۔ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض اور ولِلّٰہ یسجد من فی السموات والارض طوعا و کرہا۔ دوسری مخلوق ہے جسکو اس پہلی مخلوق پر شرف حاصل ہے۔ وہ جلوہ نمائی سے آگے جلوہ آرائی کو دیکھنے کی استعداد و صلاحیت رکھتی ہے اس استعداد رکھنے والے مختار انسان کا اُسکی طرف آنا ذوق و شوق سے ہو، یہ اُس پیدا کرنے والے کی رضا ہے۔ وہ جلوہ آرا ہو اور دیکھ کر ذوق و شوق سے بڑھنے کی استعداد رکھنے والا اسکی جانب نہ بڑھے، یہ اسکے غضب کا باعث ہے۔ اس کی بے نیازی اسکو پسند نہیں کرتی کہ کسی استعداد رکھنے والے کو جبراً بلایا جائے۔ بس یہی وہ اجازت ہے جس سے عالم انسانی میں تمام معصیتی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء و یہدی من یشاء ولتسئلن عما کنتم تعملون۔ انسان کو استعداد دی گئی ہے، اس لیے وہ یہدی من یشاء ہے اور اسی کی جانب اجازت ہے اس لیے یضل من یشاء۔ وہ جو سوال کرتے ہیں کہ کیا اللہ چاہتا تو ہم بدی سے بچ کر نیکی نہ کرتے، دراصل اللہ کی صفت صمدیت و بے نیازی کا شکوہ کرتے ہیں، اور اپنے اختیار و تمیزی کو ناپسند کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ انسانی دنیا کے جذب و شوق اور اشتیاق و محبت کی ہنگامہ آرائی کی تخلیق کی شکایت کرتے ہیں۔ اس طرح کائنات کے ان بلند مقامات کے حصول سے جو حیات، دوام اور ابدی مسرت کے لیے بنائے گئے ہیں اور جو عمل سے آگے صرف جذب و شوق اور محبت ہی کے میدان ہیں، محروم رہنا چاہتے ہیں۔

بلندیوں کا راستہ قانون تکوینی کے تحت مصائب و آلام سے گزرتا ہے۔ انسان میں انتخاب و اختیار کی قوتوں کی نشو و نما، جذب و شوق، عزم و ثبات، استقلال، عدل و شجاعت کی پیدائش ان ہی صبر و شکر اور تسلیم کے وسیع میدانوں میں ہوتی ہے۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ اور ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات، کی آزمائشوں اور احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لا یفتنون، کے مقامات اسکی ترقی ہی کے لیے بنائے جاتے ہیں، ترکیب و تحلیل، تعمیر و تخریب، حیات و موت، ظلمت و نور کی پوری گردشیں اسکے آگے انہیں صفات کی پیدائش کے لیے ہوتی رہتی ہیں۔ اور وہ بھی جو اس دار العمل میں عمل سے آگے صرف جذب و شوق میں مصروف رہنا چاہتا ہے، اُسکی صورت گوشہ نشینی کی ہو جاتی ہے، بلند تر مراتب کے حصول کے لیے وسیع تر میدانوں میں جہاد کی ضرورت ہے۔ سابقوا الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ عرضہا کعرض السماء والارض۔

انسانی دور کائنات میں ایک عبوری دور ہے۔ اس میں تمام اختیارات کو اپنی ہی بھلائی کے لیے جبر و اکراہ کے دائرہ سے آگے اختیاری طور پر ذوق و شوق کے ساتھ قانون تشریعی کے تحت اسکی مرضی کے لیے تقسیم پر دکر دینا ہوتا ہے اور اُس عالم بالا میں داخل ہونے کے لیے پوری جد و جہد کرنی ہوتی ہے۔ جو اس جد و جہد سے گھبرا جائے اور اُسکی استعانت سے بے پروا ہو جائے اُسکے لیے اُس عالم بالا میں کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ اُنچا بالا مقام ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کا مقام ہے، اور فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کا مقام ہے اور صرف متقین کے لیے ہے۔ باوجود اختیار کے رضا کو حاصل نہ کرنے پر حسرت ہی حسرت افسوس ہی افسوس اور ذلت ہی ذلت ہے۔

رحمت کس کو کہتے ہیں؟ کونسی دنیا مجسم، ٹھوس اور حقیقی ہے، اس حاسہ کے نہ رکھنے والے کو کیا بتلائیں جو دولت کی ٹھاٹ بھری چھاؤں کو بلند بلند مکانات میں عیش و آرام کو، کھانے پینے پہننے کی لذتوں کو نفسانی و تجارت کی تکمیل کو مجسم اور ٹھوس سمجھتے ہیں اور دل میں اضطراب ہی اضطراب رکھتے ہیں۔ رحمت کی دنیا دل میں مسرت، اطمینان اور نور کو بھر دیتی ہے جس سے دنیا والوں کے دل خالی ہوتے ہیں کون ٹھوس ہے کون مجسم ہے، کونسی حقیقت ہے؟ یہ اللہ والے ہی بتلا سکتے ہیں وہو معکم اینما کنتم۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ اور الیس اللہ بکاف عبدہٗ کی مجسم و پُر نور کائنات سے سرفراز ہیں انکی نظروں میں انما الحیوۃ الدنیا لعب و زینۃ و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

غیر لیگی لیڈروں کی زبان

ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ جب علیگڈھ اور کشمیر میں بعض لوگوں نے مولانا ابو الکلام آزاد کے خلاف غیر مہذبانہ مظاہرے کیے تو ہم لاہ ان کے خلاف شدید الفاظ میں اظہار نفرت کیا۔ اس لیے کہ پبلک زندگی میں اگر اس قسم کی حرکات کو جائز یا حق بجانب قرار دیا جائے تو کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اسکے علاوہ مولانا ابو الکلام اپنی تحریر و تقریر میں اسقدر شائستہ و محتاط انداز اختیار کرنے کے عادی ہیں کہ انکے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو شخص اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف کبھی ایک دلآزار لفظ بھی استعمال نہیں کرتا۔ انکی دلآزاری نہایت نا درست اور کمینہ حرکت ہے۔

لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض دوسرے غیر لیگی لیڈر اس قسم کی احتیاط ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک بزرگ نے اپنی بعض تقریروں اور رسالوں میں ایک دور سے مسائل پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ "مسلم لیگ برطانیہ کی قربان گاہ پر جان، مال عزت اور مذہب کو قربان کر دینا ضروری سمجھتی ہے"۔ اسکا جواب جو کچھ دیا جائیگا وہ یقیناً دلآزار ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کے خیالات کے اظہار پر اصرار کریگا، اسکو بعض جوشیلے برا بھلا بھی کہہ گزریں گے۔ خاکساروں کے لیڈر علامہ مشرقی نے تو اس معاملہ میں بازاری غنڈوں کو بھی مات کر دیا۔ آپ نے امرتسر میں مسٹر جناح کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ قائد اعظم پر خدا کی لعنت۔ وہ جھوٹا، مکار اور کافر ہے"۔ اب خود ہی انصاف کیجیے، اگر اسکا جواب بعض غیر ذمہ دار اور جوش میں بھرے ہوئے نوجوان لٹھ سے دیں، تو اس میں قصور کس کا ہے۔ مولوی مظہر علی اظہر نے مسٹر جناح کے خلاف نہایت زہریلی تقریریں کیں اور انہیں کافر تک کہنے میں تامل نہ کیا۔ حالانکہ ہمیں مولوی مظہر علی سے مشرقی صاحب سے زیادہ شائستگی کی توقع تھی۔ <u>مسٹر جناح اور</u> <u>دوسرے ذمہ دار مسلم لیگی لیڈروں نے آج تک اپنی کسی تقریر و تحریر</u> <u>میں کسی کی دلآزاری نہیں کی۔ کسی کو گالی نہیں دی۔ کسی کو کافر</u> <u>نہیں بنایا۔ پھر انکو کیوں گالیاں دی جا رہی ہیں؟</u>

حالات بہت نازک ہیں۔ اس لیے ہم ہر مسلمان جماعت کے لیڈروں اور کارکنوں سے بمنت التجا کرتے ہیں کہ وہ کسی حالت میں بھی (خواہ انھیں اشتعال بھی دلایا جائے) اخلاق اسلامی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اسی میں ملت اور اسکے اخلاق کی عزت ہے اور اسی میں ہر شخص اور ہر جماعت کی آبرو کا تحفظ مضمر ہے۔ (انقلاب)

سر شاہ سلیمان مرحوم

نائب ۔۔۔ میں سر شاہ مرحوم، علیگڈھ یونیورسٹی کے مستقل وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ ایسے قابل، بے لوث، اور ان تھک کام کرنے والے ہم میں خال خال ہیں۔ علی گڈھ یونیورسٹی کا کام خصوصیت کے ساتھ نہایت پیچیدہ، بے پایاں، اور مختلف النوع ہے۔ اس سے خاطر خواہ عہدہ برآ ہونا معمولی بات نہیں۔ سر شاہ ہمیشہ ہر اتوار کو یا جب کبھی فیڈرل کورٹ میں چھٹی ہوتی یا موقع مل جاتا، علی گڈھ چلے آتے، اور آنے کے ساتھ ہی یہاں کے کاموں میں منہمک ہو جاتے۔ آفس ہی میں قیام کرتے۔ ڈائننگ ہال سے خرید کر کھانا منگاتے اور آفس ہی میں سوتے۔ وہ یونیورسٹی کا ایک پیسہ اپنی ذات پر صرف نہ کرتے۔ بلکہ اس بارے میں وہ اس درجہ محتاط تھے کہ بعض گزرے زمانے کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ دن رات طلبا، اساتذہ، غیر ان کے عمائد و اکابر سے سابقہ رہتا۔ انکی سنتے، اپنی کہتے اور نپٹاتے۔ انھوں نے کسی سے کسی حال میں ملاقات کرنے سے گریز نہ کیا"۔ (پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ ایم، اے)

(بقیہ صفحہ ۵)

ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس معاملہ میں بھی چوک گئے ہیں۔ "اسی وجہ سے آدم کو تنہا پیدا کیا گیا تھا تاکہ وہ ہمیں سکھائے" ان الفاظ اور قرآنی الفاظ "من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل" میں جو فرق عظیم ہے، وہ بلاغت و نفسیات کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ یہ اسرائیلی روایت تو محض یہ بتاتی ہے کہ یہ حکم ایک اخلاقی تعلیم ہے اور قرآن مجید اسکو ایک اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا فریضہ قرار دیتا ہے۔ دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ بریں اس اسرائیلی روایت میں آدم علیہ السلام کی تنہا پیدائش کا تعلق اس تعلیم سے بالکل غیر واضح ہے۔ حضرت آدم کی تنہائی کو بھلا اس تعلیم میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔

"کی ادعائی مماثلت سے ڈاکٹر صاحب سے ڈاکٹر صاحب نے جو استدلال فرمایا ہے، اسکو دیکھ کر یہ مثل یاد آگئی "الغریق یتشبث بکل حشیش" یعنے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ بات اسقدر مہمل ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ جواب دے کر اسکی وقعت کو بڑھایا جائے۔ بس عرض یہ ہے کہ حضرت، "بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے"۔

اچھا ڈاکٹر صاحب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "خدا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور اہل ہند کی قبل مسیح کی کتابوں میں بھی اسی لفظ کا مرادف لفظ استعمال ہوا ہے، تو کیا آپ تسلیم کریں گے کہ حضرت علیہ السلام نے اپنی تعلیمات ہندوؤں سے اخذ کی ہیں؟

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

نمبر ۴۶ | سہ شنبہ ۱۶ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۳ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

"خاموش لمحہ"

لندن کا مشہور و معروف گھنٹہ گھر BIG BEN جب رات کو نو کا گھنٹہ بجاتا ہے، تو اُسوقت ایک منٹ کے لیے وہ گھنٹہ بھی خاموش ہو جاتا ہے، اور سرکاری طور پر ساری انگریزی عملداری پر کامل سکوت کا تسلط ہو جاتا ہے - انگریزی قوم جو سکوت اور سکون کو شاید جمود بلکہ موت کا مرادف سمجھتی ہے، اور مسلسل حرکت میں برکت خیال کرتی ہے، اس ایک منٹ کے لیے خاموش ہو جاتی ہے اور ہر فرد اُسوقت اپنے عزیزوں، دوستوں، اور قوم و وطن والوں کا خیال کرنے لگتا ہے - ۱۱- نومبر ۱۹۱۸ء سے یہ دستور چلا آتا ہے، اور اُسوقت یہ وجود میں اسی غرض سے لایا گیا تھا کہ جنگ کے زمانہ میں وطن والوں کو اپنے دور رفتادہ عزیزوں، دوستوں کی یاد تازہ رکھنے کا موقع ملتا رہے ——— قوم میں اجتماعی شعور پیدا کرنے کے لیے، افراد قوم میں اجتماعیت برقرار رکھنے کے لیے یہ نسخہ اکسیر پایا گیا، اور اب وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے اپیل شائع کی ہے، کہ اس دستور کو مستقل کر دیا جائے، کہ یہ جنگ و امن دونوں حالتوں میں اجتماعی کیسوئی کے لیے بے نظیر ہے - انگریز اُسوقت دُنیا کے کسی حصہ میں بھی ہو، عین اُس لمحہ اپنا سارا کاروبار چھوڑ اسی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اقبال لندن اور فاتح برطانوی قوم کے اس نو ایجاد "خاموش لمحہ" سے لگا ہوا، لیکن وحدت و یکجہتی کے اب تک بدرجہا مؤثر اور قدیم تر "منظم لمحہ" آپ کے پاس بھی ہے، آپ کے ذہن کا گڑھا ہوا نہیں، آپ کے خدا کا سمجھایا ہوا، آپ کے رسول کا بتلایا ہوا! ——— وہ پانچ بار کا لمحہ وہی تو ہے، جس وقت آپ کی مسجدوں کی فصیلوں اور میناروں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے! کوئی مسلمان اُسوقت کہیں اور کسی حال میں ہو، کچھ کر رہا ہو، پڑھا رہا ہو، کھا رہا ہو، پی رہا ہو، چل رہا ہو، اسکول میں ہو، کالج میں ہو، دفتر میں ہو، دکان میں ہو، کچہری میں ہو، جیل میں ہو، ریل میں ہو، کھیت میں ہو، جنگل میں ہو، معاً اُس پر ذکر اللہ اور نماز کی طرف توجہ واجب ہو جاتی ہے، اور ہر دنیا دار آناً فاناً دیندار بن جاتا ہے! اور سب کے دل میں مادی علائق سے الگ ایک آن دیکھے خدا کی یاد، اور سمت قبلہ کی طرف رُخ کرکے دست بستہ کھڑے ہو جانے کی تحریک تازہ ہو جاتی ہے! ——— یہ نعمت آپ کو ہر روز ایک بار نہیں، پانچ پانچ بار حاصل رہتی ہے - اور وحدت آفرینی کے برقی اثر اور مقناطیسیت میں ہر انسانی اختراع اور ہر مصنوعی ذریعے سے کتنی بڑھی ہوئی! حیف ہے کہ ہم اصل کی قدر نہ کریں، اور اغیار کی ناقص اور ناتمام نقلوں کی طرف لپکیں، دوڑیں، اور اُنھیں کو غنیمت سمجھیں!

اسلام کا معجزہ

ٹائمز لندن نے ڈسمنڈ کی نئی کتاب یسوع یا پولس JESUS OR PAUL پر اسپیکٹیٹر (۱۲- اکتوبر ۱۹۴۵ء) کا تبصرہ :-

"کتاب کا مطمح نظر ہے کہ پولس سے یسوع کی طرف : ایسی مصنف کا دعویٰ ہے، کہ اناجیل اور خطوط کی عبارات و اشارات دونوں سے اسکا قطعی ثبوت مل جاتا ہے کہ یسوع اور پولس کی دنیا بالکل مختلف

شخصیتیں تھیں، دونوں کی تعلیمات باہم متضاد، اور آج دنیائے مسیحیت کے جتنے کلیسا ہیں وہ پولوس کے تیار کردہ سیوع کے ۔ یہ راستہ ہوتا ہر جگہ ہی [illegible] ہوتی ہے، لیکن [illegible] کی تحقیق بالکل یہی ہے، اور اسکے لیے [illegible] کتب مقدسہ کے حوالہ دیتے گئے ہیں۔ اور کہیں کہیں ما تفسیر بھی پیش کی ہے بہت سے جواب حق حضرات کے لیے یہ امر باعث تشویش رہے گا کہ مسیحی [illegible] ایک غلط عقیدہ پر رواگیا ہے یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے لیے سند نکلتا ہے نہ یہ اوس ہیں، بلکہ خود [illegible] ہیں ......"

اصل کتاب کے مطالعہ سے ایک حد تک بے نیاز کر دینے کے لیے یہ تبصرہ کافی ہے۔ مصنف نے اگرچہ کچھ لکھا ہے، اُس نے حق بیانی اور اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسلام اور مسیحیت کی یہی تو اصلی جنگ ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت و پیام کی طرف واپس چلو، اور مسیحیت کو اصرار ہے کہ ہمارے لیے پولوس کی تعلیم بہت ہے حق و باطل کے، معرکہ کا مرکزی نقطہ صرف یہی ہے۔ شکر صد شکر کہ صدیوں کے بعد بھی، ایک آواز تو مسیحستان اور فرنگستان سے دین حق کی تائید میں بلند ہوئی —— اسے اسلام کا معجزہ نہیں تو اور کیا کہیے!

طوفان زندگی

قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد (اٹک)

سے تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی زید مجدہم کے متعلق اخبارات میں پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ یہ تحقیر قوم کی خود داری ہے۔ تحقیر ہی نہیں بلکہ فنائے قوم کا پیام ہے۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد تا دلِ [illegible] بدسے ایذا نکرد

حضرت کا روحانی پیشوا ہونا اور شیخ اعظم ہونا مسلم ہے"

اسی ڈاک سے انجمن اصلاح الکلام (رانڈیر) کا رزولیشن موصول ہوا ہے۔ جس میں سید پور (بہار) میں "وارث نبیؐ" اور جانشین شیخ الہندؒ کی توہین پر سخت ناگواری اور بیزاری کا اظہار ہے۔

توہین و تحقیر کسی کلمہ گو کی بھی بلا ضرورت شرعی جائز نہیں، بلکہ داخل معصیت ہے، چہ جائیکہ کسی مقتدا و پیشوا کی۔ اور اس لحاظ سے یہ آجکل جو کچھ بھی، اور جس فریق کی طرف سے بھی، جلسوں میں ہو رہا ہے، یا اخباروں میں لکھا جا رہا ہے، سب یکساں قابل مذمت و مستحق ملامت ہے۔ ایک دوسرے کی ہجو شایع کرنا، تحریراً یا تقریراً ایک دوسرے پر تعریض و طنز کرنا، نظم و نثر میں خواہ مخواہ ایک لیڈر کا دوسرے لیڈر سے تقابل و تفاضل اور پھر اُسکے جواب و جواب الجواب کا سلسلۂ نامتناہی، جس سے ہر فریق کے دل میں دوسرے کی طرف سے نفرت اور عداوت پیدا ہو جائے۔ یہ سب چیزیں ناجائز ہی نہیں، بلکہ نامناسب اور خلاف مصلحت بھی ہیں۔ بجز اسکے کہ اس سے دوسرے فریق کو اشتعال ہو، اور امت کے اندر مزید تفریق پیدا ہو جائے، نفع قت کو تو کیا ہوتا، کسی پارٹی کو بھی نہیں ہوتا۔ بلا ضرورت اپنے

[illegible] تعداد میں اضافہ کرنا، تقاضائے عقل و مصلحت کے [illegible] ہے لیکن دوسری طرف اخباری روداتیں بھی [illegible] ہوتیں۔ اکثر لوگ ایسے ہیں، جو صداقت و دیانت [illegible] جذبات پر قربان کر دیتے ہوں۔ لاگ گڑھتے ڈکم ہیں، لیکن [illegible] غلط نظر سے دیکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ صورت واقعہ بالکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایک بات مولانا مدظلہ کے مریدین و مخلصین کے، اور عام مسلمانوں کے بھی خاص طور پر سمجھ لینے کی ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کی ایک ہی حیثیت نہیں، متعدد و متنوع حیثیتیں ہوتی ہیں، اور کسی کی اگر ایک حیثیت کا انکار کیا جاتا ہے، تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اسکی دوسری حیثیتوں سے بھی انکار ہے، بلکہ اتنا بھی لازم نہیں [illegible] آتا کہ وہ دوسری حیثیتیں سرے سے زیر بحث آ جائیں گی! حسرت موہانی کے سیاسی مسلک سے اختلاف اُنکے شاعرانہ کمالات سے انکار کو ہرگز مستلزم نہیں۔ جناب جناح صاحب کی سیاسی قیادت سے اپنی کسی لیے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ وہ اُنہیں ایک کامیاب و نامور بیرسٹر بھی نہ سمجھتا ہو۔ مولانا ابوالکلام کی لیڈری سے انکار کا کوئی یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھتا کہ مولانا کی انشاپردازی و خطابت بھی زیر بحث آ گئی ہے —— یہ اصل جو عرض کی گئی بالکل صاف و صریح ہے۔ لیکن بحث اور جوش کی گرماگرمی میں ایسی موٹی باتیں بھی ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ مولانا کے مخلصین مطمئن رہیں، کہ یہ جتنے بھی مظاہرے مولانا کے خلاف ہو رہے ہیں، یہ اُنکے روحانی پیشوا، اُنکے شیخ و مقتدا، اور نائب رسولؐ کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں ہو رہے ہیں۔ کسی نے نہ مولانا کے محدث ہونے پر جرح کی ہے، کسی نے نہ مولانا کے اذکار و اشغال پر گفتگو و بحث کی ہے، اور کوئی نہ مولانا کے مجاہدات کی تکذیب کر رہا ہے۔ مولانا کی ذات ان تمام حیثیات سے اسوقت قطعاً زیر بحث نہیں۔ یہ مظاہرے صرف اُن مولانا حسین احمد کے خلاف ہو رہے ہیں، جو ایک سیاسی لیڈر ہیں۔ اور وقت کی سیاسی بحثوں میں ایک خاص فریق کے ساتھ ہیں۔ اس قسم کا اختلاف، شدید سا شدید، امت میں آج سے نہیں، عہد صحابہ سے چلا آ رہا ہے، یہ اہل سنت کے خاص امتیاز و فخر کی چیز ہے، کہ انھوں نے اپنے اندر گنجایش دونوں متقابل ہی نہیں، متحارب فریقوں تک کی رکھی ہے —— امیر معاویہؓ کو انکار سیدنا علیؓ کے نہ زہد و تقویٰ سے تھا، نہ علم و فضل سے، نہ کسی روحانی، اخلاقی کمال سے۔ اختلاف صرف انکی سیاسی رایوں اور ملکی اجتہادات سے تھا۔ اور اسی اختلاف سے نوبت حرب و قتال تک کی آ گئی۔ یہ واقعہ بہت ہی سبق آموز اور امت کے لیے ہر ہر موقع پر کام آنے والا ہے۔ [نوٹ پریس میں جا ہی رہا تھا کہ سید پور کے واقعات کی تفصیل اخبارات میں نظر سے گزری۔ معاذ اللہ۔ اتنی تندی کسی عامی اور ادنیٰ مسلمان کے حق میں بھی جائز نہیں۔ اور یقین نہیں آتا کہ ایسے صریح مظالم میں کسی بھی ذمہ دار مسلم لیگی کا ہاتھ ہو۔ لیکن یہ افعال داخل

پانچوں وقت مولانا کی اقتداء میں نماز پڑھنے ملتی!
آہ، وہ جہری نمازوں کی لذت! فن تجوید میر فن والے
جائیں، لیکن آواز کی دلکشی اور تاثیر کو تو نہ پہنچ سکتا۔
غضب کی دلکشی تھی۔ فجر کی قرأت خاصی طویل رہتی پھر بھی جی چاہتا
کہ بس سنتے جایئے!

عتاب کے منظر بھی اس مدت میں بارہا دیکھے، مولانا کے ہاں کوئی چیز راز کی یا پوشیدہ نہ تھی۔ یہ منظر اکثر نہیں بعد ہی پیردانی مجلس عام میں پیش آتے۔ مولانا بڑے ہی لطیف الحس و ذکی الحس تھے۔ کسی بے ڈھنگی اور بے قاعدہ بات کی برداشت نہ تھی۔ لوگ آتے، اور ذرا بھی بے قاعدہ باتیں کر لیتے کہ مورد عتاب ہو جاتے۔ تکلف اور مصنوعی ادب و تعظیم تو گویا حضرت کی چڑھ تھی۔ لوگ عموماً اسی کے عادی۔ خیر جس پر جو گزرنا ہوتی گزر جاتی۔ لیکن اتنا تماشہ بہر حال ہوتا کہ خود اسکو بھی آیندہ کے لیے سبق مل جاتا اور دیکھنے والوں کو بھی ہدایت و بصیرت ہو جاتی۔ مجذوب کے اس مصرعہ میں کہ

سنبھالنے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

شاعری نہیں، واقعہ بیانی ہے۔ مجلس میں سب سے زیادہ خبیث اور بے لحاظ بھی ناسپاس نہ تھا۔ بارہا عین عتاب کے وقت مجرم کی طرف سے کچھ عرض معروض کی جرأت کر گزرتا۔ حضرتؒ کا کمال حلم تھا کہ تبسم کے ساتھ، نرم لہجہ میں کچھ جواب ارشاد فرا دیتے——
برکتوں کے دن، فیض کی راتیں گزرتی گئیں۔ آغاز انجام کو پہونچا۔ مدت قیام ختم ہو گئی، اور نومبر کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ یہ مسافر اس آستانہ سے رخصت ہو گیا، نوازشوں اور عنایتوں سے مالامال پھر بھی حسرتوں سے گرانبار۔ ع

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بہت کچھ پوچھ ڈالا، بہت کچھ بے پوچھے پاچھے سن لیا۔ لیکن جو پوچھنا اور سننا اور سیکھنا باقی رہ گیا، اسکی میزان اس سے بھی کہیں زائد!

پہونچا، تو اپنے ناسور ہمنام اور مخلص کرم فرا مولانا عبد الماجد بدایونی مرحوم کا دعوت نامہ حضرت مولاناؒ کے نام جلسۂ مخالف شاردا ایکٹ میں شرکت کے لیے اپنی ڈاک میں پایا۔ بات اب معمولی معلوم ہوتی ہو، اسوقت معمولی نہ تھی۔ یہ شاردا ایکٹ کیا؟ اس کی مخالفت میں جلسہ کیسا اور کہاں؟ اور مولانا کی شرکت کی اس میں کیا اہمیت؟ ہر سوال ایک مستقل جواب چاہتا ہے—— اسی کی نا شدہ سوچوں کو کوئی حال کی فضا میں کیسے ڈھونڈ لائے!
مرکزی اسمبلی میں ایک ہندو ممبر آنریبل مسٹر ہربلاس شاردا نے مسودۂ قانون یہ پیش کیا تھا، کہ ہندوؤں میں کم سنی کی شادی جو نقصان پہونچا رہی ہے، اسکی قانونی ممانعت ہونی چاہیے، اور لڑکی اور لڑکے کی شادی خاص عمر سے قبل جرم قرار دے دینی چاہیے۔
ظاہر ہے کہ قانون کا تعلق تمامتر ہندوؤں سے تھا۔ بعض ناسمجھ مسلمان ممبروں نے خواہ مخواہ اسکا دائرہ مسلمانوں کے لیے بھی وسیع کرا دیا۔ اب مسلمان چونکے، اور صحیح احساس کے ساتھ کہ یہ عمر از دواج کی قید تو شریعت کی آزادی میں صریح دست اندازی ہے، لگے اسکی مخالفت میں جلسہ کرنے اور رزولیوشن پاس کرنے۔ خوش قسمتی سے تحریک کی رہنمائی کی باگ مولانا محمد علیؒ کے ہاتھ میں آگئی جو مذہب و سیاست کے صحیح امتزاج کا ایک مکمل نمونہ تھے۔ اور مولانا شاہ عبد الماجد بدایونی مرحوم بھی وقت کی دوسری مفید اور ملی تحریکوں کی طرح اس میں بھی پیش پیش تھے۔ ۲۲۔ دسمبر کو کانپور میں مولانا محمد علی کے زیر صدارت ایک عظیم الشان مرکزی جلسہ اسی مقصد کے لیے قرار پایا! اور مولانا بدایونی کی طرف سے علاوہ عام مطبوعہ دعوت نامہ کے ذیل کا ذاتی اور خصوصی دعوت نامہ حضرت مولاناؒ کے نام اس فقیر کے توسط سے موصول ہوا:—

اللہ و لا سواہ

ذو المجد و الکرم عظیم القدر جناب مولانا شاہ اشرف علی صاحب مدظلہ
السلام علیکم۔ فقیر عبد الماجد القادری البدایونی عارض دعا ہے۔
ضروریات مذہب و حالات اسلامیہ کا تقاضہ ہے کہ میں جناب سے گزارش کروں کہ ۲۲ دسمبر کو کانپور تشریف لا کر قانون خلاف شریعت کے انسداد و امحا کی مجلس میں اپنے مذہبی و عالی خیالات سے ہماری امداد فرمائیے۔
میں سنتا ہوں کہ جناب سفر کے کم عادی ہیں۔ اور موسم بھی تلخ ہے۔ اور شاید مسافت بھی زائد، اور جناب کے حالات و اوقات بھی مشغول اور گھرے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اسکے مجھے جو امر داعی و باعث رہی بنا رہا ہے وہ ایک اور فقط ایک ہے۔ یعنی خدمت تحفظ شریعت اور اسکے لیے ہر طبقہ کے مسلمانوں کا ایک مرکز تنقل و شرف پر مجتمع ہو جانا۔
یقین ہے اس امر کی اہمیت کا ممتاز لحاظ فرما کر اور فقیر کی تحریک کو درجۂ اختصاص و قبول دے کر محض دین و مذہب کے لیے باوجود مشاغل کثیرہ یا اعذار واقعیہ زحمت سفر گوارا فرمائی جائیگی اور نوید تشریف آوری سے اطلاع بخشی جائیگی۔
میرا مسلک دعمل اس مقصد وحید کے لیے ہر منتظم و خادم شریعت اور مخالف قانون زیر نظر (شاردا ایکٹ) کو وسعت قلب کے ساتھ شریک کار و رفیق عمل و مشیر تدابیر بناتا ہے۔ اس کی اہمیت آپ کے ذہن و فکر میں بھی مجھ سے کم نہ ہو گی۔
اور یقین ہے کہ اس بار آپ غیر معمولی ہمت سے کام لیکر اپنے عزم صمیم ان شاء اللہ شرکت کے وعدہ سے مطلع فرمائیں گے۔
مطبوعہ دعوت نامہ بھی حاضر کیا جائیگا مگر یہ عریضہ فقیر کے

جبکہ حوالہ ابھی ابھی اوپر دیا گیا ہے؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب مضمون نے ڈاکٹر ... با
سے خاور تصنیف کا جو اعلان کیا ہے اُس میں آپ بر مجھے
وہ عربی سے ناواقف تھا یا نہیں اس کا فیصلہ اس سے دیکھئے
کے بعد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپکے یہ کہنا اگر ٹھیک ہے نے نزدیک
فارقلیط کا لفظ انجیل میں موجود ہی نہیں تو وہ یا تو دانستہ جھوٹ
بولتا ہے یا خود اپنے مذہب کے متعلق اس کا علم صرف تراجم پر مبنی ہے
فارقلیط کا لفظ ایک جگہ نہیں یوحنا کی انجیل میں چار جگہ آیا ہے۔
آپ کے پاس اگر عبرانی نسخہ انجیل کا ہو تو دیکھیے۔ یوحنا باب ۱۴۔
آیت ۱۶ و آیت ۲۶ و ... باب ۱۶۔ آیت ۷ (ایک حوالہ یاد نہیں)
باب ۱۴ آیت ۱۶ کی اصل عبارت عربی خط میں ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

وَ اِنِّی اَشْاَلَہ یَاْبِی وَ ھُوَا یِتِّن اَلْکُم
اور میں نے مانگا اپنے باپ سے اور وہ دیگا تم کو

اَمَر اَشْر یِشْکُون
فارقلیط دوسرا جو بسے گا

اِتْکُم اَنْصَح
تمہارے ساتھ نصیحت کرنے کو

آپ اگر عبرانی نہ جانتے ہوں تب بھی اس عبارت کو سمجھنے کے لیے
آپ کی عربی دانی کافی ہے۔ اس جگہ فرقلیط کا لفظ بغیر حرف تعریف
لکھا ہے، دوسرے مقامات پر اسکے اوپر حرف تعریف ھ لگا ہوا ہے
یہ لفظ دو عبرانی لفظوں کا مجموعہ ہے۔ عربی نحو کی اصطلاح کے مطابق
اسے ہم مرکب ناقص کہہ سکتے ہیں، پہلا لفظ فرہے جس کی اصل عبرانی
اشتقاق کی رو سے ف ا ر (فار) اور ف را (فرا) ہو سکتی ہے۔ اگر
اسے فرا سے مشتق مانا جائے تو اسکے معنی رسول کے ہیں۔ بائبل میں
اسکے مشتقات میں سے ایک ہفرتی (میں نے رسول بھیجا) کئی جگہ آیا
ہے۔ حضرت اسمٰعیل کا لقب بائبل میں فرا آدم ہے جس کا ترجمہ عبرانی لغت
کے مطابق نہیں عربی لغت کے مطابق عیسائی حضرات وحشی انسان یا
گورخر انسان کرتے ہیں، جو محض بے معنی بات ہے۔ فار کے معنی نور کے
ہیں، اسی سے فاران مشتق ہے اور فاران اُس پہاڑ کا نام ہے جس کو
عرب جبل النور کہتے تھے۔ قلیط، قلیطا، قولط، مقلاط عبرانی میں
ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں خونریزی کی ممانعت ہو، عیسائی حضرات
اپنے خود ساختہ عقائد کی مجبوری سے اس لفظ کی حقیقت سمجھنے کے
لیے تیار نہیں، کیونکہ حضرت مسیح کے زمانہ میں مکہ کے سوا کوئی جگہ فارقلیط
نہیں تھی اس لیے انھوں نے اس عبرانی لفظ کے یونانی تلفظ کو
اصل یونانی قرار دیدیا، اور ہر زمانہ میں اس لفظ کے بدلتے ہوئے
ترجمے کیے فارقلیط کے معنی رسول مکہ یا نور مکہ ہو سکتے ہیں اور اس کے
علاوہ کوئی دوسرے معنی نہیں ہو سکتے، جو لوگ اسے یونانی قرار

دیتے ہیں وہ اس یونانی لفظ کی یونانی اصل کا سراغ نہیں دے
سکتے، لفظ فارقلیط کے دونوں عبرانی اجزا عبرانی لٹریچر میں ملینگے
اور کون کہہ سکتا ہے کہ پیریکلیوطاس کے علاوہ اس قسم کا کوئی
دوسرا لفظ یونانی میں مل سکتا ہے، اور یہ بھی کون کہہ سکتا ہے کہ
کہ بائبل کے علاوہ ترجمہ بائبل سے قدیم کسی یونانی عبارت میں
یہ لفظ مل سکتا ہے۔ آپ بہم ہونگے اگر ہم ڈاکٹر مشرف کے ادعا
کو محض بدیانتی پر مبنی قرار دیں۔ حضرت مسیح نے اپنے
معتولم روح نعامت" اور معفارقلیط کے آنے تک یروشلم
کے ساتھ چپکے رہنے کی وصیت فرمائی تھی اس وصیت کے صاف
معنی یہ تھے کہ ... آنے کے بعد یروشلم سے چپکے رہنے کی ضرورت
نہیں بلکہ فارقلیط کے شہر قلیط (مکہ) سے چپک جانا چاہیے
ہوشیار رہنما یان دین مسیح کا عام انداز یہ ہوتا ہے کہ خود جس کے
دین پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اسکا اس طرح تردید کرتے ہیں کہ
پڑھنے اور سننے والے کے ذہن میں اصل اعتراض نہ آنے پائے
لیکن اسکی بنیاد متزلزل ہو جائے۔ فارقلیط کے لفظ پر جو بحث
عیسائیوں نے چھیڑی ہیں اسکا آغاز مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوا
آپ جانتے ہیں کہ مسلمان علما انبیائے سلف کے اقوال زیادہ تر
کعب بن احبار، ربیع بن انس اور دوسرے ماہرین اسرائیلیات
کی سند سے پیش کیا کرتے ہیں نہ کہ خود بائبل والوں کے حوالوں سے
صرف سچاس ساٹھ برس ہوئے کہ بعض مسلمان علماء نے اصل بائبل
اور تالمود وغیرہ پر نظر ڈالنی شروع کی، سچاس ساٹھ برس سے
پہلے علمائے سے ابن تیمیہ کو چھوڑ کر پوری اسلامی تاریخ میں کسی
کو لفظ فارقلیط کا علم نہیں تھا۔ یہ شبہ کہ فارقلیط سے رسول مکہ
مراد ہے، خود عیسائیوں کو ہوا اور بجائے اسکے کہ ایمان دار یہ
یہ کہتے کہ ہمارے مفکرین کا یہ شبہہ غلط ہے' انھوں نے خود رسول مکہ
پر ایک بہتان گڑھ دیا کہ فارقلیط کو ایک یونانی لفظ سمجھ کر آدر رسول
کی پیشین گوئی کر دی گئی" معلوم نہیں کہ یہ آخری فقرہ آپ کا ہے
یا اصل مصنف ڈاکٹر تسڈل کا۔ اگر مصنف کا ہے تو وہ موجود نہیں
اس سے اب کیسے کہا جائے، اور اگر آپ کا ہے تو فرمائیے کہ اس لفظ
کو رسول کی پیشین گوئی سمجھنے کے لیے اس لفظ کی زبان معلوم کرنے
کیا ضرورت ہے، لفظ آیا ہی ہے پیشین گوئی کے موقع پر، چاہے یونانی
ہو چاہے عبرانی، بہرحال ہے رسول مکہ کی پیشین گوئی —— قرآن
مجید ہمارے علم و بصیرت کے مطابق چاہے خدا کا کلام ہو، یا شککوں
کے وہم و گمان کے مطابق محمد عربی کا کلام، بہرحال اس نے مسیح کی پیشین
گوئیوں کا صحیح اصل پیش کیا ہے۔ اسمہ احمد کہکر قرآن نے اپنے
صاحب کو موعود مسیح سے تطبیق دی ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے
دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲)

چونکہ منسوب اسی جماعت کی جانب ہے، اس لیے مقامی لیگ جسقدر جلد ایسی مضامین سے اپنی بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کردے، اسی قدر ز خود اس کی شرافت اور نیکنامی کے حق میں بہتر ہوگا، اور مرکزی لیگ کو تو سختی کے ساتھ ایسے اعمال کے خلاف احکام امتناعی جاری کردینا لازمی ہے]

پرانے سکے

"بغداد ۔ علاقہ شولیقیہ میں مقام مازرہ کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، کہ انھیں ایک بوتل ملی جسکے اندر سے خلیفۂ بغداد مقتدر باللہ کے زمانہ کے چاندی کے سکے نکلے۔ اس قسم کے سکے مدت درازی کے بعد دستیاب ہوے ہیں۔ انکے ایک رُخ پر خلیفہ گھوڑے پر سوار دکھائے گئے ہیں، اور دوسرے رُخ پر ارمنی قوت کی سی علامت معلوم ہوتی ہے۔" (گلوب ایجنسی، اسٹیٹسمین، ۱۴۔ اکتوبر ۳۵ء)

خلیفہ مقتدر باللہ کا زمانہ مشہورؔ ۳۲۰ھ کا ہے عہد نبوت کے تین ہی سو برس کے اندر مسلمان کہاں سے کہاں پہونچ گئے تھے، اور بادشاہ کی تصویر علانیہ شاہی سکوں پر چھپنا شروع ہوگئی تھی۔ پھر آج کی تصویر پرستی کو کوئی کیا کہکر رونے! ـــــ وہ چاندی کے سکے اپنے زمانہ میں کتنے قیمتی ہونگے، آج دنیا کے بازار میں انکے لیے کہیں کوئی جگہ ہے بجز عجائب خانوں کے! یہ حال ہے اس دنیا کے سب سے زیادہ قیمتی ذخیروں، سونے اور چاندی کی نمائش پرستی کا!

نصیحت پر لائبل

اس عنوان سے جو شذرہ صدق ۱۱ ۔ میں نکلا تھا۔ ایک ندوی عزیز اسکے اور اسکے قبل کے ایک نمبر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"صدق کی قریب اشاعتوں میں ترجمان القرآن کے شذرات پر جو نوٹ نکلے ہیں اسکو پڑھکر دل کی گہرائی سے دعا نکلی۔ حق تعالےٰ آپ کی ذات کو عرصہ دراز تک قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ یہ بھی دعا ہے کہ حق اور اہل حق کی جانب سے اس دفاع کا صلہ دنیا سے زیادہ آخرت میں نصیب میں آئے۔ یہاں ترجمان پڑھنے کو مل گیا تھا، اور شذرات پڑھکر دلی کرب میں مبتلا تھا الحمد للہ کہ صدق کے شذرات نے اس کرب کو دور کردیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ دعا کیجیے کہ شرح صدر ان حضرات کو بھی حاصل ہو جائے، جو اگر چاہیں تو دین کے بہترین خادم بن سکتے ہیں۔"

(بقیہ صفحہ ۵)

خصوصی جذبات کا ترجمان ہے

فقیر عبدالماجد القادری البدایونی

(از کانپور ۔ باشندگی ۔ انتر جماعت استقبال حضرت مولانا عبد [illegible] ی صاحب)

بدایونی [illegible] ج ایک بڑے خوش بیان مقرر، اور نامور خطیب تھے، اسی طرح [illegible] برابر ادر مجلس فرماتے۔ اور سب سے تو خصوصیت کو سفر اتے [illegible] حضرت مولانا سے جو کل صفائی نہ تھی۔ اول تو عقائد میں [illegible] ی بریلوی اختلافات مدتوں سے (پیشتر سے) [illegible] نوبت تکفیر تک کی آچکی تھی۔ پھر ذاتی طور پر سیاسی اختلافات بھی شدید قسم کے حائل ہو چکے تھے۔ اس صورت میں حضرت مولانا کو مدعو کرنا بہت دل گردہ کا کام تھا۔ مولانا سے بدایونی کر گزرے۔ اُدھر حضرت مولانا بھی غیر منظم سیاسی جلسوں میں تو کیا جا کر شریک ہونے یوں بھی دینی تبلیغی یا اور کسی غرض سے سفر کرنا اب کئی سال سے ترک کر چکے تھے۔ اور آنکھ اتر آنے کے عذر سے اب وطن سے کہیں باہر نہیں نکلتے تھے۔ بلکہ ایک مطبوعہ معذرت اس باب میں شائع و تقسیم بھی فرما چکے تھے ـــــ مولانا بدایونی نے مجھ سے محض پوزیشن کی معذرت نہیں لینا چاہی، بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اس دعوت نامہ کو اپنی سفارش کے ساتھ حضرت تک پہونچا دیا [illegible]

ترقی پسندوں کی کانفرنس

اُدھر پرانا دلّت آیا، اُدھر "ترقی پسند" مصنفین کی کانفرنس ہونے لگی! عجیب بات ہے، پرانے وقت کا ساتھ دیتے ہیں پھر "ترقی پسند" کہے جاتے ہیں!

مگر یہ "ترقی پسندی" ہے کیا؟ مہاتما گاندھی نے ایک مرتبہ "ترقی" کو "طرقی" لکھا تھا، اس اعتبار سے یہ "طرقی پسند مصنفین" کہلائے جائینگے۔ اور اگر ڈاکٹر سید محمود کی ہندستانی تحریک پر عمل کیا جائے کہ متشابہ اور مختلف صورت حروف کی جگہ فقط ایک حرف لکھا جائے تو یہ "ترکی پسند مصنفین" کہے جائینگے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ یہ گوناگونی ترقی پسند ادب کی گوناگوں تعبیروں اور تفسیروں کے عین مطابق بھی ہے۔ شاید اسی مصلحت کے پیش نظر "ترقی پسند" مصنفین کی کانفرنس کے اجلاس بھی گوناگوں نظر آتے ہیں۔ چاہے صدر مجلس استقبالیہ ایک ہی کیوں نہ ہوں! اب یہ اور بات ہے کہ موخرالذکر کی مصروفیات کے کئی پہلو اور کئی رُخ ہیں! کئی پہلو اور کئی رُخ "ترقی پسند ادیب" کے ہوں تو مولانا کیسے رہے تو "ترقی پسند" ادیبوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نہ ترقی ہے اور نہ پسند ہے بلکہ وہ ادیب بھی نہیں! مگر "ترقی پسند" ہونے کے لیے بھلا ادیب ہونے کی کیا ضرورت! (رہبر دکن)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

احمد جلال صاحب [illegible] بریلی۔ مراسلہ میں استدلال کے جتنے مقدمات قائم کیے گئے ہیں، وہی سرے سے غلط اور بے اصل ہیں، اس لیے نتائج بھی غلط ہی نکلے ہیں۔ پیمبروں کا اصلی اور اولیں مطالبہ صرف توحید کا رہا ہے۔ فرعون کا بھی اصلی جرم یہی تھا کہ وہ موحد قوم کی راہ توحید میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈال رہا تھا، اور خود تو دشمن توحید تھا ہی۔ نمرود وغیرہ کے سارے [illegible] قرآنی نصوص میں یہی بات ملیگی۔

امید [illegible] کے اندر سے جو الجھن [illegible] دور ہو گئی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اس پتہ پر کی جائے

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۹۱۳)

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس- گولہ گنج- لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ر
بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴۷ | یوم شنبہ- ۲۰- ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ | مطابق ۲۷- اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

بیسویں صدی مسیحی کے شروع کا زمانہ ہے- فرانس میں ایک بیرسٹر نیا نیا نمودار ہوتا ہے، اور چند ہی روز میں ملک پر چھایا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ طبیعت کاروبار کی جانب مائل ہوتی ہے، کامیابی اور دولت یہاں بھی ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے- اور وہی نامور بیرسٹر اب اخباری کاروبار کا مالک اور ایک امیر کبیر تاجر ہو جاتا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں، جو یورپ کی جنگ عظیم اول کا سال ہے، یہ اقبالمند شخص سیاسیات میں داخل ہوتا ہے، اور ابھی اسی پالمنٹ میں، ابھی اسی پارٹی میں، روز بروز عروج وترقی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ لیجیے، اب وہ وزیر سلطنت ہو گیا۔ ابھی اس مہینہ کا، ابھی اس مہینہ کا، کہ دیکھتے ہی دیکھتے وزیر اعظم! اور وزیر اعظم بھی ایک بار نہیں، دو بار!—— ملک میں ایک ایک شخص اسکی خوش نصیبی اقبالمندی کا قائل ہے۔ معاصرین رشک کرکر اٹھتے ہیں—— اس شخص کا نام؟ مسیو پیری لاوال! ۱۹۳۲ء میں فرانس کی کشتی کا ناخدا!

۱۵- اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ ملک کا مشہور باغی اور غدار، ہر طرف سے بدنام ورسوا مدت سے مفرور رہا۔ ملکوں ملکوں منہ چھپائے پھرتا تھا- گرفتاری کے لیے انعام جاری تھے، اشتہار نکل چکے تھے، برطانیہ، امریکہ، روس اور خود فرانس کی پولیس اور خفیہ پولیس، مہینوں اس کی تلاش میں تھی- آخر میں پکڑ آیا- مقدمہ پیش ہوا اور دوران مقدمہ میں ملزم کو انتہائی ذلتیں اور رسوائیاں بھی برداشت کرنی پڑیں- حکم سزائے موت کا سنا یا گیا- آج صبح دو پولیس افسر اسی حکم کی تعمیل کرنے کے لیے مجرم کی کوٹھری میں داخل ہوئے- مجرم نے نظر بچا، سنکھیا زہر ہلاہل حلق میں اتار لیا، اور فرش پر لوٹنے لگا- ڈاکٹر بھی دوڑے- فوراً زہر باہر کھینچ لیا گیا- وقت مقرر پر، جبکہ پیرس کی گھڑیوں کی سوئیاں ½ ۱۲ پر تھیں مجرم باہر لاکر ایک ستون سے باندھ دیا گیا، اور سپاہیوں کے دستہ کو حکم ملا کہ اس پر گولیوں کی باڑھ ماریں- قاعدہ کے مطابق مجرم کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، مجرم نے اس سے انکار کیا، اور کہا کہ نہیں، میں کھلی آنکھوں جان دونگا، اور اپنے قاتلوں کو دیکھتا رہوں گا" آخری تمنا یہ پیش کی کہ "سپاہیوں کو فیر کرنے کا حکم میں خود دوں"۔ درخواست منظور ہوئی- اور مجرم کی زبان سے اور یہ فقرے نکل رہے تھے کہ

" دوستو، میں تمھیں معاف کرتا ہوں، لیکن گولی میرے قلب پر چلانا- زندہ باد فرانس!" کہ ادھر باڑھ پڑی، اور مجرم آسمانی کہ مردہ تھا! لاش ایک چھ فٹ گہرے گڑھے میں ڈلوا دی گئی- اگر خطہ یہ تو کون ہوں اور ملکی غداروں کے لیے مخصوص ہے!—— یہ ذلیل ... اور مستحق صد لعنت غدار، وہی خوش بخت و اقبالمند لاوال ہے!

دنیوی جاہ وحشم کی بے ثباتی، عروج دنیا کی فنا پذیری کے نظارہ کے لیے، عبرتوں اور بصیرتوں کے لیے کیا کہیں کچھ دور جانے اور ماضی بعید کے تاریخی ورق الٹنے کی ضرورت ہے؟ سامنے پیش آنے والے اور مرہ کے واقعات کیا کچھ کم ہیں؟

بمبئی کے مسلمانوں سے

ٹائمس آف انڈیا السٹریٹڈ ویکلی،
۲۰ - اکتوبر ۱۹۴۶ء : پیش نظر ہے۔ صفحہ ۵۵ پر داہنی طرف صفحہ کے اوپری گوشہ میں، ایک جوڑے کی تصویر ہے۔ جوڑا میاں بیوی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نوجوان مرد، انگریزی فوج کا ایک انگریز سب لفٹننٹ ہے، اور نوجوان عورت — آپ سنیں گے: مسلمان خاندان کی، اور خود بھی مسلمانوں کا سا نام رکھنے والی لڑکی ہے، تصویر کے نیچے درج بھی جلی عنوان کے ساتھ ہے، کہ میرا لیفٹننٹ کی زرنرالی شادی مسلمان لڑکی سے! اور اسکے نیچے یہ مزید تشریح بھی درج ہے کہ لڑکی بمبئی کے مشہور تاجر اے ایچ وسرام VISRAM مرحوم کی پوتی لڑکی ہے!
بے غیرتی اور بے حسی اب اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ بمبئی کے ہزاروں لاکھوں معزز اور نیچے اور شریف مسلمان اس حرام خوری کے مظاہرہ کو دیکھیں گے (کافر مرد کے ساتھ شادی شریعت اسلامی میں تمام تر حرام کاری ہی ہے) اور یہ دیکھ کر خاموش نہ ہو جائیں گے!

ہمارے نمائندے

ایک صدق نواز نے ذیل کا تراشہ
ایک لاہور کے روزنامہ سے ارسال کیا ہے۔-
"لاہور۔ ۵۔ اکتوبر۔ الکشن کمشنر پنجاب نے اعلان کیا ہے کہ سکھ ووٹروں کی ابتدائی فہرستیں مشتہر کر دی گئی ہیں، ترمیمی اور اعتراضی درخواستیں ۱۱۔ اکتوبر تک گزر جائیں۔ ہر درخواست دہندہ کو یہ تحریری بیان دینا ہوگا کہ میں سچا مذہبی سکھ ہوں، نہ حقہ نہ تمباکو نہ سگرٹ نہ شراب پیتا ہوں اور نہ داڑھی کترتا ہوں نہ منڈواتا ہوں۔ ۲۱ سال سے زائد کا ہر شخص ووٹر ہو سکتا ہے"۔
ہمارے نمائندے بھی کوئی اس قسم کا بیان دینے کو تیار ہیں؟ ہماری سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی بھی اس کی ضرورت سمجھتی ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ تو پہلے ہی سنی یا مسلمان تو ہو، اور اسکا علانیہ عہد کرے کہ میں نماز کا پابند ہوں، روزے رکھتا ہوں، شریعت کے احکام تمام تر واجب العمل سمجھتا ہوں، شراب سے، سود سے، جوئے سے، رشوت سے، جھوٹ سے، حرام کاری سے، دغابازی سے تائب و محترز ہوں! پارٹی کا اصول دین اور احکام دین پر مقدم کر دینا یہ آخر کس قسم کی خدمت اسلام ہے؟

"تو برائے وصل کردن آمدی"

آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کے روح رواں خان بہادر سید کلب عباس ایڈوکیٹ کی تقریر، اجلاس کانفرنس میں:-
"صاحبو! کیا ہمارے دل میں اسلام کا درد نہیں ہے؟ کیا ہم کلمہ گو نہیں ہیں؟ کیا ہم رسول کے ماننے والے نہیں ہیں؟ کیا ہمارا اُن کا قرآن ایک نہیں ہے؟ کیا ہم بھی اسی طرح توحید کے محافظ نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ محافظت آپ بھی کیجیے اور ہم بھی کریں، ہمیں بھی دربانی کرنے دیجیے مگر شرط یہی ہے کہ ہمیں ایسا رکھیے کہ ہم شیعہ رہ کر آپ کی محافظت کر سکیں" (سرفراز۔ ۲۰۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء)
جزاک اللہ۔ لیکن گزارش صرف اتنی ہے کہ اتحاد و اشتراک کے ان مقدمات سے کھلا ہوا نتیجہ بھی جو اتحاد و اشتراک ہی کا نکلنا چاہیے، اُسے چھوڑ کر آپ اختلاف و افتراق تک آخر عقل و نقل کی کس منطق سے پہنچے ہیں؟ یہ فقرے تو حرز جان بنانے کے قابل تھے۔ حیرت اور صد حیرت ہے کہ ابتدا تو "وصل" کی تہنیت سنانے والا ہو اور خبر جا کر نکلے "فصل" کی تعزیت کی! ——— "دوستداران علیؓ" کا لقب اس کانفرنس کی کارروائی چھاپتے ہوئے آخر شیعوں کے لیے کیوں مخصوص کر لیا گیا ہے؟ کیا اہل سنت حب علیؓ میں کسی سے کچھ پیچھے ہیں؟ سنیت کی تکمیل کے لیے تو حب علیؓ خود ایک لازمی عنصر ہے۔

سید صاحب کی صحت

مخدومنا مولانا ڈاکٹر سید سلیمان
ندوی کا تازہ مکتوب:-
"اب اچھا تو ہوں، مگر بیماری کی شدت نے دل و دماغ پر مستقل اثر چھوڑا ہے، قلب جو پہلے باطنی امراض میں مبتلا تھا، وہ اب جسمانی و مادی مرض میں بھی مبتلا ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ پھیل گیا ہے واللہ اعلم۔ دعا کا طالب ہوں۔ جو دن ہیں غنیمت ہیں۔ مشاغل دیرینہ سے اب یکسوئی ہوتی جا رہی ہے، دار المصنفین بھی چھوٹ رہا ہے۔
جس دن سے یہ تازہ نغمہ چھیڑے وہ دل نہیں رہا"
توقع ہے کہ حلقۂ صدق کے سارے حضرات ناظرین موصوف کی صحت کاملہ اور تقویت قلب کے لیے صمیم قلب سے دعا کریں گے۔ اُن کی زندگی محض ان کی شخصی زندگی نہیں ہے پوری جماعت کی زندگی ہے، علوم اسلام کی زندگی ہے، ملت اسلامی کی زندگی ہے۔

"ملی زندگی"

ایک فاضل بزرگ تحریر فرماتے ہیں:
"ترجمان القرآن کے تازہ نمبر میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ پندرہ لڑکے جو اپنے باپوں سے باغی ہو گئے ہیں، اس لیے "ملی زندگی کا آغاز" شروع کیا گیا ہے۔ آپ ہی نے تو ایک مرتبہ لکھا تھا کہ پٹھان کوٹ اور قادیان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ اللہ رحم کرے۔"
اس پر ایک تاریخی واقعہ یاد آ گیا۔ عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے پوتے طرفہ جو عدی بن حاتم کے بیٹے تھے خوارج کے تملقوں سے متاثر ہو کر اپنے باپ عدی کے خلاف صف میں شریک ہو گئے، اور نہروان میں جو خوارج مارے گئے، اُن میں ایک صاحب یہ بھی تھے۔ باپ حضرت علیؓ کی صف میں، اور بیٹا زبان کے ان ساحروں کے ساتھ۔ طبری نے لکھا ہے کہ نہروان میں جب مقتولوں کا جائزہ لوگ لینے لگے تو بوڑھے عدی نے اپنے بیٹے کو تلاش کیا۔ لاشوں میں طرفہ کی لاش بھی تھی۔ الگ کر کے دفن کرنے لگے، اور کہتے جاتے تھے
الحمد للہ الذی ابتلانی بیومک علی حاجتی الیک — شکر ہے کہ تیرے ساتھ اسی دن میری

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۷)

س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س - بغیر عمل کے کوئی انسان کامیاب نہیں ہو سکتا - اور خادم عملی دنیا سے کوسوں دور پڑا ہوا ہے - اللہ پاک ہی اپنے فضل و کرم سے عملی مسلمان بنا دیں -

ج - آمین - لیکن درجات عمل بھی ہمیشہ حالات تکوینی کے تابع ہوتے ہیں - اور ہر عامل کا معیار دوسرے سے الگ ہوتا ہے -

س - افسوس صد افسوس کہ منزل سلوک میں قدم رکھے ہوئے کوئی ڈھائی سال ہوئے مگر افسوس کہ خادم نے اپنے اندر کوئی خاص تبدیلی نہیں پیدا کی - تیلی کے بیل کی طرح جہاں کا وہیں پڑا ہوا اپنی عمر ضائع کر رہا ہے -

ج - لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سالک اور طالب کا ادراک بھی اس باب میں صحیح اور قوی ہو - بہر حال سوال اسکا نہیں کہ "تائج" کا ادراک آپ کو کس حد تک ہو رہا ہے - اصل سوال صرف صحیح کوشش کا اپنے تکوینی احوال کے اندر ہے - طلب صحیح اور ہنگامی سعی سے زیادہ بندہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں -

س - گزشتہ خط میں حضرت قبلہ گاہی نے تحریر فرمایا تھا کہ زبان کو قابو میں رکھو - لغویات سے حتی الامکان بچو - اور تلاوت قرآن پاک پر زور دیا تھا،

ج - زبان پر قابو رکھنے کی ہدایت نہایت اہم ہے - لغویات سے بچے رہنا تقویٰ کی روح ہے - اور تلاوت قرآن کی برکتوں کا کیا پوچھنا -

س - حسب ارشاد حضرت قبلہ گاہی زبان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں ، مگر کامیاب نہیں ہوا -

ج - کامیابی کا ذریعہ یہی لگاتار کوشش ہے .

س - اسکے علاوہ تلاوت پاک بھی پابندی کے ساتھ نہیں کر پاتا -

ج - جو امور اس پابندی میں مانع ہوتے ہوں، غور کر کے انکے دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں -

س - عبد عید دو ایک روز علی الصبح نیند سے ہوشیار ہوا تہجد ادا کی اور اپنے معمولات بھی الحمدللہ ادا کیے، لیکن دن بھر ی سارا بدن سست اور نیند کا نا قابل برداشت غلبہ -

ج - سارا جواب تو اس لفظ "نا قابل برداشت" کے اندر خود ہی آگیا - جب کوئی جسمانی تعذر اس درجہ غالب آجائے تو اسکے بعد تو قوت طاعت میں شائبہ معصیت کا باقی ہی نہیں -

س - ہمت اور عزم بار بار کر لیتا ہوں ، مگر نہ معلوم کیوں ناکام ہوتا ہوں -

ج - جو ناکامی ہمت و عزم کے بعد بھی ہو تو نتیجہ کی ناکامی ہوئی ، جو اختیار عبد سے باہر ہے - اجر تو اسی ہمت اور عزم پر موعود ہے ، نہ کہ نتائج پر -

س - آج رات بعد عشاء ۸ - رکعت نفل پڑھ کر یہ عزم کر لیا کہ انشاء اللہ علی الصبح تہجد اور معمولات ادا کر لوں گا ، مگر نیند کا اتنا غلبہ ہوا اور غسل کی حاجت بھی پیش آئی اور اٹھ نہیں سکا - حتیٰ کہ نماز فجر بھی قضا ہو گئی - اب تک سارا بدن سست ہے -

ج - یہ سارا قصہ نقصان کیا ہوا ؟ کونسی چیز اختیار عبد کی تھی ؟ شکست عزم کا مشاہدہ اپنے عجز کا مشاہدہ تو بندہ کے حق میں خود ایک بڑی رحمت ہے ---- یہ ہرگز ضروری نہیں کہ بندہ کو ہر رحمت کا ادراک بھی رحمت ہی کی صورت میں ہوتا رہے

س - مدت دراز سے بزرگوں کی صحبت مقدسہ سے محروم ہوں - اور نہ معلوم ..... میں کوئی بزرگ مصلح ہیں کہ کم سے کم انکے پاس جا کر فیض باطن سے مستفیض ہو جاؤں - یہاں کے لوگوں کی زبانی صرف ایک نام گرامی معلوم ہوتا ہے ، کہ مولوی قاضی ..... صاحب بڑے بزرگ ہیں - جہاں تک خادم کا خیال ہے اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے اندر صرف سادگی اور تقویٰ ہے - معلوم نہ تازہ نہیں معلوم ہوتا افسوس کہ موصوف بزرگ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا -

ج - کسی متقی کی ہمنشینی بھی برکت سے خالی نہیں ہوتی گو محض برکت اصلاح کے لیے ہرگز کافی نہیں -

س - چند روز پہلے خواب دیکھائی دیا کہ میلاد کا دن ہے - پٹنہ کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ہوں - ایک عالیشان ہال میں جلسہ میلاد منعقد ہو رہا ہے - خادم سیہ کار نے بھی اس جلسہ کے اندر شرکت کی - جب اس عالیشان ہال میں خادم داخل ہوا - اور مجمع کی طرف نظر کی تو سب کے سب میرے ہم وطن مسلمان دکھائی دیے اور صدر جلسہ میرے ہم وطن ایک عالم شریعت مرحوم مولوی صاحب تھے - خادم نے سب کے آخر میں اپنی جگہ تلاش کی اور خاموش بیٹھ گیا - صدر جلسہ نے خاموش ہونے کو کہا اور خاموش ہو گئے - مگر اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عورتوں کا بھی بندوبست تھا - کچھ وقفہ کے بعد ایک بھنبھناہٹ کی آواز آنا شروع ہوئی - میں نے اپنے پاس کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ آواز کس کی ہے - لوگوں نے کہا کسی عورت کو شیطان آیا ہوا ہے - اور کہا کہ خادم اسے نکال

کے سامنے وہ شیطان ہر وقت رہتا ہے - جب آدمی آتا جاتا ہے تو اسے ڈرایا کرتا ہے - میں نے کہا کہ یہ بھی دنیا سے جایا کرتا ہے نہیں گیا۔ تم کو بھی ڈرانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ تم کو ڈرا نہیں سکتا اس کی ہیبت ناک آواز کی وجہ سے میری نیند ٹوٹ گئی اور میں ہوشیار ہو گیا - مگر دل ہیبت سے لرز رہا تھا -

ج - خواب دیکھنے والا اگرچہ بعض بدعتوں میں مبتلا ہے (جلسہ میلاد مروجہ) تاہم شریعت اور اہل شریعت کے ساتھ تعلق بھی مضبوط رکھتا ہے (مدرسہ کا ایک متبع شریعت عالم ہونا) اس لیے شیطان اسے اپنے قابو میں لانے میں کامیاب نہ ہو سکیگا انشاء اللہ -

س - دوسرے دن کا خواب - حضرت والا کی خدمت اقدس میں استادی مولوی ... صاحب زیدی مدظلہ حاضر ہیں - حضرت قبلہ گاہی استادی کو دوبارہ تلقین کر رہے ہیں اور استادی اپنی کوتاہیوں کا اقرار کر رہے تھے بس حضرت قبلہ کا خواب میں آنا ایک پہلا موقع تھا - گویا خادم نیم ملاقات سے فیضیاب ہوا نہ معلوم خواب کی حقیقت کیا ہے - اللہ ہی بہتر جانتا ہے -

ج - استاد علوم ظاہری کی مرشد باطنی کے سامنے ادب و احترام کے ساتھ حاضری کو مع اشارہ کرتی ہے کہ انشاء اللہ ظاہر پر معنویت و حقیقت کا رنگ چڑھنا جائیگا - اثناء خواب میں ایک بانگ ملائک کو دیکھ لینا اس کے ساتھ اپنے تعلق قلب و محبت کی دلیل ہے -

---

شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں

(مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا تازہ ترین فتوےٰ)

بخدمت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ

استفتاء

(۱) مسٹر محمد علی جناح صاحب فرقہ شیعہ ہیں آیا وہ مسلمان ہیں یا نہیں
(۲) مسٹر محمد علی جناح مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق اسلامی میں اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں بحیثیت مسلمان کے یا مسٹر گاندھی یا صدر کانگریس یا ہندو کانگریسی جنگلی مجارلی کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ہے۔
(۳) مسٹر محمد علی جناح یا اور کوئی مسلمان یہ کہے کہ پہلے مسلمان بعد میں ہندوستانی یا صحیح ہے کہ پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان
(۴) مسٹر محمد علی جناح سیاست ہندو قانون کے ماہر ہیں کہ نہیں۔ فقط

محمد حنیف عفی عنہ

الجواب

(۱) مجھے مجملاً اس قدر معلوم ہے کہ مسٹر محمد علی جناح شیعہ ہیں - اور شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں -
(۲) کوئی غیر مسلم بمقابلہ مسلم کے اسلامی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا -
(۳) یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی -
(۴) ہاں وہ سیاست و قانون کے ماہر ہیں -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (دعوت)

"صدق کی کانگریس نوازی"

جناب اڈیٹر صاحب - السلام علیکم - کافی عرصہ سے صدق کا مطالعہ کر رہا ہوں - اور یہی بات میں کئی دفعہ فخر سے اپنے دوستوں کو بھی بتا چکا ہوں - جن میں سے کئی ایک "صدق" کے خریدار بھی ہیں - آپ کی وہ سچی باتیں واقعی دلچسپ اور عبرتناک ہوتی ہیں - اسکے علاوہ دیگر اسلامی مسائل پر بحث بھی بہت اچھی طرح کی جاتی ہے۔

مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ کا رجحان کانگریس کی طرف ہے۔ گو کئی دفعہ آپ مسلم لیگ کے ساتھ کانگریس کو بھی کھری کھری سنا دیتے ہیں لیکن پچھلے چند ایک پرچوں میں اور خاص طور پر آخری پرچہ میں آپ نے کچھ اچھا نہیں لکھا -

کیا آپ رسالہ کے ذریعہ بتا سکتے ہیں کہ مشہور کانگریسی اخبار "زمزم" سے مضمون "نقطۂ اعتدال" ۱۳ - اکتوبر ۱۹۳۸ء "صدق" میں نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی[1] - یقیناً اگر آپ چاہیں تو آپ مسلم لیگ کے حامی اخبارات یا رسالوں کی کچھ خبریں بھی نقل کر سکتے ہیں مگر آپ کو تو زمزم وغیرہ کے سوا کوئی اور چیز سوجھتی ہی نہیں[2]۔

میں نے اگر کچھ الٹی سیدھی باتیں لکھ کر آپ کو رنج پہنچایا ہو تو مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا[3] -

آپ کا عبدالرشید از دیرہ دون

---

[1] گویا یہ بھی اڈیٹر کے فرائض میں ہے کہ ہر نقل داخذ سے متعلق وجوہ نقل بھی بیان کر کر کے ہر ہر پڑھنے والے تشفی و اطمینان کرتا رہے (صدق)

[2] اللہ آپ کے احساس ذمہ داری کو بیدار کرے! (صدق)

[3] کلمۂ حق کی عزت و وقعت کو اشخاص و رجال کی عزت و وقعت پر بالا رکھیے۔ (صدق)

لکھنؤ کا قضیۂ مرضیہ

جب کانگریس گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میلاد النبی کے جشن کے روز جلوس محمدی کے بجائے جلوس مدح صحابہ نکالا جائے تو ہم نے اس سے سخت اختلاف کیا، کیونکہ جشن میلاد النبی کے موقع پر جشن صحابہ منانا مناسب نہیں، حمد و نعت کے ساتھ اگر خلفائے رسول کا بھی

نصرانی تہمتیں

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ۔ دکن)

ادھر ایک کتاب جس کا نام تاریخ اللغۃ السامیہ پر نظر پڑی۔ یہ کسی نصرانی عالم کی کتاب ہے، "اسرائیل ولفنسون" نام ہے۔ سلسلہ بیان میں ایک جگہ رینان کا ایک عجیب قول اس شخص نے نقل کیا ہے، ترجمہ یہ ہے کہ رینان نے پہلے تو یہ دعوے کیا ہے،

ہر چیز اور زندگی کے ہر شعبہ میں سامی نسلیں کاہل اور مکرز نظر آتی ہیں۔

اور دلیل میں جس چیز کو پیش کرتا ہے وہی سننے کی بات ہے۔ مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ

رینان اپنے دعوے کے ثبوت میں سامی نسلوں کے عقیدۂ توحید کو پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ بنی اسرائیل میں تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے توحید کا عقیدہ جو پایا جاتا ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی ان لوگوں کی خیالی قوت بہت پست اور ادنی درجہ کی تھی، بس ایک بات پکڑ لی پکڑ لی۔ اس خیال میں حرکت نہیں ہے۔ بخلاف بت پرست قوموں کے انکے خیال میں وسعت اور حرکت معلوم ہوتی ہے۔ زور اور قوت کا پتہ چلتا ہے" صفحہ

دیکھا آپ نے۔ یہی یورپ جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی سے دنیا کو اس شور وشغب سے بھر دیا ہے کہ اپنے عقلی ضعف کے زمانے میں آدمی مشرک اور بت پرست تھا، لیکن جوں جوں عقلی ارتقاء کی طرف اسکا قدم بڑھا، توحید کے عقیدہ کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اور ملاحظہ فرمائیے۔ اسی یورپ سے اب یہ آواز آتی ہے کہ توحید عقلی ضعف کا نتیجہ ہے، اور شرک وبت پرستی عقلی ارتقاء کی پیداوار ہے، اس لحاظ سے تو یہ بات صحیح ہے کہ توحید انسان کا ابتدائی مذہب ہے، کیونکہ مذہب خدا کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اور شرک بعد کو پیدا ہوا ہے۔ لیکن توحید دماغی ضعف کی پیداوار ہے یہ رینان صاحب کی اپج ہے۔ میری غرض صرف اسقدر ہے کہ اپنی منہ زوری سے جو لوگ جب چاہتے ہیں جس قسم کا دعوے کر لیتے ہیں۔ انکی باتوں کے ماننے میں آدمی کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ایک دوسرا لطیفہ ملاحظہ ہو، فان فلوتن کوئی جرمنی کے مستشرق ہیں انکی ایک کتاب جو مسلمانوں کے عقیدۂ مہدی ودجال وغیرہ کی تحقیق میں لکھی گئی ہے۔ اسی کا ترجمہ مصر کے دو نوجوانوں نے عربی میں کیا ہے، دیباچہ میں کتاب کے متعلق مترجموں نے بڑے شاندار الفاظ لکھے تھے۔ لکھا تھا کہ

مولف نے بحث وتحقیق میں تحلیلی طریقے کو اختیار کرتے ہوئے بڑی دقت نظر سے اس کتاب میں کام لیا ہے، جس سے انکی نکتہ شناسی اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے"

یہ بھی ان ہی مترجموں میں سے ایک مترجم نے لکھا ہے، کہ ابتداءً اس کتاب کی طرف مجھے میرے "الاستاذ المرحوم السیر توماس ارنولڈ" نے اسوقت توجہ دلائی جب لنڈن یونیورسٹی میں ہم انکے لکچروں سے استفادہ کر رہے تھے۔ یہ "المرحوم السیر توماس ارنولڈ" کون ہیں؟ علیگڈھ کالج کے پرانے مدرس مولوی شبلی صاحب کے دوست سٹر آرنلڈ پریچنگ آف اسلام کے مصنف ہیں۔ "المرحوم" کا لفظ تقریباً ہر جگہ مترجم صاحب کے قلم سے بے ساختہ نکلتا چلا گیا ہے میں نے اسکو بجنسہ باقی رکھا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استشراقی اساتذہ سے تعلیم پانے والے مسلمان نوجوانوں کے قلوب میں انکے متعلق کس قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ غنیمت تو بیچارہ ہمارا ہندوستان ہے۔ ہمارے یہاں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے قلم سے اس قسم کے غیر مسلم اساتذہ کے متعلق بجائے "المرحوم" کے "آنجہانی" یا اسی کے قریب قریب الفاظ نکلتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر واسلام کے متعلق ابھی بدتمیزی ان میں نہیں پیدا ہوئی ہے جتنی سادہ لوح مصریوں میں افسوس ہے کہ پیدا ہو گئی ہے۔ لوگوں نے اسکا نام رواداری رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ میرے نزدیک تو یہ کھلا ہوا نفاق ہے۔ اسلام سے انکار کرنے کے بعد بلاشبہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو چاہے لکھے۔ لیکن اس کا بھی اعلان کرنا کہ اسلام کی صداقت پر میرا ایمان بھی ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں لکھنی جن سے اس اعلان کی تردید ہوتی ہو، ایں تو اسکو ضمیر کی موت کی علامت سمجھتا ہوں۔ خواہ سمجھنے والے اسے جذبۂ رواداری کی زندگی ہی کیوں نہ قرار دیتے ہوں۔ ایک پوری قوم کی قوم کو دھوکے میں رکھنا کیا بلند کردار کا معیار یہی ہے؟

خیر بات کیا کہہ رہا تھا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ پڑھنے کے بعد کتاب میں تحقیقات رائقہ کا ایک دریا موج مارتا ہوا معلوم ہوا۔ جس میں سب سے زیادہ دلچسپ بات فلوتن صاحب فرماتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں عرب مسلمانوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی "عجمی مسلمان جو موالی کہلاتے تھے، انکو فوج میں شریک ہونے کا اگر موقع بھی ملتا تھا تو صرف پیادہ فوج میں، سواروں میں بھرتی نہیں ہو سکتے تھے"

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے "ان عجمی مسلمانوں کو ادنی درجہ کے ذلیل مکانوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا" اور آخری تحقیق جناب فلوتن صاحب کی یہ ہے کہ "جو مسجدیں خاص عربوں کے ساتھ مختص تھیں، ان میں یہ عجمی مسلمان داخل بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ انکی مسجدیں عرب مسلمانوں سے علحدہ ہوتی تھیں، جن میں صرف وہی نماز پڑھ سکتے تھے" (کتاب السیادۃ العربیہ صفحہ ۳۹)

میں کیا عرض کروں، پڑھتا جاتا تھا، اور تحقیق کے نام سے یورپ کے استشراقیوں نے آنکھوں میں خاک جھونکنے کی جو مشق بہم پہونچائی ہے اسے سوچ سوچ کر دل میں کہتا جاتا تھا کہ جو نہیں جانتے ہیں ان بیچاروں کا

(باقی)

مراسلہ

شرعی اور رواجی پردہ

[سید قبول احمد صاحب ایم اے ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ سیتاپور کے انگریزی رسالہ پردہ پر مختصر تبصرہ صدق نمبر ۴۲ میں نکلا ہے۔ رسالہ مذکور پر موصوف کو ایک تنقیدی خط موصول ہوا۔ خط اور اسکا جواب سید صاحب موصوف کے قلم سے دونوں درج ذیل ہیں۔ صدق]

مکتوب

اس رسالہ کا ترجمہ اردو میں ہونا چاہیے تھا، تاکہ اردو داں طبقہ بھی جو پڑھ سکتے ہیں اسکو سمجھ سکتا۔ اور علماء کے سامنے بھی پیش کیا جا سکتا۔ یہ شاید آپ نے غور نہ کیا ہوگا کہ پردہ آج گھروں میں بھی ختم ہوتا جاتا ہے جہاں مرد لوگ مغربی تعلیم کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں اور مذہب کے حلقہ قیود سے سیکولرش ہو چکے ہیں۔ لیکن پردہ ایک نہایت اہم شعار اسلامی کی حیثیت سے برقرار رہنے دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گھر سے باہر لانے میں اور بے راہ روی کی گرفت اندر میاں تو معاف بھی کر سکتے ہیں، مگر بیوی ہرگز معاف کرنے والی نہیں۔ اس کی عافیت اسی میں ہے کہ کو تو ان قید رکھا جائے اور چہرہ کو کھلا رہنے دیا جائے۔ اس رسالہ میں ازواج مطہرات کے عنوان سے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اور اس سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے مجھے اس سے اختلاف ہے۔ رسولؐ کے اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ دراصل انکا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی احکام ممکن العمل ہیں۔ ازواج مطہرات کی زندگی بھی مسلمان عورتوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "وقرن فی بیوتکن" کے معنی بیان فرمائے ہیں "اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو" مودودی صاحب نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں "اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو" دراصل "قرن" کے معنی بیان کرنے میں رسمی پردہ کا پورا پورا جواز قرآن سے ثابت کرنے کے لیے "قرن" کا یہ ترجمہ بالکل مصلحت کے موافق تھا۔ آپ کا ٹھیٹھ ترجمہ یہ ہے "اور تم گھروں میں وقار سے رہو"

جواب مکتوب

اس رسالہ کا ترجمہ اگر ممکن ہو سکا تو اردو میں بھی چھپوا دیا جاویگا۔ چونکہ اسکو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے لانا تھا۔ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں بھیجنا تھا اور بعض حصوں میں اکثر مسلمان اردو نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا یہ مختصر رسالہ انگریزی میں لکھا گیا۔ رہ گئے علماء، تو انکے سامنے یہ مباحث بارہا آچکے ہیں مگر بے سود۔

۱؎ تعجب ہے کہ مجیب صاحب نے اپنے جواب میں اس دعوی کو گویا تسلیم کر لیا ہے۔

انگریزی تعلیم کے متعلق انکی رسالے میں ذرا بھی فرق نہ آیا گو امتداد زمانہ سے انکے فتاوے اوراق پارینہ کی طرح ایک طرف اٹھا کر رکھ دیئے گئے مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس جہاں کہیں ہوتا تھا یہ فتاوے دیواروں پر لگائے جاتے تھے اور تقسیم بھی کیے جاتے تھے اور لوگوں کو اس میں شرکت سے بذریعہ ایک زبردست پروپیگنڈے کے باز رکھا جاتا تھا۔ میں ایک مرتبہ بچشم خود یہ نظارہ دیکھ چکا ہوں۔ یہی حال تعلیم نسواں کے متعلق ہو رہا ہے اور موجودہ پردہ کا بھی یہی حشر ہوگا۔ ہم شرعی پردہ کی تبلیغ کرکے مغربیت نوازی کا دروازہ مسلمان عورتوں پر بند کرنا چاہتے ہیں، مگر اکثر علماء اور بہت سے تعلیم یافتہ حضرات لکیر کے فقیر بنے رہ کر مسلمانوں کی قوت عمل اور قوت فکر کو مفقود کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس موجودہ انتشاری کشمکش میں یا تو مسلمان پیچھے رہ جاتا ہے یا مذہب کو پس پشت ڈال کر اندھا دھند مغربی تقلید پکڑ باندھ لیتا ہے۔ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کے دروازہ کو بند کرکے انسانی ذہنیت کو معطل کیا جا چکا جسکا نتیجہ ترکی کی لامذہبیت میں سامنے آیا۔ اب تعلیم نسواں روکی جا رہی ہے مگر وہ بھی رکتی نظر نہیں آتی۔ عورتوں کو علمی قوت عطا کرکے انکی جائز آزادی اور جائز مطالبات سے نظر پھیر لینا محض اس وجہ سے کہ آپ سوسائٹی کی شیرازہ بندی اسلامی طریقے پر نہیں کر سکتے گویا عورتوں کو خود مغربیت کی طرف لے جانا ہے۔ اور یہی ہو رہا ہے۔ محض یہ کہ دینا کہ "جہاں مرد لوگ مغربی تعلیم کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں وہاں بھی موجودہ پردہ برقرار رہنے دیا گیا ہے" اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمیشہ یہی لیل و نہار رہیں گے۔ جہاں کہیں یہ ہو رہا ہے اور یہ ضرور ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اسکو ہم DIEHARDISM (مریض سخت جان کی جانکنی) سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم کے متعلق جد وجہد شروع ہو گئی ہے۔ پچیس سال پہلے کے یونیورسٹیوں کے نتائج دیکھو جس وقت ایک مسلمان عورت کا نام بھی کامیاب امیدواروں کی فہرست میں نہ ملتا تھا اور مثال کے لیے گزشتہ سال کے نتائج دیکھو۔ بین فرق نظر آئیگا۔ پھر ان تعلیم یافتہ عورتوں کے خیالات اور عمل پر غور کرو یہ اسوقت ہو سکتا ہے کہ انگریزی اردو رسالے اور اخبارات تمہارے زیر نظر ہوں اور پھر غور کرو کہ منازل آئندہ پچیس سال کے بعد کیا ہوگا۔ آپ کو "ورلڈ آرڈر" (موجودہ نظام دنیا) سے علیحدہ رہ کر زندگی گزارنا مشکل ہے لیکن آپ کو مسلمان رہنا بھی ضروری ہے۔ جس قدر آپ کو جینا ضروری ہوگا۔ جبکہ آپ کو زندگی دنیوی حیثیت سے مقدر ہو لیکن اسلامی احکام و مسائل پر قائم رہنا ہوگا۔ یہ مرد تو دنیاوی حیثیت سے ترقی کر رہے ہیں اور اسقدر تنگ نظر و متعصب ہیں کہ اسلامی نظام کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ انکو اسلامی احکام کا مضبوط

کی پڑھنے کے لیے کچھ پیچھے آنا چاہیے - اور عورتیں اس موجودہ پردہ نشینی میں دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتیں، انکو قدرے آگے بڑھنا چاہیے اور مردوں کو بھی چاہیے کہ انکو آگے بڑھنے کا موقع دیں مگر اسلامی حدود کے اندر رکھکر جتنا قدر مردوں کے لیے ضروری ہے کہ دنیاوی لحاظ سے کسی قوم کے مردوں سے پیچھے نہ رہیں مگر اخلاقی لحاظ سے مسلمان رہیں، اسی قدر عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ کسی قوم کی عورتوں سے جائز اور ضروری دنیوی ترقی میں پیچھے نہ رہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے مسلمان ہی رہیں - اگر آپ با عزت زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو آپ کو از سر نو اپنی سوسائٹی کی شیرازہ بندی انھیں اصولوں پر کرنا ہوگی - اجتماعی حیثیت سے بھی اور فرداً فرداً بھی - اگر آپ یہ نہیں چاہتے اور رفتہ رفتہ حیلے حوالے پیش کرنا چاہتے ہیں تو اسکو شکست خوردہ ذہنیت کے نام سے موسوم کرونگا اور یہ ذہنیت قوم کے لیے زہر ہلاہل ہے - مگر مجھے افسوس ہے کہ ہمارے نوجوان کسی پابندی کو لیکر چلنا بہت ناگوار خیال کرتے ہیں خود کچھ کرنا نہیں چاہتے۔

میرے شرعی پردہ کی تبلیغ سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ میں عورتوں اور مردوں کے فرائض یکساں سمجھتا ہوں - میں انکی شاہراہوں کو جدا سمجھتا ہوں۔ مگر میرا یہ خیال ضرور ہے کہ موجودہ رسمی پردہ انکے لیے جائز فرائض ادا کرنے میں بے طرح حارج ہے - میں نے اپنے رسالہ میں یہ خیال کرکے کہ میں مغربی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ حضرات کے سامنے اپنا اظہار خیال کر رہا ہوں۔ کچھ اشارہ بھی ان فرائض کی جانب کیا ہے - اگر ضرورت سمجھی جا رہے تو سننے کے بعد ان فرائض کی شرح کرنے میں سیدھے کیے جا سکتے ہیں۔

"کوتوال کو قید رکھنا اور چور کو کھلا رکھنا" عجیب ہی تشبیہ ہے۔ اگر تو رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے اور عورتوں میں موجودہ تعلیم کی رفتار کو خیال کرتے ہوئے ارباب بصیرت و معاملات پر یہ مخفی نہ ہوگا کہ کوتوال عرصہ تک قید نہیں رکھا - تم کبھی پیدا شدہ قوت کو دبا نہیں سکتے - جہاں اسکو فائدہ سے لگا سکتے ہو اور یہ انضباط جائز طریقے سے شرعی پردہ سے ہو سکتا ہے ورنہ وہ قوت بے جا طریقے سے ضرور استعمال ہوگی - دب نہیں سکتی - اور اگر تھوڑی دیر کے لیے فرض بھی کر لیا جائے کہ کوتوال صاحب قید میں پڑے رہینگے تو چور تو چور ہی رہیگا اور کوتوال صاحب کی نگرانی سے مستغنی ہو کر کسی دوسرے علاقہ میں ہاتھ صاف کریگا - اور یہ ہو بھی رہا ہے - مسلمانوں میں "لو فرازم" (بدنظری) بے طرح موجود ہے - اپنی چیز کو محفوظ کرکے دوسروں کی چیز پر ڈال ڈھکاتے ہیں - یہ بات شرعی پردہ سے جا سکتی ہے - انکو یہ یقینی یہ خیال ہوگا کہ اگر ہم کسی کی ماں بہن کو تکتے ہیں تو ہماری ماں بہن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جا سکتا ہے - شرعی پردہ سے عورت اپنے خاوند کے چال چلن کی اصلاح کر سکتی ہے اور خاوند اپنی عورت کی - کتنے خاوند ہیں جو گھر سے یہ کہکر جاتے ہیں کہ کسی دوست سے ملنا ہے اور دراصل آوارگی مقصود ہوتی ہے - اگر عورت شرعی طریقے سے آزاد ہے تو وہ یہ کہہ سکتی ہے کہ چلیے ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں، تم اپنے دوست کے پاس بیٹھو گے ہم تمہارے دوست کی بیوی کے پاس بیٹھیں گے - یہ میں نے بطور مثال کے ایک بات پیش کی ورنہ سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں - یہاں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عورت اس آزادی سے بیجا فائدہ اٹھائیگی، کیونکہ ہم سوسائٹی کی نئی تشکیل اسلامی طریقہ پر کرنا چاہتے ہیں جہاں ایسے مواقع بہت کم ہونگے - مگر ہم آپ پر آشوب ہونے سے بے خبر نہیں رہ سکتے کیونکہ آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ چور چور رہے گا - آپ کے ذہن میں نہ تو چور کی اصلاح کا خیال ہے نہ کوتوال کی رہائی کا - یہی شکست خوردہ ذہنیت ہے جو ہمیں صدیوں کی غلامی سے ترکہ میں ملی ہے - اور اسی دیرینہ بیماری پر اور اسی دل کی ناامکی پر ہم ماتم کناں ہیں - (باقی آئندہ)

نیک مشورہ

"اینٹی تبرا کمیٹی" کے پریسیڈنٹ سابق جسٹس چودھری نعمت اللہ نے ایک بیان میں تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا ہے،

"میں نے یہ خبر بڑی ہی تشویش کے ساتھ پڑھی ہے کہ سنی بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمام مرکزی صوبائی کونسلوں اور اسمبلیوں کے آیندہ انتخابات میں ہر شیعہ امیدوار کے خلاف خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو، مخالفت کریگا - یہ ایک حرکت ہے، جسکی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے"۔

آگے چل کر موصوف نے فرمایا ہے "اسوقت شیعہ سنی تنازعہ کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا اسلام کو نقصان پہونچانے سے کم نہیں ہے - گو کہ میں کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا لیکن تمام سنیوں سے اپیل کرونگا کہ ایسے تمام شیعہ امیدواروں کی پوری حمایت کریں جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوے ہیں" ......

چودھری نعمت اللہ پریسیڈنٹ اینٹی تبرا کمیٹی و مرحوم سنا بہ کمیٹی کا یہ بروقت انتباہ ایک برمحل اقدام ہے - ہندوستان کے تمام سنی و شیعہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی ہر جماعتی تفریق سے الگ ہو کر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس انتخابی جد و جہد میں مسلم لیگ کی حمایت کریں - (انقلاب - بمبئی)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر [illegible] پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

(بقیہ صفحہ ۴)

ذکر کیا جاتا تو کچھ بیجا نہ تھا۔ مگر ہماری بات کو کسی نے نہ مانا اور جلوس محمدی کے بجائے یوم میلاد النبی کو جلوس مدح صحابہ نکلنے کا فیصلہ ہوا۔ جس سے شیعوں کی ذہنیت اس طرح بگڑی کہ انہوں نے تبرہ بازی شروع کردی۔ حالانکہ وہ بھی اس فرمان خداوندی کو جانتے تھے کہ مشرک جنکو اپنا دیوتا مانتے ہیں' مسلمان اُن پر بھی تبرہ بازی نہ کریں۔ مدح صحابہ اور تبرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنی شیعوں میں ایسا تفرقہ پڑا، جسکی مثال تاریخ اسلام میں نہیں مل سکتی۔ یہی نہیں کہ شیعوں نے سنیوں کا بائیکاٹ کردیا بلکہ خون خرابہ ہوا۔ یہاں تک کہ گورنمنٹ کو بھی اپنے اصول کے خلاف اس مذہبی معاملہ میں مداخلت کرنا پڑی اور مدح صحابہ پر کڑی پابندی عائد کرکے مذہب اسلام کی توہین کی گئی۔ کیونکہ گورنمنٹ کو مذہب اسلام سے واسطہ نہ تھا۔ مگر خون خرابہ ہوا اسکو روکنے کیلیے گورنمنٹ کو ایکشن لینا پڑا۔

اس سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ شیعہ بھی خدا کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں' قانون الٰہی یعنی قرآن مجید کو بھی مانتے ہیں اور خدا کی اطاعت لازم جانتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ جماعت، قانون الٰہی کو نہیں مانتی مگر ہم اسکو باور نہیں کرتے۔ کیونکہ بڑے بڑے شیعہ علماء نے ہم کو یہ بتلایا کہ کوئی شیعہ قرآن سے انکار نہیں کرسکتا اور ہمارے قومی لیڈر مسٹر جناح جو شیعہ تھے اپنے پیغام عید میں اس بات کو ظاہر کرچکے ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے چاہے وہ کسی فرقہ یا طبقہ کا ہو۔ خدا کی بادشاہت کو ماننا اور اس کے حکم پر چلنا لازمی ہے۔ جس طرح سنی مسلمان پیر پرستی میں لگے ہیں۔

اسی طرح شیعہ بھی اپنے کو حضرت علی یا امام حسین کا بندہ کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن خدا کی بادشاہت کو ماننا اور قرآن مجید پر عمل کرنا ہر شیعہ کا فرض ہے۔ سنی علماء کی طرح شیعہ علماء نے بھی رسم و رواج کے شکنجہ میں گرفتار ہو کر شیعوں کی ذہنیت اس طرح بگاڑ دی کہ وہ بھی قانون الٰہی پر غور و خوض نہیں کرتے اور خدا کے حکم پر نہیں چلتے۔ ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ ملت اسلامیہ کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ مدح صحابہ کے جھگڑے سے شیعہ سنیوں میں پھوٹ ڈالی جاتی' اور وہ ایک دوسرے کو دشمن ہو جاتے۔ شیعہ بھی اس فرمان خداوندی کو جانتے ہیں کہ ملت اسلامیہ میں پھوٹ نہ پڑنا چاہیے ورنہ انکی ہمت پست ہو جائیگی اور ہوا اکھڑ جائیگی۔ اب تو سب مسلمان علماء و مشائخ کی کرامت سے اس طرح فرقہ بندی میں لگے ہیں کہ برادران وطن اپنے آپس کے مذہبی اختلافات کے باوجود ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ہندو راج کے نصب العین کو پورا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی اختیار کر رہے ہیں۔

(ہمدم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجئے

صدق

چندہ اور انتظامی امور :-
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
،، ششماہی ،، ،،
بیرون ہندوستان سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ،،
(ٹیلیفون نمبر ۲۹۱)

نمبر ۴۸ | یوم سہ شنبہ - ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۳۰ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

لیگی پریس کی خبریں اور کارتون :-

"کانگریس نے دو کروڑ کے سرمایہ سے جمعیۃ العلماء اور دوسرے مخالفین لیگ کو خرید لینے کا تہیہ کیا ہے"۔

"ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے پاکستان کی تائید میں بیان شائع کیا ہے"

"جمعیۃ علماء، جمعیۃ غلاماں ہے - احرار مکار ہیں، خاکسار خبیث ہیں"۔

اس طرز تحریر و انشاء کے بعد مصالحت و مفاہمت کے امکانات باقی رہ جاتے ہیں؟

غیر لیگی پریس کی خبریں اور اطلاعیں :-

"مسٹر جناح کو عنقریب بمبئی کی گورنری ملنے والی ہے - یہ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے - بلکہ یہ بھی کہ وہ اسکے لئے کوشش کر رہے ہیں"۔

"جناح مرتد ہو چکے ہیں - مدت ہوئی ایک مجوسیہ سے شادی کے وقت وہ ترک اسلام کا اعلان کر چکے ہیں - اور شرقی صاحب گواہ ہیں کہ وہ قرآن کو ایک فرسودہ کتاب ٹھہرا چکے ہیں"۔

"مسلم لیگ کے اکابر سرکار پرست و جاہ پرست امراء ہیں اور عوام جو اس میں شریک ہیں وہ گنڈے اور بدمعاش ہیں"

یہ گل افشانیاں مسلمانوں کی ملا زادوں سے متعلق ہیں!

ہار اور جیت جس پارٹی کی بھی ہو، بہر حال اس پر دونوں فریق متفق ہو گئے ہیں کہ شائستگی، دیانت، شرافت، انصاف وحق گوئی کو سب مل کر شکست دے کر رہیں گے!

برطانوی الکشن کو ابھی زمانہ کتنا ہوا - کل ہی کی تو بات ہے۔ کس زور و شور کا مقابلہ آپس میں ہوا ہے! کیسا زبردست پروپیگنڈہ! کیسی کیسی دھواں دھار تقریریں، کیسی کیسی گرما گرم تحریریں! لیکن کسی نے ایک دوسرے کی ذاتیات پر بھی حملے کئے؟ کوئی ایک دوسرے کی شخصی توہین اور رسوائی کا بھی مرتکب ہوا؟ کسی نے ایک دوسرے پر گندگی اچھالی؟ کسی نے کسی کے خلاف شخصی منافرت اور بیزاری پھیلائی؟ اسکے برعکس سارا زور، سارا جوش، ایک فریق کا دوسرے فریق کے پروگرام کی کمزوریاں، اُسکے سابق ریکارڈ کی خرابیاں، اسکی روش کی خامیاں، دکھانے اور واضح کرنے پر محدود رہا - چرچل کی شخصی قدر و منزلت کا اعتراف قدم قدم پر رہا، چرچل کی شخصیت کے احترام میں ایک ذرہ فرق نہ آنے پایا! چرچل کو اپنا قومی محسن، اپنی قومی تاریخ میں شاید سب سے بڑا محسن، سب سے بڑا مشکل کشا، سب تسلیم کرتے رہے، لیکن چرچل کی اندرونی ملکی پالیسی کے بڑا خچے اُڑا دیئے - چرچل کی پارٹی کے پروگرام کو پرزے پرزے کر ڈالا! ——— یہ سیدھا سادہ سبق اگر ہم اپنے ماضی سے نہیں سیکھتے، تو کیا غیروں اور بیگانوں کے حال سے بھی نہیں سیکھ سکتے؟

آزادوں کی تنگ خیالی

"الکفر ملۃ واحدۃ" المتنبی نے

انگلستان کے مسیحی کلیساؤں کی طرف سے ایک محضر تمام ارکان پارلیمنٹ کے درمیان گشت کرایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسپین میں مذہبی آزادی مفقود ہے۔ تقریباً سارے پروٹسٹنٹ گرجے ملک میں بند کردیے ہیں اور نہ کوئی مذہبی جلسہ ہی پروٹسٹنٹوں کا ملک کے بڑے حصہ میں ہو سکتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ستم یہ ہے کہ بجز رومن کیتھولک کے اور کوئی بائبل اسپین میں نہ طبع ہو سکتی ہے نہ شائع، بلکہ بہت سے نسخے ضائع بھی کر دیے گئے ہیں ... پروٹسٹنٹ بچے رومن کیتھولک عقائد کے زبردستی اور کنواری مریم مقدس کی مورتی کی پوجا پر مجبور کیے جاتے ہیں" انجمن نے وزارت خارجہ کو توجہ دلانے کے بعد سب ارکان پارلیمنٹ کو اس جانب متوجہ کیا ہے" (ڈیلی ہیرلڈ، لندن ۵- دسمبر ۱۹۴۴ء)

اچھا، تو یہ اب کھلا کہ "تعصب" "تنگ نظری" "عدم رواداری" ایک مذہب کی دوسرے مذاہب سے نہیں، ایک فرقہ کی دوسرے فرقہ سے خود "صاحب" کے ہاں بھی موجود ہے! "موجود تھی" بصیغہ ماضی نہیں، موجود ہے بصیغہ حال، اسی بیسویں صدی کے وسط میں! اب تک تو یہی سننے میں آتا تھا کہ یہ سارے الزامات مسلمانوں ہی کی فرد جرم کے ہیں!

حق اہل باطل کی زبان سے

"لندن ۱۱ اکتوبر۔ برنارڈ شا نے اپنے ایک تازہ بیان میں لکھا ہے کہ انسان کا موجودہ اوسط عمر عقل و تجربہ کی پختگی تک اسے پہنچانے کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ میں ۸۹ سال کا ہوں، لیکن سیاسی حیثیت سے بالغ کا، سچ پوچھیے تو اب تک نہیں پہنچا ہوں۔ پوری ایک صدی اور مجھے حکمرانی کے لیے لگ جائے تو البتہ میں ماہر فن کی حیثیت رکھنے لگوں، اور تین سو سال کی عمر میں کامل ہو جاؤں"۔ (گلوب ایجنسی)

ڈھائی سو اور تین سو کی عمر میں پہنچ کر اپنے کامل ہو جانے کی توقع رکھنا تو اس پیر نابالغ کی محض خام خیالی ہے۔ انسان جوں جوں آگے بڑھتا جائیگا، اپنے عقل و تجربہ کی ناتمامی بھی اسی نسبت سے اس پر روشن ہوتی جائیگی، البتہ یہ بالکل سچ ہے کہ ستر اور اسّی، بلکہ نوّے اور سو سال کی عمریں بھی عقل و تجربہ کو کمال پر پہنچانے کے لیے بالکل ناکافی ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ انسان کو مزید غلطیوں اور نادانیوں میں پڑنے سے مزید ٹھوکریں کھانے سے بچانے کے لیے خدائے حکیم و رحیم نے ایک بالکل جداگانہ نعمت وحی کی انسان کو عطا کر دی ہے، کہ جن گتھیوں کو وہ اپنی محدود عمر نیز محدود عقل و تجربہ کی مدد سے نہیں سلجھا سکتا، انھیں وہ وحی کی روشنی میں حل شدہ پالے۔ اس عظیم الشان و بے مثال نعمت کو ٹھکرانے اور اسکی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی سزا یہی ہے، کہ یہاں اور وہاں کہیں بھی عذاب سے نجات نہ پائے۔

شراب نواز سرکار

لارڈ رونالڈشے صوبہ بنگال کے مشہور سابق گورنر اور لارڈ کرزن کے سوانح نویس کا بیان :-

"میں جب ... میں بنگال کا گورنر تھا تو دسمبر [illegible] میں گورنمنٹ ہاؤس
کلکتہ میں جلا زاری کے سلسلہ میں شمپین شراب کی ۱۱۱۵ بوتلیں صرف ہوئیں"
(ہندو، مدراس، ۲۱- اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اللہ اکبر! یہ ہندوستان کے صرف ایک صوبہ اور گورنمنٹ ہاؤس کی شراب کا خرچ صرف ایک مہینہ کا ہے! شراب کا بھی نہیں، اسکی صرف ایک قسم شمپین شراب کا! کوئی ریاضی داں صاحب براہ کرم حساب لگا کر بتائیں، کہ کلکتہ اور بمبئی اور دہلی اور لاہور اور لکھنؤ اور الہ آباد اور پٹنہ اور ڈھاکہ اور نینی تال اور شملہ اور ناگپور کے کل گورنمنٹ ہاؤسوں میں، پورے ۱۲ مہینے میں شراب کی کل قسم کی کتنی بوتلیں کھلتی رہتی ہیں، اور جب سے "صاحب" کے قدم ہندوستان میں آئے ہیں، اسوقت سے اب تک کل کس تعداد میں کھل چکی ہیں؟ اور انکی قیمتوں کی میزان کہاں تک پہنچی ہے؟ —— ایسی مے نواز سرکار کے سایۂ عاطفت کے بعد پھر حیرت اس پر کیوں کیجیے کہ ملک میں اتنے شرابی، اتنے افیونی، اتنے بھنگیڑی موجود ہیں۔ حیرت اس پر کیوں نہ کیجیے کہ باقی آبادی ابھی تک ہوش و حواس کیسے سنبھالے ہوئے ہے!

فطرت سے مقابلہ

"لندن ۱۹ اکتوبر۔ بلجیم ... کے جور و ستم کا مشہور مقدمہ جو لونین برگ میں چل رہا ہے، اس میں ... پولیس کی ۲۰ سالہ خاتون ... گرنز ... اب تک حیرت انگیز استقامت کا ثبوت دے رہی تھی، کل جب اس کی چھوٹی بہن ۱۶ سالہ ہیلن ... رونے لگی اور اس نے اس کے اپنی دونوں کی بچپن کی خانگی زندگی بیان کی تو گرنز ضبط نہ کر سکی، دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھکر بے اختیار رو پڑی"۔ (رائٹر)

مجرمین جنگ پر مقدمے تو برابر چل ہی رہے ہیں، اور متعدد کو سزائیں بھی مل چکی ہیں۔ کوئی گولی سے اڑا دیا گیا، ... کوئی کسی اور طریقہ پر مارا گیا۔ فرنچ، جرمن، اطالین، سب ہی قوموں کے لوگوں پر یہ گزر چکی اور گزر رہی۔ مگر یہ آخر کیا بات ہے کہ یہ بے اختیار ہو کر رو پڑنا (اور وہ بھی فیصلہ سننے سے بہت قبل) صرف ایک عورت ہی کے حصہ میں آیا؟ اور عورت بھی کیسی، پختہ اور بڑی مضبوط جوان! —— عورت لاکھ مردانہ بنائی جائے اور بنے، بہرحال عورت ہی رہیگی، اور اصل فطرت عادت اور تربیت پر کبھی غالب آ کر ہی رہیگی!

شراب اور ادب

... مصنف کے نام سے علیگڑھ سے ایک سنجیدہ علمی سہ ماہی رسالہ کچھ عرصہ سے نکل رہا ہے۔ اسکے نمبر ۱۰ اپریل ۱۹۴۵ء میں ایک مضمون اردو شاعری میں خمریات کے عنوان سے نکلا تھا۔ مضمون نگار نے باوجود اسکے کہ خود ذاتی طور پر شراب یا شرابی اور شراب کے تو یقیناً قریب بھی نہیں گئے ہونگے، شاعرانہ خمریات کی اچھی خاصی داد دی تھی، اور ایک جگہ غریب ریاض خیرآبادی کی شراب نوشی کی روایت بھی بلا تردید درج کر دی تھی۔ ایڈیٹر کا نوٹ البتہ مضمون کی روح (شراب کی مدح) سے بیزاری ("اسپرٹ" کہنا تھا) کی تردید میں تھا۔

مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ فقہ میں انکے سب سے بڑے اور اعظم امام ابو حنیفہؒ ہیں، اور حدیث کے سب سے بڑے امام بخاری ہیں۔ پھر اس سے کون ناواقف ہے، کہ دونوں حضرات عجمی مسلمانوں ہی سے نسلاً تعلق رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے تو جد امجد کا نام ہی زوطی یا زوطہ تھا۔ بعضوں کا تو خیال ہے کہ کابل یا پنجاب سے ان کا تعلق تھا اور امام بخاری کے دادا کا نام ہم لوگ اب تک "بردزبہ" لکھتے ہیں، جو کوئی ترکی لفظ ہے۔ اور یہی دو حضرات نہیں ائمۂ فقہ و حدیث و قراۃ میں آپ کو اکثر بیشتر زیادہ تر عجمی مسلمانوں ہی کی نظر آئیگی۔ خالص عربی قریشی مسلمات انکے مقلد تھے۔ اور یہ حضرات انکے ائمہ تھے بھی، اور اب بھی ہیں۔ لیکن ناقد تن کہتا ہے کہ عجمی مسلمانوں کو عربی مسلمانوں کی مسجدوں میں بھی آنے کی اجازت نہ تھی"۔ اور ان ہی باتوں کو "تحقیق" کے نام سے پیش کیا جاتا ہے اور تحقیق ہی کے نام سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم جاہل مسلمان اس پر ایمان لائیں۔

فلوتن نے لکھا ہے کہ عجمی مسلمانوں کی مالی حالت گویا بہت گری ہوئی تھی ادنیٰ درجہ کے مکانوں میں وہ رہتے تھے۔ تفصیل کیلیے تو وقت درکار ہے۔ حال ہی میں میری نظر طبقات ابن سعد میں اس واقعہ پر پڑی تھی جسکا خیال آیا، کہ وہی محمد بن سیرین جو بصرہ کے امام تھے انکے والد سیرین حضرت انسؓ کے مولیٰ تھے۔ کتابت کے بعد آزاد ہوگئے تھے۔ انکے حالات میں ابن سعد نے جو باتیں نقل کی ہیں ان میں چند چیزیں اس موقع پر قابل سننے کے ہیں۔ لکھا ہے، کہ حضرت انسؓ انکے آقا نے مدینہ سے انکو لکھا

ان اقدم علی المدینة حتی ازوجك بنت اخی البراء بن مالك۔ ص۱۴۸	تم مدینے چلے آؤ۔ تاکہ میں اپنی بھتیجی یعنی براء بن مالک کی لڑکی سے تمہاری شادی کردوں۔

عربی مسلمان اپنے آزاد کردہ غلام عجمی کو اپنی بھتیجی عقد میں دینے کے لیے بلاتا ہے۔ یہ عقد ہوتا ہے اور جن عجمی مسلمانوں کی غربت کا حال فلوتن وہ بیان کرتا ہے۔ ان ہی عجمیوں میں سے ایک آزاد شدہ غلام کے تمول کا حال سنیے

عن محمد بن سیرین قال ان اباه سیرین اولم بالمدینة سبعة ایام فدعا اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم۔ ج۷ ص۱۴	محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ انکے والد سیرین نے جب عقد کیا تو سات دن تک مدینہ والوں کی دعوت کرتے رہے اور ان میں صحابہ کو بھی بلایا۔

مدینہ اسوقت وہ مدینہ نہیں تھا جسوقت شروع شروع میں مسلمان منتقل ہوئے تھے، اب یہ دنیا کے ان شہروں میں تھا جسکی آبادی لاکھوں کے قریب پہونچی ہوئی تھی۔ ایسے شہر میں سات دن تک ولیمہ کھلانا کیا کوئی معمولی تمول کی دلیل ہے۔

بلکہ ان ہی سیرین کی ایک نشستگاہ کا بھی ذکر طبقات میں کیا ہے

عن بکار بن محمد قال رایت مجلس سیرین الذی یاوہ بالجذوع بعث انا بیعها اربعین جذعا کل جذع بدینار۔ ج۷ ص۹۹	بکار بن محمد کہتے ہیں، کہ سیرین کی جو نشستگاہ تھی اسے میں نے دیکھا تھا شہتیروں سے بنائی گئی تھی۔ چالیس شہتیریں تو اسکی میں نے بیچی تھیں جن میں ہر شہتیر کی قیمت ایک اشرفی تھی۔

یہ تھا اس کا قصہ کہ موالی کو ادنیٰ درجہ کے مکانوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

طبقات ہی میں جب میں نے اس واقعہ کو پڑھا تھا، تو خود دیر تک متحیر رہا۔ یعنی اس میں حضرت امام زین العابدینؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ انکی والدہ محترمہ جنکا نام غزالہ تھا، ان ہی بی بی غزالہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اپنا عقد ثانی امام حسین ہی کے ایک مولیٰ زبید سے کیا تھا، اور عبد اللہ نامی ایک لڑکا بھی ہوا تھا۔ لکھا ہے کہ وہ امام زین العابدین کا بھائی کہلاتا تھا۔ یعنی ان دونوں کی ایک ہی ماں تھیں ج۵ ص۱۵۶ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو کس قدر عجیب ہے۔ لیکن عام طور پر چونکہ یہ مشہور ہے کہ حضرت امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ شہربانو یزدجرد شاہ ایران کی شاہزادی تھیں، اس لیے ابھی میں پوری تحقیق سے نہیں کہہ سکتا کہ ابن سعد کی یہ روایت کس درجہ کی ہے۔ لیکن اگر واقعہ ہے، تو جس سنت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا، یعنی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا پہلا عقد اپنے مولیٰ زید بن حارثہ سے فرمایا تھا۔ اسی سنت کے احیاء کی یہ شکل ہوسکتی ہے۔

ان کہنے والوں سے کون کہے۔ آپ نے دیکھا کہ سیرین ایک مولیٰ تھے۔ ان کے کل مکان نہیں، صرف نشستگاہ شہتیروں سے جو بنی تھی، ان میں چالیس شہتیر صرف ایک صاحب نے ایک ایک اشرفی کے حساب سے دی تھی۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتنا روپیہ اس نشستگاہ کی تعمیر میں خرچ ہوا ہوگا۔

کھانے کے سلسلہ میں خیال آگیا اسی طبقات ابن سعد میں پڑھا تھا، کہ

کان الحسن یشتری لحما کل یوم بنصف درهم وثال ما شممت مرقة قط اطیب ریحا من مرقة الحسن ج۷ ص۱۲۱	حضرت خواجہ حسن بصری روزانہ نصف درم کا گوشت آپ کے یہاں خریدا جاتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت حسن کے شوربے

میں جو خوشبو ہوتی تھی، ویسی خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی حالانکہ بڑے بڑے امیروں کے دسترخوان پر بیٹھنے کا موقع راوی کو صاحب کو ملتا تھا۔[1]

---

[1] غذا کی پاکیزگی اور نفاست کچھ صوفیہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ اصحاب کہف کے قصہ میں بھی کہ جب طویل خواب سے یہ حضرات بیدار ہوئے اور طے ہوا کہ بازار کسی کو کھانا لانے کے لیے بھیجنا چاہیے تو لانے والے کو جو ہدایت کی گئی کہ فلینظر ایہا ازکی طعاما (کہ چاہیے کہ دیکھ

شیعی عقائد و عمل

(آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے خطبہ صدارت سے)

آپ تمام حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہمارا یعنی ہم شیعوں کا اُسوقت سے وجود ہے جب سے حضرت علیؑ سابق الاسلام حضرت محمد مصطفےٰ کے روحانی جانشیں ہوئے۔ اور ہمارا مذہب و عقیدہ ہمیشہ رہی رہا جو خدا کی کتاب اور اُسکا برگزیدہ نبیؐ لایا تھا۔ و نیز ان اصولوں کے مطابق جو ہمارے اول امام حضرت علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور اُنکے جانشینان نے پیش فرمائے تھے۔ اسلئے ساتھ ساتھ ہمارے قوانین وہی رہے جنکی توضیح و تشریح ہمارے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمائی جسے شریعت جعفریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ . . . . .

جب ۱۹۱۹ء میں عظیم الشان تحریک خلافت کا اس ملک میں اجراء کیا گیا جو بالکل ۱۹۱۴ء کے اغراض و مقاصد سے مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کی مسلم آبادی کی حفاظت کے لیے جاری کی گئی تھی اور اسکے یکساں نوعیت رکھتی تھی، تو اس جدوجہد میں تمام شیعہ مسلم جماعت تہ دل سے شریک ہوگئی اور اس نے اس سلسلہ میں کسی قربانی سے بخل نہ کیا، نہ اُن زیادتیوں کے سلسلہ میں جو تحریک خلافت کے سلسلہ میں کی جارہی تھیں، ممکن ازالہ کرانے میں کوئی کوتاہی کی۔ یہ ایک نمایاں حقیقت ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ کسی جماعت یا طبقہ کے لیے جو خواہ شیعوں کا کتنا ہی دشمن ہو یا اب ہو جائے، اس سے انکار نا ممکن ہے۔ (سرفراز)

صدق۔

جو آپ کہہ رہے ہیں، یہی ہو بھی جائے!

تفرقہ انگیز رزولیوشن

آل انڈیا شیعہ کانفرنس شیعہ بھائیوں کے کسی قابل ذکر گروہ کی نمائندہ ہو یا نہ ہو لیکن اس مجلس میں جو قرارداد منظور ہوئی (اور ایسوشی ایٹڈ پریس کا بیان ہے کہ بہت بڑی تعداد نے اُسکے حق میں ووٹ دیے) وہ شرکاء کے لیے کسی نقطۂ نگاہ سے بھی باعث عزت نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسکا مفاد یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتیں بالخصوص آل انڈیا مسلم لیگ، اگر شیعہ حضرات کے تمام جائز آئینی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کا یقین دلاویں تو اُنکے ساتھ معاملہ کرایا جائے۔

ایک ترمیم پیش ہوئی تھی کہ مسلم لیگ کے ساتھ گفتگو جاری رکھی جائے۔ لیکن آیندہ انتخابات میں شیعہ حضرات لیگ کے نمائندوں کی امداد کریں۔ مسٹر حسین بھائی لالجی صدر کانفرنس نے . . . خلاف . . . قرار دے کر مسترد کر دیا۔

سید کلب مصطفےٰ صاحب نے بڑی دردمندی سے اپنے پُرجوش بھائیوں کے روبرو یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی کہ کانگریس مسلم لیگ کو چیلنج دے چکی ہے اور اسلام کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام اصحاب مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ لیکن اس صدائے درد کو قابل توجہ نہ سمجھا گیا۔

ہمیں ان حضرات کے اس نہایت غلط اور از سر تا پا خلاف مصلحت طرز عمل پر دلی رنج ہے۔ شیعوں کے مخصوص آئینی حقوق کیا ہیں جنکو اب تک کسی جگہ نقصان پہونچنے کا امکان پیدا ہوا؟ کونسا بڑے سے بڑا عہدہ ہے جس پر شیعہ فائز نہ ہوئے؟ مسلمانوں کی کونسی ملی تحریک ہے جس میں شیعہ حضرات کو سنیوں نے بالعموم پیش پیش نہ رکھا؟ یہاں تک کہ آج بھی مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت کا قائد اعظم شیعہ ہی ہے، یعنی مسٹر محمد علی جناح۔ کیا سنیوں کی اس رواداری کی کوئی نظیر شیعہ حضرات پیش کر سکتے ہیں؟

انکے مذہبی حقوق کو کب کسی نے آج تک گزند پہنچایا؟ کیا وہ اپنے تمام تعزیتی ایام منانے میں ہمیشہ آزاد نہ رہے اور کسی سُنی نے ان سے تعرض کیا؟ کیا انکی نمازوں یا مسجدوں یا امام باڑوں سے کبھی تعرض کیا گیا؟ اختلافات صرف تبرا ایجی ٹیشن پر ہوا۔ لیکن کیا دنیا کی کوئی جماعت، کوئی قوم، کوئی حکومت یا کوئی با اختیار ادارہ اتنا ہوش باختہ اور عقل سوختہ ہو سکتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں شیعوں کو اجازت دے کہ وہ برسر عام اُن بزرگ ہستیوں اور اُن مقدس وجودوں کے خلاف اہانت آمیز کلمات استعمال کرکے خوش ہوا کریں جنکے لیے اس سرزمین کے کروڑوں افراد اور سطح ارضی کے ایک بہت بڑے حصہ کے دلوں میں انتہائی محبت و عقیدت کے جذبات موجزن ہیں؟ (انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ۱۵ نومبر میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت چندہ بہت جلد ارسال فرمایئے۔

خریدار ۲۲۶، ۷۵۲، ۲۸۶، ۴۸۲، ۹۸۲،
۹۸۴، ۱۳۵۰، ۱۳۵۲، ۱۳۵۵، ۱۳۶۷،
۱۴۴۱، ۱۴۹۳، ۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶،
۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹،
۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۶۷، ۱۶۲۶، ۱۶۳۲

خادم مہتمم صدق لکھنؤ

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

مدیر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

قیمت فی پرچہ ۱/

نمبر ۴۹ | یوم شنبہ - ۲۶ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ - نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

عدالتوں میں وکیلوں، بیرسٹروں، مختاروں، کو بحث کرتے آپ نے دیکھا ہے؟ ہر شخص جو تھوڑا سا بھی وقت نکال کر کچہری جا سکتا ہے، یہ نظارہ روز ہی کر سکتا ہے۔ فلاں اور فلاں وکیل صاحب آپس میں بڑے گہرے دوست ہیں۔ عزیز ہیں۔ بھائی بھائی ہیں، باپ بیٹے ہیں، لیکن مقدمہ کی پیروی کے وقت بالکل ایک دوسرے سے بیگانہ ہیں۔ ایک دوسرے کے دشمن ہیں، دوست صرف اپنے اپنے فریق کے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ وہ ہر طرح ہاریں، اُنکے دل سے لگی یہ ہے کہ انھیں سر اجلاس نیچا دکھا کر رہیں۔ کیسی مروت، کہاں کی دوستی اور رشتہ داری، انکی ہر ہر بات کا رد اُنکے ذمہ۔ اُنکے ہر سچے سے سچے قول کی تکذیب ان پر واجب ہے۔ دو اور دو چار بھی اگر وہ کہہ رہا ہے، تو یہ کہیں گے کہ چار نہیں، پانچ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مخالفت میں وہ جوش، وہ سرگرمی، وہ انہماک کہ معاذ اللہ۔ بعض اوقات غصہ، ایک سخت کلامی کی بھی نوبت — اور وہ بھری عدالت سے! جہاں نکلے کہ یہ سب گرماگرمی، خصومت، جوش و خروش کافور، اب پھر وہی دوست، مخلص ہیں، عزیز ہیں، بھائی ہیں — یہ کیفیت کبھی کبھی کی، اور کہیں کہیں کی نہیں، ہر جگہ اور ہر روز کی ہے۔

اپنے ساختہ مشاہدہ میں، جا سے آپ کے لیے کوئی سبق نہیں؟ یہ وکیل صاحبان کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں ہوتے۔ خصوصیت دنیادار ہی ہوتے ہیں۔ اس پر بھی ان میں یہ ضبط نفس کے خوگر۔ کیا یہ سبق ہم آپ ذرا سی کوشش کے بعد نہیں سیکھ سکتے؟

جن سیاسی خیالات و عقائد سے آپ کو اپنے لوگوں سے اختلاف ہے، ان اختلافات کو یقیناً زور شور سے ظاہر کیجیے، ایسوں کی موافقت میں ووٹ، کسی کی مروت میں آکر ہرگز نہ دیجیے، انکی سیاسی سرگرمیوں کی پُرزور مخالفت کیجیے۔ لیکن خدا کے لیے اس ساری کارروائی کو بس سیاسی مسلک ہی تک محدود رکھیے:-

ان کی سیاسی غلط روی یا کج بینی سے آخر آپ ان نتیجوں تک کیسے پہونچ رہے ہیں کہ وہ ملحد و بے دین بھی ہے، یا ہندو یا انگریز کے ہاتھ بک گیا ہے، یا ملت کا غدار و خائن ہے؟ نسب پر حملہ آپ کر ڈالیں، مذہب پر حملہ کرنے میں آپ کو باک نہ ہو، اور اخلاق و کردار، تو ذرا بھی قابل عزت نہ رہ جائے، محض اس جرم میں کہ آپ کا بھائی سیاسیات میں اپنی بصیرت و نظر آپ سے الگ رکھتا ہے .... رائے اور اجتہاد کے اختلاف پر اتنا تشدد! اگر آخرت کے حق میں عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ —

وکالت کا پیشہ شریعت اسلامی کے اعتبار سے ہرگز کوئی قابل فخر پیشہ نہیں، لیکن کیا کیجیے، کہ اس معاملہ میں تو وہ خالص دنیادار بھی دینداروں سے افضل اور بہتر ہیں!

مصلوبیت مسیح

[illegible]

اور جو میوہ کھاتے رہے ہیں، ان ہی کے بدل جانے سے گوشت کی عادت ڈال لی[۴]۔ گوشت کھانے والے جانوروں کی عمریں کم ہوتی ہیں اسکے مقابلہ میں ہاتھی، جو صرف پودوں اور نباتات پر گزر بسر کرتا ہے، چار سو سال کی عمر پاتا ہے[۵]۔ گوریلا ہے، جو دس آدمیوں کی اکٹھی قوت رکھتا ہے، سو سال اور زائد مدت جیتا ہے۔ اسکیمو جو بحر شمالی کے باشندے ہیں جو گوشت پر جیتے ہیں، ایک بھی سو سال نہیں جیتا۔ پچاس سالہ سال میں انکا چراغ زندگی بجھ جاتا ہے[۶]۔

ڈاکٹر کیلاگ ایم۔ ڈی، جو امریکہ کے مشہور ڈاکٹر ہیں، ستر سال سبزیوں پر گزارا کر رہے ہیں۔ انہیں صحت و توانائی حاصل ہے۔ انگلستان کے امور اہل علم برنرڈ شا جو نوے سال میں عالم شباب میں دوڑتے رہے ہیں، جاق و چوبند اور چابک خرام ہیں صرف دودھ، میوے، انڈے اور ترکاری کھاتے تھے[۷]۔ انکا قول ہے کہ گوشت کھانا نعش کھانے کے برابر ہے[۸]۔ گاندھی جی جو فطرت و صحت کے اصول کے پابند ہیں، انکھتے[۹] جوانی میں ایک دفعہ گوشت کا ذائقہ چکھا۔ انکا خیال تھا کہ گوشت ہی کی طاقت نے انگریزوں کو دنیا کی حکومت دے رکھی ہے۔ چونکہ انکے مذہب میں گوشت کھانے اور جانوروں کے مارنے کی ممانعت ہے، مگر انھوں نے جی پر رکھ لیا، اسکا تجربہ کیا جائے کہ اس سے کیا نفع ہوتا ہے۔ ایک دفعہ گوشت کھایا۔ ضمیر نے اس قدر لعن طعن کی، پھر نہ منہ پر نہ رکھا[۱۰]۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں سائنس والوں نے ادھر کروٹ لی۔ پچاس سال سے سائنٹفک روشنی نے یہ بات ثابت کر دی کہ ہم بغیر گوشت، مرغ، مچھلی کے صحت و ثبات پا سکتے ہیں[۱۱]۔ ارونگ فشر نے بہت سی تحقیقات کرکے یہ بات بتلائی ہے کہ سبزی خور گوشت کھانے والوں سے زیادہ قوت برداشت رکھتے ہیں۔ یونانی حمال سوکھے انجیر، زیتون، اور موٹی روٹی پر، ریگستان کے عرب صرف روٹی، کھجور، ترکاریاں کھاکر، جنوبی امریکہ کے مزدور کیلے پر، عرب کے سپاہی کھجور، ترکاریاں، روٹی پر گزارہ کرکے حیرت انگیز طاقت و قوت برداشت کا ثبوت دیا ہے۔ مغربی انڈیز کی عورتیں صرف میوے، معمولی غذا پر پہاڑوں پر کافی رکی بوجھ اٹھائے جاتی ہیں۔ ایسی عجیب و غریب طاقت سے دنیا کو ڈالک و ششدر کر رکھتے ہے[۱۲]۔ ڈاکٹر ننڈ بارے ڈنمارک نے کم پروٹین والی غذا کی تجربہ کرکے ظاہر کیا ہے اس سے بخوبی صحت کا قیام ہو سکتا ہے۔ گوشت کھانے سے دل، گردہ پر ضرورت سے زائد کام کا بوجھ آ پڑتا ہے اور سمیت پیدا ہوتی ہے[۱۳]۔ پروفیسر نیوبرگ میچیگن یونیورسٹی نے خوبی سے ثابت کر دکھایا ہے تھوڑی سی مقدار میں گوشت کی بیسانی صدی قبل از وقت بڑھاپا، شریانوں کی تبدیلی اور گردہ کے بگاڑ کا سبب ہوا کرتی ہے[۱۴]۔ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی کے ماہر علم حیوانات...

ان مثالوں سے آخر کس مسلک کی تردید مقصود ہے؟ پھر امریکی ڈاکٹر کیلاگ تو کھلا ہوا ایک فریق ہے، یعنی خضر و معدود "سبزی خور" پارٹی کا لیڈر! (صدق)

۷ه اول تو دعوے ثابت ہی نہیں۔ پھر اگر ثابت ہو تو جس مجبوری سے "بعینہ خلاف فطرت" گوشت کھانا پڑا تھا، وہی مجبوری تو آج بھی موجود ہے۔ (صدق)

۸ه اول تو یہ استقصا ہی صحیح نہیں۔ گدھ وغیرہ کی درازی عمر کی مثالیں اسکے برعکس ہیں۔ بالفرض صحیح ہو بھی تو گفتگو تو انسان کی غذا کے باب میں ہے نہ کہ حیوانات کی۔ (صدق)

۹ه نا طقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے! اللہ اکبر! اس ذرا سے مضمون کے اندر کتنے مغالطے موجود ہیں۔ اول تو سارے اسکیمو محض گوشت خور ہی نہیں۔ پھر اگر ہوں بھی تو انکی کوتاہی عمر کو آخر اسی سبب پر محمول کرنے کی کیا دلیل ہے؟ کیا اسکا سبب بر نائی آب و ہوا یا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود انکی کوتاہی عمر کا دعوے کہاں تک صحیح ہے؟ کم از کم انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں تو جو مقالہ اسکیمو آبادی پر ہے، اس میں تو یہ تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ دنیا کے "تندرست ترین انسان" ہیں! (صدق)

۱۰ه اس ساری گفتگو سے آخر حاصل کیا ہوا؟ کیا کسی نے یہ دعوی کیا تھا کہ انسانی صحت و حیات بغیر گوشت کے ممکن ہی نہیں۔ ان

۱۱ه یہ قول طبی، اخلاقی، عقلی، مذہبی، آخر کس حیثیت سے حجت ہے؟ بجز قول تو گوشت خوری کیا معنی، دنیا کے ہر صحیح مسلک و مذہب کی مخالفت بآسانی جمع کیے جا سکتے ہیں۔ (صدق) ۱۲ه ؟ (صدق)

۱۲ه یہ لعن طعن تو ہر مبتدع مذہب والے ہر بدعت والے ہر آریہ سماجی کا ضمیر کیا کرتا ہے۔ کیا اب دنیا کے ہر گمراہ کا ضمیر سند و حجت قرار پا گیا ہے؟ (صدق)

۱۳ه دعوی اگر "بھی" کے ساتھ ہے تو یہ تو "سائنٹفک روشنی" کے بغیر سیکڑوں ہزاروں سال قبل سے مسلم ہے، اور کسی نے بھی غذا سے لحمی کو مدار حیات نہیں قرار دیا ہے۔ لیکن اگر "بھی" کے ساتھ ہے تو اس "سائنٹفک روشنی" کی کچھ کرنیں صدق کے صفحات پر بھی آتی رہتی ہیں۔ (صدق)

۱۴ه ارونگ فشر واللہ اعلم کس پایہ اور مرتبہ کا روشنی ہے، اور خدا معلوم اسکے یہ روایت کی بھی ہے یا نہیں۔ روایت کی صداقت تو اسی جزو سے ظاہر ہے کہ ریگستانی عرب صرف روٹی، کھجور، ترکاریوں پر بسر کرتے ہیں۔ ریگستان، اور ترکاریاں، کیا خوب! گویا اونٹ کا گوشت، بکری کا گوشت، بھیڑ کا گوشت، دنبہ کا گوشت، مرغ کا گوشت، گورخر کا گوشت، بٹیر کا گوشت، شترمرغ کا گوشت، یہ سب عرب کے لیے نامعلوم اور نامانوس رہے ہیں! (صدق)

۱۵ه کیا کسی نے یہ دعوے کیا تھا، کہ غذائے لحمی میں ادنی پہلو مضرت کا نہیں ہے؟ اور آخر دنیا میں وہ کونسی غذا ہے، جو ہر شائبۂ مضرت سے خالی ہے؟ (صدق)

۱۶ه اول تو روایت ہی خدا معلوم کہاں تک صحیح نقل ہوئی ہے۔ پھر اگر ہو بھی

یہ راے ظاہر کی ہے کہ گوشت خوری کی ممانعت کی جانی چاہیے[۱۷] - چونکہ ہر لقمہ میٹ انڈے سے معور، اقسام کے نوکھو دہ کے علاوہ زہر ذاتی پیدا کرتا ہے[۱۸] - جس سے گٹھیا، جگر، گردہ، دوسرے جسمانی اعضاء کو نقصان پہونچتا ہے - گوشت ایک غیر ضروری اور کم و بیش نقصان رساں غذا ہے - درد سر، اعصابی کمزوری، رعشہ، رطوبت معدی، خون کا دباؤ، شریانوں کی بیماریاں، سرطان، خون میں زہر، ان زہروں سے باریک رگوں میں سکڑ، معدہ و انتڑیوں میں فتور، زل، مرارہ میں پتھریاں، مثانہ کے امراض پیدا ہوتے ہیں - گوشت سے جسم میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے - اور حیاتین معدنیات سے خالی ہے - دودھ میں اعلیٰ حیاتین اور متوازن غذا ہے[۱۹] - بعض صحرائے عرب کے قبائل صرف اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں، عمر لمبی، لاغر، وہ چست و چالاک رہتے ہیں[۲۰] - ۱۹۱۶ء میں جب اہل ہسپانیہ نے جزیرہ لبنسڈون کا کھوج لگایا، تو وہاں کے باشندوں کی عمریں سو سو سال کی تھیں - انکی غذا سوسے اور جڑیں تھیں[۲۱] - ہومر نے ذکر کیا ہے کہ قدیم موشیلیا کے پہاڑوں میں ایک گروہ آباد تھا، گھوڑی کا دودھ پیتے تھے - بڑی عمر پائی تھیں[۲۲] - (باقی آئندہ)

تو کیا ہر ڈاکٹر کا قول ہر غذا کے باب میں حجت قطعی ہے؟ (صدق)

۱۸ وہ کونسی "دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی" اور اسکے کون سے ماہر علم جراثیم ہیں؟ (صدق)

۱۹ تو کیا یہ سرے سے زندہ تھے اور زہر قاتل ہی کھا کھا کر کروڑوں گوشت خور آج تک روئے زمین پر بستے رہے، تندرست و توی نظر آتے رہے ہیں؟ (صدق)

۲۰ کیا اسکی ضرورت ہے کہ دودھ کی منفعتوں پر ابتدا سے قدیم و جدید نے جو کچھ لکھا ہے وہ نقل کر دیا جائے؟ (صدق)

۲۱ اس سے نتیجہ گوشت کے غیر ضروری ہونے کا تو نہیں، بلکہ دودھ اور وہ بھی اونٹنی کے دودھ کے سوا ہر انسانی غذا کے غیر ضروری ہونے کا نکلتا ہے (صدق)

۲۲ کیا اسکا بھی کھوج اہل ہسپانیہ نے لگا لیا تھا؟ یہ درازی عمر کا نتیجہ جزیرہ کی آب و ہوا، اور باشندوں کی صحت بخش جسمانی عادتوں کا نہیں، بلکہ عدم گوشت خوری کا ہے؟ (صدق)

۲۳ اگر مضمون نگار نے ہومر کی کسی کتاب کو پڑھ لیا ہے، تو روایت سے نتیجہ یہ نکلیگا کہ بجز گھوڑی کے دودھ کے، اور ہر قسم کی غذا، بلکہ ہر قسم کا دودھ بھی غیر ضروری ہے - (صدق)

اپنے معاصرین کی خدمت میں

ہمارے جو معاصرین "صدق" کے مضامین اپنے زریں صفحات پر نقل کریں اُن سے یہ ادب التماس ہے کہ وہ حوالہ میں صرف "صدق" لکھنے کے بجائے "صدق - لکھنؤ" لکھا کریں - یہ کرم ان کا بار دشوار نیست -

مہتمم "صدق" لکھنؤ

اقبال کا ایک شعر

(از غلام محمد صاحب بی اے - حیدرآباد دکن)

اقبال کی فلسفیانہ اور حکیمانہ حیثیت بہتوں پر ظاہر ہے لیکن نسبتہً بہت کم لوگ انکے صوفیانہ یا عارفانہ پہلو سے واقف ہیں - فلسفی اقبال نے جب بحر اسلام کا رُخ کیا تو نہ صرف یہ کہ ساحل سے چند خوبصورت اور چمکیلے سنگریزے اور صدف اٹھائے بلکہ غواصی بھی کی اور اصلی اور بیش بہا موتی بھی نکالے یعنی شریعت اسلام کا علمی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا بلکہ اسکو اپنے قلب کی گہرائیوں میں بھی محسوس کرنے کی کوشش کی - اس سلسلہ میں جس حیثیت سے جو چیز بھی ہاتھ لگی اُسے منظر عام پر پیش کر دیا - اسی لیے اقبال کی متروکہ دولت میں کچھ خوشنما سنگریزے اور صدف (یعنی علوم ظاہری کے حقائق) بھی ہیں اور کچھ اصلی موتی (یعنی باطنی حقائق) بھی - اقبال کہیں صاحب حال، سالک ہیں - کہیں صاحب مقام ہیں، عارف ہیں - کبھی انکے قدم اقلیم قلب کی وادیوں میں ہیں، کبھی انکی نگاہیں فضائے روح کی بلندیوں میں، اس لیے انکی ہر بات کو محض فلسفہ کی نظر سے دیکھنا نامناسب ہے - قول کو سمجھنے سے پہلے صاحب قول کے مقام اور حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے - اکثر دیکھا گیا ہے کہ عام تعلیم یافتہ افراد بھی جب اقبال کے بعض صوفیانہ اشعار کی توضیح کرنے لگتے ہیں تو تشبیہ و استعاروں سے انکے لغوی معنی پیدا کرکے کہیں "مقید" کو "مطلق" اور "مطلق" کو "مقید" بنا دیتے ہیں، کہیں "عاجز" کی "لاقوتی" کو "قادر" کی قوتوں سے ٹکرا دیتے ہیں اور کہیں مقام عبدیت کو درجۂ ربوبیت سے بڑھا چڑھا دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مقامات کو نہ پہچاننے اور راہ سلوک کی ناواقفیت کے باوجود قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں - ذیل میں ایسے ہی صرف ایک شعر کی توضیح کی جاتی ہے جو عام طور پر غلط سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے - شعر یہ ہے :-

"در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ"

لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ میرے جنون کے صحرا میں جبریل کی حیثیت زبوں شکار کی ہے اے صاحب ہمت تو خدا کو اپنی کمند میں لے آ -
مطلب یہ ہوا کہ مومن کا مقام عشق کی فضا میں جبریل سے بھی آگے ہے، چاہے تو وہ مقام روح القدس سے آگے بڑھ سکتا ہے - چنانچہ معراج نے اس عقدہ کو کھول دیا ہے -

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
(بال جبریل)

اسی لیے کہتے ہیں کہ تیرا مقام تو اتنا ارفع ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے انتہائی قرب کو بھی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ تیرے پاس عشق کی اعلیٰ کمند موجود ہو - شعر کی وضاحت کے لیے بعض امور پیش نظر ہونے چاہئیں -

حیاتِ قائدِ ملت

مولانائے محترم! السلام علیکم

ابھی ابھی آپ کی تصنیف "محمد علی" کے مطالعہ سے فارغ ہوا ہوں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے تاثرات کو آپ تک پہونچا دوں۔

یوں تو کس ہندوستانی کے دل میں مولانا محمد علی کی ہمہ گیر قابلیت اور مظلومیت نے اپنے گہرے نقوش نہیں چھوڑے ہیں، لیکن میرا یقین ہے کہ آپ کی اس تصنیف کا مطالعہ کرنے والا جذبات عقیدت و محبت سے بیقرار ہوکر تڑپ تڑپ جائیگا۔ اور مولانا محمد علی کی سیرت کے اہم پہلو ہمیشہ کیلیے اُسکے قلب پر مرتسم ہو جائیں گے

آپ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے میں جگہ جگہ رک جاتا تھا، کہ یہ محمد علی کا تذکرہ ہو رہا ہے یا بہادر یار جنگ کا۔ باور کیجیے کہ دونوں ... حمیت، خلوص، صداقت، بے پناہ صلاحیت کار، جذبۂ دینی، دیوانگی، تڑپ، جہاد مسلسل، اور خاص طور پر مظلومیت ان دونوں میں اتنی گہری مشابہت ہے کہ اگر مولانا کی شوخی نہ ہوتی تو ... بہادر یار جنگ

جنہیں تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مولانا محمد علی جب جنت میں داخل ہوئے تو وہاں کی آب و ہوا انھیں راس نہیں آئی، شہداء ... کی صحبتیں انکے حق میں خون اور زہر کے گھونٹ ثابت ہوئیں۔ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے، حور و غلماں کی موجودگی یہ سب باتیں انکے لیے وبال جان ثابت ہوئیں، انھوں نے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ اے پروردگار میری قوم اب تک غافل و مدہوش اور خطرات میں گھری ہوئی ہے میں یہاں ان راحتوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ بس ایک بار مجھے پھر دنیا میں بھیجدے۔ دعا قبول ہوئی اور ....

مولانا ایک بلند و بالا حسین و خوشرو، مکمل مردانہ حسن میں بہادر خاں کے نام سے جلوہ افروز ہوئے۔ ابھی انھوں نے ہندوستان کے ایک زیریں خطے سے اپنے کام کا آغاز کردیا۔

... قدرت نے ساتھ "اعلیٰ انگریزی انشاپردازی" ... تھا۔ البتہ چند خوبیاں اور اضافہ کرلائے تھے۔ مزاج کے ... پن اور طبیعت کی وحشت کی جگہ سکون اور طمانیت قلب نے لے لی تھی۔ مخالفت کو ... منہ توڑ، دنداں شکن، مسکت جوابات نہ دیتے تھے، بلکہ زیادہ تر خاموشی ہی انکا جواب ہوتا تھا، البتہ دیوانگی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

کام تو وہ حیدرآباد میں کیے ہی جارہے تھے لیکن ہندوستان سے بھی غافل نہ تھے۔ چند دوروں نے انھیں ہندوستان سے روشناس کرادیا تھا۔ اور یہ قول ... جس مقام پر انکی ایک تقریر ہوتی وہ گویا انکا مفتوحہ علاقہ ہوجاتا تھا۔

اس طرح تقریباً چھ سال گزرے اور اس مدت میں انھوں نے وہ کام کیا جو اس سے دگنی مدت میں کسی نے نہ کیا تھا۔ مستقبل قریب میں جبکہ جناح کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کی قیادت کرنے والے تھے اور آزادی کی جدوجہد شروع کرنے والے تھے مشیت الٰہی جاری ہوئی کہ انھیں اچانک اپنے مرکز کو لوٹ جانا پڑا۔ اب اسکی حقیقی وجہ کہ وہ کیوں اس طرح "اٹھالیے گئے" حشر ہی کے دن معلوم ہوسکیگا۔

مولانا عبدالماجد صاحب آپ کی کتاب کے مطالعہ کے بعد میں واقف ہوسکا کہ کیوں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ "بہادر یار جنگ میں اعلیٰ انگریزی انشاپردازی کے علاوہ، تمام خوبیاں جوہر مرحوم کی موجود تھیں" اور "گویا ۱۳ سال بعد آج دوبارہ مولانا محمد علی کی وفات ہوئی"۔

مولانا محمد علی کی کتنی ہی ناقدری کیوں نہ کی گئی ہو، لیکن اس کے باوجود وہ اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ انکے صحیح مقام کو پہچاننے والے اور انکی قدر کرنے والے بھی موجود تھے۔

یہ انکی خوش قسمتی ہی تو تھی کہ آپ نے ... کتاب "محمد علی" ... فرمائی، جو مولانا محمد علی کی سیرت کو کتنے مکمل و واضح اور صحیح ... میں ظاہر کرتی ہے۔ حفیظ جالندھری نے "ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملاح" کے عنوان سے نظم لکھی۔ جسے جب پڑھو آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں

اور بہادر یار جنگ کی رحلت پر کیا ہوا؟ لوگوں نے شور و شیون سے آسمان سر پر اٹھالیا کہ ہندوستان کا بہترین خطیب اٹھ گیا، سحر بیان مقرر جاتا رہا، سیاست کا امام رخصت ہوا، اسکی وفات کے نقصان کو "عظیم الشان" اور "ناقابل تلافی" کے الفاظ سے یاد کیا گیا، لیکن ان رٹے ہوئے اور فرسودہ الفاظ سے ہوتا کیا ہے؟ اسکی زندگی کی قیمت اور موت کے غم کا ہزارواں حصہ بھی تو واضح نہیں ہوتا۔

بہادر یار جنگ کو کوئی "عبدالماجد دریابادی" تو ملا نہیں تھا کہ وہ پرجوش، پرسوز اور دلگداز الفاظ میں اس ... حقیقت کو اس طرح کھول کر رکھ دیتا کہ آنے والی نسلیں اسکو پہچانتے ... سکتیں۔ لیکن اب ...... ایسا معلوم ہوتا ہے ... بہادر یار جنگ کو ایک بھی سمجھنے والا باقی نہ رہا۔

مولانا! یہ خط میں آپ کو اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ ... دور ہوتے ہوئے بھی مظلوم بہادر یار جنگ کو اتنی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ "محمد علی" کی طرح ایک کتاب "بہادر یار جنگ" بھی لکھیں، جس میں آپ سے اسکے ذاتی تعلقات اور ... کا بھی ذکر آجائے۔ کیا آپ اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں گے؟

میں نے اپنے خط میں بہادر یار جنگ کی ایک سب سے مشہور ... یعنی اُسکی خطابت کا کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا ہے کیونکہ میں اسکو مولانا محمد علی اور بہادر یار جنگ کی آخری خصوصیت قرار دیتا ہوں جسکا تذکرہ کیا جاسکے۔

خادم ...... (از یادگیر، گلبرگہ، دکن)

صدق — بہادر یار خاں کے مناقب جو کچھ مراسلہ میں بیان ہوئے، بالکل صحیح ہیں۔ لیکن سوانح حیات وہی لکھ سکتا ہے جسے

"روشن خیال" ہندو یونیورسٹی

آجکل تعلیم یافتہ ہندوؤں میں ذاتوں کی مساوات، شودروں کے کے ادھار اور اچھوتوں کے سدھار کا غلغلہ بلند ہے - اور تعلیم یافتہ ہندوؤں کا سب سے بڑا قدیم و جدید مرکز بنارس ہے - قدیم اس لیے کہ ویدوں کی تعلیم کا پرانا گہوارہ ہے - اور جدید اس لیے کہ یہاں ہندو یونیورسٹی جیسا عظیم الشان دار العلوم قائم ہے، جسکے "شیخ اعظم" یعنی وائس چانسلر سر رادھا کرشنن جیسے شہرہ آفاق فلسفی ہیں۔

اب اسی بنارس یونیورسٹی کی ایک تازہ "روشن خیالی" کا قصہ سنیے - بنارس یونیورسٹی کے معلم عربی فارسی اور ... پروفیسر ... "مولوی مہیش پرشاد" ہیں - آجکل وہ پروفیسر کہلاتے ہیں لیکن جب آج سے پچیس برس پہلے وہ لاہور میں تعلیم پا رہے تھے - تو ہم انہیں مولوی مہیش پرشاد ہی کہا کرتے تھے - مولوی صاحب کی صاحبزادی کماری کملاوتی دیوی کو سنسکرت ادب اور خصوصاً ویدوں کے مطالعہ سے بے حد شغف ہے - چنانچہ وہ تنہا لڑکی ہے جسنے ۱۹۴۲ء سے لیکر اس وقت تک حکومت یو - پی کے شعبہ سنسکرت میں ویدوں کا امتحان پاس کیا اور اسکے بعد ویدوں کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بنارس میں داخل ہونے کیلیے درخواست دی۔

آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ بنارس یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے کماری کملاوتی دیوی کی درخواست نامنظور کردی - اور اس کی دو وجہیں بتائیں - اول یہ کہ وہ لڑکی برہمن نہیں ہے - دوم، وہ لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے -

ملاحظہ فرمائی آپ نے ہندو دھرم میں علم کی مظلومی؟ اس بیسویں صدی میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو غیر برہمن کو وید پڑھانے کے حامی نہیں ہیں - اور غیر لڑکی کو تو کسی صورت میں بھی ہندوؤں کی الہامی کتاب کے مقدس خانۂ اسرار میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جا سکتی! (انقلاب)

ترقی پسند ادب

(ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس کے خطبۂ صدارت سے)

۱۹۳۶ء میں اس کانفرنس کی بنا پڑی - ترقی پسندی کی تحریک کے ساتھ ہی کچھ عرصہ کے بعد اس انجمن کی بنا پڑی تھی اور اسے اپنے قیام سے لیکر اب تک بہت سی مشکلات اور مخالفات کا سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ مخالفین ادب میں ایسے محرکات کے قائل نہ تھے جو ہمیں زندگی سے قریب تر کرنے اور زندگی کے حقائق سے کافی طور پر آشنا کرنے کا مقصد رکھتے تھے - ان امور کے قطع نظر مخالفت ... کیا گیا۔ ... ترقی پسند ادب ... تحریک ... بیں ... کیا تو اس ... کر استعمال کر کے انجمن ...

اس طرح معترضین کو مخالفت کرنے کا اچھا موقع مل گیا - اس قسم کا ادب جو ملک و قوم کے لیے زہریلا اثر رکھتا ہے - یقیناً ترقی پسندوں کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا - ایسے ادیب اور شاعر دراصل ادب کے ذریعہ تجارت کا مقصد رکھتے ہیں - یہ غلط فہمی پھیلانے کے ذمہ دار ہیں، اور ان سے ترقی پسند ادیب اپنی بے تعلقی کا اعلان کر چکے ہیں -

ادب اور زندگی میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا مقصد بہت صاف و صریح ہے - اور اسی سلسلہ میں ایک اور غلط فہمی کے بھی دور ہونے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ ترقی پسندی کے معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ کسی مخصوص سیاسی عقیدہ اور رجحان ہی کو اپنے ادب پر مسلط کر لیا جائے کیونکہ ایسا طریقہ عمل ایک ذہنی غلامی کے مترادف ہوگا اور ادب کی اچھی صلاحیتیں اس طرح فنا ہو جائیں گی - (تنظیم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی۔ اے
معاونین

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجئے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرتضیٰ آباد پیلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی صہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۵۰	یوم سہ شنبہ۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

"نئے وقت سے یا پرانے وقت سے؟" سوال ستمبر ۴۳ء سے ہزاروں نہیں، لاکھوں زبانوں پر، ہفتوں نہیں، مہینوں بعد تک آتا رہیگا، اور اب جا کر خدا خدا کرکے طے ہوا تھا کہ وسط اکتوبر ۴۵ء کے بعد سے پھر چند روز کے لیے جاری ہوگیا۔ لیکن ابھی یہ عجب دلّگی، کہ "نئے" وقت سے مراد وہ وقت جو منسوخ ہوچکا، ماضی بن چکا، اور "پرانے" وقت سے مراد وہ وقت جو چل رہا ہے، صیغۂ ماضی میں نہیں حال میں ہے! یعنی نام کا "نیا" اب پرانا ہے، اور وہ نام ہی کا "پرانا" اب نیا ہے! ——

یہ وقت آخر ہے کیا بلا، کہ جب حکم ہوا بڑھا دیا، جب حکم ہوا گھٹا دیا! اور نئے پرانے کا جھگڑا کیسا؟ اور آہ، یہ وقت گزر جانے کا احساس! یہ عمر گزرتے رہنے کا پُرحسرت احساس! یہ لڑکپن اور جوانی کے ختم ہوجانے اور ضعیفی کے آجانے کا یاس انگیز احساس! —— کاش یہ گھڑیاں نہ چلتی ہوتیں! کاش یہ گھنٹے گھڑیال نہ بجتے ہوتے! کاش ہم سوئیوں کے آگے پیچھے کردینے کے فن سے ناواقف ہوتے! بڑا ہی موذی تھا وہ انسان جس نے سب سے پہلے گھڑی کو ایجاد کیا! وقت کا حساب کرنا، گھنٹوں اور منٹوں کا شمار سکھا کر ہم کو خواہ مخواہ ایک عذاب میں پھنسا دیا! کیسے خوش قسمت، کیسے خوش وخرم، کیسے بے غم وبے فکر رہتے ہیں جنگل کے جانور، ہمارے چوپائے۔ نہ گھڑی نہ گھنٹہ، نہ منٹ نہ سکنڈ، مزے سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے چلے جاتے ہیں!

غافل انسان کیسے کیسے دھوکوں میں پڑا رہتا ہے! کیسے کیسے مغالطوں اور فریبوں میں اپنے نفس کو ڈالے رکھتا ہے! وقت کا احساس تو فطرت نے خود اس پر مسلط کر دیا ہے۔ یہ گھڑی کے موجد اور جنتری کے مصنف پر غصہ اور جھنجلاہٹ سب عبث ولاحاصل۔ دنیا کی ساری گھڑیوں گھنٹوں کو چکنا چور کرکے بھی چین اور طمانیت اس کے نصیب میں کہاں ہے؟ آفتاب کے طلوع وغروب کو آخر وہ کیا کریگا؟ دن نکلنے اور چھپنے کو کیسے روک دیگا؟ چاند تاروں کے بلاناغہ ہر شب کے نور وظہور کو کس طرح قابو میں لاسکتا ہے؟ موسموں کا چکر کب اسکے بس میں ہے؟ یہ جاڑے، گرمی، برسات کا دور وتسلسل کب کسی کے روکے رک سکتا ہے؟

آہوئے لنگیم ما و شیر نر!

اور غریب وبے زبان جانور کب اس احساس سے خالی ہیں جو اُن پر رشک کیا جاسکے؟ کیا انہیں وقت کا پورا اور صحیح اندازہ نہیں ہوتا رہتا؟ کیا کوّے اور بیل اور بکری اور بھینس، سب غروب آفتاب سے پہلے ہی اپنے اپنے ٹھکانوں کا رخ نہیں کردیتے؟ کیا سانپ اور بچھو اور جھینگر سب گرمی شروع ہوتے ہی زندگی کی انگڑائیاں نہیں لینے لگتے؟ کیا مینڈک اور کیچوے برسات کا شعور نہیں رکھتے؟ کیا مکھیاں اور مچھر اور کھٹملیں جاڑے کی آمد کا صحیح اندازہ نہیں کرلیتیں؟ —— ذمہ دار انسان امانت الٰہی کے حامل انسان کے لیے وقت کا احساس مصیبت نہیں، نعمت ہے۔ خزانۂ موجودات میں انسان کے لیے سب سے بڑھ کر بیش قیمت جوہر یہی ہے، کہ ہر نیکی ہر عمل صالح کا محل یہی وقت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جسے

(بقیہ صفحہ ۲)

[illegible] غلط فہمی

صدق نمبر ۲۲ میں "جو شندرہ کی زندگی" [illegible] سے نکلا تھا، وہ تمامتر "ایک فاضل بزرگ" کی عبارت پر مشتمل تھا۔ مدیر کی طرف سے اُس میں ایک لفظ بھی نہ تھا۔ لاہور کے ایک ایڈیٹر صاحب کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ اسکا بڑا حصہ مدیر صدق کے قلم سے ہے۔ اس تحریر سے مقصود انکی اسی غلط فہمی کو دور کر دینا ہے۔

[illegible] دار الاشاعت

"لندن - ۲۳ - اکتوبر - پروفیسر [illegible] گنگولی، ہندوستان کے ماہر سیاسیات نے آج لندن میں ایک ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس (دار الاشاعت) کھول دیا ہے، تاکہ برطانوی ناشرین کی تنگ نظری کے شکار نہ ہونے پائیں، بلکہ ہندوستانی خود اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔ پروفیسر گنگولی نے رائٹر کے نمایندہ سے کہا کہ پنڈت جواہرلال کی "مستقبل ایشیا" عنقریب چھاپنے والے ہیں، [illegible] کئی کتابیں بھی ہمارے پاس ہیں، اور سلسلہ کے لیے ہمارا پروگرام خاصہ وسیع ہے۔" (رائٹر)

لندن میں کسی ہندوستانی کا انگریزی دار الاشاعت بڑے پیمانہ پر [illegible] دینا اور برطانوی ناشرین کی ٹکر لینا آسان کام نہیں، عزم و ہمت کا کام ہے۔ اس دوڑ میں بھی اولیت ایک غیر مسلم بنگالی ہی کے حصہ میں آئی ——— ہمارے شیخ محمد اشرف اور ہمارے شیخ [illegible] اللہ (تاج کمپنی) اور ہمارے فیروز اینڈ سنز خبر لے رہے ہیں؟

صدر مسلم لیگ کی ہدایات

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمایندہ سے ایک ملاقات میں کہا کہ مسلم لیگ آنے والے الکشن دستوری طریقوں سے اور قانونی طور پر لڑنا چاہتی ہے اور لیگ آزادانہ منصفانہ [illegible] کے ذریعہ ووٹروں کا فیصلہ معلوم کرنا چاہتی ہے۔

آپ نے کہا میں نے وہ خبریں دیکھی ہیں جو بعض مقامات پر جمعیۃ العلماء [illegible] اور خاکساروں کے جلسوں کے متعلق آئی ہیں اور جن میں جھگڑے [illegible] ہیں۔ میں نے اسکے متعلق تحقیقات کی ہے اور میری اطلاع کے مطابق یہ خبریں بہت زیادہ مبالغہ آمیز ہیں اور بعض صورتوں میں [illegible] بھی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان جلسوں میں مسلم لیگ کو گالیاں [illegible] جاتی ہیں اور مسلم لیگی لیڈروں کی ذات پر حملے کیے جاتے ہیں۔

بہر حال مسلم لیگیوں اور ان مسلمانوں کے لیے جو لیگ کے ہمدرد ہیں صحیح طریقہ صرف یہ ہے کہ وہ ایسے جلسوں میں شریک نہ ہوں کیونکہ انھیں تو معلوم ہی ہے کہ کون جلسہ کر رہا ہے اور کس کی تقریریں ہونے والی ہیں۔ اگر کوئی شخص جلسے میں شریک ہو اور اُسے یہ محسوس ہو کہ جو تقریریں کی جا رہی ہیں، ان میں گالیاں دی جا رہی ہیں اور وہ تکلیف دہ ہیں تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگ ایسے جلسہ سے اُٹھ کر چلے جائیں۔

دینی حمیت

مجاہد فی سبیل اللہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی نسبت ایک واقعہ مشہور ہے، چونکہ اس واقعہ کا تعلق اسلامی غیرت و حمیت سے ہے اور شہید رحمۃ اللہ علیہ میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں تھی وہ یہی دینی حمیت تھی، اس لیے عین ممکن ہے کہ واقعہ صحیح ہو اور آپ نے موحوالحال میں بھی اسی غیرت سے کام لیا ہو۔ آپ کے زمانہ میں ایک ہندو پیراک نے چیلنج دیا کہ کوئی مائی کا لال پیراکی میں اسکا مقابلہ کر کے دکھا دے، دریا سے جمنا میں اسکے مقابلہ کا ایک سالانہ میلہ لگا کرتا۔ اگر کوئی مسلمان اُسکے مقابلہ میں آئیگا تو یہ دہلی کے مسلمانوں کی شکست ہوگی۔" حضرت شہیدؒ کے کانوں میں جب یہ آواز پہونچی تو مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور دریائے جمنا میں کود کر لال قلعہ سے پہلے اور دادو کے پل پر جا نکلے۔ ہندو پیراک نے اس مہارت کا مشاہدہ کیا اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ لوگوں نے حضرت شہیدؒ سے عرض کیا کہ آپ کو بہت سے کام تھے، آپ اس چھوٹی سی بات کا مقابلہ کرنے کے لیے کس طرح تیار ہو گئے؟ پیکر اسلامی حمیت نے [illegible] فرمایا کہ ہندو کی دعوت عام تھی مسلمانوں کے لیے تھی اس نے لفظ مسلم کو تبدیل کر کے "مسلمان" کو شکست دینی چاہی تھی اس لیے میری غیرت کا تقاضہ ہوا کہ "مسلمان" کی عزت پر حرف نہ آسکے اور اس مقدس نام کی سربلندی کے لیے پیشقدمی کی جائے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو یہی مشہور ہوتا کہ "مسلمانوں نے ہندو کے مقابلہ پر شکست کھائی"!

غور کرو! قیادت کی یہ کیسی دلچسپ (فلسفیں اور [illegible]) تشریح ہے یعنی قیادت کی حقیقی روح اور اسکی شرط اولیں اقدام اور پیشقدمی ہے تقلید اور نقالی نہیں۔ جو شخص قیادت کا مدعی بنکر حقیقی [illegible] میں اقدام اور رہنمائی کا ثبوت نہیں دیتا اسکی ہر قابلیت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے، قائدانہ حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا! (زمزم)

مطبوعات مصر و بیروت

(۱)	الانصاح فی اللغت (عبد الفتاح)	[illegible]
(۲)	الف لیلہ ولیلہ جزو ۳ و ۴ — فی جزو	۳ /
(۳)	ادلۃ الیقین (عبد الرحمن جزائری)	[illegible] /
(۴)	ادب الکاتب (ابن قتیبہ)	[illegible] /
(۵)	النحو الواضح جزو ۳	[illegible]
(۶)	الامعان فی اقسام القرآن (فراہی)	۸ /
(۷)	تنبیہ الغافلین (نصر بن محمد)	[illegible] /
(۸)	تمرین الطلاب (زین الدین ازہری)	[illegible] /
(۹)	بصائر النصریہ	[illegible]
	تاریخ حرب فرنسا و المانیہ	[illegible] /
	تعطیر الانام (ابن سیرین)	۳ /

ملنے کا پتہ صدق بک ایجنسی۔ گولہ گنج لکھنؤ

نیلام کا انتظام تین ہفتوں سے ہو رہا ہے۔ نمبر ۲۰، ۹ کے مکانات سے ۹۵ لاریاں بھرکر سامان نیلام کے لیے آگیا ہے، اور آج ہی کل میں ان ان قیمتوں پر نیلام ہو جانے والا ہے۔ اس سامان میں حسب ذیل چیزیں بھی ہیں:۔

ہٹلر کی قدِ آدم تصویریں	کئی درجن
ریڈیو سیٹ	کئی درجن
چین کی خوشنما پلیٹیں	
کانفرنس کے قابل عظیم الشان میز	ایک
اور اس کے ساتھ کی کرسیاں	۴۶
مختلف قسم کی اعلیٰ شرابیں	۱۰۰۰ بوتل

کوئی ۳ ہزار مختلف قسم کی چیزیں ہیں، اور یہ سامان کم از کم ایک لاکھ پونڈ (یا ۱۳ لاکھ روپیہ) میں تو ضرور لیا جائیگا۔ (اسٹیٹسمین ۱۴، نومبر ۴۵ء)

یہ اتنا اعلیٰ اور نفیس سامان، ۹۵ لاریوں میں لدا ہوا، کوڑیوں میں نیلام ہو جانے والا آپ سمجھے کس کا ہے؟ بدنصیب جرمنی کے مشہور و معروف لیکن بدنصیب وزیر خارجہ وین ٹراپ کا! کل جس کے نام کا گویا طوطی بول رہا تھا، اور بڑے بڑے اقبالمند جیسے اس کی خوش اقبالی پر رشک کر رہے تھے! آغاز جنگ کے چند ہی روز ادھر یہی تو روس جرمنی کا حلیف بناکر میدان میں لے آیا تھا، اور اس پر سارے یورپ کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔ لندن میں کچھ روز جرمن سفیر کی حیثیت سے رہا تھا، اور یہ اسی کا لندنی اثاثہ لندن میں یوں لاوارث کے مال کی طرح جا رہا ہے! —— غریب کو یہ شاہانہ سامان جمع کرتے کبھی اپنے اور اپنے اس انجام کا وہم بھی آیا ہوگا؟ —— آغاز کیا تھا، اور انجام کیا ہو رہا ہے!

اور پھر یہ اعلیٰ اور نفیس شراب کی ہزار ہزار بوتلیں! —— جرمن قوم فرنگی قوموں میں نسبۃً بہت محتاط اور پارسا تھی۔ یہ عالم یورپ کے محتاطوں اور پارساؤں کا ہے!

سینما کی نذر

واشنگٹن۔ ۱۴۔ نومبر۔ ختم ماہ نومبر سے پہلے ہی پہلے ہندوستان کے لیے فلم سازی کا سامان ۹ لاکھ ڈالر (۳۳ کروڑ ۱۵ لاکھ) کی مالیت کا امریکہ سے روانہ ہو چکیگا، اور شروع ۴۶ء تک ۲۲۴ کمپنیاں اس سامان کو لیے ہندوستان کے گوشہ گوشہ، گاؤں گاؤں میں دورہ کرتی ہوئی پہونچ جائیں گی۔ یہ اطلاع حکومت ہند کے محکمۂ اطلاعات کے جائنٹ سکرٹری مسٹر ... ان تھا ہپلنے دی ہے۔ (ایسوسی ایٹڈ پریس)

مبارک ہو ملک کے سارے "ترقی" پسندوں اور تجدد نوازوں کو، کہ قوم کی فلاح و ملک کی نجات کا وقت اب قریب، بہت قریب آگیا۔ ۳۳ کروڑ سے اوپر کی لاگت کا سامان امریکہ سے کھنچا ہوا ہندوستان چلا آرہا ہے، اور کوئی گوشہ اب سینما کی برکتوں سے محروم نہ رہنے پائیگا! —— گوشہ گوشہ اس ملک کا جہاں لاکھوں ہنیں کروڑوں

فلم کے دانے دانے کو ترس رہے ہیں، اور کپڑے کی گرہ گرہ کو مدتوں سے!

اتاترک کے کارنامے

ایک غیر مسلم انگریزی روزنامہ کا مقالہ

جدید ٹرکی پر:۔

"جدید ترکیہ کی تشکیل کو آج پورے ۲۲ سال ہو گئے۔ جمہوریت کا اعلان ۲۹۔ اکتوبر ۲۳ء کو ہوا تھا۔ پچھلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب عثمانی اور آسٹریائی سلطنتیں دم توڑ رہی تھیں، یہ مصطفیٰ کمال ہی کی حربی قابلیت اور سیاسی دور اندیشی تھی جس نے ترکوں کو ہلاکت سے بچا لیا تھا۔ اس مرد اعظم نے حسب موقع شناسی سے کام لیکر دنیوی طرز کی حکومت قائم کردی، جس نے خلافت کو منسوخ کر دیا، کہ وہی مصطفیٰ کمال کے خیال میں اغیار کو بار بار مداخلت کا موقع دیا کرتی تھی۔ اسی نے مذہبی عدالتیں توڑ دیں، مذہبی درسگاہوں کو محکمۂ تعلیمات کے حوالہ کر دیا، اور صوفیہ کی خانقاہوں کو ختم کر دیا۔ اسی نے تقویم گریگوریکا کا جاری کرنا، ضابطۂ دیوانی کا اجراء، جدید طرز کے قانون فوجداری کا نفاذ، یہ نتیجہ ان اصلاحات کے تھیں، جو اس نے اس لیے چلائیں کہ ترکی حکومت کو مذہبی طور طریقے سے بعید ہو جائے۔ اس نے عورتوں کو باہر آنے کی آزادی دی، اور قانون، ڈاکٹری اور تعلیمات کے پیشے ان کے لیے کھول دیے، اور ۲۶ء میں بینک کے نوٹوں پر اپنی تصویر چھاپ کر مذہبی حلقوں میں ناگواری پیدا کر دی" (لیڈر، ۲۔ نومبر ۴۵ء)

یہ سب کچھ موقع مدح و ذم پر نہیں، محل داد و مدح پر ایک مداح کے قلم سے تحریر ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ان ممدوح مرد اعظم نے

(۱) ملک کی حکومت سے پہلی بار مذہب کو بے دخل کیا۔
(۲) خلافت رسول کے ادارہ کو ساڑھے تیرہ سو برس میں پہلی بار توڑا۔
(۳) مذہبی عدالتیں برخاست کر دیں
(۴) مذہبی درسگاہوں کو غیر مذہبی محکمۂ تعلیمات کے ماتحت کر دیا۔
(۵) خانقاہوں کو توڑ دیا۔
(۶) سنہ اسلامی کو ختم کرکے سنہ عیسوی کو رواج دیدیا۔
(۷) شرعی قانون دیوانی کے بجائے فرنگی ضابطۂ دیوانی جاری کر دیا۔
(۸) شرعی قانون فوجداری کے بجائے فرنگی ضابطہ فوجداری چلا دیا۔
(۹) عورتوں کا شرعی قانون حجاب منسوخ کر دیا
(۱۰) عورتوں کے داخلہ سرکاری محکموں اور پیشوں میں کرا دیے۔
(۱۱) سودی بینک کے نوٹ ہی نہیں چلائے، بلکہ ان پر اپنی تصویر بھی چھاپ کر کئی کئی شرعی ضابطوں کی نافرمانی کی۔

کارناموں، عظیم الشان کارناموں کی اس فہرست میں سے غریب مسلمان کسی ایک کارنامہ پر بھی فخر کر سکتا ہے؟

عربی سے بے اعتنائی

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے یونیورسٹی میں عربی لینے والے طلبہ کے اعداد حسب ذیل لکھ کر بھیجے ہیں:

خبروں کا بھی تجربہ ہوا کرتا ہے۔ جب تک مسلمان خاص اپنے نظام کے ماتحت معتبر و ثقہ خبر دینے والوں کو نہ مقرر کرلیں، تار اور ریڈیو کے گمنام و مجہول الحال، فاسق بلکہ اکثر کافر خبر دینے والوں کا اعتبار شریعت کے معاملات میں کیسے کیا جا سکتا ہے؟

چوتھے نمبر پر ایک اور اہم بات ہے۔ لوگ "رویت" اور "روایت" میں خلط مبحث کر دیتے ہیں۔ یہ دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ رویت کا ثبوت تو جب ہوگا جب کم از کم دو گواہ مسلم، عاقل، بالغ، ثقہ، اگر قاضی کے سامنے اپنا چشم دید شہادت بیان کریں، اور قاضی کو ان پر ہر طرح جرح کا موقع حاصل ہو۔ بغیر اسکے رویت ثابت نہ ہوگی اور اسکا تحقق تو ظاہر ہے کہ تار اور ریڈیو کیا معنی، خط کے ذریعہ سے بھی نہیں ہو سکتا — اب دوسری شے ہے اُس ثابت شدہ تحقق رویت کی محض خبر یا روایت دوسرے شہر تک پہونچانا، سو اسکے لیے البتہ خاص انتظامات کے بعد تار یا ریڈیو سے کام لیا جا سکتا ہے۔

س - ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ اپنے گھر والوں سے صرف سرپرستانہ تعلق رہے - مالی امداد کا تعلق نہ رہے - بلکہ اُن سے امداد طلب کرنے کی نوبت نہ آئے۔ خدا سے ہر وقت یہ دعا کرتا ہے کہ اپنے اور غیر کے محتاج و ذلیل نہ کر، ہمیشہ بقدر ضرورت رزق عطا فرما۔

ج - یہ آخری جزو تو عین سنت کے مطابق ہے - بقدر ضرورت رزق کی اپنے اور اپنے والوں کے لیے دعا کرتے رہنا شریعت اور عقل دونوں کا منشا ہے۔

اپنے میں اتنی خودداری اور غیرت ہونا کہ کم از کم اپنی ہی کمائی پر رہے اور دوسروں کا دست نگر نہ ہونا پڑے، یہ بھی ہمت و جوانمردی کا کام ہے، اور اخلاق حسنہ میں داخل ہے۔ لیکن اس خیال کو غلو کی حد تک نہ پہونچا دے، اس کارخانۂ کائنات میں ایک کا کام دوسرے سے اٹکا ہی دیا گیا ہے، اور یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کوئی بندہ دوسرے بندوں سے سرے سے بے نیاز رہ کر اپنا کوئی سا بھی کام چلا سکے۔ اصل لحاظ بس اسکا رہے، کہ کوئی معصیت والا تعلق، اللہ کی نافرمانی کرنے والا تعلق دوسرے بندوں سے نہ ہونے پائے۔ رشوت کا، خیانت کا، غصب کا، تعظیم مفرط کا، منافقت کا، وقس علیٰ ہذا۔

صدق بک ایجنسی لکھنؤ

گوشت خوری پر ایک نظر

(از غضنفر علی صاحب، کنڈل واڑی، علاقہ نظام دکن)

(۳)

جرمن فلسفی شوپنہار نے کہا ہے: دنیا کی تمام خوشیوں اور لذتوں کے لیے صحت کو کھونا سب سے بڑی حماقت ہے[37]۔

گوشت نہ صرف اقتصادی نقصان بلکہ قومی مفاد و صحت کے سراسر خلاف ہے۔ یہ زرعی ملک جہاں سو فی صدی کی گزر بسر کھیتی پر ہے۔ کھاد کے بغیر کھیتی نہیں ہو سکتی۔ کسان کی غربت و مصیبت تاریخ عالم میں بے نظیر رکھتی۔ زراعتی پیداوار امریکہ وغیرہ کے مقابل ہندوستان میں عشر عشیر بھی نہیں ہوتی۔ یہاں بلا وجہ بے دردی سے مویشیوں کا ذبح کیا جانا، زمینوں کی زرخیزی گھٹانا، ناقابل تلافی نقصان نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ زرعی ملک ہونے سے قدرتاً دنیا میں سب سے زیادہ مویشیوں کی تعداد یہاں پیدا کی ہے[38]۔

یہ غلط نظریہ صدیوں سے چلا آتا ہے کہ گوشت غذا صحت کے لیے نفع بخش ہے[39]۔

مسانیکا جو قدیم روم کا بڑا عالم تھا، اُس نے خدا لگتی کہی ہے کہ انسان مثل ریوڑ ایک کے پیچھے ایک لکیر کے فقیر منہ اُٹھائے چلے جا رہے ہیں - دقیانوسی رسم و رواج کے پجاری اور فرسودہ طور طریق کی غلامی اختیار کر رکھی ہے۔ علم و عقل و تجربہ کو ذلیل راہ نمائی اسی باعث نسل انسانی گمراہی میں بھٹک کر اصلی ترقی سے محروم، مرض بے وقت کی موت، جنگ و جدال، خود غرضی اور دیگر مصائب کا شکار ہو گئی ہے[40] - چنانچہ سورۃ البقرہ میں حکم خداوندی ہے، اور جب اُن لوگوں سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اسکی پیروی کرو (اور خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لو) تو کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے دیکھ رہے ہیں (افسوس انکی بے دانشی اور جہالت پر) کوئی ان سے پوچھے اگر تمہارے بڑے بوڑھے عقل سے کورے اور ہدایت سے محروم رہے ہیں تو تم بھی عقل و ہدایت سے انکار کر دو گے (قرآن پاک)[41]۔

---

[37] گویا کسی کے نزدیک "حماقت" نہیں، دانشمندی بھی قرار دیا ہے! (صدق)

[38] بہتر ہوتا کہ کسی ماہر معاشیات سے مشورہ کے بعد یہ سطریں نوک قلم ہوتیں! (صدق)

[39] گویا نظریہ کی غلطی صرف "غلط نظریہ" لکھ دینے سے ثابت ہو جائیگی! (صدق)

[40] گویا اس مشرک کی سند کے بغیر یہ حقائق نامعلوم رہتے! (صدق)

[41] بیت الغزل یہی آخری پرچہ ہے! گویا حکم قرآن کے اتباع میں "قربانی" ناجائز ہے! اور قرآن نے ذبح گاؤ کے اور خلیل کے عمل ذبح گوسالہ (عجل حنیذ) کے جو تذکرے کیے ہیں، اور یہ سلسلہ حج اونٹ، بھیڑ بکری، گائے کے ذبح کے جو احکام دیے ہیں

... حرمت نیز حلال جانوروں کی پوری فہرست درست کردی ہے ان سے گوشت خوری کی مانعت ہی ثابت ہوتی ہے! (صدق)

تذییل

(گوشت خوری طبی نقطۂ نظر سے)

(از حکیم عبد القوی بی اے فاضل الطب الجراحت سکرٹری انجمن طبیہ یوپی)

انسان کے دانتوں کی ساخت اگر دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تین حصوں میں تقسیم ہیں۔ قواطع۔ یہ شمار میں آٹھ اور قد میں بڑے ہوتے ہیں۔ سامنے کی جانب ایک کے بالکل نیچے ہوتے ہیں جب کوئی غذا منہ میں جاتی ہے تو اسے کاٹنے کا کام انجام دیتے ہیں۔ انیاب (CANINE) یہ مخروطی شکل کے ہوتے ہیں۔ ریشہ دار غذاؤں مثلاً گوشت کو چیرنا پھاڑنا اور ٹکڑے کرنا انکا کام ہے یہ قواطع سے متصل دونوں جانب ہوتے ہیں۔ تعداد میں یہ چار ہوتے ہیں۔ اضراس۔ قواطع اور انیاب کے علاوہ تمام کو ڈاڑھ یا دانت کہتے ہیں۔ غذا کو چبانا پیسنا انکا کام ہے۔ انکی تعداد بیس ہے۔

انیاب کی موجودگی خود اسی دلیل ہے کہ انکی ساخت بھی اسکے گوشت خوار ہونے کی بتاتی ہے۔ انسان کی آنتیں متوسط درجہ کی ہوتی ہیں حالانکہ سبزی خوار جانوروں کی آنتیں انکے جسم سے بہت طویل ہوتی ہیں مضمون نگار کا یہ فقرہ معنی و مفہوم سے بے نیاز ہے کہ معدہ کی انتڑیاں ہوتی ہے۔ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ معدہ اور آنت دو متصل اور بالکل مختلف اعضاء کے نام ہیں۔ غذا معدہ میں ہضم ہونے کے بعد آنتوں کی طرف مزید ہضم کیلئے جاتی ہے۔ نفس معدہ میں آنت نہیں ہوتا جیسا کہ مضمون نگار نے فرض کرلیا ہے۔ انسانی آنتوں کا متوسط جسامت کا ہونا تیسری طبعی دلیل انسان کے گوشت خور ہونے کی ہوئی۔ خود معدہ کی ساخت اگر علم تشریح میں کسی کتاب میں دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی معدہ کی ساخت، گوشت خور اور سبزی خور حیوانوں کے معدہ کے بین بین ہے سبزی خوروں کا معدہ متعدد پیچ دار تھیلیوں سے بنا ہوتا ہے اور گوشت خوروں کا معدہ سیدھی سادی تھیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ انسان کے معدہ کی ساخت بتاتی ہے کہ اسکی غذا مخلوط یعنی گوشت و سبزی سے مرکب ہوتی ہے۔ قدرت نے جسم کا کوئی حصہ بھی بیکار و بے مصرف نہیں بنایا ہے، اس لیے گوشت خوار جانوروں سے انسانی معدہ، آنتوں اور دانتوں کی اور جبڑوں کی مشابہت سب دلائل دخواہ اسکے ہیں، کہ گوشت خوری انسان کیلیے بالکل فطری ہے۔

گوشت خوری کے جو نقصانات مضمون نگار نے ادھر ادھر سے نقل کیے ہیں وہ نفس گوشت خوری کے نہیں بلکہ اس میں بے اعتدالی کے ہیں۔ بے اعتدالی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔ دودھ میں اتنے فائدے ہیں، لیکن اسکے زیادہ استعمال اور بعد میں صاف نہ کرنے سے دانت بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ اس سے نفس دودھ کے استعمال کو مضرت دنداں نہیں کہا جا سکتا

یہ کہنا کہ عہد قدیم میں انسان گوشت خوار نہ تھا، تمام تر بے ثبوت ہے، البتہ شہادتیں تو اس کی موجود ہیں کہ بہت قدیم زمانہ میں انسان جانوروں کا گوشت آگ پر پکائے بغیر کچا ہی کھا جاتا تھا۔ عرصہ ہوا کہ ایک مشہور ہندو محقق و صاحب فن ڈاکٹر راجندر لال مترا کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ رسالہ الناظر لکھنؤ میں شائع ہوا تھا اس میں انھوں نے سبزی خوری کے مرکز اور گوشت خوری کے انتہائی نفرت کرنے والے قدیم "ہندو ہندوستان" میں گوشت خوری اور صرف گوشت خوری ہی نہیں، بلکہ بھیڑ کے گوشت کھانے کا عام رواج تاریخی حوالوں اور مذہبی نوشتوں سے ثابت کیا تھا۔

بعض ماہرین علم غذا کا یہ دعوے کہ ہم بغیر گوشت و مچھلی کے بھی صحت قائم رکھ سکتے ہیں، گوشت خوری کے مضر صحت ہونے کے بارے میں بطور استدلال استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ گوشت خوری لازمۂ حیات نہیں۔

عرب کے باشندوں کو محض کھجور اور ترکاری پر بسر کرنے والا کہنے کی جسارت حیرت انگیز ہے۔ وہ قوم جسکے شعراء نے اونٹ اور دوسرے جانوروں کے گوشت کی تعریف میں ہزارہا اشعار کہہ ڈالے ہوں اور جہاں ضیافت کے موقع پر اونٹوں کی کثیر تعداد فخریہ ذبح کی جاتی ہو۔ اور جسکے لغت میں گوشت اور مختلف عمر کے جانوروں کے گوشت کے لیے اردو نہیں درجنوں الفاظ موجود ہوں اسکو تارک لحم قرار دینا کتنی بڑی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور پھر جو شخص حجاز کے جغرافیہ سے اور اسکے بیشتر حصہ کے بے آب و گیاہ ہونے سے واقف ہے، وہ کس طرح وہاں ترکاریوں کی اتنی پیداوار مان سکتا ہے کہ اس پر وہاں کے باشندے گزر کر سکیں۔

اسی طرح یہ دعوے کہ جو جانور گوشت خور ہیں، انکی عمریں سبزی خور جانوروں کے مقابلہ میں ہوتی ہیں، صحیح نہیں۔ گدھ گوشت خوار جانور ہے۔ اسکی عمر یقیناً ہاتھی سے (جسکو مضمون نگار نے درازی عمر کی مثال میں پیش کیا ہے) زیادہ ہوتی ہے۔ اور پھر محض عمر کی زیادتی کو وجہ فضیلت کس قاعدہ سے ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ دوسرے صفات بھی اسکے ساتھ دیکھنے چاہئیں مثلاً شجاعت، ہمت، قوت، وغیرہ جس درجہ گوشت خوار جانوروں میں ہوتی ہیں، کیا اسکا عشر عشیر بھی سبزی خور جانور پیش کر سکتے ہیں۔

دنیا کے مختلف ممالک کی آب و ہوا پر اگر نظر ڈالی جائے تو فوراً نظر آجائیگا کہ سرد ممالک کے باشندے بغیر گوشت کے بسر کر ہی نہیں سکتے۔

طب یونانی میں جید الغذا اغذیہ کی فہرست میں گوشت و انڈے کو خاص طور پر شامل کیا گیا ہے۔

تعلیم اسلامی زاویۂ نگاہ سے

(از شیخ بشیر احمد صاحب بی اے)

ہمارے موجودہ مدارس میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مذہبی تعلیم کو وہ مقام دیا جائے جسکی وہ مستحق ہے۔ اب کیا حالت ہے؟ اسکا تذکرہ ہمارے مدرسین کے لیے بیجا طور پر وجہ شکایت ہوگا تاہم اس سے اعراض کر کے ہم اس امر پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ ہمیں اس میں تبدیلی کر کے کس حالت میں لانا چاہیے۔

مدارس اسلامیہ میں خدا کے فضل سے کل مدرسین مسلمان ہوتے ہیں اور طلبہ بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمان مدرسین اپنے آقا یاں ولی نعمت کے نقطۂ نگاہ میں کمل تبدیلی کا انتظار کریں۔ ہمارے خیال میں وہ اپنے محدود دائرے میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں جب ہے وہ محض اس واسطے سے غافل رہتے ہیں کہ انکے آقا یان ولی نعمت انکی رہنمائی نہیں کرتے۔ مدرسین کی تمام مشکلات کو سامنے رکھ کر بھی حتمی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مدرسین اپنے ان فرائض سے تمامی غافل رہتے ہیں جو ان پر خدا اور رسول کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسین صاحبان اپنے فرائض کو پوری طرح محسوس کریں اور انکی بجا آوری کے لیے پوری پوری کوششیں کریں۔

اگر مدرسین صاحبان اپنے زاویۂ نگاہ میں تبدیلی کر لیں تو وہ مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھیں

جس بات وہ اپنی تبدیلی کریں اس سے اگلے روز وہ اپنی جماعت میں جائیں تو اپنے آپ کو تلامذہ کے سامنے مسلمان کی حیثیت سے پیش کریں اور ان سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمان شاگرد بن کر رہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی کوشش کرنی پڑیگی لیکن آخر کس چیز کے لیے کوشش نہیں کرنی پڑتی؟ اسکے بعد وہ یہ سمجھ لیں کہ ہمیں اپنے تلامذہ کے دلوں میں اسلام اور اسلامیت کی محبت پیدا کرنی ہے اور مسلمان ہونے پر دلوں پر فخر پیدا کرنا ہے۔ وہ اپنے مضامین کی تعلیم و تدریس کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے پیش کریں اور اسی نقطۂ نگاہ سے اپنے طلبہ کے ذہن نشین کریں۔

مدارس اسلامیہ میں آجکل جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں وہ عموماً حسب ذیل ہیں:—

(۱) انگریزی (۲) ریاضی (۳) تاریخ (۴) جغرافیہ (۵) اردو (۶) فارسی (۷) عربی (۸) ڈرائنگ (۹) طبیعات (۱۰) کیمیا (۱۱) وظائف الاعضا (۱۲) ڈرل)

ہر ایک مدرس جو سبق دے وہ یہ سمجھ کر دے کہ میں اس مضمون کے ذریعہ سے معلومات علمیہ بہم پہنچانے کے علاوہ حساب سکھے تو اعد سکھاتے وقت انھیں ہدایت کرے۔ مثلاً جب آمیزش کے سوالات حل کرے تو انھیں بتلائے کہ یہ چیز شرعاً حرام ہے۔ سود بھی شرعاً حرام ہے ان سوالوں کو حل کرانے سے مقصود یہ نہیں کہ تم سود دینا سیکھو بلکہ یہ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی غریب شخص اس لعنت میں مبتلا ہو تو اسے کس طرح بچنے کے فریب ظلم سے بچا سکتے ہو۔

الجبرے کی تعلیم دیتے وقت بتلائے کہ یہ علم کس حد تک مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اسکی ترقی میں مسلمانوں نے کیا کیا کیا۔ اور مسلمانوں کی تصانیف کا تذکرہ کرے جو اس فن میں موجود ہیں۔

اقلیدس کی تعلیم کے ذیل میں بھی اشکال ہندسیہ کے مسلمان علماء کے حل پیش کرے اور دکھائے کہ انھوں نے اس فن میں کس قدر ترقی کی تھی اور اس نے کس قدر اعلیٰ کام لیے تھے۔

تاریخ — یہ سراسر اسلامی علم ہے۔ مدرس بتلائے کہ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا کوئی رواج نہ تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اسے شرف روایتی اعتبار سے نہایت بلند مقام صداقت تک پہونچا دیا بلکہ اس سے وہ وہ فلسفیانہ موشگافیاں کیں کہ اہل یورپ اب تک ان کے خوشہ چیں ہیں۔ تاریخ ہند کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کے ادوار بھی پیش نظر رکھے اور ساتھ ساتھ بتاتا جائے کہ جن دنوں ہندوستان میں غلجی خاندان حکمران تھا۔ بغداد، قرطبہ اور دیگر ممالک اسلامیہ کا کیا حال تھا تاکہ مسلمان بچے کا ذہن وسیع ہو جائے اور وہ سمجھے کہ میں ایک طویل شاندار ماضی کا جزو ہوں جسے مستقبل پر پورے طور سے تبرمانداز ہونا ہے۔

جغرافیہ — اس مضمون کا مدرس جس ملک کا حال پڑھانا شروع کرے پہلے بتائے کہ مسلمان اس ملک میں کب آئے اور کیسے آئے اور اب انکی کیا حالت ہے اور ان ممالک کے جغرافیہ گزیدہ مسلمانوں کے حالات بھی سنائے اور بتائے کہ تاریخ اور جغرافیہ کا گہرا اسلامی تعلق پیدا ہو جائے اور مسلمان بچے یہ سمجھنے لگیں کہ وہ جہاں ہیں وہاں اتفاقاً نہیں آگئے ہیں۔

اردو — اس مضمون کا مدرس اردو الفاظ کی تاریخ بیان کر کے اسلامی اثرات کا کھوج بتا سکتا ہے اور دکھا سکتا ہے کہ اردو محاورے کہاں تک اسلامی عادات کے رہین منت ہیں۔ پھر جن محاوروں پر ہندوانہ اثر ہوا انکے اثرات کو زائل کرنا بھی اردو کے مدرس کا کام ہے۔

فارسی و عربی — ان مضامین کی تعلیم کو اسلامی تعلیم کا مفید موثر جزو بنایا جا سکتا ہے ظاہر ہے۔ اردو کی طرح ان مضامین کو بھی اسلامی خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنانا چنداں مشکل نہیں۔ صرف مدرس کے نقطۂ نگاہ کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ڈرائنگ — اس مضمون کا مدرس اسے بھی اسلامی رنگ دے سکتا ہے۔ مثلاً خط مستقیم اور خط منحنی کی تعلیم دیتے ہوئے دکھائے کہ الصراط المستقیم کے کیا معنی ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان جو راستہ ہے وہ مستقیم ہے یا منحنی اور کیوں؟ اقلیدسی شکلیں کس حد تک مسلمانوں کی مساعی کی رہین منت ہیں۔ اور رنگ آمیزی میں مسلمان مصورین اور

…کیا کیا کمالات دکھائے ہیں۔ دہلی۔ آگرہ۔ مالوہ۔ اور دکن … قیروان۔ مراکش اور قرطبہ کے اسلامی فنون کے نمونے دکھا کر … مسلمان طلبہ کے دلوں میں بٹھائے اور دکھلائے کہ یورپ کا … فن تعمیر کس قدر اسلامی فن تعمیر کا مرہون احسان ہے اور یہ کہ … جس زمانہ میں مسلمان ترقی پر تھے مع الکہ مغرب کا کیسا بُرا حال تھا۔

طبیعات اور کیمیا۔ ان علوم کا درس اسلامی تحقیقات … طلبہ کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ یہ علوم ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسلام سے دور لے جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سے زیادہ اسلام کی تعلیم دینے والے علوم کوئی نہیں ہیں۔ اگر قرآن خدائے حکیم کا کلام ہے تو علوم طبیعیہ اسکے کام کا مظہر ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی ہو، اور جو حکیم یہ کہے "لم تقولون ما لا تفعلون" وہ اپنے کلام میں کچھ کہے اور اپنے کارخانۂ قدرت میں کچھ کا کچھ کر کے دکھائے۔ اگر قرآن پاک کی صحت کی ایک دلیل یہ ہے کہ "لوکان فیہا اختلافاً کثیراً" تو یہ ناممکن ہے کہ خدا کے کلام اور اسکے فعل میں کسی قسم کا تفاوت پایا جائے۔ اس نے تو بار بار غور وفکر دی ہے اور دعوت دی ہے کہ اسکی حکمت کی نشانیاں "فی الآفاق و فی انفسکم" موجود ہیں۔ الغرض ان علوم کا درس اسلامی نقطۂ نگاہ سے بتا سکتا ہے کہ مادہ کا خالق خدا ہے جیسا کہ آجکل کے علماء حکمیات نے تسلیم کر لیا ہے اور یہ کہ مادہ غیر فانی نہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صدی کے حکماء نے بیان کیا ہے اور یہ کہ مسلمانوں نے تقطیر، تصعید اور تیزاب سازی وغیرہ میں کمال حاصل کیا تھا۔

علم وظائف الاعضاء۔ اس علم کا درس اسلامی اطباء کی اطباء و تحقیقات بھی درس میں پیش کرے اور ساتھ ہی قرآن مجید میں جن حقائق علمیہ کا تذکرہ ہے اور تحقیق کے جن نازک مراحل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انکی طرف بھی طلبہ کی توجہ دلائے اور دکھلائے کہ یہ علم قرآنی آیات کی کہاں تک مؤید ہے۔ اور جہاں اختلافات نظر آئے وہاں قرآنی آیات کی صحت کا ثبوت دے اور مغربی تحقیقات کی تغلیط کرے۔

ڈرل۔ اگرچہ بظاہر "یہ مضمون" اسلامیات … لیکن حقیقت میں اسکا اسلامی زندگی سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ۶-۷ سال تک ڈرل کرنے کے بعد بھی طلبہ مسجدوں میں اپنی صفیں سیدھی نہیں کر سکتے اور وہ انھیں مسجدوں سے باہر ٹیم ورک کر سکتے ہیں۔ مسلمان … اپنے مسلمان تلامذہ کی صحت کا ذمہ دار ہے۔ دیگر اساتذۂ مدرسہ … سے الگ وہ چیزیں سکھائے جو قومی تحفظ کی کفیل ہوں۔" (زمزم)

(بقیہ صفحہ)

… نفس کا کوئی فقرہ کہیں منقول نہیں۔ لیکن حقیقۃً ان سے بڑھ کر نفسیات … کا ماہر کون ہوا ہے؟

… مسلمان مریض کے سامنے اس گندہ خیالی کو "شیطانی وسوسہ" سے تعبیر کرنا … حقیقت اسکے صحیح عقیدۂ عصمت ہی کو قوی تر زور بنا دیتا، اور لاشعوری کی وجہ سے اسکے شعوری عقیدہ کو خوب مضبوط کر دیتا ہے۔ اسی طرح زبان سے اسکا آں حضرت کے فضائل ومناقب بیان کرتے رہنا خود آفری (AUTO-SUGGESTION) جس کی اعلیٰ شکل ہے، اور کھوئی ہوئی خود اعتمادی کے واپس آنے کے بہترین نسخہ۔

یہاں تو خود ایک زمانہ میں فرائڈ (FREUD) نیز (YOUNG) وغیرہ اور انکے سارے اسکول سے شغف رہ چکا ہے اور ہزاروں صفحوں کا مطالعہ انھیں لوگوں کی "تحقیقات" کا کیا جا چکا ہے۔ بحمد اللہ جب اپنے ہاں کی چیزوں پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اصل حکمت تو ہمارے ہی ہاں ہے۔ یہ لوگ بیچارے محض سطحیات کے پھیر میں پڑے ہوئے صرف چند سطحی حقیقتوں سے واقف ہیں، اور دینی علاج نفسیاتی علاج سے الگ دیکھا نہیں۔ اس کا اعلیٰ قسم کا مطب ہے ہر طرح کے حشو وزوائد سے پاک۔ مراسلہ نگار انشاء اللہ ہر طرح ہونہار اور صالح الاستعداد ہیں، ان شاء اللہ ایک دن خود اس مقام پر پہونچ جائیں گے۔

حضرت اکبر الہ آبادی نے ایک مرتبہ اقبالؒ کو آج سے کوئی ۳۰ سال قبل ایک خط میں لکھا کہ "حامد صاحب تو ہر وقت بڑے سان (فریح بشنی) کی جیب میں رہا کرتے ہیں"۔ اقبالؒ نے برجستہ جواب میں لکھا کہ "عنقریب وہ وقت آ رہا ہے کہ جیب برگسان انکی جیب میں رہا کریگا"۔ خدا کرے کہ مراسلہ نگار ایسے ہونہار، مغربی علوم کے عالم، تعلیم یافتہ مسلمانوں کے حق میں یہ پیشگوئی پوری ہو۔

ایک شیعہ پمفلٹ سے

افسوس ہے کہ آج کچھ ایسی جماعتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں جو کہنے کو تو مسلمان ہیں لیکن درحقیقت مسلم لیگ کو زک پہونچانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ یہ جماعتیں مختلف عنوانوں سے مسلم لیگ پر حملہ کرتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے مسلم لیگ اسلام دشمن جماعت ہے، تو کوئی سنیوں سے کہتی ہے کہ شیعہ رافضی ہیں انھیں جمہور اسلام سے الگ کرو۔ کوئی شیعوں سے کہتی ہے کہ تم کو رافضی کہا جاتا ہے لہٰذا تم جمہور اسلام سے الگ ہو جاؤ۔ بہرصورت یہ سب ایک ہی مداری کے مختلف کھیل ہیں جب تماشہ ختم ہو جائیگا سب ایک ہی پٹارے میں بند کر دیے جائیں گے۔

جائز مطالبات:۔ شیعیان ہند کے کچھ جائز مطالبات ہیں اور کچھ شکایات جنکے حصول کیلئے ہم جد وجہد کر رہے ہیں اور ان کا حصول تقاضا کرنے ہمیشہ تیار ہیں جب دیکھیں خود جمہور اسلام خطرہ میں ہے۔ ہم اپنی قدیم روایات کے مطابق ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے جس سے یہ نتیجہ ہو کہ وہ شاخ ہی نہ رہا جس پہ آشیانہ تھا۔ اگر مسلم لیگ جو جمہور اسلام کا سب سے مستحکم محاذ ہے۔ کانگریس کے مقابلہ میں فنا ہو گیا تو شیعہ جو کہ اسی جمہور کے ایک رکن ہیں کب باقی رہ جائیں گے لہٰذا ہم اپنے حقوق کے حصول کی جد وجہد کے ساتھ ساتھ جمہور اسلام کو مستحکم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر آپ ہندوستان میں بحیثیت مسلمان عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اس نازک وقت میں مسلم لیگ کا ساتھ دے کر

کہ کتبہ کی زبان کا یونانی ہونا خود کتبہ کی صحت کو مشکوک بنا رہا ہے
اب برطانوی مدرسہ اثریات کے صدر فریڈرک کینین (KENYON)
کی تنقید اسی کتبہ کے مضمون سے متعلق حسب ذیل شائع ہوئی ہے:۔
"کتبہ کے مضمون کا ناقص الفاظ سے شروع ہونا خود اس کی دلیل ہے
کہ کتبہ کا تعلق مسلوبیت مسیح سے نہیں ہو سکتا۔ مسیح کا تو صعود آسمان کی طرف
ہو چکا تھا۔ اور یہ صعود کا واقعہ عیسائی نقطۂ نظر سے تو انتہائی مسرت کی چیز تھی
نہ کہ ماتم کی" (ڈان ۔ ۲۳۔ نومبر ۴۵ء)
مسیحیت کا وہ عقیدہ یاد کر لیجیے کہ مسیح کی نعش جمعہ کی شام کو سولی سے
اتار کر دفن کی گئی تھی، اور آپ اتوار کو اپنے جسد ظاہری کے ساتھ آسمان
کی طرف اٹھ گئے۔ اور آپ کی جگہ عرش الٰہی پر داہنی طرف ہے۔ تو یہ واقعہ
صوفیانہ مسیحیت کی جان اور مسیحیوں کے لیے انتہائی فخر و مسرت کا باعث ہے۔

ایک قرآنی لفظ

مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب شمس آباد سے لکھتے ہیں۔

امام راغب نے اپنی کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ میں یہ بات
بہت خوب لکھی ہے کہ آیۂ کریمہ و لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم
الکتاب والمیزان میں میزان سے مراد وہ علوم ہیں جن سے کتاب کی عبارت
اور معانی کی وضاحت ہوتی ہو۔
آیت سورۃ الحدید (پ ۲۷) کی ہے۔ الکتاب کی تفسیر تو امام رازیؒ
وغیرہ نے یہ لکھی ہے کہ ایسی کتاب جو دلائل و بینات پر مشتمل ہے۔ اور
بینات کے قریب ذکر سے یہی معنی نکلتے ہیں بھی۔ اس سیاق میں اگر
میزان سے یہی مراد لی جائے کہ ان دلائل قرآنی کو واضح و روشن کرنے والے
علوم تو کچھ بیجا تو نہیں۔ بہت بہت لگتی ہوئی ہے۔ میزان کے لفظی معنی
(ترازو یا آلۂ وزن) سے ہٹ کر عدل و قسط کے معنی تو یہاں اور مفسرین نے
بھی لیے ہیں۔

چند خوشگوار آوازیں

"میں اپنے سنی دوستوں کو اطمینان
دلانا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں سب خلفاء کی عزت ہے۔ البتہ علی علیہ
السلام کو افضل جانتا ہوں"
یہ شیعہ و سنی کے کسی مخلوط جلسہ میں نہیں، خالص شیعہ جلسہ یعنی
آل پارٹیز شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے اجلاس میں شیعہ پلیٹ فارم سے ایک
نہیں، ایک سے زائد تعلیم یافتہ وکیل صاحبوں ("بعض وکلاء") نے فرمایا
(سرفراز۔ لکھنؤ۔ ۷۔ نومبر ۴۵ء)
سیالکوٹ میں مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پنجاب کے ایک
مقتدر شیعہ ایم، ایل، اے نے "افضلیت کا سوال ہی ختم کر دیا۔ اور خلفاء
اربعہ کو ہم مرتبہ کہتے ہوئے سب سے اپنی گہری عقیدت کا اعلان کیا" (ایضاً)
ایک شیعہ عالم (بعض عبا بردوش مدعیان علم) نے اخبار رشیعہ (لاہور)
یکم نومبر میں مضمون زیر عنوان "پیغام شریعت" میں لکھا ہے، کہ
"امام حسینؑ نے یزید ایسے دشمن کو پیغام دلوایا تھا کہ سرحد اسلامی پر
آپ جا کر کفار سے جہاد فرمائیں گے اور حدود سلطنت یزید کی حفاظت کریں گے۔"
(ایضاً)
ان خوشگوار آوازوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ شیعوں سنیوں میں وہ
اجنبیت، بیگانگی اور ناگواری باقی رہ سکتی ہے جس کا گھٹانا اور مٹانا ہر
اہل دل اسلامی کے مقتدر کا اولین فرض ہونا چاہیے۔

سکھ صاحبوں سے

اخبارات میں خبر گشت لگا رہی ہے کہ
لکھنؤ یونیورسٹی کی ایک مشہور سکھ طالبہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے ختم کے بعد ایک
نیشنلسٹ مسلمان (ہندوستان ٹائمس کے نامہ نگار لکھنؤ) کے عقد نکاح
میں اور آغوش اسلام میں آگئی ہے۔ اس پر سکھ حلقوں میں بڑی ناگواری
اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے، اور سکھ رہنماؤں نے کا نپور میں ایک مذہبی جلسہ کر کے
اس پر غور کیا ہے کہ آئندہ ایسے واقعات کا کیسے سد باب کیا جائے۔
سکھ قوم ایک موحد قوم ہے اور اس لیے مسلمانوں سے قریب ترین
رشتہ رکھتی ہے۔ اسکے بانی گرو نانک جی کی تعلیمات توحید و معرفت سے
لبریز ہیں اور بڑی حد تک بالکل مسلمان درویشوں اور عارفوں کے سے ہیں۔
سکھ سردار اگر کسی مسلمان کا مخلصانہ مشورہ سننے اور قبول کرنے میں اپنی
ہتک نہ محسوس کریں، تو ان سے عرض ہے کہ ایک شریف کے ساتھ نکاح
ہو جانا تو بہر صورت ایک شریفانہ فعل ہے۔ اصل ناگواری تو اس پر
نہیں، بلکہ کالج کی لڑکیوں کی عام طرز زندگی پر ہونا چاہیے۔ کالج کی لڑکیوں
کی زندگی سے، خواہ ہندو ہوں یا عیسائی ہوں یا سکھ ہوں، یہاں تک کہ مسلمان
بھی، آج کون باخبر بیخبر ہے؟ پھر کسی کو اسکی اصلاح کی فکر پڑ رہی ہے؟
بے پردگی ہی نہیں بے حیائی کے انتہائی مظاہرے، عشوہ نمائی کے سارے طور
طریقے، بالکل فرنگنوں کا سا اظہار رجحان و زینت، شراب کی لت، ہوٹلوں
سینماؤں کی شبانہ سیر، گانے کھیلنے ناچ میں کمال، کاک ٹیل پارٹی، اور ڈانس
پارٹی میں روزانہ شرکت، "منع حمل" اور "ضبط تولید" کے پر شوکت ناموں
سے ہر حرام کو حلال بنا لینا، اور اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ناگفتنی چیزیں
آج کس کے لیے راز ہیں؟ بزرگوں، سرپرستوں، والدین میں سے کے صاحب
اوان واقعات کی روک تھام کی طرف توجہ کرتے ہیں؟ ہاں جب کبھی کوئی
واقعہ تبدیل مذہب کا یا باقاعدہ شادی و نکاح کا پیش آ جاتا ہے، تو سب
صاحب لعنت و نفرین کے لیے تیار ہو جاتے ہیں! آخر یہ کہاں کا انصاف
ہے؟ اور کس عقل و دانش کا فتویٰ ہے؟

ایک قابل قدر پیام

بیانات اور بیانات کی کمی پہلے بھی نہ تھی،
اور اب تو کہنا چاہیے کہ کوئی حد ہی نہیں رہی۔ ہر زبان بولنے کے لیے تیار،
اور ہر حلق ابل پڑنے کے لیے بیقرار۔ کوئی ان میں سے آدھے بیانوں کے
بھی پڑھنے کے لیے وقت کہاں سے لائے۔ لیکن اسی انبوہ و ہجوم میں کبھی
کبھی کوئی قابل قدر بیان بھی نکل آتا ہے۔ اسکی ایک تازہ اور بہترین
مثال ملک کے مشہور فاضل گرامی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا وہ پیام
ہے جو جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔

اردو زبان کی قومی حیثیت

(کرشن چندر صاحب کے خطبۂ صدارت سے)

یہاں تک تو مقاصد کا ذکر تھا، اب ایک آخری بات رہ گئی ہے اور وہ ہے ترقی پسند مقاصد و اغراض کی نشر و اشاعت۔ چونکہ یہ اردو کے ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس ہے اس لیے میں اپنی زبان کے مسائل پر گفتگو کرونگا۔ یہاں یہ بات میں صراحت سے کہدینا چاہتا ہوں کہ میں اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتا اور مجھے اسکے تاریخی ارتقاء کا مطالعہ بھی اس پر مجبور کرتا ہے کہ میں اسے صرف مسلمانوں کی زبان نہ سمجھوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل زبان کے غالب حصہ پر مسلم قوم کی تہذیبی چھاپ ہے اور ہندوؤں نے اس کی ترویج و اشاعت میں مسلمانوں سے کم حصہ لیا ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے جھٹلانے سے تعصب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس بات کو بھی کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ ہندوؤں نے اور اس ملک کی دوسری قوموں نے بھی اردو کی اشاعت میں، اسے پھیلانے اور بڑھانے میں اور اپنانے میں ایک معتد بہ حصہ لیا ہے۔ اور دوسری قومی زبانوں کی ترقی کے باوجود اور فرقہ وارانہ رجحانات کی افزائش کے باوجود اور اس متعصب ملک کی کوتاہ سیاست کے باوجود مسلمانوں نے اور ہندوؤں نے اور سکھوں نے اور دوسری قوموں نے اسکی ترقی کے لیے اپنے بہترین اذہان کا خون کیا ہے۔ نفسیات کی دنیا میں یہی وہ ایک پودہ ہے جس کی آبیاری ہم سب نے مل جل کر کی ہے اور اسے ایک ایسے پھول کی طرح، ایک معصوم تبسم کی طرح، ایک مقدس گیت کی طرح حرز جاں بنا کر رکھا ہے۔ اس لیے ایک ایسی زبان کو جسے ہندوستان کے مختلف فرقوں نے مل کر تخلیق کیا ہو کسی ایک قوم کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف کر دینا ایک بدترین تہذیبی اور تاریخی غلطی ہوگی۔ جسکی مثال دنیا میں مشکل سے ملیگی۔ اگر امریکہ اور انگلستان دو مختلف قومیں ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی ایک زبان رکھ سکتے ہیں اور اسے اپنی تہذیبی روح کا مرکز بنا سکتے ہیں تو ہندوستان اور پاکستان ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی کیوں اردو زبان کو اپنا نہیں سکتے۔ جسے انھوں نے خود تعمیر کیا ہے پھیلایا ہے آگے بڑھایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو حق خود ارادیت دینے کے باوجود ایک ایسی زبان کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے جو اس ملک کی تمام قوموں کی زبان بن سکے۔ میرے خیال میں اردو اس ضرورت کو کما حقہٗ طور پر پورا کرتی ہے۔ اور ہمیں تمام پریشانیوں، دقتوں اور مزاحمتوں اور سیاسی مناقشات کے باوجود اس کی ترویج و اشاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنی چاہیے اسکے دائرۂ اقتدار کو ایک ہی قوم تک محدود نہ کرکے یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہ ہندوستان کی تمام قوموں کی باہمی زبان بنجائے۔ اسکے لیے اگر ہمیں صوبائی زبانوں سے الفاظ لینے پڑیں تو لے لینے چاہیے۔ اسکے لیے اگر ہمیں دوسری قوموں کے تہذیبی عناصر کو جگہ دینا پڑے تو دینا چاہیے۔ ہمیں ہر نہج سے، ہر ڈھنگ سے، ہر ممکن کوشش سے اسے پورے ہندوستان کی اسکی ساری قوموں کی، انکے کلچر کی اور انکے تہذیبی کارناموں کی زبان بنانا چاہیے۔ میں اس میں اردو کی ترقی دیکھتا ہوں اور اسی میں ہندوستانی کلچر کے ایک اعلیٰ تر امتزاج کی دنیا دیکھتا ہوں، جو آگے چل کر پورے ایشیا کی تہذیبی ترقی میں برابر کی حصہ دار ہو سکتی ہے۔

(پیام)

افسوسناک کارٹون

"ڈان" مسلم لیگ کا سرکاری اخبار ہے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے اور مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان تصور کیا جاتا ہے۔ اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں ایک کارٹون شائع ہوا ہے۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پنڈت جواہرلال ڈگڈگی بجاتے ہوئے مسلمانوں سے ووٹوں کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ایک رسی دکھائی گئی ہے جس میں چار بندر بندھے ہوئے ہیں۔ ایک بندر پر "احرار مکار" دوسرے پر "بدذات کانفرنس" تیسرے پر "علامہ جیبشی" اور چوتھے پر "جمعیۃ الغلامان" لکھا ہوا ہے۔

اس طرح احرار، علامہ مشرقی، جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ معلوم کس اصول اخلاق کے ماتحت درست کہی جا سکتی ہے؟

عام مسلم لیگی اخبارات میں جب ہم گندہ دہنی یا خوش طرازی دیکھتے ہیں تو ہمیں دکھ ضرور ہوتا ہے۔ مگر چونکہ انکی یہ حرکت انفرادی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ہم انکے لیے مسلم لیگ کو جوابدہ نہیں قرار دے سکتے، مگر "ڈان" کا معاملہ دوسرا ہے۔ ڈان مسلم لیگ کا سرکاری اخبار ہے۔ اسکی حیثیت ذمہ دارانہ ہے۔ اس لیے اگر ڈان میں اس قسم کی حرکتیں ہوں تو ہمیں ان پر دکھ بھی ہوگا اور مسلم سیاست کی گراوٹ پر حیرت بھی۔

ڈان ذمہ دار حیثیت کا اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اسے مسلم لیگ کی سرکاری پالیسی تصور کیا جاتا ہے۔ کیا ہم یہ خیال کریں کہ اس قسم کے گندے کارٹون شایع کرنا بھی مسلم لیگ کی پالیسی کا ایک جزو اور یہ پروپیگنڈے کا ایک حربہ ہے؟ (انجمن)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

[illegible] صاحب، بریلی۔ آپکے بزرگ حکیم شمشاد علی خاں مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کردی گئی۔ حج کی راہ میں کہ معظمہ میں موت مبارک موت ہے، ہر مسلمان کے لیے قابل رشک۔

اسلام اور جنگ آزادی

(از احمد جمال صاحب بی اے ۔ بریلی)

چند باتیں دریافت طلب ہیں، امید ہے کہ آپ میری ان الجھنوں کو اپنی قرآنی بصیرت سے صاف کرینگے ۔

(۱) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی بنیادی اور اولین غرض اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا ہے ۔ کیونکہ منصب رسالت پر فائز ہوتے ہی انھیں سب سے پہلے دربار فرعون میں بحکم رب بھیجا گیا ۔ اور وہاں پہونچکر انھوں نے "انا رسولا ربک" کے الفاظ سے اپنا تعارف کرایا، اور وہ پوزیشن واضح کی اور پھر صاف آزادی بنی اسرائیل کا مطالبہ کر دیا ۔ ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ۔ اور یہی مضمون سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے ۔ رہا تبلیغ دین و دعوت ایمان سو یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے ۔ جنگ آزادی کے دوران میں اسے بھی موسیٰ علیہ السلام نے تھوڑا بہت تعرض ضرور کیا ہے جیسا کہ سورۂ نازعات سے معلوم ہوتا ہے، مگر ہے بہرحال یہ ایک ثانوی درجہ کی چیز!

(۲) جب اولین غرض آزادی بنی اسرائیل قرار پائی تو یہ بات خاص طور سے نوٹ کرنے کی ہے کہ اسوقت ہندی مسلمانوں کا ٹھیک وہی حال ہے اور اُسی غلامی میں مبتلا ہیں جس میں "انبیاء کی اولاد" فرعون کے زمانہ میں مبتلا تھی، اور وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے آزادی کا مطالبہ ہوا، نہ ایمان کی دعوت، نہ عمل کی طرف بلاوا، نہ اور کسی چیز کی طرف توجہ، نہ تزکیۂ نفس کا انہماک، پھر کیا ہمارے لیے یہ مذہبی فریضہ نہیں ہے کہ ہم پورے انہماک سے جنگ آزادی میں حصہ لیں؟ اگر "ایمان و عمل بحالت غلامی" کا مطالبہ خدا کی طرف سے ہوتا تو پھر ضروری تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پہلے توراۃ دیے جاتے، پھر اپنی قوم کی سیرت کی تعمیر و تشئید کرتے ۔ پھر حالات اجازت دیتے تو اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کرتے ؟

(۳) مصر میں رہتے ہوئے بنی اسرائیل غلام بنا لیے گئے تھے، کیا اس سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ اگر اپنے وطن سے کوئی قوم نکالی نہ گئی ہو بلکہ وہیں غلام بنائی گئی ہو تو اسے پُرامن احتجاج اور موجودہ طرز کا سیاسی ایجیٹیشن ہی کرنا اتباع کی صحیح شکل ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی "جنگ آزادی" میں "عدم تشدد" کی پالیسی اختیار کی اور آخری جد و جہد بھی آخر تک کرتے رہے ۔ اگر انھوں نے "تشدد" کا پروگرام بنایا ہوتا "عدم تشدد" کے اسلحہ کا مطالبہ نہ کرتے، جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں، رب اشرح لی صدری الی آخرہ ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنکے اصحاب اپنے وطن عزیز مکہ سے نکالے گئے، پھر مدینہ جاکر مدتوں بعد استخلاص وطن کے لیے مکہ پر حملہ آور ہوئے اور بالآخر اسے آزاد کرالیا ۔ کیا اس سے یہ قاعدہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جو قوم اپنے وطن سے بے وطن کی گئی ہو اُسکے لیے ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے "تشدد" کے پروگرام پر عمل کرے ۔

(باقی آئندہ)

جوابات

(مولوی حکیم عبدالقوی بی اے، فاضل ادب، ماہر و مہتمم...)

جواب سوال ۱ ۔ انبیاء علیہم السلام کی اصل غرض بعثت توحید و رسالت کی منادی ہوتی ہے، اور دوسری چیزیں ضمنی غرض بعثت ہوتی ہیں ۔ کلام مجید میں تقریباً جملہ انبیاء کرام کے ذکر میں یہی چیز ملحوظ رکھی ہے کہ اصل دعوت توحید و رسالت کے بعد اس قوم کی سب سے اہم خرابی کی اصلاح کی دعوت دی گئی ہے ۔ قوم حضرت شعیبؑ کاروباری خیانت کرتی تھی، قوم عاد تعمیری اسراف اور کبر کی وجہ سے خدا فراموشی میں مبتلا تھی، قوم لوطؑ نہایت گندے اخلاق میں مبتلا تھی ۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم موحد ہوکر ایک مشرک کی غلامی کی مصیبت سہہ رہی تھی ۔ اصلی غرض قرآن مجید کی ہر جگہ توحید و رسالت رہی ہے نہ کہ ضمنی و فروعی ۔ مراسلہ نگار آیۂ کریمہ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل کو اپنے اس دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے کہ اس سے تبلیغ دین و دعوت ایمان ضمنی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور آزادی کو اصلی حیثیت ۔ آیت میں لفظ رسول و رب کی تقدیم ہی انکے اس دعوے کو باطل کر رہی ہے ۔ فرعون سے پہلا مطالبہ اسکا کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے دعوے "انا ربکم الاعلیٰ" سے باز آئے اور قادر مطلق کی ربوبیت اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں کی رسالت کو مانے ۔ اسکے بعد دوسرا مطالبہ اسکے عمل کی اصلاح کا پیش کیا جاتا ہے کہ عقیدہ کی درستی کے ساتھ اپنے اس قبیح عمل سے باز آ، کہ تو نے ایک موحد قوم کو غلامی کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے، اور اُس سے آزادی عبادت سلب کر رکھی ہے ۔

جس جس جگہ کلام مجید میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا ذکر ہے، وہاں ہر جگہ یہی چیز نظر آتی ہے ۔ سورۂ طٰہٰ میں آیہ فارسل معنا بنی اسرائیل کے بعد ہی یہ آیات ہیں ۔ والسلام علی من اتبع الهدیٰ، انا قد اوحی الینا ان العذاب علی من کذب وتولیٰ (اور سلامتی اسکے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے، بیشک ہم پر وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہوگا جو (خدا کی آیتوں کو) جھٹلائے اور (اسکے حکم سے) سرتابی کرے ۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے یہ سنکر فرعون جو توحید و الوہیت کے عقیدہ ہی کا منکر تھا، پوچھتا ہے، قال فمن ربکما یا موسیٰ (پس تم دونوں کا کون رب ہے) ۔ حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں، قال ربنا الذی اعطیٰ کل شئی خلقہ ثم ہدیٰ (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اُسکی بناوٹ عطا فرمائی پھر اسکو ہدایت کردی) آخر ان آیات میں عذاب کی دھمکی کس چیز پر دی گئی ہے ۔ ظاہر ہے کہ توحید و رسالت ہی کی تکذیب پر دی گئی ہے ۔ پھر سورۂ شعراء (رکوع ۲) میں جہاں فرعون اور حضرت موسیٰؑ کا مکالمہ درج ہے

دہاں حضرت موسیٰ نے خدا کے "رب السموات والارض" "رب المشرق والمغرب وما بینہما" "ربکم ورب آبائکم الاولین" ہونے کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے توحید و ربوبیت کے سوا اور کیا انکی غرض معلوم ہوتی ہے۔ جیسے جواب میں فرعون نے کہا ہے "لئن اتخذت الٰہا غیری لاجعلنک من المسجونین" (اگر تو میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو میں تجھے قید کر دونگا) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصل جرم جو حضرت موسیٰ پر قائم کرنے جارہا تھا وہ یہی توحید کی دعوت اور مذہب شرک کی مخالفت تھی۔

سورۂ یونس میں جہاں فرعون کی غرقابی کا ذکر ہے وہاں اسکی زبان سے یہ فقرے نکلے ہیں "قال آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین" (سورۂ یونس ع ۹) (میں ایمان لایا اس پر کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس اللہ کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اس سے بھی یہی صاف نظر آتا ہے کہ غرقابی کے وقت اس نے حضرت موسیٰ کی اصل دعوت یعنی توحید کا اقرار کرنا چاہا تھا نہ کہ دوسری چیز یعنی آزادی بنی اسرائیل کا۔

پھر اگر حضرت موسیٰ کے بارے میں مراسلہ نگار کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے کہ انکی دعوت توحید و رسالت کی نہ تھی، بلکہ آزادی بنی اسرائیل کی، تو ہر نبی کے لیے بھی یہی چیز کہی جاسکتی ہے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت لوط کا اصل مقصد اخلاقی خرابی سے قوم کو نجات دینی تھی۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم کی مالی خیانت اور تجارتی چالاکیوں کے سدباب کے لیے آئے تھے وغیرہ وغیرہ۔ مراسلہ نگار کی یہ بہت بڑی جسارت ہے کہ وہ یہ کہہ گئے ہیں کہ "تبلیغ دین و دعوت ایمان" سو یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے۔ جنگ آزادی کے دوران میں اس سے بھی موسیٰ علیہ السلام نے تھوڑا بہت تعرض ضرور کیا ہے"۔ قرآن مجید کا اگر وہ ذرا بھی مطالعہ فرمائیں تو انھیں نظر آئیگا کہ حضرت موسیٰ کی اصل دعوت وہی تھی جو ہر نبی کی رہی، اور قرآن مجید میں ہر جگہ اسی کو اصل اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۲) سوال ملک میں جو مقدمہ قائم کیا گیا، وہی سرے سے باطل ہے۔ یعنی اصل غرض آزادی بنی اسرائیل تھی جو نہیں ہے۔ اور اگر ہو بھی تو اس آزادی اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں سوا لفظ کے اور کوئی چیز مشترک نہیں۔ بنی اسرائیل برحق وحی الٰہی کی رہنمائی میں ایک موحد و مومن قوم کی آزادی عقائد و آزادی عبادت کے لیے کوشاں تھے، نہ کہ آزادی وطن کے لیے، انکے مطالبۂ آزادی کا یہ مطلب نہ تھا کہ فرعون ملک مصر بنی اسرائیل کے حوالہ کر دے، بلکہ حضرت موسیٰ کے ساتھ انکی قوم کو ہجرت کی اجازت دی جائے جیسا کہ ان ارسل معنا بنی اسرائیل سے واضح ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے ملک میں پہنچکر آزادی سے دین توحید پر قائم رہ سکیں، اور اسکے بعد حضرت موسیٰ اور انکی قوم کا عمل بھی اس کا شاہد ہے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر گئے اور فرعون انکے تعاقب ہی میں ڈوبا۔

پھر حضرت موسیٰ نے دعوت بھی پہلے ہی دن شروع نہیں کی قرآن مجید ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدت تک انھوں نے تزکیۂ نفس کیا۔ اسکے بعد جب مصر آئے ہیں تب آپ نے دعوت و تبلیغ شروع کی۔ اس لیے یہ ثابت ہوا کہ دعوت دینے والے کو بھی پہلے خود انتہائی پاکیزہ نفس بننا پڑتا ہے۔

ہندوستان کی حالت بالکل جدا ہے۔ یہاں تحریک آزادی کی قیادت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ جن میں سے بعض کھلے ہوئے معاندین ہیں اور انکے تخیل میں آزادی کا جو نقشہ ہے اس میں شریعت اسلامی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ نے مصر میں مستقل قیام فرماکر سعی آزادی نہیں فرمائی، بلکہ حکم الٰہی ملنے پر باوجود ظاہراً ناسازگار حالات ہونے کے آپ نے ہجرت فرمائی۔ آیت رب اشرح لی صدری سے عدم تشدد کا استنباط تمامتر غلط ہے۔ اسے تشدد و عدم تشدد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ آیت تو اسوقت کی ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو رسالت مل رہی ہے، اسوقت آپ اپنے شرح صدر کی دعا مانگ رہے ہیں کہ آپ تبلیغ دین تمام و کمال کر سکیں۔

آنحضرت صلعم اور انکے رفقاء نے تو مکہ معظمہ سے حکم خداوندی کی تعمیل میں ہجرت کی۔

اس سے استخلاص وطن" کا جذبہ نہیں ظاہر ہوتا، البتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اتنی بڑی دولت ہے، کہ اگر وطن میں رہکر اس پر عملدرآمد نہ ہو سکتا ہو، تو اس وطن کو بھی خیرباد کہا جاسکتا ہے۔ حضرت رسول مقبول صلعم نے اسی چیز پر عمل فرمایا، اور مدینہ منورہ جاکر ایک خالص اسلامی آبادی اور اسلامی ماحول قائم کیا (جسے حقیقی معنی میں پاکستان کہا جاسکتا ہے) اسکے بعد جب قوت حاصل ہوگئی تو وطن کو شرک کی لعنت سے چھڑانے کے لیے وطن والوں کو موحد و مومن بنانے کے لیے اور دین توحید کی اشاعت کے لیے، وطن پر چڑھائی فرمائی، اور اللہ نے اس میں کامیابی عطا فرمائی۔ اس سارے واقعہ سے ہندوستان کی غیر مسلمانہ طرز تحریک آزادی اور غیر اسلامی عقیدۂ عدم تشدد کو کوئی نسبت ہی نہیں۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ متین، مدلل، پُرمغز، افراط و تفریط سے پاک، خواہ مخواہ کی شر انگیزی سے پاک ہی شریفانہ نہیں، دوسروں کے لیے شرافت آموز۔ آخری حصہ ہر سنجیدہ اور صاحب ضمیر مسلمان کے پڑھنے اور غور کرنے کے لائق ہے۔

"امت مسلمہ کا تفرق و تحزب اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ہر مفید تحریک کے پروان چڑھنے میں یہی خلیج آڑے آجاتی ہے۔ ہر جماعت کے غیر ذمہ دار، بلکہ بعض اوقات ناعاقبت اندیش ذمہ دار بھی اس خلیج کو پاٹنے کے بجائے اپنے تغافل یا تساہل سے اور وسیع تر کرتے جاتے ہیں جب ایسے جناب یا قائد اعظم کو "کافر اعظم" اور "منافق" عار وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو لاکھوں اشخاص کے سینوں میں یہ لفظ تیر و نشتر بنکر لگتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مولانا

پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ ان سے مل کر کچھ دیر کے لیے حضرت اکبرؔ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ افسوس ہے کہ محفل برخاست ہونے کے بعد یہ شمع [illegible] روشن گل ہو گئی سہ

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

حضرت اکبرؔ کے کلام کا ایک بڑا ذخیرہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ خدا کرے اس کی طبع و اشاعت کی توفیق مرحوم کے صاحبزادوں کو ہو جائے۔

مسلمان کی موت

ایک صدق نواز اپنے مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:۔

"والد صاحب مرحوم (چودھری احسان حسین رئیس [illegible] ضلع بارہ بنکی) نے سہ شنبہ کی افطار کے بعد نماز عشاء کی تیاری کی، وضو کر رہے تھے، کچھ گرمی محسوس ہوئی، پلنگ پر بیٹھ گئے، پانی نوش فرما رہے تھے کہ حرکت قلب یک بیک بند ہو گئی، اور جان سپرد کردگار کر دی۔"

نماز کی تیاری و اہتمام میں موت گویا عین نماز ہی میں موت ہے۔ اور نماز میں موت کے مرتبہ کا کیا کہنا! —— اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دے، اور اُس کی مرحمت صرف متقیوں اور معروف بزرگوں تک ہرگز محدود نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

"اشربوا فی قلوبہم العجل" کی آیت اس سلسلہ میں بالکل بے محل ہے۔ یہ اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، وہ تو فرعون کی غلامی سے نجات کے بہت بعد کا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید ہی سے ظاہر ہے۔

(۶) جب آپ کے مقدمات و مسلمات ہی بے بنیاد ٹھہرے، تو آپ نے جو نتیجہ نکالنا چاہا ہے، وہ خود بخود باطل ٹھہر جاتا ہے۔ مسلمان کے لیے پہلی چیز مسلمان بننا اور احکام اسلام کی پابندی ہے۔ اس میں جو چیزیں فوری لازم آ جاتی ہیں، اور تمامتر اُس کے اختیار کی ہیں، انھیں فوراً ہی اختیار کر لینا۔ مثلاً نماز، روزہ، اجرائے میراث، ترک شراب خواری، ترک ظلم، عصمت و عفت وغیرہا۔ اور جو چیزیں اجتماعی جد و جہد چاہتی ہیں، مثلاً نظام کفر سے خلاصی، اُن کے لیے بھی بہ قدر ہمت و استطاعت کوشاں رہنا۔

(باہتمام شیخ شوکت حسین، نظر حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق واقع گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا)

مشورے اور گزارشیں

(۴۹)

(س علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی)

س - حقیر کو اپنے آخری خط مورخہ ۱۱ ستمبر کا جواب ۲۷ ستمبر ۵۳ء کو وصول ہوا۔ حقیر تو یہ چاہتا تھا کہ اس تاریخ کے کوئی پندرہ دن بعد ایک گزارش نامہ روانہ خدمت کرے تا کہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق دو خطوں میں کم از کم ایک مہینے کا فصل رہے لیکن علالت کی وجہ سے یہ خیال پورا نہ ہو سکا اور مدت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

ج - کچھ مضائقہ نہیں، وہ مدت تو ایک عام اوسط کی طرح پر تجویز کی گئی تھی۔ حسب ضرورت کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں۔

س - حقیر فساد خون کی وجہ سے پھوڑے پھنسیوں کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ علاج جاری ہے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ کامل صحت عطا ہو۔

ج - علاج کا برابر جاری رکھنا ضروری ہے۔ یہ خاص طور پر یاد رہے۔ اکثر مریض اسی کو بھول جاتے ہیں۔

س - حضرت والا اس بیماری نے تو یہ ثابت کر دیا کہ حقیر کے ایمان کی حقیقت کچے تاگے سے زیادہ نہیں۔ چار پانچ دن اٹھتے بیٹھتے نہایت درد ہوتا تھا تو کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔

ج - معذوری کی بنا پر اگر کسی کی نمازیں ساری عمر بھی قضا ہوتی رہیں، جب بھی ضعف ایمان پر استدلال صحیح نہ ہوگا چہ جائیکہ چند نمازوں سے! ہاں معذوری [illegible] صحیح اور واقعی ہونا چاہیے۔

س - نمازیں قضا ہونے کی ایک وجہ تو بیماری ہے دوسری وجہ جو بہت زیادہ سمجھ میں آئی وہ یہ کہ حقیر نے ایک مدت مدید تک خط و کتابت حضرت والا سے نہ کی۔ حضرت والا کے فیض سے کئی بیماریاں حقیر سے دور ہوئیں۔ چند دن کے وقفہ نے ان بیماریوں کو پھر لوٹا دیا۔

ج - توبہ توبہ۔ سراسر وہم و کج خیالی ہے۔ فوراً رجوع و توبہ لازمی ہے۔ ایسی اندھی عقیدت کسی واقعی بزرگ کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک مجھ جیسے دنیا دار اور عصیاں شعار کے ساتھ!

س - ایسی صورت میں حضرت والا اگر حقیر کو بعجلت خط لکھنے کی اجازت دیں تو کرم فرمائی ہوگی۔

ج - یہ درخواست و خواہش فی نفسہ تو بیجا نہیں، لیکن اس کی جو بنیاد قائم کی گئی ہے، وہ سراسر لغو اور مہمل اور باطل ہے۔

س - حضرت والا کا وہ عنایت نامہ جو صدق نمبر ۳۰ میں چھپا ہے، جب وصول ہوا اُس وقت حقیر نماز عصر کی تیاری کر رہا تھا۔ پہلے عنایت نامہ پڑھ لیا۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ دل بھر آیا، آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ نماز ختم ہوئی، دعا کے لیے ہاتھ اٹھے، گریہ شدت سے طاری ہوا۔ حضرت والا کے لیے بہت زیادہ دعا [illegible]

علامہ عصر مولانا شبیر احمد عثمانی کا پیغام

جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں آپ کی کانفرنس میں شریک نہ ہو سکا۔ اسکا افسوس ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیۃ العلماء ہند دہلی بھی اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بُری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے اعتبار سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے۔ جو کچھ اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ اسکے اخیر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔

اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ جدید جمعیۃ علماء اسلام عملی لحاظ سے تجربہ کی کسوٹی پر کتنی کھری ثابت ہوتی ہے؟

بہر حال اگر وہ اپنے اعلانات کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح راستہ پر گامزن رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ انصاف پسند اور حق پرست علماء اسکے ارادوں میں بیش از بیش تعاون اور شرکت نہ کریں۔ اسی امید کے ساتھ ہم اسکی اصلاح و ارتقاء کی اولوالعزمیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اسوقت جاری ہے، میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تنفر اور اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ صحیح یا غلط طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان اور طرز تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے، اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیر جدید ہوئی اُس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیش نظر اللہ کے پیدا کیے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبار قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کر دی گئی جسکے احاطہ سے کوئی فرد بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے خالق ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کرۂ زمین پر رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے ایسے ادعاء کا التزام نہیں کیا، اسکا نام کافر ہوا۔ ہو الذی خلقکم فمنکم مومن ومنکم کافر۔ یاد رہے کہ ایمان و کفر کی یہ تقسیم حضور سے پہلے بھی تھی، لیکن آپ سے قبل چونکہ ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اس لیے اسکی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلّیۃً مٹائے نہیں جاتے تھے۔

البتہ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین کی بعثت نے جو کسی ملک و خاندان یا زمان و مکان سے مقید نہ تھی۔ اُن تمام چھوٹے چھوٹے تشخصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کر دی جن کو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت و کرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔

اسے آپ یوں خیال کیجیے کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دریا گنگا، جمنا، نربدا، اٹک وغیرہ بجائے خود اپنے اپنے تشخصات کے ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ وجود رکھتے ہیں، مگر یہ سب دریا ایک حد پر پہنچکر اپنی اپنی ہستیوں کو سمندر کی پہنا ہستی میں اس طرح گم کر دیتے ہیں کہ وہاں انکا کوئی امتیازی وجود باقی نہیں رہتا۔ ٹھیک اسی طرح دنیا میں وطنی، نسلی، لونی، لسانی، اور تمدنی تقسیم کے اعتبار سے گو کیسی ہی قومیتیں سہولت تعارف کے لیے اپنی اپنی جگہ موجود اور قائم ہوں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جو انکے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم کر دیتی ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشید
جہاں سر بجیب عدم درکشید

اسی عالمگیر اسلامی قومیت کا بیان صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقی رکبا بالروحاء فقال من القوم قالوا المسلمون فقالوا من انت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم مصری طبع جدید ص۹۹)

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ سے پوچھا تھا۔ تم کون قوم ہو۔ جواب میں انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم حجازی یا نجدی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں۔ اس سب سے زیادہ قبائلی تعصب و غرور رکھنے والے ملک میں انکا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ حالانکہ اُسوقت تک انھوں نے حضور کو پہچانا بھی نہ تھا۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ اور بجز اسلام کے اب کوئی حقیقی قومیت انکے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

ابو عقبہ فارسی کے قصہ میں جو آپ "انا الغلام الفارسی" کے نعرہ پر ناخوش ہوئے اور جب اس نے آپ کی تنبیہ کے موافق "انا الغلام الانصاری" کا نعرہ لگایا تو آپ کو مسرت ہوئی اسکا راز بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کی نظر میں قومیت کی تاسیس بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالات دین پر ہونی چاہیے۔

اس اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی۔ اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنے میں بن سکے۔

لفظی توسعات سے ہم کو بحث نہیں، اسی لیے وہ معاہدہ جو صحابہ اور یہود مدینہ میں ہوا تھا۔ اس میں مسلمان اور یہود کے متعلق قوم واحد کا لفظ نہیں بعض امۃ واحدۃ کا لفظ استعمال ہوا تو صاحب لسان العرب کو اس پر متنبہ کرنا پڑا کہ یہ اطلاق نہ

سوا ہے۔ حالانکہ اگر اسکو بالفرض حسب زعم بعض نعلا قومیت متحدہ قرار بھی دیا جا سکے تو اس معاہدہ کی سب سے اہم دفعہ (جسے عموماً استدلال کے وقت نظرانداز کیا جا تا رہا ہے) یہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں فریقین (مسلمان اور یہود) کے مابین نزاع ہوگی تو آخری فیصلہ وہ ہوگا جو اللہ اور اُسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرما دینگے۔ کیا قومیت متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے یا منوانے کے لیے تیار ہیں؟

بہرحال ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت و شیرازہ بندی کے لیے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اسکی تمام تحریکات و عزائم نشر ہو سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مالی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکے۔ بلکہ اس سے مثال بنا کر ایک عادلانہ حکومت کا نمونہ قائم کر کے دنیا کو وہ مشعل ہدایت دکھا سکے جس کی اسے ہمیشہ سے ضرورت ہے۔

اسی نصب العین کو جتنا جس حد تک ہماری قدرت میں آ سکے اور آگے جا سکے اُس سے تغافل برتنا نہ چاہیے۔

یہ حالات موجودہ جو اصول سیاست دنیا میں رائج ہیں انکے ماتحت ہم صرف اُن صوبوں میں اس مقصد کی کوئی قسط حاصل کر سکتے ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

یہ بھی اللہ کی عجیب قدرت و حکمت کی نشانی ہے کہ باوجودیکہ مسلمان اس ملک میں مجموعی طور پر دوسری اقوام سے کم تعداد میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری اس کمی کو ملک کے تمام صوبوں میں مساوی نسبت پر تقسیم نہیں کیا، بلکہ بعض صوبوں میں جو جغرافیائی حیثیت سے اہم بھی ہیں۔ ہم کو دوسروں کے مقابلہ میں اکثریت عطا فرما دی۔

یہ گویا قدرت کی طرف سے پاکستان قائم کر لینے کے امکان کی طرف ایک غیبی اشارہ ہے۔ بہرحال اسکا نام پاکستان رکھدیا جائے یا حکومت الٰہیہ یا اور کوئی کچھ، اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں، اور انکے لیے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے۔ جو اکثریت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہاں کی دونوں قوموں کے مناقشات کا حل بھی اسی توازن کے قائم کرنے میں ہے کہ دونوں کو اپنے اپنے مستقر اور مرکز میں پوری آزادی نصیب ہو اور اس طرح طبعی طور پر دونوں آزاد ریاستیں اپنی اپنی اقلیتوں کے تحفظ کا انتظام درست رکھنے پر مجبور ہوں، دونوں مل کر معاہداتی سسٹم کے ماتحت پورے ملک کو خوشحال اور پُرامن رکھنے کی جدوجہد کریں اور باہمی تعاون سے ملک کی ہر جہتی ترقی دینے میں کوشاں ہوں۔

اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا اور یہاں کی اکثریت نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تنگ نظری، تعصب اور ذہنیت کی پست خیالی نہ چھوڑی تو ملک کے لیے آزادی کا ان کی توقع رکھنا خود اپنے نفس کو فریب دینا ہے۔ جذباتی لوگ جو چاہیں کہتے رہیں، حقیقت پسند جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایسی امیدیں بانڈھنا شیخ چلی کے منصوبوں سے کم نہیں۔ الحاصل کہ مسلم قوم ہے۔ توقع ہرگز نہ رکھیے کہ وہ انگریز کی منتقلی اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ذلیل ترین اختیاری غلامی کو ترجیح دیگی۔

مذکورۂ بالا حقائق کے پیش نظر آل انڈیا مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں کھڑی ہوئی ہے۔ کل تک وہ جو کچھ بھی تھی مگر آج عامۃ المسلمین کی شرکت سے اُسے اپنا صحیح موقف اور صحیح مقام نظر آ رہا ہے اور وہ اسکے لیے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔ آخر کانگریس بھی تو اپنے آغاز میں جو کچھ تھی انجام میں وہ نہیں رہی۔

بلاشبہ مسلم لیگ اور اسکے قائد میں انسانی کمزوریاں ہیں اور انکی بہت سی باتیں ہمارے علماء کے نزدیک قابل اعتراض ہیں لیکن ضرورت ہے کہ عوام کو تیار کیا جائے اور اچھے اچھے پختہ کار علماء و زعماء عوام کی طاقت سے انکو مجبور کر دیں کہ وہ امانت داری سے اپنے کو اس منصب کا اہل ثابت کریں جو جمہور کی طرف سے اُنکو تفویض ہوا ہے۔ جہاں تک میں اپنی بساط کے موافق اندازہ کر سکا ہوں، مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح آجکل کی سیاست کے داؤ پیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہے۔

پھر نہ وہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے آگے سر جھکا سکتا ہے۔

میں زمانۂ دراز تک ان مسائل کی طرف وجوانب پر غور کرتا رہا، فیما بینی و بین اللہ۔ سب اچھے برے پہلوؤں پر نظر کر کے آخر کار اس نتیجہ پر پہونچا کہ اسوقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اسوقت مسلم لیگ ناکامیاب ہوگئی تو شاید پھر مدت دراز تک اس ملک میں مسلمانوں کو پنپنے کا موقع نہ ملیگا۔ اس لیے وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نے زعمائے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصلی قومیت کی حفاظت کے لیے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علمائے ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر خدا نہ کردہ ایسا نہ ہوا تو ہم انشاء اللہ ایسے فاسد عناصر سے لیگ کو صاف کر کے دم لینگے واللہ الموفق۔

کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ انگریز کی حکومت و سیطرہ سے آزاد ہونا اور آزادی دلانا نہیں چاہتی، بلکہ غیر ذات الشوکۃ ہی کے پیچھے پڑی رہتی ہے اسکے برخلاف کانگریس کا مطمح نظر آزادی کامل ہے اور اسکے لیے وہ بڑی بڑی قربانیاں کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان تو انسان حیوانات کو بھی آزادی محبوب ہے۔ ایک طوطا جو قفس میں سالہا سال بند رہے جب قفس کا دروازہ کھولیے، تیر سے نکل کر اُڑ جانے کا خواہشمند ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ پنجرہ کے گرد گربہ مسکین گشت

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ روپیہ
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲

صدق

نمبر ۵۴ | یوم چہارشنبہ - ۲۲ - ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸ - نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

۱۹۴۵ء ہے۔ مارچ کے ختم ہونے میں دو تین دن باقی ہیں
بوڑھا مریض اپنی زندگی بھر بڑا نام آور، مرض الموت کی سختیوں میں مبتلا، بستر پر غافل اور بیہوش پڑا ہے۔ لوگ کہتے ہیں، کہ یہ نام کا مسلمان تھا۔ ایسے ہی اچھے اچھے علماء اور ایک دو نہیں، بہت سے اُسکے کفر کے فتوے دے چکے اور اسکے زندقہ پر متفق ہو چکے ہیں، اور اُسکے اقوال ہیں بھی کچھ ایسے ہی وحشت آفرین ـــــــ سلب مرگ بوڑھا غفلت سے کسی کسی وقت ذرا کی ذرا چونکتا ہے، اور منٹوں کے لیے زبان حرکت میں آجاتی ہے، اُسوقت یہ بند ہوتی ہوئی زبان نام نہ کالج کا لیتی ہے نہ قوم کا نہ گورنمنٹ کا، اور نہ ذکر بیوی بچوں کا کرتی ہے۔ بلکہ تلفظ ادا کرتی ہے تو بندوں کا نہیں، اللہ کے اس کلام کا ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اور اس اور اس حکم کی تلاوت کے معًا بعد خود ہی اسکی تعمیل میں اللہم صل علی محمد آخر تک پڑھنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں آخری بار بند ہو جاتی ہے ـــــــ
ایک جوان عمر عالم مصنف تیمارداری کو حاضر ہیں، وہی چشمدید گواہی اپنے ایک محب صادق کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ـــــــ ـــــــ

اس بوڑھے "زندیق" کو آپ نے پہچانا؟ مشہور نیچری اور نیچری گر سر سید احمد خاں تھے! جی ہاں، وہی سید احمد خاں، جنکی تکفیر پر بڑے بڑے ثقہ اور مستند علماء متفق ہو چکے تھے! اور روایت کے راوی مولانا شبلی نہیں جو سر سید کے نہ سیاسی معتقد تھے نہ مذہبی معتقد! اُنھوں نے یہ روایت صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی سے بیان کی، اور فاضل شروانی نے ابھی علیگڈھ کے موقع پر ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو اس نامہ سیاہ سے! ـــــــ

"ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں" کی ایک بار اور تصدیق!
عالم بڑے سے بڑے محتاط اور زیادہ سے زیادہ باریک بیں سہی پھر بھی اللہ اور بندہ کے علم کا کیا مقابلہ! اور اُسکے قانون رحمت و مغفرت کی ہمہ گیری کے آگے بیچارے مفتیوں اور فقیہوں کے ضابطے اور قاعدوں کی کیا بساط! اعمال کیسے ہی ہوں ایمان، حقیر سے حقیر مسلمان کا بھی قابل تحقیر نہیں۔ اور یہ ایک بڑی گہری اور اہم حقیقت ہے، جس کی تجدید ہماری آپ کی آنکھوں کے [illegible] ایک موہوم لی شخصیت کر دکھائی!

ـــــــ

ایٹم اور شیخ اکبرؒ

ایک مکتوب [illegible] گرامی علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے [illegible] جلد ۲ صفحہ ۹۰ باب ۲۹۰ کے حوالے سے شیخ اکبرؒ کے یہ فقرہ

ومعنی ان کل جوہر فی العالم یجمع کل حقیقۃ فی العالم کما ان کل اسم الٰہی مسمّی بجمیع الاسماء الالٰہیہ	عالم کا ہر ایک جوہر فرد اپنے اندر سارے عالم کے حقائق کو سمیٹے ہوئے ہے جس طرح ہر اسم الٰہی سارے اسماء الٰہی کا مجموعہ ہے۔

اور اسکے بعد کی کئی سطروں کی توضیحی عبارت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:-
"آپ کی رائے سے امداد چاہتا ہوں۔ پہلا جملہ میں نے بار بار پڑھا۔ جب سے جوہر کی بے اندازہ اور بے پایاں طاقت کا انکشاف ہوا ہے، ہر پھر کر خیال اسی طرف جاتا ہے۔ شیخ کے نزدیک بھی یہ بہت ہی عجیب و غریب اور مہتم بالشان مسئلہ تھا۔ جیسے لیے شیخ کو اس اہتمام سے اپنی کتاب کے قارئین کو متوجہ کرنا پڑا۔ آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ کا یہ جملہ کیا اس

حکیم الامت:
نقوش و تاثرات

نمبر (۱۸)

از عبد الماجد

جواب آیا، اور مولانا کی عام عادت کے مطابق فوراً آیا:

"از ناکارہ و آوارہ اشرف علی عفی عنہ

بگرامی خدمت عالی درجت مخدومنا معظمنا ادام اللہ تعالیٰ افادتہم

وافاضاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

باوجود میرے ناقابل خطاب ہونے کے جو عالی خطاب سے سرفراز فرمایا،

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا کیا، اور کس طرح شکریہ ادا کروں بجز اسکے کہ

از دستِ کرمے بیم آید ہیچ   جز آنکہ بصدق دل دعائے گویم

جب خدمت کے لیے مجھکو ارشاد ہوا ہے اول تو اسکا یہی خدمت ہونا پھر

مزید برآں جناب کو فکر ہونا فی نفسہ کسی عذر کا محتمل نہیں لیکن اگر کوئی عذر

عذر عذر سے متجاوز ہو کر حد عجز تک پہونچ گیا ہو غالباً اسکا پیش کر دینا

نقض امر نہ ہوگا۔

اسی بناء پر چھپا ہوا عذر نامہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں اور بجائے

شرکتِ جسمانی کے شرکتِ روحانی پر جسکا ظہور بصورت دعا ہو، اسپر اکتفا کرنے

کی اجازت چاہتا ہوں۔ اور اس دعا کی اجابت کی دعا جناب سے

چاہتا ہوں۔

اور علاوہ دعا کے ان حدمات متعلقہ کے متعلق شیخ شیرازی رحمۃ اللہ

علیہ کے ارشاد کو اپنے کچھ بیٹے کا کاشف اور شفیع بناتا ہوں ؎

آں را کہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست   خوش گفت پردہ دار کسے در سرائے نیست

والسلام از تھانہ بھون ۳۰ رجب ۴۸ھ"

یہ ہے "خشک و درشت مزاج" مولانا تھانوی کا جواب اسے ایک کمین کم عمر

اور اعتقادی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے ایک مخالف کیمپ کے مولوی

صاحب کے نام!——

وہ "خشک و درشت مزاج"

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا!

وطن پہونچ کر سفرِ تھانہ بھون اور میزبان کا شکریہ لازم تھا۔ پہونچتے ہی

جو عریضہ لکھا، وہ تمت کے تازہ تاثرات کا ترجمان ہے۔ لیکن دل ہچکچاتا

ہے کہ جو باتیں صرف سرگوشیوں میں کہنے کی ہیں، انھیں ہر کس و ناکس کے لیے

شائع کیا جائے؟——— دوسری طرف مولانا کے افادات کے منافع

و مصالح! انھیں چھپایا کس طرح ڈالا جائے؟

اچھا تو فیصلہ یوں سہی، کہ مولانا کے ارشادات تو جوں کے توں نقل

کر دیے جائیں۔ رہے اپنے معروضات تو وہ کہیں نقل اور کہیں انکی تلخیص

نمونہ۔ — ایک کے لیے روایت بالفاظہا کا اہتمام، دوسرے کے لیے

روایت بالمعنی کی گنجائش!—— معروضات کے لیے "م" اور ارشادات

اشرفی کے لیے "ا" کی علامت ذہن میں رکھ لیجیے اور آگے چلیے:-

م۔ سیدی و مطاعی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ا۔ مشفقی مکرمی دام کرمکم و لطفکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

م۔ وطن پہونچا   ا۔ الحمد للہ

م۔ لکھنؤ میں خواجہ [عزیز الحسن مجذوب] صاحب سے دو ملاقاتیں رہیں

دونوں بہت پُر لطف رہیں

ا۔ ماشاء اللہ۔ زادکم اللہ لطفکم علی لطف

م۔ اس مختصر حاضری میں آنکھوں نے اور دل کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا

کاش اُسے دوسروں کو بھی دکھا سکتا!

ا۔ کوئی چیز ہی نہیں ہے جسکو کوئی دیکھے۔ یہ تمنا درحقیقت

اہل نظر کے اہل و ہم ہونے کی تمنا ہے۔ مگر جو محبین اس وہم میں مبتلا ہیں

میرے لیے تو وہ وہم حسن ظن ہے، جو میرے لیے ہر حال میں مبارک ہے۔

م۔ کتنے اعزہ و احباب غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں، انکے لیے دل

بے اختیار کڑھتا ہے۔

ا۔ یہ غلبہ ہے محبت کا ادراک پر۔ اور چونکہ میرا ادراک غالب ہے محبت پر

میں اس سے مسرور ہوں کہ انکے خلاف واقع اعتقاد سے میں محفوظ ہوں۔

م۔ مجھے جو نعمتیں حاصل ہوئیں انکا اظہار الفاظ میں کیونکر ہو

ا۔ یہ عدم اظہار اظہار سے ابلغ ہے۔

م۔ بڑی نعمت، جو حاصل ہوئی وہ مدینہ منورہ کی حاضری میں حاصل

ہوئی تھی یعنی قدم قدم پر اپنی پستی، اپنی نالائقی کا احساس

اور سمجھا ہے وہاں کی برکات و انوار سے مستفید ہونے کے اہل نہ

مفر کا کہ کہیں یہ وجود نجس وہاں کی فضائے پاک کو گندہ نہ کر دے

ا۔ حقیقت میں بڑی نعمت ہے۔ جس پر مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ نیستی

ہی تو ہستی ہے۔

م۔ بس اسی قسم کا سبق تھانہ بھون کی حاضری میں ملا۔

ا۔ مگر اتنا فرق ہے کہ وہاں بے واسطہ محل کے ملا یہاں بواسطہ محل کے

گو آپ کو محل کا گمان ہوا ہو جو باوجود خلاف واقع ہونے کے

مضر نہیں۔

م۔ جتنی دیر حاضر خدمت رہتا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب کے

سامنے ایک ٹمٹماتا سا چراغ ہے۔ دل بار بار ندامت و خجالت

سے گڑا جاتا تھا۔

ا۔ ماشاء اللہ یہی تو بڑی دولت ہے کہ چھوٹوں سے بھی اپنے کو

چھوٹا سمجھا جائے۔

م۔ تفسیر، حدیث، فقہ سے متعلق بھی بہت سے امور میں آنکھیں کھلیں

لیکن تصوف یعنی اخلاق سے متعلق جو بیش بہا درس ملے ان

انکے بیان سے عاجز ہے۔

ا۔ یہی بات ہمیشہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ یہ سب غیر محل سے ملا۔

م - ان نیومن سوسائٹی کے علاوہ مادی حیثیت سے بھی بڑی راحت ملی گویا اپنے گھر میں تھا۔ اپنے اوقات و مشاغل میں پوری طرح آزاد۔

ا - اس جزو میں تو میں بھی بلا کسی تفصیل و تاویل کے موافق ہوں۔ لہذا اس کو خود بھی بارہا بطور تحدیث بالنعمۃ کے کہا کرتا ہوں کہ یہاں کسی پر کوئی گرانی نہیں ڈالی جاتی، نہ خیالی نہ واقعی۔

م - کاش ہمارے مولانا ... بھی اسی طرح اپنے خادموں کو آزاد چھوڑ دیتے۔

ا - تو یہ جیسے مجاہدہ جواب ہے ایسے ہوتا۔

م - چند گھنٹوں کی حاضری میں بار بار کھانے اور چائے پر مجبور ہونا پڑا۔

ا - یہی مجبوری تو روح سے فنا کی۔

م - ایک خواب تھانہ بھون کے زمانہ قیام ہی میں دیکھا تھا۔ آج عرض کرتا ہوں۔ دیکھا کہ ایک بڑا سا مکان ہے جیسے کسی طبیب کا مطب، جناب وہاں کمرے میں، اور پاس ہی زنانی گھر کے اندر حضرت کی محل صاحبہ تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں وہ باہر نکل آئیں اور تخت پر تشریف فرما ہوئے میری طرف نسبت کے کچھ خانگی معاملات کا ذکر فرمانے لگیں۔ میں مسرور بھی کہ مجھ پر اتنا اعتماد فرمایا گیا، ساتھ ہی دنگ و متحیر بھی کہ جناب جیسے محتسب شریعت کے ہاں نامحرم سے مخاطبت کی اجازت کیسی؟

ا - لیلیٰ تو اکثر مثالاً محبوب ہوتی ہے۔ میری نسبت محبوبیت اس شکل میں ظاہر ہوئی۔ اور نسبت محبوبیت سے یہ مراد نہیں کہ میں محبوب ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ میرے قلب میں طالبین کی جو محبت ہے۔ غرض وہ صفت اس شکل میں ظاہر ہوئی اور اس صفت کا آپ کی طرف متوجہ ہونا اشارہ ہے خاص نفع حاصل ہونے کی طرف ان شاء اللہ۔

م - وہاں کے دوسرے حضرات میں مولوی شبیر علی صاحب بہت بہتر نظر آئے۔ اللہ انھیں برکات دارین عطا فرمائے۔

ا - اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرماویں۔

م - میرے ہمنام مولانا بدایونی ایک عریضہ خدمت والا میں، خدا معلوم میرے توسط سے کیوں ارسال کر رہے ہیں، ملفوف ہے۔

ا - غالباً اس توسط کو موثر سمجھا۔ میں بھی اسی مصلحت سے اسی توسط کو اختیار کرتا ہوں کہ میرا عذر موثر ہو۔

ذکر آیا تو ذہن میں ہے نا، کہ دسمبر ۲۵ء کا مہینہ ہے۔ صدق نقش اول سچ (ہفتہ وار) اس وقت ماشاء اللہ زور و شور سے نکل رہا تھا۔ دو بزرگ ایسے بھی تھے، جنکی خدمت میں انتہائی تعلق کے باوجود پرچہ نہیں بھیجا جاتا تھا۔ ایک اپنے سب سے بڑے محبوب مولانا محمد علیؒ اور دوسرے اپنے سب سے بڑے مقتدا مولانا تھانویؒ۔ دونوں کا رعب اور ادب اس درجہ اتنا غالب تھا کہ پرچہ نذر کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ خدا معلوم کس وقت کس مضمون پر کیا اعتراض کر بیٹھیں۔ اس وقت کچھ کہتے وہ حرف نہ بنتی۔ نہ اپنے ضمیر و ایمان کے خلاف چلنے پر عقل آمادہ ہوگی، اور نہ ان حضرات کے ارشادات کی عدم تعمیل کو دل قبول کریگا ـــ لیکن اب سچ کے مسلسل

تھا ایسی صورت آئی، کہ حکیم الامت سے رجوع کرنا ناگزیر ہو گیا۔ بلکہ یوں کہیے کہ کوئی ڈیڑھ سال سے سچ میں ایک مسلسل عنوان ظہور مسیح و دجال اور خروج یاجوج ماجوج پر یورپ اور اسلام اور دوسرے عنوانات سے نکل رہا تھا۔ لکھنے والے حیدرآباد دکن کے ایک صاحب علم صوفی اور خانقاہ چلانے والے تھے۔ پردہ کے شیخ مولوی محمد شاہ صاحب قادری تھے، جنھوں نے کسی مصلحت سے اپنا اخباری نام "عبداللہ شاہ قادری" رکھا تھا۔ احادیث متعلقہ کی ایک نئے انداز پر تفسیر کرکے موصوف دکھا رہے تھے کہ پیشگوئی تمثیل و مجاز کے پردہ میں ہوتی ہے چنانچہ حدیث نبوی میں دجال اور یاجوج ماجوج سے مراد اقوام فرنگ ہیں۔ عام علما کو اس تعبیر سے شدید اختلاف تھا۔ مضمون کے شروع میں ایڈیٹوریل تمہید میں اگرچہ یہ لکھ دیا گیا تھا کہ مدیر کو نہ اسکے مطالب سے حرف بحرف اتفاق ہے نہ یہ انداز تحریر ہی زیادہ پسند ہے۔ اس پر جب مضمون کے بیسیوں نمبر نکل چکے تو اپنی ذمہ داری کا احساس زیادہ ہوا۔ اور اگست ۲۸ء سے دسمبر ۲۹ء تک پورے ڈیڑھ سال کے کل پرچے مولانا کی خدمت میں تنقید کے لیے ارسال کیے ـــ خط تنہا اس پبلک معاملہ کے لیے کیوں جاتا، دو تین باتیں ذاتی بھی عرض کر دیں۔

(بقیہ صفحہ ۲)

برپا ہو کر رہیگی، اسکا ابھی کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔" (ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ)

احتیاط و تدبیریں لاکھ کر لیجیے، لیکن بہر حال کسی نہ کسی دن تو واذا الجبال سیرت واذا البحار فجرت کی تقدیر ہے تو ہر تدبیر کو شکست کھانا ہی ہے۔

وعظ سائنس کی زبان سے

ٹریونڈرم میں تقریر کے دوران میں ملک کے مشہور و معروف ماہر سائنس، سر سی۔ وی۔ رامن نے کہا کہ ہمارے ملک کی بعض فلمیں بہترین صنعت گری کا نمونہ ہیں، لیکن اخلاقی زہر سے لبریز۔ امریکی فلموں میں ۸۰ فی صدی کا تعلق جرائم، جنسی معاملات، عاشقی اور جنگ سے ہوتا ہے۔ اور جنسی معاملات میں مرد و عورت کا کا بے تکا ہی تعلق شامل ہے۔ ہندوستان کی فلم ساز کمپنیوں کو امریکہ کی نقالی سے بچنا چاہیے۔" (لیڈر، ۱۱ نومبر ۴۵ء)

سر سی۔ وی۔ رامن فن طبیعیات کے ماہر ترین سہی، لیکن "آرٹ" کے ذوق سے کچھ کورے ہی نظر آتے ہیں۔ امریکہ کی نقالی سے اور شہوانی فلموں سے ہندوستانی صنعت فلم سازی اگر آزاد ہوگئی، تو پھر سینما میں کشش ہی کیا باقی رہی، اور کیسے کئی لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ذریعہ ہی کیا رہ گیا؟

یسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

ہماری زبان

ڈاکٹر تاراچند کی صدارتی تقریر۔ ترقی پسند کانفرنس حیدرآباد دکن میں

ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اور اسکے مسائل بھی بہت پیچیدہ ہیں لیکن انکو حل کرنا ہمارا فرض۔ اور اگر ہم نے اس فرض کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا تو مجھے یقین ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ہم ایک نیا باب کھولینگے۔ زبان کا مسئلہ بھی بہت پیچیدہ مسائل میں شمار ہوتا ہے۔ سامنے اس وقت آیا جب ایک قومیت اور ایک سلطنت کا خیال پیدا ہوا۔ اور کل ہند زبان کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پہلے بنگال والوں نے بنگال والوں نے بنگالی کے لیے قومی زبان ہونے کا دعوے کیا۔ واب ہندی والے اور اردو والے الگ الگ ایسے ہی دعوے کر رہے ہیں۔ بعض لوگ اس ایک زبان کی ضرورت ہی کو فضول قرار دیتے ہیں اور اسکی مثال پیش کرتے ہیں کہ ایک سے زائد زبانیں ہونے میں کوئی ہرج نہیں ہے، مگر ایک سے زیادہ زبانیں کل ہند زبانیں نہیں ہو سکتیں۔ اس مثال پر عمل کرکے ہمیں اپنے یہاں ہر علاقہ کی صوبائی زبان کو ترقی ضرور دینی چاہیے۔ لیکن ایک زبان صوبائی بھی ہونی چاہیے۔ جیسے کہ روس میں روسی زبانیں تین ہیں۔ امریکہ میں چودہ زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن انگریزی زبان سب سے زیادہ عام ہے گر ایک سے زیادہ زبانوں کو اعلیٰ تعلیم کی زبان بنایا گیا تو ایک اور سوال یہ پیدا ہوگا کہ جہاں قریب قریب ایک ہی زبانیں بولی جاتی ہیں مثلاً شمالی ہندوستان کے مشرقی حصہ میں پچھمی ہندی اور پنجابی وغیرہ بولی جاتی ہیں وہاں اعلیٰ تعلیم کی زبان کیا ہوگی۔ یو۔پی میں انٹرمیڈیٹ کے طلبہ اردو ہندی میں امتحان کے پرچوں کے جواب لکھ سکتے ہیں۔ مگر یونیورسٹی کی "تعلیم" کے متعلق کئی سال سے بحث جاری ہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی ہے کہ تحقیق کے لیے کونسی زبان اختیار کی جائے۔ تحقیق کرنیوالے کو ایسی ہی کئی زبانیں سیکھنا پڑتی ہیں۔ اس پر مزید بار ڈالنا نامناسب ہوگا۔ اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام ہند کی زبان مقرر کر دی جائے۔

تاریخ سے پتہ ملتا ہے کہ ہندی اور اردو دونوں ایک ہی بولی کی ترقی شدہ صورتیں ہیں۔ یو پی میں کھڑی بولی کہلاتی ہے جو دہلی اور اسکے آس پاس کے علاقوں میں بارھویں صدی سے آج تک بولی جاتی رہی ہے۔ اسے پچھمی ہندی کی شاخ کہتے ہیں۔ اور پچھمی ہندی خود پراکرت سے نکلی ہے۔ اسکے چاروں طرف راجستھانی، پنجابی، پوربی ہندی، مشرقی ہندی، مرہٹی اور گجراتی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت یہ سب موجود تھیں۔ بارھویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک ان میں ترقی ہوئی اور یہ ادبی زبانیں بن گئیں۔

جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور دہلی کے آس پاس رہے اس علاقہ پر جسے پراکرت کہتے تھے اور آریائی کھڑی بولی میں تبدیلیاں ہو گئیں۔ یہ تبدیلیاں محض ظاہری اور صرف اُن لوگوں کی ہوئی تھیں جو شمشیر لے کر آئے تھے بلکہ یہ بہت گہری اور اُن لوگوں کی پیدا کی ہوئی تھیں جو ہندوستان کی ذہنیت میں تبدیلی کرنا چاہتے تھے مثلاً خواجہ معین الدین چشتی اور دوسرے صوفی فقیر۔ انھوں نے ہندوستان کی ذہنیت پر گہرا اثر ڈالا۔ اور میں مسلمان ہوتا تو اس پر فخر کرتا۔ اس تبدیلی کا اثر آج میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کے آنے کے بعد ایک نئی زبان بننے لگی۔ یہ شروع میں محض بول چال کی زبان تھی۔ چودھویں صدی تک اس میں کوئی ادبی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ پھر جب مسلمان دکن گئے تو وہاں کے لوگوں کو اصول زندگی سکھلانے کے لیے انھیں ایک زبان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پہلے پہل کھڑی بولی میں ادب کہا جانے لگا اور پندرہویں صدی سے اٹھارویں صدی تک دکن میں یہ زبان خوب پھلی پھولی۔ گر زبان کو پھیلانے والے حکمراں نہیں بلکہ وہ لوگ تھے جو عام لوگوں کی ذہنیت پر اثر ڈالنا چاہتے تھے اس زبان کا بیشتر حصہ بگڑے الفاظ پر مشتمل ہے۔

اس زمانہ میں شمالی ہند میں مذہبی تحریکیں اٹھیں اور کرشن بھگتی کا چرچا ہوا۔ اسکے ساتھ اس خطہ کی بولی یعنی برج بھاشا نے ادبی صورت اختیار کرلی۔ اس میں سورداس نے سب سے پہلے لکھا۔ اور یہ زبان پچھمی ہندی کی شاخ کھڑی بولی سے بڑی مشابہت رکھتی ہے یہ پوربی ہندوستان تھا ہندوستان میں کبیر داس کا زمانہ تھا۔ جس کی نسبت ابھی تک تحقیق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہندو تھے یا مسلمان۔ انھوں نے اردو ہی زبان میں دوہے لکھے اور اسی زبان میں جائسی نے سب سے پہلے کتاب لکھی۔ جب سترہویں صدی عیسوی میں تلسی داس نے قنوجی کے طرز پر رامائن لکھ کر اردو ہی زبان میں سنسکرت کے نامانوس الفاظ بھر دیے۔ اور اسی طرح جب اٹھارویں صدی میں برج بھاشا پر سنسکرت کا اثر غالب آنے لگا تو زبان کی ترقی رک گئی اور تنزل شروع ہو گیا۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ انھیں بھی مقامی زبان جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ کلکتہ فورٹ ولیم کالج میں انگریز افسروں کو سنسکرت، فارسی، عربی اور اردو کی تعلیم دی جانے لگی۔ مگر اس فہرست میں ہندی کا نام کہیں نہیں ہے۔ لیکن جب انگریز حکمراں اور مورخین نے دیکھا کہ مسلمان انکے مخالف ہیں اس لیے ہندوؤں کو اپنی طرف ملانے اور عیسائی بنانے کے لیے انھوں نے ہندو استادوں سے اردو زبان میں سے فارسی اور عربی الفاظ نکلوا کر سنسکرت کے الفاظ لکھوائے۔ اسکا نام انھوں نے ہندی تجویز کیا تاکہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں۔ یہ تفریق ۱۸۰۰ء سے شروع ہوئی۔ لیکن شروع میں ہندی زبان میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ ۱۸۵۰ء تک اس ہندی میں بہت کم کتابیں ملتی ہیں اگرچہ اردو کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد

(باقی)

تصوف اور اسلام

(از: جناب بدرالدین صاحب بی اے، کلکتہ)

پہلے مجھکو ایک گزارش کہہ لینے دیجیے۔ موجودہ رسم کے لحاظ سے مجھے آپ کو مولانا کے لفظ سے مخاطب کرنا چاہیے تھا، مگر میں اصولاً پیغمبر اسلام کے سوا کسی شخص کو اس خطاب سے نہیں پکارتا۔ اور کم از کم تبع تابعین کے زمانہ تک جسکے اندر بڑے بڑے جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں، غالباً کوئی عالم اس خطاب سے نہیں پکارا گیا[1]۔ معنی کی رو سے بھی سرور کائنات کی ذات بابرکات ہی اس خطاب کے لیے موزوں ہے۔ میرے خیال میں ایک عالم کے لیے مولوی یا زیادہ سے زائد علامہ کا خطاب کافی ہونا چاہیے مجتہدین اور مشائخ طریقت کو امام اور شیخ کہیے۔ یہ تو ایک بڑی سخت بد مذاقی قوم میں پھیل گئی ہے، لوگ عموماً بغیر مولانا کہلائے خوش نہیں ہوتے۔ مگر مثل مشہور ہے کہ "اونٹ رے اونٹ تری کونسی کل سیدھی" قوم (ظاہر ہے کہ میں خود بھی اس میں شامل ہوں) کے کن کن معائب پر آج رو دیا جائے "پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد"

قوم کا آج یہ حال ہے کہ ملک کے ہر اس شہر، قصبہ، یا گاؤں کو جہاں کسی "ولی اللہ" کی قبر ہو، شریف کے خطاب سے ممتاز کرنے کو عبادت تصور کرنے لگی ہے۔ میں بجز مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ اور بیت المقدس کے کسی مقام کو شریف کے نام سے نہیں پکارتا۔ خواہ اجمیر ہو یا سرہند۔ حالانکہ مجھ کو ان بزرگوں سے اتنی عقیدت ہے کہ یہ گمان رکھتا ہوں کہ اگر نبوت کا سلسلہ سرور کائنات پر ختم نہ ہو جاتا تو انبیاء غالباً ان ہی بزرگ ہستیوں میں سے پیدا ہوتے۔

برادر عزیز (جس مسلمان نے اللہ اور اسکے رسول کی محبت سے دین کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے وہ واقعی ایک عزیز بھائی ہے) اسوقت در اصل جس موضوع پر آپ کو خط لکھنا چاہتا ہوں وہ تصوف اسلام سے متعلق ہے۔ اس پر آپ کی ایک تصنیف ہے جو میں نے پڑھی ہے۔ اس کتاب کے آخری حصہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بھی یہی خیال ہے جو ایک قرن سے مسلمانوں میں رائج ہے کہ روحانی تعلیم ایک خاص جماعت (جو شیوخ طریقت کے نام سے مشہور ہے) کے توسل ہی سے (بصورت پیری و مریدی) حاصل کی جا سکتی ہے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے اور اسکی وجوہات یہ ہیں،

قرآن اور حدیث میں اسکا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ سرور کائنات کے زمانہ اور نہ خلفائے راشدین کے عہدوں میں اس قسم کے سلسلۂ تعلیم کا وجود تھا۔ سلف کے مسلمان ظاہری اور باطنی تعلیم ائمۂ عصر کی مجلسوں میں حاصل کرتے تھے۔ ایک مسلمان کو روحانی علم تو بس اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اعمال کو خداوند تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق بنا لے اور عبادت و ریاضت کو اپنے اوپر لازم کر لے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مشائخ طریقت نے سلوک و ریاضت کے خاص خاص طریقے ایجاد کیے ہیں۔ جیسے جسمانی ورزش کے مختلف طریقے بنوع کشتی، قواعد، ڈنڈ، وغیرہ ماہران ورزش نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ اگرچہ طرق کے سلسلوں کے موجد بذات خود عالم تھے اور انکی نیت اچھی تھی اور ایک مدت تک انکی تعلیم بہت سے لوگوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی ہوگی مگر بعد میں اس سلسلۂ تعلیم سے جو مہلک نتائج پیدا ہوتے گئے ہیں انکو مدنظر رکھتے ہوئے آج علماء کو چاہیے کہ اس پیری مریدی کی بدعت کو قطعاً حرام کر دیں۔ اس بدعت نے توحید کا جو اسلام کی روح ہے خاتمہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ کی بات دوسری تھی آپ کا ہر حکم خدا کے حکم کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ ہر تعلیم دین و دنیا کی فلاح کی بنیاد ہوتی تھی۔ لہذا آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنا عین عبادت تھی۔ رسول اللہ کے بعد جو بیعت کی جاتی تھی وہ صرف خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر سیاسی وفاداری کی کی جاتی تھی۔ بھلا پیروں کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے کیا معنی؟ عارفین تو خود کو سب سے زیادہ گنہگار تصور کرتے ہیں۔ بعض تو ایسے گزرے ہیں کہ انکو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ انکی قوم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے کہیں انکے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے نہ ہوتی ہو؟ ایسے بزرگوں کو کبھی یہ نہ سوجھی کہ وہ سب مسلمانوں کو اپنے سامنے پالتی کی جانب بٹھا کر انکو "توجہ" دیں یعنی اپنے قلب کا انکے قلوب پر اثر ڈالیں! میں بہرکیف عرض کر چکا ہوں کہ بانیان سلسلۂ طریقت نہایت بزرگ ہستیاں تھیں مگر اسکے معنی نہیں کہ ان کا ہر فعل اور طریقہ سند سمجھا جائے۔ خداوند تعالیٰ کی عادت کے خلاف ہے کہ کسی ایک شخص کو ہر فن میں کامل علم عطا کرے۔ لہذا کسی بڑے سے بڑے عالم کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی کل رائیں صائب صحیح اور غلطی سے مبرا ہیں، غلط ہے۔ بدعتوں (گو بعض کو حسنہ کی نوعیت دی گئی ہے) کی ترویج یوں ہی ہوتی ہے کہ ہر ابتداء میں کسی بزرگ نے کوئی اجتہادی غلطی کی اور اسکے بعد انکے پیرو انکو خطاؤں سے مبرا سمجھ کر آنکھ بند کیے ہوئے انکے قول و فعل پر عملدرآمد ہوتے گئے۔ یہی حال تصوف کا ہوا ہے کہ آج پیری و مریدی کے سلسلہ کو روحانی تعلیم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے۔ اور بعض مشائخ نے تو قرآن کریم کی ایک آیت کے معنی کو کھینچ تان کر پیری مریدی کو قرآن سے ثابت کرنے تک کی کوشش کی ہے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اس نام نہاد تصوف اور پیری مریدی کی رسم سے دین و ملت میں کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں،

---

[1] لیکن اسوقت تک تو یہ آجکل کے اصطلاحی القاب تھے ہی بہت کم۔ "مولانا" کا لقب ادھر معاصر و آج سے ۳۰ سال قبل تک "بڑے عالم" کے مرادف تھا۔ جس طرح "مولوی" مجموعی علم کے لیے۔ مذاق بگاڑ کرنے جا رہے "مولانا" ظفر علی خاں صاحب کا، کرم فرماؤں [illegible] زمانہ کے مشہور و کثیر الاشاعت روزنامہ زمیندار کے ذریعہ سے پہلے پہل اسکا استعمال ایک خالص مغربی قسم کے اہل قلم رائٹ آنریبل سید امیر علی کے لیے کیا اور اسکے بعد سے بلا تخصیص ہر صاحب ہر قومی کارکن کے لیے چل پڑا۔ اب زبان و محاورہ کے اعتبار سے بھی اب اسکے استعمال کو محدود کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ (صدق)

(۱) پیر کے لیے عالم ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے علم کا حامل سمجھا جاتا ہے جو جماعت صوفیہ کے عقیدہ کی رو سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاہل پیر مریدوں کو ایسے ایسے عقائد اور اعمال کی تعلیم دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف اور اکثر مشرکانہ ہوتے ہیں مریدوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور۔ علما کی تعلیم کو یہ کہکر بیکار کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرات غیر مقلد اور وہابی ہیں حالانکہ سرور کائنات نے یہ فرمایا ہے کہ عالم کی عابد پر اتنی فضیلت ہے جتنی مجھکو تم میں سے ادنی شخص پر ہے۔ بیچارے جاہل مریدوں کو اتنی سمجھ کہاں کہ اپنے ان مرشدوں سے پوچھیں کہ جن ائمہ کے آپ مقلد ہیں انمیں سے کس نے کہا ہے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں ہیں۔

(۲) مرید اپنے پیروں کو مقدس سمجھتے ہیں اکثر تو انکی پرستش تصور کرتے ہیں۔ اس گندے عقیدہ کے نتائج پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں صوبہ سندھ کی حر جماعت کی تاریخ شاہد ہے

(۳) چونکہ پیر کو مقرب بارگاہ ایزدی سمجھا جاتا ہے۔ مرید خدا کے ساتھ اپنے تعلقات درست کرنے کی پروا نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ کوئی مصیبت ان پر نازل ہوگی تو مرشد کی توجہ سے وہ ٹل جائے گی

(۴) سلوک و طریقت کی آڑ میں قرآن اور احادیث کی تعلیمات پس پشت ڈال دی جاتی ہیں بلکہ نعوذ باللہ مشائخ کے مکتوبات و ملفوظات کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے بڑھ کر اہمیت دی جاتی ہے۔ انکے کلام کا زیادہ سے زیادہ احترام کیا گیا تو یہ کہدیا کہ ع

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی [1]

ذرا اس بدتمیزی کو ملاحظہ فرمائیے! جس قرآن کی عظمت کا خداوند تعالے نے یہ کہکر اظہار فرمایا ہے کہ اگر میں اسے پہاڑ پر اتارتا تو خدا کے خوف سے پہاڑ شق ہو جاتا، اسکو ایک انسان کی لکھی ہوئی کتاب سے نسبت دی جاتی ہے یہ کہا کہ یہ تو قرآن ہے، صرف یہ فرق ہے کہ بجائے عربی کے فارسی میں ہے۔ "بازی بازی با ریش بابا ہم بازی!" اس بدتمیزی کے شعر سے میرے دل کو جو صدمہ پہنچا کرتا تھا وہ خدا بھلا کرے اس شخص کا جس نے یہ شعر کہا ہے ع

این حدیث از صوفیان شوم نیست مثنوی مولوی روم نیست

کہ اسکے اس شعر سے ایک حد تک جاتا رہا [2] اور میں خدا کا شکر بجا لایا کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو مولوی روم کی پرستش نہیں کرتے۔

---

[1] شعر کو لفظی معنی میں لیکر مومن کے دل کو صدمہ پہنچنا بالکل درست ہے، لیکن شاعر کی بھی یہ مراد یقیناً نہ ہوگی۔ مبالغہ شعری خود ایک مستقل فتنہ ہے سے متعلقہ ہے اور اسکی سند جواز [illegible]

[2] اگر آپ کے علم میں اس شعر کا موقع و محل اور اس شاعر کا نام ہوتا تو غالباً آپ [illegible] خوش نہ ہوتے۔ (صدق)

عارفین حق جو علم و عمل کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں انکو بیشک بڑے بڑے روحانی کمالات حاصل ہوتے ہیں مگر اول تو ان کمالات کی دوسروں کو خبر نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بالکل سچ کہا ہے کہ "کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد"۔ دوسرے یہ کمالات اس قسم کے نہیں ہوتے جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، مثلاً کسی پر ایک نظر ڈالی تو اسکو شیطان سے ولی بنا دیا یا جلا کر بھسم کر دیا۔ ایسے کمالات تو کسی نبی یا رسول کو بھی عطا نہیں ہوئے تھے۔ صدیقین تک تو سب کے سب اپنی عاقبت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہا کرتے تھے۔ بھلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مشائخ طریقت میں سے بزرگی اور کمالات اور کرامات کا کون مستحق ہوگا۔ مگر آپ کے خوف عقبیٰ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے روز خداوند تعالیٰ فرمائے کہ میں بجز ایک بندے کے سب کو جنت میں داخل کر دونگا، تو مجھے گمان ہوگا کہ وہ بندہ شاید میں ہوں۔ اسی طرح اپنی حالت رجا کا بھی اظہار فرمایا۔ سبحان اللہ۔ یہ ہے خداوند تعالیٰ کی بے نیازی اور اسکے جبروت اور ہیبت کا سچا تصور۔

مشائخ طریقت کی جتنی کرامات عام طور سے کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں تقریباً سب کے سب لغو اور بے بنیاد ہیں جو انکے خلفا اور اولاد نے انکی وفات کے بعد مشہور کر دیے تھے۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آخر اس قسم کی کرامات کیوں نہیں مشہور ہیں؟ اس لیے کہ انحضرات نے پیری مریدی کا سلسلہ قائم نہیں کیا تھا اور نہ خلفا اور مریدوں کی کوئی جماعت خاص چھوڑ گئے تھے، انکے خلفا تو بس انکے شاگرد ہوا کرتے تھے جو خود بھی سچے مومن اور پابند دین متین ہوتے تھے اور حضور سرور کائنات کے قول کے بموجب انبیاء بنی اسرائیل کا درجہ رکھتے ہونگے۔

برادر عزیز۔ میں نے اس طویل تحریر سے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا، مگر اس امید پر ایسا کیا ہے کہ اگر آپ کو میرے خیالات سے اتفاق ہوگا تو آپ اس ضمن میں قوم کی اصلاح کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ میں نہ عالم ہوں اور نہ میرے پاس سردست اتنا وقت ہے کہ باقاعدہ کوئی دینی خدمت کر سکوں۔

خط کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ آپ کے علم و فضل میں روزافزوں اضافہ فرمائے اور جو سب سے بڑی بات ہے علم کے ساتھ ہی ساتھ حکمت جسکا ذکر اللہ جل شانہ نے اکثر اپنے کلام میں علم و الحکمۃ کے ارشاد سے فرمایا ہے عطا فرمائے۔ علم تو انسان کسب سے حاصل کر لیتا ہے مگر حکمت رب العالمین کا ایک خاص عطیہ ہے اور

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صدق۔ مخلص مکتوب نگار کا جذبہ ایمانی قابل قدر ہے، اور انکا مکتوب اصلاً صحیح۔ لیکن جوش اصلاح میں وہ ذرا دوسرے

سرے پر پہونچے جا رہے ہیں۔ شریعت و طریقت میں حقیقۃً کوئی شائبہ تضاد و تناقض ہی نہیں۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے متمم و مکمل ہیں اور جتنے عارفین و کاملین آج تک ہوئے ہیں، وہ مستند یا متبحر عالم ہوں یا نہ ہوں، ہر حال سب کے سب مغز شریعت کے حامل ہوئے ہیں۔

خوش عقیدہ معتقدین نے بے شک تصوف بڑے غلو سے کام لیا ہے، اب بھی کام لے رہے ہیں، لیکن انکی زیادتیوں سے مشتعل ہوکر اصل نظام طریقت کی تردید و تغلیط بھی دوسری انتہا ہے ———

کپڑے کو دھبہ لگ گیا ہے تو داغ دھبہ میل کچیل دور ہو جائیں نہ یہ کہ خود کپڑا ہی تشریف لیجائے۔ خذ ما صفا و دع ما کدر بڑا حکیمانہ مقولہ ہے۔ یہ قرآن مجید کی زبان میں تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اصل صوفیہ تو توحید کے پتلے ہوئے ہیں۔ کمال کے ساتھ حال میں بھی عبد کامل بننے والے۔

مراسلہ

مخلص مخدومی! تسلیم و آداب

صدق نمبر ۵ ابھی ملا ہے۔ مضمون "نفسیاتی علاج" پیش نظر ہے۔ اس پر آپ کا نوٹ پڑھ کر جو مجھے کسقدر مسرت حاصل ہوئی۔ آپ کے اس نیاز مند نے اس سلسلہ میں جو خیالات قائم کر رکھے تھے، آں محترم نے گویا انکی تائید فرما دی۔ تردد سے استحکام کی جانب کئی منزلیں یک لخت طے ہو گئیں۔

فاضل مراسلہ نگار پر ان الفاظ "وسوسہ، شیطانی وسوسہ وغیرہ" میں جو حکمت پوشیدہ ہے اور انکی جو اہمیت ہے، معلوم ہوتا ہے پوری طرح واضح نہیں ہے۔ یہ طرز تعبیر بلکہ زیادہ معقول نظر آنے لگتی ہے۔ پھر اس کے سہل الفہم ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہونا چاہیے! میرے ذہن میں مجملاً یہ خیال آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جا رہا ہے کہ اس قسم کی بیماریوں کا علاج اس دنیا میں مذہب اور فقط مذہب ہی کے پاس ہے۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ورنہ بیان کرکے آپ سے تصحیح چاہتا۔ خیر۔

مراسلہ نگار صاحب جس خود اعتمادی کا ذکر فرما رہے ہیں وہ تو میرے خیال میں اعتماد علی اللہ کا لازمی اور ضمنی نتیجہ ہے اور بہ لحاظ افادیت شاید اسکے براہ راست حصول سے کہیں زیادہ بہتر۔ واللہ اعلم۔

مریض کو غیر ضروری الجھاؤ سے بچانے کے علاوہ مصطلحات کا استعمال اسوقت بھی مناسب نہیں ہے جبکہ آپ کسی رائج الوقت نظریہ سے ذرہ برابر بھی ہٹ کر کوئی بات کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن اگر کوئی اصطلاح آپ کے خیالات اور آپ کے نقطہ نظر کا پورا ساتھ دے رہی ہو تو پھر اسکا استعمال بعضوں کے لیے یقیناً مفید بھی ہے۔ ایسے موقعوں پر ان سے یکسر اجتناب برتنا بھی میرے خیال میں مناسب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ کبھی کبھی انکا استعمال تو بہر حال ہو جاتا ہی بہتر ہے واللہ اعلم

اہل خانقاہ کی تسبیح و تہلیل پر استہزا کرنے والے انکے بعض تبلیغات

واجبولدات پر اظہار ناگواری کرنے والے، پتہ نہیں یہ آپ اور خیر کیسے آئی ہوئی اس اصطلاح (خودنگری) سے متعلق کیا ارشاد ہے؟

والسلام — خاکسار شفقت [illegible] از بستی دانشمنداں

صدق - جدید اصطلاحات کے عمومی استعمال میں [illegible] کا پہلو مصالح پر بھاری ہے۔ ورنہ استثنائی خاص خاص موقعوں پر انکے استعمال سے انکار بھی نہیں۔

بقیہ صفحہ ۵

انگریزوں نے مسلمانوں کو قطعی طور سے باغی مان لیا اور انہیں دبانے کی زوردار کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ بہار اور اڑیسہ کے گورنر کیمبل نے ہندوؤں سے کہا کہ تم اردو کیوں بولتے ہو۔ یہ تو دہلی کی طوائفوں کی زبان ہے۔ انگریز افسروں نے گرامر اور ڈکشنریاں لکھ کر ہندوؤں کو دکھایا کہ اردو کوئی زبان نہیں ہے۔ اور اصل میں مقامی زبانیں سب کچھ ہیں۔

یہ حکمت عملی ۱۸۵۷ء سے ۱۸۷۷ء تک جاری رہی۔ مسلمانوں کی تحریکیں بھی میتی ہیں۔ اس اثنا میں لارڈ میکالے ... اور دوسرے انگریزوں نے جن میں ہنٹر کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، یہ کہنا شروع کیا کہ مسلمانوں کی تالیف قلب کی ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ ہندو کچھ کچھ سر ابھار رہے تھے۔ مسلمانوں میں سرسید احمد خاں کی تحریک شروع ہونے کا زمانہ بھی یہی تھا۔ لیکن انکی تحریک میں ہندو بھی شریک تھے۔ چنانچہ علیگڑھ کالج کے لیے ہندوؤں نے بھی چندہ دیا۔ لیکن جب غازی پور سے یہ آواز بلند کی گئی کہ ہندوؤں کی زبان ہندی ہے اردو نہیں، تو سرسید کی ذہنیت بدلنے لگی۔ انگریز افسروں میں سے کچھ نے سرسید کا ساتھ دیا اور کچھ ہندوؤں کی طرف آگئے۔ اس طرح ۱۸۸۸ء سے ہندی کی ترقی شروع ہوئی۔ اور آج یہ حال ہے کہ تھوڑے دنوں میں اردو بولنے اور لکھنے والے ہندو ملنا بھی دشوار ہو جائیگا۔ دہلی جیسے شہر میں بیشتر ہندو لڑکے لڑکیاں اردو کے بجائے ہندی پڑھ رہے ہیں۔ میری اپنی ذات کے لوگوں یعنی کایستھوں کا بھی جو اردو سے بہت ربط رکھتے تھے یہی حال ہے۔ اردو اور ہندی دونوں آج قومی اور ملکی زبان ہونے کا دعوے کر رہی ہیں اور زبان کے مسئلہ پر فرقہ واری رنگ چڑھ رہا ہے۔ (پیام)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ماہ دسمبر ۱۹۵۲ء میں تمام ہو رہی ہے براہ عنایت اپنا چندہ، سال آئندہ کے لیے، قریبی فرصت میں بھیجدیں۔ تاکہ وہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں دفتر کو وصول ہو جائے اور پرچہ بروقت روانہ کیا جائے۔

خریدار نمبر ۹۳ — ۴۱۹ — ۵۹۱ — ۱۱۳۷ — ۱۲۰۳
۱۲۰۶ — ۱۲۱۰ — ۱۲۱۱ — ۱۲۴۴ — ۱۵۴۰
۱۵۴۵ — ۱۵۷۸ — ۱۶۳۹

مہتمم صدق لکھنؤ

سورہ بقرہ رکوع ۲۵

(از عبد الماجد)

(بسلسلہ صدق بابت ۔۔۔)

الحج اشہر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ وتزودوا فان خیر الزاد التقوٰی واتقون یا اولی الالباب ۔

ایام حج ۔۔۔ بہ چند مہینے معلوم ہیں، جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج فرض کر لے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا، اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے، اللہ کو اس کا علم ہو کر رہیگا، اور زاد راہ لے لیا کرو اور بہترین زاد راہ تو تقویٰ ہے۔ سو اے اہل فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کیے رہو

(۱) چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں، اس لیے قرآن کو ان کی تصریح کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور وہ تین مہینے شوال ذی قعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکان حج تو ذی الحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرام حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتا ہے۔

احرام اُس خاص پوشش کا نام ہے جو حدود حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہو جاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہییں۔

حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جا سکتا ہے، گو قبل شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں، احرام رکن حج نہیں، صرف شرط حج ہے، جیسے وضو رکن نماز نہیں، صرف شرط نماز ہے۔

امام شافعی کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے یہ اس لیے کہ شافعیؒ کے نزدیک احرام رکن حج ہے، اور کسی رکن حج کی ادائی قبل موسم حج درست نہیں

الحج۔ روزانہ پنج وقتہ نماز با جماعت، ہفتہ بھر کے روزوں، اور مال کے ۔۔۔ حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حج بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے اور "مستشرقین" کے رعب افگن نام سے فرنگی اہل علم و اہل قلم کا جو طبقہ ہے اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بارہا کیا ہے اور اسے اکثر "عالم اسلامی کی سالانہ کانگرس" سے تعبیر کیا ہے۔

فمن فرض فیھن الحج۔ یعنی موسم حج میں اس نے حج کی نیت کر لے، اور اسے اپنے اوپر واجب کر لے۔

اے اوجبہ علی نفسہ (ابن قتیبہ) فمن الزمہ نفسہ (کشاف) الفرض اصلہ وجوب الشئی (ابن قتیبہ)

لیکن اپنے اوپر واجب کر لینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے؟ بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کر لینا کافی ہے، لیکن حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اسکی علامت پوشش احرام کو قرار دیا ہے

۔۔۔ الفرض الاحرام (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) فرض الحج الاحرام (ابن جریر۔ عن عطاء و طاؤس) ولزم علی نفسہ بالاحرام (مدارک) قال ابن عباسؓ

وعلیہ الحسن و ۔۔۔ فمن احرم (جصاص)

بلکہ کل سارے اپنے مہینے کو عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رکھو) ایام صوم کی طرح ایام حج کو بھی اعمال خیر کے ساتھ مناسبت خاص ۔۔۔ اور جو چیزیں حرام ہیں وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو اور جائز و مباح ہیں، اُن میں بھی بہت سی چیزیں سے زمانہ صیام کی طرح حالت احرام میں دست بردار ہونا چاہیے۔

جملہ صورۃً خبریہ ہے، لیکن معنی نہی کا ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ یعنی ان سب امور سے ممانعت کا قطعی حکم ہو رہا ہے۔ لفظ النفی عنہا لان النھی عنہ ببیلہ ان یکون منتفیا غیر مفعول (جصاص) نفی الثلاثۃ علی قصد النھی مبالغۃ (بیضاوی)

فی الحج۔ یعنی اس زمانہ حج میں، حالت احرام میں۔

ای وقتہ ولا فی موضعہ (قرطبی) اے فی ایامہ (روح)

فلا رفث۔ رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔

الرفث کلام متضمن لما یستقبح ذکرہ من ذکر الجماع ودواعیہ (راغب) الرفث کلمۃ جامعۃ لما یریدہ الرجل من اہلہ (قرطبی) وقال قوم الرفث الافحاش بذکر النساء وکان ذلک بحضرتھن ام لا (قرطبی)

یہاں مراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے صحت کے ساتھ دواعی و مبادی جماع و شہوت کو اسکے تحت میں شامل کیا ہے۔

قال ابن عمر و طاؤس وغیرہم الرفث للمرأۃ بالکلام (قرطبی)۔ قال ابن عباس ہو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث العرابۃ والتعریض للنساء بالجماع (ابن جریر۔ عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع وما دونہ من قول الفحش (ابن جریر) الجماع ودواعیہ محظورۃ علی المحرم (جصاص) وقال الحسن المراد من کل ما یتعلق بالجماع (کبیر)

اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، یہ اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارۃً و کنایۃً بھی اس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیرتھ یاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جنکی گرم بازاری بھی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے! اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکان حج تک میں فحش داخل تھا!

ولا فسوق۔ اسکے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آگئی۔

قال بعضہم الفسوق ہی المعاصی کلہا (ابن جریر۔ عن محمد بن کعب) (قرطبی)

چند تاریخی حقائق

(از علامہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

عبد الملک جس قسم کا بادشاہ تھا معلوم ہے۔ دو تین دن ہوئے ایک کتاب میں اس واقعہ پر نظر پڑی۔ ابتداءً اسلامی دار الضرب کی بنیاد کیسے قائم ہوئی اس قصہ کو بیان کرتے مصنف نے لکھا ہے، اصل قصہ بڑا طویل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مصر میں جو کاغذ بنتا تھا اُس پر رومی حروف میں کچھ لکھا جاتا تھا۔ عبد الملک نے کسی سے اسکو پڑھوایا تو معلوم ہوا کہ باپ، بیٹا، روح القدس کا نام رموز میں لکھا جاتا ہے۔ یہ معلوم کر کے عبد الملک نے فرمان صادر کیا، آئندہ کاغذوں پر بجائے اسکے کلمۂ توحید و شہادت کو درج کیا جائے۔ اس کی خبر قسطنطنیہ قیصر تک پہونچی۔ آگ بگولا ہو گیا۔ لیکن تو اس نے کچھ خوشامد اور لجاجت سے کام نکالنا چاہا۔ قیمتی تحفوں کے ساتھ تین دفعہ اس نے عبد الملک کو لکھ بھیجا کہ اس فرمان کی منسوخی کا اعلان کر دیجئے، اور جو کچھ پہلے لکھا جاتا تھا اسی کے لکھنے کی اجازت کاغذ بنانے والوں کو دیجیے۔ لیکن عبد الملک نے تمام تحائف جو لاکھوں روپے کے تھے واپس کر دیے اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ تب قیصر نے دھمکی کی راہ اختیار کی اور لکھ بھیجا کہ تمہارے ممالک محروسہ میں دراہم و دنانیر (روپے اور اشرفیاں) ہمارے یہاں کی ٹکسال سے ڈھل کر جاتے ہیں۔ اگر تم اپنے حکم کو منسوخ نہیں کرو گے، تو میں بھی ٹکسالوں میں حکم جاری کر دیتا ہوں کہ ہر درہم اور دینار پر تمہارے پیغمبر کے نام سب و شتم، گالی اور دشنام کے الفاظ ٹھپے کیے جائیں۔ بس یہی بات عرض کرنے کی ہے۔ ابراہیم بیہقی نے کتاب المحاسن والمساوی میں نقل کیا ہے اور میں زکی مبارک پاشا کی کتاب علم الدین ... سے نقل کر رہا ہوں۔ یعنی قیصر کا یہ خط جس وقت عبد الملک کو ملا تو لکھا ہے

فصعب علی عبد الملک و غلظ وضاقت به الارض	عبد الملک پر یہ بات بہت گراں گزری اور سخت تکلیف ہوئی زمین اس پر گویا تنگ ہو گئی۔

سننے کا فقرہ اسکے بعد کا ہے جو انہیں مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی پریشانی اور بدحواسی کی حالت میں عبد الملک کی زبان پر بار بار یہ فقرہ جاری تھا

احسبنی اشأم مولود فی الاسلام لانی جنیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں خیال کرتا ہوں کہ اسلام میں مجھ سے زیادہ منحوس اور بدبخت آدمی کوئی پیدا نہیں ہوا، کیونکہ اس کافر کی دشنام دہی

جو مدت دراز تک باقی رہیگی، اس گناہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں میری ہی ہوگا۔ (ص ۵۶۵)

بعد کو پھر خود اسلامی دار الضرب کی تجویز حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے طے کی گئی، اور اسلامی سکے بننے لگے۔

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگلے سلاطین سب بے راہ رو یا زندیق ہی، لیکن ہے کوئی غیر مسلم بادشاہ یا راجہ جو قیصر کی اس دھمکی کے بعد اپنے آپ کو بنی آدم کا منحوس و بدبخت ترین آدمی قرار دینے پر تیار ہوگا؟ مسلمان ہر حال مسلمان ہی رہتا ہے۔ سلاطین نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کتنے چست ہیں، اگر اپنی بخشائش کی آس لگائے ہیں، تو آخر ان بیچاروں کے لیے خدا کی رحمت کیا خدا کی رحمت نہ باقی رہیگی۔ دوسروں پر تنقید کرنے والے کاش تنقید سے پہلے اپنے اعمال کا جائزہ لے لیا کریں تو شاید ان کا قلم اتنا بے لگام نہ ہو۔ اور میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ خلف کو سلف سے لڑانے اور بھڑکانے کا رویہ اس زمانہ میں جو بعض لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، آخر اسکا نفع کیا ہے

مجھے تو کبھی کبھی اس قسم کا خطرہ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے سید ہمارے امیر معاویہ سے لاکھ گریز اور شنہ پھیلائے ہوں۔ لیکن آج اگر یہ مشہور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی لکھنؤ میں تشریف لائے ہیں، وہ امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص جیسے کیوں نہ ہوں، تو اپنی آنکھوں کو متبرک کرنے کے لیے شاید شیعہ بھائی اگر سنیوں سے آگے نہیں تو پیچھے بھی نہ رہیں گے۔

حضرت واعظ نہ دیکھیں گے یہی ہے دیکھنا
سامنے محفل کے اُن کو بے نقاب آنے تو دو

اور عجیب سنئے انکشافات ایران کے متعلق ہوئے

(۱) یعنی ابن حوقل جو چوتھی صدی کا مصنف و مؤرخ و سیاح ہے وہ اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں اپنی چشم دید شہادت یہ نقل کرتا ہے، بجنسہ عربی الفاظ اسکے درج کرتا ہوں۔

واما بیوت نیرانها فما لا تخلوا ناحیة ولا مدینة بفارس الا القلیل من بیوت النیران والمجوس اکثر اهلها (ص ...)	لیکن فارس کے آتشکدے سوا اس ملک کا نہ کوئی ایسا علاقہ ہے نہ شہر جو آتشکدوں سے خالی ہو الا یہ کچھ تھوڑی آبادی (یعنی اس آتشکدے نہیں ہیں) اور فارس

کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ آبادی مجوس (پارسیوں) کی ہے۔

حالانکہ مدت سے ہمیں یہی سنایا جا رہا ہے کہ صحابہ نے ایران پر قبضہ کرتے کے ساتھ ہی پارسیوں کو ایران سے نکال باہر کیا۔ مارے بھاگے لوگ کچھ ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ تو سنایا جا رہا ہے، اور دیکھنے والا یہ دیکھ رہا ہے، کہ ایران کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ آبادی پارسیوں کی ہے۔ اسی وجہ سے بجز چند قلیل کے اسے ہر شہر اور ہر علاقہ میں مجوسیوں کے آتشکدے چوتھی صدی تک نظر آئے۔

(۲) براؤن نے اپنی مشہور تاریخ ادبیات ایران میں ایک مستند مخطوطہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ تبریز میں جب شاہ اسمٰعیل صفوی (بانی خاندان صفویہ جو مغلیہ ہند کے ہمعصر تھے) یہ حکم جاری کیا کہ خطبوں سے خلفائے ثلثہ کا نام نکال دیا جائے۔ تو بادشاہ کے پاس خود علماء شیعہ کا ایک وفد آیا اور اس نے عرض کیا

قربانت شوم دو لیست سی صد هزار خلق که در تبریز ست
آں همه سنی اند و از زمان حضرات تا حال این خطبه را کسے

برملا نتوانند و، می ترسیم کہ مردم گویند پادشاہ شیعہ نمی خواہیم و نعوذ باللہ اگر رعیت برگردد تدارک دریں باب نتواں کرد"

براؤن نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسوقت تک یعنی دسویں صدی ہجری تک جو شاہ اسماعیل صفوی کے اقتدار کا زمانہ ہے، دو ثلث آبادی صرف تبریز کی سنی تھی۔ براؤن ص۵۶

جسکا مطلب یہ ہوا کہ ہزار سال کے قریب قریب تک ایران میں شیعوں سے زیادہ سنیوں کی آبادی تھی اور موجودہ صورت حال بالکل آخر زمانہ کی بات ہے۔ یعنی صفویوں نے جبر و ظلم سے کام لیا۔ خود براؤن نے بھی لکھا ہے، اور ایک یورپین سیاح کی چشم دید گواہی نقل کی ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے جو مظالم ڈھائے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ نیرو (ظالم روم) کے وقت سے لیکر اب تک ایسا جلاد بادشاہ نہ پیدا ہوا ہوگا" (ص۵۳)

بہر حال مجھے شاہ اسماعیل صفوی کے مظالم سے بحث نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایران کے متعلق عام طور پر کہنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ فطرتاً اس میں تشیع کی صلاحیت تھی، اور اسکے اسباب یہ تھے اور وہ تھے، واقعات سے یہ بھی کتنی بعید بات ہے۔

اس سلسلہ میں جناب محقق اعظم براؤن صاحب جنکی ہر بات مستشرقین میں "حجت باللہ" کی حیثیت ارباب استشراق و استغراب[1] کے نزدیک حاصل کیے ہوے ہیں، واقعات بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں ایک مشہور سنی عالم قاضی حسین میبذی کو بھی ترکی دربار کے سفراء کے سامنے شہید کیا گیا۔ ص۹۲

اسکے بعد قاضی صاحب کا تعارف کراتے ہوے داد تحقیق دیتے ہیں کہ آپ ہی کی کتاب "ہدایہ" درس میں داخل ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہدایہ کے مصنف تو علامہ مرغینانی ہیں۔ قاضی حسین میبذی نے البتہ ہدایۃ الحکمت مصنفہ اثیر الدین ابہری کی شرح کی ہے اور "میبذی" ہی کے نام سے وہ درس نظامیہ کے فلسفہ کی کتابوں میں شریک ہے۔ بیچارے کو ہدایت الحکمت کی شرح اور ہدایہ فقہ کی کتاب میں اشتباہ ہوگیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اسی قسم کے خامکاروں پر آج اعتماد کی جو حالت ہے کیا وہ اسکے مستحق ہیں۔؟

امیر شکیب ارسلان نے ابن خلدون کے مقدمہ پر ایک مقدمہ لکھا ہے، دراصل ترکی سلطنت کی تاریخ ہی لکھ ڈالی ہے۔ ایک واقعہ پر سلطان سلیم کے تذکرہ میں اسکا ذکر کرتے ہوے، کہ سلیم نے چاہا تھا کہ جتنے عیسائی ممالک محروسہ ترکی میں آباد ہیں انکو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام قبول کرلیں، یا ملک سے باہر ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایران کو دیکھ کر سلیم کو سارا اسکا خیال آیا ہوگا یہیں ہو رہا تھا کہ جبراً لوگوں کو دین بدلوایا جا رہا تھا۔ لیکن جیسے صفویوں کے مذہب شیعہ نے اسماعیل صفوی کو روکنا چاہا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ بے سود رہا، اسی طرح لکھا ہے کہ سلیم سے اس زمانہ کے مفتی جمال آفندی نے جا کر کہا،

"نہ تمہارے لیے ایسا کرنا جائز ہوگا ہم مسلمان صرف ان دو ہی چیزوں کا جزیہ ادا کر سکتے ہیں، حکومت کی اطاعت (یعنی غداری نہ کریں) دوسرے فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے جزیہ لیں" مفتی صاحب کی بات سلطان نے مان لی اور اپنے ارادہ سے باز آگیا"

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امیر نے لکھا ہے کہ سلطان سلیم کے متعلق یہ قصہ کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے اور زبان زد عام بھی ہے۔ پھر انھوں نے موجودہ احرار ترکوں کے اس طرز عمل کی طرف توجہ دلاتے ہوے کہ عیسائیوں کو یہ جبر ملک سے جو نکالا گیا اسکا الزام جو تو اسلامی پر دھرتے ہوے کہتے ہیں کہ اسلام ہماری حکومت کا مذہب اگر نہ ہوتا تو ملک میں عیسائیوں کو ان دسیسہ کاریوں کا موقعہ نہ ملتا جنکی بدولت ہم آج اس حال تک پہونچے ہیں۔ امیر لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ برسر اقتدار آتے ہی ترکان احرار نے جنگ عظیم کے بعد عام قانون نافذ کردیا کہ "ترکی علاقے سے سارے نصاریٰ نکل جائیں" اسی کا نتیجہ ہے کہ قسطنطنیہ کے سوا اب ترکی علاقہ میں کہیں عیسائی نہیں باقی رہ گئے ہیں۔ کیونکہ لوزان کانفرنس میں دول یورپ قسطنطنیہ کے نکالنے پر عیسائیوں کے متعلق راضی نہیں ہوئی۔ اسکے بدلے میں تراقیہ میں جو یونانیوں کے قبضہ میں تھا، مسلمانوں کو رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

امیر نے ان چیزوں کو نقل کردینے کے بعد کتنی اچھی بات لکھی ہے، کہ واقعات بتا رہے ہیں، کہ سلطنت عثمانی کے زمانہ میں مذہب اسلام ہی نے عیسائیوں کو اسوقت بچا لیا، اور انکی حفاظت کی، جب سلیم کے زمانہ میں انکے ساتھ جب کچھ کیا جاسکتا تھا، لیکن آج یورپ والے اسلام سے ناراض اور دنیا سے اسکے مٹانے کی فکر میں رہتے ہیں حالانکہ اسی اسلام کے ممالک اسلامیہ میں ان عیسائیوں کی تعداد دس ملین کے قریب قریب تھی، تمام انسانی حقوق سے استفادہ کرتے ہوے یہ عیسائی خوشی و خرمی کی زندگی اسلام کے زیر پناہ گذار رہے تھے۔ مگر پھر بھی یورپ والے ترکان احرار کی لا مذہب حکومت پر راضی ہیں حالانکہ ان ہی لوگوں نے عیسائیوں کو انکے وطن سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا وہ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام سے یورپ کے تعصب کی یہ انتہا ہے وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتے ہیں خواہ اسلام انکی حفاظت ہی کیوں نہ کرے اور زوال اسلام پر راضی ہیں خواہ انکا زوال ہی اسلام کے زوال سے کیوں نہ ہو۔ یا للعجب!

(ص۱۷۸ تعلیقات بر ابن خلدون)

---

[1] استغراب، استشراق کے مقابلہ میں لفظ بنایا گیا ہے۔ مغرب کے باشندوں میں مشرقی چیزوں سے دلچسپی لینے والوں کو مستشرق اور انکے طرز عمل کا نام استشراق رکھا گیا ہے، تو مشرق کے باشندوں میں مغربیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو مستغرب اور انکے طریقہ کار کا نام استغراب کیوں نہ رکھا جائے۔ ۱۲ منہ [اس لفظ کے وضع کرنے میں مولانا کو مدیر صدق سے توارد ہوا ہے۔ صدق]

قرآن مجید دنیا کی ہر زبان میں

ایک ضروری مراسلہ

(از مولانا عبدالرحیم صاحب ۔ صاحب تفسیر تعلیم القرآن حیدر گوڑہ ۔ حیدرآباد دکن)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ ایک صاحب خیر اور اسلامی درد بھرا دل اپنے پہلو میں رکھنے والے بزرگ چاہتے ہیں کہ دنیا کی ان تمام اہم زبانوں میں جن میں قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہوا ہے، ترجمہ مرتب اور شائع کریں۔ اور چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اس کام کا نہ صرف آغاز فرما دیں بلکہ اپنی آنکھوں سے اسکو تکمیل شدہ حالت میں دیکھ لیں۔ اور وہ تمہید کی تو فیق کے لیے روزانہ انھوں نے کہا کہ دعا بھی کیا کرتے ہیں۔

لہذا میں انکے ایما پر جناب والا سے درخواست کرتا ہوں کہ اس اہم اور مفید ترین کام کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس خدا پرست بزرگ کو اپنے فضل و کرم سے کافی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اسکو صرف بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے روپے کی کمی نہیں ہے، صرف طریق کار تا کہ جلد سے جلد یہ مقصد پورا ہو سکے۔ اسکے لیے جناب والا کی مفید تجاویز اور بیش بہا رائے کی ضرورت ہے کہ اولاً کن زبانوں میں ترجمہ کیا جائے (۲) (آ) یا صرف ترجمہ کافی ہے یا ضروری تشریحی نوٹ اور تفسیر بھی۔ (ب) بصورت ثانی کن محترم بزرگ کی توضیحات اور تفسیر کا ترجمہ کرایا جائے، یا مترجم ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے (۳) دنیا کی کل زبانوں کی فہرست کہاں سے ملیگی (۴) دنیا کی کتنی زبانوں میں اب تک ترجمہ قرآن مجید ہو چکا ہے اور وہ کہاں سے مل سکتا ہے (۵) جو زبانیں صرف بولی جاتی ہیں اور لکھی پڑھی نہیں جاتیں انکے لیے کیا انتظام کیا جائے۔ (۶) مترجم صاحبان کن کن زبانوں میں ایسے دستیاب ہو سکتے ہیں جو عربی و علوم شریعت کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے پوری طور پر واقف ہوں۔ اس امر کے اطمینان کے لیے کہ وہ مطابق حقیقۃ اور اہل السنۃ والجماعۃ ہی کے عقائد صحیحہ کے موافق اور حالات حاضرہ اور اس زبان کے بولنے والے حضرات کے خیالات و افکار کے لحاظ سے تشفی بخش طریقہ پر تحریر فرمائیگے۔ کیا طریقہ اختیار کیا جائے اگر زبان عربی اور علوم شرعیہ سے واقف نہ ہوں تو کیا اسکا ترجمہ اردو یا انگریزی میں بھی جسکے جاننے والے علما حیدرآباد میں موجود ہیں کرا کے اطمینان کرایا جائے یا ہر زبان کے اچھے ادیب کو عربی اور علوم شرعیہ سے واقف کرایا جائے (۷) اگر ایسی درسگاہ قائم کی جائے تو کن زبانوں میں اولاً ایسے اصحاب تیار کیے جائیں۔ (۸) اس کام کی تکمیل کے لیے وقتاً ضرورت حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کے کن منتخب بزرگوں سے مشورہ لینا مناسب ہے۔ (۹) اس کام کے لیے جناب کے خیال مبارک میں کسقدر رقم اور مدت درکار ہوگی۔

اگرچہ جناب والا کے مشاغل نہایت اہم اور کثیر ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بھی ایک نہایت مفید اور بہترین کام ہے اس لیے میری استدعا ہے کہ از راہ کرم بطور خاص امور مندرجہ بالا پر جو باتیں اسکے لیے ضروری ہیں کم سے کم جناب اپنی اسی فرصت میں مطلع و ممنون فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اجر بے حساب حاصل فرمائیں تو کرم ہوگا۔ اگر بعض امور کے جوابات مکمل نہ مل سکیں تو جسقدر فوری طور پر ممکن ہوں ان سے سرفراز اور ما قبل بقیہ امور سے آگاہ فرمائیں کیونکہ وہ صاحب آج کل شدت کے ساتھ اسکی طرف متوجہ ہیں اور بعجلت ممکنہ خواہاں آغاز و تکمیل ہیں۔

صدق — مراسلہ مدیر صدق کے پاس ذاتی حیثیت سے آیا تھا۔ لیکن مکمل جواب تنہا اسکے بس کا کسی طرح بھی نہ تھا۔ مکتوب کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ واقفکار اور اہل الرائے حضرات اپنے اپنے مشوروں سے مستفید فرمائیں۔

جن چند سوالوں کا جواب بن پڑا، وہ مکتوب نگار کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔

خلاصۂ مراسلات

روحی پردہ

سید قبول احمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر سیتاپور صدق [illegible] میں ایک شائع شدہ مراسلہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) "میں چہرہ ڈھانکنے کو نہ اچھی پردہ ضرور سمجھتا ہوں اور چونکہ عملاً یہ قانون بن گیا ہے لہذا جد و جہد کرکے اسکو توڑنے کا زبردست مؤید ہوں۔ لیکن برقع کے استعمال کو شرعی پردہ کا جزو لازمی سمجھتا ہوں۔"

(۲) اعتراض نمبر ۲ کے سلسلہ میں سید صاحب لکھتے ہیں کہ

"اگر ازواج مطہرات کے پردہ کی کامل تقلید عام عورتوں کے لیے لازمی سمجھی جاتی اور عام طور پر یہ ممکن ہوتی تو خداوند رسول عورتوں کے لیے وجہ و کفین کا استثناء نہ فرماتے"

مدیر صدق کے آخری نوٹ کو درج کرکے سید صاحب لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ چہرہ کھولنے کے سلسلہ میں کہ یہ کہنا کہ بوقت ضرورت کھولا جا سکتا ہے یا بلا ضرورت نہ کھولا جائے، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ان الفاظ کو استعمال کرکے ہم چہرہ کھولنے کی اجازت یا رخصت کو عملاً حرف غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں اور ... پردۂ مروجہ کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی نہیں پڑتی"

صدق :— خلاصہ درج ہو گیا۔ سید صاحب نے اب جو توضیحات کی ہیں اور جن غلط اصول پر انھیں چہرہ کی بے پردگی پر اصرار ہے۔ یہ اگر شروع سے ظاہر ہو گئی ہوتیں تو صدق انکی تائید اور ہمت افزائی ہرگز نہ کرتا۔ چہرہ کا پردہ ضروری نہ ہونا، اور اسکے کھلے رہنے پر اصرار، دونوں میں عظیم الشان فرق ہے۔ کھلے رکھنے کی مصلحتیں

ایک پُر مغز خطبۂ صدارت

(از مولانا عبد الرؤف دانا پوری مدظلہ صدر جمعیۃ علماء اسلام، کلکتہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد - حضرات علماء کرام و حاضرین - آج جس مقصد کے لیے ہم سب جمع ہوئے ہیں وہ بہت اہم ہے اور بعض حیثیت سے یہ اپنی نوعیت کا بالکل نیا مقصد ہے۔

اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ علماء ہند کی ایک جدید آل انڈیا جمعیۃ قائم کی جائے۔ حالانکہ علماء کی ایک آل انڈیا جمعیۃ پہلے سے موجود ہے اور اس میں جناب مولانا سید حسین احمد مدنی اور جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے بلند پایہ علماء شریک ہیں - یہ حضرات مسلم لیگ کے نزدیک بھی دینیات کے مستند اور ماہر علماء میں سے ہیں اور اسی لیے مسلم لیگ نے اس جمعیۃ کی دینی قیادت کو ایک تحریک کے ذریعہ تسلیم کرلیا تھا لیکن باوجود اسکے ایک اہم اجتہادی اور سیاسی مسئلہ میں جمعیۃ مذکورہ نے جو روش اختیار کی ہے وہ مسلم لیگ کے اراکین و علماء کے نزدیک غلط اور مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے لیے بہت نقصان دہ۔ اس روش کی وجہ سے اس جمعیۃ کی طرف سے مسلمانوں میں برابر بے اعتمادی بڑھتی جا رہی ہے، اور اب بہت سخت ناگوار صورت اختیار کر رکھی ہے۔

حضرات علماء، بڑی ضرورت ہے کہ اس سیاسی اختلاف کی نوعیت کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں - اسکے بعد آپ فیصلہ قائم کر سکیں گے کہ آیا محض اس سیاسی اختلاف کی بنا پر علماء کی دوسری جمعیۃ قائم کرنا مناسب ہے یا نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ اپنی نوعیت کا نیا مقصد ہے علماء کا مذہبی نئی چیز نہیں ہے نہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے علماء کا فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جانا نئی چیز ہے۔ مگر سیاسی خیال کی بنا پر علماء کا فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جانا یا صرف سیاسی اغراض کے لیے دو جمعیتیں بنانا بلاشبہ نئی چیز ہوگی۔

آپ حضرات واقف ہیں کہ ہندوستان کے باشندے اس وقت ایک بڑی کشمکش میں مبتلا ہیں - خلافت تحریک کا زمانہ آپ نے خود اپنی نظروں سے دیکھا ہے - ہندو مسلمان اور ہندوستان کی ساری قومیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی تھیں اور ہندوستان کی آزادی کے لیے متفقہ طور پر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھیں - مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد اور قومی افلاس کے باوجود اس وقت ایثار و قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جو اپنی نظیر آپ تھا - اکثر ارباب سیاست فرماتے ہیں کہ خلافت تحریک سے پہلے کانگریس پچاس کی ایک بے جان جماعت تھی، مسلمانوں کے جوش عمل اور ایثار و قربانی کا یہ اثر تھا کہ وہ ملک کی بے انتہا طاقتور سیاسی جماعت بن گئی اور اسکے ساتھ مسلمان رہنماؤں کی بے لوث خدمت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مسلم رہنماؤں کو ملک میں بڑی مقبولیت مسلمانوں کی مقبولیت اور مسلم رہنماؤں کا عملی تفوق ہندو برداشت نہ کر سکے - غیر ملکی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بجائے وہ پہلے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ترکیبوں میں لگ گئے - بڑے بڑے کانگریسی لیڈروں نے برائے نام علیحدہ پلیٹ فارم بنا کر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کر دیں اور سارے ملک میں بے علم اور بے مایہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کا کام جاری کر دیا گیا - ہندو راجہ اور امراء نے اسکے لیے اپنے خزانہ کا منہ کھول دیا اور بے حساب دولت صرف کی جانے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوؤں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کو فوراً نفرت و عداوت توحید سے خالی کرا لیا جائے - سارے ملک میں طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا - مگر کانگریس اور نیشنلزم کے دعویداروں نے اسکی کسی طرح عملی مخالفت نہ کی - بلکہ درحقیقت کانگریس ہی کے تجربہ کار رہنما دوسرے نام اور دوسرے پلیٹ فارم سے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

اسکے علاوہ انہیں ایام میں کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں نے ترک موالات کے خلاف کانگریس کے اندر سوراجیہ پارٹی بنائی۔ اور کونسل میں جانے کے لیے انتخاب میں کھڑے ہوگئے۔ اور یہ دیکھ کر مسلمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انکی طرف سے بڑے بڑے پوسٹر شایع ہوئے جن میں گائے کی تصویر تھی اور اسکے نیچے لکھا تھا کہ اگر گئو ماتا کو بچانا چاہتے ہو تو فلاں صاحب کو ووٹ دو - یہ فلاں صاحب بڑے پایہ کے کانگریسی اور نیشنلسٹ تھے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

شایع کرتے رہنا ہی مناسب ہے - مانا کہ آپ تردید بھی فرماتے جاتے ہیں، پھر بھی گمراہ کن خیالات کی اشاعت فی نفسہ مضر ہے - خصوصاً ہمارے ان نوجوانوں کے لیے جنہوں نے خود کو قوم پرست طبقہ کے نام سے مشہور کر رکھا ہے

مکتوب میں اور بہت کچھ بھی اسی سلسلہ میں تھا - صرف ایک حصہ اوپر درج ہوا - اور یہی ایک مراسلہ نہیں اسی قسم کی ملامت مختلف اور حلقوں کی طرف سے بھی تحریری اور زبانی موصول ہو چکے ہیں۔ مضمون کی انتہائی کمزوری کا ذکر تو آغاز مضمون ہی میں کر دیا گیا تھا مضمون کی اشاعت پا جانے سے یہ ہمیشہ لازم نہیں آتا کہ مضمون مدیر کی نظر میں کافی وقعت بھی رکھتا ہے - کبھی کبھی دوسری مصلحتوں کا بھی لحاظ رکھنی ہوتی ہے - پھر یہ تا سر درست نہیں کہ ایسے مضمون مضر ہی ہوتے ہیں - جواب میں جتنی مفید چیزیں اشاعت پزیر ہو گئیں، وہ خود غالباً نافع ہوئیں۔

مہر شیخ شوکت علی پرنٹر و پبلشر نے پریس لکھنؤ میں طبع کر کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ جانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

تار :- ...

مضامین کے ... ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر مراسلت کیجیے

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

نیشنل آرٹ پریس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ کا سالانہ آٹھ روپیہ

ششماہی ...

بیرون ہند سے ...

قیمت فی پرچہ ...

ٹیلیفون نمبر (۲۹۱)

9 DEC 1945

صدق

نمبر ۵۶ | یوم چہارشنبہ - ۲۹ - ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

... تعلیم و اصلاح تو عالموں فاضلوں کے لیے چھوڑئیے، لیکن عربی کے علاوہ فارسی بھی تو اب تک ہمارے بچے بچیوں کو کتبوں، مدرسوں میں جا رہی ہے۔ اور مکتبوں، مدرسوں کے سوا، انٹرنس اور بی اے، اور ایم اے کے اور منشی اور منشی فاضل اور مولوی اور عالم اور دبیر اور دبیر کامل وغیرہ کے بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری کورسوں میں بھی تو شامل ہے۔ لیکن ان نصابوں میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں؟ وہی قصائد بدر چاچ، قصائد قاآنی، قصائد عرفی، وہی یوسف زلیخا، وہی بہار دانش وغیرہ جو آج سے صدیوں پیشتر، بالکل مختلف احوال میں، بالکل مختلف ضرورتوں اور مقصدوں کے لیے تیار ہوئی تھیں۔ آج وہ شاہ پرستی کی فضا کہاں باقی ہے؟ آج امراء کے درباروں میں اُن قصیدوں کے واسطے سے رسائی پیدا کرنے کی ضرورت کسے ہے؟ پھر کیوں اُس مذاقِ طبیعت، اُس معیارِ اخلاق کے برقرار رکھنے پر آخر آج کیوں اصرار کیا جائے؟ اس کئی سو سال کی مدت میں گویا دو چار بھی نہ اچھے شاعر پیدا ہوئے نہ اچھے ادیب! اس سارے عرصہ میں نہ کوئی شخص غالب نامی گزرا ہے، نہ کوئی اقبال!

کیا یہ بھی کوئی دینی خدمت ہے، کہ ہر قدیم چیزوں کی تو ں قائم رہنے دی جائے؟ کیا دین خدانخواستہ قدامت پرستی اور جمود کے مترادف ہے؟

نوجی سولانا ... گلستان سعدی وغیرہ درجاریانی کی کتابوں

کو چھوڑ دیجئے کہ وہ بیشک ہر ملک اور ہر زمانہ کے لیے ہیں۔ باقی اور اس صدیوں قدیم مجموعہ ادبیات میں آخر کیا رکھا ہے، کہ مذہبی دوستوں کی طرح ہم نے عملاً اس کی بوجا اختیار کر رکھی ہے؟ مبالغہ کی کوئی حد ہے؟ دیگر جو مضامین سراسر بے حیائی اور عریانی کے ان میں بھرے پڑے ہیں، کوئی حق انہیں آئندہ زندہ رہنے کا ہے؟ یوسف زلیخا جیسی عریاں اور ایک پیغمبر برحق کی شان میں گستاخانہ کتاب، اگر آج شریعت کی حکومت ہوتی، تو نذرِ آتش ہونے سے بچ سکتی تھی؟ ملا جامی کے نام کے تقدس کا سہارا خدا و رسول کی عدالت میں کیا کام دیگا؟ —

پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، بال جبریل، ارمغان حجاز، ضرب کلیم وغیرہ میں کیا کوئی اس قابل نہیں، کہ ہمارے نصاب سازوں کی توجہ اپنی طرف مائل کر سکے؟ قومیں زندہ وہی رہتی ہیں، جنکے لڑکے اور نوجوان کتابیں بھی زندگی بخش و حیات پرور پڑھتے رہتے ہیں۔

غالیوں میں اتحاد

کسی شیعہ کو ووٹ ہرگز نہ دو، اور چونکہ مسلم لیگ اس اصول کی قائل نہیں، اس لیے اسکے شیعہ و سُنی ہر امیدوار کی مخالفت کرو، شیعہ امیدوار کی تو اس لیے کہ وہ شیعہ ہے، اور سُنی امیدوار کی اس لیے کہ وہ انٹی شیعہ نہیں۔ لکھنؤ کے سُنی الکشن بورڈ نے کہا!

"لیگ کو ووٹ ہرگز نہ دو، اس لیے کہ وہ انٹی سُنی نہیں" —

یہ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر نے کہا!

مبارک ہو لیگ کو کہ اسکی ضد میں غالی شیعہ اور غالی سنی متحد ہوگئے!

— یورپی تاریخ میں ایک اصطلاح HOLY ALLIANCE (مقدس یا پاک اتحاد) کی آئی ہے کاش اسکے مقابلہ میں کوئی اصطلاح UNHOLY ALLIANCE (غیر مقدس یا ناپاک اتحاد) کی بھی ہوتی!

ایک پُر مغز خطبۂ صدارت

(۱)

(مولانا عبدالرؤف دانا پوری [illegible] صدر جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ)

غرض ملک میں ایسی فضا پیدا ہو گئی جس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ ہندو لیڈروں نے لڑائی کا رستہ بدل دیا ہے ... پہلے ملک پر قابض ہونا چاہتے ہیں - اسوقت مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ آزادی سے پہلے ہمکو اپنے تحفظ اور مدافعت کا انتظام کرنا ضروری ہے ورنہ عین معرکے میں مسلمان دو طرف سے پس نہ جائیں جیسا اس سے پہلے [illegible] تحریک خلافت کے بعد ہو چکا ہے - اسی لیے کانگریس سے علیحدہ اپنا پلیٹ فارم مستحکم کرنے کا خیال پیدا ہو گیا - اسوقت مولانا محمد علی مولانا شوکت علی و علماء جمعیۃ العلماء تمام دیوبندی علماء فرنگی محل اور قدیم و جدید خیالات کے سب مسلمان کانگریس کے طرز عمل سے ناراض تھے - اور مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی تھے - کانگریس کے ساتھ بہت تھوڑے مسلمان رہ گئے تھے -

گر تھوڑے ہی دنوں کے بعد جمعیۃ العلماء نے پھر کانگریس کی تائید شروع کر دی - جسکی وجہ سے اسوقت کانگریس اور حکومت کے خلاف مسلمانوں کا محاذ نہ بن سکا بلکہ ایک نیا اختلاف مسلمانوں کے اندر لیگ اور جمعیۃ کی وجہ سے پیدا ہو گیا - جمعیۃ علماء ہند پہلے علماء ہند کی واحد سیاسی انجمن تھی اور ہر خیال کے علماء اس میں شریک تھے - جمعیۃ نے جب تمام مسلمانوں کی سیاسی انجمن مسلم لیگ کے خلاف کانگریس کی امداد شروع کی تو اسکا نتیجہ مسلمانوں میں انتشار کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا -

نتیجہ یہ ہوا کہ بہت مسلمان اسوقت لیگ سے اس لیے جدا ہو گئے کہ سارے علماء لیگ سے علیحدہ ہو گئے ہیں - بات یہ نہ تھی، گر جمعیۃ کی جدائی کا مطلب یہی سمجھا گیا - اور اسی طرح بہت سے علماء جو جمعیۃ کے شامل تھے اس لیے علیحدہ ہو گئے کہ جمعیۃ ہندوؤں سے مل گئی ہے - لیگ کے اندر بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو تحریک خلافت کے وقت آزادی کے لیے سرفروشانہ خدمات انجام دے چکے تھے - اور وہی جوش ان دلوں میں موجود تھا - ایسے لوگ لیگ میں سرکاری آدمیوں کی کثرت تعداد کو پسند نہ کرتے تھے - گر بہر حال مسلمانوں کی تقویت و تنظیم ضروری سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ بغیر سرکاری آدمیوں کو ساتھ رکھے مسلمانوں کی تنظیم مستحکم نہیں ہو سکتی - اور کانگریس بھی پہلے سرکاری آدمیوں کے ہاتھوں میں پل کر جوان ہوئی ہے -

مولانا محمد علی مرحوم اسی آخری جماعت کے ہمخیال تھے - وہ مسلمانوں کو منظم کر کے حکومت اور کانگریس کے مقابل مسلمانوں کا ایک متحدہ قومی محاذ بنانا چاہتے تھے - وہ جمعیۃ العلماء کے خلاف تھے گر مسلمانوں کو صحیح راستہ پر منظم کرنے کے لیے علماء کی ایک متحدہ قوت مسلم لیگ کے ساتھ رہنا ضروری سمجھتے تھے - اس لیے انکی کوشش سے ایک دوسری جمعیۃ العلماء اسی وقت بن گئی - جس میں علماء فرنگی محل، بدایوں، رامپور، اور لاہور وغیرہ شامل ہوئے - اور اس اختلاف کے بعد علماء اہلحدیث عموماً دونوں جماعتوں سے علیحدہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے - اور جمعیۃ العلماء کی وہ اجتماعی قوت باقی نہ رہی -

وہ زمانہ مسلمانوں کے اضطراب و پریشانی کا زمانہ تھا - ہندوؤں کے طرز عمل سے پریشان ہو کر من حیث القوم وہ کانگریس سے جدا ہو گئے تھے اور اپنی تنظیم علیحدہ کرنا چاہتے تھے - مگر سرمایہ کی قلت اور تجربہ کار رہنماؤں کی کمی کی وجہ سے تنظیم کی بہت سی اسکیمیں ناکام رہیں - اور ہندوؤں نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دیا جائے - دھمکی، لالچ، اور خوشامد کے ذریعہ سے مسلمانوں کو جماعت سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی - غلط پروپیگنڈہ کے ذریعہ مسلمانوں کو مسلمان رہنماؤں سے جدا رکھنے کا اہتمام کیا گیا - ہندو حکام نے ازراہ تعصب زیادتیاں کیں - ہندو زمینداروں نے مسلمان رعایا پر دل کھول کر زیادتیاں کیں - قربانی اور مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا بہانہ بنا کر ملک میں فسادات برپا کر دیے گئے بہت سے مسلمان قتل کر دیے گئے - بہت سے زخمی کر دیے گئے - بہت سے خاندان تباہ کر دیے - بہت سی مسجدیں برباد کر دی گئیں یا ان کی بے حرمتی کی گئی - شاہ آباد کے پورے ضلع میں قیامت برپا کر دی گئی اور مسلمانوں کی سیکڑوں بستیاں برباد کر دی گئیں - مظالم اتنے سخت اور اتنے زیادہ ہوئے کہ کمزور مسلمانوں کو مایوس اور ساکت کر دینے کے لیے کافی تھے - مگر ہندوستان کی بائیس کروڑ ہندو آبادی کی طرف سے کبھی کسی ظالم ہندو پر ملامت کی گئی نہ مسلمان مظلوموں کے ساتھ صرف لفظی ہمدردی کا اظہار ہی کیا گیا - حکومت کانگریس کی طاقت سے مرعوب تھی یا حکومت کی مشینری حکومت کے اختیار سے باہر تھی - شاہ آباد، بہار، دربھنگہ اور بھاگلپور وغیرہ کے فسادات نے ثابت کر دیا ہے کہ لا اینڈ آرڈر کی موجودہ مشینری ملک کے منظم فرقہ وارانہ فسادات کو روک دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی - خود مسلمان فسادات کی جگہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور غیر منظم بھی تھے کچھ نہ کر سکے -

افسوس یہ ہے کہ ان تمام مظالم کے بعد بھی مسلمان اپنی تنظیم سے اور اپنی قوت کو مجتمع کرنے سے غافل رہے - تنظیم کے نام سے کمیٹیاں قائم اور ٹوٹ گئیں کچھ نہ کر سکیں - مولانا محمد علی مرحوم نے جمعیۃ علماء [illegible] قائم کی تھی - گر انکے بعد کہیں پتہ بھی نہ رہا - جمعیۃ علماء ہند بڑے بڑے ذی اثر تجربہ کار علماء کی پرانی جماعت ہے - اسکے ارکین خود مشق ستم رہے ارتداد کے میدان میں انکو خود مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - باوجود اسکے نہ انھوں نے مسلمانوں کو منظم کرنے کی پرواہ کی نہ ہندوؤں کا ساتھ چھوڑا -

میں ان حضرات کو اپنا پیشوا سمجھتا ہوں، مگر اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنے کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اپنی قوت کو مجتمع کرنے سے غفلت کی جائے - آزادی کے لیے مقدم

شرط یہ ہے کہ اپنی جماعت کو متحد اور مستحکم کیا جائے - جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وقت ہجرت کی اس وقت مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ آپ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے قبائل سے معاہدات کیے اور ابھی خطرات سے نجات بھی نہ پائے تھے کہ بنی قینقاع، بنو نضیر و بنی قریظہ نے یکے بعد دیگرے معاہدات کی خلاف ورزی کی۔ آپ نے اسکی پرواہ نہ کی کہ ابھی قریش اور دوسرے قبائل کا خطرہ باقی ہے۔ آپ نے ان قبائل سے قطعاً فیصلہ کر لینا ضروری سمجھا۔ قریش اور دیگر قبائل کا بڑا خطرہ موجود تھا۔ مگر معاہد قوموں کی عہد شکنی سے جو اندرونی خطرہ پیدا ہو گیا تھا، آپ نے اسکو مٹا دیا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ نے معاہدات کی پابندی آخر وقت تک کی۔ مگر باوجود معاہدہ کے معاہدہ پر اعتماد کر کے اپنی اسلامی طاقت کو جمع رکھنے میں کبھی آپ نے غفلت نہ کی۔ ہمارے تمام مصائب کا اصلی سرچشمہ یہی ہے کہ ہم نے آپ کی اس سنت صحیحہ کی پرواہ نہ کی۔ نہ اپنے پڑوسی اقوام سے کوئی معاہدہ کیا، نہ اپنی قومی قوت کو مجتمع کر کے ایسی جمعیت پیدا کی کہ ان اقوام کے شر سے مسلمان محفوظ رہ سکیں اور اپنی حفاظت آپ کر سکیں۔

اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا ہے کہ مولانا محمد علی آزادی ہند کے سب سے بڑے فدائی تھے۔ ان پر تو اسکا وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر ملکی طاقت کی نظر عنایت کی کوئی تمنا دل میں پوشیدہ رکھتے تھے۔ وہ آزادی ہند کے سب سے زیادہ متمنی اور متفقہ ہند کے بڑے لیڈر تھے۔ مگر انھوں نے شردھانند، مالوی جی اور مونجے کی علانیہ اسلام دشمنی اور کانگریسی ہندوؤں کی اندرونی ریشہ دوانیوں سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد و اشتراک تا وقتیکہ ممکن نہیں ہو سکتا، جب تک ہندو مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر انکو دبا لینے کی آرزو دل میں پوشیدہ رکھیں گے۔ اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آزادی ناممکن ہے۔

یہ جذبات تھے جنہوں نے انکو مجبور کیا کہ کچھ روز کانگریس کے پرشور پلیٹ فارم سے جدا ہو کر مسلمانوں کو منظم کر کے طاقتور جماعت بنا دیں تاکہ ہندو مسلمانوں کو لالچ یا خوف سے دبا لینے کی امید سے مایوس ہو کر مساویانہ معاہدہ کے لیے مجبور ہو جائیں۔ اور اسکے بعد علی برادران نے یہی کیا۔ آزادی کے سب سے بڑے داعی ہونے کے باوجود وہ کانگریس کے پرشور پلیٹ فارم سے جدا ہو گئے اور اپنی ساری قوت و طاقت مسلمانوں کو منظم کرنے کے لیے وقف کر دی۔

علی برادران نے میرے خیال میں سنت صحیحہ کے موافق صحیح راہ عمل کو اختیار کیا تھا اور مسلمانوں کو صحیح راستہ پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ افسوس کہ بے وقت کی موت کی وجہ سے انھوں نے اسکے ثمرات نہ دیکھے۔ لیکن جب بھی ہندوستانی مسلمان منظم و طاقتور جماعت بنیں گے اسکا اجر انشاءاللہ انکے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہیگا - ان اللہ یؤید الدین بالفجار - مولانا محمد علی مرحوم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی تنظیم و تقویت کا خواب بظاہر بے تعبیر معلوم ہوتا تھا - مسٹر محمد علی جناح اس وقت بھی تھے - انکی صلاحیت و قابلیت جسکو دوست اور دشمن سب کے نزدیک مسلم تھی۔ مگر اسکے ساتھ انکی امارت، راحت طلبی اور بعض پسندی سے بھی سب واقف تھا۔ کس کو امید تھی کہ امت مرحومہ کی خدمت کیلیے وہ اپنا وقت دینا گوارا کریں گے۔ مگر

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

مسلم لیگ بھی نئی انجمن نہیں ہے - مسٹر جناح بھی اسلئے نئے ممبر نہیں ہیں۔ یہ فی الواقع علی برادران کے ایثار و قربانی اور اسلامی خدمت کے جذبہ نے مسٹر جناح کا رنگ بدل دیا - مولانا محمد علی مرحوم کی وفات کے بعد مسٹر جناح نے مسلمانوں کو منظم کرنے کا ذمہ پوری طرح اپنے سر پر لے لیا - اور وہ کیا جسکا ثمرہ دوست دشمن سب دیکھ رہے ہیں - ابھی پوری حد تک تنظیم مکمل نہیں ہوئی ہے مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ جو مایوسی شدھی اور سنگٹھن کے زمانہ میں مسلمانوں پر چھا گئی تھی، وہ اب نہیں رہی۔ اپنی کمتری کا جو احساس مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا - ایوانات حکومت کے اندر، سرکاری آدمیوں کے محلات میں، فسادات کے موقع پر اور تاجروں کی کوٹھیوں میں ہر جگہ مسلمانوں کی زندگی کے آثار پائے جانے لگے - اور خدا کی رحمت سے امید پیدا ہو گئی ہے کہ اگر مسلمانوں نے اندرونی مناقشات کی خرابیوں کو سمجھ لیا اور متفقہ طور پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی متحدہ طاقت کو غیروں کے مقابلہ میں منظم کرنے کی ضرورت محسوس کر لی تو انشاءاللہ وہ زمانہ جلد آ جائیگا کہ ہندی مسلمانوں کا شمار دنیا کی طاقتور قوموں میں کیا جا سکے گا۔

حضرات! میں مسٹر جناح کو متقی اور دیندار نہیں سمجھتا لیکن اسلامی قوم کی تنظیم و تقویت کی جو کوشش انھوں نے کی اور اس میں جسقدر کامیابی انھوں نے حاصل کی اسکا اعتراف نہ کرنا بھی بڑی بے انصافی ہے - صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان مفید کاموں میں جو وہ مسلم قوم کی تقویت کے لیے کر رہے ہیں - انکی پوری طرح مدد کی جائے اور خدا سے دعا کی جائے کہ اللہ پاک اس محسن قوم کو اسکی توفیق عنایت فرمائے کہ جس طرح وہ مسلم قوم کے لیے طاقت اور اتحاد کو ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح خدا کی عبادت کا شوق اور رسول کی اتباع کا جذبہ بھی ان میں پیدا ہو جائے جس طرح وہ مسلمانوں کی دنیا درست کرنے میں منہمک ہیں اسی طرح مسلمانوں کی نجات کے لیے بھی بیتاب ہو جائیں۔

حضرات علماء کرام! ارباب لیگ کی دینی اصلاح بھی خدا کے فضل و کرم سے بعید اور ناممکن نہیں ہے - آپ کو معلوم ہوگا کہ جب علی برادران قومی خدمت کے لیے مستعد ہوئے تھے اس وقت وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی شعائر و اعمال سے بالکل ناآشنا تھے - قومی خدمت کے انہماک ہی نے انکا قلب و دماغ اور ظاہر و باطن سب کچھ بدل دیا۔ جو حضرات اس امت کی بھلائی کے لیے صداقت کے ساتھ کوشاں ہیں انشاءاللہ خداوند پاک انکی نجات کا سامان بھی ضرور کریگا۔

(باقی آئندہ)

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ باہتمام شیخ شوکت علی ...)

ایک موثر دعا

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

رات کو طبیعت پر خاص کیفیت طاری تھی۔ اضطراب سا تھا، بےچینی سی تھی۔ اٹھا، میز پر حضرت سید ناشاہ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ کے مکتوبات کا نسخہ رکھا ہوا تھا۔ کھول کر دیکھنے لگا۔ عجیب مکتوب تھا۔ کھولنے کے ساتھ ہی دیر تک متاثر رہا۔ اسی وقت طبیعت کا تقاضا ہوا کہ آپ ہوتے تو ذکر کرتا۔ مسئلہ دعا سے اس کا تعلق تھا۔ خواجہ حازم اعرج نامی کسی بزرگ کا حوالہ دیتے ہوئے اس میں ان کا ایک فقرہ نقل فرمایا گیا ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں

"محروم گشتن از دعا بر من سخت تر از حرمان اجابت ست"

کیا بات زبان سے نکل گئی ہے! واقعہ یہ ہے کہ مناجات کے مقام سے محرومی سے بڑھ کر اور کوئی دوسری محرومی کیا ہو سکتی ہے۔ مجھ پر اسکا بڑا اثر ہوا۔ بڑی اچھی تعبیر ہے۔ پھر مشہور بزرگ فضیل بن عیاض کی مناجات حضرت نے نقل فرمائی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ صدق کی برادری تک اسکا ترجمہ پہونچا دوں۔

"پروردگارا! تجھے میں کیسے پکاروں کہ پاپی ہوں، سیہ کار ہوں۔ اور کیسے نہ پکاروں کہ کرم کرنے والے آپ ہی ہیں۔

پروردگارا! عدالت کی نیام سے تلوار کی قہر آپ نکالینگے تو پیغمبروں اور مقربین درگاہ بھی ہستی کے لباس کو چھوڑ کر نیستی میں گم ہو جائینگے۔

پروردگارا! آپ کے رسولؐ کی پیروی میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھنے کی اگر مجھے توفیق نہیں ہوئی، تو پروردگارا! مخالف بن کر تیرے رسول پر پتھر پھینکنے سے تو بچا لیا گیا ہوں [اکبر مرحوم کا شعر اس وقت یاد آیا ہے

گو دعوے تقوے نہیں درگاہ خدا میں

بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں]

میرے مالک! آپ کے گنہگاروں سے تو دنیا بھری پڑی ہے، پھر اقرار کرنے والوں کی سرزنش کیوں کیجیے، بڑے بڑے سرکشوں کو پال رہے ہیں جنھوں نے آپ سے جنگ کا اعلان کر رکھا ہے، پھر جو ایمان کے ساتھ صلح پر آمادہ ہوئے در در اسے نہ دھتکار۔

اُف! میری ساری وحشت آپ کی بے نیازی سے ہے لیکن پھر ساری امیدوں کا ملجا اور ماویٰ بھی آپ ہی کی بندہ نوازی ہے، سر جھکا لینے والے شرمندہ ہیں، انھیں نہ دور بھگائیے، گنہگار دکھ میں مبتلا ہیں انکے گھاؤ پر مرہم رکھیے، بےراہ ہیں ہاتھ پکڑ لیجیے۔ سر جھکا لیے ہیں مجھے پامال نہ کیجیے، بخش دیجیے گوشمالی نہ کیجیے۔ خداوندا! اگر آپ نا بخشیں جب بھی کہ آپ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میری سفارش فرمائیں تو آپ کا کیا دوزخ کی آگ سے مجھے نہ بچائے گا، پروردگارا مردوں کی طرح جہاد کی صفوں میں تلوار چلانے کی توفیق اگر مجھے نہیں ہوئی، تو کیا تیرے آگے پانچ وقت اپنا سر زمین پر نہیں رکھتا ہوں۔ میرے گناہوں سے زیادہ گناہ کسی کا آپ نے اگر بخشا ہے، تو مجھے بھی بخش دیجیے۔ کہتا ہوں کہ باوجود اگر کسی کی طاعت آپ نے قبول فرمائی ہے تو میری اس کھوٹی ناقص طاعت کو بھی مسترد نہ فرمائیے، میرے گنہ پر اسکے ذریعہ پردہ ڈال دیجیے۔

آپ ساتھ نہ دینگے، تو دنیا کے اس ہول ناک سفر کو میں کیسے طے کرونگا آپ کا رحم و کرم شامل حال نہ ہوگا، تو بدبختوں کے فہرست سے میرا نام کیسے کٹ سکتا ہے "

اور بھی فقروں پر فقرے بے ساختہ نکلتے چلے گئے ہیں۔ یہ بھی اسی مناجات کے ان الفاظ کا کہ

"اگر بر موافقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو سنگ بر شکم نہ بستم در مقام مخالفت سنگ بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز نینداختم"

اور دوسرا فقرہ

"بیکاراں واری سیاست جبروت خویش بر سقراں مپر..."

ایک فقرہ مکتوب کا اور سنیے۔ مجھ پر تو بڑا اثر ہوا

بترس از مرگ دریں سرائے	اس دنیا کی موت سے ڈر، قبل اس کے
پیش از انکہ آنجا مرگ را	کہ اس دنیا میں تو داخل ہو جس میں موت
آرزو کنی و نیابی	کی آرزو کریگا اور نہ پائے گا۔

اکبر مرحوم کا مصرعہ ع

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا میں زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

بلاشبہ موجودہ زندگی بھی ڈرنے ہی کی چیز ہے، لیکن اسکا بہرحال خاتمہ موت پر ہے تو، لیکن اس زندگی کی مصیبت کا کیا ٹھکانا ہے جس میں موت مانگی جائیگی، اور نہ ملیگی۔ "لا یموت فیہا ولا یحییٰ"۔ اللھم انا نعوذ بک منہا۔

خانقاہ و خلافت

سیاسیات کا تعلق روحانیات سے

(از مولوی شاہ ابو احمد غلام دستگیر صاحب - گلبرگہ - دکن)

تقویٰ عملی طور پر وہ قلبی کیفیت اور صلاحیت ہے جو نفسانی خواہشات سے علیحدہ ہو کر کسی انسان کو نیکی کی طرف رجوع ہونے کیلیے آمادہ کرتی ہے - تقوے کا ادنیٰ درجہ اسی فطری صلاحیت کے کسی نہ کسی درجے میں موجودگی کا نام ہے، جو باوجود ماحول کی گندگی اور سالہا سال کی بداعمالی کے ختم اللہ علیٰ قلوبہم سے قبل فنا نہیں ہوتی - تقوے کی تدریجی بلندی اسی کیفیت و صلاحیت کی قوت حاصل کرتے ہوئے تمام نیک و بد حدود الٰہی کی نگرانی کرتا ہے - اس قوت کا تدریجی حصول ایمان، عبادات اور عمل صالح پر منحصر و موقوف ہے - حصول فلاح کے لیے ہدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰہم ینفقون - کی شرط لگائی گئی ہے - اس تقوے سے مراد یہی عملی اور کمزور درجہ کی صلاحیت ہے اور بتدریج بلندی پر اولٰئک علیٰ ہدًی من ربہم واولٰئک ہم المفلحون کی بشارت دی جاتی ہے -

یہ تقوے کی فطری قوت و صلاحیت انسان کو پس پردہ عالم سے ملائے رکھتی ہے - اس کی پہلی منزل یومنون بالغیب میں قدم رکھنا اور پس پردہ عالم سے آنے والے پر ایمان لانا ہے - ہر حاضر دربار ہونے والا تقوے کی صلاحیت فطری کی بنا پر آپ کی دعوت الی اللہ میں، آپ کی سیرت و کردار میں، آپ کے اخلاق و صفات حسنہ میں، آپ کے عدل و انصاف میں، آپ کی مساوات میں، آپ کے عفو و کرم اور آپ کی شفقت میں، آپ کے عزم و ثبات اور استقلال میں، آپ کے چہرۂ انور پر برسنے والے انوار میں، ایمان و ایقان سے معمور نظر ڈالتا ہے تاکہ یتلوا علیہم آیاتہ کی تفسیروں کو پاتا ہے - انہی آیات بینات کے تسلسل و تکرار سے حاضر ہونے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے - پھر وہ قرآن و حکمت کو پاتا ہے - لا یمسہ الا المطہرون، تنزیل من رب العٰلمین الم نشرح لک صدرک اور انا اعطینٰک الکوثر کے انوار سے ہر مومن فیض پاتا ہے - صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ - رسول برحق کے دل کا رنگ جاتا ہوا اور یہ صحابی کا دیکھنے والا اور رسول برحق کا اقرار کرنے والا، سیرت صحابہ سے فیضیاب ہوتا ہے - اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم - قرآن و حکمت سے منازل ترقی پر گامزن ہوتا ہے -

اس عالم کے صفحات پر خاتم النبیین کے اخلاق حسنہ، سیرت و کردار اور سراپا انوار مجسم اور منقش ہیں اور قرآن کی تعلیمات انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون، کلی طور پر محفوظ ہیں - قرآن سیرت و کردار نبوی کی تصدیق کرتا ہے - اور سیرت و کردار نبوی عملی طور پر اسکی تفسیر ہیں - ہر طالب حق، قرآن و سیرت ہر دو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقوے کے ادنیٰ درجے سے بلند مدارج کو پاسکتا ہے - نفوس قدسیہ سیرت و کردار نبوی کے بالفعل ترجمان ہوتے ہیں - اس لئے انکی صحبتوں سے فیض پہونچتا ہے -

مجرد فہم و ادراک اور شعور و فکر کا تعلق عالم مادی سے ہے - احساسات و تجربات سے انکی نشو و نما ہوتی ہے - انسانی کلام انہی احساسات کی شکل و صورت آواز ہے - تعلیم و تعلّم ان تمام احساسات انسانی کے ہزارہا سال کے پیدا کردہ محفوظ تجربات ہیں -

تقوے کا تعلق عالم باطن سے ہے اور عبد و رب کا تعلق اسی تقوے سے ہے - ان تعلقات کی وضاحت آفاق و انفس میں اللہ کا کلام ہے - ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین، اللہ کا کلام عالم [illegible] کے تعلق سے بصورت نطق وآواز ہے - اس کلام سے مخاطب بقدر استطاعت و استعداد عبد و رب کے تعلقات روشن ہوتے ہیں - اس علم ہی کے تحت فہم انسانی و جذبات انسانی کی صحیح تربیت و نشو و نما ہوتی ہے -

کلمات بصورت کائنات انسان کو تغیرات ارضی و سماوی سے اسباب و علل کی کڑیوں میں پرو کر چھوڑ جاتے ہیں - اور اللہ کا کلام ہم [illegible] اسباب و علل کے انسانوں کی اندرونی و باطنی و اختیاری قوتوں کو عالم باطن کا انکشاف کر کے تقویت پہونچاتا ہے - استغفار، توبہ و دعا و استجابت و مغفرت اسی راست تعلق و رحمت کا اظہار کرتے ہیں یہاں اسباب و علل اور تدریجی ارتقاء کی تمام نظر آنے والی کڑیاں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور مجرد عقل والے یہاں حیران و سرگرداں ہیں -

انبیاء کی نبوت کسب نہیں ہوتی - یہ فطری صلاحیتوں کی حاصل شدہ طاقت نہیں - یہ وہ قوت نہیں جو سوتی ہے اور پھر بیدار ہوتی ہے - یہ بیدار ہی بیدار ہے - کذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا - یہی روح اور نور ہے جو اللہ اور اسکے رسول سے ایمان لانے والے پاتے ہیں - اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منہا -

تزکیہ باطنی قوتوں کا باطن سے محفوظ شدہ کیفیات اور مسلسل طاری ہونے والی کیفیات سے اجاگر ہوجاتا ہے - اس مقام پر علم الیقین، باطن سے حق کی عطاء کو پاکر، توانا متحمل ہوکر کائنات پر حاکم اور متصرف نظر آتا ہے - مادیات سے آگے کا تصور، توانا سبق اس کائنات پر حاکم و متصرف نظر آتی ہے - یہ نظر اور دید ذکر مسلسل ہے - الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا وعلیٰ جنوبہم ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض ربنا ما خلقت ہٰذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار - عبد و رب کے ان تعلقات کی استواری اور تزکیہ سے تمام نفسانی خواہشات جاہ و دولت و حکومت مٹ جاتے ہیں - وہ الہٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر سے بچ جاتا ہے -

انسانی نظروں کے آگے اس عالم کی رنگا رنگی اور نفوس انسانی کا ایک طوفانی سمندر موجزن ہے - اندرونی قوتوں کی بیداری کے بعد اس عالم مادی سے ان اجاگر شدہ قوتوں کا تقابل ہوتا ہے - ول سے اٹھنے والا قوی نفوس انسانی کو

مطالبہ کرتے ہیں کہ تو مجھ کو اپنے خزائن پر متصرف کر دے۔ فرعون مصر آپ کے اس مطالبہ کو منظور کرتا ہے اور آپ اسکے خزائن پر متصرف ہو جاتے ہیں۔"

پس اب کیا کوئی شخص دیانت اور امانت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مذکورہ بالا صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام فرعون[1] مصر کی حکومت کے رکن نہیں بنے؟ فرض کر لیا جائے قصہ کے ہیرو حضرت یوسف علیہ السلام نہ ہوتے، بلکہ کوئی اور شخص زید، عمرو، بکر ہوتا اور فرعون کہتا کہ اسے لاؤ زید کو میرے پاس تاکہ خالص کر رکھوں اپنے کام کا" پھر جب وہ بات کرتا زید سے تو اس سے کہتا "واقعی تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر" اس کے بعد زید فرعون سے مطالبہ کرتا کہ مجھ کو اپنے خزانوں پر متصرف کر دے" اور فرعون زید کے اس مطالبہ کو منظور کرتا اور اسے خزانوں پر اسکو متصرف کر دیتا" یہ الفاظ بجائے زید اور فرعون کے درمیان [illegible] معاملہ پیش آتا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ زید فرعون مصر کی حکومت کا ایک رکن بن گیا؟ اگر زید کی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں کیوں صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ کسی فقرہ یا کسی عبارت کا مفہوم لغت اور نحوی قواعد کی رو سے ایک ہی ہونا چاہیے خواہ اس میں جو فاعل [illegible] ہے وہ زید ہو یا حضرت یوسف علیہ السلام۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت کا مفہوم اصلی وہی ہو سکتا ہے جو لغت عرب کی رو سے اس کا صحیح مفہوم ہے (اگر وہ آیت قطعی الدلالۃ ہے) بلا لحاظ اس امر کے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے مفہوم سے تناقض پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کے عربی لغت کے لحاظ سے ایک متعین معنی ہیں، یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد و نصرت چاہتے ہیں" اس آیت کے ہمیشہ یہی معنی رہیں گے، خواہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے معنی سے بظاہر تناقض پیدا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یوسف علیہ السلام کے قصہ سے متعلق جو آیات قرآن پاک میں وارد ہوئی ہیں [illegible] لغت عرب کی رو سے انکے صحیح معنی [illegible] اپنی طرف سے نہ تو کوئی لفظ اور نہ کوئی نقطہ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے اور نہ ایسا کرنے کا اس عاصی کو کوئی حق تھا، اور نہ کسی بڑے سے بڑے عالم یا مجتہد کو یہ حق ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت میں وہ لفظاً یا معناً کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے۔ یعنی لفظی یا معنوی تحریف کا وہ ارتکاب کر سکے۔

اسکے برعکس مولانا مودودی صاحب کو کلام پاک کے معانی میں تغیر و تبدل کمی اور بیشی کرنے میں کبھی باک نہیں ہوتا، بشرطیکہ ایسا کرنے سے انکے کسی نظریہ کی تائید ہوتی ہو۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے آیت کریمہ "قال اجعلنی علی خزائن الارض" کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے پہلے مضمون میں فرمایا تھا کہ

"خط کشیدہ فقرے صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ مطالبہ کلی اختیارات کا تھا، اور ملے بھی کلی اختیارات ہی"

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ آیت کریمہ زیر بحث میں "کلی" کا لفظ کہیں نہیں ہے مگر انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں "کلی" کا لفظ بڑھا کر آیت کی معنوی تحریف کی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی تنقید میں اس معنوی تحریف کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میرے اس احتجاج کا مولانا پر اتنا اثر ضرور ہوا کہ موصوف نے اپنے موجودہ مضمون میں "کلی اختیارات" کے الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے مگر دوسرے الفاظ اور دوسرے پیرایہ میں بڑے ایچ پیچ کے ساتھ اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف سورۂ یوسف کے زیر بحث مقامات سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حضرت یوسف کی دعوت کا خلاصہ سورۂ یوسف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے، جس سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انکا بلاوا ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف نہیں تھا (خدا کا رسول ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف بلاوا دے ہی کیسے سکتا ہے! ناقد) بلکہ ایک رب کی بندگی کی طرف تھا۔ ...... یہ تبلیغ وہ قید خانہ ہی میں کر رہے تھے (میں نے خود اپنی تنقید میں یہی عرض کیا ہے۔ ناقد) اسکے دوران میں یکایک یہ صورت پیش آئی کہ دیانت اور تقوے اور حکمت اور بصیرت کے جو غیر معمولی نشانات انکی ذات سے ظاہر ہوئے تھے (کلام پاک کی روایت کے مطابق اس وقت تک آپ کے جو کمالات ظاہر ہوئے تھے وہ صرف اسی قدر تھے کہ زلیخا کی دعوت الی الاثم و العدوان کے خلاف آپ ثابت قدم رہے، اور آپ نے اپنے دو ساتھی قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی تھی، جن میں سے قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں تو صحیح ثابت ہو چکی تھیں لیکن فرعون کے خواب کے صحیح یا غلط ثابت ہونے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان روایات سے جتنا کچھ تقوے اور بصیرت یوسف علیہ السلام کا ثابت ہے اسکا اتنا تو ہم پر فرض ہے، مگر اس سے زیادہ کو فرض رکھ کے استدلال کرنا ناجائز ہے۔ یہ دونوں باتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے تقوے اور بصیرت پر دال ضرور تھیں لیکن وہ ایسے معمولی مقامات یا معجزے نہ تھے [illegible] بادشاہ اپنی سلطنت کا سب سیاہ و سفید حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کرنے کے لیے

[1] اس ساری بحث میں بہتر یہ ہوتا کہ فریقین بادشاہ مصر کے لیے لفظ "فرعون" نہ استعمال کرتے۔ قرآن مجید نے "فرعون" کی اصطلاح صرف عہد موسوی کے مصری تاجدار کے لیے استعمال کی ہے، اور اسی کا اتباع بہتر تھا۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں قرآن مجید برابر لفظ "ملک"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجیے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
سے متعلق مراسلات اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ ۸ روپے
" ششماہی ۴ر
بیرون ہند ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

نمبر ۶۰ | شنبہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

بھوپال کے مشہور بڑے میاں (پولیس کے پنشنر) نے بالآخر ۱۲۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آخر وقت تک اچھے خاصے تندرست رہے"۔

"اسکاٹ لینڈ کے ایک پیر مرد نے ۱۱۵ سال کی عمر پاکر انتقال کیا۔ موت سے کچھ ہی عرصہ قبل تک چلنے پھرنے کی عادت قائم تھی"۔

یہ دو محض تازہ نمونے ہیں۔ وقتاً فوقتاً اسطرح کی خبریں شائع ہی ہوتی رہتی ہیں۔ فلاں کی عمر اتنی ہوئی اور فلاں کی اتنی۔ سن سن کر حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی آخر یہ کس تدبیر سے سو سو برس سے اوپر تک جیئے —— انسان، زندگی کا حریص، دماغ میں حیرت پیدا ہونا، اور زبان پر ایسے سوال آنا بالکل قدرتی۔ لیکن اصل شے ذہن میں رکھنے کی یہ ہے کہ جس زمانہ میں ان لوگوں نے آنکھیں کھولیں، وہ آج کا نہیں، آج سے سو سوا سو برس قبل کا تھا! اُسوقت احوال کے لیے خیال ہی ۱۹۴۵ء کا کیوں کیا جاتا ہے۔ خیال تو ۱۸۲۵ء تا ۱۸۳۰ء کے احوال کا کرنا چاہیے۔ حیرت خود بخود کم ہٹ جائیگی

اُسوقت یہ "ترقیاں" کہاں تھیں۔ اُسوقت یہ بجلی کے جگمگاتے ہوئے قمقمے کہاں تھے! یہ بجلی کے پنکھے کتنے گھروں میں تھے؟ یہ ریڈیو ہر وقت کہاں بولتے رہتے تھے! یہ ملوں، کارخانوں، ریلوں کا دھواں کہاں چھایا رہتا تھا؟ یہ موٹروں، موٹر سائیکلوں، لاریوں، ہارنوں، بگلوں، سیٹیوں کا شور و شغب ہر وقت کہاں برپا رہتا تھا! صحبا رفتار جلد ہوا کو گرد راہ بنا دینے والی سواریوں نے کب انسان کے قدرتی اعضاء نقل و حرکت کی جگہ لے لی تھی؟ یہ گلی گلی آئس کریم اور ملائی کی برف کہاں بک رہی تھی؟ یہ بیلیڈ ملیں، بلیٹر اؤں کی قرم بازاری کب تھی؟ بیڑی، سگرٹ، سگار، ہر ایک کے لب آشنا کب ہوتے تھے؟ یہ غذا و دوا ہر قسم سے ہر چیز نقلی، گھی نقلی، شکر نقلی، دودھ نقلی، کب ایجاد ہو چکے تھے؟ یہ رات رات بھر سینما اور تھیٹر کہاں ہوا کرتے تھے؟ —— سادہ زندگی تھی۔ سادہ کھانا، سادہ قدرتی پانی، سویرے سونا، سویرے اُٹھنا، اپنے ہاتھ پیر سے پورا کام لینا، جسمانی محنت کرنا سب کا معمول تھا۔ کان، آنکھ، معدہ، قلب، دماغ، جگر، ہر ہر عضو کو تھکا دینے والے، اُسے مشتعل کر کر کے اُس پر بار ڈالدینے والے مشغلے کب فیشن میں داخل تھے؟ اُس ماحول میں پلنے اور بڑھنے والا اگر سو سوا سو برس تک جی گیا، تو اس میں اتنی زیادہ حیرت کی بات ہی کیا ہے؟ آج بھی دیہاتیوں کا اوسط عمر کیا ہے، اور شہریوں کا کیا؟

کام کی رفتار

تاج کمپنی کی اطلاع ۹ دسمبر کے مکتوب میں:-

"پارۂ سوم پریس میں جا چکا ہے، لیکن کمپوزیٹروں کے نہ ملنے سے کمپوز کرنے کا کام ابھی رُکا ہوا ہے"

پارۂ دوم (انگریزی) کے طبع و شائع ہو جانے کی اطلاع کئی ہفتہ قبل انہیں صفحات میں نکل چکی ہے۔

اردو تفسیر کا کام سر دست رُکا ہوا ہے۔ پارۂ دوم سے پارۂ پنجم تک کا مسودہ نظر ثانی کے بعد پریس میں جانے کے لیے صاف ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ انا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلات اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس، گولہ گنج — لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی صہ
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

(رجسٹرڈ نمبر ۱۴۹۱)

نمبر ۶۱ | چہارشنبہ - ۲۱- محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶- دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

(از صاحب معارف مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی مدظلہ)

عجیب بات ہے کہ لڑائی ہوئی تو عیسائی قوموں میں، مگر اس لڑائی کے خاتمہ پر اسکا خمیازہ مسلمان قوموں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ٹرکی سے ارمنستان کے دو شہر اور ایران سے آذربائیجان کا باقی صوبہ روس کو چاہیے۔ جاوا اور سماترا کے مسلمان انگریزی سنگینوں کے زور سے ہالینڈ کے تابع بنائے جارہے ہیں۔ فلسطین میں امریکہ اور انگلینڈ کی مدد سے یہود کی ریاست کا انتظام درپیش ہے۔ شام اور لبنان میں فرانس پھر اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ شمالی افریقہ میں آزادی خواہ عربوں کو قید و بند اور پھانسی کی سزائیں مل رہی ہیں۔ افریقہ میں انجیریا کی اسلامی ریاست اصلاحات کے مطالبہ سے بھی محروم بتائی جارہی ہے، مصر ابھی تک انگریزی فوجوں سے خالی نہیں ہوا ہے۔ کیا یہ صورتِ حال ہر سمجھدار مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں؟

آجکل مسلمان اہلِ سیاست میں علماء کو برا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ اب علماء جمعیۃ علماء اسلام نے ہمت کرکے انکی تائید میں آواز بلند کی ہے۔ اور اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے علٰحدگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستوں کے گزشتہ طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی ہوگی؟ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ برا منظر اور کیا ہوگا، کہ اُس کا تفریحی، دلچسپ مشغلہ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز ہو۔

فساد کی جڑ

"فلسطین دنیا کے تین مذہبوں مسیحیت، یہودیت اور اسلام کے لیے ایک ارضِ مقدس ہے، محمد کے اعجازی سفرِ آسمانی کا راستہ چونکہ یروشلم ہی سے ہو کر تھا، اس لیے یہ شہر مسلمانوں کے لیے بھی دنیا کا دوسرا مقدس ترین شہر ہے۔ اور یہی ایک بڑی وجہ ہے اس حقیقت کی کہ فلسطین کا معاملہ تاریخ کے ہر دور میں بہت نازک رہا ہے، اور رہیگا،

اور اس مسئلہ کے ساتھ ہی بہتوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں، زائرِ بیت المقدس کو یہ دیکھ کر حیرت ہی ہوتی ہے اور رنج بھی، کہ تینوں مذہبوں کے لوگ ایک ہی مقام کو مقدس بھی کہے جاتے ہیں اور پھر اسکے متعلق لڑے جاتے ہیں۔ کاش تینوں مذہبوں کے موجودہ پیشوا و سردار دوستانہ طور پر مل کر آپس میں میل مصالحت کا کوئی راستہ نکال لیں!" (آبزرور، لندن، ۲۸- اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سیاسی و آئینی مصالحت کی صورت تو جو کچھ بھی ہو، دینی مصالحت تو اسی سے ظاہر ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اسحقؑ اور یعقوبؑ اور موسٰیؑ پیمبران یہودیت کی بھی عزت و احترام کرتا ہے، اور عیسٰیؑ و یحییٰؑ پیمبران مسیحیت کی بھی تصدیق کرنا لازمی سمجھتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں یہود اور نصرانیوں کا طرزِ عمل پیمبر اسلامؐ سے متعلق کیا ہے؟ بجز عناد اور سب و شتم کے اور بھی کچھ ہے؟

"مشرقی" افلاس

"زندگی کے جس ابتدائی دور کی طرف جرمنی کو واپس آنے پر جنگ نے مجبور کر دیا ہے، اُس میں اور مشرقی ممالک کے غریبوں کی زندگی میں بہت بڑی مشابہت و مماثلت ہے۔ مشرق میں کوئی چیز کیسی ہی ردی اور بوسیدہ ہو، غریبوں کے کام کسی نہ کسی طرح آہی جاتی۔

ہے۔ دالی مچھلی وغیرہ کی گرانی کہ ہمارے ہندوستان کے دیہاتی باشندوں میں کسی نین والے یا لوہار کے ہاں پہونچ جائیگا اور اسکی دوکان کا ایک مال بن جائیگا! جرمنی میں بھی اب یہی نوبت آگئی ہے، غالباً ڈیڑھ بجے ن لوگوں کے لیے قیمتی ہو گیا ہے جو کھانا پکانے کے برتنوں سے محروم ہیں۔ اور بہرمل کا غالی لنستر تو گھر میں پانی رکھنے کے لیے ایک پوری نعمت ہے۔ اتنی چیزیں جن سے کوئی ادنیٰ سا ادنیٰ کام بھی نکل سکے اب لکھوکھا روپیہ سے بیچے ہر قسم سے بڑھ کر ایک دولت ہے۔ (آبزرور کارسپانڈنٹ، ۱۵ اکتوبر ۴۵ء)

غنیمت ہے کہ شرق کی مفلسی اور ہندوستان کے ننگے پن کا یقین "صاحب" کو اب تو آیا۔ ورنہ اب تک تو ضرب المثل کی حیثیت مشرق کے افلاس کی نہیں، بلکہ مشرقی دولت اور مشرقی اسراف کی تھی!

ایک "اسلامی" کمیٹی

لکھنؤ سٹی کانگرس کمیٹی نے آئندہ انتخابات کے سلسلہ میں ایک سب کمیٹی مسلم رابطۂ عوام کی غرض سے بنائی ہے۔ ممبران کے نام حسب ذیل ہیں:۔ مسٹر رضا، ہرودنی، مسٹر محمد اسلم، مسٹر عبدالرشید، مسٹر ہریرشاد سکسینہ، مسٹر رادھاکرشن کمبوہ، مسٹر بالکند باجپئی، مسٹر راج نرائن کھنہ اور مسز اس نرو، "(قومی آواز)

بہت خوب! کمیٹی "مسلم" اغراض کے لیے، اور کمیٹی کے ۱۰ ممبران میں سے ۵ غیر مسلم! ——— گویا مسلمان، خالص مسلم کاموں کے لیے بھی اب کانگرس کو تلاش کیے نہیں ملتے!

تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں!

اعلان سلیمانی

ماہنامہ معارف کے تازہ نمبر میں فاضل محترم مولانا سید سلیمان صاحب کے قلم سے:۔

"مجلس دارالمصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے۔ اور اسکو علمی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مسلمانوں کی اکثریت ایک طرف ہے۔ خطا وصواب اپنی اپنی جگہ پر، لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اسوقت جب اس میں بعض مصالح اسلامیہ کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ اور ایسا ہی دوسرا فریق بھی اپنے نظریہ کے متعلق بھی خیال رکھتا ہے، اور فریقین اپنے دلائل پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔"

مولانا کی ان تصریحات نے ہوا خواہان ومخلصین دارالمصنفین کے ایک بڑے گروہ کے دل سے ایک بڑا بار ہلکا کر دیا۔ بعض ذمہ دار اور بعض غیر ذمہ دار، دونوں قسم کے اخبارات مولانا کا نام بے تکلفی سے کانگریسی علماء کی معیت میں لے رہے تھے، اور دارالمصنفین کے ایک رفیق کی کانگریس آمیزی کو تو ہندو پریس نے خوب ہی اچھالا تھا۔ اس تحصن کو دور کرنے کے لیے مولانا کے اس بیان کی ضرورت تھی۔ علمی سیاسیات سے انکی بے تعلقی، اور ساتھ ہی امت کی اکثری سیاست کے ساتھ انکی ہمدردی، یہ دونوں باتیں انکے اعلان سے بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ ملت کی اکثریت کے لیے یہ اعلان یقیناً بہت کچھ تسکین واطمینان کا باعث ہوگا ——— سچ ہے وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا۔

امن کی "برکتیں"!

۲۳۔ لندن۔ کم از کم بارہ وارداتیں سرقۂ بالجبر اور ایک قتل کی۔ یہ پیرس میں ہر شب کے جرائم کا اوسط ہے۔ یہ خلاصہ ہے جرائم کی اس رو کا جو اسوقت پیرس میں پھیلی ہوئی ہے۔ اخبارات لکھ رہے ہیں کہ اس رو کا ایک باعث تو فوجی بھگوڑے ہیں اور دوسرا خونریزی کی وہ عادت جو پانچ سال تک یورپ کی پڑ چکی ہے۔ لیکن ایک تیسرا سبب گرانی اشیاء بھی ہے۔" (گلوب ایجنسی)

"نیویارک۔ ۲۱۔ اکتوبر۔ نقاب پوش دہشت جرائم پیشہ ڈاکوؤں کا وہ گروہ جو امریکہ بلکہ ساری مہذب دنیا میں کوکلکس کلان (رکنے رکنے رکنے) کے نام سے خوب شہرت حاصل کر چکا ہے، اور اپنی سفاکی میں ضرب المثل بن چکا ہے، اور ۱۹۲۸ء سے ناپید ہو گیا تھا، وہ اب پھر ابھرا ہے۔ اور اسکی تاخت وبرد سے رعایا پھر لرزنے لگی ہے۔ گروہ میں کہا جاتا ہے کہ ۲۰ ہزار افراد شامل ہیں۔" (ٹائمس، لندن، ۲۳، اکتوبر ۴۵ء)

"برطانیہ کو اسوقت جرائم کی عظیم ترین رو سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور برطانیہ کی پولیس نے عاجز آکر تمام پبلک سے استدعا کی ہے کہ وہ وقت نکال کر بطور اسپیشل کانسٹبل کے قیام امن میں مدد دے۔ عورتوں کا ایک پورا دستہ بطور "ہوم گارڈز" کے تیار ہو رہا ہے۔ لیکن ان کوششوں اور انتظامات کے باوجود جرائم کی رفتار کم نہیں ہوئی ہے۔ کچھ زیادہ ہی ہے۔ اور جرائم کے انسداد کے بجائے انکا اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اسی اکتوبر کے مہینہ میں رہزنی، چوری، اور حملہ کی وارداتیں برطانیہ میں ۹۰ ہزار کی تعداد میں ہوئیں، اور یہ عدد اکتوبر ۳۸ء کے مقابلہ میں تقریباً دونے ہیں۔" (لیڈر، ۱۴۔ دسمبر ۴۵ء، نتائج نگار خصوصی لندن کے قلم سے)

مفتوح، شکست خوردہ، ادبار زدہ جرمنی پر جو کچھ گزر رہی ہے، اسے چھوڑیے۔ یہ حال فاتح ذی اقبال برطانیہ، امریکہ، فرانس کا ہے ——— جنگ میں جو کچھ جس پر بیتنا تھی، بیت گئی۔ حالت امن کی روئداد ملاحظہ ہو! ——— یہی تہذیب، یہی تمدن، یہی معاشرت ہے، جس کی دعوت "صاحب" دے رہے ہیں، اور جسکی طرف صاحب زدہ مشرقی غریب، لپکتا، دوڑتا چلا جا رہا ہے!

تصحیح عنوان شذرہ

افسوس ہے کہ صدق نمبر ۵۸ کے آخری شذرہ کا عنوان غلط چھپ گیا ہے۔ صحیح عنوان "تاریخ ادیان" ہے نہ کہ "تاریخ ادبیات"

حکیم الامت

نقوش و تاثرات

(۱۹)

از عبد الماجد

جوابی ارشادات [علامت "ا"] مع میرے ملخص معروضات [علامت "م"] کے ملاحظہ ہوں :-

م - سچ میں بابت سے ایک مضمون احادیث رمال پر نکل رہا ہے۔ کل پرچے یکجا کرکے ارسال خدمت ہیں - اگر حسب فرصت اس پر ایک نظر کرلی جائے تو مجھے استفادہ کا بہت موقع مل جائے۔

ا - مشکل سے آج کچھ وقت ملا - خیال تھا کہ آج ہی روانہ کردوں گر ایک صاحب بیچ میں آگئے اس لیے کامیاب نہ ہوسکا - انکے جانے کے بعد ڈاک خانہ کا وقت نہ رہا -

[یہ واقعی حماقت تھی کہ اتنا بڑا پلندہ مولانا کی نہایت درجہ مشغولی کا خیال کیے بغیر روانہ کردیا تھا - مولانا آج کا کام کل پر رکھنا جانتے ہی نہ تھے - فرطِ اخلاق سے ضروری کاموں کا حرج کرکے ادھر متوجہ ہوگئے۔ یہ جملۂ معترضہ تھا - اب آگے اسی ارشادات پھر نقل ہورہے ہیں]

ا - مفصل دیکھنا تو مشکل تھا لیکن کل مطالعہ بھی غالباً مفصل مطالعہ کی طرح کافی ہوگیا - میں نے نہایت مختصر اصولی جواب لکھ دیا ہے اب ضرورت اسکی ہے کہ کوئی صاحبِ علم اصل مضمون کو مطالعہ کریں اور میری مختصر عرض داشت ذہن میں رکھیں، تو امید ہے کہ کوئی جزو بلا جواب نہ رہا ہوگا -

اسکا ضرور قلق ہے کہ اخبار سچ کے عموماً لوگ معتقد ہیں - اس میں شایع ہونے سے مضمون کو سچ ہی سمجھے ہونگے اور باطل میں مبتلا ہوگئے ہونگے - اسی لیے میں نے پہلی یا دوسری ملاقات میں زبانی یا تحریراً عرض کیا تھا کہ کوئی مضمون دینی بدون ملاحظہ مولانا حسین احمد صاحب کے شایع نہ کیا جائے - معلوم نہیں، کب تک اس سے قلق رہیگا - اصل سبب اس توسع کا مذموم نہیں، یعنی حسنِ ظن - لیکن ہر شے کے حدود ہوتے ہیں - حسنِ ظن کی بھی ایک حد ہے - اس سے تجاوز ایسا ہے جیسے غذائے لطیف و مقوی کی مقدار معقول سے تجاوز کرکے تخمہ کا سبب بنجاتا ہے - چنانچہ شیخ شیرازی نے جہاں گلستاں میں حسنِ ظن کی تعلیم فرمائی ہے ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی پارسادان و نیک مرد انگار

وہاں بوستاں میں اس کی حد بتانے کو یہ بھی فرمایا ہے ؎

مگو ہر ادا آں شوخ در کیسہ در کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

یعنی قبل تجربہ و امتحان سب کے ساتھ معاملہ احتیاط کا کرے - اسی طرح

ہر صاحبِ الخ :

ہر صاحبِ صورت عالم نام کا ادب و عظمت تو ضروری ہے مگر اسکی تحریر و تقریر کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرنا جسکا اثر اپنے نفس پر یا دوسروں کے نفس پر ایسے رنگ میں ہو جو بڑی خطرناک ہے یہ حد سے تجاوز ہے الا ان یشہد لصحتہ من کان موثوقاً بہ بدلیل صحیح -

میرا یہ معروضہ اگر موجب ثقل ہو معافی کے بعد بے تکلف مطلع فرمایا جائے تاکہ آیندہ صرف دوستی کا علاقہ رکھوں اور مشورہ میں قدم نہ رکھوں - والسلام - اشرف علی - اور کا ٹکٹ لگاکر پرچے خدمت میں مرسل ہیں -

---

مولانا کی اصل تنقید تو آگے چل کر آئیگی، سردست داد مکتوب کی جامعیت و باحتیت کی دے لینے دیجیے - تبلیغ کی تبلیغ اور پھر اتنی نرم و شیریں زبان میں! ——— حق، کون کہتا ہے کہ ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے؟ ——— تنقید مضمون نگار کے اصل مضمون پر جو ہوئی وہ تو ہوئی، باقی خود ایڈیٹر کی تنبیہ بھی بہت برمحل رہی - اُسے بتادیا گیا کہ ایڈیٹر کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے - ہر رطب و یابس کو چھاپ دینا اسکا کام نہیں - مضامین اگر گمراہ کن ہیں تو اشاعت باطل کی ذمہ داری سے وہ بچ نہیں سکتا - اور دلالت علی الخیر پر جب اجر و صلہ موجود ہے تو "دلالت علی الشر" پر کیوں نہ وعید موجود ہو؟ مولانا کو اپنے اس نیازمند کی خاطر بہت عزیز تھی، اور یقیناً وہ اسکے معاملات میں بڑی رعایت اور مروت کو دخل دیتے تھے، اس سے بہت ہی رواداری برتتے تھے - تاہم اصلاحی شان سب پر غالب تھی - اور اپنے مخلصوں، نیازمندوں، خادموں کو وہ ضرورت کے موقع پر اور ضرر دینی سے بچانے کے لیے ٹوکنا، تدین و آئین صداقت کے خلاف، اور بیجا طور پر خلاف سمجھتے تھے ——— طبیب کی دوستی اور خیر اندیشی یہی ہے کہ وہ مریض پر نہیں، مریض کے مرض پر نظر رکھے!

خط میں دو باتیں اور بھی عرض کی گئی تھیں - اور وہ تمام تر ذاتی تھیں - ایک سوال یہ تھا کہ جہری نماز پڑھانے میں بڑا تکلف ہوتا ہے، سہو کثرت سے ہونے لگتا ہے، خصوصاً جب یہ علم ہو کہ نمازیوں میں کوئی حافظ یا نیم حافظ موجود ہے - اسکا کیا علاج ہے؟ جواب آیا :-

"ضعفِ قلب و ضعفِ دماغ اسکا سبب ہے - اسکے دو علاج ہیں، ایک قرأت طویل نہ پڑھنا، دوسرا علاج حق تعالیٰ کی طرف یا خانہ کعبہ کی طرف توجہ رکھنا"

پہلے علاج یعنی اختصار قرأت پر عمل تو پہلے ہی سے تھا - دوسرے علاج میں جو شق ثانی ارشاد ہوئی، یعنی خانہ کعبہ کی طرف مرکزیت توجہ، یہ حکیم الامت کے مخصوصات میں سے ہے - اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہم جیسے عامیوں کے حق میں یہی مشورہ بہترین ہے، خاص کر ان لوگوں کے لیے جو زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوچکے ہیں -

ایک مادی صورت، صورت، خانۂ کعبہ کا تصور ... [illegible]

علوم فارسی

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب نائب ناظم مدرسہ حمیدیہ انگرا گنج ضلع بستی)

صدق ۱۰ دسمبر [illegible]ء میں مروجہ منشی کامل و دبیر کامل کے فارسی تعلیم و تکمیل پر حضرت مولانا دریابادی مدظلہ کا ایک اداری نوٹ دیکھ کر میرا پرانا خیال تازہ ہو گیا۔

میں عرصہ سے فارسی کے موجودہ نصاب تعلیم میزان منشعب، صرف میر، نحو میر وغیرہ کو دیکھ کر یہ حیرت کرتا تھا کہ آخر ہمارے اس نظام تعلیم میں فارسی زبان کب تک صالح اور مفید عنصر سمجھا جاتا رہیگا۔ اگر یہ کتابیں اردو میں منتقل ہو جاتیں تو کم از کم اس حیلہ سے اردو زبان کی اہم خدمت ہو جاتی اور ایک پنتھ دو کاج کا مضمون پیدا ہو جاتا۔ سوچیے کہ عربی زبان تو اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ہمارے مذہبی تعلیمات اور اسلام کا اصلی سرچشمہ موجود ہے اور اردو اس لیے کہ ہندوستان میں ہماری یہ قومی اور ملکی زبان ہے اور تفاسیر و احادیث و مسائل دین کا بہت بڑا سرمایہ اس میں منتقل ہو چکا ہے۔ پس عربی کی قدر باعتبار مذہب کے اور اردو کی ضرورت باعتبار خدمت ملک کے ایسا بدیہی واقعہ ہے کہ اسکا انکار مکابرہ ہے مگر آخر فارسی کس مرض کی دوا ہے۔ اور طلبہ یوسف زلیخا اور فوائد بدر چاچ، رقعات مرزا قتیل، دیوان نظیری وغیرہ میں مکڑ کر پرانی شاعری اور تغزل کے مذاق سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ یہ زبان مذہبی ہے نہ خود حکومت کی دلپسند ہے۔ پھر ایسی زبان میں عمروں کو اور قیمتی وقتوں کو گنوا دینے سے کیا حاصل؟ الحمدللہ کہ ہمارے مدرسہ سراج الاسلام میں بعض گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی تک حکایات حکمت و نصائح کے پیش نظر تعلیم دی جاتی ہے اور میزان، پنج گنج، نحو میر کی جگہ پر اردو میں مولانا مشتاق احمد صاحب چرتھاولی کی جدید و مفید کتابیں تعلیم دی جاتی ہے

پھر یہ تاریخی حقیقت بھی نہ بھولیے کہ حکومت انگریزی نے فارسی تعلیم کو تو خود دفع الوقتی کے طور پر رائج کیا تھا۔ سرسید نے لکھا ہے کہ جب انگریزی تعلیم کی قدردانی سے عام طور پر رجحان انگریزی کی طرف ہونے لگا تو شروع شروع میں عہدے تو خوب ملے لیکن بعد کو انگریزی خوانوں کی بیکاری ہونے لگی۔ اس لیے انگریز مدبرین نے حمایت علوم مشرقی کے حیلہ سے لوگوں کو ادھر ملتفت کرنے کے لیے اسکے بھی اسکول کھول دیے۔ چنانچہ سرسید نے اپنے شکایت نامہ میں بھی اسکو صاف لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۴۲۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ اگر حکومت کو دبیر کامل اور منشی فاضل کی پالیسی کو نباہنا ضروری ہے تو حضرت علامہ اقبالؒ کی حکیمانہ کتابیں پیام مشرق، زبور عجم وغیرہ کو مولانا دریابادی کے خالص ناصحانہ و مخلصانہ رائے کے مطابق نصاب فارسی میں قطعی ڈال دینا چاہیے اور مدارس و مکاتب سرکاری و غیر سرکاری کو گذشتہ صدیوں کے لا یعنی طومار بندیوں کے دفاتر سے مروجہ نصاب کو پاک و صاف کر دینا چاہیے۔

شیعیان مدینہ

اس سال جو حاجیوں کا قافلہ مکہ اور مدینہ کی زیارت سے واپس آیا اس میں ہماری آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کے ممبر سید اکبر حسین صاحب زری مرچنٹ بھی واپس آئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ تمام مدینہ میں تقریباً چار ہزار شیعہ ہیں جن میں زیادہ تر وہ ہیں جنکا تعلق اہلبیت علیہم السلام کی خدمت کرنے سے غلامانہ حیثیت سے تھا، بہت تھوڑے سے ایسے گھر شہر کے بہت تھوڑے سے ایسے گھر کے شہر کے قریب اور مضافات میں ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ سابق عہد کے مظالم سے اپنے اور اپنی جان و ایمان کے تحفظ کے لیے دیہاتوں میں کچھ دور جا کر آباد ہو گئے ہیں اور وہ نسل بنی ہاشم سے ہیں۔ مدینہ کے سنیوں سے اور دیگر فرقہائے اسلام سے انکو ملنے کا اتفاق ہوا۔ شیعوں نے نقدبانی، ترکاری فروشی وغیرہ کے قسم کے پیشے اختیار کر لیے ہیں۔ ایک صاحب جو قصابی کا پیشہ کرتے ہیں شب کو انھوں نے عربی زبان میں ایک مجلس پڑھی۔ (سرفراز)

صدق- یہ تعداد اور یہ حالات خدا معلوم کس حد تک صحیح ہیں۔ نقل اسی امید پر شائع کی جاتی ہے کہ باخبر ناظرین سے عجب نہیں کہ روایت کی پوری تحقیق ہو جائے۔

دوائے دیمک

(از عبدالماجد)

پچھلے دنوں مکان میں دیمک پیدا ہوئی۔ پہلے معمولی بات سمجھ کر کچھ زیادہ فکر نہ ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے خود مکان اور مکان کے اندر کی تمام چیزوں کا صفایا شروع کر دیا۔ تنہا کتابوں ہی کا نقصان سیکڑوں تک کا کر دیا۔ بیسیوں نئی اور پرانی، قیمتی سی قیمتی کتابیں بیکار کر دیں۔ تارکول، ہلدی کا پلاسٹر، سرکہ، بھڑ کا خون، گائے کے پھیپھڑے، وغیرہ جتنی دوائیں علم میں آئیں، سب کر دیکھی گئیں۔ تقریباً بے نتیجہ رہیں۔ مہینوں گزر گئے، اور مصیبت بدستور رہی۔ حال میں ایک انگریزی دوا تجربہ میں آئی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ پوری طرح کامیاب و موثر ثابت ہوئی۔ کئی ہفتے ہو گئے۔ اور جہاں جہاں وہ دوا چھڑکی گئی، وہاں دیمک کا اب تک پتہ نہیں۔ یہ مصیبت چونکہ عام ہے، خلق خدا کی منفعت کے لیے دوائے مذکور کا نام و پتہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نام: Cowon's White Ant Exterminator قیمت عدد مع پچکاری۔

پتہ: Be[illegible] & Co. 10 Radice Road Lucknow

فوجی، صنعتی غرض تمام شعبوں میں زائد سے زائد حصہ لیں۔ اس دلیل سے بیک جنبش قلم ہر چیز کو جو کل تک صرف "مباح" کے مقام پر تھی، فرض کفایہ کے درجہ پر پہونچا دیا۔ دین میں بھی ترمیم (دین میں یہ ترمیم تھی، علماء کا دیا تداری کے ساتھ اجتہاد نہ تھا، ناقد) تھی جس کی بدولت بڑے بڑے متقی و دین دار حضرات تشبیہوں کو گردش دیتے ہوئے دکانت وصنعتی کے پیشوں میں داخل ہوئے"۔

یہ ہے مولانا مودودی صاحب کی تنقید علماء اسلام کے ان فتاویٰ کی بابت جو وقتاً فوقتاً صادر فرمائے۔ ان میں سے کوئی فتویٰ مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ایک جائز شرعی اجتہاد کا درجہ نہیں پاتا، بلکہ یہ سب فتاویٰ کی ہاسنے اور حیلے ہیں یا شرع اسلامی میں ناجائز ترمیمیں۔

میں نے "حکومت وقت" کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے کیونکہ مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے نزدیک خلفائے راشدین کی حکومتوں کے بعد جملہ اسلامی حکومتیں بھی حکومہائے فاسدہ تھیں۔ اس لیے ان سب کی رکنیت یا نوکری بھی ایک مسلمان کے لیے اسی طرح ناجائز تھی جس طرح کہ ایک کافرانہ نظام حکومت کی نوکری۔

امام ابو یوسفؒ جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں قاضی بغداد تھے وہ بھی اسی زمرے میں داخل سمجھے جائیں گے۔

مولانا کی مذکورۂ بالا تنقید سے یہ نتیجہ صرف نکلتا ہے کہ جملہ علمائے اسلام "علماء سوء" تھے۔ اس لیے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کی اسلامی زندگی میں خلافت راشدہ کے تیس سال کو چھوڑ کر کچھ علماء حق بھی پیدا ہوئے یا نہیں؟ اگر پیدا ہوئے تو انھوں نے ان علماء سوء کے ناجائز فتاوے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں؟ اور اس دور تحریک کی بابت مولانا مودودی صاحب کے سفینۂ شہود پر آنے سے پیشتر ایسے فتاوے صادر فرمائے یا نہیں جو شرعاً حق اور جائز و صحیح ہوں؟

معاملہ کے یکسو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مولانا مودودی صاحب سب علماء کی نہیں تو ان میں سے سربرآوردہ علماء کی ایک فہرست "ترجمان القرآن" میں شائع فرما دیں جنھوں نے فاسد نظام حکومت میں مسلمانوں کی زندگی بسر کرنے کے متعلق وہ بہانے اور حیلے تراشے ہیں اور وہ ترمیمیں کی ہیں جن کا حوالہ مودودی صاحب نے اپنی محولہ بالا تنقید میں دیا ہے۔ نیز ان علماء حق کی بھی ایک فہرست شائع فرما دیں جنھوں نے ان علماء سوء کے قول کی تردید کی ہو۔ فقط والسلام

صدق۔ مولانا مودودی کی تحریک کا نقطۂ آغاز بالکل صحیح اور قابل قدر ہے۔ امت میں غیر اسلامی نظام حکومت بلکہ پورے احول سے متعلق جو بے حسی اور جمود کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور اس پر بالکل قناعت کر لی گئی تھی، اسے ضرور دور ہونا تھا۔ مسلمان کا مطمح نظر (آئیڈیل) تو بہر حال حکومت اسلامی ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ اور اسکے لیے اپنے اپنے ظرف، استعداد، وصلاحیت کے موافق کوشش بھی ہر فرد امت پر واجب ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا اس میں غلو کر کے اس نظریہ تک پہونچ گئے کہ غیر اسلامی حکومت و احول سے اشتراک عمل ہر صورت اور ہر حال میں ہر درجہ میں حرام ہے۔ اور اسکے لیے بعض آیات قرآنی کی تفسیر، سیرت رسول اور تاریخ امت کی ایسی ایسی تاویلیں بعض اوقات کرنی پڑنے لگیں، جو مسخ کر دینے کی حد تک پہونچ ہو پہنچ جاتی ہیں۔ ان جیسے زبردست اور سلیم الفکر صاحب قلم کا اہل حق کی صف سے نکل جانا، ملت کی بدقسمتی ہے۔ اللہ میں اب بھی قدرت ہے کہ مسلک حق ان پر واضح کر دے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

صادق علی خاں صاحب (حیدرآباد دکن)

ہر پرچہ کا ایک خاص سرمایہ اور ایک خاص موضوع ہوتا ہے۔ آپ کا مراسلہ صدق کے لیے موزوں نہیں۔ آپ نے اپنا پتہ لکھ دیا ہوتا تو مراسلہ آپ کی خدمت میں واپس بھیج دیا جاتا۔

ایک مضمون نگار صاحب کے اسم گرامی کی تصحیح

صدق ۱۲ میں تصوف و اسلام کے نام سے جو مضمون شائع ہوا ہے، اسکے مضمون نگار کا اسم گرامی بدر الدین صاحب ہے۔

ضرورت معلم

قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی میں ایک معلم کی ضرورت ہے جو اردو فارسی کے علاوہ ابتدائی عربی اور انگریزی کی بھی تعلیم دے سکیں۔ علاوہ ازیں مسجد میں امامت کی بھی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شاہرہ کے بارے میں بذریعہ خط و کتابت گفتگو فرمائیں۔

حکیم عبد القوی۔ قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی

تحفۂ خسروی

حاکم و محکوم کے تعلقات پر قرآن و حدیث اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے اقوال کا مجموعہ۔ اڈیٹر صاحب صدق کی ایک نہایت قدیم دو سال قبل کی تالیف۔ ساڑھے چار آنہ بھیجنے پر ارسال ہوگا۔

ملنے کا پتہ:۔ محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ۔ باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایڈیٹر:- عبدالماجد
مقام:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
سے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
،، ششماہی ۔۔
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۶۲ | شنبہ - [illegible] محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق - ۲۹ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

اپنی فلاح و بہبود کی دعا ہم نے، آپ نے، کس نے نہیں کی ہے؟ اور بار بار نہیں کی ہے؟ لیکن فلاح و بہبود سے عموماً مراد کیا رہی ہے؟ وہی روپیہ، پیسہ، [illegible] دولت، رزق کی وسعت کیلیے، معیشت کی فراغت کیلیے، گھوم پھر کر الفاظ [illegible] کچھ لائیے، نقد و عبارت میں جو کچھ چاہیے اور دل سے کام لیجیے، مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ جو کچھ اب مل رہا ہے، اُس سے زیادہ ہی ملنے لگے! —— دعائیں بارہا قبول بھی ہوئیں۔ آرزوئیں بارہا بر بھی آئیں۔ سَو والے کو پانسو ملنے لگے، اور پانسو والے کو ہزار نصیب ہو گئے۔ لیکن تجربہ نے سبق کیا سکھایا؟ عملاً نتیجہ کیا حاصل ہوا؟ کبھی کسی کی پیاس بجھی؟ کبھی کسی کو قرار آگیا؟ کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے؟ یا برعکس، اسکے ہوس کی آگ اور تیز ہوتی گئی؟ طلب و خواہش کی پیاس اور بڑھتی گئی؟ —— سیکڑوں اور ہزاروں اور لاکھوں کا کیا ذکر ہے، جنھیں بڑی سی بڑی بادشاہتیں مل گئیں، اُن کی طلب و خواہش کا دامن بھی اسی طرح پھیلا ہوا، اُنکے اندر کی آگ بھی ویسی ہی شعلہ زن!

ہم چنان [illegible] اقلیم دگر!

روزہ وگاندھی وشنگ برطانیہ پر - برطانیہ کے دانت امریکہ پر لگے ہوئے!

کیوں نہ اتنے تجربوں کے بعد ایک بار ذرا اپنی کوششوں اور خواہشوں کا رُخ بدل کر دیکھیے۔ اور بجائے دولت اور دولت کی رٹ اور پکار کے ایک بار دولت قناعت کو طلب کیجیے —— کہتے ہیں کہ دنیا میں ایک حکیم گزرا ہے، سب داناؤں سے بڑھکر دانا، اور سب عالموں سے زیادہ حقیقت شناس۔ اب وقت ہے کہ اُس کی بتائی ہوئی دعا بھی کبھی وردِ زباں کر لیا کیجیے:-

اللھم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیہ۔	اے اللہ تو نے مجھے جو کچھ بھی دیا ہے اُسی پر مجھے قانع کر دے، اور اُسی میں میرے لیے برکت رکھ دے!

اور دانا جانوں اور عرفاء اشتوں میں یہ دعا بھی تو اُسی کی سکھائی ہوئی ہے:

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک، واغننی بفضلک عمن سواک۔	اے اللہ حرام رزق سے بچا کر اپنے حلال رزق ہی کو میرے لیے کافی کر دے! اور اپنے فضل کے سوا سب کی طرف سے مجھے بے نیاز بنادے!

آمدنی میں اضافہ کے سیکڑوں ہزاروں ذریعے سوچتے رہنا، دن رات تنخواہ میں ترقی، کاروبار میں ترقی، "دستِ غیب" میں ترقی، کی فکر اور اُدھیڑ بُن میں پڑے رہنا اچھا، یا سب پر لات مار کر قناعت اور بے نیازی کی دولت سے سرفراز ہو جانا اچھا؟ —— دل کے چین اور مسرت کا چشمہ دل کے اندر سا بلتا ہوتا ہے، یا اُسے لانے کیلیے کہیں باہر جانا اور ہاتھ پھیلانا ہے؟

آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا می کرد!

---

۸۸ سال کا نوجوان!

نیوز کرانیکل (لندن) نے خبر دی ہے کہ کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی اوِرسٹ پر پہنچنے کی تازہ کوشش (جو ساتویں کوشش ہے) عنقریب شروع ہوگی، اور یہ مہم ۱۹۴۷ء میں عملی شکل حاصل کر سکیگی۔ محققین کا مختصر سا قافلہ چھ ارکان پر مشتمل ہوگا، اور قافلہ کے سالار ایک مشہور انگریز کوہ پیما ارک شپٹن ہونگے، یہ ۲۹ ہزار فٹ تک ہمالیہ پر چڑھ چکے ہیں - انکی عمر اس وقت ۸۰ سال کی ہے، ۱۹۴۷ء تک پورے ۸۸ سال کے ہو جائیں گے۔ (۱۸ - دسمبر ۱۹۴۵ء)

سورۂ بقرہ - رکوع ۲۴

بہ سلسلہ صدق نمبر ۶

(از عبد الماجد)

۲۰۴۔ ومنہم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار	اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں (بھی) بہتری۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھ! ۳۳۸

۳۳۸ یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہل ایمان کی جانب ہے مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔

حسنۃ وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر و خوبی آگئی

ان حسنۃ نکرۃ فی بیان الدعاء فھو محتمل لکل حسنۃ من الحسنات علی البدل (قرطبی)

والحسنۃ الکاملۃ فی الدنیا ما یشمل جمیع حسناتھا (روح)

دنیا میں حسنۃ توفیق خیر ہوئی، اور آخرت میں حسنۃ ثمرۂ خیر۔

والذی علیہ اکثر اہل العلم ان المراد بالحسنتین نعم الدنیا والاٰخرۃ وھذا ھو الصحیح فان اللفظ یقتضی ھذا کلہ (قرطبی)

ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر سے ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسول مقبول صلعم خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔

کان اکثر دعوۃ یدعو بہا النبی صلعم یقول اللھم اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (بخاری و مسلم - عن انس)

مال، اولاد، صحت، اطمینان، وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیل خیر میں معین ہوسکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔

آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ آتنا کا مفعول صرف حسنۃ ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جارہی ہے وہ حسنۃ یا بہتری ہی ہے، فی الدنیا اور فی الاٰخرۃ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب کے لحاظ سے یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے خواہ دنیا میں ہو تو بھی، اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمال خیر عنایت ہوں اور آخرت میں ثمرات خیر۔

۲۰۵۔ اولٰئک لہم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب	یہ وہ لوگ ہیں جنہیں حصہ ملے گا ۳۳۹ بوجہ اس کے کہ جو انہوں نے عمل کر رکھا ہے اور اللہ حساب بہت جلد لے لینے والا ہے ۳۴۰

بعض نادان اور سطحی دماغ رکھنے والے اہل قلم نے آیت سے عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے بلکہ قرآن خود طلب دنیا کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے! ——— تعالی اللہ عن ذٰلک علواً کبیراً۔ منا الطہ کی قلعی اوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلب دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمت اسلام کی عجیب و غریب صورت ہے!

۳۳۹ (دونوں جہانوں میں۔ اور جو گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے)

۳۴۰ (اور یوم حساب خود ہر لمحہ قریب آتا جا رہا ہے، بس اس سے غفلت ہرگز متقضائے عقل و دانش نہیں)

مما کسبوا میں من سببیہ ہے۔

ای من اجل ما کسبوا (بحر) من اجلہ (بیضاوی)

سریع الحساب اس جیسے قدرت کاملہ کے مالک کو حساب کرنے یا بندوں کو انکے اعمال کی جزا دینے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

ای سریع المجازاۃ للعباد باعمالہم (قرطبی)

جاہلی قوموں نے اس وصف خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔

۳۴۱ یعنی ایام تشریق میں، زمانۂ قیام منیٰ میں۔

منیٰ مکہ معظمہ سے شمال و مغرب میں ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت ہی پختہ اور عالیشان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی ہیں۔ موسم حج میں خوب آباد ہو جاتی ہیں۔ صاحب حیثیت حاجی انھیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پر رونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آجاتی ہیں

تشریق کے معنی قربانی کھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ ہیں، حاجیوں کے قافلے عرفات و مزدلفہ سے واپسی میں ۱۰ کو صبح یہاں پہونچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہرحال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات، سنن و مستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اترانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اتارنا۔

واذکروا اللہ اوپر حج کا ذکر بیان آیا، اور ذکر اللہ کی تاکید

۲۰۶ - واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقیٰ واتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون

اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے (دنوں) میں (برابر) یاد کرتے رہو[۷۴۱] - جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں[۷۴۲] (یہ) اُسکے لیے ہے جو ڈرتا رہتا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم (سب) اُسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے[۷۴۴]

...تعبیر شروع ہو گئی۔
تکبیر کی کثرت قیام زمانہ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے۔
ایام معدودات اس پر صحابہ و تابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زمانۂ تشریق ہے۔
خلاف بین اہل العلم ان الایام المعدودات ایام التشریق وقد روی ذالک عن علی وعمر وابن عباس وابن عمر وغیرہم (جصاص)

[۷۴۲] یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰ کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے، اور جسکا جی چاہے ۱۳ تک وہیں ٹھہرا رہے، جب بھی درست ہے۔

امام شافعیؒ کے ہاں اگر ۱۲ کو وہیں ٹھہرتا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کرلے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر ۱۳ تک ٹھہرنا ہے، تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کرڈالے۔

فلا اثم علیہ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل و مفضول نہیں۔ اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں۔ فقہائے حنفیہ کے ہاں ۱۳ کا قیام افضل ہے۔

[۷۴۳] یعنی یہ سب احکام نافع اُسی کے حق میں ہو سکتے ہیں جو دل میں خوف خدا و خشیت الٰہی رکھتا ہو۔

تقوے الٰہی کی اس شد و مد سے تاکید یوں ہی اور بیکار نہیں۔ مومن کے دل پر تقوے کی اہمیت نقش کرنے کے لیے ہے۔ وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو!

[۷۴۴] (اور اُسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا)

یہ یاددہانی حفظ اعمال میں کس درجہ موثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔

معذرت

نہایت افسوس ہے کہ اس نوٹ کی سطور بیچ سے اڑ گئی ہیں۔ اتنے حصہ کو صدق کے آئندہ پرچہ میں انشاءاللہ شائع کردیا جائیگا۔

۲۰۷ - ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوٰۃ الدنیا ویشہد اللہ علیٰ ما فی قلبہ وہو الد الخصام

اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ[۷۴۵] اس کی گفتگو جو دنیوی غرض سے ہوتی ہے آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو اسکے دل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے اور حالانکہ وہ شدید ترین دشمن[۷۴۶] ہے۔

[۷۴۵] (اس کی چرب زبانی کی بنا پر اسکے ادعائے اسلام و حُب اسلام کے باعث)۔ اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا۔ آخرت کے قائلین و معتقدین کا اور آخرت کے معتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا۔ اب ذکر منکرین اور منافقین کا ہوتا ہے۔ اور ابتداء منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔

ومن الناس لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو۔ ایک بھی ہو سکتا ہے، بہت سے بھی ہو سکتے ہیں۔
اشارۃ الی بعضہم فیحتمل الواحد ویحتمل الجمع (کبیر)

فی الحیوٰۃ الدنیا۔ فی اظہار مقصودیت کے لیے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اُسکا محض حصول دنیا ہوتا ہے، طلب آخرت نہیں۔
یطلب بہ حظا من حظوظ الدنیا (کشاف) لطلب مصالح الدنیا (کبیر)
فی، اب ہیں، یا، دوبارہ، کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہونگے کہ "دنیوی امور سے متعلق"۔
ای یقولہ فی امور الدنیا واسباب المعاش (بیضاوی) در باب تدابیر دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی)

شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص خوش منظر و خوش تقریر اخنس بن شریق نامے تھا۔ مجلس رسولؐ میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان و اسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا۔ لیکن جب مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی حرکات شرانگیز میں لگ جاتا۔

محرم

اسلامی تعلیمات کے نقطۂ نظر سے ماہ محرم کی کوئی اہمیت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے عہد میں یہ ایک مہینہ تھا دوسرے مہینوں کی طرح۔ البتہ عرب میں سال کے چار ماہ جن میں جنگ و قتال حرام تھا، یہ مہینہ بھی ماہ حرام تصور ہوتا تھا۔ اسلام نے بھی اس حرمت کو قائم رکھا۔ کیونکہ اس کی منزل تو یہ ہے کہ نوع انسانی پورے سال جنگ و جدال سے الگ رہے اور خدا کی زمین پر کامل امن و امان قائم رہے۔ لیکن ۶۱ھ میں جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت دشت کربلا میں واقع ہوئی تو جو لوگ حب اہلبیت کے نام سے امت میں تفرقہ، خانہ جنگی اور قتل و ہلاکت جاری کرنے کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو تبلیغ مقاصد کا ذریعہ بنا لیا۔

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی بعض نہایت الم انگیز سانحات پیش آچکے تھے۔ مگر چونکہ اسلام کا مزاج ماتم گساری اور سینہ کوبی سے بالکل میل نہیں کھاتا۔ اسکے نزدیک زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مسرت کا ہو یا غم کا، زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ اور زندگی مسرت اس لیے ہے کہ خدا کی راہ میں کام آئے۔ اس لیے مسلمانوں نے واقعات شہادت کو غم انگیزی اور ماتم آرائی کا ذریعہ بنانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بڑی اندوہ آفریں اور جگر گداز تھی مگر ایک وقتی حزن و ملال کے علاوہ جو ہجر و فراق کا قدرتی نتیجہ تھا۔ اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی گئی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے جو غالباً تمام انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک ہی سانحۂ المیہ ہے۔ اسکو بھی اسلامی تاریخ کا کوئی مستقل عنوان غم نہ بنایا گیا۔ بلکہ اللہ کے رسول کے حقیقت آشنا دوستوں نے داماد رسول اور پیروان حق کے امیر و امام کے جنازے کو اندوہگیں قلوب اور پرنم آنکھوں کے ساتھ کندھا دیا، جنت البقیع میں اُسے پہونچایا، اُنکی میت مبارکہ کو سپرد خاک کرکے دعائے مغفرت کی اور قصہ ختم کر دیا۔

فی الحقیقت پوری انسانی تاریخ میں —— صرف اسلامی تاریخ ہی میں نہیں —— شہادت حسینؓ کے غم آفریں سانحے کو جو شکل و نوعیت دیدی گئی اسکی مثال کہیں نہیں ملتی۔ سانحہ بہت المناک تھا۔ ایک مرد حق کا اپنے تمام کنبے کے ساتھ مصیبت و تکلیف کے انتہائی احوال میں بیکسی کے ساتھ جان دیدینا معمولی واقعہ نہیں، مگر اس واقعہ کا جو استعمال "محبان اہلبیت" نے کیا، وہ نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ غیر شریفانہ اور غیر انسانی بھی ہے۔

سب سے پہلے تو اسکو صرف غم و اندوہ کا سامان بنایا گیا۔ گویا اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ سینہ کوبی کی جائے اور صرف چند آنسو بہا لیے جائیں۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت کا جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام [illegible] نہ صرف یہ تھی کہ ماتم و سوگواری کی ایک مستقل یادگار قائم کر دی جائے۔ تاکہ امت میں ایک رونے رُلانے والا گروہ پیدا ہو جائے جسکے نزدیک نجات اخروی کا مدار ہی غم حسینؓ پر چند آنسو گرانا ہو۔

دوسرے اس واقعۂ شہادت کو شتم صحابہ اور سب صلحا کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ گویا حسین رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں کوفیوں نے قتل نہیں کیا تھا جو چند روز پیشتر حامیان حسینؓ تھے، بلکہ صدیقؓ و فاروقؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تلوار چلائی تھی۔ اور کسی واقعہ کی اتنی غلط اور بیہودہ تعبیر سے انسانی تاریخ یکسر خالی ہے۔

تیسرے شہادت کی جو اصل غرض و غایت تھی اور اسکے جو حقیقی اسباب تھے، اُن پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اور اسے سیاسی پروپگنڈے کے لیے آلۂ کار بنا لیا گیا، جسکا مقصد صرف یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت و امارت کے خلاف گروہ بندی کی جائے اور بالآخر جب بنی امیہ کا اقتدار ختم ہو گیا اور منصور و سفاح کے ذریعہ بنی عباس برسر حکومت آگئے تو پھر انکی جڑیں کھودنے میں واقعات کربلا کو آلۂ کار بر آری بنایا جائے۔ یہاں تک کہ امت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اور خانہ جنگی کا ایسا لامتناہی سلسلہ جاری ہو جائے کہ اسلام کی سطوت و طاقت بالکل ختم ہو جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی حقیقی صورت یہ نہیں کہ انھیں دشت کربلا میں اعزہ و اقربا کے ساتھ شہید کر دیا گیا، بلکہ یہ ہے کہ اُن کے مقصد شہادت کا نقشہ بگاڑ دیا گیا۔ اور انکو انسانی تاریخ میں ایک طالب حکومت جنگ آزما شخص کی حیثیت میں جگہ دیدی گئی۔ جس نے حریف کے سامنے بیکسی سے اپنی جان دیدی۔ غور فرمائیے کہ اگر حقیقت اتنی ہی ہے تو کردار حسینؓ میں کونسی عظمت باقی رہ جاتی ہے؟

لیکن حاشا وکلا شہید کربلا کی زندگی اس قسم کی پست افکار و خیالات اور ادنیٰ اغراض و مقاصد سے بالکل پاک ہے۔ حقیقت میں اُن کی زندگی کی ساری جدوجہد اسلام کے چند بنیادی اصولوں کی حفاظت پر مرکوز رہی اور بالآخر اسی راہ میں انہوں نے شہادت پائی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جس مرحلے پر امت کی تاریخ کے پہونچنے پر نمودار ہوئے تھے وہ اپنی نوعیت میں نہایت نازک تھا۔ اُس وقت اسلام مشرق و مغرب اور ایران و روم میں پھیل چکا تھا اور اسکی تہذیب کی ٹکر جاہلی تہذیبوں سے ہو رہی تھی۔ اس ٹکر کا سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اسلامی اسٹیٹ کا نظم صرف ان اصولوں پر قائم ہو، اسکی بنیاد صلحائے امت کے شوریٰ پر ہو یا قیصر و کسریٰ کے رسم و رواج کے مطابق ولیعہدی، جانشینی اور نسلاً بعد نسل ملوکیت کے نظام و اصول پر۔ بدقسمتی سے ایک طبقہ خلافت راشدہ کے آخری دور کے واقعات سے اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ امت میں اب صلحا کی اتنی تعداد اور اسکا اثر اتنا نہیں رہا کہ تلوار کے بغیر امارت و خلافت کا فیصلہ ہو سکے۔ انہوں نے دیکھا کہ روم کی عیسائی سلطنت میں ایک بادشاہ مرتا ہے اور اُسکا بیٹا چپکے سے تخت حکومت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے اور خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں ٹپکتا۔

یعنی غلط خیال میں مبتلا ہوگئے کہ جانشینی اور ولیعہدی کا نظام سیاست ہی اسوقت کار فرما اور مفید مطلب نظام ہے۔ یزید اسی غلط خیال کی پیداوار تھا اور اسکی خلافت و امارت اسی غلط مفروضہ پر مبنی تھی۔ اسوقت ضرورت تھی کہ ایک مرد حق اُٹھے اور اس جاہلی فلسفہ کے تار و پود کو بکھیر کر رکھدے۔ اور جہد ی تو عالم پر اپنے خون گرم سے روشن حروف سے یہ لکھدیا جائے کہ اسلام میں ملوکیت اور اس پر قائم ہونے والے نظام سیاست کے لیے کوئی گنجائش نہیں ——— حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اس تقاضہ کو پورا کیا اور اپنی جان اس غرض کے لیے قربان کردی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے فرض کیجیے کہ واقعہ شہادت پیش ہی نہیں آیا۔ شہید کربلا کے واقعات زندگی کو تاریخ میں سے نکال دیجیے اور پھر بتایئے کہ اسلامی سیاست کے اس پہلو کو ثابت و ظاہر کرنے کے لیے کوئی سامان موجود ہے؟ ——— اس سوال کا جواب ایک کامل نفی میں لیگا۔ اسلام کی تاریخ ما بعد میں سلاطین جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور اسلامی نظام سیاست کے شورائی پہلو کو واضح کرنے کے لیے حضرت حسین کی عزیمت ایک ناگزیر شے ہے۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ حضور اپنا جانشین کسی شخص کو مقرر نہیں کرتے۔ مہاجرین و انصار کا طریق کار ہے کہ وہ اسلامی ریاست کا رہنما منتخب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منتخب کرلیتے ہیں۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اولاد میں سے کسی کو نامزد کرنے کے بجائے اپنے بعد بہترین شخص کو مقرر کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ ایک کابینہ سا بنا دیتے ہیں، تاکہ اسکے ارکان اپنے میں سے کسی شخص پر اتفاق کریں۔ اور اپنے بیٹے کو اس کا رکن نامزد کرنے کے باوجود خلافت کی امیدواری سے محروم کردیتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ صورت حال ہے کہ خلیفۂ اسلام اپنے بیٹے کو ولیعہد نامزد کرتے ہیں۔ کیا ایسے وقت بس اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ حقیقت کو قائم کرنے کے لیے کوئی شخص میدان میں نکلے ——— اور ایسا شخص اسوقت حسینؓ کے سوا اور کون ہوسکتا تھا۔ لیکن امت کی بدنصیبی دیکھیے کہ جس غرض کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی جان دے ڈالی اُسکے بالکل برخلاف نظریہ پیش کیا گیا، اور کہا گیا کہ یہ سارا قصہ محض اس لیے پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد امت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ کے عمزاد بھائی ہونے کی بنا پر جانشین رسول نہ بنایا۔ گویا بات وہی صحیح تھی جسکو حضرت معاویہؓ نے اختیار کیا۔ اسلامی ریاست کا اصول جانشینی ہی کا ہے فرق صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اصول حق کے لیے میدان میں نکل نہ سکے بلکہ وہ "تقیہ" کرکے اپنی جان سلامت لے گئے۔ اور اُنکے فرزند گرامی نے اپنی جان دے ڈالی۔ اگر اس نظریہ کو تسلیم کرلیا جائے تو فرمایئے اسلام اور اس کی تاریخ کے دامن میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نظریہ بالکل غیر اسلامی ہے۔ اس کی تعبیر غیر اسلامی ہے اسکا فلسفہ غیر اسلامی ہے، اور حق وہی ہے جس پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قائم رہے اور جسکو قائم کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صبر و تحمل سے اور حضرت حسینؓ نے جہاد و شہادت سے کام لیا۔ اور محرم کے نام سے آج جیسی خرافات امت کے مختلف فرقوں میں پائی جاتی ہیں اس سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں۔ انکی بنیاد صرف سیاسی پروپگنڈے پر ہے۔ جسکا آج کوئی مصرف نہیں اور نہ ضرورت ہے۔ اب نہ یزید ہے نہ اُسکے نام لیوا ہیں۔ نہ مسئلۂ خلافت ہے اور نہ اُسکے امیدوار۔ اب تو اسلام کے سامنے اور ہی مسائل درپیش ہیں۔ آج قضیۂ خلافت نہیں پورے اسلام کو ازسرنو دنیا پر قائم کرنے کا سوال امت کے سامنے ہے۔ دین باطل نے ہمہ گیر غلبہ حاصل کرلیا ہے اور ضرورت اُن پیروان حسینؓ کی ہے جو اقامت دین حق کے لیے اُٹھیں اور باطل کی فوجوں سے ٹکرا جائیں۔ (کوثر)

(بقیہ صفحہ ۲)

مسز چرچل کی طرف کی سے بیوفائی کی بنا پر گزری تھی وہ آج منظور ہوگئی۔ اور مسز چرچل کو طلاق مل گئی۔ شادی ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔" (رپوٹر)

شوہر کو انگریزی قانون میں بیوی سے افتراق جب ہی حاصل ہوتا ہے جب بیوی پر جرم بدچلنی ثابت ہولے۔ اور "شریک مدعا علیہا" سے قانونی اصطلاح میں مراد وہ شخص ہوتا ہے جس سے بدچلنی پائی جائے۔ سپہ سالار افواج ہند سپہ سالار ہند شعبۂ ہوائی میجر چرچل۔ ان سے بڑھکر سوسائٹی میں معزز افراد اور ممتاز عہدہ دار اور کون ہوسکتے ہیں۔ اس مرتبہ کے معززین وشرفاء کے ہاں بدچلنی و حرام کاری کے واقعات ہمارے دور جاہلیت میں بھی کبھی پائے گئے تھے؟ دور عروج میں نہیں، دور انحطاط میں؟ ——— قصور اشخاص و افراد کا اتنا نہیں، جتنا اخلاق سوز ماحول، عصمت کش تہذیب، بےحیائی پرور تعلیم کا ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

شفقت جیلانی صاحب۔ (ضلع جالندھر) اگر مناظرہ و مباحثہ کی گنجائش باقی ہوتی تو سرورست ہی کیوں دستبرداری اختیار کی جاتی۔

بزم ہمدردان صدق

(۱) داؤد محمد صاحب (ڈربن، جنوبی افریقہ) ۵

(مہتم صدق)

(بقیہ صفحہ ۵)

نے یہ بھی شبہ کیا ہے کہ قرآن کریم، بائبل (انجیل و توراۃ وغیرہ) سے ماخوذ ہے اور انہیں کی نقل ہے۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ تو محض نقل ہے، اور اصل کے ہوتے نقل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ پادری عماد الدین نے تحقیق الایمان صفحہ ۵۵ پر لکھا ہے۔ وہ سب احکام جو محمدی تعلیم میں مذکور ہیں سب موسیٰ علیہ السلام ہی کی شریعت اور توراۃ سے لیکر قرآن میں لیے گئے ہیں

جواب قرآن شریف اگر واقعی نقل مطابق اصل ہے تو پھر اسلام کوئی جداگانہ چیز نہیں۔ بلکہ بایں لحاظ مستقدہم اسلام تو عین عیسائیت یا عین یہودیت قرار پاتی۔ کیونکہ تمہارے بقول شما، درحقیقت نقل محض ہے۔ المائدہ کے قرآن کی تفسیر کا مجموعہ ہمارے پاس ہے۔ اس میں قرآن کو بائبل سے ماخوذ بتایا ہے۔ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ پرچہ مائدہ میں ملاحظہ ہو۔

دوسرے یہ اعتراض وارد ہوگا کہ جب قرآن شریف توراۃ و انجیل کی نقل ہے تو پھر اسلام میں اور ان فرقوں کے درمیان اسقدر اختلاف کیوں پیدا ہوا کہ انکا جدا جدا نام اور ان میں جدا جدا احکام تجویز ہوا، اور پھر یہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اہل اسلام کا اسقدر سخت سے سخت مقابلہ کیوں کیا۔ حتیٰ کہ خدا کی لڑائیاں ہو گئیں؟

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ حقیقت درست ہے کہ قرآن شریف مجموعۂ بائبل کی ایک نقل ہے تو پھر اس اعتراض کے کرنے کی سب سے اول حقدار صدر اول کے یہودی اور عیسائی تھے جنکے روبرو قرآن شریف تیئیس سال برابر اترتا رہا۔ کیونکہ وہ اہل کتاب خصوصاً یہودی اسلام اور کتاب اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ جان اور مال سب کو اسلام کے خلاف قربان کرنے کے لیے نہ صرف تیار تھے بلکہ تمام جنگوں اور لڑائیوں اور تکلیف و ایذارسانی کے یہی لوگ بانی ہوتے تھے۔ پس ان یہودیوں اور عیسائیوں میں سے کسی کا یہ اعتراض نہ کرنا کہ قرآن شریف بعینہٖ نقل توراۃ یا انجیل ہے، ہرگز نظرانداز کر دینے کے قابل نہیں ہے۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ وہ لوگ اگر قرآن کو توراۃ یا انجیل کی تعلیمات کے عین بعین اور اصل کی نقل سمجھتے تو حضور سے بجائے منازعت اور حسد کرنے کے حضور کی پوری پوری امداد کرتے یا کم از کم اچھی نگاہ سے دیکھتے۔ کیونکہ انکے مذہب کی اشاعت کے لیے مفت کا ایک ایسا آدمی مل جاتا اور آگیا جو حسن اتفاق سے سارے قوم میں ہردلعزیز تھا اور امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ جس سے اشاعت کا فرض خوب ادا ہوتا۔

قرآن کریم تو ان کا قول نقل فرماتا ہے ما سمعنا بهذا في الملة الآخرة إن هذا إلا اختلاق (سورۂ ص) اسکا مطلب یہی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ انکی ساختہ باتیں ہیں۔ کیونکہ ایسا بیان آج تک ہم نے اگلے وقتوں میں دیکھا نہ سنا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضور کو کہتے تھے آیت ائت بقرآن غیر هذا او بدله (یونس) کہ ہم اس قسم کا قرآن نہیں سننا چاہتے یا تو کوئی دوسرا قرآن لاؤ۔ یا اگر پہلے ہی قرآن رکھنا ہو تو کم از کم اسکے مضامین بدل دو۔ علاوہ اسکے اس شبہ کو بے حقیقت قرار دینے کے لیے یہ خود کافی ثبوت ہے۔ جو آج تعلیمات انجیل اور قرآن کریم میں فرق موجود ہے۔ ہم اس جگہ تمثیلاً قرآن کریم کی ایک جامع آیت پیش کرتے ہیں ارشاد ہے والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له (مائدہ) یعنی زخموں کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔ اس سے توراۃ اور انجیل کی تردید صاف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ توراۃ کی تعلیم صرف بدلہ لینے کی ہے چنانچہ حکم ہے۔ دانت کے بدلے دانت۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک۔ (توریت گنتی باب فقرہ)

انجیل کی تعلیم مطلقاً نہ بدلے پر ہے۔ حکم ہے کہ شریر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دو۔ جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لیجائے تو اسکے ساتھ دو کوس چلا جا۔ (انجیل متی باب ۵ آیت ۳۹)

ظاہر ہے کہ جس طرح یہ نہیں درست ہے کہ کسی حالت میں بھی جذبۂ انتقام سے کام نہ لے سکے۔ بلکہ بعض حالات میں اسکی ضرورت تھی کہ شریر آدمی کو اس کی شرارت کی سزا دی جائے تاکہ وہ سرتابی اور ایذائے خلق سے باز رہے۔ اسی لیے سلطنتیں قوانین و تعزیرات مقرر کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ اسکے ہر قصور پر سزا بھی ضرور دی جائے بلکہ بعض صورتوں میں اسکے قصور کا نظرانداز کر دیا جانا یا معاف کر دینا ہی انسب اور برمحل ہوتا ہے۔ اسی لیے مصلحین قوم کہتے آئے ہیں

بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی احسن الی من اسا

اب جبکہ بشہادت عقل انسانی و فطرت بشری ہم یہ ثابت کر سکے ہیں کہ نہ ہی توراۃ کی یہ تعلیم درست ہے اور نہ ہی انجیل کی۔ کیونکہ ان میں ایک ہی ایک شق کا حکم دے کر دوسرے کو ترک کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ دونوں کی اجازت کی ضرورت ہے۔ اسی لیے کلام معجز نظام میں فرمایا جزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره على الله اور ارشاد ہوا والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له (مائدہ) جسکا مطلب یہ ہے کہ بدلہ بھی لیا جا سکتا ہے اور معاف و درگزر بھی کیا جا سکتا ہے بالکل اسی [illegible] مسئلہ قصاص میں قرآن کریم کا ارشاد، تعلیم انجیل یعنی توراۃ کے بالکل مخالف ہے۔ پس ان دو نظیروں سے قرآن مجید میں ایسی نئی تعلیم اور جدید حکم کا ہونا ثابت ہوا، جو انجیل اور توراۃ کی تعلیم سے یکسر منافی ہے، تو پھر یہ ادعا کہ قرآن اپنی تعلیمات کے لحاظ سے اگلی کتابوں کی نقل ہے، صراحۃً باطل و بے حقیقت ٹھہرا۔ کما لا یخفیٰ۔

(باقی آئندہ)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن برقی پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

یہ ایک منجملہ اُن بیسیوں نمونوں کے ہیں جو آسٹریلیوں کی کی گئی ہیں۔ میچ کے دوران میں بعض ہندوستانی تماشائیوں کا طرزِ عمل اس درجہ ناخوشگوار تھا کہ ایک مرتبہ تو کھیل روک ہی دینا پڑا تھا! ٹسٹ میچ کے بعد جب سابق آسٹریلین کھلاڑی ڈاکٹر ایوڈسن سے سوال کیا گیا کہ آپ کے خیال میں ہندوستان کو آسٹریلیا میں کھیلنے کے لیے دعوت نامہ ملنے کا کہاں تک امکان ہے؟ تو اس نے بڑی حکمت عملی سے جواب دیا کہ "آسٹریلیا سے کھیلنے کے لیے تو اتنے زائد ملک تیار ہیں کہ ہندوستان کو دعوت نامہ ملنے کی باری تو کہیں مدت ہی میں آئیگی"۔

ہندوستان میں بیشک ابھی بہت سی خرابیوں کا دور دورہ ہے۔ لیکن عجب نہیں جو ہندوستان کے لیے سب سے بڑی مصیبت اُسکا پریس ہی نکلے۔ جب تک اسکی اصلاح نہیں ہوتی اور جب تک یہاں خبریں دیانت کے ساتھ نہیں پیش کی جائیں گی، ہم ہندوستانیوں کو ہزار سمجھانا چاہیں، وہ ہرگز ہمیں نہ سمجھ سکینگے، اور نہ ہماری نیک نیتی کے قائل ہونگے!

کام کی رفتار

انگریزی پارۂ دوم کی طبع واشاعت کی اطلاع پچھلے مہینہ درج ہو چکی ہے۔ پارۂ سوم کے سلسلہ میں تاج کمپنی کا تازہ مکتوب:۔

" انگریزی کام کا جلدی کرانا ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ دوسرے ہاتھوں کا کام ہے۔ ہم روپیہ خدا کے فضل سے لگا سکتے ہیں۔ کتابت اور بلاک سازی جلد سے جلد کرا سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی مضمون کی کمپوزنگ ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ جس دن پارۂ دوم چھپ کر آیا، اُسی دن ہم نے تیسرا پارہ دیدیا۔ منت کی۔ خوشامد کی۔ انھوں نے پہلے اور دوسرے پارہ سے دوگنا نرخ بتایا۔ اُسے منظور کرلیا۔ لیکن آج تک پروف کا ایک صفحہ کا بھی نہیں آیا۔ فون پر روزانہ جھاڑ جھپاڑ کرتا ہوں، لیکن چکنے گھڑے والا معاملہ ہے۔"

جن چیزوں میں ہم مغربی قوموں سے ابھی بہت پیچھے ہیں، ان میں سے یہ وقت کی پابندی، بات کا پاس، اور مستعدی وکارگزاری ہے۔ اور اہل مطبع اور ناشرین تو خاص طور پر اپنے تساہل اور بدعہدیوں کے لیے بدنام ہیں۔ پارۂ اول مئی سنہ ۴۴ء میں نکلا تھا، کہاں اندازہ یہ تھا کہ ڈھائی سال میں پورے تیسوں پارے شائع ہو جائیں گے، اور کہاں اب تک کل دو پاروں کی نوبت آئی ہے!

"نئی دنیا" کی دنیا

" نیویارک - ۲۴ - نومبر۔ ہمارے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے:۔

ستمبر کے مہینہ سے نیویارک پر جرائم کی شدید رَو دوڑ چکی ہے، اس شہر کے پانچ حلقوں میں سے صرف ایک حلقہ مینہاٹن میں، دو ماہ کی مدت میں رہزنی، سرقہ بالجبر اور حملوں کی وارداتوں کے ۲۲ تو صرف قتل ہی ہو چکے ہیں! اور نیویارک کی اسپیشل پولیس کے ۲۱۲ ماہرینِ فن کو تازہ حکم ملا ہے کہ وہ ڈاکوؤں کو گولی مار کر ہلاک کر دیں۔ شہر کا ایک ایک پولیس مین ڈیوٹی پر لگا لیا گیا ہے، اور سب کو کچھ دیر روزانہ زائد کام بلا معاوضہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ مسلح پولیس کے نئے دستے خاص طور پر بھرتی کیے گئے ہیں، اور گشت دن رات ہوا کرتے ہیں۔ پیدل، اور بیس غیر معمولی قوت کے انجن والے موٹروں پر ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار رکھنے والے ان سب کے پاس رائفلیں بھی ہوتی ہیں اور مشین گنیں بھی، اور بیسیوں پستول نشانہ بازی میں انعام پائے ہوئے پولیس مین ہیں۔ ان سب کا ریڈیائی سلسلہ شہر کی ہر پولیس چوکی سے ملا رہتا ہے، اور ہر پولیس ریڈیائی موٹریں ہر وقت گشت میں رہتی ہیں۔ پولیس کمشنر کا بیان ہے کہ یہ ساری جنگی اور حربی تیاریاں شہر کے خونیوں، قاتلوں، رہزنوں اور گنڈوں کے مقابلہ کے لیے ہیں، جنھوں نے اسکا بیڑا اٹھایا ہے کہ جنگ کے پہلے سال میں جو ۴۲ ہزار سنگین جرائم ہوتے تھے، اس ریکارڈ کو بھی اس وقت مات دیدینگے۔" (نیوز آف دی ورلڈ، لنڈن - ۲۵ - نومبر ۴۵ء)

گویا ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم اول سے دنیا کو ترکہ اگر مہلک قسم کے انفلوانزا، نمونیا، وغیرہ وباؤں کا ملا تھا، تو اس جنگ عظیم ثانی کا ترکہ ۱۹۴۵ء میں، علاوہ گرانی وقحط کے، قتل، سفاکی اور عام بدامنی ہے! —— خدا اور خدائی قانون سے بے نیاز رہنے والی، اور اُس بے نیازی پر فخر کرنے والی حکومتیں، آخرت تو خیر، دنیا کو بھی کیا کچھ سنبھال رہی ہیں! دنیا کو بھی کیسے کیسے انعاموں سے سرفراز کر رہی ہیں! ——

محمد علی جوہرؔ ؎

عقبیٰ تو کجا واں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک
اُس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھو!

دھوکے کی ٹٹیاں

" ہمارے نقلی ہوائی اڈوں نے برطانیہ میں جو اہم خدمت انجام دی، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دشمن کے ۴۴۳ ہوائی حملوں سے کُل ۴۳ کے نشانے ہمارے اصلی ہوائی اڈے ہو سکے! ہماری وزارت صیغہ ہوائی کے تازہ بیان سے اعلان کیا ہے کہ ہم نے برطانیہ میں ۵۰۰ نقلی مقامات بنا رکھے تھے، اسٹیشن، شہر، کارخانے، ہوائی اڈے، وغیرہ۔ اور بارہا ایسا ہوا کہ اصل مقام بالکل بچ گیا، اور اس کی نقل پر بار بار حملہ ہوا۔ وزارت کا اندازہ ہے کہ ان مقامات نے ۲½ ہزار انسانوں کو مرنے سے اور ۳ ہزار کو زخمی ہونے سے بچا لیا۔ اور کُل بموں میں سے صرف ۵ فی صدی برطانیہ کی آبادی پر پڑ پائے۔" (ڈیلی میل۔ لنڈن، ۲۴ - نومبر ۴۵ء)

ابھی کیا ہے۔ ابھی اور رفتہ رفتہ کتنے "کمالات" صاحب کے اسی طرح کے کھلیں گے۔ اور جس سچّے نے جنگ کو حیلہ و مکر بتایا تھا (الحرب خدعۃ) اُسکی بات کی تصدیق ساڑھے تیرہ، چودہ صدیاں گزرنے کے بعد تو اور زیادہ ہوگی۔

"جور فلک" صاحب کی زبان سے

لنڈن کے مشہور ہفتہ وار

آبزرور (۲۵۔ نومبر ۱۹۴۶ء) میں ایک مقالہ سوا کالم پڑھ کا طویل ڈوروتھی ٹامسن کے قلم سے ہے، جو امریکہ کی مشہور و ممتاز اہل قلم صحیفہ نگار و اخبار نویس ہیں۔ مقالہ کے نقل و ترجمہ کے حقوق قانوناً محفوظ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ نے باوجود جنگ میں سب سے کم نقصان اٹھانے کے، اپنی روح کو مجروح، اور اپنے اخلاق کو داغدار کرچکا ہے۔ اور اسراف وغیرہ کی لعنت میں بری طرح مبتلا ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے "بہترین دور، بدترین دور"۔ اور خاتمہ پر مشہور برطانوی ناول نویس ڈکنس کا یہ فقرہ درج ہے کہ "یہ بہترین زمانہ بدترین تھا"! ---- کون کہتا ہے کہ زمانہ کی شکایت، اور جور فلک کا شکوہ مشرقیوں کے ساتھ مخصوص ہے؟ دل میں چبھن جس کسی کے بھی ہو، وہ مشرقی ہو یا مغربی، ایرانی ہو یا امریکی، زبان پر نالہ و فریاد بہرحال آکر رہیگا۔ اور مصیبتیں اور پریشانیاں، فرنگی دنیا کے اقبالمند ساکنین کی بھی، اب عہد و ضبط کی حد سے گزر چکی ہیں۔

قول اور عمل

"رامپور ہاٹ۔ بیربھوم۔ ۲۲۔ دسمبر۔ آج گاندھی جی نے اپنی ہندوستانی تقریر میں ۶۰ کانگرس کارکنوں کے سامنے کہا کہ ہندو مسلم اتحاد تو صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی بے لوث خدمت، سیاسی اغراض سے الگ ہوکر کیجائے"
(ایسوشی ایٹڈ پریس)

خبر میں یہ درج نہیں کہ تقریر کے اس جزو کا اثر گاندھی جی کے خاص الخاص ماننے والوں نے، شیدائیوں نے، پرستاروں نے، ہونے والے جانشینوں نے کیا قبول کیا! اس تعلیم پر عمل اگر کسی درجہ میں بھی ہوتا، تو آج ملک کی فضا کتنی بدلی ہوئی ہوتی؟ ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ کی کچھ ہوتی!

خلاصۂ مراسلات

(از جناب قدرت علی صاحب بھوپال) ۱۳۔ دسمبر۔ جمعرات مطابق ۱۸۔ محرم کو منشی راحت علی صاحب انصاری رسولوی وکیل ۸۔ بجے صبح وظیفہ سے فارغ ہوتے ہی اچانک حرکت قلب بند ہونے سے رحلت فرماگئے۔ بڑے دیندار اور ہردلعزیز تھے۔ صدق کے بہت پرانے خریدار سچ کے زمانہ سے تھے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم اور ۲۵ سال کی پرانی تالیف)

حاکم و محکوم کے تعلقات پر احادیث و قرآن اور حکماء یونان کے اقوال سے بحث۔ ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ آنے پر بھیجی جاسکتی ہے۔ پتہ محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نئی کتابیں

(۱) **قرآن اور تصوف**۔ از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ۔ دکن۔ ضخامت ۲۰۲ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت عہ مجلد ہے، پتہ:۔ ندوۃ المصنفین، دہلی، قرولباغ۔

"تصوف پر اردو میں اب تک بہت کچھ آچکا ہے، بعض اچھے اچھے اہل نظر کے قلم سے بھی۔ پھر بھی ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اور اسی ضرورت کے پورا کرنے والوں میں ایک امتیازی مقام صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کو حاصل ہے۔ اسکے قبل بھی وہ اس قسم کے مضامین پر متعدد بار قلم اٹھاچکے ہیں۔ انکا یہ تازہ ترین افادہ شاید انکا بہترین افادہ بھی ہے۔

تصنیف کا صحیح تعارف خود مصنف کی زبان سے سننے کے قابل ہے:۔

"اس کتاب میں حقیقی اسلامی تصوف کا صاف و واضح بیان ہے جسکا مقصود و حصول مقام عبدیت مع الالوہیت و دریافت و شہود حق ہے جسکا نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود خلق و حق ہے۔ اس تصوف کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم ہے۔ اسکو شاید پہلی مرتبہ اس وضاحت و منطقی ترتیب سے پیش کیا جارہا ہے۔ راقم الحروف کو اسکے اہم مقامات کی لسانی تعلیم عارف کامل الوقت حضرت مولانا محمد حسین صاحب نہایت سے ملی ہے۔ اس مقالہ کی ہر سطر مشید بالکتاب و السنۃ ہے۔ اسکو اکابر اولیاء دین کی تائید حاصل ہے۔ گو ہر مقام پر انکی کتابوں کا حوالہ دینا ضروری نہیں خیال کیا گیا، اس سے وہی شخص مستفید و مستریح ہوسکتا ہے جسکو تفقہ فی الدین کی نعمت عطا کی گئی ہے جس نے اپنی عقل کو علم اللہ کے تابع کردیا ہے، اور کتاب و سنت کو معیار حق و باطل قرار دے لیا ہے۔" (ص ۲۲۔۲۵)

ایک مفصل و مبسوط مقدمہ کے بعد کتاب کے ابواب حسب ذیل ہیں:۔
عبادت و استعانت۔ قرب و معیت۔ تنزلات ستہ۔ خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہود۔

ان میں سے دو باب پہلے بھی ملک کے علمی رسالوں میں شائع ہوچکے ہیں۔ باب اول "قرآن کا فلسفۂ مذہب" کے عنوان سے، باب دوم "خلق و حق" کے نام سے۔ اور باب سوم

کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسکی متحمل نہیں، کہ اس کے مباحث کے خلاصے درج کیے جائیں یا کتاب کے چند اقتباسات سے کام چل جائے۔ کتاب سے لطف و نفع حاصل کرنے کے لیے کتاب ہی کا مطالعہ کرنا ہوگا، دیکھیں شروع سے آخر تک ---- کتاب کے مباحث مربوط ہی ایک دوسرے سے ایسے ہیں ---- البتہ ناظرین یہ اطمینان رکھیں کہ مطالعہ پر جو وقت صرف کیا جائیگا وہ ضایع کسی طرح نہ ہوگا۔ مصنف کے قلم اور کتاب کے دقیق سے دقیق مباحث میں بھی جان موجود ہے۔ اور مصنف، چونکہ تصوف کے علاوہ

فلسفۂ مغربی، شعر و ادب، اور قرآن مجید، حدیث، اور کلام و فقہ وغیرہ دوسرے علوم شرعیہ میں بھی دخل و درک، بلکہ بعض میں کمال رکھتے ہیں، اس لیے کتاب عام اہل علم کے لیے بھی اچھی خاصی دلچسپ اور پُرمغز ہو گئی ہے۔

کتاب تصوف سے زیادہ فلسفۂ تصوف پر ہے، اور عام، کم استعداد ناظرین کے قابل نہیں۔ سمجھنے کے قابل صرف انھیں لوگوں کے ہے، جو خود بھی نفس موضوع سے کچھ تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے علمی شبہات بھی بہت سے دور ہو جائیں گے، اور عملی تعبیرتیں بھی بہت کچھ حاصل ہو جائینگی ——— جن لوگوں نے قبر پرستی، اور ذات پرستی، اور دوسرے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے، وہ کتاب کو چھو بھی نہیں۔ مصنف کو ایسے عالم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ انکے صفحات شروع سے آخر تک زور توحید پر ہے۔

نکتہ چینی کی نگاہ کو صرف ایک جگہ حرف رکھنے کی ملی۔ صلہ کے دسلا میں غزالیؒ کا جو قول بالسند و حوالہ، "اپنے ایام بطالت" سے متعلق نقل کیا ہے، اس سے مفہوم یہ پیدا ہوتا ہے کہ علوم شرعی کی تدریس و افتاء میں وقت صرف کرنا ہی عمر برباد کرنا ہے! اس لیے یا تو یہ قول ہی غلط نقل ہوا ہے، یا پھر اسکی کوئی معقول و لطیف توجیہ کر دینی تھی۔

حیدر آباد میں، مولانا محمد حسین، بظاہر دنیا دار، ایک خاص طرز و رنگ کے اونچے پایہ صوفی بزرگ تھے۔ گفتگو کی ایک ایک نشست میں خدا جانے کتنے نکات معرفت بیان کر جاتے تھے۔ مقدر یہ ہو چکا تھا کہ انکی تعلیمات کا ایک بڑا اور اہم جز یونہی ایک "یورپ رسیدہ" ڈاکٹر آیت فلاسفی کے قلم سے محفوظ ہو جائے!

(۲) **قصص النبیین للاطفال** - الجزء الثالث (عربی) از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۵۱ صفحے - قیمت عہ پتہ:- کتبۂ اسلام - ۳۷ گوئین روڈ - لکھنؤ۔

کتاب کے حصہ اول، دوم دونوں پر تبصرہ اسکے قبل نکل چکے ہیں۔ بڑے شکر اور مسرت دونوں کی بات ہے کہ تیسرا حصہ بھی شائع ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ کے قصے اُن حصوں میں آ چکے تھے۔ اس تیسرے حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پورا قصہ درج ہے۔ اور شروع میں تکمیل سلسلہ کے لیے حضرت یوسفؑ کا بھی باقی قصہ آ گیا ہے۔ یعنی حضرت یعقوبؑ و اولاد یعقوبؑ کا کنعان سے مصر منتقل ہو آنا، اور وہیں رہ پڑنا۔

کتاب کی زبان اور مضمون دونوں مدح و توصیف سے مستغنی ہیں۔ انداز بیان نہایت سلیس، سادہ، زیادہ تر قرآنی زبان میں۔ اور جزئیات واقعات کی تکمیل تاریخ اور توراۃ سے کرتے گئے ہیں ——— کتاب مبتدیوں کے لیے عربی سیکھنے کے لحاظ سے بھی بے نظیر اور بہ حیثیت قصص الانبیاء کے بھی ہر طرح مستند و معتبر۔

کتاب میں جا بجا نقشے اور مقاموں وغیرہ کی تصویریں بھی ہیں،

اور شروع میں مولانا مسعود عالم ندوی کے قلم سے مقدمہ۔

اب بعض مشورے طبع ثانی کے لیے عرض ہیں:-

(۱) فہرست مضامین کے ساتھ نقشوں کی فہرست بھی شروع میں ہوتی تھی۔

(۲) اعراب کی تصحیح پر مزید توجہ لازم ہے، غلطنامہ کافی نہیں۔

(۳) صفحہ پر اس کی تصریح کر دینی تھی کہ بنی اسرائیل اس وقت تین طرف سے گھرے ہوئے تھے، سامنے سمندر ہے، اور دو طرف پہاڑوں سے۔ صرف ایک ہی سمت کھلی تھی۔ اور اُدھر فرعون کا لشکر آ گیا۔

(۴) صفحہ وسط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا توریت مصر سے بعید ہے۔ واقعہ اسکے برعکس ہے۔

(۵) صفحہ پر جو تفصیلی کیفیت تابوت کے آمد کرنے کی درج ہے وہ محل گفتگو ہے۔

(۶) صفحہ ۱۹ پر فرعون کا جو اصلی جرم بتایا ہے اُس میں نمایاں پہلو اُسکے نسلی غرور کا نکل رہا ہے۔ حالانکہ اسرائیلوں کا اصلی جرم اسکی نظر میں یہ تھا کہ وہ سرکاری مذہب کے باغی اور مصری عقائد کے منکر تھے۔

(۷) عہد موسوی کے سنین اب حد البتہ تک منقح ہو چکے ہیں۔ انکا ذکر کر دینا تھا۔ تقریبی و تخمینی حیثیت سے سہی۔

(۳) **تصویر، علم و عقل کی روشنی میں** - از مولانا محمد اسحٰق سندیلوی و مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - ۴۸ صفحے - قیمت ۶ر پتہ:— کتبہ نشأۃ ثانیہ - چیچل گوڑہ - حیدر آباد دکن۔

کتاب دراصل دو مختلف مقالات کا مجموعہ ہے - پہلا مقالہ اسی عنوان سے مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کے قلم سے ہے جو صفحہ ۲۶ تک آیا ہے، اور "دیندار" رسالہ الفرقان کے دو نمبروں میں شایع ہوا تھا۔ آخر کے دو صفحوں میں مولانا ابوالاعلیٰ کا ایک مطبوعہ مضمون فوٹو کا مسئلہ کے عنوان سے شامل ہے۔

پہلا مقالہ ماشاء اللہ ہر طرح مکمل، مفصل، مدلل ہے - اور سارے تعلیم یافتہ گروہ کے مطالعہ کے قابل۔ محض فقہی فتوے نہیں، بلکہ نفس مسئلہ اور اُسکے اطراف و جوانب پر ایک پُرمغز مقالہ۔ حکیمانہ و نفسیاتی حقائق سے لبریز۔ مولانا مودودی کا مضمون بھی اپنے اختصار کے باوجود جامع و قاطع ہے۔ ضرورت ہے کہ دونوں مقالوں کی اشاعت پڑھے لکھوں میں زیادہ سے زیادہ ہو۔

اخبارات

(۱) **سرفراز** - محرم نمبر - ۷۶ صفحے - قیمت عہ پتہ:- دفتر روزنامہ سرفراز - ناداں محل روڈ - لکھنؤ۔

شیعہ روزنامہ سرفراز نے حسب معمول ابکی بھی سالانہ محرم نمبر شایع کیا ہے - اشتہارات کا حصہ نکال دینے کے بعد بھی اچھا خاصہ ضخیم۔ مضامین نظم و نثر تقریباً سب، شیعہ نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں، اگرچہ بعض سنی ناموں سے بھی ہیں - نسیم امروہوی کا مرثیہ شاعری کے اعتبار سے

خوب ہے۔ کاش یہی بات اُس کی صورت معنوی سے متعلق بھی کہی جا سکتی!
اور یہی حال کتاب کے سلام کا بھی ہے۔ پیاموں میں جوش یار جنگ بہادر
کا ہی کا پیام قابل قدر ہے۔ متعدد مضمون ایسے ہیں جنھیں پڑھنے
میں اہل سنت تکلیف محسوس کرینگے۔ حالانکہ تھوڑی ہی سی توجہ و احتیاط
سے تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی تھیں ——— حسینؑ کا نام
اس طبقہ آشتی سے لینے والے بھی بہ حیثیت سے کتنے دگر ہیں!

(۲) قومی آواز - روزنامہ - اڈیٹر:- حیات اللہ صاحب
انصاری لکھنوی - قیمت سالانہ [illegible] فی پرچہ [illegible] پتہ:-
منیجر قومی آواز۔ لکھنؤ۔

لکھنؤ سے شام کو شایع ہونے والا یہ کانگرسی روزنامہ حال میں
نکلنا شروع ہوا ہے، اور اس وقت تک اسکے کل پانچ نمبر نظر سے گذرے
ہیں۔ اڈیٹر صاحب لکھنے والے اچھے خاصے ہیں، اور رسالہ اردو
میں انکے مضامین انکے ذوق علم کے بھی شاہد ہیں۔ لیکن پرچہ کے
اب تک کے نمبر انکی شہرت میں کچھ اضافہ کر رہے ہیں اور نہ کانگرس
جیسی ذمہ دار و اہم جماعت کے معیار سنجیدگی ہی کے مطابق ہیں۔
اڈیٹوریل مضامین اور شذرات (اوسط درجہ کے ہیں) گو ان میں بھی
اصل رخ گورنمنٹ سے زیادہ مسلم لیگ کی جانب ہے، لیکن "گلوریا"
کے زیر عنوان "معاہبی" کے نرے زنانی زبان اور زنانے لب و
لہجہ میں جو کچھ اب تک نکلا ہے اسکی رکاکت و ابتذال ایک لیڈ پایہ
روزنامہ کے لیے باعث فخر نہیں باعث شرم ہے۔ حیرت ہے کہ
اڈیٹر صاحب کے ذوق سلیم نے اسے گوارا کیسے کر لیا۔ اور اس سے
بڑھ کر حیرت پرچہ کے سرپرست جناب رفیع احمد قدوائی اور پنڈت
جواہر لال پر ہے (بشرطیکہ پنڈت جی اُردو پرچہ سے اس درجہ
باخبر ہوں)! معلوم یہ ہونے لگتا ہے کہ پرچہ کا مقصد آزادی ملک کی
دعوت اور اتحاد ہند کی تبلیغ ہے یا خلیق الزماں اور حسن ریاض کی
شخصی تضحیک! آخر انگریزی میں اسی کے ساتھ نیشنل ہیرلڈ بھی تو
نکلتا ہے، وہ اپنا رخ بالکل سیدھا طور پر گورنمنٹ کی جانب رکھے
ہوئے ہے، اور لیگ پر جب لکھتا بھی ہے تو ذاتیات کی اتنی پست
سطح پر بہرحال نہیں اُترتا۔ صحیح سیاسی تعلیم و تربیت کی اردو خوانوں
کو بہت شدید ضرورت ہے، اور معاشی، اخلاقی، معاشرتی، تعلیمی،
تمدنی حیثیتوں سے اس وسیع ترین موضوع پر سیکڑوں مضامین و
مقالات کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ رسالہ [illegible] اپنا سلسلہ رکھا تھا،
اور متعدد حامی بحمد اللہ اب بھی اس رنگ کو نباہ رہے ہیں، شوق کا بھی
کانگریس کی حمایت میں سہی، آخر پیام کے انداز کی بھی ہو سکتی ہے،
گو یہ بھی سچ ہے کہ ہر شخص قاضی عبد الغفار نہیں ہو سکتا۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے
دفتر صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

تذییل

بسلسلہ سورۂ بقرہ رکوع ۴۴ (صدق [illegible])

(سطور ذیل گذشتہ پرچہ میں چھپنے سے رہ گئی تھیں)

سہ شنبہ ۸ اپریل ۱۹۴۷ء (مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ) کو
تفسیر کا سورۂ اول یہاں تک پہونچا تھا، کہ سہ پہر کے وقت دنیا میں
سب سے زیادہ عزیز و مکرم ہستی یعنی والدۂ ماجدہ کی شدید علالت کی
خبر نصیب آباد سے آئی۔ پہلی ٹرین سے گیا، رات میں پہونچا۔ جتنی بھی
بن پڑی آخری خدمت کی۔ یکشنبہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء (مطابق ۲۲ ربیع الاول
۱۳۶۶ھ) کے سہ پہر کو بعد نماز عصر عالم نزع طاری ہوا، اس حالت میں
سورۂ یٰسین کی تلاوت کی، دوسرے اعزہ کلمۂ طیبہ پڑھتے اور
اللہ اللہ کرتے رہے۔ عصر کا وقت آخر ہو چکا تھا، اور آفتاب غروب
ہو رہا تھا، کہ اس نیک اور عبادت گزار بندی کی زندگی کا آفتاب بھی
تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
نعش وطن لاکر دوشنبہ کی دوپہر کو خاندانی مسجد کی عین پشت پر حسب
وصیت مرحومہ سپرد خاک کی گئی۔ تفسیر کا کام دو ڈھائی ہفتہ رکا رہا،
اب کل ۲۷ اپریل (۲۹ ربیع الاول) سے ان شاء اللہ پھر شروع ہوگا۔
ناظرین سے التجا ہے کہ اس مومنہ مرحومہ کے حق میں دعاء خیر
کہکے خود بھی اجر حاصل کر لیں!

سنیما اور بچے

بچوں کی فطرت ہے کہ وہ ہر اس شے کی نقل کرنے لگتے ہیں جسکو وہ
دیکھیں۔ اور انکی اسی فطرت کے مظاہرہ کا اندازہ انکی بات چیت،
انکے کھیل کود اور انکی زندگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً ریلوے
ملازمین کے بچے جب کھیلیں گے تو وہ جمع ہو کر ریلوے ٹرین گارڈ اور ڈرائیور
وغیرہ بننے کی کوشش کرینگے۔ تاجر پیشہ لوگوں کے بچے مصنوعی گاہک اور
دوکاندار بنتے ہیں۔ کاشتکاروں کے بچے بات چیت میں زمینداروں کی باتوں کی
نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ آج ہم ہر گلی اور ہر گھر کے اندر اگر بچوں کو [illegible]
بھی وہ گیت بھی وہ "ہماری گلی آنا" "کالے بادل گھر گھر آئے" وغیرہ
عشقیہ گانے گاتے ہوئے سنتے ہیں تو اسکی وجہ ہندوستانی سنیما اور اس میں
دکھائی جانے والی فلمیں ہیں۔ کیونکہ بچے اگر سنیما دیکھیں گے تو وہ اپنی
فطرت کے باعث سنیما میں گائے جانے والے گانے اور دکھائے
جانے والے سین کی نقل کرنے کے لیے مجبور رہیں۔ اس میں انکا کوئی
قصور نہیں۔ سنیما کے ان اثرات، اور ان اثرات سے پیدا شدہ [illegible]
کی آیندہ نسل کی تباہی کا خیال کرتے ہوئے مناسب تو یہ تھا کہ والدین
اپنے بچوں کو سنیما کی فضا سے بالکل الگ رکھتے، تاکہ انپر یہ برے اثرات
نہ ہوتے۔ مگر وہ لوگ اپنے بچوں کے کیرکٹر کی پروا کیا کریں، جو خود اپنے
کیرکٹر کی پروا نہ کرتے ہوں اور جھوٹ بولنے اور بددیانتی کو [illegible] اور
انسانیت سے محروم ہونے کو ایک آرٹ اور قابلیت سمجھتے ہوں۔
بچوں کو برے اثرات سے بچانے کی صورت تو صرف ایک ہی ہے، [illegible]

قرآن کریم اور بائبل کا باہمی تعلق

(جناب مولانا عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر کے قلم سے)

(۲)

ایک وہم کا ازالہ

اس موقعہ پر کہدینا چاہیے کہ قرآن مجید جنت اور نعمہائے جنت اور ملائکہ وغیرہ امور میں انجیل و تورات سے مشترک ہے۔ پس اس سے ایک ظاہر بیں کے نگاہ میں یہ بات ضرور وزن رکھیگی کہ چونکہ قرآن متاخر ہے اور اہل کتاب کی کتابیں متقدم ہے۔ اس لیے متاخر کا مضمون متقدم سے مطابق ہونے کی وجہ سے اس شبہ سے بری نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے ماخوذ ہے۔

الزامی رنگ میں جواب

ویدوں کی نسبت دیباچہ بھومکا میں پروفیسر ولسن صاحب وغیرہ کے اقوال کا اقتباس کرنیکے بعد لکھا ہے کہ اہل یورپ کی رائیں ویدوں کی نسبت گیارہ ہزار برس قبل مسیح سے ۲۵۰۰ برس قبل تک شائد ہزار برس سکے۔ اگر کہاں ہوں گی اردو دیکھو دیباچہ بابو نول سنگھ مندرجہ بھومکا صفحہ)

اب دیکھو کہ وید بلحاظ تاریخ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سیکڑوں ہزاروں برس پہلے سے موجود ہے۔ اور اس میں یہ حکم ہے کہ اے انسانو! تمہارے توپ بندوق وغیرہ آتشگیر اسلحہ اور تلوار وغیرہ میری عنایت سے مضبوط و فتح نصیب ہوں۔ تم دشمنوں کی فوج کو ہزیمت دے کر انہیں روگردان اور پسپا کردو۔ تمہاری فوج جرار اور کارگزار نامی گرامی ہو۔ تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت قائم ہو۔ اور تمہارا حریف نامنجار شکست یاب ہو اور نیچا دیکھے۔ (رگ وید اشٹک اول ادھیائے ۳۔ بحوالہ رگ وید بھومکا صفحہ ۲۲۹)

اب اسلحہ جنگ کی درستی کے متعلق مسیح کی ہدایت کو انجیل لوقا میں پڑھیں۔ اب جسکے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی۔ اور جسکے پاس نہیں وہ اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے (لوقا باب ۳۶)

ہماری غرض اس عبارت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حکم جہاد و درستی اسلحہ دونوں میں مشترک ہے۔ اب عیسائی حضرات بتلائیں جو اس خیال کے موجد ہیں کہ ویددھرمیوں (آریہ سماجیوں وغیرہ) کا یہ کہنا کہ چونکہ وید بائبل پر مقدم ہے اور بائبل کے وہ مضامین جو وید کے مطابق ہیں وید ہی سے ماخوذ ہیں۔ کیا اسے آپ تسلیم کرینگے۔ اور کیا اعتراف کرینگے کہ بائبل وید کا خوشہ چیں ہے۔ اگر نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ تو پھر ایسی چند سرسری مطابقت کی بنا پر قرآن کو انجیل کا خوشہ چیں سمجھتے ہیں۔ آنچہ برخود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند۔

ایک اور وہم کا ازالہ

پادری بشیر احمد الہ آبادی نے اظہار حقیقت میں لکھا ہے۔ خود قرآن ہی سے ثابت ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ پہلے کتب مقدسہ میں تھا۔ جیسا کہ ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم و موسیٰ فرمانے سے ظاہر ہے۔

الجواب

پوری آیت یہ ہے والآخرۃ خیر و ابقیٰ، ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ، صحف ابراہیم و موسیٰ۔ یعنے آخرت بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے، بیشک یہ مضمون (آخرت کا بہتر ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی تھا۔ خاصکر ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ پس قرآن ہرگز یہ نہیں کہتا کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ اگلی کتابوں کا مضمون ہے۔ بلکہ اس میں تو صرف یہ خبر ہے کہ قیامت اور آخرت کی بابت پہلے صحیفوں میں خاصکر ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں بھی تنبیہ کردیا گیا تھا۔ قرآن نے ان دونوں صحیفوں میں اسی اجمالی مضمون سے اسلیے ذکر کیا کہ رب قرآن کو یہ معلوم تھا کہ آخر ان دونوں صحیفوں کا پتہ نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو اس میں معاد و آخرت کا ذکر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی امر واقع ہوا۔ کہ بائبل کے عہد عتیق موسیٰ کی کتابوں سے شروع ہوتی ہے مگر موسیٰ کی ساری کتابوں میں قیامت اور طریق نجات کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ اور یہودیوں نے ابراہیمی صحیفے گم کردیے کہ ساری بائبل میں کہیں اسکا پتہ نہیں۔ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان۔

باہمی اشتراک مضامین پر عیسائیوں کے اعتراض کی تردید

اگر عیسائیوں کا یہ نظریہ صحیح ہو کہ عہد جدید کی جتنی باتیں عہد عتیق سے ملتی جلتی ہیں وہ سب عہد عتیق سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً استثنا باب ۲۶ کے فقرہ ۱۶ میں ہے۔ سو تم اپنے سارے دل اور سارے جان سے ان پر عمل کرنا۔ اور متی باب ۲۲ فقرہ ۳۷ میں یہی مضمون ہے کہ اپنے خدا سے سارے دل اور ساری جان سے محبت رکھ۔ اسی طرح سیکڑوں مثالیں ہیں۔ اب مضمون متی پر استثنا کا سرقہ و خوشہ چینی کا الزام لازم آتا ہے۔ ما ہو جوابکم فہو جوابنا۔

تحقیقی جواب

یہ ہے کہ تقریباً ہر رائج الوقت مذہب کی تعلیم یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو۔ چوری نہ کرو۔ ناحق خون نہ کرو، زنا، بدکاری وغیرہ نہ کرو۔ اپنا ہی تعلیم ہے۔ ماں باپ کی عزت کرو۔ اساتذہ کا ادب کرو۔ ہمسایہ کا حق پہچانو۔ لڑکے کو تعلیم دلاؤ، وغیرہ۔ پس کیا اس اشتراک کی وجہ سے ہم کہ سکتے ہیں کہ بعض بعض کی نقل ہے اور ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے ہم ایسا نہیں کہ سکتے۔ ورنہ پھر کسی کتاب کو ہم اس الزام سے بری نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ قرآن مثلاً بائبل سے ماخوذ ہے تو بائبل وید سے اور وید ہزار دشت زرتہ والوں کی کتاب ژند پاژند (استا) سے ماخوذ ہے وہکذا۔

سوامی جی اس نکتہ کا خیال نہ کرکے ادعاء باطل تک پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ انکا قول ستیارتھ پرکاش و بھومکا میں موجود ہے کہ جو سچائی بھی کسی کتاب میں ہے وہ وید ہی کی سچائی سے نکلی ہے اور اسی سے ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ادعا محض خوش عقیدگی ہے ورنہ

وہ حقیقت کچھ نہیں۔ کیونکہ اس طرح وید زند سے ماخوذ ہوگا۔ وید کا زند پازند سے ماخوذ ہونا اس طرح پر ہے کہ نورالدین ۱۸۹۵ء میں یہ تحقیق لکھتا ہے کہ مجوس اپنی کتابوں (زند پازند) کی مدت قدامت بیان کرتے ہیں۔ ہزارہ سنکھ کے آگے اور ستر صفر بڑھاتے ہیں اور ہندو اپنی کتابوں کی مدت ویدوں کی مدت سے بھی کئی گنا زیادہ بتلاتے ہیں۔ ہر فریق مدعی قدامت ہے۔ پس یہ طریق کتابوں کی الہامی اور اصلی ہونے کا گمان مٹا دینے کا باعث ہوگا۔ فما ہو جوابکم فہو جوابنا۔

الحاصل قرآن مجید کے بعض مضامین سے متوافق ہونے پر سرقہ اور یا اخذ و نقل کا الزام کرنا محض فاسد و کاسد گمان ہے جو اوراق تاریخ سے ظاہر ہے۔ اسی طرح سائل اگر آریہ ہے اور بائبل کے اشتراک مضامین کی بنا پر قرآن کی عدم ضرورت کا قائل ہے تو اسکو جواب دیا گیا کہ تمہارے مسلمات کے روسے یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ چاروں وید (رگ، یجر، سام، اتھروید) میں سے ہر ایک وید میں ایک ہی طرح کے مضامین ہیں۔ مثلاً رگوید کرم کانڈ (عمل) اور گیان کانڈ (علم) اپاسنا کانڈ (عبادت) و گیان کانڈ (معرفت) کا بیان ہے تو اسی طرح یجروید میں بھی چاروں کانڈ کا بیان ہے اسی طرح سام اور اتھروید میں بھی۔ چنانچہ بھومکا اردو کے حاشیہ میں بابو غال سنگھ مترجم بھومکا نے لکھا ہے:۔

"یہ مراد نہیں ہے کہ رگوید میں محض گیان کانڈ ہے کرم یا اپاسنا کانڈ نہیں ہے۔ یا یجروید میں صرف کرم کانڈ ہے اپاسنا گیان کانڈ نہیں ہے بلکہ ہر وید میں سب ہی مضمون ہے۔" (صفحہ ۱۴۲)

پس اگر اشتراک مضامین کے باوجود وید چار ہو سکتے ہیں اور ان پر کچھ اعتراض نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ وید ایک دوسرے سے ماخوذ یا دوسری کی نقل ہیں۔ تو اسی طرح قرآن شریف پر بھی بعض مضمون میں مشترک ہونے سے کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر مضامین ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہو جانے سے دوسری کی ہستی غیر ضروری ہے تو ایک وید کے سوا باقی ویدوں کا انکار ضروری ہوگا۔ پس اس اعتراض کا لایعنی ہونا ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اگنی کی پوجا میں یا ہون میں آتشکدہ فارس کی عبادت سے جو مشابہت ہے اسکے پیش نظر اس طریق کو زردشتی اصولوں کی نقل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا آریہ حضرات اس اشتراک کی بنا پر اس خیال کو صحیح سمجھیں گے؟ اگر نہیں تو بھی نظر انصاف ہر جگہ قائم رکھیں

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

پادریوں کا شبہہ ثانی

اہل بائبل کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مسلمان قرآن کریم کو خوشہ چینی کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لیے قرآن کریم کی اصلاحی آیات پیش کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اس میں کلام آخر کا کلام اول کے لیے مصلح و ناسخ ماننا لازم آئے گا حالانکہ خدا کے لیے نسخ جائز نہیں کیونکہ پہلے حکم کو اٹھانا اسکے ناتجربہ کاری اور لاعلمی پر مبنی ہوتا ہے چنانچہ حکام سلطنت کسی حکم و قانون تجویز کرتے وقت نہیں ہوتا۔ اور یہ امر خدا تعالیٰ کی شان علم کے خلاف ہے کیونکہ خدا علام الغیوب ہے پس نسخ کا عقلاً نادرست ہونا مقتضی ہے کہ آخری کتاب مصلح ہونے کی حیثیت سے نہ آئے۔ ایک نقلی روایت کو بھی اصحاب انجیل بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ یعنی اللہ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہی حضرت مسیحؑ نے تورات کے متعلق فرمایا ہے۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاویں تورات کا ایک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلیگا۔ (انجیل متی باب ۵ درس ۱۷) آسمان و زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے (لوقا ۱۶/۱۷) پھر کیونکر ممکن ہے کہ احکام تورات وغیرہ احکام قرآن سے منسوخ ہوں۔ پس جبکہ حکم خداوندی کا منسوخ ہونا ہر دو دلیل سے ثابت ہوا۔ تو لامحالہ قرآن کا ناسخ اور مصلح ہونا بھی غلط ٹھہرا۔ لہذا نتیجۃً کہنا پڑا کہ قرآن کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ (باقی آیندہ)

ہماری زبان

(ڈاکٹر تاراچند کے خطبۂ صدارت کی آخری قسط)

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے مل کر بنایا ہے تو انھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ زبان کیوں بنائی گئی۔ اس کی غایت یہی تھی کہ دونوں مل کر رہ سکیں۔ زبان کلچر کی حامی ہوتی ہے۔ اور اگر زبان ایک ہے تو کلچر بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اگر اردو زبان کے مشترک ہونے پر زور دیا جاتا ہے تو اسکے نتائج سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

ہندوؤں سے میں کہوں گا کہ اردو ملک میں پندرھویں صدی سے آج تک برابر جاری ہے۔ اسکا نام چاہے جو ہو۔ یہ کسی بیرونی ملک کی زبان نہیں ہے۔ ہم سب کو اس پر فخر کرنا چاہیے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر زبان سدا ایک ہی نہج پر نہیں رہتی۔ نظامی کی زبان ولی کی زبان سے مختلف ہے۔ ولی کی زبان سودا کی زبان نہیں ہے۔ سودا کی زبان آتش کی زبان سے الگ ہے اور آتش و ناسخ کی زبان آج کل کی زبان نہیں تھی۔ اگر ہندو اپنی زبان مان کر اس میں دکھنی کی طرح اور الفاظ رائج کرنا چاہیں تو انھیں کوئی روک نہیں سکتا۔ زبان کے طرز الگ الگ ہوتے ہیں۔ شمالی جرمن لکھنے والے جنوبی جرمن نہیں سمجھتے۔ اور جنوبی جرمن بولنے والے پروشیا کی زبان نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اردو کے بھی مختلف طرز ہو سکتے ہیں۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتنا غلط ہے کہ ہندو تہذیب کے خیال اردو سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ مذہبی کتابیں

اردو میں موجود زبان بہت سے ہندو پنڈت پران اور سمرتی کے اردو ترجموں ہی سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ انکی مذہبی زبان عربی ہے۔ بنگال کے مسلمان ہندوؤں کی طرح بنگالی بولتے ہیں۔ مثلاً وہاں صدر کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ سبھاپتی جملے کہتے ہیں۔ میں ابھی مدراس سے آرہا ہوں۔ وہاں مسلمان اساتذہ تامل تو فرانے سے بولتے ہیں مگر جب اردو میں بات کرتے ہیں تو اس پر ہنسی آتی ہے۔

زبان کا مسئلہ پیچیدہ ہوتے ہوئے بھی کوئی زیادہ دشوار نہیں ہے۔ اردو، ہندی اور ہندوستانی لسانی حیثیت سے ایک ہی ہیں۔ زبان کے علمی اعتبار سے تین پہلو ہوتے ہیں۔ صرفی، صرف نحو اور الفاظ کی بناوٹ جہاں تک پہلے اور دوسرے پہلو کا تعلق ہے ان تینوں زبانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ (خ) (ذ) (ض) اور (ق) کی آوازیں ایسی ہیں جنھیں ادا کرنے میں پورب والوں کو دشواری ہوتی ہے مگر آوازیں کھڑی بولی میں شامل ہیں۔ البتہ ہندی لکھنے والے اب بعض آوازیں استعمال کرتے ہیں جنکے استعمال کا انھیں کوئی حق نہیں ہے اسلیے کہ سنسکرت کی سب آوازیں کھڑی بولی میں رائج نہیں۔ مثلاً سنسکرت میں (رت) کے بجائے (ریت) اور (رشٹ) کے بجائے (رش) بولا جاتا ہے۔ ہندی والے ان پرانے الفاظ کو جگاکر اپنی زبان کی خوبی بڑھانے کے بجائے اسے نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اس ہندی کے شعر زبان پر نہیں چڑھتے اور اردو کے شعر غیرارادی طور پر زبان پر چڑھ جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہندی ایک نئی زبان ہے۔ یہ انیسویں صدی میں پیدا ہوئی۔ اور اس میں اردو کی ایسی صفائی اور ستھرائی نہیں ہے۔ اگر ہندی والے سنسکرت کی آوازیں اور ترکیبیں ترک کردیں اور اردو والے بھی عربی اور فارسی ترکیبیں چھوڑدیں تو دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب آسکتے ہیں۔

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ ہماری علمی اور اعلیٰ کتابیں کس زبان میں لکھی جائیں، انکے لیے اصطلاحات کہاں سے لائی جائیں جنکے لیے ایک طرف سے عربی اور فارسی کو پیش کیا جاتا ہے اور دوسری طرف سے سنسکرت کو دونوں میں کافی وزن ہے۔ لیکن بیچ کا راستہ سب سے اچھا ہوگا۔ بہتر یہ ہوگا کہ علوم کو کئی شاخوں میں تقسیم کردیا جائے۔ بعض علوم ایسے ہونگے جن میں اصطلاحی حصہ بہت زیادہ ہے۔ اسکے لیے ہمیں انگریزی کی مروجہ اصطلاحات لے لینی چاہیے البتہ انکی آواز کو ہندوستانی بنانا پڑیگا اس لیے انکے قاعدے مقرر کرلینے چاہییں۔ کچھ علوم ایسے ہیں جن میں بیانیہ حصہ اصطلاحی حصہ سے زیادہ ہے مثلاً فلسفہ ان علوم کی اصطلاحات بھی ایک ہوں تو اچھا ہے لیکن اگر مشترکہ اصطلاح نہ مل سکے تو دو اصطلاحات بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ اسکے بعد تاریخ اور اس قسم کے دوسرے علوم آسکتے ہیں۔ ان میں سب کو آزادی ہونی چاہیے۔ تمہیں اردو اور ہندی کی آسان شکلیں قریب قریب یکساں رہیں گی۔ جہاں تک خالص ادب کا تعلق ہے اس میں کوئی پابندی کسی پر نہیں لگائی جاسکتی۔

ہمیں کوئی نئی زبان بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ زبان عامہ اس پہلے ہی سے موجود ہے۔ صرف نئے الفاظ کی ضرورت ہے اور ہماری زبان میں نئے الفاظ کے لیے گنجایش موجود ہے۔ پچھلی جنگ میں جرمنی نے فرانسیسی الفاظ نکال لیے۔ اسی طرح انگلستان میں جرمن نام اور الفاظ نکال دیے گئے۔ مختصر یہ کہ اگر ہمارے دلوں میں یہ جذبہ ہے کہ اس ملک کے لوگ ایک ہی گروہ میں ہیں تو ہمیں اس سوال کو حل کرنا ہوگا کہ اس گروہ کی زبان کونسی ہو۔ اور میرے خیال میں وہ زبان وہی ہو سکتی ہے جسے میں ہندوستانی کا نام دیتا ہوں۔ ([illegible])

(بقیۂ صفحہ ۵)

(بقیۂ صفحہ ۵)

قانون اور قانون کے ڈنڈے کے ذریعہ معصوم اور بےگناہ بچوں کو بچایا جائے۔ اور اسکا طریقہ صرف ایک ہی ہے، کہ بچوں کےلیے ان تمام فلموں کا دیکھنا والدین اور مالکان سنیما کے لیے قانوناً جرم قرار دیا جائے جو فلمیں بچوں کے ذہن پر برے اثرات پیدا کرسکتی ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں قانونی پوزیشن یہ ہے کہ نابالغ بچے عام فلموں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اگر عام فلموں کو دکھائے جانے کی صورت میں کوئی بچہ سنیما میں داخل ہو تو بچہ کے والدین اور مالک سنیما کو سخت سزا دی جاتی ہے۔ اور بچے صرف وہی فلمیں دیکھ سکتے ہیں جو بچوں کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ اور بچوں کے مذاق کے مطابق دلچسپ ہوتی ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ ہند کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی بچوں کی موجودہ تباہی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے۔ اور چاہے گورنمنٹ کے انتظام میں ہو یا فلمسازوں کو مجبور کیا جائے، بچوں کے لیے علٰحدہ فلمیں تیار کی جائیں اور ان فلموں کے تیار ہونے کے بعد ایک قانون نافذ کیا جائے جسکے مطابق بچوں کے لیے سوائے بچوں کی فلم کے دوسری فلمیں دیکھنے کی سخت ممانعت ہو۔ اور اس قانون پر سختی سے عمل کرتے ہوئے بچوں کو عام فلموں کی فضا سے دور رکھا جائے۔ ضرورت ہے کہ گورنمنٹ اس اہم مسئلہ پر فوراً توجہ دے۔ (ریاست)

شماری مختتمہ ۱۹۲۱ء میں یہ مقدار ایک لاکھ ۲۰ ہزار نفوس ہو گئی تھی ہر ممکن کوشش اس کی ہو رہی ہے کہ اس شماری میں یہ مقدار اگر ۱۹۲۵ء سے دوگنی نہ ہو سکے تو کم از کم ۱۹۳۱ء والی مقدار کے تو ضرور برابر آجائے"۔ (دریو ثمر)

اعداد میں اسکا ذکر نہیں کہ یہ "نعمت عظمیٰ" "صاحب" کے حصہ میں کتنی پڑتی ہے، اور خوش نصیب کالوں کو کتنی نصیب ہوتی ہے!

— اس دور سے قبل اس آسانی اور اس ارزانی کے ساتھ کب جام گردش میں رہتا تھا؟ اعداد صرف ولایتی شراب کے ہیں، اور اسکی بھی صرف ایک خاص قسم کے ہیں!

ذکر اشرف

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک ایم اے لکھتے ہیں:-

"ریل کے ایک تازہ سفر میں ایک مسلمان فوجی عہدہ دار (صیغۂ ہوائی) کا ساتھ ہوا۔ دوران گفتگو میں عورتوں کے پردہ کا ذکر آیا، اور ضمناً نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی نور اللہ مرقدہ کا میری زبان پر آیا، اس پر وہ صاحب بولے کہ "مولانا کی ذات تو عجب بابرکات تھی۔ تھانہ بھون بھی حاضری کا اتفاق ایک بار ہو چکا ہے۔ نہ پوچھیے کہ دل پر کیا اثر ہوا۔ باتوں باتوں میں مولانا نے سب ہی کچھ ارشاد فرمایا۔ نصیحتیں بھی تھیں اور حکایتیں اور ہدایتیں بھی تھیں۔ اس صدی میں اتنی پاکیزہ اور اس درجہ باشریعت زندگی بسر کرنا مولانا ہی کا حصہ تھا"۔ خیر ادھر تو ہم لوگ یہ باتیں کر رہے تھے، ادھر دوسری بنچ پر ایک پنڈت جی بیٹھے ہوئے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ آخر کار بول اٹھے، کہ "مولانا صاحب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں تو انھیں بھگوان سمجھتا ہوں۔ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں مدتوں میں تھانہ بھون میں رہ چکا ہوں۔ بارہا مولانا صاحب کے درشن کیے۔ ہمیشہ اچھی باتیں بتاتے تھے۔ ایسے لوگ اب کہاں؟"
اس تذکرہ سے آپ سے بڑھ کر خوش ہونے والا اور کون ہے، اس لیے یہ مختصر روداد سفر آپ کی خدمت میں لکھے بھیجتا ہوں"۔

بیشک مولانا کی ذات ایسی ہی تھی۔ عقائد اسلام پر پختگی، اور احکام شریعت کی پابندی ہرگز اسکے منافی نہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی معاملہ فراخ دلی اور حسن سلوک کا رکھا جائے۔ اور مولانا کی زندگی اس کی ایک جیتی جاگتی مثال تھی۔ ہموطنی و ہمسایگی کے حقوق بھی تو آخر شریعت اسلام میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

حکومت اسلامی

ایک کانگریسی معاصر میں سوالات:-

"اسلامی حکومت — اس ایک لفظ میں نہ جانے کتنی دلربائیاں چھپی ہوئی ہیں۔ .... سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھیں اس چمک دمک کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں، دل بے اختیار اسکی طرف بھاگتا ہے اور دماغ تھوڑی دیر کے لیے اس نام کی لذت سے سرشار ہو کر معطل ہو جاتا ہے۔ ذرا دیر کے بعد یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کیسی ہوگی؟ حجازی قسم کا، یا عباسی قسم کی، یا ہندی مغلی قسم کی؟ پھر یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ وہاں سنی فقہ چلیگی یا شیعہ فقہ؟ اور سنی فقہ حنفی ہوگی یا حنبلی؟ اسی طرح کے بہت سے سوالات"۔

الزامی جوابات (مثلاً یہ کہ سوراجی حکومت کس کے خیالات کے مطابق ہوگی؟ گاندھی جی کے اصول کے یا پنڈت جواہر لال کے نقشہ کے یا سوبھاش چندر بوس کے نظریات کے مطابق؟ وقس علی ہذا) سے اگر قطع نظر کر لی جائے جب بھی پیش کردہ سوالوں کا جواب بہت ہی آسان ہے — اسلامی حکومت اپنی بدتر سے بدتر شکل میں، اور کسی فرقہ کی نقشہ کے مطابق ہی سہی، بہر حال ہر کافرانہ حکومت سے بہتر و قابل ترجیح ہوگی؛ صحت کمزور سے کمزور ہی، بہر حال بیماری کی ہم سطح تو نہیں ہو سکتی! روشنی جیسی سے ویسی سہی، بہرحال تاریکی سے تو غنیمت ہی رہیگی۔

فسق کا عروج

بمبئی کرانیکل (۱۲-۱۳ جنوری) صفحہ ۱۳ پر صدر جمہوریہ امریکہ کی قد آدم تصویر درج ہے۔ صدر صاحب کچھ پڑھ نہیں رہے ہیں لکھ نہیں رہے ہیں، تقریر نہیں کر رہے ہیں بلکہ سامنے پیانو رکھا ہوا ہے اور صدر صاحب یہ باجہ ہاتھوں سے بجا رہے ہیں! نیچے یہ تصریحات درج ہیں کہ صدر صاحب بڑے ماہر پیانچی ہیں، اس مزے سے بجاتے ہیں کہ سننے والے جھوم جاتے ہیں، اور چشم بد دور گھر بھر گانے بجانے میں بڑھا ہوا ہے خصوصاً صاحبزادی جنکا نام مارگریٹ ہے، باپ بیٹی ساتھ مل کر گاتے بجاتے ہیں۔ اور صدر کے سرکاری مکان میں تین پیانو، تین مختلف کمروں میں رکھے ہوئے ہیں! — ہم اور آپ یہ سب سنتے ہیں اور خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ اب یہ ارشاد ہو کہ ہمارے ملوک و سلاطین میں جو نیک اور نیکنام ہوئے ہیں، انکا ذکر نہیں، جو بدنام ترین گزرے ہیں انکی عیش پرستیاں اور رنگینیاں ضرب المثل کی حد تک پہونچ چکی ہیں، ان میں بھی کسی کے متعلق یہ ضعیف روایت بھی منقول ہے کہ بادشاہ دیوان خاص میں بیٹھ کر طبلہ بجایا کرتا تھا، شہزادی صاحبہ گایا کرتیں، اور بادشاہ صاحب ساز ملاتے رہتے اور تال دیا کرتے؟ "صاحب" اور انکے سارے لوازم زندگی سے مرعوبیت کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیے

شیعہ سنی اشتراک عمل

شیعہ روزنامہ سے:-

"ہمارے سامنے ایک طرف سنی اکثریت ہے تو دوسری طرف ہندو اکثریت، تیرہ سو برس کی پچھلی تاریخ پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ آسان نہیں کہ ان دونوں میں سے کون اکثریت ہمارے لیے قابل ترجیح ہے یعنی ان میں سے کس نے ہم کو شیعہ سمجھتے ہوئے ہمارے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا ہے، اور کون صدیوں کی معاشرت میں بہتر رفیق و ہمسایہ ثابت ہوئی ہے"۔

کیا سنی الکشن بورڈ جب شیعوں کی مخالفت میں کچھ کہنا چاہتا ہے، تو اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت اسے باقی ہے؟ — "ہوئے تم دوست جسکے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو!"

"یعنی نہ گاندھی سے مطلب نہ ابوبکر سے سروکار۔ ہمارے لیڈر کا نام

[illegible] ہے، ہر بہ حیثیت شیعۂ علی کے اپنے کو مسلم و مستحکم کرینگے"۔

[illegible] اللہ۔ تو ہنوز ہوگا کہ بس فیصلہ ہیں اپنے (انہیں لیڈر) پر رکھیے، [illegible] آپ کے نہیں، اہل سنت کے بھی اسی قدر محترم لیڈر اور پیشوا ہیں [illegible] کیا نعوذ باللہ انہیں بھی گاندھی جی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے [illegible] درمیان "تذبذب و تردد" تھا؟ کیا خدانخواستہ تاریخ کی ساری شہادتوں کو یکسر [illegible] رکھ دیا جائیگا؟ کیا نہج البلاغۃ کے اوراق خدانخواستہ دنیا سے ناپید ہو گئے ہیں؟ کیا علی مرتضیٰؓ کا ربط و اتحاد صدیقؓ و فاروقؓ کے [illegible] تاریخ کا کوئی چھپا ڈھکا واقعہ ہے؟ کیا صدیقؓ کی وفات پر، نیز زندگی میں بہترین مدح و توصیف کے الفاظ مرتضیٰؓ کی زبان سے منقول نہیں!

"اگر شیعوں کو پاکستان میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے تو کیا مسلم لیگ [illegible] پاکستان کا کوئی حصہ شیعہ فرقہ کو نماز ادا کرنے کے لیے عنایت کریگی"؟

لیگ کیا کریگی؟ اس کا جواب تو کوئی لیگ ہی کا ممبر دے سکتا ہے۔ البتہ اس سوال کو پڑھ کر چند اور سوال خیال میں آ گئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں، کہ تبرے وغیرہ پر جو کچھ بھی جھگڑے ہوئے ہوں نماز سے متعلق تو اب بھی کوئی جھگڑا شیعہ سنیوں میں نہیں؟ کیا علیگڈھ (مسلم یونیورسٹی) میں ایک ہی مسجد میں سنی اور شیعہ، دونوں اپنے اپنے اماموں کے پیچھے اپنی اپنی نمازیں سالہا سال سے پوری آزادی کے ساتھ، بلا شائبۂ کشمکش پڑھتے نہیں چلے آ رہے ہیں؟ کیا عراق میں، ایران میں، مصر میں، فلسطین میں، شام میں، حجاز میں، نماز پر بھی کوئی صاحب ہنگامے شیعہ سنیوں کے درمیان ہوئے ہیں؟ کیا خود لکھنؤ میں راجہ صاحب [illegible] آباد کے مکان میں سنی شیعوں نے مل کر نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ کیا [illegible] آباد کی کسی مسجد میں شیعہ عہدہ داروں نے اہل سنت امام کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ —— اور اودھ کے ایک شیعہ رئیس نے (نام بھی ظاہر کیا جا سکتا ہے) کم از کم ان سطور کے راقم آثم کے ساتھ تو سنی جماعت میں کھڑے ہو کر اپنے طریق پر نماز ایک بار نہیں، دس بیس بار تو ضرور ہی پڑھی ہے۔ بہ جبر و اکراہ نہیں، بطیب خاطر و انشراح قلب کے ساتھ۔

چکی کے پاٹوں کے درمیان

"امریکہ کا YASSAR کالج زنانہ تعلیم گاہ کی حیثیت سے دنیا میں ایک بہترین و مشہور ترین درسگاہ ہے ...... یہاں رقص جسمانی تعلیم کا ایک اہم عنصر ہے اور یہاں کی لڑکیاں خاص کر کمالات فن کے بہت اونچے مرتبہ پر ہیں"۔ (بمبئی کرانیکل - ۱۲ - جنوری)

"کل سہ پہر کو بھارت بالیکا ودیالہ (لڑکیوں کی تعلیم گاہ) نرہی، لکھنؤ کے سالانہ تقسیم انعام کا جلسہ مسٹر سمپورنانند سابق وزیر تعلیمات یو۔پی کی صدارت میں ہوا ...... تقریروں کے بعد بڑا دلچسپ پروگرام لڑکیوں کے گانے اور ناچ کا پیش ہوا۔ مختلف صوبوں کی لڑکیاں رنگ برنگ پوشاک پہنے ہوئے وطنی ترانہ گاتی ہوئی آئیں، اور انکے رقص و سرود نے سماں باندھ دیا"۔ (پاینیر - ۱۴ - جنوری)

مسلمان لڑکیاں اب تک بڑی حد تک بچی ہوئی سہی، لیکن آخر کب تک فرنگی تہذیب اور ہندو تہذیب کی اس دوہری مار کے بعد بچی ہوئی رہ سکیں گی؟ اصول میں جب معیار عزت یہی ٹھہرا تو کب تک اپنے کو اصول سے متاثر ہونے سے بچیں؟ جاہلی تہذیب، دونوں طرف سے بلکہ چاروں طرف سے اپنے لشکر لے ہوئی فسق و معصیت کے جھنڈے لہراتی ہوئی، لذات نفس کی رشوتیں پیش کرتی ہوئی مسلمانوں کو گھیرتی ہوئی چلی آ رہی ہیں، مسلمان اپنا تقویٰ، درجۂ ادنیٰ میں بھی کب تک محفوظ رہ سکتا ہے؟

حکیم الامتؒ:

نقوش و تاثرات

نمبر (۲۰)

از حکیم الامتؒ

[خوب خیال کر لیا جائے، مقالۂ حکیم الامت کی یہ بیسویں قسط، بقلم عبد الماجد نہیں، بہ قلم حکیم الامت ہی ہے]

۱۔ نصوص کا اپنے ظواہر پر محمول کیا جانا اجماعی منقولی مسئلہ ہے اور معقولی بھی۔ ورنہ تمام نصوص اور تمام قوانین سے امن مرتفع ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی معارضت ہو تو بضرورت غیر ظاہر پر محمول کر لیا جاویگا مگر معارضت کا محض خیالی یا ذوقی ہونا کافی نہیں، ورنہ ہر فرقہ قرآن و حدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال یا ذوق کا مدعی ہو سکتا ہے۔ اور صوفیہ کی تاویل اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ان معانی کے مدلول نص ہونے کے مدعی نہیں بلکہ اصل مدلولات کو قبول کر کے ان مدلولات کے مشابہ کو بطور اعتبار کے ظاہر کرتے ہیں۔

۲۔ احادیث متضمنۂ خروج دجال و یاجوج و ماجوج کو جو صحیحین میں بھی مذکور ہیں، جو شخص خلو ذہن کے ساتھ پڑھیگا اسکے ذہن میں بلا تکلف جو معانی آوینگے وہی ان احادیث کے مشہور اور صحیح محمل ہیں۔

۳۔ ان معانی کا امتناع نہ کسی دلیل عقلی سے ثابت اور نہ کسی دلیل نقلی سے۔ مثلاً کسی دوسری ایسی ہی صحیح حدیث میں اسکے خلاف آیا ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے خروج کا کوئی زمانہ معین فرمایا ہو اور وہ زمانہ گزر گیا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوا بلکہ ایک صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کو دجال کے متعلق یہ بھی احتمال تھا کہ شاید میرے ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا کیسے صحیح ہوگا۔

۴۔ پھر وہ مجاز بھی بعض قلیل عبارات میں جاری کیا گیا ہے۔ اور جو عبارات اس مجاز سے بھی خالی چھوڑ دی گئیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ مضمون مذکور کی تاویلات کو احادیث پر منطبق کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک عبارت بالمعنیٰ پیش پیش کرتا ہوں۔ کہ ان دونوں واقعات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہونگے جس میں ایک واقعہ ختم ہوگا اور دوسرا شروع بھی اور ختم بھی ہوگا۔ اور حدیثوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ لفظ نبی اللہ بھی آیا ہے۔ اس لیے اس میں کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی کا دل چاہے شکوۃ کے یہ ابواب ان مدعی صاحب کے سامنے لیکر
بیٹھ جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ کتنی جگہ گاڑی اٹکیگی۔

۵ ۔ اسی لیے علماء امت میں سے خصوص سلف خیرالقرون
میں سے کسی کو ایسے معانی کا احتمال بھی نہیں ہوا۔ اگر یہ کہا جائے
کہ وقوع سے پہلے حقیقت سمجھ میں نہیں آتی۔ اول تو یہ بات غلط ہے
جب حقیقت واضح ہے۔ سمجھ میں نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر
اسی میں کلام ہے کہ جسکو وقوع کہا گیا ہے یہ وقوع ہے یا نہیں۔
ممکن ہے کہ وقوع اسی طور پر ہو جیسا مدلول متبادر ہے۔

۶ ۔ پھر اگر علماء یا صحابہ نہ سمجھے ہوں تو خود حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ احتمال نہیں۔ پھر جب بعض صحابہ کا
متبادر معنی پر محمول کرنا آپ کو معلوم ہوا تھا آپ نے اسکی نفی کیوں
نہ فرما دی، اس معنی کی تقریر کیوں فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں
ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہہ ہوا تو
حضورؐ سے اُسکے قتل کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ وہی
ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہو سکتے، اگر وہ نہیں ہے تو اسکا قتل
کرنا اچھی بات نہیں۔ آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ یہ دجال
ہو سکتا ہی نہیں، کیونکہ دجال شخص واحد کا نام نہیں خاص
قوم کا نام ہے، اس لیے یہ دجال نہیں ہو سکتا۔ خصوص جبکہ
وہ اس قوم میں بھی نہ تھا۔

۷ ۔ پھر اگر ایسی ہی تاویلات کا باب مفتوح ہو تو اسکی
کیا دلیل ہے کہ جو اسوقت سمجھا گیا وہی مراد ہے۔ ممکن ہے
دوسری قوم اور دوسرے واقعات مراد ہوں جو واقع ہو چکے
ہوں یا آیندہ واقع ہوں اور اس حالت میں مرزا کی تاویل پر
بھی حتی کہ دعوے نبوت میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ
اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی تحریر میں اُس نے بھی ایسی ہی
تطبیق کی کوشش کی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دونوں تطبیقوں
میں تعداد احادیث کی کمی و بیشی کا تفاوت ہو۔

۸ ۔ کسی مدعا کے اثبات میں زیادہ کوشش کرنا کوئی حقانیت
کی دلیل نہیں ہے۔ اہل باطل اپنے آراء و اہواء کے اثبات میں
اس سے زیادہ کوشش کی ہے کہ ان کے باب میں یہ ارشاد ہوا ہے
الذین ضل سعیہم فی الحیاۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا ۔
اور ارشاد ہوا ہے لا یألونکم خبالا ۔

۹ ۔ اسی طرح مدعا کے بعید ہونے نہ ہونے کوئی شرعی دلیل
نہیں۔ مرزا نے بھی ایسے دعوے کیے ہیں شرعی ادلہ متعین
ہیں یہ اُن میں سے نہیں۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ بعض دعا
شرائط سے خالی ہوتی ہے۔ اس لیے قبول نہیں ہوتی۔

۱۰ ۔ پھر غضب پر غضب یہ ہے کہ بلا دلیل اپنے دعوے
اتنا جمود ہے کہ مخالف پر جسکے پاس شرعی دلیل بھی ہے طعن و استہزا
و استخفاف بلکہ سب و شتم بھی کیا گیا ہے۔ کیا یہ مجاز ایسا ذی دو

راجح ہو گیا کہ حقیقت کا قائل نسخ و ابطال کے قابل ہو گیا۔

۱۱ ۔ مدیر صاحب کی یہ شکایت ہے کہ بلا تحقیق اسکو شائع
کر دیا۔ خدا جانے کتنی امت کہ یہ غلطی میں مبتلا ہوئی ہوگی اور جو
عذر اشاعت کا لکھا گیا ہے محققین علماء سے استفتاء کر لیا جائے
کہ وہ عذر شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تا وقتیکہ اس مضمون کے
بطلان کی اور اشاعت کے خطا ہونے کی تصریح شائع نہ کی جاوے۔

[میرا ذاتی خیال اُسوقت بھی تھا اور اب تو اور زیادہ
جزم و وثوق کے ساتھ ہے کہ جس طرح حقیقی دجال کا اطلاق آخر
زمانہ کی کسی ایک متعین شخصیت پر ہوگا، اسی طرح مجازی و صفاتی
دجال مدعی اسلام کس کثرت سے پیدا ہو چکیں گے، افراد بھی اور اقوام
بھی۔ چنانچہ اسی خیال کی وضاحت کے لیے ذیل کا نوٹ بھی
کے مضمون کے نیچے شائع ہوا]

صدق ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ اسوقت
علماء امت کے اُن گنے چنے افراد میں سے ہیں، جنکی رائے ہر مسئلہ دین
میں خواہ وہ ہم عاجزوں کی سمجھ میں پوری طرح آئے یا نہ آئے،
بہر حال پورے عزت و احترام، توجہ و التفات کی مستحق ہوتی ہے۔
مضمون یورپ اور اسلام اور اسی سلسلہ کے دوسرے مضامین کے
بہت سے نمبر پچھلے ماہ سہ میں مولانا موصوف کی خدمت میں بغرض
اظہار رائے گرامی بھیجے گئے تھے۔ مولانا نے کمال عنایت سے وقت
نکال کر انھیں ملاحظہ کیا اور انکے ذریعہ تحقیق نے اس پر جو کچھ
ارشاد فرمایا وہ بجنسہ درج کر دیا گیا۔ امید ہے کہ ہمارے کرم
جناب مولوی عبداللہ شاہ صاحب قادری حیدرآبادی اس
انتقاد کی روشنی میں آئندہ اپنا مباحث کو آئندہ اور زیادہ منضبط
و مدلل بنانے کی کوشش کریں گے۔ انتقاد اگر تحقیق و حسن نیت
کے ساتھ کیا گیا ہے تو بہر صورت مفید ہی ہوتا ہے۔

جہاں تک صدق و مدیر صدق کے ذاتی عقیدہ کا تعلق ہے جیسا کہ
ان صفحات میں بارہا اس سے پیشتر بھی عرض کیا جا چکا ہے، دجال
کے وجود ذاتی اور ظہور صفاتی میں اُسے کوئی تناقض نہیں نظر آتا۔
بلکہ اسکے فہم ناقص میں یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے کے مؤید اور
ایک دوسرے کے مکمل و متمم ہیں۔ اور سچے رسول کی پیشینگوئیوں کی
پوری عظمت بھی حقیقت یوں ہی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مجازی اور
حقیقی، لفظی اور معنوی، ذاتی اور صفاتی ہر رنگ سے پوری ہو کر
رہیں۔ اگر آج ان صفحات میں موجودہ فرنگی تمدن کو شیطانی
تمدن سے یا موجودہ فرنگی حکومتوں کو فرعونی حکومتوں سے تعبیر کیا
گیا ہے تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ابلیس کی شخصی وجود یا حضرت
موسی علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کی تاریخی شخصیت سے انکار ہے۔
ٹھیک اسی طرح موجودہ تمدن یا فرنگی قوموں کو دجالی قرار دینا
اسکا مستلزم نہیں کہ آئندہ کسی شخصی دجال کے ظہور سے انکار ہے۔
آج صفاتی حیثیت سے بے شمار دجال اور بے شمار مہدی موجود ہیں دیکھ

لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں

علامۂ عصر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا خطبۂ صدارت لیگ کانفرنس میرٹھ میں

(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ اور فرمایا لئن ادرکتہم لاقتلنہم قتل عاد و ثمود۔ اگر میں نے انکو پایا تو عاد اور ثمود کی طرح انکا استیصال کر دوں گا۔ اور ہم شرار الخلق وہ بدترین خلائق ہیں اور ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ اور قد کانوا مسلمین فصاروا کفاراً پہلے یہ مسلمان تھے پھر کافر ہوگئے اور فاینما لقیتموہم فاقتلوہم۔ تم اُن کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہے۔ اس کی جان و مال سب حلال ہے۔

خیال کیجیے کہ آج اس عقیدہ کے موافق کتنے آدمی مسلمان رہیں گے

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے حال میں کہتے ہیں۔ یستحلون دماء المسلمین ویکفرون الصحابۃ۔ وہ مسلمانوں کے خونوں اور اُنکے اموال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ العیاذ باللہ (حضرت علیؓ وغیرہ) کو کافر کہتے ہیں۔

اب خیال فرمایئے کہ ایسے فرقہ سے کس طرح کے تعلقات رکھنا یا مدد کرکے انکی شوکت کو بڑھانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں اور کفار مجاہرین سے ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ میں انکی مدد کریں، کیونکہ وہ اس وقت کفر صریح کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو ظاہر کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یعنی چونکہ کلمہ گو ہیں اور اس وقت مشرکین کے مقابلہ میں اس کلمہ کو بلند کرنا انکا مقصد ہے خواہ فی الحقیقت وہ کتنے ہی اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے کھلم کھلا کلمۂ اسلام سے انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں انکار کرنے والوں کے مقابلہ پر انکا لڑنا محض اسلام کے نام اور اسکے کلمہ پر لڑنا ہے، لہٰذا اُنکی مدد کی جا سکتی ہے۔ غور کیجیے کہ خوارج کی یہ امداد کیا اُنکی تقویت کا سبب نہ بنیگی۔ مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو نفس اسلام سے چڑھتے ہیں اور کلمہ سے علانیہ بیزار ہیں۔

اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کلمۂ اسلام کے اعلاء اور وحدت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لیے ایک آئینی جنگ اُن کفار و مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ جو مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کے نسبت عشر عشیر بھی نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم لیگ اہل باطل کو [illegible] دے رہی ہے کہ وہ کل آدمی جو لیگ میں شامل ہوں فی الواقع [illegible] مومن یا مسلم ہیں۔ اس نے اپنے دستور میں اعلان کر دیا ہے کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ داخل یا شریک ہونے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور اسکا کلمہ پڑھتا ہو کیونکہ مسلم لیگ کوئی نبیوں کی جماعت نہیں۔ علماء کے فتاویٰ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے صرف غیر مسلموں کے مقابلہ میں قدرے توسیع کر دی گئی ہے۔ گو واقعۃً اس قدر توسیع بھی مستحسن نہ ہو۔ تاہم مسلم لیگ سے کنارہ کشی کے لیے یہ عذر نہیں بن سکتا۔ اب سب کے بعد تمام علماء کا یہ کام ہے کہ وہ سب مل کر لیگ میں آئیں جس طرح پہلے جمعیۃ میں آ چکے تھے اور معقولیت اور اکثریت کے زور سے اس کی ہر چیز کی اصلاح کریں۔ اور فاسد عناصر سے اسکو پاک کرنے کی متفقہ کوشش عمل میں لائیں، نہ یہ کہ مسلم لیگ سے خفا ہو کر دشمن کے کیمپ میں شامل ہو جائیں۔ اگر آج تمام علماء مع اپنے متبعین کے ادھر آ جائیں تو سب کا متفقہ مطالبہ یہاں کی ہمسایہ اقوام کو بھی ماننا پڑیگا۔ اور اس طرح تمام ہندوستانی مل کر آپس کے معاہدات کے ماتحت بیرونی طاقت کی غلامی سے تھوڑے وقت میں آسانی سے نجات حاصل کر لیں گے۔

ادھر لیگ کے موجودہ رہنما اور قائدین جو غلطیاں علماء اسلام کے نزدیک دین سے بیخبری یا لاپروائی کی بنا پر کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں انکے تدارک کی بھی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اہل علم اور رسوخ لیگ میں بڑھائیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ عامۃ المسلمین اور بہت سے اونچے طبقہ کے حضرات کی طاقت ایسی اصلاحی آواز کی پوری قوت کے ساتھ تائید کریگی۔

اب میں آخر میں بطور اتمام حجت اور بمقتضائے الدین النصیحة[1] مسلم لیگ کے ممتاز اور ذمہ دار قائدین کو ایک خادم دین کی حیثیت سے نہایت خلوص قلب کے ساتھ مخاطب کرنا چاہتا ہوں

ذمہ دار قائدین لیگ سے خطاب

مسلم قوم کی تنظیم، نصب العین کی وحدت، ہندی مسلمانوں کی قومی و سیاسی استقلال اور اُنکی مرکزیت کو مضبوط تر بنانے کے لیے آپ حضرات نے جو خدمات جلیلہ انجام دیں وہ یقیناً لائق تبریک و تحسین ہیں۔ ہر فرد مسلم جسے اس نازک ترین دور میں ملت کی اجتماعی ضروریات کا صحیح احساس ہے۔ آپ کے لیے جذبات امتنان اپنے قلب میں موجزن پاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نازک موقع پر جبکہ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ علماء ربانیین سے لیگ کی دستگیری اور حمایت کی پُرزور اپیل کر رہے ہیں۔ چند اہم امور کی طرف

[1] دین خیر خواہی کا نام ہے۔

ہر وقت آپ کی توجہ منعطف کرانا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ علماء کرام کی ایک معتد بہ جماعت نے خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس کلکتہ منعقدہ میں مسلم لیگ کے اصل مطمح نظر کو تقویت پہونچانے کے لیے جو آواز بلند کی ہے اُس کا مقصد نہ آپ کو خوش کرنا ہے اور نہ محض لیگ کے بڑھتے ہوئے اقتدار میں حصہ دار بننے کے لیے اسکے ہاتھ اپنے دامن کو وابستہ کر دینا ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اصول کی تائید و حمایت شخصیات سے بے نیاز ہو کر مناسب حد تک کی جائے مسلم لیگ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ بلکہ فرض کر لیجیے کہ وہ خود کل اس مسلک کو چھوڑ دے جسے آج اُس نے اختیار کر رکھا ہے، تب بھی انشاء اللہ یہ نہ ہوگا کہ جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اُسے غلط کہنے لگیں۔ حق کہنے والے کو اکیلے رہ جانے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن ایسے آئینگے جنکا اتباع کرنے والے صرف ایک یا دو آدمی ہونگے۔ بلکہ بعض وہ ہوں گے جنکے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ وہ حق پر نہ تھے۔ بہر حال آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہم محض کلمۂ حق کے لیے حق سمجھ کر تائید کر رہے ہیں۔ جس سے بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ کو اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے کامیابی عطا فرما دے اور پاکستان قائم ہو جاوے، تو آپ اور قائدین لیگ اپنے حسب ذیل مشہورہ اعلانات کے صدق سے پابند رہیں

لیگ کے سب سے بڑے قائد مسٹر محمد علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر کے موقع پر بمبئی سے مسلمانوں کو اس طرح مخاطب فرمایا تھا

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

"آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقع پر انھوں نے ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں نہایت تاکید سے فرمایا تھا کہ

قرآن حکیم تمام مسلم قوم کی پشت و پناہ علمی و مادی اور قومی کشتی کا کھیون ہار ہے ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں اور تعلیمات قرآنی کو سب سے مقدم سمجھیں۔"

اسی طرح کی نصیحتیں علیگڈھ، سیالکوٹ، دہلی، لاہور، وغیرہ مختلف مقامات پر کیں۔ پھر ستمبر ۱۹۴۵ء گذشتہ عید کے موقع پر جو پیغام آنحضور نے دیا وہ بہت ہی مفصل و مشرح تھا۔ اس کا ایک جملہ یہ ہے کہ "ہر مسلمان کا فرض اسلامی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرے۔ تاکہ احکام الٰہی سے واقفیت ہو، اور ان پر عمل کرنے سے دنیوی معاملات میں خیر و برکت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔"

ابھی حال میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے بمقام پشاور بموجودگی ارکان عہدہ داران مجلس عمل اعلان فرمایا کہ "پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہوگا۔"

چنانچہ انھیں اعلانات سے متاثر ہو کر جناب ارباب عبد الغفور خاں صاحب خلیل مع جملہ افغانان تہکال سرحد مسلم لیگ شامل ہوگئے۔

مذکورہ بالا اعلانات کی روشنی میں مجھے کہنے دیجیے کہ قرآن حکیم کی ہدایات و احکام پر عمل کرنے کے لیے کچھ قیام پاکستان کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سچ پوچھیے تو پاکستان کا ملنا احکام شرعیہ اور تعلیمات قرآنیہ پر استقامت کے ہمارے عملدرآمد رکھنے کا ثمرہ ہوگا۔

فرض کیجیے پاکستان ملے یا نہ ملے، جلد ملے یا دیر سے ملے قرآنی احکام تو کسی وقت بھی معطل نہیں ہو سکتے۔ تا بحد استطاعت ہم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمہ وقت احکام اسلام کی پابندی ضروری ہے۔ خصوصاً ارکان خمسہ (کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کا التزام۔ اور شراب، سود، زنا، قمار غرض تمام منکرات و فواحش سے اجتناب و احتراز ہر صورت لازم ہے۔ اور ان چیزوں کا لزوم جس قدر عامہ مسلمین کے حق میں ہے اُس سے زیادہ کو علما اور قائدین کے حق میں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اُنکے ذاتی افعال و اطوار کا اثر دوسروں تک پہونچتا ہے۔ اور اُنکے صلاح و تقویٰ سے قوم کا مزاج درست ہوتا ہے۔ اور اس طرح پوری قوم حق تعالیٰ جل شانہ کی نصرت و حمایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ پھر خداوند قدوس کی نصرت اگر حاصل ہو جائے تو تمام مخالف غائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں (ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون)

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے ؎

اُنکے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ | میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام
خوبیٔ حق الفت احمد کو نہ چھوڑے اکبر | منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

(باقی آئندہ)

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر

کے احکامِ شرعی کے متعلق ایک فاضلانہ و مبصرانہ فتویٰ

(از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اختر فرنگی محلی۔ مدرسہ عالیہ (کلکتہ))

(۲)

مگر یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ اس قسم کے انتظام کی شرعاً کوئی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں، ہر مقام کے لیے وہاں کی رویت و عدمِ رویت پر وہاں کے لوگوں کا روزہ رکھنا اور نہ رکھنا کافی ہوتا ہے۔ کسی مقام کے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مقامات کی رویت و عدمِ رویت سے اپنے کو باخبر رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ دوسرا امر ہے کہ اگر وہاں تک دوسرے مقام کی خبرِ رویت "بطریقِ موجب" پہنچ جائے تو اسکا اعتبار کریں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جب شریعتِ اسلامیہ نے کسی عبادت میں سہولت قائم کی ہے تو ایسا انتظام کرنا جس سے اجتماعی طریقہ سے اس سہولت کی گنجائش نہ باقی رہے "التزام ما لا یلزم" کی وجہ سے بالکل غیر مناسب ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ دینی بھی مقصود نہیں اور اندیشہ ہے کہ چند دنوں کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں یہ راسخ ہو جائے کہ شریعت کی طرف سے اس میں سہولت نہیں۔

"ب"۔ شوال اور دوسرے مہینوں کے ثبوتِ رویت کے فیصلہ کے لیے محض خبرِ رویت بغیر اسکے کہ وہ بطریقِ شہادت ہو کافی نہیں، اس لیے اگر غیر اسلامی مداخلت کے بغیر کوئی مناسب انتظام بھی کر دیا جائے (جیسا کہ ۔ الف میں مذکور ہوا) اور ریڈیو کیس سے سنی ہوئی آواز بولنے والے ہی کی اصلی آواز قرار دی جائے تب بھی ریڈیو سے "نشر شدہ خبر" ثبوتِ رویت کے فیصلہ کے لیے کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ شہادت کے لیے ضروری ہے کہ شاہد اُس شخص کے مواجہہ میں شہادت دے، کہ جو شہادت پر فیصلہ کرنے والا ہے۔

البتہ شرعی شہادت کی بنا پر ثبوتِ رویت کا جو فیصلہ ہوا ہے اُس فیصلہ کی خبر معتبر ہونے کے لیے چونکہ "خبر بالشہادۃ" ضروری نہیں اسلیے غیر اسلامی مداخلت کے بغیر اگر اس فیصلہ کے نشر کا معقول انتظام ہو جائے تو فیصلۂ ثبوتِ رویتِ ہلالِ رمضان کی خبر کی طرح (اُن حدود کے ماتحت جو نمبر الف میں مذکور ہوئے) اس نشر شدہ خبر کے اعتبار کی بھی گنجائش پیدا ہو سکیگی بشرطیکہ جس مقام پر فیصلہ کی خبر سُنی گئی ہو وہاں کے قاضی کا فیصلہ اسکے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ جو شہادت کی بنا پر ہو، دوسری جگہ کے قاضی کے لیے حجت نہیں۔ اور مقامی قاضی کے فیصلہ کے خلاف عمل کا جواز مشتبہ ہے۔

لیکن جیسا کہ نمبر الف میں مذکور ہوا اس قسم کے انتظام کی شرعاً کوئی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں، اور غیر مناسب بھی ہے جبکہ شہادت پر رویت کا فیصلہ کرنے والے عموماً اصلی معنوں میں قاضی نہیں ہوتے بلکہ محض ضرورۃً انکا فیصلہ قاضی کے فیصلہ کے حکم میں قرار دیا گیا ہے اور اسکے فیصلہ کے مقبول کہلانے

کے لوازم میں سے یہ نہیں کہ ریڈیو کے ذریعہ فیصلہ کی خبر بھی نشر ہو، یہاں تک کہ کہا جائے کہ (الشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ) بغیر اسکے بھی بآسانی کام چل سکتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

(۲) یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ نماز بخشوع و خضوع ادا ہونا چاہیے (نماز میں خشوع و خضوع کے منافی حالات کم از کم کراہت سے خالی نہیں ہوتے) اور اعمالِ نماز کے علاوہ نماز کی حالت میں کوئی عمل نہ ہونا چاہیے (تسبیح و تہلیل اور قرآن وغیرہ کے علاوہ نماز پڑھنے والے کی زبان سے جو ایسے الفاظ ادا ہوں کہ جو حقیقۃً یا حکماً کلام الناس کے تحت میں آتے ہوں، ان الفاظ کا ادا ہونا اور "عملِ کثیر" جو افعالِ نماز میں سے نہ ہو، اسی طرح کھانا پینا ان سب کو مفسداتِ نماز میں سے شمار کیا جاتا ہے) اور نماز پڑھنے کی حالت میں حقیقی تکلم جسے "بات چیت" کہتے ہیں جائز نہیں، خواہ یہ تکلم ایسے ہی نماز پڑھنے والے اور خارج نماز شخص کے مابین ہو، البتہ وہ امور کہ جو اگرچہ حقیقۃً تکلم نہیں مگر عرف کے لحاظ سے تکلم ہی سمجھے جاتے ہیں (مثلاً کسی شخص کے پکارنے پر جواب دینے کے لیے جس چیز کے پڑھنے میں مشغول تھا اُسے زور زور سے پڑھنے لگنا تاکہ پکارنے والے شخص کو معلوم ہو جائے کہ میں نماز پڑھنے کی وجہ سے جواب نہیں دیتا، یا کسی شخص کے کسی حکم دینے پر اُسکے موافق عمل کر لینا، یا اشارۃً کسی امر کو منع کرنا یا اشارۃً سلام کا جواب دینا یا کسی کے چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کے مثل الفاظ ادا کرنا و غیر ذلک) تو ان میں سے بعض کے متعلق احادیث و اقوالِ علماء سے صراحۃً جواز کا حکم ملتا ہے اور بعض کے متعلق ممانعت کا بایں طور کہ نماز کے فاسد ہو جانے کا حکم ہے یا نماز کے مکروہ ہونے کا اور بعض کے متعلق جواز بلا کراہت کا اور بعض کے متعلق استحباب بلکہ لزوم کا۔

بناء بریں نہ تو کلیۃً یہ کہا جا سکتا ہے کہ خارج از نماز شخص کے قول یا فعل سے نماز پڑھنے والے کا اثر قبول کرنا اور اُس سے اعمالِ نماز میں تغیر و تبدل کر دینا نماز کو فاسد یا مکروہ کر دیتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ جب مسافر امام ہو اور وہ اپنی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اپنی نماز سے فارغ ہو جائے اور مقتدیوں سے کہے کہ تم لوگ اپنی اپنی نماز پوری کر لو اور اسکے اس کہنے کے بعد مقتدیین اپنی اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اُنکی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ نماز کا فاسد یا مکروہ ہونا تو درکنار امام کا اس طرح کی تلقین اور مقتدیین کا اس تلقین کو قبول کر کے اپنی اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنا ہی (یعنی مقتدیین کا تلقن) طریقۂ شرعیہ ہے، اسی طرح لازم آتا ہے کہ آنے والے کی آہٹ پا کر (جبکہ آنے والے کی شخصیت معلوم نہ ہو) رکوع میں طول دینے والے کی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ اصح یہی ہے کہ یہ مکروہ بھی نہیں۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اگر کوئی پکارے (مثلاً باپ یا ماں) اور اس امر کو جتانے کے لیے کہ میں نماز میں مشغول ہوں تکبیراتِ انتقالات کو بالجہر ادا کرے یا بالجہر سبحان اللہ کہدے تو اُسکی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ [illegible]
ششماہی صہ
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

(رجسٹرڈ نمبر [illegible])

نمبر ۷۰ | شنبہ - ۲۱ - صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶ - جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"کراچی - ۱۴ جنوری - گورنمنٹ کے اس تازہ حکم کا کہ پانسو اور ہزار، اور دس ہزار کے نوٹ یک بہ یک منسوخ سمجھے جائیں، ایک اثر یہاں یہ ہوا کہ ۴۰ کی عمر کی ایک پنجابی بن جیکے پاس ایک ایک ہزار کے نوٹ ۱۰ لاکھ کے زندہ رکھتے تھے، اُنکی حرکتِ قلب اس ناگہانی صدمہ سے معاً رک گئی، اور وہ ختم ہوگئیں" (اے، پی، آئی)

دوسری خبر اسی طرح کی مرگِ ناگہانی کی الموڑہ یا نینی تال سے بھی موصول ہوئی ہے، بہت ممکن ہے کہ اور بھی ہوئی ہوں، جنکی خبر کسی خبر رساں ایجنسی کو نہ پہونچی ہو - اور نیم مردہ تو خدا معلوم کتنے ہی لوگ ہو چکے - اخباروں میں بکثرت روایتیں چھپ رہی ہیں، کہ بمبئی، کلکتہ، کراچی، کانپور، دہلی وغیرہ ہر تجارتی مرکز کے کاروباری حلقوں میں تہلکۂ عظیم برپا ہوگیا ہے، اور کتنے لوگ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہیں! —— یہ نفع خور اور سٹہ باز اور صحیح معنی میں "سرمایہ دار" اور مہاجن اور ساہوکار، جس دولت پر تکیہ کیے ہوئے تھے، وہ سہارا کیسا بودا تھا! —— سارے عیش کا سہارا، اندر کا اطمینان، باطن کی راحت نہ تھی - خارج کی آرزوئیں تمنائیں، امیدیں تھیں، وہ کیسی کچی نکلیں بے ثبات، کیسی کمزور نکلیں! لکھ پتی اور کروڑ پتی، دم کے دم میں مفلس قلاش ہوگئے -

بنے ہوئے گھر بگڑ گئے - اونچے اونچے محل فرشِ زمین پر آرہے، افسانوں اور کہانیوں میں نہیں، واقعات کی ٹھوس مجسم دنیا میں! —— دنیا میں کسی قانع، زاہد، صالح کا بھی کبھی کسی نے یوں جنازہ نکلتے دیکھا ہے؟ اسکے لیے بھی کبھی اس کا کوئی امکان، کوئی خطرہ ہے کہ حکومت ایک جنبشِ قلم سے اُسے اسکے دل کی ریاست سے محروم کردے؟

بڑا ناز اور پورا اطمینان اپنی جن کمائیوں پر تھا، وہ تو پھوٹی کوڑی نکلیں! اور اپنی بڑی سی بڑی چالاکیاں اور ملمع کاریاں حسرت نصیبوں کی اس گھڑی کے ٹالنے میں ذرا بھی نہ کام آسکیں! —— دل نے کہا کہ آج جن جن کمائیوں پر یہاں بہت ناز ہے، جس قال اور جس حال کو، جن عقائد اور جن اعمال کو آج قابلِ قدر، قابلِ فخر سمجھا جارہا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ "کل" خدانخواستہ، حاکمِ اعلیٰ کے سامنے، میدانِ حشر میں بھی کھوٹے سکے اور جعلی ہنڈے ثابت ہوں، اور اُنکی بھی وہاں کچھ قیمت نہ ٹھہرے! کیا حال ہوگا اُس بدنصیب کا اُس گھڑی جب بڑی بڑی مشقتوں اور کاوشوں اور بڑی بڑی تدبیروں سے حاصل کیے ہوئے اپنے زرق برق کارنامے وہاں بے اصل اور بے حقیقت نکلیں گے! —— لفظ وعبارت کی کوئی کوشش اُس یاس وحسرت کے جذبات کا نقشہ کھینچ سکتی ہے؟ کیوں نہ اپنے ان قیمتی اور بھاری نوٹوں کی "آج" ہی کی فرصت میں خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کر رکھیے!

ایک آیت کے معنی

ایک دینی درسگاہ کے فاضل اور معلم قرآن اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"سورۃ الانبیاء کی آیت ولو اردنا ان نتخذ لہواً لاتخذناہ من لدنا کے متعلق خاص طور پر دریافت کرنا تھا کہ جناب نے اس آیت کا ترجمہ اختیار فرمایا ہے۔ آیت بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو ہر نوع سے آسان سمجھنے والوں کو آیا کہا جائے۔ یہاں تو ہر قدم پر گاڑی رکتی ہے"

قرآن مجید کو ہر نوع سے آسان سمجھنے والے بس وہی لوگ ہیں جو معنی اور حقیقت کو سمجھے بغیر محض لفظ بول دینے کے عادی ہیں۔ قرآن مجید کے اشکالات کا اندازہ تو کچھ وہی کرسکتے ہیں، جنھیں تجربہ عربی کلاموں میں قرآن پڑھانے کا یا قرآن کے تفسیر و ترجمہ کرنے کا ہو چکا ہے۔ اور یہ دشواریاں اسوقت ہیں، جب اس کثرت سے تفسیریں اور تشریحیں پہلے سے لکھی ہوئی چلی آرہی ہیں۔ یہ ذخیرہ نہ موجود ہوتا، تو ہم لوگ تو شاید چند سطریں بھی نہ حل کر پاتے۔

آیت کا پورا سباق و سیاق یہ ہے :-

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لٰعبین، لو اردنا ان نتخذ لھواً لاتخذنٰہ من لدنا ان کنا فٰعلین۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون۔ (سورۂ انبیاء ع ۲۔ آیت ۱۶-۱۸)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُنکے درمیان ہے، اسکو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں، اگر ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم کوئی مشغلہ ہی کریں تو ہم اپنے پاس رہی کی چیز) کو مشغلہ بنا لیتے، اگر ہم کو یہ کرنا ہی تھا (لیکن یہ ہمیں منظور ہی نہ ہوا) بلکہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں، تو وہ اُسکا بھیجا نکال دیتا ہے، سو وہ (اُسی دم) نابود ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے تو بڑی کمبختی ہے، اس سے کہ جو تم گھڑتے رہتے ہو

اوپر سے ذکر نافرمان اور مشرک قوموں کا چلا آتا ہے، جو بالآخر غضب سے ہلاک ہوئیں۔ اُنکے عقائد شرکیہ کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کارخانۂ عالم کو حقیقت سے معرّی اور معنی و مقصد سے خالی نہ سمجھو، یہ "ایشور کی لیلا" یا خدا کی تماشہ گاہ نہیں، جیسے خدا نے یونہی بغیر کسی غرض و مقصد کے محض اپنی تفریح و تماشہ کے خاطر رچا دیا ہو۔ آسمان اور زمین اور ساری مخلوقات کی خلقت بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے۔ بالفرض ہمیں تفریح، تماشہ، مشغلہ (لہو) ہی مقصود ہوتا، تو اسکے لیے ہم مخلوق کے محتاج نہ تھے۔ بلا واسطۂ مخلوقات ہم اپنے براہ راست اپنی ہی ذات سے متعلق (من لدنا) کسی چیز کو اختیار نہ کر لیتے۔ مثلاً اپنی ہی صفات کمال کا مشاہدہ کیا کرتے۔ ذی شعور و صاحب اختیار مخلوق کو اس جھگڑے میں کیوں ڈالتے۔ لیکن یہ تو جب ہوتا، جب ہماری مشیت تکوینی یہ ہوتی۔ (ان کنا فاعلین)

لیکن یہ تو سرے سے ہماری مشیت ہی نہیں۔ تم مشرکوں نے خواہ مخواہ ایک عیب خالق کائنات سے متعلق گڑھ لیا بلکہ ہم نے تو یہ کائنات بجائے تفریح گاہ یا تماشہ گاہ کے ایک جنگگاہ، یا معرکہ گاہ کے پیدا کی ہے، جس میں ہر وقت حق و باطل، نور و ظلمت، صدق و کذب وغیرہ کی کشمکش جاری رہتی ہے، اور ہم کذب و باطل کو پاش پاش کرتے رہتے ہیں۔ سو تم جو ملحدین اور مشرکین کے اس باطل نظریہ میں گرفتار ہو کر عالم، حقیقت و معنی سے عاری، ایک کھیل ہی کھیل ہے، سو اپنی باطل پرستی کا مزہ خود چکھوگے

آیت سے ضمناً کلام اور سالک دونوں کا یہ مسئلہ بھی نکل آیا، کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع و مصلحت کے لیے ہے۔ سچ کہا ادھم عارف نے ؎

من نہ کردم امر تا سودے کنم   بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

ایک خواب پر مزید روشنی

صدق ۵۹ میں ایک خواب لیگ کی بحث سے متعلق شایع ہوا تھا، اُس کے سلسلہ میں شیخ الحدیث علامہ گیلانی حیدرآباد دکن سے لکھتے ہیں :-

"گیلانی سے ابھی ابھی واپس پہونچا ہوں۔ صدق کے کئی پرچے جو وہاں نہیں دیکھے تھے، یہاں دیکھنے کو مل گئے۔ سنوسی الطریقہ صاحبہ کے خواب کو دیکھ کر خیال آیا کہ جناح صاحب کے قائل ہو جانے کی خبر صاحب خواب کو ایک مجہول الاسم والصفات راوی کے ذریعہ سے ملی ہے۔ اس قسم کی روایت جب بہ حالت بیداری مجہول روایت سمجھی جاتی ہے، تو خواب کی ایسی مجہول روایت مجہولیت کے جس درجہ میں ہوگی ظاہر ہی ہے۔ امن تمنٰی القی الشیطان فی امنیتہ نص محکم ہے۔ اسکے بعد بیانی وسائل کے القاء میں جو شکوک، وہ بھی بہ حالت خواب پیدا ہو سکتے ہیں، محل غور و تامل ہے۔ اور اصلی بات تو یہی ہے کہ اسلام میں رویا سرے سے حجت ہی نہیں"

غیروں کی نظر میں

کلکتہ کے ایک مشہور یوروپین کے قلم سے روزنامہ مارننگ نیوز (کلکتہ) میں :-

"میں مذہب اسلام کے اُس نظم و تنظیم کے نظارہ کو کبھی بھول نہیں سکتا، جو میں نے اپنی نو عمری میں پہلی بار اُسوقت پایا، جب میں نے ایک مصری کو اہرام مصر کے قریب شارع عام پر نماز پڑھتے ہوئے مشاہدہ کیا تھا۔ میں دنگ رہ گیا کہ اسلام میں کس درجہ نظام ہے، درآنحالیکہ دوسرے مذہب اس سے خالی ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی عمومیت و جمہوریت بھی کس درجہ کی، کہ ایک ہی جانماز پر بادشاہ کے پہلو بہ پہلو ایک گدا اگر بھی کھڑا ہوا" (ڈکوٹن) ۱۹-جنوری ۱۹۴۷ء)

کاش ہم خود بھی وہ دیکھ سکتے جو دوسرے ہم میں دیکھ رہے ہیں! نماز جماعت کے پُر اثر منظر سے غیروں کے تاثر کی یہ پہلی مثال نہیں۔

نیا رجز

مشرقی صاحب کا "اعلان جہاد" اور تازہ خبر :-

"میں نے اور خاکساروں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ پنجاب بھر میں مسلم لیگ کا کوئی جلسہ نہ ہونے دینگے۔ ہم مسٹر جناح کا پیچھا کریں گے اور

جانیں پر کھیل کر بھی انکو وہ آنے دیں گے۔

اس مقصد کے لیے اگر ہمیں سینکڑوں اشخاص کا ر بھی بہانا پڑے، تو ہم اس سے دریغ نہ کرینگے۔ ہم مسٹر جناح کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں، ہم دیکھیں گے کہ اب مسٹر جناح زندہ کس طرح رہ سکتا ہے۔ خاکسار سپاہی جانباز ہوتا ہے"

(مس۔ پ۔ مسروس، بحوالہ انقلاب، لاہور)

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے!

یہ آخر ہے کیا! کچھ ان بزرگ پر جنون سوار ہو گیا ہے، یا یہ کہ موسم گل سے قریب تمام ہوش جنوں ہے؟ لیکن ابھی تو موسم بہار کے شروع ہونے میں عرصہ ہے! — ہر حال جو کچھ بھی ہو، ایسے بیانات اب نکلتے کہاں ہیں؟

اتنے دلچسپ، اتنے شستہ، اور اتنے سبق آموز!

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند کہ سر اڑ جائے

جلاد سے لیکن وہ کہے جائے کہ ہاں اور!

ایک عالم دین اور بعض مسائل حاضرہ

ایک ممتاز

عالم دین جو تحریک خلافت کے زمانہ میں جیل جا چکے ہیں، اور جنکی ہمدردیاں آج لیگ سے کہیں زیادہ کانگریس کے ساتھ ہیں، اپنے ایک تازہ مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"میں لیگ و کانگریس کے معاملہ میں ذہنی حیثیت سے آپ کے خیال کے بالکل مخالف ہوں۔ لیگ کی سیاست کو نفرۂ کلاس کی سیاست سمجھتا ہوں اور غیر انگیز بھی۔ لیکن اب چونکہ اسی شر سے خیر پیدا ہوتے دیکھ رہا ہوں اس لیے اس مخالفت میں بھی بہت کمی ہو گئی ہے۔ اور عملی حیثیت سے بالکل بے تعلق جانبین سے ہے۔ مسئلہ خالص سیاسی ہے، اسے مذہبی رنگ دینے والے سخت مجرم ہیں۔ مولانا مدنی کی سیاست اصولی حیثیت سے تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن عملی حیثیت سے نہایت درجہ غلط ہے۔ مولانا آزاد کی اصولی اور عملی دونوں سیاستیں اپنی جگہ پر ہیں۔ ...... چودھری خلیق الزماں صاحب کے معاملہ میں مولوی ظفر الملک صاحب کے سالکسے کچھ ہی پیچھے ہوں۔ خوب یہ لکھ چکا ہوں لیکن اگر چودھری صاحب امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوں، تو ظفر الملک صاحب کے برعکس میری ہمدردی چودھری صاحب کے ساتھ ہو گی، کہ اسکے وہ ضرور اہل ہیں"

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری فروری ۱۹۴۶ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت اپنا چندہ فوری فرصت میں بھیج دیں، تا کہ آپ کی وی پی نہ روانہ کیا جائے جو آغاز فروری سے روانہ ہوں گے۔

نمبر ۱۵۴۹، نمبر ۱۶۲۵، نمبر ۱۶۲۶، نمبر ۱۶۲۷

نمبر ۱۶۳۸، نمبر ۱۶۲۴، نمبر ۱۷۸۳

خادم مہتمم صدق۔ لکھنؤ

سورہ بقرہ رکوع ۲۶

بسلسلہ صدق ۱۹۴۶

از عبد الماجد

۲۱۸ یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم	آپ سے پوچھتے ہیں، کیا خرچ کریں ۸۲۸، آپ کہدیجیے کہ جو کچھ تمھیں مال سے خرچ کرنا ہے ۸۲۹ سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ۸۳۰، اور جو بھی نیکی کرو گے، اللہ کو اسکا پورا علم رہتا ہے ۸۳۱۔

۸۲۸۔ (اور کن موقعوں پر)

سال المؤمنون رسول اللہ صلعم این یضعون اموالہم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان حصرتہ ای شئی ہو (کبیر۔ عن القفال) مرادہم من قولہم لیس ہو طلب الماہیۃ بل طلب المصرف (کبیر)

سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس باب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت و حیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اسکی بابت نہ تھا۔

الاکثرون علی ان الآیۃ فی التطوع (روح) عن الحسن ہی فی التطوع (مدارک)

قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے مسائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اسکے اندر رکھتے ہیں۔

۸۲۹ خیر کا مفہوم، علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف و متعارف معنی کے، محمود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔

المال من وجہٍ محمود (راغب)

اور یہاں یہی مراد ہے۔

۸۳۰ مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اسکی ترتیب کسقدر حکیمانہ ہے! سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، انکی کی جائے۔ پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور اس میں بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آ گئے — شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے — پھر امت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا تقریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لیے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علٰحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔

۲۱۹ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔	تمھارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا ہے ۲۸۳ اور وہ تم پر گراں ہے ۲۸۴ لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو ۲۸۵ اور علم تو اللہ رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ۲۸۶۔

تر ہیں اور دوسرے مقدار اور تعلی وقت رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر "فٹ" ہو گئے! مقصود تربیت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم سب سے بے خبر چندہ لکھوا رہے ہوں "چیپی ریلیف فنڈ" میں!

۲۸۳ (اور اس لیے اسکا اجر بھی پورا مل کر رہیگا)۔

خیر، عام ہے۔ بدنی، مالی، بڑی، چھوٹی، کسی قسم اور درجہ کی ہو اور ہو، سب کو شامل ہے۔

آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے دیویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گڑھ لیے ہیں، اُن پر قیاس کرکے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے معبود کا بھی علم ناقص یا محدود ہے، یا جزئیات یا تفصیلات پر محیط نہیں۔

۲۸۴ (جب اُسکے شرائط کا تحقق ہو جائے، اے مسلمانو!)

قتال کے آداب، شرائط و قواعد کے کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آیندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر حربی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے اُسکو پیش نظر رکھ کے، ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے، جو یہود و انصاری دونوں کے نزدیک مقدس ہے:

"سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار۔ اور جو کچھ اُسکا ہے بالکل ختم کر، اور اُن پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے، اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔" (۱- سموئیل - ۱۵ : ۳)

۲۸۵ (جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے)

اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً جھجکتا اور گھبراتا ہے۔ پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترک وطن کرکے مدینہ میں آکر بسنے پر مجبور ہوئے تھے، دونوں روپیہ پیسہ، ساز و سامان میں، تعداد میں، غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مقابل نہ تھے۔ ان خستہ دلوں، شکستہ بازوؤں کو حکم جنگ و قتال پا کر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو، تو یہ اُنکے مرتبۂ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔

شاق علیکم کرہ طبعا (بیضاوی) کرہ بالطبیعۃ (بحر) ہذا الکرہ من حیث نفور الطبع عنہ لما فیہ من مؤنۃ المال ومشقۃ النفس وخطر الروح لا انہم کرہوا امر اللہ تعالٰی (معالم)

ہو کرہ لکم آیت پوری تردید کر رہی ہے اُن بے غیرت "مستشرقین" کی، جنھوں نے یہ لکھ ڈالا ہے کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاق جنگ

وقت کے تھے!

کرہ لفظاً مصدر ہے، معنی مفعول کے مصدر اسے ہے جیسے خبز سے مراد ہو جاتی ہے "مخبوز" اور نقض سے مراد منقوض

اس تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل مسلمانوں کو اور قتال پر آمادہ کرنے کے لیے قرآن مجید کو اس قدر زور و اہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آ رہی ہے، اُنکی بابت اسلام کے مشہور و معروف لیکن "فیاض" اور "سچی" دنیا کے نامور مورخ و سیرت نویس، پادری میور کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ (نعوذ باللہ)

"محمد نے اپنے شورش پسند پیرووں کو مشغول رکھنے کے لیے اُنھیں جہاد میں لگا دیا"!

گویا کمزوروں کا زورآوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا، شکار کی قسم کا کوئی مشغلہ سیر و تفریح تھا! ——— دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں!

شیئا صیغۂ نکرہ میں ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کُلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ہر طبعی محبوب و مرغوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ و مبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔

۲۸۶ یعنی اللہ ہی کا علم کامل اور تمام مصالح پر ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لیے اسکے احکام ہمیشہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انسانی علم اسکے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل و جامع نہیں ہوتا۔ اس لیے خود انسان کی خیر و مصلحت اسی میں ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل بے چون و چرا کرا کرے۔

جوش و ہوش

ایک مفید زیر طبع کتاب

سامی الاکرم۔ سلام علیکم۔

آپ "جوش و ہوش" کے سلسلہ میں یہ خبر سن کر غالباً بہت محظوظ ہونگے کہ اس قحط الرجال میں بھی بعض دردمند مسلمان گوشۂ گمنامی میں ایسے موجود ہیں جو بغیر تحریک محض حسبۃً للہ خاموشی سے وہ کام کر جاتے ہیں جسکی بادی النظر میں بعض اوقات بڑے بڑوں سے امید نہیں ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہوا کہ جوش کے مقابلہ میں میری بعض تردیدی نظمیں دیکھ کر جناب مجتبیٰ حسین صاحب ایوبی وارث جلا تنگ سیتاپور نے قبل طباعت عام مسلمانوں کو مفت تقسیم کرنے کے لیے ننھا کتابوں کی پیشکش پیش کی ہے۔ خداوند کریم کے اس جذبۂ خلوص کو قبول فرمائے اور "جوش و ہوش" کو مقبول کرے۔ آمین۔

عقیل احمد جعفری - از فیض آباد

صدق - بہتر ہوتا کہ ننھا کتابوں کے بجائے نفس رقم ہی کی تصریح کر دی گئی ہوتی، یا کم از کم اسکی کہ فی نسخہ قیمت کیا تجویز ہوئی ہے۔ بہرحال جو بھی قیمت تجویز ہوئی ہو ۲۵ مزید نسخوں کی خریداری کے لیے ایک اور مخلص اس مراسلہ کی اشاعت سے قبل ہی آمادہ ہو گئے ہیں

ازدواجی زندگی اور درازی عمر

بیوی کی اہمیت شباب میں اور ادھیڑ سن میں اور بڑھاپے میں

(از ڈاکٹر محمد حبیب محمد خاں صاحب ایم۔ آر۔ سی۔ ایس۔ ایل۔ آر۔ سی۔ پی (لندن)

ازدواجی زندگی آیا راحت آرام کا ذریعہ ہے؟ اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسی زندگی مسرت و شادمانی کی انتہا ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ازدواجی زندگی دوزخ نہ سہی کم از کم جنت کا نمونہ تو نہیں کہلا سکتی۔ ذاتی طور پر میں یہ کہوں گا کہ اس وسعت کے باوجود کہ شادی نے بہت سے لوگوں کو خوش رکھا ہے کافی شہادت موجود ہے کہ ایسی شہادتیں موجود ہیں جہاں شوہر کے مرجانے سے بہت سے آدمیوں کو اپنے متوفی شریک زندگی کا ماتم کر کر وقت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ازدواجی زندگی کو منقطع ہوئے ایک عرصہ کیوں نہ گزرا ہو۔

بے شک شادی دوسری اور صورتوں کی طرح ازدواجی زندگی میں راحت و سکون پیدا کرتی ہے۔ فکروں اور پریشانیوں سے دور رکھتی ہے جن سے ہر شخص متاثر رہتا ہے اور قبل از وقت بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ازدواجی زندگی درازی عمر کا سبب بن جاتی ہے۔ غم کا حصہ ہوا تو غم بھی آدھا ہو گیا۔ اور ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ دنیا کے مصائب و آلام کا حصہ دار رہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سر کی گٹھری بھی ہلکی ہو گئی۔ یہ امر بھی صحیح ہے کہ انسانی زندگی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک "بہتر نصف" اس کے ساتھ نہ ہو۔ جسمانی ساخت اور ترکیب کے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے نسوانی سیرت مرد کی سیرت سے کچھ ایسی مختلف ہے کہ ان دونوں کے امتزاج سے مرد اور عورت کی سیرت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے ازدواجی زندگی دونوں کو فائدہ پہونچاتی ہے۔ اس قسم کی زندگی سے صرف یہی ایک فائدہ پہونچے تو ظاہر ہے شادی بڑی نعمت ہے۔

ازدواجی زندگی سے جنسی خواہشات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ان خواہشات سے اگر روکنے کی کوشش کی جائے تو ہر مرد اور عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور ان کو اگر بے ہنگام چھوڑ دیا جائے تو گناہ کی اجرت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر بقائے شباب کے لیے ازدواجی زندگی کا مشورہ دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس میں اعتدال سے کام لیا جائے اس وجہ سے کہ جنسی تعلقات انسانی نسل کے پھیلانے کے لیے ہیں شہوانی خواہشات کی تکمیل اس کا مقصد نہیں ہوتا۔

ازدواجی زندگی تجرد کی زندگی کی ضامن ہوتی ہے۔ کوئی مرد یا عورت ازدواجی زندگی میں منسلک نہیں ہے اس کو گھر کے آرام اور سکون سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ مجردین کی زندگی ہوٹلوں میں بسر ہوتی ہے اور موت شفاخانہ میں واقع ہوتی ہے۔ ہوٹلوں میں ان کی غذا کا ایسا بے ضابطہ انتظام رہتا ہے کہ ان کا شفاخانہ پہونچ جانا کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ غرض وہ لوگ جو تنہا رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اکثر ایسے اثرات قبول کر لیتے ہیں کہ ان کی زندگی کے دن پورے ہونے نہیں پاتے۔

ہم اس سے واقف ہیں کہ درازی عمر کا ایک ذریعہ اعتدال ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ ایک آدمی ازدواجی زندگی کو مجرد زندگی پر ترجیح دے۔

کرگھے کی صنعت

ہندوستان کی چند مایہ ناز صنعتوں میں سے یہاں کی پارچہ بافی کی صنعت تھی۔ یہ صنعت قدیم تو اتنی ہے کہ چھ سات ہزار سال پرانی ممیاں جو مصر کے مقبروں سے برآمد ہوتی ہیں، ان کے بدن پر جو کپڑا لپٹا ہوتا ہے وہ ہندوستان کا بنا ہوا ہے۔ یہ قدیم صنعت رفتہ رفتہ ترقی کرکے اتنی بلندی کو پہونچ گئی تھی کہ اس نے ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اس کی ایک شاخ ڈھاکے کی ململ تھی، جس کے بیس بیس گز کے تھانوں کا وزن ڈھائی تولہ تک ہوتا تھا۔ کپڑا کیا کپڑے کا جالا ہوتا تھا۔ اسی طرح ہندوستان کی شالیں، قالین، زربفت، کمخواب، یہ سب صنعتیں اتنی ترقی کر چکی تھیں کہ ان کے معمولی معمولی نمونے بڑے بڑے شاہنشاہوں کے لیے تحفے سمجھے جاتے تھے۔

جب یہاں انگریز آتے ہیں تو ان کو کرگھے کی صنعت کی بہتریاں ایک آنکھ نہیں بھاں، کیونکہ یہاں کے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابل میں ان کی مشینوں کی پیداوار ماند تھی۔ اور وہ سستا اتنا ہوتا تھا کہ لوگ اسے انگلستان لے جاکر فروخت کرتے تھے تو وہاں کی مشین کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابل میں سستا اور اچھا رہتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے بیوپار بھلا دیسی صنعتوں کے ان منصوبوں کو کب معاف کر سکتی تھی۔ اس نے ٹیکس پر ٹیکس، محصول پر محصول بڑھائے، درآمد برآمد پر پابندیاں لگائیں، ذرائع حمل و نقل میں دشواریاں پیدا کیں، اور جب اس سے بھی کامیابی نہیں ہوئی، تو وہ تاریخی جلا دی عمل میں آئی یعنی کاریگروں کے انگوٹھے کاٹ ڈالے۔

ان حادثوں کے بعد اس صنعت کو ختم ہو جانا چاہیے تھا، لیکن اس کے وارث ایسے جری اور مستقل مزاج نکلے کہ سب کچھ جھیلے پھر بھی ہندوستان کے ہر صوبہ کی کمائی کو نہ ٹوٹنے دیا۔ چنانچہ اب تک وہ باقی ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے، پھر بھی باقی ہے۔ صنعت دانوں کی کمائی کا زیادہ حصہ بیچ کے لوگوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے پھر بھی وہ باقی ہے۔

کرگھے کا وجود آئندہ ہندوستان میں ضروری ہے کیونکہ ہم کروڑ ننگوں کو کپڑا پہنانے کے لیے جتنی مشینوں کی ضرورت ہے وہ ہم سردست مہیا نہیں کر سکتے اور اتنی کیا اس کا دسواں حصہ بھی مہیا نہیں کر سکتے اور مدتوں مہیا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر ہندوستان کو ننگا نہیں رکھنا ہے تو کرگھے کو ترقی دینا چاہیے۔ قومی حکومت کا تو یہ پہلا فرض ہوگا، لیکن موجودہ حکومت کا بھی فرض ہے۔ اگر وہ کچھ اور نہیں کر سکتی

قرآن کریم و بائیبل کا باہمی تعلق

(۲)

(از مولانا عبد الرؤف خاں صاحب مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر)

اناجیل کی کثرت اور انکی بے اعتباری پر ایک دلچسپ بیان

جب ہر جگہ جھوٹی اور سچی انجیلیں لوگ لکھنے لگے تو نیقیہ کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء میں جو پہلی کوشش ہوئی وہ یہ تھی کہ مستند و غیر مستند جتنی بھی انجیلیں ملیں سب گرجا کے صدر مقام پر رکھدی گئیں اور بزرگان عیسویت نے بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگنی شروع کی کہ جتنی کتابیں مستند ہوں وہ اوپر رکھی رہیں اور جتنی غیر مستند ہوں نیچے گر پڑیں۔ پس اس موقع پر جو کتابیں نیچے گر پڑیں وہ مسترد کردی گئیں اور جو اوپر رکھی رہیں واجب العمل مانی گئیں۔ کونسل کے ممبروں میں سے دو بشپ بیچ انعقاد کونسل کے زمانہ میں مرگئے۔ کونسل کی کارروائیوں کے استناد کے لیے ان دونوں کے دستخطوں کی بھی ضرورت تھی۔ کونسل کے فیصلوں کی مسلیں انکی قبروں پر لے جاکر رکھ دی گئیں اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ کوئی اندر نہ جانے پاوے۔ محترم بزرگان کلیسا رات بھر دعا مانگتے رہے۔ صبح کو جاکر دیکھا تو مسلوں پر دونوں مرحومین کے دستخط موجود تھے (حوالہ کے لیے مسیح و مسیحیت مصنفہ مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی مرحوم ص۱۸۲ دیکھیے)

حیرت و استعجاب یہ ہے ان اناجیل کے معتبر و مستند ہونے کی وہ عجیب و غریب داستان کہ جس میں نہ تواتر کی ضرورت ہے نہ سلسلۂ اسناد کی: اسی طرح نہ سند متصل ہے نہ کوئی جرح کا موقع۔ یہ ہے وہ خوش عقیدگی کہ ایک رات کی تاریکی اور لمبی دعا، مسلوں پر دستخط کرا لیتی ہے اور غیر مستند انجیلوں کو مستند کرا کے چھوڑتی ہے۔ اگر اناجیل کے مستند کرانے کے لیے مردہ ہوئے پادریوں کی دستخط، بس دعا کی تاثیر سے کرائی جا سکتی ہے تو سخت تعجب و حیرت ہے کہ خود زندہ مسیحؑ کی دستخط بس دعاؤں کے ذریعہ کیوں نہ حاصل کرلی گئی جو سب کے لیے حجت قطعی ہوتا۔ (ارباب کونسل کے اس طریقۂ کار کی کیا کوئی موشگافی کی جا سکتی ہے یا اس زمانہ عجائب کے لیے محض خوش عقیدگی کافی ہے؟

موجودہ اناجیل ناقص ہیں ناظرین کرام موجودہ اناجیل کے ناتمام ہونے کی اندرونی شہادت یہ ہے۔ انجیل یوحنا باب ۱۶ فقرہ ۱۲ میں ہے "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم انکی برداشت نہیں کرسکتے" اس سے صاف ظاہر ہوا کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے تمام باتیں بندوں کو نہیں پہونچائیں۔ اسی طرح یوحنا باب ۲۰ فقرہ ۳۰ میں ہے۔ سب معجزات اس کتاب میں نہیں لکھے گئے۔ اگر وہ ساری لکھی جائیں تو جو کتابیں ان سے تیار ہوتی وہ دنیا جہان میں نہ سما سکتیں۔

بائبل کے غیر محفوظ ہونے پر اندرونی شہادتیں ناظرین کرام اب تک بائبل کے غیر محفوظ و غیر معتبر ہونے پر تاریخی روشنی میں تباہی و بربادی کے حالات اور نیز انکے زمانۂ تصنیف کی تعیین و قدیم نسخوں کی گمشدگی اور مدار علیہ قدیم نوشتہ کے تلف و لاپتہ ہونے کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم اندرونی شہادات سے بعض کتب سماوی کے معدوم و لاپتہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:-

- نمبر۱ عہد نامہ موسیٰ لاپتہ ہے۔ اس کتاب کا حوالہ خروج باب ۲۴ فقرہ ۷ میں ہے
- نمبر۲ جنگنامہ خدا کی لاپتہ ہے اسکا حوالہ گنتی باب ۲۱ فقرہ ۱۴ " "
- نمبر۳ کتاب الیاسر لاپتہ ہے اسکا حوالہ یوشع باب ۱۰ فقرہ ۱۳ " "
- نمبر۴ کتاب اعمال سلیمان لاپتہ ہے اسکا حوالہ سلاطین باب ۱۱ فقرہ ۴۱ " "

اب عہد جدید کے غیر محفوظ اور ناقص ہونے کا حال سنیے۔

(۱) یوحنا کی انجیل باب ۲۱ فقرہ ۲۵ میں ہے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ ان سے جو کتابیں بنتیں وہ دنیا میں نہ سما سکتیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ انجیل بھی ناتمام ہے۔

(۲) پولوس مقدس کا نامہ اول کا نامہ اول لاپتہ ہے۔ اسکا حوالہ قرنتیون باب ۶ فقرہ ۹ میں ہے۔

جبکہ کئی کمل کتابیں اور کئی مجموعے کا کھویا جانا بائبل کے اندرونی شہادت سے ثابت ہے تو اس بائبل کی بربادی و غیر محفوظ اور محرف ہونے کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا دیا جا سکتا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ بہت کچھ اور غلط فہمیوں اور بشری کوتاہیوں کے بنا پر طمع دنیا اور بعض دیگر اغراض کے ماتحت قصداً کمی و بیشی کی گئی۔

تحریف جدید کے تازہ امثلہ (۱) انجیل متی امریکہ والی مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں یہ الفاظ ہیں "ایک شخص آیا اور اس نے (یسوع سے) کہا اے نیک استاد میں کونسا نیک کام کروں" اس نے جواب میں کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو کوئی بھی نہیں۔ مگر ایک یعنی خدا۔ انجیل متی امریکن۔ باب ۱۹ فقرہ ۱۶ - ۱۷۔ لیکن بائبل کے انگریزی نسخہ مطبوعہ آکسفورڈ۔

(۲) یونیورسٹی ۱۹۲۱ء کے متی باب ۱۹ فقرہ ۱۶ (تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے) کے الفاظ حذف کر دیے گئے۔ (اہلحدیث ۷ اگست ۱۹۳۱ء) ان الفاظ کے اڑا دینے کی غرض یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نیک اور معصوم ہونا ثابت کیا جائے کیونکہ بقول عیسائیاں حضرت مسیحؑ کا بقیہ تمام انبیاء کے برخلاف معصوم اور نیک ہونا ہی کفارہ کے لیے وجہ ترجیح ہے۔

(۳) انجیل متی باب ۱۷ فقرہ ۲۱۔ مگر اس طرح کے دیو بغیر دعا و روزے کے نہیں نکالے جاسکتے۔ (ملاحظہ ہو انجیل مطبوعہ لندن ۱۸۵۶ء یا انجیل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۳ء۔ اسکے بالمقابل برٹش فارن بائبل سوسائٹی لاہور کی انجیل مطبوعہ ۱۹۰۳ء - متی کے باب ۱۷ کا

لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں

علامۂ عصر مولانا شبیر احمد صاحب کا خطبۂ صدارت
لیگ کانفرنس میرٹھ میں

(۳)

میں نے جہاں تک قرآن کریم میں تدبر کیا، اجمالی طور پر دو آیتیں ہماری انفرادی و اجتماعی کامیابیوں کے لیے کافی ہیں۔ انہیں کی تفصیلات قرآن کریم کے بہت سے مقامات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیراً لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ہم المفلحون (التغابن پ ۲۸)

دوسری آیت واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم ... وانتم لا تظلمون (انفال پ ۱۰)

حق تعالیٰ کی شفقت و حکمت کو دیکھیے کہ دونوں جگہ استطاعت کی شرط کی تصریح فرما دی ہے، تاکہ استطاعت کی حد تک تو کوشش میں بندے کمی نہ کریں، اور جو تیاری دائرہ استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے فقدان سے بددل اور مایوس نہ ہوں۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے یکسوئی کی ساعتوں میں غور فرمائیں گے تو منکشف ہو جائیگا کہ پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہر کو بعد پاکستان کے لیے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف اُن امور کا خوگر بنانا ہے جو پاکستان حاصل ہونے کے بعد ہم کو زیادہ منظم اور زیادہ وسیع پیمانہ پر انجام دینے ہونگے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض (یعنی اسلامی حکومت) کی کیا غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔ سنیے، الذین ان مکنّاہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ اگر ابھی سے ہم نے ان چیزوں کی عادت نہ ڈالی تو اُسوقت ہمارا نظام کیسے درست ہوگا۔ اگر ہم آج ہر شعبۂ زندگی میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے کشادہ دلی سے گردن ڈالنا نہ سیکھیں گے تو کل کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم دوسروں کو ان فیصلوں کی طرف دعوت دینگے تو لوگ ہماری دعوت پر لبیک کہیں گے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔ ہم اسوقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں، کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہیگی بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہوگا۔

کیا آپ حضرات اپنے ایک مخلص بھائی کی استدعا پر توجہ فرمائینگے۔ خدا کی قسم اگر ہماری قوم کے بڑے آدمیوں نے عملاً قرآنی احکام کی پابندی بلا تاخیر اور بلا کسی ہچکچاہٹ کے شروع کردی تو موجودہ تحریک میں بے حد و بے حساب زور پیدا ہو جائیگا، اور رفتہ رفتہ قرآنی دعوا فع القدر کی مدد سے سب دور ہوتے چلے جائینگے۔ قرآنی احکام کا لفظ استعمال کرتے وقت یہ واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اتباع اور آپ کے ارشادات گرامی کا امتثال بھی اسی لفظ کے تحت میں آ جاتا ہے۔ بلکہ سلف صالحین کے طور و طریق کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایسی چیز پر نظر اور ایسی چیز کی تلاش کرتے تھے کہ کسی قسم کے پیش آنے والے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا۔ کیونکہ وہ حضور کے مبین و شارح قرآن ہونے کی حیثیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پھر یہ چیز بھی محالات عادیہ میں سے ہے کہ کسی معاملہ میں قرآن کا کوئی حکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور تقریر صدیاں گزر جانے پر بھی تمام امت مرحومہ کی سمجھ میں نہ آئے اور مرور دہور کے باوجود امت کے تمام اہل علم اور ائمہ مجتہدین باوجود انتہائی جد و جہد اور غایۂ شفقت و احتیاط کے ساتھ اس کی صحیح مراد سے (معاذ اللہ) جاہل رہیں۔ کسی حکم شرعی کے متعلق جس پر عمل پیرا ہونے کی امت کو ہدایت ہو ایسا خیال کرنا گویا قرآن مبین کو چیستاں بنا دینا ہے۔

بنا بریں علیہ میں تمام ذمہ دار قائدین کو ایک ادنیٰ خادم دین کی حیثیت سے نہایت پُرزور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سراً و علناً پابندی فرمائیں اور مسلمانوں کو برابر باقاعدہ یہ اطمینان دلاتے رہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک کوئی ایسا قانون بنانے کی اجازت نہ دینگے جو ہمارے پرسنل لا اور شرعی معاملات کے بارے میں علمائے اسلام کے طے کردہ فیصلہ کے خلاف ہو۔ اور اس طرح کی غلطیاں نہیں کی جائیں گی جو اُمنی میں احکام شرعیہ سے بیخبری یا لاپروائی کی بنا پر آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ایسی غلطیوں کا صدور ہوا تو یہ چیز عامہ مسلمین کے لیے ناقابل برداشت ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جو مقصد لیگ کی حمایت اور اسکے حق میں ووٹ دینے کا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔

بہر حال ہم سب کو اس کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اس سلسلہ میں ہم عند اللہ و عند الناس ماخوذ نہ ہوں۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ ایک بے لوث مخلص کی گزارش پر اسی اسپرٹ میں نظر کریں گے جس میں وہ پیش کی گئی ہے۔ قال اللہ حاکیاً عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

خاتمۂ کلام پر ایک اور ضروری چیز پر متنبہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ آپ پورے جوش و ولولہ اور عزم و استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہیے اور ساتھ ہی اسکے نام کی لاج رکھیے۔ دیکھیے مسلم لیگ ہے

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (مسلم وہ ہے کہ جسکے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں) جو لوگ آپ کے سیاسی افکار کے مخالف ہیں، اُن سے بھی آپ کا معاملہ شرافت، صبر و تحمل اور حسن اخلاق کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ گو دوسری طرف سے بھی زیادتی اور اشتعال انگیزی بھی کی جائے۔ بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے اگر اسکے متعلق اخبارات کی روایات صحیح ہیں تو میں اظہار بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو انکا علم و فضل بہر حال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لیے انکی عزیمت و ہمت اور ان تھک جد و جہد ہم جیسے کاہلوں کے لیے قابل عبرت ہے۔

اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے انکے ایمان اور بزرگی میں شبہ نہیں۔ کیا کروں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مومن کا اپنے ایمان میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ اس لیے بہر حال اپنے ایمان میں تردد تو نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنی سیاہ کاریوں کے پیش نظر اپنے کو مومن کہتے ہوئے ذرا شرم آتی ہے۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کروں گا ؎

گو دعوے تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بُت جس سے ہوں خوش، ایسا گنہگار نہیں ہوں

اب میں آپ حضرات کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ اور دعا پر اپنا معروضہ ختم کرتا ہوں۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد للہ رب العلمین۔

دلائل ہستی باری تعالیٰ

یہ بالکل سچ ہے کہ اطاعت بلا محبت اور محبت بلا معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کسی اسٹیشن پر رات کی اندھیری میں باپ کا بستر بھی اگر بغل میں لگا ہے اور میں نے نہیں پہچانا تو اس عدم معرفت سے محبت نہ ہوئی۔ اور جب محبت نہ ہو سکی تو اطاعت یعنی اُنکی خدمت کا جذبہ بھی دل میں نہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح اطاعت الٰہی کے لیے محبت الٰہی اور محبت الٰہی کے لیے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے اس لیے میں نے باری تعالیٰ کے ساتھ معرفت و یقین کامل کی وابستگی پیدا کرنے کے لیے ۷۲ صفحات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اس میں ائمہ دین کے دلائل اور روشن خیالوں اور دہریوں کی تردید کما حقہ کی گئی ہے۔ قیمت مع محصول ۱۲ ؍ ہے

پتہ :۔ مولانا عبد الرؤف خاں رحمانی۔ نائب ناظم مدرسہ جھنڈا نگر۔ ڈاکخانہ وادت گنج۔ ضلع بستی

بقیہ ۳

کا یہ فقرہ اڑا دیا گیا ہے۔ (بحوالہ اہلحدیث ۸ جون ۱۹۳۱ء)

یہاں اس عبارت کے حذف کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس میں کفارہ کا بطلان موجود ہے کیونکہ عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اعمال سے نجات نہیں کفارہ پر یعنی ایمان لانا ہی موجب نجات ہے۔ اور الفاظ مذکورہ میں عمل کی ضرورت، نماز روزہ پر رتبہ علائی رکھی ہے جو عقیدہ کفارہ پر ضرب کاری ہے۔

(۴) قاضیوں کی کتاب باب اول آیت ۱۱ میں ۱۹۳۱ء سے پہلے کی بائبلوں میں قینی کو حضرت موسیٰ کا سسر لکھا ہے۔ اور ۱۹۳۱ء کی بائبل میں قینی کو حضرت موسیٰ کا سالا بتایا ہے۔ یہ تحریف اسلیے کی گئی ہے تاکہ تعدد ازواج موسیٰ کا ثابت نہ ہو سکے۔

(۵) اسی طرح ۱۹۳۱ء سے پہلے کے نسخوں میں احبار باب ۸ فقرہ ۳۰ میں صاف مذکور ہے "تم میرے حکموں پر چلو اور میرے قانون کو حفظ کرو" لیکن مطبوعہ انارکلی لاہور ۱۹۳۱ء کی بائبل میں یہ عبارت بالکل اڑا دی ہے۔ اسکی جگہ "تم میری شریعت کو مانتا" لکھا ہے۔ اس تحریف سے انکا یہ فائدہ ہے کہ کوئی اہل بائبل سے یہ نہ کہے کہ تم کو بموجب آیت مذکورہ حفظ کرنے کا حکم تھا اور خود تمہاری کتاب میں یہ حکم موجود ہے۔ پس جب تم نے حفظ نہیں کیا اس لیے تحریف کی کمی و بیشی بآسانی راہ پا گئی۔ پس مثل مشہور کے مطابق کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ عبارت ہی (حفظ کرو) کا حذف کر دیا کہ نہ وہ عبارت رہے نہ الزام دیا جا سکے۔

(۶) کتاب استثنا باب ۱۳ فقرہ ۴ کی عبارت ۱۹۳۱ء کے قبل والی تمام قدیم نسخوں میں موجود ہے مگر ۱۹۳۱ء میں نہیں ہے۔ یہ تحریف اس لیے کی گئی ہے تاکہ مسلمان اہل بائبل کو الزام نہ دے سکیں۔

(۷) گنتی باب ۲۳ فقرہ ۱۹ میں ہے کہ خدا آدمی زاد نہیں [illegible] ہو ۱۹۳۱ء کے بائبل میں (کہ وہ پشیمان ہو) کا لفظ اڑا دیا [illegible] جگہ یہ مندرج ہے کہ اپنا ارادہ بدلے۔ ارادہ نہ بدلنا، جو کچھ چاہتا کر گزرنا کمال قدرت کی دلیل ہے اور پشیمان نہ ہونا، ندامت نہ اٹھانی کمال علم کی دلیل ہے۔ کیونکہ ناقص علم والا بعض باتوں کے انجام سے بیخبری کی بنا پر پچھتاتا ہے۔ اب یہ تحریف اس لیے کی گئی تاکہ کتاب پیدائش کا تعارض نہ باقی رہے۔ کیونکہ پیدائش میں خدا کی خلقت کی گنہگاری کو دیکھ کر پچھتانے کا صاف ذکر ہے۔ چنانچہ یرمیاہ پیغمبر کو خود اقرار ہے کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، تم کیونکر کہتے ہو کہ خدا کی شریعت تمہارے پاس ہے۔ دیکھو لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ (یرمیاہ۔ باب ۸ فقرہ ۸) دوسری جگہ فرماتے ہیں تم نے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔ (یرمیاہ باب ۲۳ فقرہ ۳۶) یحرفون الکلم عن مواضعہ (مائدہ) کی آیت کریمہ انکے اس معاندانہ حرکت کی شہادت پر ہے

(باقی آئندہ)

بزم ہمدردان صدق

(۱) جناب ذکاء اللہ خاں صاحب بریلی — عشہ ؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون || اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی صہ
بیرون ہند سے ۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۱۷ | یوم چہارشنبہ - ۲۴ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۳۰ - جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ڈیلی میل، لندن کا مشہور و معروف اخبار، اپنے ایک تازہ نمبر میں لکھتا ہے کہ ہم (اہل برطانیہ) میں ایک وصف ایسا ہے جس کی تقلید دوسری قوموں کو کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ ہم وقت پڑنے پر آپس کے سارے اختلافات اور نزاعات بھلا کر، بالکل ایک ہو جاتے ہیں۔ اور سوال ہمارے سامنے یہ بالکل نہیں رہ جاتا کہ کسی پارٹی کو کیا حاصل ہو رہا ہے۔ بلکہ صرف یہ رہتا ہے کہ ملک و قوم کے نفع کا تقاضا کیا ہے —— جنگ کے اس چھ سال میں کس نے جانا کہ ٹوری کون ہے اور لیبر پارٹی والا کون اور لبرل کون؟ نہ کوئی سرمایہ دار تھا نہ کوئی سرمایہ بیزار، ہم سب کے سب صرف انگریز تھے —— یہ جگ بیتی ہوئی۔ اب فرمائیے، "آپ بیتی" کیا ہے؟ آپ کبھی تو صرف مسلم اور محمدی بنیں، کبھی تو برادری پر، فرقہ پر، اپنی سیاسی ٹولی پر، دین کو اور اسلام کو مقدم رکھیں!

رائٹ آنرایبل سر تیج بہادر سپرو کی سالگرہ ابھی حال ہی میں منائی گئی تھی، اور اتفاق سے اسی زمانہ میں پنڈت مدن موہن مالوی جی کی بھی۔ مبارکباد دینے والوں میں، آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پیش پیش کون تھے؟ —— کوئی اور نہیں، پنڈت جواہر لال نہرو، خلوص قلب کے ساتھ مبارکباد دیں دیں، مدحیہ مضمون لکھے، دونوں کی خدمات کو سراہا، دونوں کے کارناموں کی داد دی —— اس سوشلسٹ اور برطانیہ بیزار جواہر لال کو سرمایہ دار، خطاب یافتہ اور برطانیہ دوست سپرو سے، اور ملحد و آزاد خیال جواہر لال کو ٹھیٹھ اور پختہ ہندو مالوی جی سے کوئی بھی مناسبت ہو سکتی تھی؟ جواہر لال اور ان دونوں کے درمیان بجز ہندو قومیت کے اور کونسی چیز مشترک ہے؟ —— ایک آپ ہیں کہ اپنی پارٹی، اپنی ٹولی سے باہر کسی خوبی کا وجود فرض بھی نہیں کرتے، دو اور دو چار بھی کوئی کہے، اور وہ کہنے والا آپ کی پارٹی سے ... تو شاید اُسکی تردید بھی آپ واجب سمجھیں!

انگریز کو چھوڑیے کہ وہ تو آپ سے بہت آگے ہیں ... ہی کو لیجیے، کہ وہ تو آپ ہی کی طرح محکوم ہیں، پابند ہیں ... لئے اتنا "ڈسپلن" اپنے اندر کہاں سے پیدا کر لیا ہے۔ نظم و انتظام، فرق مراتب کا احساس، اختلاف و اشتراک کے حدود کا تعین کہاں سے سیکھ لیا ہے؟

ایک آیت پر سوال

قرآن مجید کے ایک مسلم متعلم کا سوال:—

"سوال سورۂ یوسف کی آیت کذلک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمہ من تاویل الاحادیث میں لنعلمہ کا محل کیا ہے۔ اب تک اس باب میں شرح صدر نہیں ہو سکا ہے"

جہاں تک آیت کے مفہوم کا تعلق ہے، بحمد اللہ وہ صاف و بے غبار ہے۔ وکذلک یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو اُسکے دشمن بھائیوں کے شر سے نجات دی تھی، قتل سے بچا دیا تھا، اندھیرے کنوئیں سے رہائی دلائی تھی، اُسی طرح مکنا لیوسف فی الارض اب ہم نے یوسف کو مصر میں قدم جمانے کی جگہ دیدی، اور اسکے لیے گویا زمین تیار کر دی، کہ وہ آئندہ اچھے سے بہتر

دنیوی انعام کے مورد ہو سکیں [آیت کی تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اس زر خرید ہونے کے عزیز کے گھر میں بڑی خاطر کیساتھ رکھے جاتے تھے، اور قرآن مجید کے الفاظ اکرمی مثوٰہ، کا بھی اسی جانب اشارہ کر رہے ہیں]

ولنعلمہ من تاویل الاحادیث۔ اور یوسفؑ کو نجات دلانے اور اس مرتبہ پر پہونچانے میں ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہم انھیں تعبیر خواب کی تعلیم دیں، اور وہ لوگوں کو مادی و روحانی برکتوں سے سرفراز کریں۔

اصل معنی و مفہوم میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اب سوال صرف ترکیب کا رہ جاتا ہے۔ سو اہل تفسیر نے، جیسا کہ سائل پر خود روشن ہے، اپنے اپنے ذوق عربیت کے ماتحت اسکی مختلف صورتیں اختیار کی ہیں، مثلاً یہ کہ واؤ زائد ہے، یا یہ کہ اسکا عطف مکنّا کے متعلق محذوف پر ہے، اور مکنّا اصل میں لنمکنہ تھا۔ یا یہ کہ واؤ مقحمہ ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ مکنّا یوسف فی الارض لنعلمہ، وقس علی ہذا۔ اور جب قواعد زبان ان سب ترکیبوں کی اجازت دیتے ہیں، تو سوال صرف ترجیح کا رہ جاتا ہے، نہ کہ جواز و عدم جواز کا ——— حرف واؤ کے ترجمہ میں ہم ہندیوں کے لیے جگہ جگہ دشواری پیش آتی ہے، اور بنا، اسکی یہ ہے کہ ہم لوگ ہر جگہ اسکے بجائے اردو کا "اور" رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ عربی کے اسلوب بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جگہ اسکا ترجمہ سرے سے نظر انداز کر جانا ہی صحیح ترجمانی ہے۔

آمدنی کا ٹیکس

"آج ہندوستان کے باشندے اس سے آٹھ گنے سے زیادہ ٹیکس دے رہے ہیں، جتنا وہ ۱۹۳۸ء میں دیتے تھے! اور پھر بھی اس مالیہ سے مرکزی حکومت کے خرچ صرف ۷۶ فی صدی پورے ہو جاتے ہیں، درانحالیکہ ۱۹۳۸ء کے مالیہ سے ۹۹ فی صدی پورے ہو جاتے تھے، ..... یہ تو آج ہے، اور کل کیا ہوگا؟ اسکے جواب میں سرکاری اعلان شائع ہو چکے ہیں، کہ ٹیکسوں کی کمی کی کوئی امید نہ قائم کی جائے، اس لیے کہ ملک کی ترقی کی جو اسکیمیں ہیں، اور جنکے لیے لکھوکھا ٹرینڈ افسروں، ڈاکٹروں، انجینیروں، ماسٹروں وغیرہ کی ضرورت ہوگی، وہ بغیر اتنے سرمایہ کے چل سکتی نہیں۔" (ٹائمس آف انڈیا، بمبئی، ۱۲ جنوری کے لیڈنگ آرٹیکل سے)

ماہرین فن کہتے ہیں کہ ٹیکس میں اضافہ جب ہی ممکن ہو جب پیداوار میں اضافہ ہو لیکن خود پیداوار میں اضافہ کیونکر ہو جب رعایا ٹیکس کے بار سے اس درجہ لدی ہوئی ہو؟ ——— غرض یہ کہ جنگ کے زمانہ میں جو بیتنا تھی وہ تو بیت ہی چکی، اب امن کے زمانے میں جو کچھ گزر رہی ہے، یا گزرنے والی ہے، یہ اس سے کچھ کم ہے؟ ——— خوب ہوتی ہے "صاحب" کی بھڑکائی ہوئی جنگ، اور خوب تر ہے "صاحب" کی لائی اور پھیلائی ہوئی امن!

"صاحب" کی رجعت پسندی!

نوجوان لڑکیوں کا فوجیوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط ہمارے ہاں کے کم سنوں کی جرائم پیشگی کا ایک بڑا باعث ہے۔ لیکن اسکی ذمہ داری فوجیوں پر اتنی نہیں عائد کی جاسکتی، جتنی خود ان نوجوان لڑکیوں کی مریضانہ ذہنیت پر، جسکے باعث وہ آپ فوجیوں پر گری پڑتی ہیں۔ نوجوان طبقہ اپنے اوقات فرصت کو بھی بے انتہا غلط استعمال کر رہا ہے۔ آج کل کی پھیلی ہوئی برائیوں [illegible] اور رقص خانوں پر اسی طرح پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے جس طرح شراب پر عائد کی گئی تھیں۔ وزارت کو اس میں کامیابی کی توقع نہ ہو کہ ۱۸ سال سے کم عمر والوں کا رقص خانوں میں داخلہ ممنوع ہو جائے تو بہرحال ۱۶ سال سے کم عمر والوں کے لیے تو ضرور ہی غور کیا جائے۔

یہ سب کچھ حال میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک مزدور ممبر مسٹر آسٹن نے اپنی ایک پارلیمنٹی تقریر میں کہا! اور کہتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ اسکے بعد تہذیب فرنگ کیسی مفلس و تہیدست ہو کر رہ جائیگی! شراب پر بندش، مرد و زن کے آزادانہ اختلاط پر بندش، سنیما پر بندش، رقص خانوں پر بندش، اتنی بندشوں کے بعد پھر اس تہذیب میں مزہ ہی کیا رہ جاتا ہے! اور پھر آخر وہ رسوا و بدنام "اسلامی" ہی تہذیب کیا بری ہے؟ پوری نہ سہی، لیکن بہر آدھی، تہائی، کچھ اس سے آ ہی جاتی ہے!

گاندھی آشرم کی دعائیں

"گاندھی آشرم کی پرارتھنا (دعا) کی تشریح کے ضمن میں خود گاندھی جی کے قلم سے ہے ——

"... سادھو کیشر ہیں تھے جب بی بی ریحانہ طیب جی کچھ دنوں کے لیے یہاں آگئی تھیں ..... بی بی ریحانہ گانے میں بہت مشاق ہیں اور اُنکے پاس ہر طرح کے بھجنوں کا خزانہ بھرا ہے۔ وہ روزانہ یہاں گاتی تھیں۔ اور قرآن کی شیریں آیتیں بھی سناتی تھیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہاں بھی کسی آدمی کو جو سیکھ سکتا ہو کچھ آیتیں سکھاتی جاؤ۔ وہ خوشی سے اسکے لیے تیار ہو گئیں۔ یہاں آنے والے اور لوگوں کی طرح ریحانہ بھی سب کے ساتھ شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ وقت ختم ہو جانے پر ریحانہ چلی گئیں، لیکن اپنی ایک چھوٹی سی یادگار چھوڑ گئی ہیں۔ یعنی سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص جو آشرم کی پرارتھنا میں شامل ہو گئی ہیں" (مضمون مندرجہ قومی آواز، لکھنؤ)

آشرم کی غیر اسلامی عبادات میں اسلامی عبادات کی آمیزش، اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص یا اُنکے ترجموں کی روزانہ تلاوت یقیناً غیر مسلموں کے لیے باعث برکت و موجب مسرت ہے۔ لیکن خود مسلمانوں کے لیے ایسی مشترک و مخلوط دعاؤں میں شرکت کس حد تک مفید و مناسب بلکہ جائز بھی ہے؟ اس سے بھی قطع نظر، ایک مسلمان خاتون کا یہ وصف کہ وہ بڑی مشاق گائن ہیں، اور بھجن خوب گاتی پھرتی ہیں، یہ اُنکی مدح ہوئی یا عین ہجو و ذم؟ ——— نقطۂ نظر یا ایمانیات کا بنیادی اختلاف بھی انسان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتا ہے!

جرائم کی ترقیاں

۳۸ء کے مقابلہ میں ۴۵ء میں جرائم کا اضافہ:—

دوکان توڑ کر گھس آنے کے واقعات میں ۶۲ فی صدی کا اضافہ

ڈاکہ، رہزنی، حملہ آوری " ۱۰۶ "

موٹر کار کی چوری کے واقعات میں ۲۵ فیصدی کا اضافہ
مکانات کے اندر سرقہ " " ۱۰۰ "
جیب کی چوریوں " ۶۱ "

(آبزرور، لندن، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء)

جرائم کی تعداد میں یہ سو سو گنے، ڈیڑھ ڈیڑھ سو گنے اضافے، افریقہ کے جنگلوں میں نہیں، ہندوستان کے دیہات میں نہیں، آسٹریلیا کے وحشی علاقوں میں نہیں، خاص الخاص لندن اور اس کے مضافات کے ہیں! ـــ اور یہ فہرست بھی ظاہر ہے کہ صرف چھٹے چھٹے جرموں کی ہے۔ کُل کا قیاس اسی جزو پر کرلیا جائے! ـــ تشخیص یہ کی گئی ہے کہ ہندوستان کے امراض کی علت یہاں کے باشندوں کی جہالت ہے، اور سب کا علاج تعلیم ہے، تو کیا "فرنگستان جنت نشان" میں بھی تعلیم کی کمی ہے؟ کیا لندن کا علاقہ بھی جاہل اور حرفت ناشناس ہے؟ اسکولوں، کالجوں کی وہاں کچھ بھی کمی ہے؟ ـــ حجاز اور نجد کا بدوی غریب اپنی "ترقی" و فلاح کے لیے اسی تعلیم، اسی تہذیب، اسی نظام معاشرت کا محتاج ہے؟

تفاوت راہ

"وہ آشرم کے ہر کام میں گرمجوشی سے حصہ لیتے. وہ ایک قابل تقلید ہستی تھے۔ وہ اپنے اصولوں میں بہت ثابت قدم تھے۔ روزانہ صبح شام گھوم گھوم کر ڈھول بجاتے، اور منتر پڑھتے نظر آتے تھے..... جب پولیس بلا کسی اطلاع کے انھیں گرفتار کرنے آئی، تو وہ اپنا پسندیدہ منتر پڑھ کر رخصت ہوگئے، وہ اپنی ڈھول میرے ہی پاس چھوڑ گئے"۔

یہ گاندھی جی نے اپنے ممدوح ایک آشرم نشین غیر مسلم کی مدح میں کہا۔ فقروں کی نقل سے مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ عبادت کے بارے میں اسلامی اور غیر اسلامی تخیل میں کتنا فرق عظیم ہے! "صبح و شام ڈھول بجا بجا کر گھومتے رہنا" اسلامی نقطۂ نظر سے کسی درجہ کی بھی عبادت ہے؟ کوئی شائبۂ عبادت بھی اپنے اندر رکھتا ہے؟ ـــ کیا ظلم صریح ہے کہ ہندو مسلم کلچر کو ایک کہا جاتا ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

جناب سردار احمد (پیلی بھیت) آپ کے مضمون کے لیے کوئی روزنامہ موزوں و مناسب ہوگا۔

بعض مضمون نگاروں سے (۱) مضامین، مراسلات یا نجی مکتوبات میں دفتری و انتظامی امور سے متعلق لکھنا، کاتب و مکتوب الیہ دونوں کا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ (۲) صدق روزانہ نہیں سہ روزہ ہے۔ پھر گنجائش محدود۔ اپنے ہر چھوٹے بڑے مضمون کے لیے یہ توقع رکھنا کہ وہ چھپ ہی جائیگا اور فوراً چھپے گا اور اس توقع کی بنا پر جلد جلد تقاضا نامہ بھیجتے رہنا، ـــ بہت ہی بیجا قسم کا حسن ظن ہے۔

سورۃ البقرہ رکوع ۲۷

بسلسلۂ صدق نمبر

(از عبد الماجد)

۲۴۰ یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام	اور آپ سے حرمت والے مہینہ کی بابت (یعنی) اس میں قتال (کی بابت دریافت) کرتے ہیں[۶۵۵]، آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے[۶۵۶]، اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک، اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روک دینا۔

۶۵۵ الشہر الحرام بالشہر الحرام کی ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک و محترم تھے۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔

الشہر الحرام سے یہاں مراد ماہ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ھ ہجری تھا یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہوگیا، اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال میں ۳۰ جمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں اکثر ہوتا رہتا ہے) کہ چاند ۲۹ کا ہوگیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو و غلطی کی اس رائی کو لیکر پہاڑ بنا دیا، اور طعن و اعتراض شروع کردیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں!

ان محمداً بعث سریۃ فلقوا عمرو بن الحضرمی آخر لیلۃ من جمادی و اول لیلۃ من رجب وان اصحاب محمد صلعم کانوا یظنون تلک اللیلۃ من جمادی وکانت اول رجب ولم یشعروا فقتلہ رجل منہم واحد (ابن جریر۔ عن ابن عباس)

لقی واقد بن عبد اللہ عمرو ابن الحضرمی اول لیلۃ من رجب وہو یری انہ من جمادی فقتلہ (ابن جریر۔ عن مقسم)

قتالٌ فیہ ترکیب میں بدل ہے الشہر الحرام سے۔

بدل اشتمال من الشہر الحرام (بیضاوی) وہذا یسمی بدل الاشتمال کقولک اعجبنی زید علمہ ونفعنی زید کلامہ (کبیر)

۶۵۶ (جبکہ دانستہ یعنی ماہ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا)۔

وما وقع من الصحابۃ علیہ السلام کان من باب الخطاء فی الاجتہاد وہو معفو عنہ (روح)

فقہاء و مفسرین میں ایک بڑی بحث اسکی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے

واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل	اور مسجد الحرام سے روک دینا اور اس سے اسکے والوں کو نکال دینا سنگین ہے اور فتنہ قتل سے (کہیں) بڑھ کر ہے۔

مذہب کا فرض زمانہ میں قتال شروع کردیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کیلیے دفاعی وجوابی قتال تو بہر حال جائز ہے۔

لا خلاف فی جواز القتال فی الشہر الحرام اذا بدأ العدو (زاد المعاد فصل احکام قریظۃ وخیبر)

گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتدا جائز ہے؟

انما الخلاف ان یقاتل فیہ ابتداء (زاد المعاد)

سو امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسکے قائل ہیں کہ قرآن ہی کی دوسری آیتوں سے یہ حکم حرمت کالعدم ہوگیا ہے اور اب جہاد ان مہینوں میں شروع بھی ہو سکتا ہے

فالجمہور جوزوہ وقالوا تحریم القتال فیہ منسوخ وہو مذہب الائمۃ الاربعۃ (زاد المعاد) قال سائر العلماء ہی منسوخۃ (ابن العربی)

روی سلیمان بن یسار وسعید بن المسیب ان القتال جائز فی الشہر الحرام وہو قول فقہاء الامصار (جصاص) لیکن عطاء تابعی اور بعض اور اکابر اسکے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی ابدی ہے۔ بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار رہتے۔

مذہب عطاء وغیرہ الی انہ ثابت غیر منسوخ وکان عطاء یحلف باللہ ما یحل القتال فی الشہر الحرام (زاد المعاد) کان عطاء یحلف انہا ثابتۃ لان الآیات التی بعدہا عامۃ فی الازمنۃ وہذا خاص والعام لا ینسخ الخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفۃ محکمۃ باقیۃ لم ینسخ وممن قال ذلک عطاء بن ابی رباح (جصاص)

۳۸۲ (سو بالفرض وہ جرم مسلمان سے سرزد ہو ابھی ہوتا، جب بھی اپنے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعہ قتل پر اعتراض واحتجاج کا!)

صد عن سبیل اللہ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے، اُس سے روکنا، یعنی اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا، اُن پر ظلم وستم توڑنا۔

سبیل اللہ ای الاسلام او ما یوصل العبد الی اللہ (بیضاوی)

کفر بہ یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا۔ اللہ کے دین وشریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے

والمسجد الحرام مسجد کعبہ خاص اہل توحید ہی کا معبد و مرکز ہے۔ اسکا ہر وقت اللہ کے پرستاروں کے لیے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائض اولین میں سے ہے۔

المسجد الحرام کا عطف ترکیب میں سبیل اللہ پر نہیں، بلکہ تقدیر کلام یوں ہے وتصدون عن المسجد الحرام۔

ولا یحسن عطفہ علی سبیل اللہ (بیضاوی) تقدیرہ وتصدون عن المسجد (عکبری) واختار ابو البقاء کونہ متعلقا بفعل محذوف دل علیہ المصدر ای ویصدون عن المسجد الحرام (روح)

اخراج اہلہ منہ - دونوں ضمیریں المسجد الحرام کی طرف ہیں یعنی رسول اور مومنین کو ہر طرح تنگ وپریشان کرکر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں اُنکا داخلہ بند کردینا۔

انھیں اہل اس لیے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔

انما کانوا اہلہ لانہم القائمون بحقوقہ (روح)

گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً زمانۂ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی، تو تمہارے ایسے سنگین وشدید جرائم سے اسکا کیا مقابلہ۔

۳۸۳ (اپنے مفاسد اور اپنی شرارتوں کے لحاظ سے)۔

الفتنۃ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دین حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں ــــــ اُس دین کی راہ میں جسکا مقصد ہی دنیا کو راہ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے امن دلانا ہے۔

ای ما یفتنون بہ المسلمون ویعذبون بہ لیکفروا (روح) والمعنی عند جمہور المفسرین الفتنۃ التی کانت تفتن المسلمین عن دینہم حتی یہلکوا (بحر) الفتنۃ ما کانوا یفتنون المسلمین عن دینہم تارۃ بالقاء الشبہات فی قلوبہم وتارۃ بالتعذیب (کبیر)

فتنۃ کے معنی یہاں مطلق کفر کے بھی کیے گئے ہیں، لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے۔ یہ قول امام رازیؒ کے نزدیک ضعیف (کبیر) قول محقق وہی ہے جو اوپر درج ہوا۔

اکبر کی تفسیر ابن عباسؓ صحابی اور تابعین کے قول میں اشد سے آئی ہے من القتل - یعنی اُس خاص واقعہ قتل سے۔

مقصد ارشاد یہ ہے کہ دین حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں، تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، وہ حقیقۃً دنیا کو امن، عدل وعافیت سے محروم کردینا چاہتے ہیں، اور اس لیے وہ نوع ونسل انسانی کے مجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم وجور، شورش وبد امنی کو دور کرنا ہے۔ جو احمق اسکو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل وقتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر
کے احکامِ شرعی کے متعلق ایک عالمانہ و تبصرانہ فتوے

از مولانا محمد شفیع حمیت اللہ فرنگی محلی - مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۳)

اگر کلیۃً ایسا ہی ہے تو پھر جانماز یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھنے سے بھی نماز کو فاسد یا مکروہ ہو جانا چاہیے اور گرمی میں پنکھا کے نیچے نماز پڑھنے سے بھی نماز کو فاسد یا مکروہ ہو جانا چاہیے اور مکبرین کے لیے جو "مکبرے" بنائے جاتے ہیں (جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد میں ہے) اور مکبرین اُن "مکبروں" پر کھڑے ہو کر نماز میں تکبیریں ادا کر کے مقتدیوں کو امام کے انتقالات کی خبر دیتے ہیں تو امام سے بہت دور جو مقتدی ہوں وہ محض اُن تکبیروں کی سماعت سے رکن میں مکبرہ کو دخل ہو یہ اس طور کہ اگر "مکبرہ" نہ ہوتا تو اُن تک مکبرین کی بھی آواز نہ پہنچتی، اور آخری صورت میں تو ایک خارجی چیز یعنی "مکبرہ" تلقن میں اثر انداز ہے - علاوہ اسکے بظاہر یہ صورت بدعت سیئۃ العبادۃ المقصودۃ ہے اور اس سے "تسویۃ الصف" اور "اتصال بالمناکب" کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے) اگر رکوع و سجود کریں تو انکی بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے وغیرہ وغیرہ کہ ان سب صورتوں میں نماز پڑھنے والوں کی نماز کے ارکان بآرام و سہولت ادا کرنے میں امداد ملی - ولا یلیق ابا قبل ان یتفوہ بہ - صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق تو یہ مروی ہے کہ وہ سجدہ کو بآرام ادا کرنے کے لیے تپتی ہوئی زمین پر سجدہ کی جگہ کچھ رکھ لیا کرتے تھے تاکہ پیشانی جھلس نہ جائے۔ آلۂ مکبر الصوت کا انتظام نماز کے دوران میں نہیں ہوتا، نماز شروع ہونے سے قبل اس کا انتظام کیا جاتا ہے (اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ امام اپنے بدن کے کسی حصہ پر آلۂ مکبر الصوت لگا لیتا ہے اور زیر بحث یہاں یہی صورت ہے) تاکہ نماز کے دوران میں نمازیوں کو متابعت امام کے لیے اس سے امداد ملے جس میں کسی غیر نمازی انسان کی آواز کا دخل کبھی نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو امام کی آواز کا (جو لاؤڈ اسپیکر والی آواز کے سلسلہ کی ابتدائی کڑی ہے) اور اُسکے ساتھ ایک جامد چیز مثلاً بجلی یا ہوا یا اثیر کا اور جن خارجی چیزوں کے دخل کے بغیر یوں بھی کوئی مقتدی امام کی اصل آواز کو نہیں سُن سکتا - خلاصہ یہ کہ "مدد لینا" اور "مدد مل جانا" ان دونوں کے مابین فرق ہے، نماز کو فاسد یا مکروہ کر دینے والی اُس خارجی مدد کو اگر کہا جائے کہ جو نماز پڑھنے والا نماز کی حالت میں بالقصد والارادہ "حاصل کرے" تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز پڑھنے والے کو نماز کی حالت میں اگر خارجی مدد مل جائے تو اس سے بھی نماز فاسد یا مکروہ قرار دی جائے جبکہ یہ خارجی مدد نہ تو خشوع و خضوع کے خلاف ہو (جیسے اپنے ملازم کو حکم دینا کہ میں جب نماز پڑھوں تو میرے پنکھا جھلتے رہنا، اور وہ اس حکم کی تعمیل کرے - اور نماز پڑھنے والے کو اس سے آرام ملے یا بلا ضرورت لکڑی یا دیوار کے سہارے نماز میں کھڑے ہونا کہ یہ امور خلاف خشوع و خضوع ہیں اس لیے انھیں مکروہ کہا جا سکتا ہے اگرچہ کراہت تنزیہی ہو) اور نہ اعمال نماز کے علاوہ کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونا لازم آتا ہو (جیسے دیواروں پر منقوش قرآن کو دیکھ دیکھ کر پڑھنا) اور نہ یہ امداد عرفاً تکلم مع الغیر کے تحت میں آتی ہو (جیسے کسی خارج از نماز شخص کی قرأت یا تکبیر سن کر نماز پڑھنے والے کا اپنی قرأت میں یا اپنے انتقالات نماز یہ میں تغیرات کر دینا) قطع نظر اس سے کہ کسی جزئیہ کا قیاس دوسرے فقہی جزئیہ مجتہدہ پر کہاں تک درست ہے؟ خصوصاً جبکہ علت حکم بھی مجتہد سے منقول نہ ہو) کہا جا سکتا ہے کہ آلۂ مکبر الصوت کے ذریعہ تکبیر سُن کر رکوع و سجود کرنے کا قیاس قرآن شریف سامنے رکھ کر اُسے دیکھ دیکھ کر پڑھنے پر (جیسا کہ بعض حضرات کے کلام میں کیا گیا ہے) قیاس مع الفارق ہے - کیونکہ نماز میں قرآن پاک اپنے نقش ذہن سے پڑھنے کا حکم ہے (شروح ہدایہ میں سے عنایہ اور فتح القدیر میں اور دیگر معتبر کتب فقہیہ میں جس تلقن عن الخارج کو مطلقاً مفسد نماز قرار دیا گیا ہے اُس تلقن کا تعلق صرف "قرأۃ قرآن" سے ہے ورنہ کلیہ کے خلاف خود اپنی کتب میں جزئیات موجود ہیں) اسی وجہ سے نماز میں شریک شخص کے لقمہ دینے سے پڑھنے میں تغیر کر دینے کو بھی بعض متشدد علماء مفسد نماز قرار دیتے ہیں جبکہ بقدر مفروض قرأت ہو چکی ہو - دوسرے علماء اگرچہ مفسد نماز نہیں کہتے لیکن کراہت سے خالی نہیں قرار دیتے (تراویح کا بضرورت تحفظ قرآن دوسرا حکم ہے) حالانکہ شریک نماز کی تکبیروں کے ذریعہ امام کے انتقالات کا حال معلوم کر کے رکوع و سجود کرنے میں کوئی حرج نہیں - علاوہ اسکے ایک خارجی چیز سے امداد لینا لازم آتا ہے جو اس امر کو مستلزم ہے کہ نماز پڑھنے والا اعمال صلوٰۃ کے علاوہ ایک عمل یعنی بالقصد "نظر الی المصحف" اور "نظر فی المصحف" میں مشغول ہو، بخلاف آلۂ مکبر الصوت والی صورت کے کہ اس آواز کے سننے میں (جسکی وجہ سے اعمال نماز میں امداد ملتی ہے) مقتدی کے دوران نماز کے کسی عمل اور فعل کا دخل نہیں ہوتا - کما ہو ظاہر - اسی طریقہ سے اسکا قیاس اُس مبلغ کی تکبیرات انتقالات پر بھی جس نے تکبیر افتتاح محض بغرض اعلام بغیر قصد احرام ادا کی ہو درست نہیں - کیونکہ مقیس علیہ میں حکم کی علت "اقتداء بالغیر" بتائی گئی ہے (دوسرے لفظوں میں "تکلم مع الغیر عرفاً" یہی علت حکم قرار دی جا سکتی ہے) اور مقیس میں اقتداء بالغیر (یا تکلم مع الغیر عرفاً کا) وجود نہیں کیونکہ آلۂ مکبر الصوت میں "مقتدی" بننے کی صلاحیت نہیں (اور اسکی آواز میں غیر نمازی انسان کی آواز کا دخل نہیں کہ "تکلم" کا عرفاً تحقق ہو سکے) صاحب فتح القدیر نے قرأۃ المصحف والے مسئلہ میں "حی متعلم" یا "غیر حی متعلم" کے جس قیاس کا ذکر کیا ہے وہ نظیر میں نہیں پیش کیا جا سکتا، کیونکہ وہاں "وصف جامع" موجود ہے یعنی قرأۃ قرآن کے بارے میں تلقن عن الغیر (تلقین کا وجود صاحب فتح کے نزدیک غیر موثر ہے) اور قرأۃ قرآن کے باب میں تلقن عن الغیر مطلقاً مفسد نماز ہے (کیونکہ نماز میں قرأۃ قرآن نقش ذہنی سے ہونا چاہیے) اور یہاں "وصف جامع" موجود نہیں کیونکہ مقیس علیہ میں علت حکم "اقتداء بالغیر" (یا تکلما تکلم مع الغیر) ہے اور اقتداء کا (اور تکلم مع الغیر کا) وجود بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا مقتدی ہو اور تکلم

مع الغیر کے وجود کے لیے دوسرا کوئی متکلم ہو یا تکلم کی صلاحیت رکھتا ہو) اور لاؤڈ اسپیکر میں مقتدی بننے کی صلاحیت نہیں، اسی طرح متکلم ہونے کی بھی) کیونکہ اسکے لیے ذی روح ہونا ضروری ہے۔ بنا بریں آلۂ کبیر الصوت والی آواز سن کر رکوع و سجود کرنے میں "اقتداء بالغیر کا (اور تمہیع الغیر کا) وجود نہیں پایا جاتا، یعنی قراۃ قرآن کے بارے میں غیر کی اثر پذیری مفسدِ نماز ہونے کے لیے کافی ہے (کیونکہ قراۃ قرآن نقش ذہنی سے ہونا چاہیے) غیر کے فعل اور عمل کا قبول صاحب فتح القدیر اسے "مفسد نماز ہونے میں" کوئی خاص اثر نہیں، اسی وجہ سے اس غیر کا ذی روح ہونا ضروری ہے)

اور تقتداء بالغیر میں (اسی طرح تکلمت الغیر میں) محض اثر پذیری کافی نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ قراۃ قرآن کے علاوہ صورتوں میں بھی جب نماز کی حالت میں خارج سے اثر پذیری ہو تو نماز فاسد ہو جائے۔ حالانکہ جزئیات اسکے خلاف موجود ہیں۔ کما مر۔

آلہ کبیر الصوت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا اس کا رواج دینا کوئی ضروری امر نہیں۔ چونکہ آلۂ کبیر الصوت کے متعلق خطرہ رہتا ہے کہ وہ کام کرتے کرتے کہیں اپنا کام نہ چھوڑ دے اس لیے نماز میں اگر اسکا رواج ہوگا تو مکبرین کا انتظام نہ باقی رہنے کی وجہ سے (جیسا کہ عادۃً اسکا لزوم ہے) مقتدیوں کو امام کے رکوع و سجود کی اطلاع نہ ہو سکیگی۔ اگر دوران نماز میں لاؤڈ اسپیکر فیل ہو جائے (آلۂ کبیر الصوت اپنا کام چھوڑ دے) اس لیے شرعی طریقے سے مناسب یہی ہے کہ نماز میں اسکا رواج نہ دیا جائے۔

خطبہ کے الفاظ کا ہر شخص کے کانوں میں پڑنا (خصوصاً جبکہ اسکے معنی بھی سمجھ میں نہ آتے ہوں جیسا کہ ہندوستان میں خطبوں کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے) کوئی لازمی چیز نہیں جسکے لیے آلۂ کبیر الصوت کا انتظام کیا جائے، علاوہ اسکے اندیشہ ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والے اپنے گھر ہی سے خطبہ سننے رہنے کی وجہ سے خطبہ کے وقت مسجد میں آنا چھوڑ دیں (جو منشاء شریعت کے خلاف ہے) علاوہ اسکے لوگوں کو اگلی صف میں جا کر بیٹھنے کا شوق جاتا رہے گا۔ حالانکہ اسکے فضائل حدیثوں میں مروی ہیں۔ اس لیے عام طور سے خطبہ کے لیے بھی اس قسم کا انتظام غیر مناسب ہے۔ لیکن اگر کسی وقتی ضرورت کی وجہ سے آلۂ کبیر الصوت خطبہ کے وقت کام میں لے آیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی۔ قباحت رواج دینے میں ہے۔

خطبہ میں خطبہ کے الفاظ کا ہر حاضر شخص کے کانوں میں پڑنا ضروری نہیں اور نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کا ادا کرنا بہ اتباع امام لازم ہے یعنی رکوع و سجود میں امام کی پیروی لازم ہے جو امام کی آواز تکبیر کی سماعت کے بغیر متعذر ہے اس لیے دونوں کے مابین جواز و عدم جواز مناسب و غیر مناسب کے لحاظ سے اور مناسب و غیر مناسب کے مراتب اعلیٰ و ادنیٰ کے لحاظ سے تفارق کیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں خطبہ میں آلۂ کبیر الصوت کے نفس استعمال (قطع نظر از عوارض) کا جواز حقیقۃً لا بہت نماز میں اسکا جواز اس قدر مہیا نہیں جبکہ بعض معتبر لوگوں کی تحقیق یہی ہے کہ آلۂ کبیر الصوت والی آواز بعینہ متکلم والے کی آواز نہیں ہوتی مقتدیوں آلۂ کبیر الصوت سے جو آواز سنتے ہیں وہ بعینہ امام کی آواز نہیں ہوتی، امام کی آواز کی حکایت ہوتی ہے جسکے لحاظ سے مقتدیوں کا رکوع و سجود کریں تو اس کا جواز محض حکماً ہے کہ اس طرح بھی وہ کسی وہ سجود میں امام کی اتباع حاصل ہو جاتی ہے جو اصل مقصود ہے جو کچھ فرق ہے وہ امام کی حالت کے ذریعہ علم میں ہے جو مقصود اصلی نہیں اس لیے نماز میں بہ نسبت خطبہ کے زائد احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

امور مذکورہ بالا سے قطع نظر کرتے ہوئے اسلامی عبادات کی عبادات کی سادگی اس امر کی مقتضی ہے کہ خطبوں اور نمازوں میں اور بہ سلسلہ رویت ہلال رمضان اور عیدین میں آلۂ کبیر الصوت یا ریڈیو کے انتظامات سے کنارہ کشی کی جائے جبکہ اس سے کوئی فائدہ دینی متصور نہیں خصوصاً ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کے معاملات کسی شرعی حکومت کی نگرانی میں نہیں اور آلۂ کبیر الصوت اور ریڈیو وغیرہ قسم کی چیزیں غیر اسلامی حکومت کی نگرانی میں ہیں ان چیزوں کا استعمال اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین اور ہدایات کے ماتحت ممکن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جسم کے حقوق

آپ کا جسم صرف قوت کی پیداوار کا کارخانہ نہیں۔ بلکہ محنت کی بچت کی بھی ایک حیرت انگیز مشین ہے۔ تھوڑے سے خرچ سے یہ کارخانہ بہت بڑی پیداوار دیتا ہے۔ آپ دس فی صدی توجہ دیکر اپنے جسم سے نوے فی صدی قوت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کارخانہ کو اچھی حالت میں رکھنا آپ کا اولین فرض ہے۔ جسم ایک خدائی امانت ہے جو آپ کو نہایت درست اور کارگزار حالت میں سونپا گیا ہے۔ اسکو بے پروائی اور بے احتیاطی سے کمزور کر دینا اور تندرست نہ رکھنا جرم اور بد اخلاقی ہے۔

جسم اس لیے کمزور نہیں ہوتا کہ آپ اس سے کام لیتے ہیں بلکہ اس میں افسردگی اور کمزوری صحت کے قدرتی قوانین اور آپ کی بے پروائیوں اور بیجا خواہشوں کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ کھانا، بے وقت کھانا، ناقص غذائیں اور محرکات وغیرہ استعمال کرنا، بے قاعدہ سونا اور جاگنا، روشنی اور ہوا سے دور رہنا جسم کی اندرونی اور بیرونی صفائی کا پورا خیال نہ رکھنا، اس قسم کی بہت سی بے احتیاطیاں ہیں جنکا مقابلہ جسم زیادہ دن نہیں کر سکتا اور انکی وجہ سے تندرستی خراب ہو جاتی ہے۔ آپ اس سے بچنا چاہتے ہیں تو زندگی کے طبعی اصول اور صحت کے قدرتی قوانین سے ٹکرائیے بلکہ اپنے جسم اور صحت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کیجیے اور ان سے فائدہ اٹھائیے

موجودہ زمانہ میں جسمانی قوتوں کو ایک بڑا خطرہ عیاشی سے

سے لاحق ہوگیا ہے اور آجکل کی بڑھی ہوئی جنسی ہوس صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا رہی ہے۔ مگر عیاشی کی حد یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہر وہ نفسانی خواہش جس میں عقل کی رہنمائی شریک نہ ہو اسکے سامنے سپر ڈال دینا عیاشی کے ضمن میں داخل ہے اور جسمانی نوعوں کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔ اگر آپ تندرستی اور زندگی کی کامیابی چاہتے ہیں تو ان تمام عیاشیوں اور بے اعتدالیوں کو ترک کر دیجیے جو قوتوں کو برباد کرتی ہیں یا انکو بے موقع خرچ کر دیتی ہیں اور اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لیے کارآمد بنانے میں لگ جائیے۔

(صحت عامہ)

سکھ مذہب اور معاصر صدق لکھنؤ

صدق ۱۵۔ دسمبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ایک مضمون "سکھ اور مسلمان" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے :۔

"یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ سکتی ہے کہ مسلمان اور سکھ توحید ذات باری تعالیٰ کے مقصد میں بالکل برابر کے شریک ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان ہر دو موحد اقوام میں سے کسی نے اتحاد و اتفاق کی کوشش نہ کی۔ ۔۔ اگر دیگر اعمال معاشرت و تمدن میں غور کیا جائے تو سکھوں اور مسلمانوں کے کتنے رشتے مودت کے موجود ہیں"۔ اس مضمون پر معاصر صدق رقمطراز ہے :۔ "سب سے بڑی چیز توحید کا اشتراک ہے۔ افسوس ہے کہ خود ہمارے علماء اکابر نے بھی اتنے گہرے رشتۂ اتحاد ہونے کے باوجود بھی سکھوں کو اپنانے کی طرف توجہ نہ کی"۔

مضمون نگار نے انتہائی تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ اور محترم مدیر صدق جیسے باخبر بزرگ کے نوٹ پر بھی ہمیں سخت تعجب ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس طرف سب سے پہلے توجہ حضرت امام عصر حاضر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مبذول فرمائی۔ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان توحید کے اشتراک کو واضح کیا اور اس موحد قوم میں اسلامی تبلیغ کے لیے میدان تیار کیا۔ اور بعد میں آپ کے متبعین نے سکھوں میں تبلیغ اسلام کو عملی طور پر جاری رکھا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے ایک قابل مشنری شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی اس کام کے لیے وقف ہیں اور حال ہی میں آپ گورمکھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔ قادیان سے اخبار نور قریباً ۳۳ سال سے سکھوں میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہا ہے اور محترم مدیر نور نے گورمکھی میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا جو بہت مقبول ہوا۔ گورمکھی زبان میں آنحضرت صلعم کی سیرت شائع کی اور سکھ مذہب کے متعلق اعلیٰ درجہ کا لٹریچر پیدا کیا۔ غرضیکہ حضرت امام عصر حاضر کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ سکھوں اور مسلمانوں کے توحید کے اشتراک کو نمایاں کر کے اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کریں اور انھیں اسلام کے قریب لائیں۔ چنانچہ معاصر صدق کے مضمون نگار نے جماعت احمدیہ کے پیدا کردہ لٹریچر سے ہی استفادہ کیا ہے اور اسکے مضمون کا سارا مواد اسی لٹریچر سے مستعار ہے جس کام کی طرف معاصر صدق نے توجہ دلائی ہے اس کی بنیاد آج سے پچاس سال پیشتر رکھ دی گئی تھی۔ تعجب ہے کہ اسکا علم نہ معاصر صدق کو ہے اور نہ معاصر کے مضمون نگار کو ہے۔ ہم ان حقائق کو معاصر صدق کے نوٹس میں لاتے ہوئے یہ عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ یہ کام آجکل کے علماء کا نہیں بلکہ علماء ربانی کا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ تجدید دین کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔

پیغام صلح - لاہور

ایک اپیل

پاکستانی کوششوں سے متعلق

(از مولوی عبد الرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ معینیہ اگر۔ تلوت کنج ضلع بستی)

میرے خیال میں ملک و قوم کی صلاح و فلاح کے لیے پاکستانی تجویز نہایت مناسب ہے۔ دونوں قومیں مومنین و مشرکین کا الگ الگ رہنا تو خود تعلیم نبوی کے مطابق بھی ہے۔ علامہ سیوطی خصائص میں لکھتے ہیں کہ جنوں کا وفد آیا اور بڑا شور و غل بپا ہوا۔ جب یہ سب آوازیں بند ہوئیں تو صحابہ کرام کے دریافت پر آپ نے فرمایا کہ یہ جنوں کی جماعت تھی انکا آپس میں آبادی کے متعلق جھگڑا تھا میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی جماعت پہاڑوں اور دیہاتوں میں رہے اور مشرکوں کی جماعت نشیبی زمین اور دریاؤں کے پاس رہیں۔ (خصائص - جلد ثانی ص۳۳)

اسی طرح دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لا تری نارا ہما دونوں جماعتوں کی آگ اکٹھی نہ دیکھی جاوے۔ اس سے ایک حد تک پاکستانی اصول کے مطابق دونوں جماعتوں کی حدود کا الگ الگ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ البتہ مسلمانوں اور غیر قوموں کے خطوط الگ الگ رکھنے کے سلسلہ میں وہ فتنہ و فساد جو خود مسلمانوں کی جماعتوں میں انفرادی طور پر بپا ہے اسکا نہایت افسوس و قلق ہے۔ صدق کے تازہ پرچہ ۵۔ جنوری سنہ ۴۶ء میں کسی صاحب نے مصالحت کی کوشش کے نیت پر درد طریقہ سے لکھا ہے مولانا دریابادی کا معروضہ اسکے جواب میں صحابہ کے باہمی مشاجرات و تنازعات کے تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرکے یہ ہے کہ جب عہد صحابہ کرام میں مصالحین کے باہمی مفاہمت کی کوششوں کے باوجود جو کچھ ہونا تھا ہوتا رہا تو اب کیا سہارا کیا جائے بجالیکہ متعدد بار تازہ کوششیں عملاً ناکام رہیں۔ دراصل بات یہی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے خواب میں بھڑکتے ہوئے آگ کو دیکھ کر تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا یہ اشارہ ہے اس فتنہ کی طرف جو میرے بعد واقع ہونگے۔ صحابی نے پوچھا حضور وہ فتنہ کس طرح کا ہوگا آپ نے فرمایا یتشجرون حتی تصیر دم المومنین احلی من شرب الماء یعنی مسلمانوں میں اسقدر کشیدگی و تنازعات ہونگے کہ مسلمان کا خون نہ صرف یہ کہ پانی کی طرح بہایا جائیگا بلکہ حسد و کینہ کی پیاس بجھانے کے لیے پیاسے پانی کے مسلمان کا خون شیریں معلوم ہوگا۔ (خصائص۔ جلد ثانی ص۲۳۲)

پس تمام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ پاکستان کا اصول جس قدر صحیح ہے اسی قدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی ۔۔ صہ
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

(۱۹۳۵ء)

نمبر ۴۳	چہار شنبہ ۳ - ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۶ - فروری ۱۹۴۶ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

راجپوتانہ کے علاقہ میں ایک قدیم خود مختار ریاست سروہی کی ہے، راجپوتوں کا چوہان خاندان حکمراں، وسیع لیکن زیادہ تر غیر آباد رقبہ، قریب دو لاکھ کے آبادی، ۱۵ ضرب توپ کی سلامی - ۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کی ایک غیر مسلم مشہور نیوز ایجنسی خبر دیتی ہے کہ مہاراج نے ۵۰ سال کی عمر میں کل ۲۳ جنوری کو وفات پائی - اہلکاران ریاست چاہتے تھے کہ جلانے پھونکنے کے لیے (ہندو مذہب کے مطابق) نعش کو سروہی لے جائیں، لیکن متوفی کا وصیت نامہ نکل آیا - اُس میں یہ درج تھا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اور میری تجہیز وتکفین مسلمانوں کی طرح ہو - نعش اسی بحث وگفتگو میں کل سے آج تک پڑی رہی، اور آج دہلی میں بالآخر مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن کی گئی ——— انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ۔

واقعہ اپنی نوعیت میں بالکل انوکھا اور بے مثال نہیں۔ ملتی جلتی صورتیں اور بھی پیش آچکی ہیں - پیش آتی رہتی ہیں - مولانا تھانویؒ مولانا محمد قاسمؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کے حوالہ سے روایت فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار خواب میں اپنے وطن کے ایک مہاجن (ساہوکار) کو جنت میں دیکھا - حیرت ہوگئی - خواب ہی میں میں نے اُس سے پوچھا کہ تم ہندو تھے، یہ تو جنت ہے، تم یہاں کیسے؟ اُس نے جواب دیا، میاں صاحب آپ لوگوں کو پتہ نہ چلا، میں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ مسلمان ہوکر ہی جنت پہونچا ہوں" ——— حکیم عبد الکریم خاں برہم مرحوم (ایڈیٹر مشرق گورکھپور) روایت ایک عرب کے حوالہ سے بیان کرتے تھے کہ اُنکو جنت کا دور پہوا - اور اُسی میں اُنھیں ایک محل منشی نول کشور ہندی (مالک مطبع نول کشور) کا ملا گیا - منشی جی اُسوقت [illegible] عرب صاحب [illegible] دیکھ کر انکی زیارت کے مشتاق ومعتقد ہوکر ہندوستان، پھر لکھنؤ آگئے - منشی جی تھے تو مسلمان علماء وصالحین کے بڑے ہی معتقد وخدمت گزار، اور اشاعت قرآن وعلوم قرآن کے عاشق، کلام مجید وغیرہ کی طباعت کا کام صرف مسلمان پریس مینوں سے لیتے، اور انھیں بھی باقاعدہ وضو کراکر۔ عجب کیا جو درپردہ قبول اسلام کرکے مورد الطاف ہوچکے ہوں۔

مسلمان کی موت بھی کیسی قابل رشک موت ہوتی ہے! زندگی تو خیر مومن وکافر سب کی ایک سی ظاہری یکسانیت کے ساتھ کٹ جاتی ہے، اور جو آنکھیں صرف سطحی نظر رکھتی ہیں، اُنھیں دونوں زندگیوں کے درمیان کوئی خاص فرق ہی نظر نہیں آتا، لیکن مسلمان کی موت تو ایک نمایاں امتیاز رکھتی ہے - کیسے خوش قسمت ہیں وہ انسان جو دنیا میں جس طرح بھی جیے، لیکن بہر حال رخصت ہوئے اللہ کے علم میں مسلمان ہی ہوکر، انکی روح اسکی شہادت دیتی ہوئی، انکی زبان، اسکے نام کا کلمہ پڑھتی ہوئی!

مذہب کے نام پر!

ایک انگریز لیڈی ڈاکٹر کے قلم سے:-

"کئی سال کی بات ہے - میری تعیناتی ایک بڑے شہر میں تھی جہاں

مکان کے قریب ہی ایک مندر تھا۔ ایک روز سہ پہر کو میں پلنگ پر آرام میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی بچہ کے خوب ہنسنے کی آواز آئی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا، تو ایک ہندو عورت تھالی میں چڑھاوا لیے مندر کو جا رہی تھی، اور اُسکے ساتھ ایک پیاری سی بچی خوب اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ کچھ دیر بعد دیکھتی کیا ہوں کہ اس مندر سے نکلی ہوئی چلی آرہی ہے، اور اُس کے پیچھے وہی پیاری بچی چیختی چلاتی آسمان سر پر اٹھائے دوڑتی ہوئی آتی ہے۔ ماں نے اپنی راہ چلی گئی۔ اور بچی مندر میں زبردستی روک لی گئی۔ میں متاثر ہو کر اس سے پوچھ بیٹھی، کہ جس مقصد سے بچیاں یہاں چھوڑی جاتی ہیں، اُسے جان بوجھ کر پھر اپنی بچی یہاں چھوڑے جاتی ہو! اس نے کہا، کہ خوب جانتی سمجھتی ہوں لیکن نہ کروں تو کروں کیا۔ ابھی پارسال کی تو بات ہے کہ لڑکا سخت بیمار پڑا تھا، اور میں پنڈتوں نے کہا تھا کہ لڑکا اچھا ہو جائیگا مگر اس لڑکی جب سات برس کی ہو جائے، تو اُسے لا کر اس ٹھاکر دوارہ کی نذر کرنا ہوگا! —— بیٹے کی جان کی خاطر بیٹی کی عزت قربان ہو رہی تھی!

دو برس بعد کا ذکر ہے کہ ایک معزز ہندوستانی دو حسین بچیوں کو لے کر میرے مطب میں آئے، اور بولے کہ یہ دونوں دیوداسیاں ہیں، ایک ۱۱ سال کی عمر کی، اور دوسری ۹ سال کی۔ لیکن یہ ابھی کام میں نہیں لائی گئی ہیں، آپ انکے باکرہ ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیجیے، تو میں انھیں شرمناک زندگی سے نجات دلا کر کسی اچھی جگہ پہونچا دوں۔ میں نے معاینہ کیا، تو پایا کہ دونوں میں سے کوئی بھی باکرہ نہیں۔ سرٹیفکیٹ کا اصرار اب بھی مجھ سے جاری رہا۔ میں نے بالکل ہی معذوری ظاہر کی۔ اور یہ بھی جتا دیا کہ ایسے سرٹیفکیٹ آپ کو شہر میں بآسانی اور بکثرت مل جائیں گے۔ جواب ملا کہ آپ کے سرٹیفکیٹ کی ساکھ کا اندہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ساکھ اسی وقت تک ہے جب تک میری طرف سے احتیاط قائم ہے۔" (اسٹیٹسمین - ۱۳ جنوری ۴۶ء)

دیوداسیوں (یعنی دیوتاؤں کی کنیزوں) کا رواج ہندو مذہب اور دوسرے مشرکانہ مذہبوں کے لیے کوئی نیا نہیں۔ قدیم مذہبوں میں کثرت سے اسکی مثالیں ملینگی۔ مسلمان غریب کا ذہن بھی یہاں تک پہونچ سکتا ہے؟

پہلی آواز

"سورت - ۲۱- جنوری - مسٹر مرارجی ڈیسائی، جو کانگریسی حکومت کے زمانہ میں صوبۂ بمبئی کے وزیر مال تھے، آج انھیں سورت کے چیمبر آف کامرس (ایوان تجارت) کی طرف سے ایڈریس دیا گیا ایڈریس کے جواب میں اُنھوں نے فرمایا:-

لکھوکھا آدمی ہندوستان میں بھوک اور فاقہ سے تڑپ تڑپ کر مر گئے، درانحالیکہ جنگ یہاں چھڑی تک نہیں۔ یہ سب اندھیر اس لیے کہ یہاں کے کاروباری لوگ نفع بٹورنے کی دُھن میں لگے رہے، اور غریبوں کا کسی نے خیال بھی نہ کیا۔ آیندہ ایسا نہ ہو سکے گا۔ ہمارے کاروباری طبقہ والے اسے خوب سن رکھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کاروباریوں کے اشتراک عمل کے بغیر کوئی سی بھی حکومت نہیں چل سکتی، لیکن آیندہ کاروباریوں کو ملک کا قوم کا خادم بن کر رہنا ہوگا۔ ہندوستان کو ہندوستانیوں کے ہاتھ سے تو تاجروں ہی نے کھویا۔ یہ لوگ اپنی ذات کے لیے نفع اندوزی میں لگے رہے، اور ملک کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا! ...... یہ کاروباری طبقہ اگر یہ سمجھے ہوئے ہے کہ قومی حکومت اُن پر ٹیکس نہ لگائیگی یا اُنکی حالت پر اُنھیں یوں ہی چھوڑے رہیگی، تو یہ اُنکی بڑی غلط فہمی ہے" (اے پی آئی)

ریونیو منسٹر صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں! آج تک کسی نے فرمایا تھا؟ —— یہ مہاجن اور بیوپاری، سیٹھ اور ساہوکار، لوگ بھی قصوروار ہیں؟ گویا آج تک ہر طرح کا قصوروار اور ملک کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار بجز انگریز اور انگریزی حکومت، یا پھر زمیندار اور تعلقہ دار کے کوئی دوسرا بھی ہوا ہے! —— سیٹھوں، ساہوکاروں، مہاجنوں، مل کے مالکوں کا کام تو اب تک شاید صرف یہ تھا، کہ وہ بڑے بڑے نذرانے اور بھاری تھیلیاں بڑے بڑے لیڈروں کے آگے پیش کر دیا کریں، اور اسکے صلہ میں اُنکے تمام گناہ دُھلتے رہیں!

ہمنامی کا جرم

"امروہہ میں عمر فاروق کا نزول!"

اِس عنوان کے ساتھ شیعہ روزنامہ میں ایک فریادی اور طنزیہ مراسلہ آگے کے اقتباسات :-

"ہم ارکان مسلم لیگ کو اس جسارت اور بہادری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے .... کتنی مناسبت رکھتی ہے امروہہ کے شیعوں کی لگام عمر فاروق کے ہاتھ میں!... اچھا شیعیان مسلم لیگ ذرا میدان میں آئیے اور دو چار نعرے لگا دیجیے۔ تمھارے قائد عمر فاروق، تمھارے نمائندہ عمر فاروق، تمھارے لیڈر عمر فاروق! اب تو حمیت مذہبی بیدار ہو گی"

دنیا میں ہم عقیدگی و ہم خیالی کے ساتھ ساتھ ہم وطنی اور ہم جنسی تو خیر اب بھی غلط یا صحیح، بہر حال کہیں نہ کہیں جرم سمجھی گئی تھی، لیکن ہمنامی کو جرم قرار دینا، دنیا کی تاریخ تعزیرات میں شاید بالکل پہلی مثال ہے! —— شیعہ حکومتیں دنیا کے مختلف حصوں میں صدہا سال سے قائم ہیں اس "انصاف" کی نظیر انھوں نے کبھی اور کہیں پیش کی ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

خریدار نمبر ۹۱۱ آپ نے شاید صدق کو لیگ کا ترجمان یا نقیب سمجھ کر اس مضمون کی فرمائش کی ہے۔ مدیر صدق نہ لیگ کا ممبر ہے، نہ اُس سے پوری طرح متفق، نہ اُسکے جلسوں میں شریک ہوتا ہے (جس طرح جمعیۃ وغیرہ کے جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتا)۔ البتہ موجودہ حالات میں اسکے نظریہ کو دوسرے سیاسی نظریوں کے مقابلہ میں اسلام اور خدمت مسلمین سے قریب تر پاتا ہے

حاجی عبد الکریم ولی محمد صاحب (امراؤتی) آپ کا مرسلہ مطبوعہ پمفلٹ تمامتر کسی دل لگی باز کا محض مذاق معلوم ہوتا ہے، اگرچہ لغو قسم کا مذاق۔ بعد تحقیق اگر کچھ اصلیت معلوم ہوئی تو ان شاء اللہ مزید کارروائی کی جائیگی۔

شورے اور گزارشیں

نمبر (۵۲)

س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س ۔ نماز کی سنت رکعتیں اگر دیدہ و دانستہ نہ پڑھی جائیں تو کیا کوئی گناہ لازم آتا ہے؟ کیا اس طرح نماز نامکمل رہتی ہے؟ جب قضا نماز پر سنتیں چھوڑ دی جا سکتی ہیں، اور سفر کی نمازیں بھی، تو نماز کی تکمیل کے لیے سنت رکعتوں کا لازمی طور پر پڑھا جانا تو ضروری نہ ہوا اور پھر سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا فرق کیا ظاہر کرتا ہے؟ اس فرق سے اتنا تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ ایسی سنتیں بھی ہیں، جو چھوڑی جا سکتی ہیں۔ پھر سب کو چھوڑ دینے میں کیا حرج ہے؟

ج ۔ یہ حرج کچھ کم ہے، کہ رسول کے محبوب عمل سے بالکل بے تعلقی پیدا ہوئی جاتی ہے؟ نماز سنت کی حقیقت بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہ نماز رسول صلعم کو محبوب تھی، اور آپ نے اس پر مستقلاً یا اکثر عمل فرمایا ہے۔ تو اسکے عادتاً ترک کرنے کے معنی بھی رسول کے پسندیدہ عمل کے عادتاً ترک کے ہوئے۔ اور اس سے تعلق رسول میں، عظمت رسول میں، اقتداء رسول میں، محبت رسول میں جیسا کچھ فرق پڑتا ہے، بالکل ظاہر و صریح ہے ——— باقی تشنۂ فقہی رنگ کا جواب، شامی اور عالمگیری کے حوالوں کے ساتھ، اگر مقصود ہے، تو ظاہر ہے کہ اسکے لیے مخاطب ادارۂ صدق کو بنانے کے بجائے، دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل، وغیرہ کے دارالافتاء کو لکھنا چاہیے۔ پھر فقہی حکم تو وہاں سے معلوم ہو جائیگا، لیکن یہ ضرور نہیں کہ حکم کی علت و حکمت سے متعلق جو سوالات کیے گئے ہیں، انکا جواب بھی وہاں سے ملے۔

کسی عارض (مثلاً سفر) کی بنا پر سنت نماز کے ترک کی اجازت اسکی دلیل تو نہیں بن سکتی کہ بلا عارض بھی اسے ترک کر دیا جائے، اور پھر اجازت ترک میں بھی فقہاء کے ہاں تفصیلات ہیں۔ یہ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ سنتوں کے ترک سے فرض نماز میں نقص لازم نہیں آتا البتہ فرائض کی تکمیل بلحاظ اجر و ثواب سنن و نوافل سے ہوتی ہے۔

س ۔ اِدھر چند دنوں سے پھر طبیعت کچھ بے کیف سی رہنے لگی ہے۔ اس بے کیفی کے عالم میں پھر ایک دفعہ ان تراشوں اور اقتباسوں کی طرف رجوع ہوا جنکا ایک آدھ بار پڑھ لینا ہی سرسے لے سکون قلب کا باعث ہوتا ہے۔ شیخ حسن بصری کی یاد اور انکا تصور رکھنا چاہیے کہ دماغ میں بس گیا ہے۔ میں ہی جانتا ہوں کہ اس تصور میں کتنا سکون اور کتنی آسودگی ہے۔

ج ۔ الحمد للہ۔ صدق میں کثرت سے ایسی چیزیں، شارع عام سے ہٹی ہوئی، علماء و فقہاء، صوفیہ و مشائخ سب کے طریق سے الگ، جو درج ہوتی رہتی ہیں، اسکا مقصد بڑا یہ ہوتا ہے کہ عامیوں اور فاسقوں کی جس سطح پر صدق نویس خود ہے، اسکے طبقہ اور برادری والوں کو کچھ نہ کچھ تسکین و تسلی حاصل ہوتی رہے۔

جن طبائع پر افسردگی و یاس غالب رہتی ہے، اُنکے لیے غزالیؒ کی احیاء علوم الدین، اور کیمیائے سعادت کے اُن ابواب کا (اور صرف انھیں ابواب کا) مطالعہ مفید ہوگا، جن میں رحمت و مغفرت کی بشارتیں ہیں اور جو کتاب الرجاء وغیرہ کے تحت میں مل جائیں گے۔ حکیم الامت تھانوی کے مواعظ اور انکے مرشد و شیخ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات بھی اس اعتبار سے بہت قابل قدر ہیں۔ طالب او رسائل کو یاس تو وہ کسی حال میں ہونے ہی نہیں دیتے۔ اقبالؒ کی نظمیں بھی طبیعت میں جوش اور امنگ پیدا کرنے میں بہت معین و موثر ہیں۔

سائل کو اپنا نقطۂ نظر بھی اشخاص و معاملات سے متعلق قصداً و اہتمام کر کے کسی قدر بدلنا چاہیے۔ یعنی بجائے تاریک رخ کے، روشن پہلوؤں پر نظر رہے۔ اور جسے انگریزی میں CHARITABLE VIEW کہتے ہیں حتی الامکان ہر شخص اور ہر شے سے متعلق وہی لیا جائے۔ مخلوق کی کمزوریوں اور عیوب پر بھی نظر اس سے کم کی جائیگی۔ اور دنیا اسکے بعد نظر میں اتنی مبغوض اور نفرت انگیز نہ رہ جائیگی ———

دنیا کی محبت اور دنیا کی طرف رغبت کا غلبہ جس طرح ایک عیب و مرض ہے اسی طرح مردم بیزاری بھی ایک دوسرا مرض ہے، اور طبیعت میں افسردگی و یاس بھی لازمی طور پر تو نہیں لیکن اکثر اسی مردم بیزاری سے پیدا ہو جاتی ہے۔

مجرد انسان کے لیے شادی کر لینا اور تاہل کی زندگی بسر کرنا بھی عام حالات میں سکون قلب اور دفع وحشت و یاس میں معین ہے۔ طبی، اخلاقی، روحانی، ہر نقطۂ نظر سے۔

س ۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اُسی الٹ پلٹ میں ایک انگریزی تحریر دو ڈھائی سال پرانی نظر پڑی، دیکھا تو ریڈرس ڈائجسٹ کے ایک مضمون کی نقل نکلی۔ پوری نقل خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ دعا کے متعلق اس سے پہلے بھی جناب سے استفادہ کر چکا ہوں، اور اب اس انگریزی تحریر کے پیش نظر صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک غیر مسلم کا دماغ دعا کے باب میں جب یقین کے اس درجہ تک پہونچ سکتا ہے مسلمانوں کی دعا کی شان امتیازی کیا ہوئی؟

ج ۔ اقتباس میں کئی فرنگیوں کے اقوال دعا کی اہمیت سے متعلق ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔ انبیاء کی لائی اور پھیلائی ہوئی صداقتوں کی آواز بازگشت بارہا منکرین کی زبان و منہ سے آئی ہے۔ عرب جاہلی کے اشعار میں بہت سے کام کے اور سچے مضمون مل جاتے ہیں۔ اور یونان، ہند، روم کے حکماء اور فلاسفہ کی زبان و قلم سے بہت سی ازلی و ابدی حقیقتیں ادا ہوئی ہیں۔ دیانت، عفت، راستبازی وغیرہ پر زور تو دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں ملتا ہے۔ یہ سب وہی انوار انبیاء کی پرچھائیں ہیں ——— آفتاب کی روشنی سے متاثر

لطیف چیزوں کے علاوہ کثیف چیزیں بھی تو ہوتی ہیں۔

پھر مسیحیت تو بہرحال اصلاً ایک صحیح دین اور خدائی ہی مذہب ہے۔ ہزار تحریف اور لاکھ تصحیف کے بعد بھی موجودہ انجیلوں میں بہت سی بیش قیمت تعلیمات و ہدایات مل جاتی ہیں۔ اور انھیں میں سے ایک مسئلہ دعا بھی ہے۔ انجیلوں میں اس کی بڑی تاکید موجود ہے۔ اور اسی کے اثر سے مسیحی پادریوں اور کلیسائی سرداروں نے اس کی بڑی اہمیت جتائی ہے۔ پڑھے لکھے مسیحیوں کے لیے ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر کی تائید کریں۔ خصوصاً جبکہ اپنا ذاتی تجربہ بھی کچھ ایسا ہی پائیں۔

س - میری بڑی مصیبت ایک یہ بھی ہے کہ عہد قدیم سے متعلق کوئی کتاب از قسم تاریخ و سوانح وغیرہ مطلق نہیں پڑھ سکتا۔ "ہمہ ہیچ" کا نقش اتنا جلد دماغ پر چھا جاتا ہے کہ پھر میں کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ کل ہی مولانا شبلی کی المامون نے یہ کیفیت پیدا کردی۔ بالآخر کتاب چھوڑ کر اٹھ جانا پڑا۔ کرب کی یہ کیفیت کتاب کا زمانہ جتنا قدیم ہو اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ ورنہ یوں تو حیات جاوید اور یادگار غالب بلا خوف و خطر گھنٹوں پڑھ سکتا ہوں۔ اس کا کیا علاج کروں؟

ج - کیفیات عبرت سے متاثر ہونا تو ایک نعمت ہے۔ اس کا رخ بہت مفید کاموں کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ دنیا حقیقۃً بالکل بے ثبات اور باطل محض ہے، اگر دنیا سمجھ کر خود مقصود ہے۔ لیکن وہی دنیا بہت درجہ باوزن اور حقیقی ہے، اگر وہ مقصود بالذات نہ ہو، بلکہ آخرت کا ذریعہ یا زینہ ہو۔ اس فرق کو اگر خوب ذہن نشین کرلیا جائے، تو ان شاء اللہ بڑے مفید سبق ہر تاریخ و سوانح حیات سے ملنے لگیں گے، اور قدرۃً ان میں دل بھی لگنے لگیگا ——— فلاں فلاں دنیوی سردار نے، غیر مومن بادشاہ نے، بے دین سپہ سالار نے اپنی اتنی فتوحات، اتنی تعمیرات، اتنے کارناموں کے باوجود، اپنی عمر کیسی ضائع کی؟ فلاں پیمبر نے، فلاں صحابی نے، فلاں دیندار نے اپنی محدود عمر میں کتنے مفید کام کر ڈالے، کتنے اجر کا ذخیرہ جمع کر ڈالا، ابدی راحتوں پر اپنا کتنا حق قائم کرلیا، وقس علیٰ ہذا۔ اس نقطۂ خیال کے راسخ ہو جانے کے بعد ان شاء اللہ مطالعہ با مقصد بن جائیگا، لاحاصل نہ رہیگا، اور اس لیے بطور نتیجہ و فرع کے وہ مطالعہ دلچسپ بھی ہو جائیگا، اور اس سے جی اچاٹ نہ ہوگا۔

مزید احتیاط یہ بھی کرلی جائے کہ اکبارگی بڑی کتاب کے مطالعہ کا قصد نہ کیا جائے۔ رسالوں یا چھوٹی چھوٹی کتابوں سے عادت ڈالی جائے۔ یا اگر کتاب بڑی ہی ہو، تو اسکے مطالعہ کو بھی چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرلیا جائے۔

معاصر "صدق"

معاصر "صدق" میں "الفرقان" کے حوالہ سے ذیل کی عبارت نقل کی گئی ہے:-

اس الکشنی کذب آفرینی کا نشانہ یہ عاجز راقم سطور خود بھی بن چکا ہے ۲۶- نومبر کے انگریزی روزنامہ پانیر میں میرے متعلق یہ اطلاع درج ہے کہ میں مسلم لیگ سے مستعفی ہوکر جمعیۃ علماء میں شامل ہوگیا ہوں۔ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے۔ نہ میں نے استعفا دیا ہے نہ میں جمعیۃ علماء کا ممبر ہوں"

یعنی مولانا محمد منظور نعمانی مسلم لیگ سے مستعفی نہیں ہوئے بلکہ بدستور اُسکے ممبر ہیں اور جمعیۃ علماء کی ممبری تو اُنکے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی! مگر جب ہم نے اصل رسالہ "الفرقان" کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں آخری فقرہ اس طرح پایا گیا:-

" حالانکہ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے- میں نہ کبھی مسلم لیگ کا ممبر تھا، نہ میں نے استعفا دیا نہ میں جمعیۃ علماء کا ممبر ہوں"

یعنی معاصر "صدق" میں خط کشیدہ الفاظ اُڑ گئے! مبارک ہو مدیر "الفرقان" کو کہ "الکشنی کذب آفرینی" میں آخر کار "صدق" وسداد کا پیوند لگ ہی گیا! "صدق" کے مدیر محترم سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس نمایاں فروگذاشت پر اپنی پہلی فرصت میں توجہ فرمائینگے۔ (زمزم)

صدق - مبارک کسی اور کو ہو یا نہ ہو، لیکن صدق کے عملۂ کتابت، طباعت، و تصحیح کو تو ضرور ہی مبارک ہو کہ مدت کی آرزو پوری ہوئی اور صدق کو "الکشنی کذب آفرینی" کا سرٹیفکٹ ایک مسلمان معاصر کی زبان سے عنایت ہوگیا! معاصر موصوف کو تو پورا حق حاصل تھا کہ عنوان ہی کو بلا تکلف "صدق کی کذب آفرینی" رکھ دیتے!

ارشادات اشرف

(از سید غلام رسول صاحب معتمد ادارۂ دعوت الحق، بیگم بازار کوچہ محمد انس [illegible] حیدر آباد دکن)

(۱۲)

(۱) حکومت حاصل کرنے کا اصلی مقصد اقامت دین ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں طاقت بخش دیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے معروف کا حکم کریں گے اور منکر سے منع کریں گے۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (سورۂ حج - ۶)

اگر حکومت سے اقامت دین مقصود نہ ہو جیسا کہ آجکل کی حالت (یعنی سیاسی جدوجہد) سے ظاہر ہے تو ایسی حکومت پر لعنت ہے۔

(۲) خدا و رسول کے احکام کی پابندی کے بغیر حکومت یا سلطنت حاصل کرنا ایسا ہے جیسا کہ وضو کے بغیر نماز پڑھنا یا منتر جانے بغیر سانپ پکڑنا- جس کا انجام ہلاکت ہے-

(۳) کسی تحریک کی طرف اولاً اہل دنیا کا مائل ہونا اسکے خالص اسلامی نہ ہونے کی دلیل ہے اور کسی تحریک کی جانب اولاً اہل دین

مراسلہ

حضرت یوسفؑ پر ایک سوال

مخدومی و مکرمی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"صدق" نظر سے گزرتا رہتا ہے - آپ کے بعض شذرے پڑھ کر بارہا یہ خیال ہوا کہ کچھ عرض کروں - پھر اس خیال سے رک گیا کہ حقیر طالب علم کی یہ جسارت بے ادبی نہ شمار کی جائے - مگر آپ کی خان بہادر[۱] ملا راشد صاحب[۲] کے مقالہ کے حاشیہ میں یہ نوٹ :-

" لیکن قرآن مجید میں تو بجز انتظام قحط کے حضرت یوسفؑ کی کسی انقلابی اصلاح کا ذکر عقائد، اخلاقیات و سیاسیات کے باب میں نہیں۔" (صدق، ۵۹) پڑھ کر حیرت ہوئی[۳] اور ایک ڈیڑھ ہفتہ کے تردد کے بعد یہ سطریں لکھنے پر مجبور ہو گیا

سوال یہ ہے کہ سیدنا یوسف (علیہ وعلی آبائہ الصلوٰۃ والسلام) کا پیغمبرانہ کارنامہ صرف قحط کا نظم و نسق ہی تھا ہے؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو مندرجہ ذیل آیات و مطالب کی تشریح کیا ہو گی؟[۴]

(۱) یوسف ایہا الصدیق افتنا فی الآیۃ - یہ "صدیق" کا لقب کن کارناموں کی بنا پر دیا گیا[۵]

(۲) قید خانے میں آپ نے دو ساتھیوں (صاحبی السجن) اور جو تبلیغ کی، کیا جیل کے دوسرے قیدی اور کارکنان "دعوت توحید" سے محروم رہے ہوں گے؟ کیا ایک جلیل القدر پیغمبر کے متعلق خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ قید خانے میں دعوت و تبلیغ کے فرض سے غافل رہے[۶]؟

(۳) "دو ساتھیوں" پر تبلیغ کے سلسلہ میں قول ربانی (بزبان حضرت یوسفؑ) "..... ان الحکم الا للہ، امر ان لا تعبدوا الا ایاہ، ذلک الدین القیم....." کے معنی کیا ہوں گے؟ کیا "ان الحکم الا للہ" کی دعوت دینے والا خود مصری حکومت کا ایک جزو بننا گوارا کر سکتا ہے[۷]؟ ایسا ہی جزو جیسے ایک کلکٹر صوبجات متحدہ کی حکومت میں ہو سکتا ہے؟ یا زیادہ سے زیادہ سر جوالا پرشاد سریواستو فوڈ منسٹر کی حیثیت کا[۸]؟؟

(۴) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے صرف قحط کا نظم کیا تھا؟ اور کہ "بادشاہ حضرت یوسف کے تقوے سے کہیں زیادہ اُنکی پیش بینی یا "غیب دانی" سے متاثر ہوا تھا اور انھیں اپنی سلطنت میں حاکم مطلق جو بنا دیا تھا وہ ان کے "عاقل و دانشور" ہونے ہی کی بنا پر (صدق) —— تو "یتبوأ منہا حیث یشاء" اور "کذلک مکنا لیوسف فی الارض" کا مفہوم کیا ہو گا؟[۹] اور اگر "تمکین فی الارض" سے صرف "فوڈ منسٹری" ہی مقصود ہے تو پھر یہ کون سا بڑا انعام تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نصیب برحمتنا من نشاء سے فرمایا![۱۰]

(۵) اور اگر یہ انعام صرف 'فوڈ منسٹری' اور قحط سالی کے نظم و نسق تک محدود تھا تو آخر حضرت یوسف نے شکریے میں اس قدر فقرے کیوں ارشاد فرمائے[۱۱]۔

(۶) اچھا اگر حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قحط سالی کے نظم کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا تو فرعون کی کابینہ، کونسل یا اسمبلی ہال میں آل فرعون کے ایک مرد مومن نے جو موثر تقریر فرمائی ہے اس کے اس ٹکڑے کے کیا مطلب ہوں گے؟ :

وقال رجل مومن من آل فرعون ....

ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا ... (المومن)

---

[۱] نام کے ساتھ "خان بہادر" کا اضافہ ارادی ہے یا اتفاقی؟ (صدق)

[۲] جاہ و حیرت نہ کیجئے۔ اگر حضرت یوسف بحیثیت مشیر و وزیر سلطنت کے کسی اور عملی اقدام کا ذکر قرآن مجید میں ہے تو اُسے قرآن کے الفاظ میں پیش کر دینا تھا، اور اسی پر بحث کا خاتمہ تھا۔ (صدق)

[۳] کیا یوسفؑ مشیر سلطنت اور یوسفؑ پیغمبر آپ کے خیال میں ہر جہت سے مرادف ہے؟ کیا حضرت سلیمانؑ سے متعلق اگر یہ لکھا جائے کہ آپ نے اپنے عہد حکومت میں فلاں فلاں تعمیر کرائی یا فلاں فلاں علاقے فتح کیے، تو اس سے یہ مراد صحیح ہو گا؟ کہ گویا حضرت سلیمانؑ کے "پیغمبرانہ کارنامے" کل اسی قدر ہیں؟ ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ سیاق میں ذکر صرف انتظام سلطنت کا تھا۔ (صدق)

[۴] عجیب منطق ہے کہ بجائے براہ راست کوئی دوسرا کارنامہ وزارت پیش کر دینے کے دوسری دوسری آیتوں کی تفسیر آپ دریافت کر رہے ہیں؟ (صدق)

[۵] کیا اس لقب کا تعلق دور وزارت سے ہے؟ یا آپ جیل کے دور وزارت کے بعد گئے ہیں؟ (صدق)

[۶] ملاحظہ ہو حاشیہ ۴

[۷] اعتقادی الوہیت، ربوبیت، معبودیت کو سیاسی اقتدار کے مرادف سمجھ لینا آپ کی تفسیر ہے، قرآن کی تصریح نہیں (صدق)

[۸] "کلکٹر" "فوڈ منسٹر" اور سب سے بڑھ کر "سر جوالا پرشاد" صحافتی انشا کے کمالات یقیناً ہیں۔ قرآن فہمی کے دلائل نہیں

[۹] یہ صدق نے اپنی طرف سے نہیں لکھی تھی بلکہ محض توریت کی تصریح اور قرآن کے اجمال کو پیش کر دیا تھا

[۱۰] "تمکین فی الارض" اور "آزادانہ نقل و حرکت" ان دونوں میں کسی چیز کو یا دونوں کے مجموعہ کو آپ اختیارات وزارت کے منافی قرار دے رہے ہیں؟ اور پھر آیت کا بعینہٖ ٹکڑا جو اس سورت میں ذرا قبل وہاں آیا ہے، جہاں حضرتؑ کو ایک مشرک آقا کے گھر میں صرف پناہ خادم کی حیثیت سے ملی ہے، کیا وہاں بھی آپ تمکین فی الارض کی یہی تفسیر کریں گے کہ حضرتؑ خود مختار بادشاہ بن گئے تھے۔ (صدق)

[۱۱] انتظام سلطنت اور رکنیت حکومت تو بڑی چیز ہے اللہ نے تو اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ انعام کو بھی اپنی جانب منسوب اور اپنے فضل و رحمت میں شمار کیا ہے۔ (صدق)

[۱۲] پیغمبر کا سر تو اس سے بھی کہیں ہلکے انعام پر سجدۂ شکر میں جھک جاتا ہے (صدق)

[۱۳] "البینات" کی یہ تفسیر کہ حضرتؑ نے زمانہ وزارت میں سیاسی انقلاب ضرور ہی کیے قرآن کی تصریح نہیں۔ (صدق)

[۱۴] قرآن مجید یا اس کی تفسیر آپ کو کہیں مل گئی ہو تو آپ اُسے پیش کرنے میں کیوں بخل فرما رہے ہیں؟ (صدق)

[۱۵] شک انھیں چیزوں میں جن میں ہر مشرک قوم کو ہوا کرتا ہے۔ یعنی توحید، معاد، رسالت کے بنیادی عقائد (صدق)

داڑھی کچھ گھنی سی ہوئی مونچھ ترشی ہوئی، آدھیڑ عمر کے، سفید سادہ دو پلی ٹوپی، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ، شیروانی پہنے ہوئے، کبھی کبھی محض قمیص ہی پہنے ہوئے فجر، عصر، مغرب، عشا میں بہت اول وقت بعد وضو مسجد میں آتے تھے، اور کبھی کبھی ظہر میں بھی - سلام علیک کے بعد پہلا سوال اذان کے متعلق ہوتا تھا - اگر معلوم ہوا کہ اذان نہیں ہوئی تو بڑے شوق سے غسل خانہ کی چھت پر جس میں کہ زینہ بھی نہیں ہے، بوقت واں پہونچنا ہوتا ہے، وہ پہونچے اور اذان دے دی - اسکے بعد نفل و سنت پڑھتے رہے - اور با جماعت نماز پڑھ کر واپس جاتے تھے - اگر مسجد میں فرش بچھایا جا رہا ہے تو سب میں پیش پیش آپ بڑے شوق و ذوق میں بچھا رہے ہیں - اتفاق سے ایک روز ایسا ہوا کہ نماز عصر ہو چکی تھی، نمازی و امام مسجد سے چلے گئے - تنہا میں مسجد میں موجود تھا کہ وہ صاحب مسجد میں آئے اور مجھ سے یہ معلوم کر کے کہ جماعت ہو چکی ہے بہت افسردہ و ملول بیٹھ گئے - کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ جماعت ہو چکی ہے، اب کیا انتظار ہے؟ تو فرمایا کہ اگر کوئی صاحب آ گئے تو جماعت سے نماز پڑھ لوں گا - جمعہ کے روز ایک دن بعد نماز جمعہ امام صاحب و چند ملازمان پولیس صحن میں بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے میں بھی موجود تھا - ایک کانسٹبل اپنی بیوی کی علالت کا تذکرہ کر رہے تھے، وہ صاحب نفل پڑھنے کے بعد اسی مجمع میں بے تکلفی سے بیٹھ گئے اور مریضہ کی حالت دریافت کر کے فرمایا کہ "افسوس مسلمانوں میں قرآنی تعلیم کا عمل چھوٹ گیا - قرآن پاک میں شہد کی تعریف ہے، میں خود اپنے یہاں عرصۂ دراز سے ہر مرض میں مریضوں کو صرف شہد دیتا ہوں اور اسی سے بفضلہ تعالیٰ شفا ہوتی ہے - میرے پاس اس وقت بھی شہد خالص ہے - اُن کانسٹبل سے کہا کہ میرے ساتھ چلو میں آپ کو شہد دوں گا، مریضہ کو استعمال کراؤ - اُس سے انشاء اللہ شفا ہو گی" - وہ کانسٹبل ان صاحب کے ساتھ چلے گئے - اسوقت میں نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ ..... مسٹر آئی - سی - ایس، ڈسٹرکٹ سشن جج ہیں جو آجکل صوبہ گورنمنٹ کے لیگل ریممبرنسر ہیں" - نام سنا تھا، دیکھا کبھی نہ تھا - یقین نہ آتا تھا - دریافت پر معلوم ہوا کہ یہاں سے ایک فرلانگ کے قریب کرایہ کی شاندار کوٹھی میں رہتے ہیں -

راستہ میں اگر کہیں ملاقات ہو جاتی تو سلام میں سبقت کریں دو مرتبہ سوٹ و ہیٹ میں ایک مرتبہ کار میں اور ایک مرتبہ تانگہ میں بیٹھے ہوئے راستہ میں دیکھا جب بھی سلام میں خود ہی سبقت کی - کیسے کیسے اللہ کے بندے ہیں کہ بہ ایں شان و شوکت، بہ ایں جاہ و حشم سچے مسلمان جب ظاہر میں یہ کیفیت ہے تو باطن میں نہ معلوم اللہ سے کیا تعلق رکھتے ہوں گے - ہم جیسے روسیاہوں سے جو ظاہر میں مسلمان صورت رکھتے ہیں - بدرجہا اپنے سے افضل و بہتر ان صاحب کو سمجھتا ہوں - آج بھی ان صاحب کا جب خیال کرتا ہوں، قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - میں نے اپنی عمر میں اتنی بڑی

پوزیشن کے آدمی کو اتنا سادہ و منکسر المزاج پابند نماز نہیں دیکھا - دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکے مراتب و مدارج میں ترقی عطا فرمائے اور انکے صدقہ میں اس گنہگار کا بھی خاتمہ بخیر ہو - آمین آپ بھی میرے لیے دعا فرمائیں -

صدق - صدق کا مسلک بحمد اللہ شروع سے یہی ہے کہ امت کے اخیار و صالحین معلوم نہیں کن کن لباسوں میں، کیسے کیسے پیشوں میں پڑے ہوئے ہیں - انکے محض ظاہر کو دیکھ کر یا انکی بعض کھلی ہوئی کوتاہیوں پر نظر کر کے انھیں بہت دور سے دور یا عن اللہ مردود سمجھنا شامت

سلامی کی روح پر ظلم کرنا ہے -

بہر حال مراسلہ بالا انھیں صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا - جنکے متعلق وہ ہے - اس پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی اسکا قابل ہے کہ اسے بھی ناظرین تک بجنسہ پہونچا دیا جائے :-

..... صاحب کے خط کی نقل پڑھکر مجھ کو عبرت ہوئی - انکو مسجد بھر کے نمازیوں میں سے ایک ہی نمازی قابل تعریف معلوم ہوا اس لیے کہ اتفاق سے وہ نمازی سرکاری عہدہ دار تھا - انگریزی محاورہ میں جسے INFERIORITY COMPLEX یا "احساس کمتری" کہتے ہیں وہ ایک روحانی سقم ہے - اور جو شخص دل سے الحمد للہ رب العالمین کہتا ہو، اُس میں یہ روحانی سقم باقی نہ رہنا چاہیے - جس نے سب تعریف اپنے پروردگار کے لیے مخصوص کر دی، اُسکو پھر کسی بندہ کی دنیوی عزت یا کمال یا دولت یا خوف سے مرعوب نہ ہونا چاہیے - اُسی مسجد میں بہت سے نیک اور دیندار بندے پابندی سے با جماعت نماز پڑھتے تھے لیکن آپ کے مراسلہ نگار صاحب پر اُنکی دینداری کا کوئی خاص اثر نہ ہوا - مثلاً ایک بہت ضعیف اور ضعیف البصر شخص والا تھا، جو خالص ان ملازمت سے گزر اوقات کرتا تھا، اور مسجد میں نہایت پابندی سے اپنا تو کرانے پر نماز پڑھنے آتا تھا، مجھ کو تو اُس بوڑھے کی دینداری خاص طور پر قابل تحسین معلوم ہوئی - کچھ پولیس والے بھی آتے تھے جن میں نور ایمان کی شان تھی -

---

چند سال قبل

جن دنوں سر سکندر حیات خاں اور علامہ اقبال (رحمہا اللہ) زندہ تھے ایک دفعہ پنڈت جواہر لال نہرو لاہور تشریف لائے - اُس زمانہ میں پنڈت جی اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ مسلم لیگ کے قائد اعظم کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے ساتھ براہ راست رابطہ پیدا کریں - اور ہم بعض سمجھا سمجھا کے کانگریس کے ساتھ صلح کر لینے کی ترغیب دیں -

لاہور پہونچکر انھوں نے سر سکندر حیات خاں سے ملاقات کی اور انھیں روغن قاز ملنے کی کوشش فرمائی - آپ نے کہا کہ سردار صاحب اگر مسلم لیگ کے لیڈر آپ ہوتے تو کانگریس کے ساتھ کبھی کا تصفیہ ہو چکا ہوتا -

[illegible]

کیا انجام ہوگا؟ بہتر یہ ہے کہ آپ کانگریس اور مسلمانوں کے تصفیہ کے لیے کوئی فارمولا تیار کریں۔ اور میں کانگریس کے لیڈروں کو آپ سے بات چیت کرنے پر آمادہ کرتا ہوں۔

سر سکندر حیات خاں یہ سن کر مسکرائے۔ اور کہنے لگے۔ پنڈت جی! میں تو صوبہ کا لیڈر اور وزیر اعظم ہوں۔ مجھ سے پنجاب کے متعلق کچھ دریافت فرمائیے تو اس کا جواب دینے کی کوشش کروں۔ آپ آل انڈیا لیڈر ہیں۔ آپ کا تصفیہ آل انڈیا لیڈروں ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور ملک بھر کے مسلمانوں کا نقیب میں نہیں ہوں مسٹر جناح ہیں۔ ان سے بات چیت کیجیے۔ ان کا کیا ہوا فیصلہ بالکل منظور ہوگا۔

جب پنڈت جی نے دیکھا کہ سر سکندر یہ کہنے سے صاف کترا گئے۔ تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ آگے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ دوسرے دن آپ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انھیں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر صاحب۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے آدمی ہیں۔ مسلمان آپ کے نام پر قربان ہوتے ہیں۔ اور دوسری قومیں بھی آپ کی بے حد تعظیم کرتی ہیں۔ کوئی ایسا طریقہ نکالیے جس سے کانگریس اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تصفیہ ہو جائے تا کہ ملک آزادی کے رستے پر گامزن ہو سکے۔

علامہ اقبال ہنس دیے۔ اور کہنے لگے۔ پنڈت جی یہ آپ کیا باتیں کرنے لگے۔ میں تو درویش آدمی ہوں اور طالب علم۔ میرے ساتھ آپ فلسفہ۔ ادب۔ اور شعر کی بات کیجیے۔ یہ آل انڈیا سیاسیات ہیں آپ جانیں۔ اور مسٹر جناح۔ ہمیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنا سیاسی مسئلہ مسٹر جناح کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ سیاہ و سفید جو چاہیں کریں۔ مسلمانوں کی طرف سے کچھ کہنا انھی کا حق ہے ہمارا کوئی حق نہیں۔

پنڈت جی ہکا بکا رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ سر سکندر اور علامہ اقبال نے ایک ہی قسم کا جواب دینے کی کوئی سازش تو نہ کی تھی۔ بلکہ معاملہ حقیقت میں یہی تھا کہ دونوں کے نزدیک مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ اور مسٹر جناح ہی کو حاصل تھا لہذا دونوں نے ہی اپنی جگہ یہی ایک جواب دیا۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو ناکام ہو کر لاہور سے چلے گئے۔ (انقلاب)

(بقیہ صفحہ ۴)

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اہل تقویٰ کا متبع ہونا اسکے خالص اسلامی ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) صوفیاء کی اصطلاح میں ہر وہ چیز طاغوت ہے جو حق تعالیٰ کی اطاعت میں مخل ہو۔

(۵) کسی ایک مسئلہ یا معاملہ میں علماء کی ایک کثیر جماعت کا متفق ہونا اسکے اجماعیہ ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس سے کسی ایک معتبر عالم کا اختلاف کرنا قادح اجماع ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ ہی کیلیے خالقیت (امر تکوینی) اور آمریت (امر تشریعی) مخصوص ہے جیسا کہ ارشاد ہے الا لہ الخلق والامر۔ ان دونوں باتوں میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۷) کسی دینی و دنیوی کام کے متعلق کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینا اور کسی چیز کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام قرار دینا امر تشریعی کہلاتا ہے۔

(۸) مارنے و جلانے، پیدا کرنے و پرورش کرنے وغیرہ کا اختیار امر تکوینی کہلاتا ہے۔

(۹) مسلمانوں پر کفار جو حکومت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں ان کی کوئی اہلیت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی نااہلی کی وجہ سے ان پر کفار کو مسلط کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ اپنی نااہلی کو دور کر دیں تو پھر ان ہی کو ساری دنیا پر غالب کر دیا جائیگا۔

تصانیف جناب مدیر صدق

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق عشرت آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

نمبر ۴۷ شنبہ ۶ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۴۶ء جلد ۱۱

سچی باتیں

اللّٰھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بیننا و بین معاصیک و من طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک و من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا	اے اللہ ہمیں اپنی خشیت کا حصہ دے مگر اتنا ہی جو حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں [ورنہ اس سے زیادہ خوفِ الٰہی کا تحمل کس بشر سے ہو سکتا ہے؟] اور اپنی عبادت کا بھی ہمیں حصہ دے مگر اتنا

کر تو اسکے ذریعہ سے ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دے [ورنہ جو حق عبادت معبود ہے، وہ کون بندہ ادا کر سکتا ہے؟] اور اپنے یقین و ایمان سے بھی ہمیں حصہ دے، مگر اتنا کہ اس سے ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔ رسولؐ کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں آپ ہی تنہا اور ایسی جامع و بلیغ ہیں، کہ بالفرض کوئی بھی دوسری دلیل موجود نہ ہوتی تو تنہا آپ کی دعائیں ہی آپ کے صدق و اعجاز کی شاہد عادل تھیں۔ انھیں جامع ترین دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے۔ ضعف بشری کی ایسی ایسی دقیق رعایتیں بجز نبی کے اور کوئی لحاظ رکھ ہی نہیں سکتا؟ — دعا کا ایک ٹکڑا یہ ہوا، باقی کے لیے آگے چلیے۔

ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا	اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں کارآمد رکھ، اور ہماری قوت بھی جب تک تو ہمیں زندہ رکھے [کہ قوت جسمانی خصوصاً کان اور آنکھ کا کام زندگی بھر رہتا ہے] اور اسکی

خیر کو ہمارے بعد بھی باقی رکھ۔ اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لے [کہ بندہ کو ظلم کی سزا حاکم حقیقی ہی دے سکتا ہے] اور جو ہم سے دشمنی کرے، اسکے مقابلہ میں ہمیں مدد دے — دعا کا ایک ایک جزو کیسا حاجت انسانی کے مطابق اور نفسیات بشری کا حقیقی ترجمان ہے! — اسی دین کو بعض نا سمجھ والے "خشک" اور "دشوار" قرار دیا!

اہم دعا کا اہم ترین حصہ اب آتا ہے۔

ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ہمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔	اور ہمارے لیے مصیبت ہمارے دین میں نہ پیدا کر دینا [دنیا والی مصیبتیں تو پھر بھی جھیلی جا سکتی ہیں لیکن فرائض دینی کی ادائی میں اگر دشواریاں پیش آ گئیں،

تو کیا علاج ہے؟] اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنا دینا، اور نہ ہمارے علم کی معراج اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود۔ اور نہ ہم پر مسلط کر جو ہم پر نا مہربان ہو!

ساری دعاؤں، بلکہ سارے دین کی کلید یہی خط کشیدہ عبارت ہے۔ لا تجعل الدنیا اکبر ہمنا، ایسا نہ ہو کہ ہماری ساری کوششوں سارے ولولوں سارے حوصلوں کا محور و مرکز، بجائے رضاء الٰہی یا طلب آخرت کے، یہی دنیا اور اسکی چمک دمک ہو کر رہ جائے! — آج ایک اسی ہدایت کے بھولے رہنے سے ہم سب کتنے بہک چلے، بھٹک چلے ہیں! جنت (رضاء الٰہی کا محل) اور اسکی نعمتیں آج کس کا مطمح نظر ہیں؟ جو دین کے منکر ہیں، انکا ذکر نہیں، جو فی الجملہ مذہبی احساس اور درد رکھتے ہیں انکا بھی مطمح نظر بجز اسکے اور کیا ہے، کہ کوئی اچھی سی نوکری مل جائے تنخواہ میں ترقی ہو جائے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ مسلمان قوم کو جاہ و مال زیادہ ملنے لگے!

بولتے ہوئے اعداد

فرنگستان کے مشہور و متمدن شہر ڈبلن (آئرستان) سے متعلق کچھ اعداد اور واقعات:-

سنہ ۱۹۳۰ء میں ناجائز بچوں کی تعداد ۲۱۹ تھی،
سنہ ۱۹۴۰ء میں ″ ۳۶۴ تک پہنچی۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں آتشک کے نئے مریضوں کی تعداد ۱۰۰ تھی،
سنہ ۱۹۴۲ء میں ″ ۵۰۰ سے اوپر پہنچی

عورتوں کی تعداد اس مرض کا شکار ہونے والی روز افزوں ہے۔ پہلے عموماً صرف نادار طبقہ کی لڑکیاں اس کا شکار ہوتی تھیں۔ اب کاروباری لڑکیاں بلکہ یونیورسٹی کی لڑکیاں کثرت سے اس میں مبتلا پائی گئی ہیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں سوزاک کے زیر علاج مریض ۲۰۰۰ تھے
سنہ ۱۹۴۲ء میں ″ ″ ۳۴۰۰ ہو گئے

یہ سرکاری اعداد تھے، غیر سرکاری تخمینہ کے مطابق انکی ۴۵ ہزار ہے"

(نیوز آف دی ورلڈ، لندن، ۲۳ دسمبر ۱۹۴۶ء)

اتنے نہ سہی، اس سے کچھ کم سہی، اس سے ملتے جلتے سہی۔ اعداد ریاض (نجد) مکہ (حجاز) صنعاء (یمن)، غرض کسی بھی مشرقی، نیم متمدن یا غیر متمدن شہر کے ہیں، جہاں "صاحب" کے قدم اب تک نہیں پہنچے ہیں؟ —— اللہ کے بندو، کبھی تو سوچو، کہ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں والا "تمدن" "مخلوط تعلیم" والی تہذیب، سنیما والی معاشرت آخر کدھر لیے جا رہی ہے؟

غیروں سے سبق

"کلکتہ - یکم فروری - یہاں کے ایک مشہور بنک نے مہاتما گاندھی کی خدمت میں ایک فارم بھیجا ہے کہ آپ اس پر اپنے نمونہ کے دستخط کر دیں، اس لیے کہ ایک گمنام شخص نے انکے نام پر بنک میں دو لاکھ کی رقم جمع ہونے کو بھیج دی ہے"۔ (ریو، پی، آئی)

۲ لاکھ کا نذرانہ، وہ بھی بالکل گمنام! —— ایک یہ قوم ہے اور اسکے لیڈر۔ اور ایک آپ کی قوم ہے اور آپ کے لیڈر! یہ تو دو لاکھ ہیں، کسی نے محمد علیؒ غریب کو اسکا دسواں حصہ بھی یوں نذر کر دیا تھا؟ نام نہ سہی نام کے اظہار و اعلان کے ساتھ تو سہی۔ الٹی دھمکیاں بات بات میں کہ چندہ کا حساب لاؤ، جو کچھ چندہ ملا ہے، اُسے کھا گئے ہو، اُسکا حساب کتاب دکھاؤ۔

ناقابو زبانیں

مسلم لیگ کے ایک ممبر لکھنؤ سے لکھتے ہیں:-

"پرسوں یہاں سٹی مسلم لیگ کی نشرگاہ سے وہ خواب مع تعبیر نشر ہوا جو قائد اعظم جناح اور مولانا حسین احمد صاحب سے متعلق کسی ذاکر شاغل نے دیکھا تھا اور جو صدق نمبر ۵۹ میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ناشر صاحب نے یہ بھی فرما دیا کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے خواب کے اتنے جزو کو کہ "مولانا حسین احمد صاحب نے فائز کر دیا" شیطانی قرار دیا ہے۔ تحریر کے اتنے جزو سے بڑی حیرت ہوئی۔ صدق میں تو یہ کہیں بھی درج نہ تھا۔ معلوم نہیں ناشر صاحب کو یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ صدق کے مطالعہ کی زحمت انھوں نے گوارا نہیں فرمائی؟"

نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ یہی زیادتیاں اور یہی غلو تو ہے جس کے باعث لیگ (اور تنہا لیگ کیا معنی ہر سیاسی پارٹی) سنجیدہ اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنے والے طبقہ میں بدنام ہو رہی ہے۔ صدق کی وہ چھپی ہوئی عبارت تو آج بھی بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ وسوسۂ شیطانی قسم کی کوئی لفظ و عبارت اس میں آس پاس بھی نہ تھی۔ —— خوف آخرت اور اپنے قول و فعل کی مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس دلوں سے یکسر نکل چکا ہے اور ہر فریق کو دوسرے کے مقابلہ میں گویا ایک سادہ چک باقاعدہ ملی ہوئی ہے، کہ جو کچھ جی میں آئے بے تکلف زبان سے بک دیا کرے —— خوب ہے یہ قوم و ملت کی خدمت!

جو گناہ کیجئے ثواب ہے آج!

اعلانِ صلح

شیعہ روزنامہ سے:-

"ایک پروپیگنڈا یہ ہے کہ ہم شیعہ سنی اختلافات بڑھانا چاہتے ہیں، در آنحالیکہ اس سے زیادہ غلط بات کوئی اور نہیں ہے۔ شیعہ سنی اختلافات بڑھانا کیسا، ہم تو اسے بالکل ختم کر دینا چاہتے ہیں۔۔۔۔ ہماری لڑائی اہل سنت والجماعت سے نہیں ہے، بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ سے ہے، جس میں وہ تمام شیعہ و سنی شامل ہیں جو شیعہ حقوق و مطالبات سے انکار کرتے ہیں۔۔۔۔ مسلم لیگ کے باہر بھی عموماً شیعہ سنی کے تعلقات اچھے خاصے ہیں اور اچھے خاصے رہیں گے۔ ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے ہیں اور کام آئیں گے۔ ہم انکے ساتھ عزیز بھائی کی طرح رہنے پر تیار ہیں۔ لہذا ہماری تحریک کو شیعہ سنی لڑائی کہنا بالکل غلط ہے۔"

الحمد للہ! —— سنتے ہیں لکھنؤ میں ہر سال کوئی قضیہ مدح صحابہ کا شیعہ سنیوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا زمانہ اب آ ہی رہا ہے۔ یہ اعلانِ صلح خوب وقت سے نکل آیا! امید ہے کہ اسکے بعد اب مدح صحابہ وغیرہ پر ہمارے ان عزیز بھائیوں کو کوئی اعتراض نہ رہیگا۔ اور جنگ کا رخ بجائے اہل سنت کے تمامتر مسلم لیگ ہی کی طرف پھر کر رہے گا۔

عقل کی بات

ڈاکٹر سید محمود (سابق وزیر تعلیمات صوبۂ بہار) کا مضمون قومی آواز میں:

"میں نے بارہا کہا ہے کہ باوجود سیاسی اختلاف کے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو ان باتوں میں جن میں اختلاف نہیں ہے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا چاہئے۔ سیاسی اختلاف تو صرف ایک بات کا ہے۔ باقی ۹۹ باتیں ایسی ہیں کہ جن میں اتفاق ہے۔ تو ان باتوں کو سلجھانے کے لیے ہم ایک پلیٹ فارم پر کیوں نہ جمع ہوں، اور آپس میں مل کر کیوں نہ

عن دینہ - دین سے یہاں کھلی ہوئی مراد دین اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔

خالدین - خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی کیفیات پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے تا مدت باقی رہنا۔

الخلود تبقاء الاشیاء علی الحالة التی علیہا من غیر اعتراض الفساد (راغب)

اس تصریح نے اور صاف کر دیا۔ ورنہ یوں بھی عالم آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور ہر جزا تا وقتیکہ موقت و محدود نہ کر دی جائے! یوں ہمیشہ والی اور پائیدار ہی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو واضح کر دیا ہے۔

(ایشاں دراں جاوید ند (شاہ ولی اللہ دہلوی)

وہ وہیں اسکے ہمیشہ رہیں گے۔ (شاہ رفیع الدین دہلوی)

الذین ہاجروا - دین کی تحفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی میں آ جانے کا نام ہجرت ہے۔

الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب)

جاہدوا - جہاد کے معنی شدید کوشش اور جد و جہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی لڑائیاں اور تکلیفیں آ گئیں۔ اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔

ناظر کائنات کے ترازوں میں ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں، ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اسکے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہو جائیں، تو اسکے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے!

نفس ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔

فی سبیل اللہ - یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا، کہ ہجرت و جہاد بجائے خود کیسے ہی مجاہدے سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دین خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہیگی ——— وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی بڑی مصیبتیں جھیل لے جانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، روسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مل جائینگے۔ سب فی سبیل اللہ اور الذین آمنوا کے مصداق سے خالی!

اکبر نے خوب کہا ہے ؎

ثواب جب ہے کہ ناخوش ہوا سی بنا پر تم
دلوں کو طاعت حق سے یہ دور کرتے ہیں
نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ خلل انداز
ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں

۲۱۵ اس میں بشارت و تسلی ان مومنین کے لیے ہے جنکے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل کم رجب کو (بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے) ہو گیا تھا۔

ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی تعزیت و تسلی و بشارت ہے۔

غفور - سو وہ اپنی صفت غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو و خطا کو معاف کریگا۔

رحیم - سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے جو کچھ مرحمت کرے گا۔

(باقی آئندہ)

مراسلہ

ملاقات شاہ مصر و ملک الحجاز

——— بقول ایک مرحوم دوست کے۔ اسلام علی حیثیت سے سمٹ سمٹا کر پھر اسی مرکز پر جمع ہو گیا ہے، جہاں سے وہ نور افشاں ہوا تھا۔ عرب کی سرزمین کا وہ خطہ جہاں عربوں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے، بفضلہ ابھی تک اسلام پر بڑی حد تک عامل ہے، جہاں عجم نے افراط کی حدود کو بھی توڑ دیا، اگر عرب تفریط سے مشتق کریں تو وہ ممکن ہے اور غوری دور میں تفریط زیادہ ناگوار اور خطرناک نہیں۔ حجاز کے بعد مصر ہی پہلا ملک تھا جس نے آنحضرتؐ کے نامہ مبارک کا مقبولیت سے جواب دیا تھا۔ حضرت عمر الفاروقؓ اور عمرو بن العاص نے اسے آغوش اسلام میں لیا۔ اب بھی کچھ ملکی سی شباہت حجاز و مصر میں پائی جاتی ہے۔ حجاز کا بادشاہ مصر کی طرف رخت سفر باندھے ہوئے ہے۔ ارادے نیک ہی ہیں۔ حجاز و مصر کا باہمی تعامل بھی وہی ہے۔ ایک اسی گمنامی وادی غیر ذی زرع کی صورت ابھی تمدن کی رنگینیوں سے کوسوں دور، صرف توحید کی امانت کو سینہ میں محفوظ کیے ہوئے۔ اسی دولت ابدی پر قانع ہے۔ ابرہہ کو حسد صرف اس لیے تھا کہ کیوں حرم معظم عرب میں واقع ہے۔ اسی طرح عرب پر حرص و آز کی نگاہیں پڑ رہی ہیں کہ کیوں یہ خطہ تیل وغیرہ کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ اپنی بقاء اور سب کی تباہی کے لیے باہمی میل جول ضروری اور تعلقات استوار کرنا لابدی تھا۔ نامہ جات روانہ کیے گئے تھے، حق ظاہر کیا گیا تھا۔ الحمدللہ کہ شاہ فاروق نے بصیرت فاروقی کا ثبوت دیا۔ مصر کو کیا کہا جائے اس زمانہ میں بھی یونانیوں کا مرکز تھا۔ اور اب بھی باوجود مشرقی ہونے کے "مشرق کے پیرس" سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور سچ پوچھیے تو اسکے بعض کونے پیرس سے بھی زیادہ دلکش ہیں۔ اور اب تو پیرس کا نام ہی نام باقی ہے۔ اس ماحول میں رہنے کے باوجود اپنے معزز کی خاطر ان اوقات میں ایسی سہو و نیات سے اجتناب کریں گے۔ محافل میں تو ہی رقص و سرود نہ ہوگا۔ اس طرح اس ذرا سی تبدیلی سے ان مجالس کی ہیئت ترکیبی میں بڑی بھاری تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اگر کرادکار سے یہ محفلیں پُر نہ ہوں تو کیسے کم مصروفیات اور اشتغال کی نوعیت بھی حسب سابق نہ ہو گی۔ ممکن ہے مصری اس تبدیلی کو بڑی حد تک محسوس کریں اور ایک خلا سا محسوس کریں۔

اب اگر اس خلا کو اسلامی ماحول میں پرورش پائے ہوئے

جماعت اسلامی اور موجودہ انتخابات

(از جناب ذکاء اللہ خان صاحب ممبر لائن - بریلی)

(۱)

یہ بات غالباً کسی ذی ہوش انسان کے ذہن میں آئی بھی نہ ہوگی کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی جماعت ایسی ہو سکتی ہے جو موجودہ انتخابات میں حصہ لینے سے اجتناب کرے یا ایسے حصہ لینے کو ناجائز قرار دے لیکن ذیل کے استصواب اور اس کے جواب سے جو رسائل اور مسائل کے زیر عنوان ترجمان القرآن بابت رمضان و شوال ۱۳۶۴ھ میں شائع ہوا ناظرین کرام پر واضح ہوگا کہ ایسی جماعت واقع میں موجود ہے اور اپنے زعم و پندار کی بنا پر اپنے کو حق پر اور ہندوستان کی جملہ دیگر جماعتوں کو جھل کا پیرو سمجھتی ہے۔ وہ استصواب اور مولانا مودودی صاحب کا اس کا جواب حسب ذیل ہے:-

استصواب اس وقت مسلمانان ہند دو فتنوں میں مبتلا ہیں - اول کانگریس کی دینی تحریک کا فتنہ جو واحد قومیت کے مفروضہ اور مغربی ڈیموکریسی کے اصول پر ہندوستان کی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنا چاہتی ہے -

دوم مسلم نیشنلزم کی تحریک جس کو مسلم لیگ پھیلا رہی ہے ......

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے مطالعہ سے یہ بات ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ یہ دونوں تحریکیں اسلام کے خلاف ہیں لیکن حدیث میں آیا ہے کہ انسان جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو چھوٹی بلا کو قبول کر لے۔ اب کانگریس کی تحریک تو سراسر کفر ہے .... اس کے مقابلہ میں لیگ کی تحریک اگرچہ غیر اسلامی ہے لیکن اس سے یہ خطرہ نہیں ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی ہستی ختم ہو جائے - لہذا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیگ سے باہر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ہمدردی کریں -

اس وقت ہندوستان میں انتخابات کی مہم درپیش ہے اور یہ انتخابات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں - ایک طرف تمام غیر لیگی عناصر مل کر مسلم لیگ کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جن میں اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کی وطنی تحریک مسلمانوں پر زبردستی مسلط ہو کر رہ جائیگی - دوسری طرف مسلم لیگ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں وہ اپنی قومی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں .... ایسی صورت میں ہم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے - کیا ہم لیگ کے حق میں ووٹ دیں اور دلوائیں یا خاموش بیٹھے رہیں یا خود اپنے نمائندے کھڑے کریں؟

جواب آپ نے جو سوال ہمارے سامنے پیش کیا ہے اس کے متعلق میں دو باتیں واضح طور پر عرض کیے دیتا ہوں

(۱) ایک یہ کہ ہماری جماعت کے مقصد قیام کو اچھی طرح سمجھ لیجیے اس کے بعد کچھ یا لکل غیر ضروری تفصیل ہے کہ یہ جماعت کس لیے ہے (الخ)

(۲) دوسرے یہ کہ ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف ذہن نشین کر لیجیے - پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا نتیجہ جو اثر ہماری قوم پر ہمارے ملک پر پڑتا ہو بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی کرنا گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں - موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ اور اسمبلی کو قائم کریں - اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے۔ جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں ہے۔ برخلاف اس کے ہم سے عقیدہ توحید کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔ اگر ہندوستان کے علماء اور عامۃ المسلمین اس حقیقت سے ذہول برت رہے ہیں اور وقتی مصلحتیں ان کے لیے مقتضیات ایمانی سے اہم ترین گئی ہیں تو اس کی جواب دہی وہ خود اپنے خدا کے سامنے کریں گے - آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ہم انتخابات میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں - کیا ہمارے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ کی سند سے آزاد ہو کر قانون سازی کو شرک قرار دیں، اور دوسری طرف خود اپنے ووٹوں سے اُن لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کریں، جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لیے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں - ..... ہمارے لیے اس معاملہ میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کریں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے اور قانون سازی کتاب الہی کی سند پر مبنی ہونا چاہیے جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب اور کسی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے"

جیسا کہ اوپر کے کسی قدر طویل اقتباس سے ظاہر ہوگا سائل کا استصواب بہت سیدھا سادہ تھا اور اس کا جواب بہت مختصر ان چند الفاظ میں ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ (۱) جماعت اسلامی کے ارکان کو لیگ کے حق میں ووٹ دینا یا دلوانا چاہیے یا (۲) جماعت اسلامی کے ارکان کو خاموش بیٹھے رہنا چاہیے - (۳) یا خود اپنے نمائندے کھڑے کرنا چاہیں۔ اس مختصر جواب کی تائید میں جو کچھ دلائل لانا ضروری ہوتیں وہ دلائی جا سکتی تھیں - مگر مولانا مودودی صاحب نے اپنی عادت کے موافق بہت طویل اور غیر ضروری تمہید کے بعد جواب دیا ہے - اُس جواب کا خلاصہ

تو ہے کہ چونکہ موجودہ نظام حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہے اور جمہور
جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط
حق دیتا ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضہ
یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو ۔۔۔۔ اور قانون سازی
جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز ۔۔۔۔
ہمارے نزدیک کتاب اللہ سے آزاد ہو کر قانون سازی شرک ہے اس لیے
ان انتخابات میں ہم کسی قسم کی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے"۔
علاوہ ازیں اگر مولانا مودودی صاحب ارکان جماعت اسلامی کو ہدایت
فرماتے ہیں کہ وہ ان انتخابات میں سائل نے جو تین شقیں پیش کی تھیں
ان میں سے دوسری شق کو اختیار کریں یعنی خاموش بیٹھے رہیں اور
الیکشن کے میدان میں جو جماعتیں لڑ رہی ہیں ان میں سے کسی کے حق
میں نہ ووٹ دیں نہ دلوائیں۔ ظاہر ہے کہ مولانا مودودی صاحب
کی یہ ہدایت محض ارکان جماعت اسلامی ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ کل
مسلمانوں کے لیے ہے۔ یعنی ہندوستان کے جملہ مسلمانوں کے لیے ان انتخابات
میں حصہ نہ لینا، ان انتخابات کی کسی سیٹ کے لیے کھڑا ہونا اور کسی
امیدوار کے لیے رائے دینا یا دلوانا شرعاً حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے
مسلمان مولانا کے اس فتوے کو اگر مان لیں اور اس پر عامل ہو جائیں
تو مسلمانوں کے اس ترک فعل کا جو نتیجہ ہوگا مولانا مودودی صاحب پر
لازم تھا کہ اسکو بھی ظاہر فرما دیتے اور اس پر بھی حکم لگاتے کہ وہ
شرعاً مذموم ہے یا ممدوح، مگر مولانا نے ایسا نہیں کیا اس لیے مسلمانوں
کے اس ترک فعل کا جو نتیجہ ہوگا اس کو میں عرض کیے دیتا ہوں۔
اور وہ یہ ہے کہ مسلمان ان انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے ان کے انتخابات
میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ انتخابات ترک نہیں ہو جائینگے۔
غیر مسلم اقوام ان انتخابات میں حصہ لینگی اور وہ منتخب ہو کر کونسلوں
اور اسمبلیوں میں اور مرکز حکومت آ جائینگے اور ان صوبوں میں جن میں
مسلمان اقلیت میں ہیں اور نیز ان صوبوں میں جن میں مسلمان اکثریت
میں ہیں اور غیر مسلم اقوام بلا شرکت غیرے اور ساتھ ہی مسلمانوں
پر حکومت کرینگے اور مسلمان ان غیر مسلم اقوام کی رعایا اور انکے محکوم
بن کر رہیں گے باوجود اسکے کہ مسلمانوں کو یہ قدرت حاصل تھی
کہ ان انتخابات کے ذریعہ سے بعض صوبوں میں بطور اقلیت کے اور
بعض صوبوں میں بطور اکثریت کے حکومت کی مشینری پر قابض ہوتے
اس لیے مسلمانوں کے لیے مودودی صاحب کے عقیدۂ توحید کی رو سے
یہ امر تو ناجائز اور حرام ہے کہ وہ موجودہ انتخابات میں حصہ لیں
اور حکومت کی مشینری پر بعض صوبوں میں بطور اقلیت کے اور بعض
صوبوں میں بطور اکثریت کے قابض ہوں، لیکن اس عقیدۂ توحید
کی رو سے مولانا مودودی صاحب کے نزدیک مسلمانوں کے لیے
یہ بالکل جائز ہی نہیں بلکہ ایک فعل محمود ہے کہ مسلمان اپنے ترک
فعل کے ذریعہ سے غیر مسلموں کو حکومت کی مشینری پر مسلمان اقلیت
اور اکثریت دونوں قسم کے صوبوں میں بلا شرکت غیرے قابض ہو جانے دیں
اور مسلمان سارے ہندوستان میں ہندوستان کے غیر مسلموں کے محکوم ہو جائیں
(یہ بیان واضح رہے کہ جو لوگ مسلم لیگ کی پاکستانی اسکیم کے حامی ہیں
وہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت میں کوئی
ایسا مرکز ہو جس میں غیر مسلم اکثریت ہو اور یہ مرکز صوبوں کی حکومتوں پر
اپنا جائز یا ناجائز اثر ڈالتا رہے اس لیے اس پاکستانی اسکیم کی رو سے
جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہی اکثریت سیاسی اقتدار اعلیٰ
کی مالک ہوگی) کیا مولانا مودودی صاحب اور دیگر ارکان جماعت
اسلامی اس نتیجہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، اگر نہیں ہیں تو کیا میں
امید کروں کہ مولانا مودودی صاحب اپنے فتوے کو واپس لینگے اور
ارکان جماعت اسلامی کو اپنی صوابدید کے مطابق موجودہ انتخابات
میں حصہ لینے کی اجازت دیں گے۔

(۲) اب رہی مولانا مودودی صاحب کا وہ استدلال جس کی بنا پر
وہ انتخابات میں حصہ لینے کو مسلمانوں کے لیے ناجائز قرار دیتے ہیں
اور وہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ ہے کہ موجودہ نظام حکومت حاکمیت
جمہور کے اصول پر قائم ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ کو منتخب کرے اس کو
قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جو مسلمانوں کے عقیدۂ توحید کے
منافی ہے۔ اس کی بابت صرف اس قدر عرض ہے کہ اس باب میں
اگر مولانا مودودی صاحب خود فریب میں مبتلا نہیں ہیں تو ضرور مسلمانوں
کو دیدہ و دانستہ فریب دینا چاہتے ہیں۔ مولانا کا یہ جواب اس غلط مفروضہ
پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کی جملہ سیاسی جماعتیں اس بات کی قائل ہیں کہ
مسلمانوں کا جمہور جو اس وقت کوئی حکومت قائم کرتا ہے یا آئندہ کوئی
حکومت قائم کرے وہ ایسا جمہور ہے کہ اس کو شریعت حقہ میں ترمیم و تنسیخ
کا حق حاصل ہے اور وہ ایسی قانون ساز جماعت ہے کہ خدا کے
اتارے ہوئے قانون کو منسوخ کر کے جیسے چاہے ویسے قوانین وہ
جمہور یا اس کا منتخب کردہ پارلیمنٹ بنا اور جاری کر سکتا ہے۔ ان
جماعتوں کے ارکان یا ان جماعتوں کے ارباب حل و عقد کی کوئی تقریر
یا تحریر یا ان کا کوئی قول نقل کیے بغیر ان جماعتوں کی طرف اس قسم کے
نظریہ کو منسوب کرنا سراسر افترا و بہتان نہیں تو اور کیا ہے۔ میرے خیال
میں تو مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے
کہ جو اس بات کی مدعی ہو کہ مسلمانوں کے جمہور کو یہ اختیار حاصل ہے کہ
وہ شریعت حقہ میں ترمیم و تنسیخ کر کے جیسے قانون چاہے جاری
کر سکتی ہے۔ اس بات کا بار ثبوت مولانا مودودی صاحب پر تھا اور ہے
کہ وہ اس بات کو ثابت کریں کہ مسلمانوں کی جملہ سیاسی جماعتیں اس بات
کی قائل یا مدعی ہیں کہ مسلمانوں کا جمہور اس بات کا اہل ہے کہ شریعت حقہ
میں جو ترمیم یا تنسیخ وہ چاہے کر سکتا ہے لیکن مولانا مودودی صاحب
نے اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا اس لیے جس بنا پر مولانا ممدوح نے
اپنا فتوے صادر فرمایا تھا جب وہی منہدم ہو گئی تو مولانا کا فتوے بھی
کالعدم ہو گیا۔ کسی نظام کا جمہوری نظام ہونا اس بات کو ہرگز مستلزم نہیں ہے
کہ وہ خدا کے ساتھ بغاوت پر مبنی ہو۔ (باقی آئندہ)

ایک مراسلہ

حیدرآباد دکن۔ ۲۰۔ صفر ۱۳۶۸ھ

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قبلہ

سلام نیاز۔ حق کی حمایت کرنے میں آپ کا قلم اور آپ کا اخبار صدق بہت پیش پیش رہتا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی مخلوط تعلیم کے متعلق "رہبر دکن" بابت ۲۲ صفر کی طالبہ ایک مراسلہ کی نقل روانہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ میں صحیح اسلامی جذبہ ہوگا تو آپ ضرور ناظر شعبۂ دینیات کی تحریک کی مخالفت میں اپنے اخبار میں کریں گے۔ ورنہ صدق کے خلاف یہ مضمون کسی اخبار میں شائع کروں گا۔

ایک ہمدرد

صدق۔ رہبر کا یہ مراسلہ ایک دوسرے مراسلہ کے ساتھ صدق میں نقل ہونے کے لیے دفتر کو روانہ کیا جا چکا تھا۔ مگر اس گمنام کارڈ کے موصول ہونے کے بعد اسکا روک دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ کارڈ نویس اب بہ مسرت تمام صدق کی مخالفت میں قلم اٹھا سکتے ہیں۔ صدق میں اس مراسلہ کے بجائے اب رہبر ہی میں نقل ہو رہا ہے۔

جامعہ عثمانیہ اور مخلوط تعلیم

یہ اطلاع ملک میں بڑے افسوس اور ہیجان کے ساتھ پڑھی گئی کہ مجلس رفقائے جامعہ عثمانیہ کے آئندہ اجلاس میں جو ۵ فروری کو منعقد ہو رہا ہے یہ تحریک بغرض منظوری پیش ہوگی کہ جامعہ عثمانیہ میں مخلوط تعلیم کی ابتدا کر دی جائے۔ یہ امر اور زیادہ افسوسناک بلکہ المناک ہے کہ یہ تحریک جو بیسیوں مفاسد کا پیش خیمہ ہے، ناظر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ الحاج ڈاکٹر نواب یار جنگ کی جانب سے پیش ہوئی ہے۔ اس تحریک نے نہ صرف مجلس علماء دکن اور ملک کے دیگر بہی خواہ اور دردمند حلقوں کو اس سے ادعی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا ہے بلکہ خود طلباء اور طالبات میں بھی، جن کی بڑی اکثریت بفضلہ تعالیٰ مذہبی اور مشرقی روایات کو اپنی عزیز ترین متاع تصور کرتی ہے، مخلوط تعلیم کی اس تحریک سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا ہے، اور وہ رنج و افسوس کے ساتھ یہ سوال کر رہے ہیں کہ ان کے پرسکون ماحول میں کیوں اختلال پیدا کیا جا رہا ہے اور ایسی تحریک کیوں پیش کی جا رہی ہے جس کا انجام بتدریج یہ ہوگا کہ کلیہ اناث اور دیگر نسوانی تعلیمی اداروں کو برخاست کر کے ملک میں مخلوط تعلیم عام کر دی جائے۔ اور نتیجۃً ساری معاشرت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔

مخلوط تعلیم اور اسکے مفاسد اتنے عیاں اور مسلمہ ہیں کہ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ جن ممالک اور جن اداروں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے وہ خود اب اس سے نالاں ہیں اور مفاسد سے گھبرا کر صورت حال کی اصلاح کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرت کی خرابیاں ان کالموں میں واقعات و حقائق کی روشنی میں اس کثرت سے پیش کی جا چکی ہیں کہ ہر صاحب فہم و صاحب کردار شخص کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ یورپ، امریکہ اور دوسرے ممالک کا حال چھوڑیے جہاں اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ غیر شریفانہ افعال ہی کو شرافت کی دلیل تصور کیا جانے لگا ہے۔ خود ہندوستان کی بعض جامعات میں، مخلوط تعلیم کے باعث جو تعلیمی اور اخلاقی زبوں حالی پیدا ہو گئی ہے وہ شدت سے منظر عام پر آ چکی ہے۔ اور لکھنؤ، لاہور اور دوسرے مقامات کے حالیہ افسوسناک واقعات ان خرابیوں کے تازہ و مشہور ترین شرمناک واقعات سے یہ ظاہر ہی ہند کی جامعات کو انحطاط رہا ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ میں مخلوط تعلیم کی تحریک کر کے نہ صرف ان سارے مفاسد کا دروازہ یہاں بھی کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ اس کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ کہیں یہ جامعہ جو اپنے رفیع المرتبت بانی سبانی کے اسم گرامی سے انتساب کی سعادت رکھتی ہے، خدانخواستہ کل کے روز اپنی امتیازی نیک نامی و شہرت سے محروم ہو کر انگشت نمائی اور حرف گیری کی مورد نہ بن جائے۔

مخلوط تعلیم، تعلیمی اداروں میں ڈراموں، ناچ گانے اور اور اس قبیل کی چیزوں کی نسبت اہل ملک کے جذبات کی ترجمانی ان کالموں میں کی جا چکی ہے اور ان جذبات کا ایک شدید مظاہرہ کئی سال قبل کلیہ اناث کے ایک مخلوط مشاعرہ کی تجویز کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ ان جذبات کی شدت کو صدر اعظم وقت سر اکبر حیدری مرحوم اور ان کے رفیق کار نواب عبدالعزیز صاحب سابق صدر المہام امور مذہبی نے محسوس فرما کر عین وقت پر اس مخلوط مشاعرہ کو منسوخ اور ایک سخت ہیجان کا ازالہ فرما دیا تھا۔ اب بھی ضرورت ایسے ہی تدبر اور صحیح طریقہ کار کی ہے۔

مخلوط تعلیم کے بغیر بھی ہمارے یہاں کے تعلیمی اداروں میں بعض خرابیاں فوری اصلاح طلب ہیں۔ تعلیمی اداروں میں اب بھی ڈرامے اور رقص و موسیقی کے مظاہرے ہوتے ہیں اور ارباب مدارس کی اسی بے راہ روی کے اثرات طلباء و طالبات پر پڑتے ہیں۔ "ترقی پسندی" طلباء و طالبات میں بھی آہستہ آہستہ سرایت کرتی جاتی ہے اور ان کے اس غلط نظریۂ حیات کا اظہار ان کے اعمال سے ہونے لگا ہے۔ اس واسطے تعلیمی اداروں اور خصوصاً نسوانی تعلیمی اداروں کو محفوظ رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر جناب ناظر شعبۂ دینیات کم از کم جامعہ کے تحت کے تعلیمی اداروں کے ان امور پر توجہ فرماتے، مواد فراہم کرتے، اس کا بنظر غائر مطالعہ فرماتے تو یہ آپ کے معزز اور ذمہ دارانہ منصب کے شایاں ہوتا اور ملک اور خود طلباء و طالبات آپ کی اس خدمت کے لیے ممنون و شکرگزار ہوتے۔ اس کے برعکس جامعہ میں مخلوط تعلیم کی ابتدا کی تحریک پیش کر کے آپ نے اس منصب کے حق اور اہلیت سے

اے، ڈی، جوشی کا نام لیتے ہوئے، جو اڈنبرا یونیورسٹی میں متعلق خلیات کے اُستاد ہیں۔ انکی کتاب سویلزیشن، سائنس اینڈ ریلیجن (تہذیب سائنس اور مذہب) ملاحظہ فرمایئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے مان لیجیے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کی کتاب جنگ سے قبل کوئی فلسفی نہ لکھتا۔" (لندن ریڈیو کا ہفت روزہ لنڈن کالنگ نمبر ۳۱۹)

دیکھیے "صاحب" کی تقلید میں اب ہندوستانی "صاحبوں" کا کفر کیسے ٹوٹتا ہے! اور وہاں تو مذہب کے سوا سے مذہب بطور فیشن بھی داخل ہوتا ہے —— مذہب بطور فیشن کے بھی بہرحال لامذہبی سے تو بہتر ہی ہے۔

بے حجابی کے بعد

"ہالی وڈ (امریکہ) یہاں کی بہترین لباس تراش خاتون نے پیشگوئی کی ہے کہ اب بعد جنگ امریکہ میں زنانہ لباس کا جو نیا فیشن چلنے والا ہے، اس میں سینہ بالکل برہنہ رہا کریگا۔ جس طرح کہ ۱۹۱۸ء والی جنگ کے خاتمہ پر اسکرٹ (گھاگھرے) اتنے اونچے اُٹھ گئے تھے کہ گھٹنے نظر آنے لگے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آخری شاہنشاہی کے آخر زمانہ میں بھی تو سینے کا لباس بس ایک شفاف ریشمی ٹکڑا رہ گیا تھا" (اے، پی، اے)

تاریخ کی بحث چھوڑیے۔ آج بھی وحشی اور جنگلی قبیلوں کی عورتوں کا لباس، خود ہندوستان اور عام طور پر مشرق میں کیا ہے؟ —— بے حجابی کے بعد تو لازمی طور پر نمبر بے ستری کا آنا ہی تھا، اور وہ دن دور یقیناً نہیں ہے جب بے ستری کے لحاظ سے امریکہ کی سب سے زیادہ "اپ ٹو ڈیٹ" خاتون افریقہ کی سب سے زیادہ وحشی عورت کی سطح پر آ جائے!

نیتوں پر حملے

زمیندار میں معافی نامہ چھپ رہا ہے۔ معافی نامہ ایڈیٹر اور مراسلہ نگار دونوں کی طرف سے ہے، کہ اسکے قبل زمیندار میں دو لدھیانوی مولوی صاحبان کے خلاف جو یہ الزام چھپا تھا، کہ وہ کانگریس سے یا ہندوؤں سے تنخواہ پاتے ہیں، وہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔ معافی نامہ نہ پیش کر دیا گیا ہوتا، تو پرچہ کو لدھیانہ کے مجسٹریٹ کے اجلاس سے ہتک عزت کی دفعہ میں سزا ہو گئی ہوتی۔

زمیندار پنجاب کا ایک قدیم، مشہور اور معزز پرچہ ہے۔ اس کی سزایابی ہرگز باعث مسرت نہ ہوتی۔ اس کی معافی طلبی قابل عبرت ہے۔ کسی مسلمان پر بھی، چہ جائیکہ کسی ذمہ دار مسلمان پر، رشوت خواری اور غداری جیسے کریہ الزامات عائد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ بالفرض تھوڑا بہت ثبوت موجود ہوتا، جب بھی کیا ضرورت تھی؟ کون سی دلیل بغیر اسکے ناتمام یا کمزور رہ جاتی؟ اختلاف شدید سا شدید، اور اعتراض سخت سے سخت بھی کیا وارد نہیں ہو سکتا جب تک شخصیت کو بھی زیر بحث نہ لے آیا جائے؟ گویا رائے کی غلطی، عقل و فہم کی کجی، بصیرت کی کمی کوئی چیز ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ اس کی محرک نیت یا طینت کی خباثت ہی ہو گی؟ یہ آخر ہم پر کیا شامت سوار ہے کہ ہم کسی کی ایسی [illegible] سے اختلاف کر ہی نہیں سکتے، جب تک اُسے بے ایمانی اور بد دیانتی و بدنفسی کے ساتھ متہم نہ کر لیں! کاش اب بھی ہم سب کی آنکھیں کھلیں اور ایک دوسرے کی عزت کا پاس و احترام کر سکیں!

بلا تبصرہ

"میرٹھ - ۱۵ فروری۔ آج صوبائی انتخابات کی نامزدگی کی آخری تاریخ تھی۔ تمام جماعتوں کے امیدوار اپنے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لیے کچہری میں جمع ہو رہے تھے۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے حلقہ غربی (دیہات) میں مسلم لیگ کے امیدوار نواب حافظ محمد عبد العلی خاں کے خلاف مسٹر محمد الیاس (وکیل) نے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی کوشش کی۔ اس پر سید احمد اشرف صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے اعتراض فرمایا کہ محمد الیاس صاحب مسلمان نہیں ہیں، اس لیے مسلمانوں میں شامل ہو کر یہ کاغذات نہیں داخل کر سکتے اور نہ مسلم نشست کے لیے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ اس پر مسٹر محمد الیاس نے اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہوئے کاغذات خود ہی واپس لے لیے۔ واضح ہو کہ مسٹر محمد الیاس اس سے پہلے بھی عدالت کے سامنے خدا کے وجود سے انکار کر چکے ہیں مگر پھر بھی جمعیۃ العلماء اور نام نہاد مسلم مجلس کی رکنیت کا سہرا اُن کے سر ہے۔"

[خبر کی تصدیق لیڈر وغیرہ کے نامہ نگار بھی کر چکے ہیں]

یہ امریکہ!

امریکہ کے متعلق چند شائع شدہ اعداد:—

۱۹۴۵ء۔ ایک سال کے اندر ۸ ہزار مقدمات طلاق کے دائر ہوئے

۲۰ اور ۳۴ سال کی عمر کے درمیان { ۷۰ لاکھ مرد بن بیاہے بیٹھے ہیں، اور ۴۰ لاکھ عورتیں بن بیاہی بیٹھی ہیں۔

(ڈیلی میل، لندن، ہفتہ وار ایڈیشن، ۱۲ - جنوری ۱۹۴۶ء)

مس میو اسی امریکہ کی تھیں؟ یہی امریکہ ہندوستان اور مشرق کی زبوں حالی پر سب سے زیادہ کتابیں، مقالات، مضامین شائع کرتا رہتا ہے؟

بیگمات فرنگ!

"نو دن کے عرصہ میں شہزادی الزبتھ کل دوسری بار ویسٹ اینڈ کی ایک نمائش گاہ میں [illegible] کے مشہور تماشہ خانہ میں اپنی پارٹی کے ساتھ تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ نے شب کے کھانے کے بعد رقص کیا" (ڈیلی میل، لندن، ہفتہ وار ۲۲ - دسمبر ۱۹۴۵ء)

"برطانیہ کے نامور سابق وزیر اعظم مسٹر چرچل کی صاحبزادی مس چرچل، ۲۳ سال کی عمر میں، فوج سے واپس آ کر پھر تھیٹر کی ایکٹرسوں میں شریک ہو گئی ہیں۔ پہلے تماشہ میں سارا خاندان آپ کے ساتھ گیا۔ اور مجمع اتنا تھا کہ پولیس کو خاص انتظام کرنا پڑا" (ڈیلی میل ۲۲ - دسمبر ۱۹۴۵ء)

اس دل گردہ کی شاہزادیاں اور وزیرزادیاں کبھی دنیا کی مشرق خصوصاً [illegible] مسلمان سلطنتوں کو بھی نصیب ہوئی تھیں؟

—— آہ بدنام بیگمات اودھ!

کلمۂ حق

ذیل کی خبر کراچی کے روزنامہ حیات میں شایع ہوئی ہے، یہ لیگ کا نہیں بلکہ سید گروپ کا ترجمان ہے:-

"کراچی۔ ۵- فروری۔ مسلم طالبہ کے ایک وفد نے حضرت مولانا آزاد سے ملاقات کی۔ ایک جوشیلے نوجوان نے لیگیوں کے غنڈہ پن کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آیندہ ہم بھی اس غنڈہ پن کا جواب تشدد سے دیں گے۔ اس پر حضرت مولانا نے طالب علم کو ٹوک کر فرمایا کہ "یاد رکھیے، بدی کو بدی نہیں مٹا سکتی، بلکہ اُسکو اور مستحکم کر دیتی ہے۔ بدی کو صرف نیکی ہی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ لیگی ہمارے بھائی ہیں، اُنکے ساتھ بھائیوں ہی کا سلوک ہونا چاہیے۔ آپ کا فرض ہے کہ لیگی بھائیوں کے سامنے صحیح نقطۂ نظر محبت اور خلوص کے ساتھ پیش کریں، وہ ضرور اسکو قبول کرینگے۔ مولانا نے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی کسی بد اخلاقی پر رحم و ہمدردی کے جذبات پیدا ہونے چاہییں نہ کہ غصہ کے۔"

کاش یہی چیز سیاسی اختلافات کے وقت عام ہوتی، ہر سیاسی پارٹی میں نہ سہی، کسی ایک ہی پارٹی میں بھی یہی ہوتا تو آج اس قدر تلخی ناگواری بغض و عداوت کی نوبت ہی کیوں آتی!

شرافت و سیاست

"اسمبلی کی زنانی مسلم سیٹ کے لیے بیگم بشارت حسین کے مقابلہ سے ہٹ جانے سے اب بیگم مولانا محمد علیؒ کے لیے انتخاب کا راستہ بالکل آسان ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بیگم بشارت حسین رفیع احمد قدوائی صاحب کی تحریک پر مقابلہ سے ہٹ گئیں۔" (پاینیر- ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء)

مولاناؒ کی شخصیت کے احترام میں اُنکی بیگم صاحبہ کو بلا مقابلہ اسمبلی میں جانے دینا یقیناً دلیل شرافت ہے۔ اور یہ پہلی مثال نہیں، جناب رفیع احمد قدوائی صاحب نے سیاسی کشمکش میں بھی شرافت کا معیار قائم رکھا ہے۔ خود لکھنؤ شہر کی مسلم سیٹ کے لیے کسی نیشنلسٹ یا کانگریسی ٹکٹ پر امیدوار کا مسلم لیگ کے لیڈر کے مقابلہ میں میدان میں نہ آنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ——— اس سے قدوائی صاحب کی عزت دلوں میں گھٹی نہیں، بڑھ ہی گئی ہے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم ۲۵ سالہ تالیف)

عالم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن و حدیث اور حکمائے یونان کے اقوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۲/ کے ٹکٹ بھیجنے پر ارسال کی جاتی ہے۔

ملنے کا پتہ:- مولوی محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

سورۂ بقرہ- رکوع ۲۷

سلسلہ صدق ۱۴۵

۲۲۱ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما	(لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں[۷۹۸]۔ آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے[۷۹۹] اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں[۸۰۰]۔ اور ان کا گناہ انکے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے[۸۰۱]۔

---

۷۹۸ یعنی ان کے حکم شرعی کی بابت۔ انکے جواز و عدم جواز کی بابت۔

والمعنی یسئلونک عما فی تعاطیھما بدلیل (کشاف) ولی تخصیص الجواب بما ان ذلک السوال کان والنشأۃ قاصرۃ لمعرفۃ العقل (بوعب)

الخمر خمر و میسر یہاں دونوں اپنے عام و وسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے۔

اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شیٔ (تاج) سمیت لکونھا عن الحلل والکرمۃ (کبیر) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کر لیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔

الخمر خامر العقل (بخاری عن ابن عمرؓ) الخمر کل شراب خمر العقل فسترہ وغطی علیہ (ابن جریر)

المیسر بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔

کل شیٔ فیہ قمار فھو من المیسر (تاج)

علماء شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے

المیسر ھو القمار (ابن کثیر) المیسر یعنی القمار (سالم)

وفی حکم المیسر انواع القمار والنرد والشطرنج وغیرھا (مدارک)

شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیل عزت و شرافت ہیں، اُسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازم شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور اسکا عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک، جو شرف رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، انکی روک تھام نہ کر سکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ قانون ہے، جس نے آکر انکی قطعی حرمت کا اعلان کیا۔

یہ آیت سلسلۂ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم

بعض سوالات مع جوابات

(۱) کیا تخلیق کائنات کے بعد بھی اب بھی نظام عالم کا ہر کام خالق کے علم سے ہوتا ہے یا بجائے تخلیق کے اثرات بطور نتیجہ کے مرتب ہوتے ہیں؟

جواب - شق اول صحیح ہے۔

(۲) موت پر انسانی مشیت کیوں نہیں حاوی کی گئی حالانکہ بہت سے حالات کے خلاف انسان کی غلطی سے موت نہیں ہوتی۔

جواب - دونوں شقوں میں کوئی تضاد نہیں - انسان کے اعمال بھی مشیت ہی کے ماتحت ہوتے ہیں۔

(۳) کیا شداد - نمرود - فرعون - ابوجہل سب کے کام مشیت کے خلاف تھے اگر خلاف تھے تو کیوں ہوئے۔

جواب - سوال مشیت کے معنی نہ سمجھنے سے پیدا ہوا - مشیت کے معنی مرضی یا رضامندی کے نہیں بلکہ صرف مشیت یا اسباب کی قوت تخلیقی یا تکوینی کے ہیں - اسکے بعد ظاہر ہے کہ کوئی فعل مشیت سے باہر ہو ہی نہیں سکتا۔

(۴) اگر مشیت سے موافق اور خلاف دونوں طرح کے کام ہوتے ہیں تو امتیاز کیسے ہوتا ہے

جواب - مشیت سے باہر تو ہو ہی نہیں سکتا - مشیت و مرضی مترادف نہیں۔

(۵) کیا وہ چاہتا ہے کہ تمام عالم ایک سچے مذہب پر ہو - اگر ایسا ہے تو اسکے خلاف کیوں ہے

جواب - "چاہتا ہے" اگر اس کی رضا کے معنی میں ہے تو یقیناً وہ یہی چاہتا ہے - لیکن اس نے انسان کو مجبور نہیں بنایا ہے، فاعل مختار رکھا ہے - اور گمراہی اسی لیے پھیلتی ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام نہیں لیتا۔

(۶) کیا مذہب کی اشاعت کے لیے انسان کی اختیاری قوت کو نہیں ہے - اگر نہیں ہے تو پیغمبر کی کیا ضرورت

جواب - سوال کا مفہوم واضح نہ ہوا۔

(۷) کیا اس کو آواز کے ساتھ بولنے کی قدرت ہے - اگر ایسا ہے تو الہام اور وحی کی کیا ضرورت۔

جواب - یہ سوال تو ظاہر ہے کہ اسی قوت کے ساتھ بلا استثناء اسکے ہر اظہار قدرت پر وارد ہو سکتا ہے، وحی کرنے پر بھی اور وحی نہ کرنے پر بھی۔

(۸) کیا تمام دنیا بھر کے کام اسکو پسند ہیں - اگر نہیں ہیں تو کیا انکے روکنے کی قدرت ہے - اگر ہے تو کیوں اسکے خلاف ہوتا ہے۔

جواب - سوال صورت کے پیش کیجیے - جزئیات کے جوابات کہاں تک ہو سکتے ہیں - بدی کو قدرت سے روک دینے کے معنی

(۹) دعا مانگنے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے جب وہ اپنی پسند سے دعا [illegible] ہے۔

جواب - دعا ایک عبادت ہے - اور ہر انسانی ارادہ مشیت کے تابع ہے۔

(۱۰) کیا بلا دعا کے وہ کچھ نہیں دیتا - اگر ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے دیتا ہے تو دعا کی کیا ضرورت۔

جواب - اور اگر مصلحت دعا کے بعد دینے کی ہو تو؟

(۱۱) کیا انسان اپنی سرشت بدل سکتا ہے - اگر نہیں تو جزا و سزا باطنی اعمال یعنی نیت پر کیوں ہے

جواب - سوال کے دونوں حصوں کے درمیان کوئی ربط نہیں - جزا و سزا صرف انھیں اعمال پر ہے جو انسان کے اختیار کے اندر ہیں۔

(۱۲) کیا انبیا نے کہ مصائب امتحاناً ہیں یا سزائیں یا قانون قدرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہیں۔

جواب - کسی نہ کسی "قانون قدرت" کی خلاف ورزی تو ہر صورت ہر مصیبت کے پس منظر میں ہوتی ہے، اور یہی اس کا سبب قریب ہوتی ہے - امتحان یا سزا کا سوال تو بہ لحاظ غایت یا مقصود ہے اور اس کا تعلق اسباب قریبی و مادی سے نہیں - مسبب حقیقی یا مسبب الاسباب سے ہے - سزا اور امتحان کے درمیان فرق مختلف قرائن و علامات سے کیا جا سکتا ہے

(۱۳) کیا قوانین قدرت اس کے ماتحت ہیں اگر ایسا ہے تو اسکے خلاف کی قدرت کیوں نہیں ہے۔

جواب - سوال بالکل گنجلک ہے - "اس کے" سے مراد اگر ذات باری ہے، تو ظاہر ہے کہ ہر خدا پرست کے نزدیک قوانین قدرت اسکے ماتحت ہی ہیں - اسکے بعد سوال کا دوسرا جزو از خود حذف ہوا جاتا ہے۔

(۱۴) نیکی کی ترغیب کے لیے قدرت نے کیا انتظام رکھا ہے - اگر نہیں ہے تو اسکے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

جواب - پیمبروں کی بعثت - ان کے نائبوں کا ہر ملک اور ہر زمانہ [illegible] یہ اگر نیکی کی ترغیب کے لیے نہیں، تو اور کس غرض سے ہے؟
— یہ کس نے کہہ دیا کہ نیکی کا نتیجہ ہمیشہ اور ہر حال میں فوری راحت [illegible]؟

(۱۵) مذہب کے ذریعہ سے کیوں انسان کی اصلاح کی جاتی ہے کیا یہ اسکے اختیار سے باہر ہے۔

جواب - عجیب و غریب سوالوں میں یہ سوال عجیب ترین ہے "مذہب" کے معنی شاید اسلام کیا فرض کر لیے گئے ہیں - جو بھی ذریعہ اصلاح کا اختیار کیا جاتا، اسی کا نام مذہب پڑتا - اگر سوال یہ ہے کہ سرے سے کوئی ذریعہ ہی کیوں اختیار کیا گیا تو پہلے اس کا جواب عنایت ہو جائے کہ خدا خدا ہی کیوں ہوا؟ کیا خدا ہونے پر اسے کوئی مجبوری تھی؟

(۱۶) کیا تخلیق کے لیے اس کو کوئی مجبوری تھی کہ بلا اسکے کام نہیں چل سکتا تھا یا تخلیق بے اختیارانہ طور پر ہوئی -

جواب - "مجبوری" اور "بلا اختیاری" میں فرق کیا ہوا؟ یعنی ایک ہی بات کو دونوں شقوں میں دہرا دیا گیا ہے - سوال کا جواب یہ ہے کہ تخلیق اضطراراً نہیں، اختیار سے ہوئی ہے -

(۱۷) دعا کے لیے شرائط کیوں منصوص ہیں - کیا بلا شرائط کے دعا کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا - کیا وہ کسی قانون کے ماتحت اسکے لیے مجبور ہے -

جواب - سوال اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑا عبرت آموز ہے - وجود شرائط اگر "مجبوری" کے مرادف ہے تو پھر دعا ہی کی کیا قید ہے - کائنات کی ہر شے پر یعنیہ یہی سوال وارد ہو سکتا ہے کہ اسکے لیے شرائط و اسباب کیوں ہیں؟

(۱۸) کیا اعمال کی جزا و سزا دنیا میں بھی ہوتی ہے - اگر نہیں تو مصائب اور رفاہ حال کس کا نتیجہ ہیں اگر قوانین قدرت کے موافق اور خلاف کا نتیجہ ہیں تو اس میں اسکے علم اور امتحان کے کیا معنی ہیں؟

جواب - سائل کا انتشار ذہنی پوری طرح سوال سے نمایاں ہے - جزا و سزا دنیا میں بھی ہو سکتی ہے، اور جزواً کبھی ہو جاتی ہے، لیکن اصلاً دار الجزاء اس دار العمل کے بعد ملیگا -

(۱۹) کیا عقبیٰ کی جزا و سزا اسکے اختیاری ہے یا قوانین قدرت کے ماتحت ہے -

جواب - خدا معلوم سائل نے ہر جگہ قانون قدرت اور قادر کے درمیان تناقض کیوں فرض کر لی ہے؟ جزا و سزا بالکل ظاہر ہے کہ تمامتر اللہ کے اختیار میں ہے، خواہ وہ اپنے جس قانون کے ماتحت چاہے دے -

ایک اور سوال نامہ

السلام علیکم - خان بہادر نواب ذکاء اللہ صاحب نے مولانا مودودی کے مضمون پر جو تنقید "صدق" میں کی ہے، وہ اور اس پر آپ کے نوٹ، نیز "صدق" نمبر ۶ ص۲ پر "نظامات باطل اور اسلام" کے تحت ایک سوال کے جواب میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے اسی سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ارسال خدمت کر رہا ہوں - امید ہے کہ یہ سوالات مع جواب "صدق" میں شائع کیے جائینگے :-

(i) عقیدۂ توحید کا تعلق آیا زندگی کے کسی خاص شعبہ یا شعبوں سے ہے یا اس کا تقاضا پوری زندگی کو اللہ کے امر شرعی کے تحت کر دینے کا ہے؟

جواب - ہر شعبہ سے لیکن، الاقدم فالاقدم کے اصول کے ماتحت اہم ترین شعبہ سے تعلق بھی اہم ترین، اسکے بعد درجہ وار -

(ii) آیا وہ (عقیدۂ توحید) صرف انفرادی زندگی کو تابع امر رب کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے یا اجتماعی زندگی کو بھی؟

جواب - انفرادی زندگی کو اصالۃً اور براہ راست - اجتماعی زندگی کو ضمناً و بالواسطہ - یہ جواب سوال کی شقوں کے لحاظ سے ہے - ورنہ اصلاً سوال کی یہ تشقیق ہی صحیح نہیں -

(iii) آیا سیاست اور انتظام ملکی اور نظم معیشت اور نظم عدالت و قانون عقیدۂ توحید کے اس مطالبہ کے اندر ہے یا باہر؟

جواب - براہ راست اور مطالبہ قریب کے لحاظ سے باہر - بالواسطہ اور مطالبۂ بعید کے لحاظ سے اندر -

(iiii) اگر یہ تمام امور عقیدۂ توحید کے حدود کے اندر نہیں ہیں - بلکہ جزوی طور پر ان میں سے کچھ امور سے ہی توحید کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو فرمایا جائے

(i) - زندگی کے کون کون سے پہلو توحید کے دائرۂ مقتضیات کے اندر ہیں اور کون کون سے اسکے باہر؟

جواب - اللہ کی یکتائی پر یقین رکھنا، ذات و صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ سمجھنا، آمر و متصرف ... خالق و ناظر صرف اسی کو سمجھنا، یہ اقل قلیل مطالبۂ توحید ہے، نجات کے لیے کافی - اس سے زائد عملی احکام کا اتباع حالات اور ہمت و وسعت کے تابع ہے -

(ii) - اس تقسیم دوائر کی دلیل کیا ہے

(iii) - اگر یہ تقسیم دوائر درست ہے تو پھر اسلامی حکومت کا نام لینا اور نبی صلعم کا ایک مذہبی حکومت قائم کرنا اور صحابۂ کرامؓ کا روم ایران و مصر وغیرہ پر حملہ آور ہونا اور ان حکومتوں کو پاش پاش کر کے انکی جگہ اسلامی حکومت قائم کرنا یہ سب الا ما شاء اللہ دے سے تجاوز قرار پائے گا جن تک آپ کے نزدیک دین کا دائرہ محدود ہے!

جواب - اگر یہ سب چیزیں یکساں درجہ میں ضروری تھیں، تو خود رسول اللہ صلعم نے انکے لیے سالہا سال کا کیوں انتظار فرمایا - اور بعض اجزا کا تکملہ تو آپؐ کی حیات مبارک بھر بھی نہ ہو سکا تو کیا آپ بھی نعوذ باللہ مقتضیات توحید کو پورا نہ کر سکے؟

اگر آپ مقتضیات توحید کی کلیت کے قائل ہیں، تو

(i) - منصب نبوت جن کاموں کا براہ راست مقتضی ہے انکی فہرست سے آخر اجتماعی زندگی کے اہم ترین اور موثر ترین پہلو یعنے نظام حکومت کو آپ کس بنا پر خارج کرتے ہیں؟

جواب - خارج ہرگز نہیں قرار دیا گیا - صرف انکے لازمۂ توحید ہونے سے انکار ہے - اور انکار پر دلیل علاوہ نصوص قرآنی و حدیثی کے خود انبیاء کرام (بشمول رسول اللہ صلعم) کا تعامل ہے - جوں ہی حالات اجازت دیں، یقیناً حکومت اسلامی ہی قائم کرنا چاہیے - اور اسکی تمنا تو ہمہ وقت دل میں رکھنا چاہیے، بلکہ بقدر وسعت و ہمت کوشش بھی اس کی کرتے رہنا چاہیے - لیکن یہ چیز صحیح نہیں کہ جب تک یہ نہ ہو سکے اس وقت تک عبادات لا حاصل اور ایمان کالعدم ہے - یہی چیز دین میں غلو کی ہے -

(ii) - اگر توحید کا اقتضاء انسانی زندگی کو اسکے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کے ساتھ بندگی رب کے تحت لانا ہے تو آپ کو

خانقاہ و خلافت

سیاسیات کا تعلق روحانیات سے

(از مولوی شاہ ابو احمد غلام دستگیر صاحب - گلبرگہ - دکن)

تقویٰ مجمل طور پر وہ قلبی کیفیت اور صلاحیت ہے جو نفسانی خواہشات سے علیحدہ ہو کر کسی انسان کو نیکی کی طرف رجوع ہونے کے لیے آمادہ کرتی ہے - تقوے کا ادنیٰ درجہ اسی فطری صلاحیت کے کسی نہ کسی درجے میں موجودگی کا نام ہے، جو باوجود ماحول کی گندگی اور سالہا سال کی پامالی کے ختم اللہ علیٰ قلوبہم سے قبل فنا نہیں ہوتی - تقوے کی تدریجی بلندی اس کیفیت و صلاحیت کی قوت میں محسوس کرتے ہوئے تمام نیک و بد حدود الٰہیہ کی نگرانی کرتا ہے - اس قوت کا تدریجی حصہ ایمان، عبادات اور عمل صالح پر منحصر و موقوف ہے - حصول فلاح کے لیے ہدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰہم ینفقون - کی شرط لگائی گئی ہے - اس تقوے سے مراد یہی ہے اور کرنے کی صلاحیت ہونا اور بتدریج لینا ہی ہے اولٰئک علیٰ ہدی من ربہم و اولٰئک ہم المفلحون کی بشارت دی گئی ہے -

یہ تقوے کی فطری قوت و صلاحیت انسان کو پس پردہ عالم سے ملائے رکھتی ہے - اس کی پہلی منزل یومنون بالغیب میں قدم رکھنا اور پس پردہ عالم سے آنے والے پر ایمان لانا ہے - ہر نامزد و بار ہونے والا تقوے کی صلاحیت فطری کی بنا پر آپ کی دعوت الی اللہ میں، آپ کی سیرت و کردار میں، آپ کے اخلاق و صفات حسنہ میں، آپ کے عدل و انصاف میں، آپ کی مساوات میں، آپ کے عفو و کرم اور آپ کی شفقت میں، آپ کے عزم و ثبات اور استقلال میں، آپ کے چہرہ مبارک پر برسنے والے انوار میں، ایمان و ایقان سے معمور نظر و فکر کی تابانی پر یتلوا علیہم آیاتہ کی تفسیروں کو پاتا ہے - انہی آیات بینات کے تسلسل و تکرار سے حاضر ہونے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے - پھر وہ قرآن و حکمت کو پاتا ہے - لا یمسہ الا المطہرون، تنزیل من رب العالمین، الم نشرح لک صدرک اور انا اعطینٰک الکوثر کے انوار سے ہر مومن فیض پاتا ہے - صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ - رسول برحق کے رنگ میں رنگا جاتا ہوا اور صحابہ کا دیکھنے والا اور رسول برحق کا اقرار کرنے والا سیرت صحابہ سے فیضیاب ہوتا ہے - اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم - قرآن و حکمت سے منازل ترقی پر گامزن ہوتا ہے -

اس عالم کے مصنوعات پر خاتم النبیین کے اخلاق حسنہ، سیرت و کردار اور سراپا انوار محکم اور منقش ہیں اور قرآن کی تعلیمات انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون، کلی طور پر محفوظ ہیں - قرآن سیرت و کردار نبوی کی تصدیق کرتا ہے - اور سیرت و کردار نبوی عملی طور پر اس کی تفسیر ہیں - ہر طالب حق، قرآن و سیرت ہر دو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقوے کے ادنیٰ درجے سے بلند مدارج کو پا سکتا ہے - نفوس قدسیہ سیرت و کردار نبوی کے بالفعل ترجمان ہوتے ہیں [illegible] صحبتوں سے فیض پہنچتا ہے -

مجرد فہم و ادراک اور شعور و فکر کا تعلق عالم مادی سے ہے - احساسات و تجربات سے ان کی نشو و نما ہوتی ہے - انسانی کلام انہی احساسات کی شکل بصورت آواز ہے - تعلیم و تعلم ان تمام احساسات انسانی کے ہزارہا سال کے پیدا کردہ محفوظ تجربات ہیں -

تقوے کا تعلق عالم باطن سے ہے اور عبد و رب کا تعلق بھی تقوے سے ہے - ان تعلقات کی وضاحت آفاق و انفس میں بذریعہ کلام ہے - ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین - اللہ کا کلام [illegible] کے تعلق سے بصورت نطق و آواز ہے - اس کلام سے مخاطب پر [illegible] استطاعت و استعداد عبد و رب کے تعلقات روشن ہوتے ہیں - [illegible] علم ہی کے تحت فہم انسانی و جذبات انسانی کی صحیح تربیت نشو و نما ہوتی ہے -

کلمات بصورت کائنات انسان کو تغیرات ارضی و سماوی سے اسباب و علل کی کڑیوں میں [illegible] چڑھاتے ہیں - اور مشاہدہ بغیر اسباب و علل کے انسانوں کی اندرونی و ابتدائی دو اختیاری قوتوں کو عالم باطن کا انکشاف کر کے تقویت پہنچاتا ہے - استغفار، توبہ و دعا، استجابت و مغفرت اسی راست تعلق کی رحمت کا اظہار کرتے ہیں - یہاں اسباب و علل اور تدریجی ارتقاء کی تمام نظر آنے والی کڑیاں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں، اور مجرد عقل والے یہاں حیران و سرگرداں ہیں - انبیاء کی نبوت کسبی نہیں ہوتی - یہ فطری صلاحیتوں کی [illegible] شدہ طاقت نہیں - یہ وہ قوت نہیں جو سوتی ہے اور پھر بیدار ہوتی ہے - یہ ہمیشہ بیدار رہتی ہے - وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا - یہی روح اور نور ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے ایمان لانے والے پاتے ہیں - اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا -

تزکیہ بالقویٰ قوتوں کا باطن سے محفوظ شدہ کیفیات اور مسلسل طاری ہونے والی کیفیات سے اجاگر ہو جاتا ہے - اس مقام پر علم الیقین، باطن سے حق کی عطاء کو پا کر [illegible] کائنات پر حاکم اور متصرف نظر آتا ہے - ماویات سے آگے [illegible] اس کائنات پر حاکم و متصرف نظر آتی ہے - یہ فکر اور ذکر مسلسل ہے - الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا وعلیٰ جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموات والارض، ربنا ما خلقت ہٰذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار - عبد و رب کے ان تعلقات کی ہمواری اور تزکیہ سے تمام نفسانی خواہشات جاہ، دولت و حکومت مٹ جاتے ہیں - وہ الٰہکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر سے بچ جاتا ہے -

انسانی نظروں کے آگے اس عالم کی رنگا رنگی اور نفوس انسانی کا ایک طوفانی سمندر موجزن ہے - اندرونی قوتوں کی بیداری کے بعد اس عالم مادی سے ان اجاگر شدہ قوتوں کا تقاضا ہوتا ہے - دل سے اٹھنے والی قوت جو نفوس انسانی کو

علماء کرام اور سیاست [illegible]

ایک بیجا اعتراض کا جواب

مولانا عبد الماجد دریابادی نے صدق کی ایک تحریری اشاعت [illegible] میں لکھا تھا کہ موجودہ سیاسی مسئلہ کا حصر علماء پر رکھ دینا ان عزیزوں پر ظلم کرنا ہے۔ اس لیے کہ مسئلہ تمام تر سیاسی ہے نہ کہ فقہی یا کلامی یا تفسیری۔ جس کا تعلق گہرے تجربہ اور دنیوی بصیرت سے ہے، نہ کہ کسی تفسیر سے۔

اس حقیقت سے اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مولانا کے [illegible] کا مدعا یہ نہ تھا کہ جو علماء دین دور حاضر کے دستوری مسائل سے پوری واقفیت رکھتے ہیں ان کی سیاسی رائے کو محض اس لیے بے قیمت سمجھ لیا جائے کہ وہ عالم دین ہیں۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جن لوگوں کی زندگیاں کتاب و سنت کے اوراق کے مطالعہ کے لیے وقف رہیں اور مروجہ دستوری مسائل کے متعلقات سے واقفیت حاصل کرنے کا انھیں موقع نہ ملا، ان کو اس بارے میں سند بنانا مناسب نہیں۔

علماء کا دائرہ

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا عبد الماجد نے کتاب و سنت میں مشغولیت کا احترام ملحوظ نہیں رکھا تھا اور مروجہ دستوری پیچیدگیوں کے جاننے والوں کی ستائش فرمائی تھی۔

اگر کوئی معاملہ تعزیرات ہند یا دوسرے مروجہ قوانین سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے متعلق مشورہ کے لیے کسی قابل بیرسٹر اور قانون داں ہی سے رجوع کیا جائیگا، علمائے دین سے مشورہ نہیں کیا جائیگا۔ آپ موجودہ وکالتوں اور عدالتوں کے متعلق جو چاہیں فرمائیں، لیکن معاملہ محض ایک چیز سے آگاہی اور خبرداری کا ہے۔ خواہ وہ [illegible] کتنی ہی نادرست ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار پڑیگا تو کسی طبیب ہی سے رجوع کیا جائیگا، علمائے کرام کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا جائیگا۔ اور اس رجوع کی بنا پر یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جائیگا کہ دیکھیے دین و سیاست میں علیحدگی کا فتنہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ علمائے کرام فقہ و تفسیر و حدیث میں سند بن سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہر علم اور ہر دائرہ میں ان کی حقیقت مسلم مان لی جائے۔

حضرت خالد بن ولید کی مثال

مولانا عبد الماجد نے محض برسبیل تذکرہ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ فن حرب کو خالد بن ولید ہی بہتر سمجھتے تھے، گو علم و فضل، زہد و تقوے اور عبادات [illegible] دوسرے صحابہ ان سے بڑھ کر تھے۔ اس پر نکتہ چینی [illegible]

[illegible] کتنی لغزش ہوئی [illegible] فاروق اعظم نے [illegible] حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالاری سے ہٹا کر امین امت ابو عبیدہ بن الجراح کو سپہ سالار بنا دیا اور علم و فضل اور تقوے کو فن حرب پر ترجیح دی!

لیکن معزز معترض نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ اس تعریض کی زد براہ راست حضرت صدیق اکبر پر پڑتی ہے جنھوں نے حضرت ابو عبیدہ کے علم و فضل و تقوے پر حضرت خالد کی مہارت فن حرب کو ترجیح دی!

حضرت ابو عبیدہ کا مقام

مولانا عبد الماجد کا یہ مدعا ہرگز نہ تھا کہ صحابہ کرام کے پورے مجمع میں صرف حضرت خالد بن ولید ماہر فن حرب تھے، باقی تمام بزرگ اس فن سے ناآشنا تھے۔ نہ ان کا مدعا یہ تھا کہ معاذ اللہ حضرت خالد علم و فضل و تقوے سے عاری تھے۔

اور میرے معزز معترض کو کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو عبیدہ محض صاحب علم و تقوے تھے اور فن حرب نہیں جانتے تھے۔ خود عہد مبارک نبوی میں حضرت ابو عبیدہ کئی مرتبہ سالار لشکر بنے۔ مثلاً غزوۂ ذات السلاسل میں کمکی فوج کا منصب سالاری انھیں کو حاصل تھا۔ سریہ "سیف البحر" (۸ھ) میں تین سو صحابہ کے سرخیل وہی تھے۔ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں حمص پر جو لشکر بھیجا گیا تھا اس کے سپہ سالار بھی حضرت ابو عبیدہ ہی تھے۔ اس زمانہ میں حضرت خالد عراق میں تھے۔ البتہ بعد میں سمت شام کی ساری فوجوں کا سالار اعظم حضرت خالد کو بنایا گیا۔ حضرت عمر کے عہد میں یہ منصب حضرت خالد کی جگہ حضرت ابو عبیدہ کے حوالہ کر دیا گیا، نہ محض علم و تقوے کی بنا پر بلکہ فن حرب کی بنا پر بھی۔

افضل و مفضول کی بحث

باقی رہی افضل و مفضول کی بحث تو غزوۂ ذات السلاسل کی کمکی فوج میں حضرت صدیق اور حضرت فاروق حضرت ابو عبیدہ کے ماتحت تھے۔ [illegible] حضرت عمرو بن العاص کے پاس پہنچا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس طرف بھیجا تو سارے لشکر نے حضرت عمرو بن العاص کی [illegible] قبول کی، حالانکہ کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ باعتبار علم و فضل و تقوے حضرت صدیق، حضرت فاروق یا حضرت ابو عبیدہ عمرو بن العاص سے افضل نہیں تھے۔ غرض مولانا عبد الماجد نے جو کچھ فرمایا تھا اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں تھی نہ شرعاً نہ عقلاً اور نہ عرفاً۔

فن حرب اور مقاصد

فن حرب یقیناً ایک عام فن ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر صاحب علم و فضل و تقوے اس کا ماہر [illegible] اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر فاسق و فاجر کافر اس سے محروم ہو۔ [illegible] تقوے کیا مسلمان بھی نہیں تھا لیکن اس کی مہارت فن حرب سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اولین قابل توجہ امر مقاصد جنگ [illegible] دنیا داروں کے مقاصد یقیناً وہ نہیں ہو سکتے جو دین داروں کے پیش نظر رہتے ہیں۔ لیکن حضرت خالد اور حضرت ابو عبیدہ کے مقاصد میں کوئی فرق نہ تھا۔ بیشک حضرت ابو عبیدہ زیادہ صاحب تقوے تھے، لیکن

"کل بروز چہار شنبہ ۱۹ ذی الحجہ کو بوقت سہ پہر خواب میں دیکھا
کہ ایک غیر آباد جگہ میں جہاں کہ سبز گھاس ہے، کپڑے کی قنات لگی
ہوئی ہے اور قنات کے اندر فرش ہے، اور چار مرد مسلمان جو ہیں
معلوم ہوا کہ یہ دربار رسول اللہ صلعم کا دربار ہے۔ اور مولانا حسین احمد مدنی
اور مسٹر جناح دونوں دربار حضور انور میں اپنا اپنا نظریہ پیش کر رہے ہیں،
گفتگو کی آواز باہر آرہی ہے، لیکن میں سمجھ نہ سکا۔ پھر کسی نے کہا
کہ مولانا نے رسول اللہ صلعم کے روبرو مسٹر جناح کو قائل کر دیا۔ میں فوراً
ہی بیدار ہو گیا۔ زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا، اور دربار دیکھنے کی
مسرت تھی، گھڑی میں ۲ بجے کے قریب وقت تھا۔ مجھے حضور کی زیارت
نصیب نہ ہوئی۔ لیکن کسی طرح یہ ذہن میں ہے کہ مجمع بہت کافی ہے۔
اور آمنے سامنے دو لائنیں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں، حضور جس لائن
میں ہیں، مولانا بھی اسی لائن میں کرسی پر زرد عبا پہنے بیٹھے ہیں، اور
سامنے کی لائن میں مسٹر جناح بھی کرسی پر گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے
بیٹھے ہیں۔ امید ہے کہ تعبیر سے مطلع فرمایا جائے۔"

تعبیر ایک مستقل فن ہے، اور اس خواب کی بھی تعبیر کوئی صاحب
فن ہی دے سکتا ہے۔ ایک عامی کی حیثیت سے صرف اتنی گزارش
کی گنجائش ہے کہ خواب مبارک بہر صورت ہے۔ دربار نبوی کی حاضری
محض دور سے ایک تماشائی کی حیثیت سے سہی بجائے خود ایک
نعمت ہے۔ دربار میں فریقین کی حاضری اور مکالمت اس اصل حقیقت
کا ترجمان ہیں کہ اختلافات جو کچھ ہے وہ اجتہاد اور بصیرت کا ہے۔
ضلالت محض اور بے دینی میں کوئی فریق بھی مبتلا نہیں۔

باقی یہ ظاہر ہے کہ خواب شریعت میں کوئی حجت نہیں، مولانا کا شمار
صالحین و ابرار میں ہونا بغیر اس خواب کے بھی ایک امر واقعہ مسلم تھا۔
ان کے سیاسی مسلک و اجتہاد کا صحیح ہونا اس خواب کے بعد بھی لازم نہیں آتا۔
اجتہادی غلطیاں بڑی سے بڑی، صحابہ تک سے ہوئی ہیں (جن سے
بڑھ کر متقی امت میں کسی کا ممکن نہیں) لیکن اس سے اہل سنت کے
عقیدہ میں ان کے شرف صحابیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہو جاتا۔

رہبر لفافہ

"لندن ۲۷ اکتوبر۔ مشہور برطانوی سائنٹسٹ
سر الیور لاج جو ایک مشہور "روحانی" لیڈر اور سائکیکل ریسرچ
سوسائٹی کے صدر بھی تھے، اگست ۱۹۴۰ء میں جب ان کا انتقال ہوا
تو وہ ایک سر بند لفافہ جس کے مضمون کا علم بجز ان کے کسی کو نہیں،
برٹش سائکیکل سوسائٹی کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اور کہہ
گئے تھے کہ جب چند اہل حال حلقہ بنا کر بیٹھیں گے اور ان میں کوئی میڈیم
بھی ہوگا، تو میں اس لفافہ کا مضمون دوسرے عالم سے القا کر دوں گا،
اس میں کوئی سال بھر تک کی مدت لگے گی۔ مسٹر برل سوسائٹی مذکور
کے موجودہ صدر نے کہا کہ اب سر لاج کی موت کا بہت زمانہ گزر چکا،
ابھی تک کوئی پیام مرحوم سے لفافہ کھولنے کی بابت موصول نہیں
ہوا، اب ہم خود ہی اسے کھولنے پر غور کر رہے ہیں"

(نیوز آف دی ورلڈ، لندن - ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

یہ بات یقیناً عام طور پر معلوم نہ ہوگی کہ یورپ میں مدت سے ایک گروہ
عالم برزخ کے مشاہدات و مکاشفات سے متعلق تحقیق میں لگا ہوا ہے،
اور اس کے لیے اپنی ذہنیت اور مذاق کے لحاظ سے طریقہ "سائکیکل ریسرچ"
کا اختیار کر رکھا ہے، بعض بڑے بڑے نامور سائنسداں بھی اس میں
شریک ہیں، اور سر الیور لاج اس تحریک کے زبردست علمبردار تھے۔
روحانیت کی طرف متوجہ یہ لوگ ہوئے بھی، جب بھی اسی مادیت کی
آلودگی میں رہے، اور نقش، فال وغیرہ عملیات کی سطح سے جب بھی
اونچے نہ ہو سکے!

نیا محاذ جنگ

لکھنؤ سے ایک عالم دین کا خط میونسپل الیکشن
کے دن (۲۷ نومبر کو):—

"آج الیکشن کا دن ہے۔ ہاہا ہی کا زور ہے۔ میدان جنگ آراستہ ہوگا،
ایک فریق اکثریت کو سواد اعظم کا مرادف قرار دے کر خوش ہو رہا ہے، دوسرا فریق
اپنی اقلیت ہی کو دلیل حق بنائے ہوئے ہے..... سیاسی اختلافات
کو مذہبی اختلافات کی حد تک پہنچا دیا، اور اس پر ہر فریق کی طرف سے
یکساں غیر شریفانہ گالی گلوچ عام مسلمانوں کے اندر۔ کیا کہیے کتنے
رونے کی بات ہے۔"

اختلافات کے بھی حدود ہیں اگر اس پر جوش فضا میں فریقین کی سمجھ
میں آ جائیں، تو پھر رونا کس بات کا ہے، اور سب و شتم کی نوبت
ہی کیوں آنے لگے! اگر مصیبت ہے کہ جو دین کے حقائق ہیں، جو احکام
و مسائل شریعت کے جانے ہوئے ہیں ان کی طرف سے تو یکسر غفلت، بیہودہ تساہل
بلکہ بے حسی ہے۔ اور جن چیزوں کا تعلق اصلاً دین سے نہیں، بلکہ محض
تجربہ و بصیرت کی چیزیں ہیں، ان پر زور و شور، اور ان میں شغف
و انہماک!

جامہ بے لباسی

"میلبورن ۲۷ اکتوبر۔ غسل سمندری کا
نیا زنانہ لباس جو فرانس سے چل کر اب یہاں پہنچا ہے، اس نے سارے
ملک آسٹریلیا میں شدید بیزاری کی لہر دوڑا دی ہے۔ سڈنی کی حکومت
نے اس کا پہننا پہلے ہی جرم قرار دے دیا، اور اب برسبین کی عدالت میں ایک
۱۹ سالہ عورت کا مقدمہ پیش ہوا ہے، جو اسے پہن کر سڑک پر نکلی تھی۔
چوراہے پر مجمع لگ گیا۔ اور پولیس والے اس کے لیے چادر اور
کوٹ لے کر دوڑے" (نیوز آف دی ورلڈ۔ لندن۔ ۲۸ اکتوبر)

جس ترقی کے قدم ہندوستان سے بہت آگے آسٹریلیا پہنچ گئے
اسے ہندوستان کے اندر قدم رکھنے اور قدم جمانے میں دیر ہی کیا لگ سکتی
ہے؟ اور پھر یہ عدالت و پولیس کی قید و بند کے دن؟ ——— اور
صیغہ کو مستقبل میں کیوں رکھیے؟ اب کب، صیغہ حال ہی پر ترقیاں،
ہندوستان سے جدا ہو گئی نہیں؟ کم از کم لاہور اور بمبئی کے دیکھنے
والے تو کچھ ایسا ہی بیان کرتے ہیں!

بلا تبصرہ

لندن کے ایک مشہور روزنامہ کی ایک ہی تاریخ کے پرچہ سے دو خبریں۔ بلا کسی تبصرہ اور حاشیہ کے :-

"شمپین (اعلیٰ قسم کی شراب) کے ۱۲-۱۳ پونڈ والے ۳ ہزار بکس فرانس سے ہمارے بندرگاہ ناکسٹن پر پہونچ چکے ہیں (یعنی ۳۶ ہزار بوتلیں) - اور باقی اور آنے والے ہیں۔ کل بکسوں کی میزان رقم ۴۰ ہزار ہے۔ (یعنی ۴ لاکھ ۸۰ ہزار بوتلوں کی) (ڈیلی ایکسپریس ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

"لندن کے ایک اہل قلم کے قلمی معاوضہ کی ایک رقم ایک فرم سنیما کے ذمہ باقی تھی۔ آپ نے ان کو لکھا، اب وہ معاوضہ بجائے نقد کے برانڈی (شراب) کی بوتلوں کی شکل میں دیا شروع کیا ہے" (ایضاً)

قصۂ لیلےٰ و مجنوں

دکن سے ایک قدر داں نواز لکھتے ہیں :-

"حال میں روزنامہ پیام میں فلم لیلیٰ مجنوں پر جو تبصرہ دو کالم کا ایک گریجویٹ خاتون کے قلم سے نکلا ہے، معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں۔ ان خاتون نے اس فلم پر تبصرہ تو برائے نام ہی کیا ہے، قدردانی کا ثبوت لیلیٰ مجنوں کے اصل قصۂ عشق و محبت کا دیا ہے۔ اور ان دو روحوں کی پاک اور بے غرض محبت" کو خوب خوب سراہا ہے۔ عبارت میں رنگینی قدرۃً آگئی ہے۔ اور پیام پر کسی فلمی پرچہ کا دھوکا ہونے لگا ہے۔ کیا آپ خود اس تبصرہ کو بلا تبصرہ رہنے دیں گے"؟

آپ نے بھی کمال ہی کیا، "آرٹ" اور "حسن لطیف" کی سمجھوں میں ایک خشک اور بد مذاق قلم کو الجھا کر آپ اُس سے کچھ کہلوانا چاہتے ہیں؟ تبصرہ کے لیے صفحات پیام کا انتخاب تو سرتاسر قابل داد اور ناقدہ کے حسن ذوق کی دلیل ہے نہ کہ اسکے برعکس کی۔ لیلیٰ اور مجنوں دونوں پر حق اسکے بہ "ڈائری نویس" اور "خطوط نگار" سے بڑھ کر اور کس کا ہو سکتا ہے؟

عرفت ربی بفسخ العزائم

قارئین صدق کو پورے ایک ہفتہ بلا کسی سابق اطلاع کے پرچہ نہ پہنچنے سے جو تکلیف ہوئی ہوگی، اس کے لیے انکی معذرت مع بصد ادب معافی طلب کی جاتی ہے۔ ادھر مسلسل ایسی اصلاحی دشواریاں پیش رہیں کہ پرچہ شائع نہ ہو سکا۔ اب یہ پرچہ دو اشاعتیں ملا کر (یعنے چہارشنبہ ۶ محرم اور چہارشنبہ ۱۳ محرم کا ساتھ ہی ساتھ) کل ۱۶ صفحہ کا شایع کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں ۹ محرم کا پرچہ بھی نکلنا چاہیے تھا، پہلے دفتر صدق کا ارادہ تعطیل محرم لینے کا نہ تھا۔ لیکن پریس کی خرابیوں کے باعث یہ تعطیل لینی بھی ناگزیر ہوگئی۔ امید ہے کہ قارئین صدق دفتر کی معذوریوں کو پیش نظر رکھ کر اس تاخیر کو معاف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ آئندہ پرچہ کی اشاعت میں تاخیر نہ ہونے پائیگی اور پرچہ حسب معمول شنبہ اور چہارشنبہ کو (سویرے سہ شنبہ کے) شایع ہوتا رہیگا۔

مہتمم صدق

نئی کتابیں

(۱) **حبیب خدا** - از الیاس مجیبی صاحب تقطیع خورد، ضخامت ۱۰۴ صفحات، قیمت ۸/ پتہ: بچوں کا بکڈپو - کلاں محل - دہلی۔

بچوں کے لیے سہل زبان اور دلچسپ انداز میں سیرت نبوی و احوال صحابہ، مجیبی صاحب اس سے قبل بھی کئی بار کامیابی کے ساتھ رسالے تحریر کر چکے ہیں۔ زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کی چیزیں قدرۃً وہی ہیں جو سیرت نبویؐ کی دیگر کتب میں ملتی ہیں، لیکن طرز بیان سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ اچھا، اور بچوں اور کم استعداد والوں میں قبولیت حاصل کرنے والا ہے۔ سیرت نبوی کے ذکر کے بعد امہات المومنینؓ کا مختصر تذکرہ اور پتے کی باتوں کے عنوان سے چالیس مختصر احادیث نبوی کا ترجمہ بھی درج ہے۔ (ع۔ق)

(۲) **الطریقۃ الجدیدۃ** - (جزو اول) از مولانا محمد ناظم ندوی استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ضخامت ۱۱۴ صفحات - قیمت درج نہیں پتہ: ادارۂ تعلیمات اسلام، ۳۹ امین آباد پارک لکھنؤ۔

یہ رسالہ ۳۸ سبقوں پر مشتمل ہے۔ عربی زبان سکھانے کے لیے اس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ بغیر قواعد کے مسائل کا ذکر کیے جملوں ہی کے ذریعہ ہر سبق میں کسی نہ کسی قاعدہ کی مشق کرا دی جائے۔ شروع کے سبقوں میں متفرق جملے ہیں اور آخر کے سبقوں میں مسلسل مضامین اور حکایات۔ رسالہ ان طلبہ کے لیے خاص طور پر نافع ہے جو عربی زبان کی تحصیل براہ راست عربی ہی زبان کی وساطت سے کرنا چاہتے ہیں۔ (ع۔ق)

(۳) **محمد علی جناح اے پولیٹیکل اسٹڈی** (انگریزی) از سید مطلوب الحسن - با تصویر - ضخامت ۴۳۹ صفحات قیمت عہ/ پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب انگریزی، کشمیری بازار - لاہور

مسلم رہنمایان قوم کے سوانح و سیاسی کارناموں کے متعلق جب اردو ہی میں کتابیں اس قدر کم ہیں تو انگریزی میں انکے فقدان کا رونا کیا رویا جا سکتا ہے۔ ہندو لیڈران جواہر لال، گاندھی جی وغیرہم کے بارے میں ایک دو نہیں، متعدد کتابیں اور کتابچے ہزاروں کی تعداد میں شائع اور فروخت ہوتے رہتے ہیں، ہندوستان کے اندر بھی اور ہندوستان کے باہر بھی۔ ادھر مسلمان لیڈران میں مولانا محمد علی کی سی عظیم المرتبت شخصیت کی بھی کوئی سوانح حیات انگریزی میں موجود نہیں، پھر اوروں کا کیا ذکر۔ لیکن اب مسلم لیگ کی جد و جہد نے مسلمانان ہند میں جو ملی و سیاسی شعور پیدا کر دیا ہے، اسکا خوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد اور انکے قائدین کے متعلق بھی دونوں زبانوں میں کتابوں کی اشاعت شروع ہو گئی ہے۔ شیخ محمد اشرف تاجر کتب انگریزی مسٹر جناح کی تقاریر کا مجموعہ اس سے قبل شایع کر چکے تھے۔ موجودہ کتاب جو مسٹر جناح کے سیاسی کارناموں کی مفصل

مطالبہ کرتے ہیں کہ تو مجھ کو اپنے خزائن پر متصرف کردے، فرعون مصر آپ کے اس مطالبہ کو منظور کرتا ہے اور آپ اُسکے خزائن پر متصرف ہو جاتے ہیں"

پس اب کیا کوئی شخص دیانت اور امانت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مذکورہ بالا صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام فرعون[1] مصر کی حکومت کے رکن نہیں بنے؟ فرض کرو کہ اس قصہ کے ہیرو حضرت یوسف علیہ السلام نہ ہوتے، بلکہ کوئی اور شخص زید، عمرو، بکر ہوتا اور فرعون کہتا کہ لے آؤ زید کو میرے پاس، میں خالص کر رکھوں اپنے کام میں" پھر جب وہ بات کرتا زید سے تو اُس سے کہتا" واقعی تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر" ازاں بعد زید فرعون سے مطالبہ کرتا کہ مجھ کو اپنے خزانوں پر متصرف کردے" اور فرعون زید کے اس مطالبہ کو منظور کرتا اور اپنے خزانوں پر اسکو متصرف کر دیتا" یہ الفاظ اگر زید اور فرعون کے درمیان بعینہٖ وہ معاملہ پیش آتا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ زید فرعون مصر کی حکومت کا ایک رکن بن گیا؟ اگر زید کی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں کیوں صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ کسی فقرہ یا کسی عبارت کا مفہوم لغت اور نحوی قواعد کی رو سے ایک ہی ہونا چاہیے خواہ اس میں جو فاعل یا [illegible]) ہے وہ زید ہو یا حضرت یوسف علیہ السلام۔

اس کے ساتھ یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت کا مفہوم اصلی وہی ہو سکتا ہے جو لغت عرب کی رو سے اس کا صحیح مفہوم ہے (اگر وہ آیت قطعی الدلالۃ ہے) بلا لحاظ اس امر کے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے مفہوم سے تناقض پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ" ایاک نعبد وایاک نستعین" کے عربی لغت کے لحاظ سے ایک متعین معنیٰ ہیں، یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد و نصرت چاہتے ہیں" اس آیت کے ہمیشہ یہی معنیٰ رہیں گے، خواہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے معنی سے بظاہر تناقض پیدا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق جو آیات قرآن پاک میں وارد ہوئی ہیں ان کے وہ معانی و مفاہیم اختیار کیے جو لغت عرب کی رو سے انکے صحیح معنی اور مفہوم ہیں، نہ انکے مفہوم میں اپنی طرف سے نہ کوئی لفظ اور نہ کوئی نقطہ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے، اور نہ ایسا کرنے کا اس عاصی کو کوئی حق تھا، اور نہ کسی بڑے سے بڑے عالم یا مجدد کو یہ حق ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت میں وہ لفظاً یا معناً کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے۔ یعنی لفظی یا معنوی تحریف کا وہ ارتکاب کر سکے۔

اسکے برعکس مولانا مودودی صاحب کو کلام پاک کے معانی میں تغیر و تبدل، کمی اور بیشی کرنے میں کبھی باک نہیں ہوتا، بشرطیکہ ایسا کرنے سے اُنکے کسی نظریہ کی تائید ہوتی ہو۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے آیت کریمہ" قال اجعلنی علٰی خزائن الارض" الخ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے پہلے مضمون میں فرمایا تھا کہ

"خط کشیدہ فقرے صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ مطالبہ کلی اختیارات کا تھا، اور ملے بھی کل اختیارات ہی"

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ آیت کریمۂ زیر بحث میں "کلی" کا لفظ کہیں نہیں ہے اس لیے اس آیت کی تفسیر میں "کلی" کا لفظ بڑھانا آیت کی معنوی تحریف ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی تنقید میں اس معنوی تحریف کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میرے اس احتجاج کا مولانا پر اتنا اثر ضرور ہوا کہ موصوف نے اپنے موجودہ مضمون میں "کلی اختیارات" کے الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے مگر دوسرے الفاظ اور دوسرے پیرایہ میں بڑے ایچ پیچ کے ساتھ اُسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف سورۂ یوسف کے زیر بحث مقامات سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حضرت یوسف کی دعوت کا خلاصہ سورۂ یوسف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے، جس سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اُنکا بلاوا اربابٌ متفرقون کی بندگی کی طرف نہیں تھا (خدا کا رسول اربابٌ متفرقون کی بندگی کی طرف بلا ہی کیسے سکتا ہے؟ ناقد) بلکہ ایک رب کی بندگی کی طرف تھا۔ ...... یہ تبلیغ وہ قید خانہ ہی میں کر رہے تھے (میں نے خود اپنی تنقید میں یہی عرض کیا ہے، ناقد) اسکے دوران میں یکایک یہ صورت پیش آئی کہ دیانت اور تقوےٰ اور حکمت اور بصیرت کے جو غیر معمولی نشانات اُنکی ذات سے ظاہر ہوئے تھے (کلام پاک کی روایت کے مطابق اسوقت تک جو غیر معمولی نشانات ظاہر ہوئے تھے وہ صرف اسی قدر تھے کہ زلیخا کی دعوت علی الاثم و العدوان کے خلاف آپ ثابت قدم رہے، اور آپ نے اپنے دو ساتھی قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں بیان فرمائی تھیں، جن میں سے قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں تو صحیح ثابت ہو چکی تھیں لیکن فرعون کے خواب کے صحیح یا غلط ثابت ہونے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان روایات سے جتنا کچھ تقوےٰ اور بصیرت یوسف علیہ السلام کی ثابت ہے اسکا اتنا تو ہم پر فرض ہے، مگر اس سے زیادہ کو فرض رکھ کے استدلال کرنا ناجائز ہے۔ یہ دونوں باتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے تقوےٰ اور بصیرت پر دال تھیں، لیکن کیا وہ ایسے معمولی نشانات یا معجزے قرار دیے جا سکتے ہیں کہ انکی بنا پر فرعون اپنی سلطنت کا سب سیاہ و سفید حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دینے کے لیے

---

[1] اس ساری بحث میں بہتر یہ ہوتا کہ فریقین بادشاہ مصر کے لیے لفظ "فرعون" نہ استعمال کرتے۔ قرآن مجید نے "فرعون" کی اصطلاح صرف عہد موسوی کے مصری تاجدار کے لیے استعمال کی ہے، اور اسی کا اتباع بہتر تھا۔ حضرت یوسف کے قصہ میں قرآن مجید برابر لفظ "ملک" لایا ہے۔ طریق اسلم اسی کی پیروی ہے (صدق)

التزام جماعت اور اطاعت امیر

ایک اصولی بحث

(ایک مسلمان کے قلم سے)

مولانا غلام مرشد نے شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

"ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم ہے اگرچہ وہ غیر متقی ہو، ظالم ہو، کوئی ہو۔ بشرطیکہ مسلمان ہو، اور کفر صریح سے اُس کا دامن پاک ہو۔"

اہل علم کے نزدیک امارت و قیادت اور التزام جماعت کے باب میں یہ پوزیشن بالکل مسلم ہے۔ اسلام [illegible] نہیں ہے کہ مسلمانوں کو متقیوں اور فاجروں کی قیادت کا التزام کرنا چاہیے۔ نہ یہ ہے کہ ایسے قائد و سردار اگر نصوص کتاب و سنت کے خلاف بھی حکم دیتے جائیں تو مسلمان انہیں بے چون و چرا مانتے رہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر ایسی ضرورت پیش آ جائے کہ قیادت کی باگ باعتبار علم و عمل افضل کی جگہ مفضول کو مل جائے، اور اُس مفضول کے بعض ذاتی اعمال اعلیٰ اسلامی معیار سے ہٹے ہوئے بھی نظر آئیں تو التزام جماعت اُس وقت تک مقدم ہے جب تک اُس قائد سے کفر صریح کا ارتکاب نہ ہو، ورنہ جماعت دو دن بھی قائم نہیں رہ سکتی اور مسلمان افضل و مفضول کی بحثوں میں پڑ کر مدۃ العمر خانہ جنگی میں مبتلا رہیں گے۔

اس سلسلہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کی مثال پیش کرنا اہل علم کے نزدیک بالکل بے معنی ہے۔ حضرت امام حسین اُس وقت خلافت کے دعویدار بنے تھے جب یزید کی امارت مستحکم نہیں ہوئی تھی، اور عراق کے مسلمان حضرت امام کو بیعت کے لیے خطوط لکھ چکے تھے لیکن جب کربلا اور کوفہ کے درمیان حضرت امام کو معلوم ہوا کہ اہل کوفہ سے بھی بالجبر بیعت لی جا چکی ہے، تو حضرت امام نے کوفی فوج کے افسر کے سامنے تین صورتیں پیش فرمائی تھیں

(۱) مجھے واپس جانے دیا جائے

(۲) سرحد پر جنگ کے لیے جانے دیا جائے

(۳) یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔

لیکن ابن زیاد نے ان میں سے کسی صورت کو بھی منظور نہ کیا، اور اسکی شقاوت و سنگدلی کے باعث کربلا کا واقعہ محزنہ پیش آیا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین خلافت کے دعویدار نہیں رہے تھے، اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر قرار دے کر اُسکی بیعت سے انکاری تھے۔ بلا شائبہ ریب وہ یزید کے مقابلہ میں باعتبار حسن عمل بہت افضل و برتر تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یزید کو جب حضرت امام حسین کی شہادت کی اطلاع ملی اور اہل بیت کا مصیبت زدہ قافلہ دمشق پہنچا تو بعض مورخین کے بیان کے مطابق یزید کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اسنے اس واقعہ پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس فاسق و فاجر یزید کی بیعت کرنے والوں میں حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے مقدس بزرگ شامل تھے، جن کے زہد و تقویٰ اور پاسداری شعائر دین کے متعلق کسی سلیم العقل مسلمان کو ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کے معنی صاف یہ ہیں کہ ثواب اخروی کے اعتبار سے اکرمیت زیادتی تقویٰ پر مبنی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ جب امارت و قیادت کا سوال آئے تو مسلمانوں کو پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عند اللہ اتقیٰ کون ہے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تقویٰ لازماً ہر شخص کو ہر منصب کا اہل نہیں بنا دیتا۔ حضرت سیف اللہ المسلول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں اتقیٰ نہ تھے کہ انکو مختلف اوقات میں فوجوں کی سالاری کا منصب حاصل رہا، بلکہ انکی مہارت حرب اس منصب جلیل کے لیے اولیں خصوصیت تھی۔

اسی طرح آج ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے دور حاضر کے اصول آئین سازی کے مطابق ایک دستور بنانے کا سوال درپیش ہو سکتا ہے کہ سیکڑوں ہزاروں مسلمان باعتبار عمل و تقویٰ سر ظفر اللہ سے افضل ہوں۔ لیکن اس مخصوص کام میں قیادت کا فرض بہ احسن طریق پر وہ انجام دے سکتے ہیں، مولانا حسین احمد یا مفتی کفایت اللہ یا مولانا احمد سعید یا مولانا حفظ الرحمن یا مولانا محمد میاں نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو جنگ کی ضرورت پیش آ جائے تو محض [illegible] اعمال میں تقویٰ یا کتاب و سنت کے احکام و علوم کی معرفت میں برتری کو معیار انتخاب نہیں بنایا جائیگا۔ بلکہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائیگا کہ فنون جنگ میں قیادت کا فرض احسن طریق پر کون انجام دے سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہزاروں سپہ سالار افواج کے مقابلہ میں [illegible] مسلمان زیادہ متقی اور زیادہ دیندار ہوں۔ لیکن انکو اگر فوجوں کی قیادت کا سلیقہ نہیں ہے تو انھیں سالار بنا دینے کا نتیجہ اسکے سوا کیا ہوگا کہ مسلمان قتل ہو جائیں یا خواہ مخواہ ہلاکت میں پڑ جائیں۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مولانا حسین احمد یا مفتی کفایت اللہ صاحب یا انکے ہم خیال بزرگوں کے علم دین اور زہد و تقویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے بھی انکی سیاسی رائے کو کس بنا پر قبول کر لیا جائے درانحالیکہ امت کی اکثریت پر روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ یہ رائے سراسر غلط اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ہر اعتبار سے نقصان رساں ہے۔ یہ بزرگ بزعم خود آزادی کے لیے کانگریس کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ جس شے کے لیے یہ کوشاں ہیں اسے زیادہ سے زیادہ آزادی ہند کہا جا سکتا ہے آزادی ہند نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں کامیابی کا نتیجہ [illegible] یہ ہو سکتا ہے کہ انگریزی اقتدار کی جگہ ہندو اقتدار لے لے [illegible] اسوقت مبتلا ہیں اسی میں مدت العمر [illegible]
[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون	(اور جو سچائی لے کر آیا (زمر) اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبد الماجد
دفتر۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب۔ حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد، پلیس گولہ گنج ۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
" ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ ۳ر

نمبر ۱۵	یوم چہارشنبہ ۱۸ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ - جون ۱۹۴۶ء	جلد ۱۲

سچی باتیں

نئے شاعروں میں جگر مراد آبادی خاصے ہونہار تھے۔ ریڈیو اور مشاعروں میں اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ تازہ اطلاع ہے کہ بمبئی کی کسی سینما میں منسلک ہو گئے ہیں۔ مجروح سلطان پوری کے نام سے اکثر ادبی رسالے پڑھنے والے واقف ہونگے۔ خبر ہے کہ وہ بھی کسی سینما میں چلے گئے۔ جناب حبیب احمد بی اے (علیگ) ریڈیو کے اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر تھے۔ اور سرکاری عہدہ چھوڑ اب وہیں پہنچ گئے۔ مشہور مزاحیہ نگار شوکت تھانوی ایک مدت تک اس کوچہ کی سیر کر چکے۔ ساغر نظامی، بلکہ جوش ملیح آبادی کے مرتبہ و شہرت کے شاعر بھی سینما کو آباد کر چکے ہیں۔ اور جناب جگر مراد آبادی تک پردۂ فلم پر آ چکے ہیں —— یہ نمونہ کے طور پر چند نام مردوں کے ہوئے۔ باقی شریف گھرانوں کی بیویاں اور بیٹیاں، فلاں آئی، سی، ایس جج کی لڑکی اور فلاں خان بہادر کی بہو، جو باقاعدہ فلمی بیسوائی اپنا پیشہ بنا چکی ہیں، اور لاکھوں مسلم و غیر مسلم تماشائیوں کے سامنے اپنے نیم برہنہ جسم کے ناچ سے کھیلنے کو تیار بیٹھی ہوئی تھی، انکے نام اور پتے درج کرنے کی ہمت کہاں سے لائی جائے!

یہی محدود دنیا کے اندر ساری عمر بسر کر لے جانے والے بزرگوں کو کچھ اسکا اندازہ بھی ہے، کہ بڑی اور وسیع دنیا کدھر سے کدھر جا رہی ہے؟ اور بات کہاں پہونچ گئی ہے؟ اکبرؔ تو اپنے زمانہ میں کہہ گئے تھے۔۔

خلقت چلی ہے اُس بُت کافر ادا کے ساتھ
ہم جا پہنچے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ!

جن بیچاروں نے ۳۰ - ۴۰ روپیہ سے زائد کی شکل کسی مہینہ میں نہیں دیکھی ہو، اور انھیں اکبارگی دو ڈھائی سو ماہوار ملنے لگیں، جن کی محدود ماہانہ آمدنیاں کبھی سو ڈیڑھ سو سے آگے نہ بڑھی ہوں، اور جناب انھیں سات سات سو کا مشاہرہ ملنے لگے، تو فرمائیے، وہ کیسے اپنی جگہ قائم و ثابت رہ سکیں گے، پھسلینگے، اور ضرور پھسلینگے، گرینگے، اور یقیناً گرینگے، پھر جبکہ شہرت، عزت، اور طرح طرح کی دوسری مادی لذتیں بھی گاہک پر ہوں! —— جاہ و مال، جب دونوں قوتیں متحد ہو جائیں تو عام اور معمولی آدم زادوں میں سے کس کے قدم انکے مقابلہ پر ٹک سکیں گے؟

—— کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ کانگریسی اور لیگی، احرار و خاکسار، جمعیۃ علماء ہند و جمعیۃ علماء اسلام، حنفی و اہلحدیث، اہل سنت و شیعہ، ہر طبقہ اور ہر خیال کے، نرم و گرم ہر قسم کے مسلمان مل کر غور کریں کہ اس تیز رفتار سیلاب میں غرق ہونے سے ملت کو بچانے کی آخر عملی تدبیریں کیا ہیں؟ کیا قیامت ہے کہ ادنی ادنی جزئی اختلافات پر مذہبی فرقے شد و مد سے قائم ہو گئے۔ سیاسی ٹولیاں ایک دوسرے کی دشمنی میں اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں، لیکن جو چیزیں سب کے نزدیک مسلم ہیں، اور جو فتنے سب کے سب یکساں مہلک ہیں، انکی طرف ادنی توجہ و التفات بھی نہیں!

فرقہ پرستی "یورپ میں"

لندن ۱۸ جون۔ پچھلے انتخابات کے موقع پر مغربی یورپ میں کیتھولک کلیسا نے اپنی قوت کا پورا مظاہرہ کر دیا۔ اور ایک نہیں، چار ملکوں کے چار الکشنوں میں اپنا غلبہ و تفوق مذہب پارٹیوں پر ثابت کر دیا۔ یہ ملک بیلجیم، ہالینڈ، فرانس اور اٹلی ہیں۔

ان میں سب کہیں الکشن کے موقع پر کیتھولک چرچ پارٹی کامیاب تر رہی ہے۔ بلجیم میں صوبائی الکشنوں میں ۶۹۶ نشستوں میں سے ۳۳۳ اسی کے حصہ میں آئی ہیں، اور مرکزی سینیٹ میں بھی اکثریت اسی کو حاصل رہی۔ اور اسکے قبل ۱۹۴۹ء میں بھی کیتھولکوں کو اپنے حریف کے ۱۰۴ کے مقابلہ میں ۱۰۵ جگہیں ملیں، اور سوشلسٹ پارٹی کو ۲۹ اور کمیونسٹ کو ۱۰۔ اور ملیر صوبائی ووٹ ملا کر کیتھولک ۵۰ میں سے ۲۷ ہو گئے، اور سوشلسٹ ۱۴ رہے۔ فرانس کے الکشن کا نتیجہ تو اسی جون میں معلوم ہوا ہے۔ اور حسب ذیل ہے:۔

کیتھولک پارٹی ۱۶۰ نشستیں۔ (۱۰ کا اضافہ)
سوشلسٹ ۱۱۵ " (۳۱ کا نقصان)
کمیونسٹ ۱۲۵ " (۱۲ کا نقصان)

اٹلی میں کیتھولک پارٹی کو ۸۰ لاکھ ۶۷ ہزار ۸ سو ۷۷ ووٹ ملے اور سوشلسٹ ان سے بہت پیچھے رہ گئے۔" (اے پی اے)

= کیا! اس بیسویں صدی کے وسط میں، یورپ کے چار چار ملکوں میں، الکشنی مقابلہ میں ایک مذہبی پارٹی مذہب کے نام پر! اور پھر جیت بھی تابڑ توڑ اسی کی! ——— جیت اور ہار کو چھوڑیے۔ یہی کیا کم ہے، کہ الکشن میں مذہب کا نام لے کر کسی پارٹی کو کھڑے ہونے کی ہمت تو ہوئی!

——— = کیا قیامت ہے کہ ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی لعنت "کمیونلزم" (فرقہ پرستی) جست کرکے سات سمندر پار اٹلی اور فرانس اور بلجیم اور ہالینڈ پر مسلط ہو گئی، اور وہاں کسی کے منہ سے یہ نہ نکلا کہ یہ کیسی قیامتی ارواح ہیں، جو بیسویں صدی میں الکشن کے میدان میں مذہب کا نام لے رہی ہیں!

آج کا دیوبند!

استاذ العلماء مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہٗ کا گرامی نامہ مولانا محمد منظور صاحب (الفرقان، بریلی) کے ایک مکتوب کے جواب میں:۔

"بعض اسی نوعیت کے دوسرے واقعات کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو شاید اس سے کم اثر پذیر نہ ہوتے۔ وہ قضیہ کسی کالج اور اسکول کے طلبہ کا نہیں بلکہ ایک مشہور دار العلوم کے طلبہ کا ہے، جسکے آپ رکن بھی ہیں۔ اس دار العلوم کا ہے جو دین علم اور اخلاق و روحانیت کا مرکز ہے۔ جہاں بخاری کی کتاب الادب پڑھائی جاتی ہے۔ .. دار العلوم کے طلبہ نے اس شخص کے حق میں وہ حرکات کیں، جو اُنکے ادارہ کا صدر اور اُنکے اکثر استادوں کا بلا واسطہ یا بالواسطہ اُستاد تھا۔ فحش اور گندی گالیاں لکھ لکھ کر بھیجیں جو بازاری لوگ بھی استعمال نہیں کرتے۔ کارٹون بنا کر لگائے۔ جنازے نکالے۔ اُس پر لکھا کہ ابوجہل کا جنازہ جا رہا ہے۔ نعروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ۱۵ طلبہ نے قتل کے حلف اُٹھائے۔ محلہ کی مسجد کی دیوار پر لکھا کہ اس مسجد میں نماز جائز نہیں کیونکہ فلاں شخص اس میں نماز پڑھتا ہے۔ نیچی داڑھیوں اور لمبے کرتوں کا مذاق اُڑایا۔ ان حرکات کو دیکھ کر بہت سے اُستاد اور ذمہ دار خوش ہوتے تھے، اور ایسے نالائق مفسدوں کی حمایت وہاں کی سب سے بڑی ذمہ دار مجلس نے برملا کی، جسکے ایک رکن اب آپ بھی ہیں۔ کسی کی زبان سے حرف ملامت بھی نہ نکلا، حالانکہ وہ ان کے

کنٹرول میں تھے۔" (مراسلات سیاسیہ۔ ص ۱۲۳)

لکھا ہے کہ جس کے خلاف یہ سارے نہایت ہی شریفانہ مظاہرے کیے گئے، اُس سے مراد خود حضرت مولانا عثمانی ہی کی ذات ہے۔ مولانا کو اپنے جد امجد حضرت عثمانؓ کا نصیب میسر آ جانا مبارک۔ یہاں مقصود ان کی تسکین و تسلیہ نہیں، مقصود دیوبند جدید کے بعض ان کمالات اور کارناموں کو اُجاگر کرنا نہیں۔

میری رسوائی ہوئی تو کس کی رسوائی ہوئی؟

مقصود صرف اس قدر ہے کہ جن بزرگوں کی کرامات کا بیان علیہ السلام اور رضی اللہ عنہ ہی رہا کرتا ہے، کاش وہ کبھی تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں!

یہ ریڈیو!

محکمۂ آل انڈیا ریڈیو کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۴۵ء میں اعداد شائع ہوئے ہیں، کہ

اس سال محکمہ نے نشری کام ۲۸,۵۴۸ گھنٹے تک کیا۔
اس مدت میں ہندوستانی گانے کیلیے ۲۱,۶۱۵ گھنٹے وقف رہے!

موسیقی میں قید "ہندوستانی" موسیقی کی لگی ہوئی ہے۔ مغربی موسیقی بھی حساب میں رکھ لی جائے، تو کل گانے کے گھنٹوں کی میزان کتنی سوا اور بڑھ جائیگی! گویا کل مدت نشری میں نصف سے کچھ ہی کم صرف گانا بجانا ہوتا رہا، اور نصف سے کچھ ہی زائد انگریزی تقریریں اور دیگر تقریریں، دوسری زبانوں کی تقریریں، مشاعرے، عام خبریں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عین شباب جنگ میں جنگ کی خبریں! ——— اور یہ محکمہ ایک باضابطہ سرکاری محکمہ ہے! ——— رنڈیوں بھڑووں کی آوازیں، اس شدومد کے ساتھ، اس کثرت و تواتر کے ساتھ عام رعایا کے کانوں تک، شریف گھر گھرانوں کے اندر، یوں کھلے خزانے، اس دور سے قبل کب اور کس زمانہ میں پہونچائی گئی تھیں؟

شکاگو دہلی میں

"نئی دہلی۔ ۱۴ جون۔ کل رات کو ۱۱ بجے کے قریب جبکہ کرفیو آرڈر نافذ تھا، دو آدمی موتی ٹاکیز کے قریب اسپلینڈڈ شراب خانہ میں پہونچے، اور اندر داخل ہوتے ہی ایک نے مالک شراب خانہ کو گولی ماردی، اور دوسرے نے نقدی سمیٹنی شروع کردی۔ اور پھرتی کے ساتھ کارروائی کرکے، دونوں آدمی اُسی طرح موٹر پر ہوا ہو گئے! لالہ اشرفی لال (مالک شراب خانہ) اسپتال جاکر مرگئے۔" (اے پی آئی)

سینما اور امریکی طور کے دور دورہ سے قبل کند ذہن مشرقیوں کے دماغ یہاں تک بھلا کہاں پہونچ پائے تھے! ——— زندہ باد تمدن مغربی!

"رجعت پسند" کانگریسی حکومت

"الہ آباد۔ ۳۰ مئی۔ یو۔پی کے وزیر داخلہ مسٹر رفیع احمد قدوائی نے کل ایک اخباری بیان میں کہا کہ پچھلی کانگریسی وزارت نے جیلوں کی اصلاح کے متعلق جو تجاویز تیار کی تھیں، اُنکو جلد ہی نافذ کیا جانے والا ہے۔ ایک اہم اصلاح یہ ہوگی کہ جیلوں سے زنانہ وارڈ توڑ دیے جائیں گے۔" (باقی صفحہ ۹ پر)

نئی کتابیں

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد - از ابو سعید بزمی صاحب صفحات ۴۱۱ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت عہ/ ملنے کا پتہ، اقبال اکیڈمی [illegible] بیرون موچی دروازہ - لاہور

مولانا آزاد بلا شبہ ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں، اُن کے کمال خطابت، انشاء پردازی اور سیاسی و مذہبی علوم بالخصوص اسلامیات پر گہری عبور، حوصلہ ہے اُس سے انکار کرنا گناہ ہے۔ سیاسی دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر کی حیثیت سے روشناس ہیں۔ لیکن دراصل وہ مملکت علم و ادب کے حکمراں ہیں۔

ہندوستان میں مسلم سیاست کے طوفانی دور کی تاریخ جس کی مدت تقریباً بارہ سال یعنی ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۲۴ء تک ہے - "اقبال، آزاد، اور جوہر کی حیثیت مشتری و مہر و ماہ" سے کم نہیں۔ اس دور میں الہلال کے ذریعہ مولانا آزاد نے جس طرح آوازۂ حق بلند کیا تھا، اُسکے نقوش نہ معلوم دلوں پر کب تک تازہ رہیں گے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اقبال اور جوہر کو قضا کے ہاتھوں نے مسلمانوں سے علٰحدہ کر لیا۔

مولانا مسلم سیاست کی کامیابی سے مایوس ہو کر وطنیت اور متحدہ قومیت کی مغربی تحریکوں سے مرعوب ہو کر خود کو مسلمانوں سے اور مسلم تحریکوں سے تقریباً ۲۴ سال سے بالکل غیر متعلق بنا لیا ہے اور ان کے ساتھ وہ رشتے جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں قائم کیے تھے، منقطع کر ڈالے۔ اس لحاظ سے مولانا آزاد کی زندگی کا یہ موجودہ دور مسلم سیاست کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔

بزمی صاحب نے اس کتاب میں مولانا کے علمی تبحر، انکی خوش اخلاقی، خاموش منکرت، گفتگو طرازی، قناعت اور سادگی، حافظہ کی قوت اور سیاسی دور بینی کے متعلق اپنے ذاتی تجربات اور مولانا کے ساتھ ذاتی تعلقات اور ملاقاتوں کی بنا پر جو کچھ بھی اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے، اس میں اگرچہ بعض جگہ مبالغہ کی جھلک نظر آتی ہے جو محبت، خوش عقیدگی اور شخصی عظمت کے رعب کا فطری نتیجہ ہے اور اسلیے قابل معذرت ہے۔ لیکن مولانا کے یہ سب وہ کمالات ہیں جن میں اگر دس گنا مبالغہ سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

البتہ انکی سیاسی زندگی بالخصوص مسلم سیاسیات ہند سے متعلق انکا طرز عمل آج بھی انکے عقیدت مندوں اور پرانے خلافتی رفقاء کار کے لیے ویسا ہی ایک ناقابل حل معمہ ہے جیسا کہ نہرو رپورٹ کے وقت مولانا محمد علی مرحوم کے نزدیک تھا۔ آج مسٹر جناح انکے سیاسی مسلک سے اسی طرح بیزار ہو کر (انکو کانگریس کا آلۂ کار (شو بوائے) سمجھتے ہیں جس طرح آج سے سولہ سال قبل مولانا محمد علی مرحوم انکے طرز عمل سے مایوس ہو کر انکو "ابو السکوت امیر" کہہ بیٹھے تھے۔

بزمی صاحب جیسے مولانا کے ساتھ ایک غیر معمولی عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور "قوم پرور" اخبار "مدینہ" کے اڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اس لحاظ سے انکے ہم مسلک اور ہندوستان میں وطنیت اور متحدہ قومیت کے قیام کے داعی بھی ہیں۔ لیکن خود انکو بھی اسکا اعتراف ہے کہ مولانا صرف ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے کام کر رہے اور مسلم سیاست کی رہنمائی سے کنارہ کش ہوگئے بلکہ انکے کسی طرز عمل پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو مولانا کے جوابات اکثر تسلی بخش نہیں ہوتے۔ چنانچہ انکی "تفسیر ناتمام" کے سلسلے میں جب علماء اسلام نے اعتراضات پیش کیے تو انھوں نے صرف یہ لکھا کہ وہ اپنے مسلک کی توضیح تیسری جلد میں کریں گے جس سے ان اعتراضات کا جواب شافی طور پر مل جائیگا۔ اس پر بزمی صاحب اپنے تاثرات صفحہ ۱۰۰ پر اس طرح پیش کرتے ہیں

"لیکن آج دس بارہ سال ہونے کو آئے، گر نہ تو یہ تیسری جلد شایع ہوئی اور نہ مولانا کا کوئی اور توضیحی بیان"!

ہندوستانی سیاسیات میں مولانا کے مسلک بالخصوص حمایت کانگریس کی توضیح اس کتاب میں جس طرح کی گئی ہے اسکو پڑھ کر نہ صرف ایک غیر جانبدار ناقد بلکہ مولانا کا بڑے سے بڑا پرستار اور معتقد بھی مایوس ہوے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بزمی صاحب کے سوالات کے جوابات جس طور سے مولانا نے دیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی سیاسی عمارت کی بنیاد کسی تعمیری یا ثباتی اصول پر نہیں ہے، نہ حق و باطل کا کوئی معیار انکے سامنے ہے، بلکہ صرف "بغض معاویہ" پر ہے۔ انکی کانگریس میں شرکت اور مسلم لیگ کی مخالفت صرف اس لیے ہے کہ وہ ہندوستان سے انگریزی تسلط کو ختم کرنا مقصود بالذات سمجھتے ہیں اور مسٹر جناح کی قیادت کی سختیوں سے نالاں ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۴۲ پر بزمی صاحب رقمطراز ہیں:—

"اس پر میں نے مسلم لیگ کا ذکر کیا تو مولانا نے پورے جوش کے ساتھ کہا کہ میں مسلم لیگ کے بنیادی اصول اور مسلمانوں کے اس طریقہ تنظیم و اتحاد کو بیحد ضروری سمجھتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ آپ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ لیگ کے نام سے جو تنظیم ہو رہی ہے وہ عملاً رجعت پسند مسلمانوں کی تنظیم ہو کر رہ گئی ہے۔ تاہم آپ نے انجمن میں شامل ہو کر کام کرنے سے اتفاق کیا، بلکہ اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ یا تو لیگ کو ترقی پسندوں کے زیر اثر لائیں اور یا پھر مسلمانوں کی [illegible] منظم کریں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کے قیام اور اس کے بنیادی اصول کو برحق مانتے ہیں۔

پاکستان کے متعلق [illegible] میں اپنی گفتگو مولانا کے ساتھ ہوئی

بیان کی ہے

"میں نے کہا: آپ کو پاکستان پر کیا اعتراض ہے؟
بولے۔ اسوقت اس سوال کو کھڑا کرنے سے انگریز کو مدد ملتی
ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اگر مسلمان چاہیں تو پاکستان
بنا لیں۔ زیادہ سے زیادہ اسوقت ہندوؤں سے یہ لے لیں
کہ آزادی کے بعد وہ پاکستان بنانے میں آزاد ہوں گے"

اس مکالمے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کے بنیادی مطالبہ
پاکستان کے خلاف نہیں ہیں۔ اختلاف صرف حصول کے طریق کار میں ہے۔
لیکن آج جبکہ ہندوستان کو مکمل آزادی ملتے وقت مسلم لیگ کی طرف
سے پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو مولانا صاف اعلان فرما دیتے ہیں
کہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کی بنا پر کوئی حکومت وظیفہ نہیں لی جا سکتی
صرف یہی نہیں بلکہ حال ہی میں مولانا کی جو خط و کتابت وزارتی
وفد کے ساتھ شائع ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے
کہ مولانا نہ صرف پاکستان کے مخالف ہیں، بلکہ مرکز میں ہندو اور مسلم صوبوں
کی باہمی مساوات کے بھی خلاف ہیں۔

مسلم لیگ کے مطالبات کی مخالفت اور کانگریس کی تائید
کیوں ہے۔ بزمی صاحب کی ملاقات کی روداد سے یہ مخالفت اس لیے
معلوم ہوتی ہے کہ مولانا کانگریس کی حمایت کو بذات خود برحق سمجھتے ہیں،
بلکہ اس لیے کہ مسٹر جناح نے ایک مرتبہ انکو "شو بوائے" کہکر
خطاب کر دیا تھا — گویا کہ مولانا کی تمام پالیسی اور انکی ساری سیاسی
زندگی صرف مسٹر جناح کی زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ کا رد عمل
ہے۔ قوت ارادی اور ایمان کی کمزوری کی اس سے بدتر مثال ملنی
مشکل ہے — بزمی صاحب صفحہ ۱۱۴ پر اپنے ان تاثرات کو ان
الفاظ میں پیش کرتے ہیں :—

"بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شاید کانگریس سے
علیحدہ ہو جاتے، بلکہ شاید وہ لیگ کی تائید بھی کرنے لگتے
لیکن جناح صاحب کے ایک لفظ "شو بوائے" نے وہ کام
کیا جو بڑے سے بڑے زہریلے تیر نہیں کر سکتے"

بزمی صاحب نے بظاہر مولانا کی موافقت میں ان واقعات کو بیان
کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی نجی گفتگو کے جوابات کو شائع
کر کے انھوں نے مولانا کی شخصیت کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ اور اگر
واقعی یہ کلمات مولانا کے خیالات کی صحیح ترجمانی ہوتے ہیں تو اس
سے بڑا سانحہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ جو شخص اب سے ۳۰-۳۲ سال
پہلے ہندوستان میں قیام اسلام کی دعوت لے کر کھڑا ہوا تھا آج وہ
زندگی کی اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اپنی مکمل دعوت انقلاب اور
سیاسی لائحہ عمل کو مسٹر جناح کی مخالفت اور مسٹر گاندھی کی کورانہ
تقلید میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کا جو اثر مولانا آزاد
کی سیاست پر ہے اس کا ذکر بزمی صاحب صفحہ ۱۲۳ پر اس طرح
کرتے ہیں :—

"غرض گاندھی جی اپنی اس صفت کی وجہ سے مولانا
آزاد کی رائے کو ہمیشہ یا تو اپنی مرضی کے مطابق بنا لیتے ہیں
اور یا اسے اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مولانا ان پر غصہ
نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی صحبت نے گاندھی
جی کی رائے کو اتنا متاثر نہیں کیا جتنا خود مولانا ان کی
رائے سے متاثر ہوئے ہیں"

بزمی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد
اپنی خاموش فطرت کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے بلکہ عقیدۃً وہ
گاندھی جی کو اپنا سیاسی امام و پیشوا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ رام گڑھ
کا خطبۂ صدارت مولانا ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں

"آج ہماری ساری کامیابی کا دار و مدار تین چیزوں
پر ہے، اتحاد، ڈسپلن، اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر
اعتماد۔ یہی ایک تنہا رہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا
شاندار ماضی تعمیر کیا ہے اور صرف اسی سے ہم ایک
فتح مند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں"

بہرحال کتاب (جو در اصل رسالہ پیام حق جولائی و ستمبر ۱۹۴۶ء کے
چند مضامین کی کتابی شکل ہے) بزمی صاحب کی نظر کے لیے دلچسپ
اور مولانا کے معتقدین کے لیے عبرت کا ایک مرقع ہے۔

(عبدالوحید خان بی اے ایل ایل بی لکھنؤ)

(۲) انتخابات اور رائے دہی۔ ضخامت ۶۰ صفحے تقطیع سائز
معمولی کتابت و طباعت قیمت مجلہ طیلسانین۔ دفتر مجلس
نمائش تاریخ نامہ حیدرآباد دکن۔

جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹوں (طیلسانین) نے اپنے ممبروں کے قلم سے
مقالوں کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے جس میں: علمی، معاشی، ادبی،
سیاسی اور اسلامی ہر قسم کے موضوع شامل ہیں۔ پیش نظر رسالہ
اس سلسلہ کی ابتدائی کڑی ہے۔ اس علمی خدمت پر انجمن اور
اسکے ارکان قابل مبارکباد ہیں اور دوسری یونیورسٹیوں کے لیے
قابل تقلید ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں سیاسیات کے ایک نہایت اہم مسئلے پر مصنف
نے قلم اٹھایا ہے۔ پہلے حصہ میں اسکے نظریات سے بحث کی ہے اور
اس ضمن میں انتخابات، حق رائے دہی، سیاسی جماعتوں کی رائے دہی
کی صلاحیت، اسکے مختلف معیار، جداگانہ اور مخلوط انتخابات، رائے
دہی کے مختلف طریقے، انتخابات کی تفصیل، انتخابی مہم، پولنگ کے حالات
غرضکہ تمام ضروری چیزوں کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں
ریاست حیدرآباد کے انتخابی طریقہ کو مع اسکی تفصیل کے بیان کیا ہے۔ مجالس
مقامی، مجالس بلدیہ، مجالس اضلاع وغیرہ کا جو ذکر آگیا ہے۔ یہ
رسالہ ایک بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ عوام کی سیاسی تربیت اور ان میں
صحیح واقفیت پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ
سے اسکی کوشش کی گئی ہے۔ اسکی افادیت اور زیادہ ہو جاتی اگر
زبان سلیس اور عام فہم ہوتی اور نا مانوس سیاسی اصطلاحات خاص کر
حیدرآبادی اصطلاحات مثلاً ذالیان سمستان کی تشریح کر دی جاتی اور ملے

اصول تکفیر وضروریات دین

نمبر (۱۳)

(از مولوی عبدالرحیم صاحب جے پوری۔ فرنگی محل لکھنؤ)

ولا ینبغی ان یظن ان التکفیر ونفیہ ینبغی ان یدرک قطعاً فی کل
مقام بل التکفیر حکم شرعی یرجع الی اباحۃ المال وسفک الدم والحکم
بالخلود فی النار فمأخذہ کمأخذ سائر الاحکام الشرعیۃ فتارۃ یدرک بیقین
وتارۃ بظن غالب وتارۃ یتردد فیہ۔ ومہما حصل تردد فالوقف فیہ عن التکفیر
او تغلب علی طباع من یغلب علیہم الجہل الی ان قال فقد فہمت من ہذہ التکفیرات
ان النظر فی التکفیر یتعلق بامور احدہا ان النص الشرعی الذی عدل بہ عن
الظاہر ہل یحتمل التاویل ام لا فان احتمل فہل ہو قریب ام بعید، ومعرفۃ ما یقبل
التاویل وما لا یقبل التاویل لیس بل لا یستقل بہ الا الماہر الحاذق فی
علم اللغۃ العارف باصول اللغۃ ثم بعادۃ العرب فی الاستعمال فی استعاراتہا
وتجوزاتہا ومنہاجہا فی ضروب الامثال، الثانی فی النص المتروک
انہ ثبت تواتراً او آحاداً او بالاجماع المجرد فان ثبت تواتراً فہو علی شرط
التواتر ام لا اذ ربما یظن المستفیض تواتراً وحد التواتر ما لا یمکن الشک فیہ
کالعلم بوجود الانبیاء ووجود البلاد المشہورۃ وغیرہا وانہ متواتر فی
الاعصار کلہا عصراً بعد عصر الی زمان النبوۃ فلا یتصور ان یکون قد نقص
عدد التواتر فی عصر من الاعصار وشرط التواتر ان لا یحتمل ذلک کما فی
القرآن اما فی غیر القرآن فیغمض مدرک ذلک جداً ولا یستقل بادراکہ الا
الباحثون عن کتب التواریخ واحوال القرون الماضیۃ وکتب الاحادیث
واحوال الرجال واغراضہم فی نقل المقالات اذ قد یوجد عدد التواتر
فی کل عصر ولا یحصل بہ العلم اذ کان یتصور ان یکون للجمع الکثیر رابطۃ فی
الاتفاق لا سیما بعد وقوع التعصب بین ارباب المذاہب الی ان قال
وما یستند الی الاجماع فدرک ذلک من اغمض الاشیاء الی ان قال وقد
صنف ابوبکر الفارسی رحمہ اللہ کتاباً فی مسائل الاجماع وانکر علیہ کثیر منہ و
خولف فی بعض تلک المسائل فاذاً من خالف الاجماع ولم یثبت عندہ
فہو جاہل مخطئ ولیس بمکذب فلا یمکن تکفیرہ والاستقلال بمعرفۃ التحقیق
فی ہذا لیس بیسیر۔

عبارت مذکورہ بالا سے منجملہ دیگر امور کے جن سے اس احقر کے اکثر
معروضات سابقہ کی تائید ہوتی ہے۔ یہ امر صاف ہو گیا کہ جس طرح حضرت
شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے "دلیل نص قرآنی کو" بشرطیکہ ان یکون نصاً صریحاً
لا یحتمل التاویل" کی قید کے ساتھ مقید کیا تھا اسی طرح دلیل سنت متواترہ کو
بھی "بشرطیکہ ان یکون السنۃ لا یحتمل التاویل" کی قید کے ساتھ مقید ہونا چاہیئے
اور یہ کہ تواتر معنوی سے جو امر ثابت ہو اسکا انکار خواہ منجر الی تکذیب رسول
نہیں (ورنہ انکار شفاعت، انکار رویت وغیرہا کی وجہ سے معتزلہ کی تکفیر لازم
آتی ہے) اس لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عبارت میں "المتواتر لفظاً"
کے ساتھ "او معنی" غزالی کے مسلک کے لحاظ سے کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا،
اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عقلیات اور فقہیات کے سلسلہ میں تکفیر کے بجائے
"تخطیہ" مناسب ہے اس لیے حضرت شاہ رحمہ اللہ کی عبارت میں "مطلقاً
من العقلیات" کا اضافہ غزالی کے مسلک کے موافق نہیں، اور یہ بھی معلوم
ہوا کہ مطلق مجمع علیہ ایسا نہیں کہ جسکے منکر کی تکفیر کی جائے ورنہ سب سے
پہلے اجماع کو حجت قطعیہ نہ ماننے والے کی تکفیر ہونی چاہیے، اور یہ بھی
معلوم ہوا کہ خلافت شیخین کا انکار بھی موجب تکفیر نہیں، پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ
کا تحریم بنات و امہات کے انکار اور خلافت شیخین کے انکار کو بھی یکساں
سمجھکر قرار دینا کہ "ولا شبہۃ ان من انکر امثال ہذہ الامور لم یبق ایمانہ
بالکتاب المبین" اسے محض انکی رائے تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر
دوسروں کے لیے وہ حجت نہیں جبکہ غزالی ایسا شخص اسکے موافق نہیں۔
اور اس معاملہ میں دوسرے محققین بھی غزالی کے ہم آواز ہیں۔ بنا بریں حضرت
شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے ضروریات دین کا جو ضابطہ
بنایا جائے (اس صورت میں بھی کہ جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت
مذکورہ کی وہی تشریح اور توضیح ہو جو مولف اکفار الملحدین کے کلام سے
اور انکی اتباع میں مولانا بنوری کے کلام سے مستفاد ہوتی ہے) وہ ضابطہ
مسلمانوں کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ ضابطہ "ضابطہ مسلمہ" نہیں بن جائیگا، زیادہ
سے زیادہ اسے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے قرار دیا جائیگا
جس میں وہ منفرد بھی نہیں، بسلسلۂ تکفیر کتب فتاوی میں جو جزئیات
موجود ہیں ان سے اسکی تائید ہو سکتی ہے، مگر ان جزئیات کا حال اوپر
ملا علی قاری کی عبارت سے بیان ہو چکا ہے۔

اصل یہ ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ضروریات دین کا انحصار ان
ہر سہ امور میں بتانا شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا مقصد سمجھنا چاہیے (نہ یہ کہ
کہ ان ہر سہ امور کا انحصار ضروریات دین میں) ورنہ شاہ صاحب رحمہ اللہ
کی عبارت شائبہ کذب سے خالی نہیں رہتی (العیاذ باللہ) کیونکہ شاہ صاحب
رحمہ اللہ خبر دے رہے ہیں کہ ضروریات دین ان لوگوں کے نزدیک (علماء
اہل حق کے نزدیک) فلاں فلاں امور میں منحصر ہیں (بہ تشریح مولانا بنوری
فلاں فلاں امور میں سے ہر ایک ضروریات دین میں سے ہوتا ہے) لفظ
"عندہم" سے بظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ علماء
کا مسلمہ مسلک بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ محققین کے کلام سے
یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان کردہ
خیال علماء کا مسلمہ مسلک نہیں ہے۔ ([illegible])

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

گاندھی جی اور عقیدۂ نبوت

از علامہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

مکرم و مخدوم — السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ صدق بھی مسلسل ادھر مل رہا ہے۔ گاندھی جی سے اپنی ملاقات کا ذکر آپ نے خوب موقعہ پر فرمایا ہے۔ اپنے کسی عریضہ میں اسی مسئلہ کے متعلق پہلے بھی عرض کرچکا ہوں۔ آپ سے مزید علم رسالت کے متعلق ہوا۔ آپ سے بڑی شہادت اس کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گاندھی جی "ہادی عالم" تسلیم کرچکے ہیں۔ باقی ہادی عالم کا مطلب اُنکے نزدیک کیا ہے؟ اگر وہی مطلب ہے جو ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ یعنی حق سبحانہ تعالیٰ سے براہ راست غیر مشکوک علم لے کر دنیا میں تقسیم کرنے والوں کو ہم رسول سمجھتے ہیں۔ اگر "ہادی" کے لفظ سے گاندھی جی کی بھی یہی مراد ہے تو "عالم" کے اضافہ کے بعد "نبوت محمدیہ" کی چند اہم خصوصیتوں میں سے جو سب سے بڑی اہم خصوصیت ہے۔ گاندھی جی اُس خصوصیت کو بھی گویا تسلیم کرچکے ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے دعووں کے باوجود نبوت کے دعوے کا اعلان گاندھی جی کی طرف سے اب تک جو نہیں ہوا ہے، اسکو دیکھ کر تو مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ تشریعی طور پر نہ سہی شاید تکوینی طور پر انکو بھی محسوس ہو رہا ہے کہ "دعوے نبوت" کا وقت اب باقی نہیں رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ اپنے طرز عمل سے نبوت محمدیہ کی دوسری خصوصیت یعنی "ختم نبوت" سے بھی انکا انکار نہیں پایا جاتا۔ مگر با اینہمہ مطلب صاف یہ ہے کہ عالم کے ہادی کی ہدایت کا رخ گاندھی جی خود اپنی طرف اور اپنی قوم کی طرف کیوں نہیں سمجھتے۔ یقیناً عالم میں گاندھی جی اور انکی قوم بھی داخل ہے۔ آخر لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احترام و تعظیم، مدح و تعریف کے الفاظ لکھا کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ خود اپنے لیے اس "نبوت عالیہ شاملہ" پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کی تعریفی و تعظیمی الفاظ کی کوئی توجیہ ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ آدم کی اولاد میں شریک ہونے کے بعد گذشتہ تیرہ صدیوں میں نجات کو واحد وابستہ نبی العالم کی نبوت پر ایمان لانا اگر وہ ضروری نہیں قرار دیتے تو اسکے معنی یہی ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر دعاوی میں یعنی میں کافۃ الناس کے لیے رسول ہوں، یا "یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (لوگو، میں تم سب کی طرف رسول ہوں) وغیرہ میں ایک غیر واقعی امر کا مدعی سمجھا جائے، یا صاف لفظوں میں کہنا چاہیے کہ آپ کی صداقت کو مشتبہ قرار دیا جائے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غلط بیانی یا دروغ گوئی کا الزام جس پر لگایا جائے۔ اور جھوٹ ہی کیا؟ خالق کائنات پر افترا — معاذ اللہ — تو سارے جہان، اور ہر فرد انسان کے لیے آپ کو نبی نہیں بنایا گیا تھا لیکن اپنی طرف آنحضرت کا یہ منسوب کرنا کہ اسی نے سارے عالم کا آخری پیغمبر مجھے بھیجا ہے سمجھا جائے کہ جھوٹ کی اس سے بھی زیادہ مکروہ ترین صورت اور کیا ہوسکتی ہے۔ بس یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کے دعوی کی تکذیب کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی گنجائش اپنے قلب میں کس طرح پیدا کرلیتے ہیں۔ مجھے انکا یہی طرز عمل یہ یاد کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ زبان و قلم سے یہ جو کچھ کہتے ہیں صرف زبان و قلم سے کہتے ہیں۔ دل بھی انکا اس بیان میں زبان و قلم کا ہمنوا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ وہ بھی اسی طرح اپنا محبوب پیغمبر مان لیتے۔

اس قسم کا ایک طبقہ شاید ہمیشہ پایا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تو مانتا رہا ہے۔ لیکن اپنا نبی نہیں مانتا۔ ابن صیاد جسکے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ "المسیح الدجال" کی کوئی مثالی شکل تھی، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دریافت فرمانے پر کہ میں کون ہوں اُس نے جواب میں یہی کہا تھا کہ

انک لرسول الامیین — تم امیین (ام القریٰ والے عربوں) کے پیغمبر ہو۔

تاہم کچھ ہو، اصل مسئلہ جس نے محمد کی جماعت کو دوسری جماعتوں سے جدا کر رکھا ہے، وہ خالق اور مخلوقات کی عبادت کا مسئلہ ہے۔ ہم محمد والے، خالق کے سوا مخلوق کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں، وہی جسکے خمیازوں سے فطرت کبھی درگزر نہیں کرسکتی۔ دوسرے الفاظ میں بجائے مخلوقات کے صرف خالق ہی کے لیے اپنے آپ کو سمجھنا محمدی پیغام کی روح

سے بھی نہیں، یہی تو اصلی فرق ہے۔ اور اگر گاندھی جی وہی سمجھنے لگیں جو ہم آپ سمجھتے ہیں، تو پھر وہ مسلمان ہی نہ ہو جائیں۔

انکے اصلی انکار کی چیز یہی مسئلہ وحی ہے۔ وہ وحی کے اس معنی میں قائل ہی نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے براہ راست اور غیر مشکوک، قطعی علم ہے۔ بلکہ وہ وحی کے صرف اس حد تک قائل ہیں، جیسے ہم آپ بزرگوں کے کشف یا زیادہ سے زیادہ الہام کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر انسان، بلا استثناء، ناقص ہے۔ اور جب ناقص ہے، تو اسکا کوئی بھی علم بالکل قطعی و غیر مشکوک نہیں ہوسکتا۔ بس ریاضتوں اور روحانی مشقوں سے اتنا ہوتا ہے کہ انسانیت میں ایک جلا پیدا ہو جاتی ہے، اور انسان کی اشرافیت بڑھ جاتی ہے۔ اسکے آگے کوئی مرتبہ نہیں —— گویا پیمبر انکے خیال میں بس وہ مرتبہ رکھتا ہے، جیسے ہمارے خیال میں شیخ سعدی یا شاید زیادہ ۴

۴ خواجہ اجمیری۔ ایک صاحب اخلاق "مرتاض" بزرگ۔ لیکن نہ ایسے کہ جنکا ہر ہر لفظ ہمارے لیے سند و حجت ہو۔

وحی رسالت کے تخیل اور ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کے عقیدہ سے یہ لوگ محروم ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ چونکہ توحید بھی انکی ناقص قسم کی ہے، اس لیے یہ گمراہی دور تک چلی جاتی ہے۔ یعنی صفات الٰہیہ کے فہم ناقص سے۔

شرک محض اور الحاد و جحود سے اتنا عقیدہ بھی بہت غنیمت اور ہزار درجہ بہتر ہے، لیکن وہ توحید و رسالت ہمارے معنی میں کہاں نصیب! (عبد الماجد)

اور گاندھی جی آپ کے سامنے اس توحید کا اقرار کر چکے ہیں۔ لیکن کچھ پتہ نہیں آتا کہ باوجود اس اقرار کے، انکے دل میں اسی خالق کی مرضیات سے واقف ہونے کا جذبہ کیوں نہیں ابھرتا جسکے لیے سب آپ کو اپنی زندگی اور موت کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم خالق ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں آخر یہ بے معنی الفاظ تو نہیں ہیں۔ جسکے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اس سے یہ دریافت کرنا کہ آخر ہم کیا کریں، کیا ضروری نہیں ہو جاتا۔ خود اپنی عقلی ڈھکوسلوں سے باتوں کا پتہ چلانا، اور انکو خدا کی طرف منسوب کر دینا، یعنی سمجھ لینا کہ خدا ان باتوں سے خوش ہوتا ہے یا ان سے ناخوش ہوتا ہے، خدا پر کتنا بڑا افترا اور شان الٰہی کے ساتھ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر جسارت یہ ہے، کہ قطعی طور پر جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ خدا کی خاص مرضیات کی تعیین نہیں کرتیں سیر یا اتفاقاً وہ ان مذہبی کتابوں کی طرف ہے۔ منسوب کرنے والے جنھیں خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کہ توراة و انجیل وغیرہ۔ کیا خود یہ منسوب کرنے والے نہیں جانتے کہ ان کتابوں کی ہر بات کو خدا کی طرف منسوب کرنا، خدا پر افترا ہے۔ کیونکہ وہ قطعاً جانتے ہیں کہ ان کتابوں کی بہت سی باتیں خدا کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی ہیں جنھوں نے خدا کے کلام کو اپنے کلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ اور ناقابل انکار قطعی یقین کے بعد، ان ہی کتابوں کو یعنی کتابوں کی باتوں کو خدا ہی کی طرف منسوب کرنا، اور انکو خدا کی مرضیات کی ظاہر کرنے والی کتابیں قرار دیتے ہوئے اس کتاب سے تغافل اختیار کرنا جسکے متعلق یہی یقین ہے جو اسے خدا کی کتاب مانتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں کو ابھی اس میں تردد ہے کہ [illegible] وہ بھی اس اعتراف پر مجبور ہیں، کہ پیش کرنے والے نے دنیا کے سامنے جس حال میں اس کتاب کو پیش کیا تھا، قطعاً بغیر کسی رد و بدل و حرف تفاوت و تغیر کے آج دنیا میں وہ موجود ہے میرا اشارہ

"ذالک الکتاب لا ریب فیہ"

کی خصوصیت رکھنے والی کتاب یعنی قرآن مجید کی طرف ہے۔ گاندھی کی شہادت کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی عالم ہیں، اگر واقعی شہادت ہے۔ تو پھر کون سی چیز انکو روک رہی ہے کہ جس خالق کے لیے اپنے آپ کو وہ سمجھتے ہیں۔ اسکی "خالص مرضیات" کا علم اسی لاریب کتاب سے حاصل کریں، خود اپنی عقل کی تراشی ہوئی باتوں کو وہ خدا کی بات آخر کب تک قرار دیتے رہیں گے۔ جن باتوں میں خدائی باتوں کے ساتھ باتیں شریک ہوگئی ہیں۔ انہی کو خدائی باتیں وہ کب تک یقین کرتے رہیں گے۔ انکا اصرار بیجا اصرار اگر یہ ہے کہ خدا کی ان باتوں کو وہ مانیں گے۔ جو انکے نسلی بزرگوں کے ذریعہ سے پہونچی ہیں۔ تو اس نقطہ میں بھی کامیاب ہونے کی تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ سارے نسلوں کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں ہادیوں اور پیغمبروں کے ذریعے جو کچھ دیا گیا تھا، ہر قسم کی غیر خدائی آلائشوں سے پاک کر کے، پھر انہی باتوں کو خود خالق تعالیٰ نے اپنی جس آخری کتاب میں سمیٹ کر محفوظ کر دی ہے اسی کتاب کو وہ مان لیں۔ گاندھی جی کو انکے نسلی بزرگوں کی ساری باتیں بالکل تر و تازہ حالت میں یہی قرآن واپس کر دیگا، اس طرح واپس ملے گا، جیسے عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی تعلیم، اور یہودیوں کو حضرت موسیٰ کی تعلیم اسی کتاب کی راہ سے واپس مل چکی ہے۔

مذہب کے ان ہی لازوال حقائق میں جو مذہب کے غلط نمایندوں نے انسانوں کی اوہام کی تاریکیاں پھیلا کر انکو مشتبہ کر دیا ہے۔ قرآن ان ہی تاریکیوں کو چھانٹ کر ان ہی حقائق کو انسانی یقین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بجائے یقین کے شک کی شکلوں میں ان ہی حقائق کے ماننے پر لوگ کیوں اصرار کر رہے ہیں۔ [illegible] اگر آپ کا شک یقین کے قالب میں ڈھل جاتا ہے، تو اس یقین کے لینے سے گریز کی آخر وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ان ہی باتوں کو جنھیں [illegible] سے الگ ہو کر شک کی شکلوں میں اب مان رہے ہیں، کیوں نہیں [illegible] ایمان لا کر ان ہی کے ساتھ یقین کا تعلق اب پیدا کر لیتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲

اور انکے بجائے صد بہ بھر کی عورتوں کے لیے ایک الگ اور مخصوص جیل بنایا جائیگا۔" (سٹیٹسمین ہیرالڈ۔ ۱۲ مئی)

گریہ عجیب مایوس کن اور افسردگی انگیز سی خبر ہے! کانگریسی حکومت کے آجانے سے توقع تو مزید ترقیوں کی قائم ہو رہی تھی، اور خیال یہ ہو رہا تھا کہ روشن خیالی" زنانہ اور مردانہ کی تفریق ہی سرے سے مٹا کر ایک ہی جیل مردوں عورتوں دونوں کے لیے کافی سمجھیگی، اور دلائل اس قسم کے پیش ہونگے کہ بحیثیت مجرم عورت و مرد میں فرق ہی کیا؟ اور جب یکجائی کے تجربے دفتروں اور کچہریوں میں ہو چکے، اسکولوں اور کالجوں میں ہو چکے، تو پھر جیل میں علیحدگی کے معنی کیا؟ لیکن یہ کیا، کہ یہاں تو الٹی گنگا بہنے لگی، اور رجعت پسندی کا ستارہ چمکنے لگا!

بقیہ صفحہ ٦

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ، مولف "انقاد الملحدین" نے اُسکی جو تشریح کی ہے اسکی تفریع کی ہے اسکو نقل کے بعد مولانا بنوری ارشاد فرماتے ہیں"۔ "ان تشریحات سے ضروریات دین کی حقیقت واضح ہوگئی۔ بات تو بہت لمبی ہوگئی لیکن توقع ہے کہ طالب تحقیق کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوگی" بشرطیکہ مولانا بنوری نے ابتک جو کچھ بیان کیا ہے طالب حق صرف اسی پر اکتفا نہ کرے، اسکے ساتھ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اسے بھی پیش نظر رکھے۔ ابتک ضروریات دین کی حقیقت تشریح و توضیح ہے، بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب قول فیصل (جسکا فیصلہ صدق نمبر ۲۰ جلد ۱۱ میں شایع ہو چکا ہے)۔ مولانا بنوری "قطعیات" اور "ضروریات دین" ان دونوں میں مساوات کے قائل ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں .... قطعی کا ضروریات دین میں سے ہونا ضروری نہیں ہے خصوصاً جب یہ بھی مسلم ہو کہ ضروریات دین میں تاویل بھی مانع تکفیر نہیں۔ یا شاید مولانا بنوری نے ضروریات دین اور لوازم دین کو مفہوماً متحد سمجھ لیا ہے اگر ایسا ہے تو یہ "ضروریات" کی بحث نہیں، ضروریات دین کی حقیقت سے اگر کچھ نقاب اٹھتا ہے تو فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ للغزالی کے ذریعہ نہ کہ مولانا بنوری کے بیان کیے ہوئے "بے ضابطہ" ضابطے سے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

ڈائنامیٹ ۱۲ گولہ کی گاڑیاں لائن پر شنٹ کر رہا تھا، کہ دفعتاً زمین پھٹ گئی اور پوری ٹرین مع ڈرائیوروں کے ۱۰۰ فٹ گہرے شگاف میں گھس کر رفتہ بالکل نظر سے غائب ہو گئی۔ اس حادثہ کی تفصیل کوئی ایک ہی گزر جانے پر اب دار العوام (ہاؤس آف کامنز) میں بیان کی گئی"۔

(ڈیلی میل۔ لندن۔ ہفتہ وار ایڈیشن۔ ۱۳۔ اپریل ۳۶ء)

"شکاگو۔ ۶۔ جون۔ کل رات کو شہر میں ایک ایسے ہولناک حادثۂ آتش زدگی سے دوچار ہونا پڑا، جس کی نظیر شہر کی تاریخ میں تو ملتی۔ لاسیل ہوٹل شہر کا ایک مشہور و معروف ہوٹل ہے۔ ۲۳ منزل اونچا، اور عین قلب شہر میں ایک متمول اور فیشن ایبل رقبہ میں۔ اسکے سب سے نیچے کی منزل میں شراب کے کمرے میں کسی نامعلوم سبب سے آگ لگی اور آگ بجھانے کے سارے آلات اور سامانوں کے باوجود بھی پورا ہوٹل جلنا شروع ہو گیا۔ سیڑھیاں مسدود ہو گئیں، اور چاروں طرف بال تو ڑ تن گئے۔ مرد اور عورتیں اور بچے سب نے چلّانا شروع کر دیا، اور ہر طرف وہ چیخ پکار بلند ہوئی کہ سننے والوں کے کلیجے شق ہو ہو گئے۔ ۱۱۰۰ آدمی بچا لیے گئے۔ ۲۰۰ ہوٹل نواز اور ۳۰ آگ بجھانے والے بُری طرح جھلسے۔ اور ۵۵ ہوٹل نواز اور ایک آگ بجھانے والا شما ختم ہو گئے۔ حادثہ کا سبب اب تک نامعلوم ہے"۔

(اے۔ پی۔ اے)

ذرا آواز دیجیے بوڑھے اکبر کو جو یہ دا گئے ہیں ؎

حادثے اپنے طریقوں پر گزرتے ہی رہے
کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے!

اور یہ بھی سنا گئے ہیں ؎

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی!

معلوم ہوا افریقیہ اور ایشیا ہی نہیں، برطانیہ اور امریکہ تک بھی حکومت اسی خدا کی اب تک قائم ہے! ... واقعہ، جو حادثہ جب اور جہاں جس صورت میں پیش آنا ہوتا ہے، بعینہٖ اسی طرح پیش آکر رہتا ہے اور ان تدبیر کی بڑی سی تدبیریں سب مل کر بھی تقدیر کے نوشتہ کا ایک شوشہ ایک نقطہ نہ مٹا سکنے پر قادر ہیں، نہ ہٹا سکتے ہیں!

ستم ایجاد امریکہ!

امریکہ سے خبر آئی ہے کہ وہاں کے محکمہ بحری نے ایک دوسرا آلہ ایٹم بم سے بھی بڑھ کر اور مہلک تر ایجاد کر لیا ہے۔ یہ گویا اس ایٹم بم کی خاکستر (راکھ) ہے! اسکے ننھے خوردبینی ذرات میں سے ہر ذرہ بجائے خود مہلک ہے۔ امریکی مشینیں یہ سالہ ہا ہزار پونڈ کی مقدار میں ہر روز تیار کر سکتی ہیں! اور اسکے ۲۵ کروڑ ذروں سے ۲۵ ہی کروڑ افراد بالکل اچانک اور بے خبری میں ہلاک ہو سکتے ہیں۔ نباتات، سبزہ زار، درختوں کے تخم، سب کے حق میں یہ زہر کی پڑیا اسی قدر مہلک ہے!

چنگیز، ہلاکو، نیرو، اٹیلا، دارا، غرض مشرق و مغرب کے جتنے بھی ظالم و سفاک فرماں رواؤں کے نام یاد پڑے، سب کو خیال میں لے آئیے۔

اور پھر یہ سوچیے کہ وہ سب مل کر بھی اس حیرت انگیز وحشت انگیز ہولناک دوا والی اور یقینی طور پر تباہ کن صفائی کا مقابلہ کر سکتے ہیں! تو پوں کے ادھم مچانے والے شیر اور بھیڑیے اور ریچھ اور گینڈے اور تیندوے، سمندر میں رہنے والے گرمچھ اور گھڑیال، غرض جنگلی اور آبی جتنے بھی درندے آج تک ہیں ان سب کی مجموعی تعداد بھی ہلاکت آفرینی میں "صاحب" کی اس ایجاد کے مقابلہ میں لائی جا سکتی ہے؟ شاعروں نے بڑی بلند پروازی کی، آسمان کو ستم ایجاد کا لقب دیدیا، کوئی مناسبت آسمان کی اس فرضی اور خیالی ستم ایجادی کو سائنس کی اس واقعی ستم ایجادی سے ہے؟

بلندی یا پستی؟

لیڈر کے دفاع نگار خصوصی کے قلم سے:—

" پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی [جھنجھانسی والی] تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا دور اب ختم ہو رہا ہے۔ اور آئندہ چند سال میں ہمیں ایمانداری و دیانت اور قوت و تحمل کے ان عظیم الشان ذہنیوں کو بروئے کار لانا ہوگا، جو کسی ملک کو بڑا بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ پنڈت نہرو جب سے جیل سے چھوٹ کر آئے ہیں، ملک کی خود مختاری کے اس تعمیری پہلو پر برابر زور دے رہے ہیں"۔ (لیڈر۔ ۱۵۔ جون ۳۶ء)

کیا بہت بہتر نہ ہوگا کہ پنڈت جی اور گاندھی جی خود اسکی تحقیق کریں، اور جائزہ لیں، کہ اس اخلاقی اور انسانی نقطۂ نظر سے اس دس پانچ سال کے اندر ملک کچھ اونچا ہوا ہے یا اور نیچا؟ قوم میں دیانت داری، امانت اور ایمانداری کے اوصاف کو ترقی ہوئی یا اسکے برعکس رشوت خواری اور بددیانتی اور اندھا دھند نفع خوری کا وہ بازار گرم ہوا ہے جسکی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی! اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں پاکبازی، حیاداری، اور ضبط نفس کا نشوونما ہوا ہے، یا اسکے برعکس ہر قسم کا شہدپن داخل فیشن ہو گیا ہے؟ فضا ایثار، بے نفسی، حق پسندی کی سازگار ہوئی ہے یا خود غرضی اور نفس پرستی کے؟

ایک صحیح اصول

صوبہ کانگرس کمیٹی (یو۔ پی) کے دفتر (لکھنؤ) سے صوبہ کی تمام شہر، ضلع اور قصبہ کانگرس کمیٹیوں کے نام احکام جاری ہونے والے ہیں، کہ جولائی میں کانگرس کمیٹیوں کے جو سالانہ انتخابات ہونے والے ہیں، اُن میں سے کم از کم ایک چوتھائی نشستیں مسلمانوں کے قبضہ میں آنا چاہئیں۔ صوبہ کانگرس کمیٹی کے ذمہ دار افسروں کو اب اسکا پورا احساس ہو چلا ہے کہ کانگرس کے ہر ادارہ میں مسلمانوں کی کچھ نشستیں مخصوص ضرور ہونی چاہئیں"۔ (پاینیر۔ ۱۵۔ جون ۳۶ء)

کانگرس میں مسلمانوں کی شرکت و عدم شرکت کا سوال الگ ہے، لیکن خبر اگر صحیح ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ بالآخر کانگرس کو بھی مسلمانوں کا ایک مستقل اور علحدہ وجود تسلیم ہو گیا۔ اور تجربہ نے اُسے بتا دیا کہ انتخابی مجلسوں اور اداروں میں مخصوص نشستوں کا تحفظ غلط اور مفسدانہ نہیں، بلکہ صحیح و مصلحانہ طریق کار ہے۔

نوگزے پیر

سنڈے ٹائمس (لندن) ۲۸۔ اپریل ۳۶ء میں

مولانا مودودی کی خدمت میں

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

(۱)

مولانا عبدالصمد رحمانی اگرچہ اپنی چند مشہور دینی کتابوں کی وجہ سے دینی حلقوں میں بنظر امتیاز دیکھے جاتے ہیں، اور گو ایک وکالت کے عصری ہنگاموں میں اپنے اور اپنی جماعت کے خاص نقطۂ نظر کی وجہ سے بہار کے مسلمانوں میں انکا وہ مقام باقی نہیں رہا ہے جسکے اپنے علم و فضل کی بنیاد پر وہ مستحق ہیں، تاہم ان کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم سابق نائب امیر شریعت بہار کی جگہ نائب امیر شریعت کے امتیازی عہدے پر گذشتہ سال ان ہی کا انتخاب ہوا ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ امارت شرعیہ کی نظامت کا کام انجام دیتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس اللہ سرہ العزیز سے شرف بیعت رکھتے ہیں، "رحمانی" کے لفظ سے اسی نسبت کا اظہار مقصود ہے۔ کہنا یہ ہے کہ ان ہی مولانا عبدالصمد رحمانی کا ایک مکتوب بحالت اضطراب و انتشار موصول ہوا ہے۔ جسے بجنسہٖ خدمت والا میں بھیج رہا ہوں:-

"مخدومنا المحترم دامت برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
داعی مع الخیر ہے

یہ معلوم کرکے کہ ان دنوں آپ گیلانی میں تشریف فرما ہیں۔ مدتوں کے بعد آج اس تقریب سے یہ حاضری ہے۔ کہ جناب کو "ترجمان القرآن" بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ کے "اشارات" کی طرف توجہ دلاؤں۔ جس میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے لکھا ہے کہ

"اسوقت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں جو حالات ہیں وہ بہت سے اعتبارات سے "انبیاء کے فترہ کے زمانہ سے اشبہ ہیں" یہ تو شبہہ کرنا سوء ظن ہوگا کہ قادیانی کے ظلی بروزی نبی کی طرح آیندہ کسی "اشبہ نبی" کے ظہور کی یہ تمہید ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے، کہ تعبیر کا یہ ایسا پھوہڑ پن ہے، جو ہر وقت ٹوک دینے کے لائق ہے۔ ورنہ کہیں آگے چل کر اس جماعت کے سرشار اور تشدد فی الواقعہ کہیں اس خطرہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

پھر اس تمہید کے بعد مسلمان تو مسلمان۔ غیر مسلموں کے متعلق بھی یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ

"باقی رہیں غیر مسلم قومیں تو انصاف یہ ہے کہ انکے بارے میں بھی اگر اپنی ذمہ داریوں کا ہمیں ٹھیک ٹھیک احساس ہو۔ تو تبلیغ اور اتمام حجت سے پہلے ہم کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ ہم اُن کو کافر سمجھیں۔ یا کافر قرار دیکر اُن سے بیزاری اور علیحدگی کا اعلان کریں۔"

مطلب یہ ہے کہ اب تک اسلام کے متعلق موجودہ اقوام عالم پر نہ تو اتمام حجت ہوئی ہے۔ اور نہ تبلیغ۔ اور شاید "قد تبین الرشد من الغی" کا ارشاد قرآنی موجودہ دور کے لیے درست نہیں ہے ———— یہ خیال جس طرح پیش کیا گیا ہے۔ اگر غلط ہے۔ تو اسکی طرف توجہ ... ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ جب تک بڑے آدمی کے ذمہ دارانہ کوئی چیز تحریر میں نہیں آتی ہے۔ تو چھوٹوں کو جرأت نہیں اس لیے ضرورت ہے کہ آپ اس پر ایک ذمہ دار تحریر ... تاکہ دوسروں کو بھی ہمت ہو — صرف نقیب میں اگر کوئی نکلا تو اسکا اتنا وزن نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ اسکے متعلق فرما دیں۔ اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو بھی توجہ ... کہ اس پر وہ بھی مختلف عنوانوں سے چند نوٹ لکھ دیں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت اور مع الخیر ہو۔ والسلام

ناچیز۔ عبدالصمد رحمانی۔ از قرار امارت شرعیہ - پھلواری"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور انکی جماعت کے متعلق مس... جن خطرات کا احساس روز بروز شدت اختیار کرتا چلا جا رہا ... کچھ اندازہ آپ کو اس خط سے بھی ہو سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے ... مودودی سے ذاتی نیاز کا شرف اگر حاصل نہ ہوتا تو میری ... محض انکی تحریری گسیختہ عنانیوں کی وجہ سے شاید ان ہی حدود تک پہنچ جاتیں جہاں تک دوسرے پہونچ رہے ہیں۔ یا آیندہ پہو... ہیں، انکی سلیم فطرت، متوازن دماغ، گہری نظر، پر مجھے یقین ... اور ابھی اس اعتماد کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوا ہے۔ جن وسوسوں میں مولانا رحمانی مبتلا ہوئے ہیں۔ یعنی وہی بات جسکی طرف اپنے پٹنہ (؟) تقریر میں آپ نے بھی اشارہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا مجھے خوب یاد ہے۔ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ

"پٹھان کوٹ کا زمانہ قادیان سے کچھ زیادہ دور نہیں"
(او کما قلت)

میرے خیال میں انکی کوششوں کو کسی استقبالی دعوے کی تمہید بدگمانی ہی نہیں بلکہ شاید بدذہنی ہو۔

البتہ دوسرا مسئلہ یعنی مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت سے باہر نکالنے کی کوشش، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کا رشتہ توڑنا ... کا یا سرمایہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ میں داخل ہیں"

محض اس جرم کی پاداش میں کہ محمد کو انھوں نے محمد کیوں مان لیا ہے، کیوں اللہ کے اس سچے رسول کو سچا رسول مانتے ہیں۔ آج مغرب پرست ... ملکی اقوام انکے استیصال کے درپے ہیں۔ لیکن مولانا پر یہ حقیقت پوشیدہ ہوئی ہے کہ موجودہ مسلمانوں کا نبوت محمدیہ پر ایمان و اعتقاد باقی نہیں ... آپ جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مولانا سے بذریعہ صدق بھی اور کبھی ... بالمشافہ گفتگو کرتا رہا ہے - جدید خارجیت والے مضمون پر مولانا کا عتاب فقیر پر محض اسی جرم پر نازل ہوا تھا کہ اس تحریک کا ابتدائی سرچشمہ جیسا کہ اُس وقت بھی میرا خیال تھا، اور اب بھی ہے کہ مولانا مودودی کی ذات بابرکات ہے - اس سلسلہ میں ... مزید برآں "ترجمان القرآن" کے کسی پرچے سے چند فقرے ... طور پر نقل کرکے میں نے بھیج دیئے تھے - جواب میں مولانا نے مجھے لکھا

کہ اس قسم کے مقالات و مضامین ان احتیاطوں کی امید نہ کرنی چاہیے
جو قانونی اور فقہی مسائل کی تعبیر میں برتی جاتی ہیں۔ گویا اپنی ان تعبیروں
کو انھوں نے ایک قسم کی خطابی تعبیر قرار دی۔ اور گو پچھلے دنوں سے
مولانا کے مقالات و افادات میں اب وہ بے باکیاں کم پائی جاتی ہیں
جو پہلے ہوتی تھیں۔ لیکن ان کے اشہب کا قلم اب بھی بے لگام ہو جاتا
ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں مجھے امید ہے کہ بجائے آگے بڑھنے کے تجربہ ان
بزرگوں کو بالآخر اعتدال کے نقطہ تک کھینچ کر لے ہی آئیگا۔ اپنے نقطۂ نظر سے
یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت انکو فترت کے زمانہ کے لوگوں کے
مشابہ نظر آتی ہے۔ اللہ کو بھی مان رہے ہیں، رسول کو بھی مان رہے ہیں،
اللہ کی کتابوں کو بھی مان رہے ہیں، ملائکہ کو بھی مان رہے ہیں تقدیر خیر و شر کو
من اللہ بھی سمجھتے ہیں۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے کو بھی اپنے ایمان کا لازوال
جزو بنائے ہوئے ہیں۔ انکی ایک بڑی تعداد نمازوں کی بھی پابند ہے،
اکثریت انکی روزے بھی رکھتی ہے۔ حج کا فرض بھی ادا کرنے والے اور
کرنے والے ادا کر رہے ہیں، زکوٰۃ و صدقات کی نیکیوں میں بھی مسلمانوں کا
ایک بڑا حصہ ہے، قرآن کی تلاوت کو مسلمانوں کی اکثریت نے اب تک
نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ہر ملک اور ہر صوبہ ہر ضلع بلکہ شاید ہر آبادی میں اس
وقت بھی کثیر تعداد ان لوگوں کی مل سکتی ہے جنکے سینوں میں پورا قرآن
محفوظ ہے۔ الغرض بروں کے ساتھ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اچھوں
کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد مسلمانوں کی اس وقت بھی دنیا میں موجود ہے۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا
مقدس خون قرآنی حروف پر بہایا گیا، جب حرہ کے واقعہ میں مسلمانوں ہی نے
اپنے پیغمبر کے مدینہ کو لوٹا کھسوٹا، صحابیوں کو صحابیوں کی اولاد کو انتہائی
بے دردیوں سے قتل کیا، اور جو باتیں کہی نہیں جا سکتیں انکا ارتکاب،
پیغمبر کے اسی شہر میں مسلمانوں ہی نے کیا، اللہ کا گھر جلایا گیا، کعبہ کی بے حرمتی
کی گئی، اور اسی لیے جسے کعبے سے بھی زیادہ اسلام میں محترم تسلیم کیا گیا
ہے۔ یعنی مسلمانوں کی گردنیں اسی کعبہ کے جلانیوالے نے لاکھوں کی تعداد میں اڑا دیں
اسلام کے رسول کا گھرانا دشت کربلا میں مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کرب و بلا میں جب
مبتلا ہوا۔ اور کیسا کرب؟ کیسی بلا؟ کیسی ابتلاء۔ اور یہ تو موٹے موٹے تاریخ
اسلام کے وہ واقعات ہیں، جنکے دہرانے کی ہمت مجھے اس لیے ہوئی کہ
میرے دہرائے بغیر بھی لوگ ان سے واقف ہیں۔ لیکن جن چیزوں کا ذکر
مسلمانوں کے حوالی کا ذکر بالسر جائیگا۔ جو ان سے واقف ہیں۔ کیا وہ
نہیں جانتے کہ جن عام بدعملیوں کی شکایت آج مسلمانوں کی کی جا رہی ہیں
مشکل ہی سے کوئی ایسی صدی نکل سکتی ہے جس میں ان بدعملیوں کا ارتکاب
کرنے والے مسلمان میں نہیں پائے جاتے تھے۔ بنی امیہ والوں کا دمشق ہو یا
غرناطہ و قرطبہ، اور عباسیوں کا بغداد ہو یا شیراز، مصر ہو یا ہند، کسی
ملک کے صرف بدنام سلاطین ہی نہیں بلکہ خوش نام عوام میں بھی وہ ساری
آلودگیاں آپ کو نظر آئیں گی جنھیں آج مسلمانوں میں آپ دیکھ رہے ہیں۔
نہ کبھی پہلے اچھوں ہی اچھوں سے دنیا معمور تھی، اور نہ آج بروں ہی
بروں سے دنیا بھر گئی ہے۔ کچھ اچھے کچھ برے پہلے بھی تھے اور آج بھی
اسی قانون کا گذرے ہوئے لوگوں کی یہ گواہی ہوگی ورنہ شبر زبیر ذرا بذریعہ

جسکی ... ہو سکتی ہے ... یہی حال ہے

میری غرض یہ نہیں ہے کہ اس تاریخی تجربہ کو پیش کر کے دین کی خدمت
سے لوگوں کو میں روکنا چاہتا ہوں۔ اور نہ یہ مقصود ہے کہ العیاذ باللہ جن
مسلمانوں نے پیغمبر کے شہر کو لوٹا، پیغمبر کے خاندان کو خاک و خون میں ملایا، مسلمانوں
کا قتل عام کیا، انکو سراہنا چاہتا ہوں، بلکہ کہنا یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ
فترت کے زمانہ سے تشبیہ دینے کے لیے آخر مسلمانوں کے اسی عہد کو کیوں
مخصوص فرمایا جا رہا ہے، جس میں یہ واقعہ ہے کہ کسی نے رسول کے
ذرے کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہیں کیا ہے، مدینۃ الرسول کے
مخدرات حیا پرور و عصمت مآب کی عزت و عفت کے ناموس پر دست درازی
نہیں کی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ان پچھلے دنوں اور آج جو دن گذر رہے ہیں
ان دونوں میں کچھ فرق اگر پیدا ہوا ہے، تو یہی پیدا ہوا ہے کہ سیاسی
اقتدار مسلمانوں کا ان دنوں عالم پر جو قائم تھا، اس عالمی اقتدار رکھنے
والی سیاسی خصوصیت سے وہ محروم ہوگئے ہیں۔ لیکن ایامِ فترت کی
تعریف میں سیاسی اقتدار کے وجود و عدم کا سوال میں تو نہیں جانتا کہ
کسی زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ چونکہ سیاسی اقتدار سے محروم ہوگئے تھے
اس لیے فترت والوں کو فترت کی حالت میں بتایا گیا تھا۔ میں اس توجیہ
سے قطعاً ناواقف ہوں۔ پھر موجودہ مسلمانوں کے حال کو فترت والوں
کے مشابہ جو قرار دیا جا رہا ہے، بتایا جائے کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ سیاسی
نقطۂ نظر سے بھی دیکھیے تو اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو عالمی اقتدار
کا جو مقام حاصل تھا، اس مقام سے وہ نیچے اتر گئے ہیں، لیکن باوجود
اسکے عالم پر نہ سہی، عالم کے مختلف حصوں پر انکا سیاسی اقتدار مختلف
نوعیتوں سے قائم ہے۔ کہیں وہ مطلقاً آزاد سیاسی اقتدار رکھتے ہیں،
کہیں سیاسی اقتدار رکھنے والوں نے اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے
انکو اس علاقہ کا سیاسی اقتدار سپرد کر دیا ہے، لیکن انکی حالت یہ ہے
کہ کسی قسم کا کوئی سیاسی اقتدار اس علاقہ میں مسلمانوں سے قطع نظر کر کے
قائم نہیں کیا جا سکتا، گو یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایسے مسلمان
بھی ہوں جنھیں اقتدار کی مذکورہ بالا قسموں میں سے کسی قسم کا کوئی اقتدار
حاصل نہ ہو۔ لیکن ان مسلمانوں کی حالت کو بھی فترت کی حالت سے
تشبیہ دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی نبوت پر ایمان لانے کے بعد تیرہ سال تک بغیر کسی قسم کے سیاسی
اقتدار کے مکہ معظمہ میں مسلمان جن دنوں تک رہے، تو کیا وہ اپنے پیغمبر
کے ساتھ فترت کی حالت میں مبتلا تھے، یا نبوت محمدیہ پر ابتدائی ایمان
لانے والوں کا جو گروہ ہجرت کے برسوں بعد اس علاقہ میں جا کر رہ گیا
تھا، جہاں عیسائیوں کا سیاسی اقتدار قائم تھا، یعنی حبشہ۔ اور اسی
حال میں ایک بڑی تعداد اسی ملک میں وفات پا گئی، تو کیا وہ بیچارے
"ایامِ فترت" یا "ایامِ جاہلیت" کی طرف اسلام لانے کے بعد واپس
ہو گئے تھے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ بیرونِ عرب جہاں رومیوں اور ایرانیوں
کی حکومت قائم تھی۔ کچھ لوگ پیغمبر کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اسلام
کے بعد پھر انھیں رومیوں اور ایرانیوں کے علاقوں میں واپس ہو جانے

لیے مسلمان ہوئے وہ غربت کی حالت کی طرف لوٹ گئے۔ روز عید الفطر جو قریب آ رہا ہے آیا تھا۔ انکے حالات پوچھے، نیز روسی حکومت انکو بعض ... جو مسلمان ہونے کے بعد اپنے اپنے اوطان کی طرف جو لوٹ گئی تھی ... ہے اور سوچیے، کہ عہد حاضر کے مسلمان غربت کی حالت میں آپ کو جو نظر آتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کا یاد کیجیے وہاں کی نظر کا قصور ہے۔ بہر حال مجھے مولانا مودودی اور انکے اتباع سے گلہ کچھ اگر رہا ہے وہ اسوقت تک ہے، وہ مسلمانوں کے متعلق ان حضرات کا [illegible] ... ورنہ سچ یہ ہے کہ مولانا مودودی میں "اسلامی حقائق" خصوصاً جنکا اجتماعیات اور سیاسیات سے تعلق ہے، انکی تعبیر و تعبیر کی جو غیر معمولی قدرتی صلاحیت ہے، اسکو دیکھ کر ہمیشہ اسی آرزو نے دل میں سر اٹھایا کہ کاش! مولانا کا شبدیز قلم کفر کے مقابلہ میں غزاو جہاد کے لیے آمادہ ہو جاتا۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت سے نکال کر پھر انکو مسلمانوں کی جماعت میں شریک کرنے کی کوشش انکی طرف سے اور انکے متبعین کی طرف سے جو ہو رہی ہے) میں نے ایک دفعہ نہیں بار بار مولانا سے نجی مراسلات میں عرض کیا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں میں لانے کی طرف اگر آپ توجہ کرینگے، تو کامیابی کی مجھے زیادہ توقع ہے۔ تازہ دم مسلمانوں کی تازہ ایمانی حرارتوں سے اسکی بھی امید ہو سکتی ہے کہ افسردہ دل ٹھنڈے مسلمانوں کے قلوب بھی گرما جائیں۔ لیکن مولانا کے آستانۂ عالی تک فقیر کی صدا رسائی نہ حاصل کر سکی۔ اگرچہ ترجمان القرآن کی بعض اشاعتوں میں خیال آتا ہے کہ مولانا نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ غیر مسلموں پر انکی تحریروں کا اثر تعجب انگیز طور پر پڑ رہا ہے، جب انکی طرف خطاب نہیں ہے، اسوقت تاثیر کے متعلق خود مولانا کو جب ایسے تجربات حاصل ہو رہے ہیں تو براہ راست مخاطب بنا لینے کے بعد یقیناً شاندار نتائج کی توقع قائم کی جا سکتی ہے۔ مولانا مودودی ایک خداداد سلیقہ سے سرفراز ہیں۔ اس قسم کے مسائل میں انکی نظر محیط اور ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ بحث کا مشکل ہی سے کوئی ایسا پہلو باقی رہ جاتا ہے، جسے انکے قلم نے تشنہ چھوڑ دیا ہو۔ طرز ادا دلنشین، طریقۂ تعبیر دل آویز۔ اسی کے ساتھ انکی فطرت کی بلندی کی شہادت تو متعدد ہی کے ذریعہ سے متعدد بار ادا کر چکا ہوں۔ خود خاکسار نے مولانا عبدالباری کی رفاقت میں مولانا سے جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری کی طرف طلبہ کے فائدے کی غرض سے ایک دفعہ نہیں بار بار توجہ دلائی، لیکن جسوقت انکے مالی ذرائع "تقریباً صفر" کی حیثیت رکھتے تھے، انتہائی خندہ جبینی کے ساتھ مولانا نے ہم لوگوں کے مشورے کو مسترد فرما دیا۔ غناے قلب کے مقام رفیع پر جو اپنے قدم استوار کر چکا ہو، اور ذہنی و دماغی، تحریری و انشائی حیثیت سے ان خداداد خصوصیتوں کا مالک ہو، جنکے مالک مولانا مودودی خدا کی طرف سے بنائے گئے ہیں، اندازہ کرنا چاہیے کہ صحیح استعمال اگر انکا لیا جاتا یا اب بھی اگر لیا جائے تو کیسے کچھ نتائج نہیں برآمد ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کی یہ بھی بدقسمتی ہے کہ جو دوسروں کو مسلمانوں میں لانے کے لیے پیدا کیا گیا تھا وہ الٹ گیا، اور مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت سے نکالنے پر اپنا سارا زور صرف کر رہا ہے، اور نکالنے کے بعد پھر جن مسلمانوں کو مسلمانوں میں داخل کیا جا رہا ہے انکے لیے اصل الفاظ الٰہی سے مجرد کر کے اردو کا ایک قرآن تیار کیا جا رہا ہے۔ اور وہ قرآن نہیں ہے جسے خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے عطا کیا تھا، بلکہ اس قرآن سے مولانا مودودی کا فہمیدہ قرآن مراد ہے، وہ جو تیار کیا جا رہا ہے، اسی کو مروج کرنے کی جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کوشش انکے سامنے ہی۔ مولانا مودودی کا ترجمہ و فہمیدہ ہی [illegible] قرآن جسکا نام انھوں نے

"ترجمان القرآن"

رکھا ہے، جب خدا کے الفاظ سے محروم ہوکر مولانا مودودی کے الفاظ میں رسالۂ ترجمان القرآن میں پہلی دفعہ شائع ہوا، تو خاکسار نے اسی وقت مولانا کو لکھا، اور جن حضرات کے احساس نے مسلمانوں کو تیرہ سو سال سے اس طریقۂ کار کے اختیار کرنے سے روکے رکھا، انکی طرف توجہ دلائی۔ جواب میں مولانا نے اسوقت خاکسار کو باور کرایا تھا کہ اس مسئلہ میں بالکلیہ میں مسلمانوں کے عام متوارث طریقۂ کار ہی کا پابند ہوں۔ بطور نمونہ کے چند اجزاء اسوقت "ترجمان القرآن" میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے اگر پسند کیا، تو پھر اصل الٰہی الفاظ کے ساتھ اس ترجمہ کو شائع کیا جائیگا۔ لیکن نمونہ نمونہ باقی نہ رہا۔ نصف سے زیادہ مولانا مودودی کے الفاظ والا قرآن رسالہ ترجمان القرآن کا جزو بنکر شائع ہو رہا ہے۔ اور کیا تعجب ہے کہ مولانا کے ماننے والوں نے بجائے خدائی الفاظ کے مودودی صاحب کے الفاظ والے قرآن ہی کو زیادہ مفید خیال کرکے اسی کی تلاوت شروع کر دی ہو۔ (باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۲

ایک انگریز کا مراسلہ:۔

"[illegible] میں جب میں سیلون میں تھا، میں نے مشہور و معروف [illegible] کی قبر کو دیکھا تھا۔ دس گز لمبی قبر تھی، اور اس پر زیارت گاہ کی طرح جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں"۔

اس بیان کو پڑھ کر یاد پڑ گیا کہ ہندوستان میں بھی (کم از کم صوبہ اودھ تو یقیناً) بڑی لمبی لمبی قبریں مسلمان پیروں کی جانب منسوب ہیں۔ "نوگزے پیر" کہلاتے ہیں، اور انکی قبروں کا طول تو نو گز بیان کیا جاتا ہے! عجب نہیں کہ یہ بلا بھی بہت سی دوسری بلاؤں کی طرح مشرک و جاہل قوموں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں آ گھسی ہو۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

.... اقبال منزل (آگرہ) حسن ظن کا شکریہ۔ لیکن صدق کا دائرہ محض سیاسیات کی ان جزئیات پر بحث کا نہیں۔ تنویر (لکھنؤ) نشور (دہلی) وغیرہ کو آپ اپنی فرمائش لکھ سکتے ہیں۔

[illegible] یہی حیات اجتماعی کا سب کچھ ہے۔ یہی وہ سنگ میل ہے جس کی طرف قائد کی روح مسلمانوں کو بلا رہی ہے۔ کچھ مسلمان ہو اور یہ نشانی رہو! اچھی طرح سمجھ لیجئے — فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں!

(دو امیر دکن)

اسلام اور مسلمان

ایک دوست لکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کے کسی مخالف نے پچھلے سال لکھا تھا کہ "محمد علی جناح کے مجوزہ پاکستان میں پاکستانی ٹیکلہ۔ پاکستانی سینما اور پاکستانی شراب خانے ہوں گے" یہ تو ایک معاند و مخالف کے جلے دل کے پھپھولے تھے۔ جو اس شکل میں پھوٹے۔ لیکن حال ہی میں ایک اشتہار نظر پڑا "پاکستانی لنگی"۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ یہ لنگی خالص ریشم کی ہے جسے بیاہ شادی کی تقریبوں میں لوگ زیب سر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ لنگی ضرور خرید لی جانی چاہئے۔ حالانکہ حضور سرور کائنات صلعم نے ایک ہاتھ میں سونا اور دوسرے میں ریشم تھام کر فرمایا تھا۔ "هذان محرمان على ذكور امتى" میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ یہ اشتہار پڑھ کر اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں اس مخالف کی بات ٹھیک ہی نہ نکلے۔ جس نے پاکستانی سینما۔ پاکستانی ٹیکلہ اور پاکستانی شراب خانہ کا طعنہ دیا تھا۔ ہمارے یہ دوست نہایت ہی دقیانوسی قسم کے مسلمان معلوم ہوتے ہیں جو آج کل کے زمانے میں اسلام اور شریعت کا نام لیتے ہیں۔

اجی حضرت۔ آج کل عربی اسلام غریب کو کون پوچھتا ہے۔ اب تو اسلام یہی ہے کہ سیاسی نعرے لگائے جائیں اور مغربی تمدن اختیار کیا جائے۔

"پاکستانی سینما" بھی عنقریب معرض وجود میں آنے والا ہے۔ لاہور میں "ملت اسلامیہ" کے چند غیور حضرات علامہ اقبال کی تعلیمات اور قائد اعظم کی سیاسیات کو پردہ سیمیں پر لانے کا بندوبست فرما رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک کھیپ کی کھیپ فراہم کی جا رہی ہے۔ بشرط صحت چند مہینوں میں "پاکستانی سینما" قائم ہو جائے گا۔ اور ہم آپ سب "اسلامی تھیٹر" میں جا کر اور اسلامی فلمیں دیکھ کر اسلامی ایکٹرسوں کے اسلامی حسن و جمال کا چرچا کیا کریں گے۔ کیونکہ اسلام کے مفاد کا تقاضا یہی ہوگا۔ کیا آپ نے نہیں سنا۔ حال ہی میں مصری شراب کے ایک ہزار بکس جن کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہے۔ کراچی میں پہونچ گئے ہیں۔ اور یہ پہلا مبارک واقعہ ہے۔ کہ ایک اسلامی ملک سے "اسلامی شراب" ہندوستان پہنچی ہے۔

ایک زمانہ تھا۔ جب ہندوستان میں سندھ کے ساحل پر سب سے پہلے محمد بن قاسم نے قدم رکھا تھا۔ آج سندھ ہی کے ساحل پر ایک اسلامی ملک کی تیار ہوئی شراب پہلی دفعہ اتاری جا رہی ہے۔ ع

ابتدا وہ تھی۔ انتہا ہے یہ

اب ان اسلامی ملکوں کی صنعتی ترقی پر کون بدبخت شبہ کر سکتا ہے۔ ایران تو ہمیشہ ہی سے مشہور تھا۔ اور شراب شیراز کو اسلام بھی شکست نہیں دے سکا اب تو عراق، فلسطین اور مصر بڑے بڑے یورپی ملکوں سے بھی آگے بڑھ [illegible] شور مچایا۔ اس [illegible] احتجاج کر لیا۔ اس کے بعد وہ وہسکی ہندوستان میں نظر نہیں آئی۔ اسلامی ملکوں میں اب بھی دستیاب ہو سکتی ہوگی۔

ایک دوست نے بیان کیا۔ کہ ایران کے بازاروں میں بعض دکانوں پر حضور سرور کائنات۔ حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی تصویریں اسی طرح لٹکاتے ہیں۔ جیسے یہاں کرشن۔ ارجن اور بھیم اور [illegible] کی تصویریں ہندو دکانوں میں آویزاں نظر آتی ہیں۔ آپ پاکستانی سینما اور پاکستانی شراب خانے کو رو رہے ہیں۔ یہاں تو زمانے کا یہی [illegible] ہم آپ جیسے اولڈ فیشن اسی طرح چیختے چلاتے مر جائیں گے۔ اور دنیا "سیاسی و تمدنی" ترقی کے رستے میں بدستور گامزن رہے گی۔ (انقلاب)

مراسلہ

کرم فرمائیاں

ناظرین صدق اس اطلاع سے انشاء اللہ ضرور مسرور ہوں گے کہ مدرسہ جعفریہ [illegible] ریاست نیپال کے تعمیری ضروریات پر دو بزرگوں نے خاص طور سے دلی توجہ مبذول فرمائی ہے۔ چنانچہ جناب محمد عارفین صاحب کلکتہ نے ایک بیمہ [illegible] اور تکمیل عمارت کے لئے دعائیں بھی دیں جزاہ اللہ اور جناب غلام محمد صاحب حیدر آبادی نے کوئٹہ سے کرم فرمایا کہ درسگاہوں میں سے ایک درسگاہ کا مکمل خرچ میری درخواست پر مبلغ یکہزار [illegible] روپے ارسال فرما دیا۔ بارک اللہ

مقامی لوگوں سے مدرسہ کا سالانہ تعلیمی خرچہ اساتذہ و ملازمین و طلبہ [illegible] کے اخراجات بحمد اللہ پورے ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ہمیں بفضلہ درسگاہوں اور کتب خانہ کی عمارت کے لئے دس ہزار کی ضرورت ہے۔ اہل دل و اہل نظر عربی پسند اسلام دوست امراء اکرام سے درخواست ہے کہ ماہ رجب آ گیا ہے اس میں اپنے زکاتوں کی رقوم سے کوئی رقم بھیج کر ہماری امداد قبول فرمائیں۔ وکان سعیکم مشکورا

ترسیل زر کا پتہ

عبد الرؤف خاں [illegible] نائب ناظم مدرسہ جعفریہ

ڈاکخانہ [illegible] ضلع بستی

مسٹر شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس [illegible] میں طبع کرا کے گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

۲۶۷۔ یاایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید۔	اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو[۵۵۹] اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکال دیا[۵۶۰] اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرنے لگے، حالانکہ تم خود اسکے لینے والے نہیں ہو، بجز اس صورت کے چشم پوشی ہی کر جاؤ[۵۶۱]، اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے[۵۶۲]۔

---

۵۵۹ اللہ کی راہ میں۔ نیک کاموں میں)

کسبتم۔ جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز و پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق عمدہ و پاک ہی مالوں پر ہو سکتا ہے۔

فقہاء نے بہ قاعدۂ اشارۃ النص کسبتم سے یہ نکالا ہے کہ زکوٰۃ اس مال میں ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو ضطراراً حاصل ہو جائے اس میں زکوٰۃ نہیں۔

۵۶۰ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔

لکم۔ یعنی تمہارے کام کے لیے

من الارض۔ اسکے تحت میں زراعت، باغبانی، کان کنی وغیرہ کی ساری شاخیں آگئیں، جس طرح کسبتم کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آگئے تھے۔

فقہاء نے من الارض سے یہ بات بھی نکالا ہے کہ زکوٰۃ زمینی پیداوار (زراعت معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوگی، بخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے وہ زمین سے نہیں، سمندر سے نکلتے ہیں۔

۵۶۱ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً انکی طرف سے چشم پوشی کر لو اللہ کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔

الخبیث۔ ردی ناکارہ چیز۔

تنفقون مراد وہی اللہ کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے

لستم باخذیہ۔ یعنی جب وہ تمہیں قیمۃً یا ہدیۃً مل رہی ہو۔

۵۶۲ غنی۔ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو، اسکی نذر اسکے دربار میں پیش کرنا چاہو!

اسکے ہاں احد میں کوئی بخل نہیں۔ اس سے معاملہ کرنے والا کبھی نادم و ناکام نہیں ہوتا۔

حمید۔ وہ خود ہر طرح ستودہ صفات و جامع کمالات ہے۔ تمہاری داد و دہش سے اسکی حیثیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں!

ضمناً یہ پہلو بھی آگیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے، تو اسکے ہاں مقبولیت بھی انھیں بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اسکی صفات حسنہ سے رکھتے ہوں۔

مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی۔ اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مسلم ہے۔ صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔

نئے رسالے اور رسالوں کے خاص نمبر

(۱) **جوہر** (جامعہ جوبلی نمبر) مرتبۂ محمد عرفان نوری صاحب بی اے ۲۰×۳۰ تقطیع۔ صفحات ۲۱۹ مع تصاویر۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ:۔ مہتمم رسالہ جوہر جامعہ نگر۔ قرول باغ۔ دہلی۔

اس ضخیم کشکول کے اندر جامعہ اور جامعیات سے متعلق بہت کچھ ہے۔ مولانا محمد علی، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، اقبالؒ، ڈاکٹر ذاکر وغیرہ معروف اور غیر معروف جامعی شخصیتوں پر بعض اچھے اور قابل مطالعہ اور بعض غیر مبالغہ آمیز مضامین موجود ہیں۔ اور جامعہ کے مقاصد، جامعہ کی تاریخ بنائے جامعہ کے پیش نظر غیر متعلق بہت سے معلومات، جو شاید اور کہیں یکجا نہ ملیں، اسکے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور لکھنے والوں میں مدیر صدق مفتی عبدالغفار (صاحب پیام) خواجہ غلام السیدین، رشید احمد صدیقی، شرر، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر محمد اشرف، سعید انصاری، سید نذیر نیازی، جگن ناتھ آزاد، رشید احمد جامعی (ایڈیٹر ٹریبون لاہور) کے نام قابل ذکر ہیں۔ رسالہ کے اڈیٹر کی تلاش اور ترتیب قابل داد ہیں۔ جن لوگوں کو جامعہ اور اسکے متعلقات سے کچھ بھی دلچسپی ہے۔ رسالہ انکے کام کی چیز ہے۔ نیازی صاحب کا مضمون اقبالؒ پر ندرت کا پہلو بھی رکھتا ہے۔

(۲) **پیغام حق**۔ (اقبال نمبر ۱۹۴۶ء) مرتبہ سید محمد شاہ، ایم اے۔ صفحات ۲۹۳۔ قیمت پیش نظر نسخہ پر درج نہیں۔ پتہ:۔ مہتمم پیغام حق۔ ظفر منزل۔ تاجپورہ لاہور۔

اقبال کے نام سے بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ رطب و یابس دونوں۔ اس انبار و ذخیرہ میں ایک تازہ اور بحیثیت مجموعی مفید اضافہ یہ پیام حق کا اقبال نمبر ہے۔ مقالہ نگاروں کی فہرست میں اسمائے گرامی پروفیسر نکلسن (کیمبرج یونیورسٹی) اور عبد الرحمٰن بجنوری مرحوم سے لیکر ڈاکٹر میر ولی الدین (استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ) اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں (استاد سیاسیات جامعہ عثمانیہ) اور پروفیسر خواجہ عبد الحمید (گورنمنٹ کالج لاہور) تک متعدد معروف اہل علم نظر آتے ہیں۔ اور مقالات کے عنوانات بھی اقبال کا فلسفۂ خودی، اقبال اور نوجوان، پیام مشرق، مقولات اقبال، اقبال "انا" اور تخلیق۔ اقبالؒ کے فلسفہ اور شاعری کے تقریباً سارے گوشوں پر محیط ہیں۔ لیکن مرتب نے یہ کہیں بھی بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے، کہ یہ مضامین مدتوں قبل کے مطبوعہ ہیں! بلکہ بعض شاید ایک بار سے زیادہ کے ہیں! ـــــ چیز اگر اچھی ہے تو پرانی ہو جانے کے بعد بھی اچھی اور پڑھنے کے قابل رہتی ہے۔ مقالات کے پرانے ہونے پر اعتراض بالکل نہیں، اعتراض حوالے نہ ہونے پر ہے۔

حصۂ نظم مقالات سے الگ اور انکے بعد ہے۔ لیکن اس میں بعض نظمیں ایسی بھی ہیں، جنکا اقبال نمبر سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ ایک جگہ اڈیٹوریل حصہ میں "نام لیوان اسلام" (صفحہ ۲۸۵) کی ترکیب نظر پڑی۔ "اقبال اور اصول قرآن" کے عنوان سے جو طویل نظم درج ہے، اسکی بعض ترکیبیں اور بعض خیالات بھی اسی قبیل کے آگئے۔ بہرحال اقبالیات کا یہ مجموعہ نفع سے خالی نہیں۔

(۳) **جامعہ** (جوبلی نمبر) مرتبۂ پروفیسر محمد عاقل، ایم اے۔ صفحات ۲۱۶ قیمت ۸؍۔ پتہ، مہتمم مکتبہ جامعہ۔ دہلی۔

اس مجموعہ کے اندر ہندوستان کے مختلف اہرین تعلیمات (خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد حبیب، سجاد مرزا صاحب، پروفیسر عبدالمنفور وغیرہ) کے ٹھوس تعلیمی خطبے اور مقالے مختلف تعلیمی عنوانات پر ملیں گے۔ پروفیسر عبدالغفور صاحب نے شگفتہ زبان میں ہندوستان کی متعدد ذہنی اور تعلیمی تحریکوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ مجموعہ اُن لوگوں کے کام کا ہے جو مسائل تعلیم سے کسی حیثیت سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں، اور اسکا دائرہ افادہ صرف جامعہ ملیہ کے متعلقات تک محدود نہیں۔ شروع میں دو تحریریں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے قلم سے ہیں۔

(۴) **مجلّہ عثمانیہ**۔ (جلیل نمبر) مرتبہ اردو حسن الدین احمد صاحب ایم اے (عثمانیہ)۔ ضخامت ۲۹۴ صفحات۔ قیمت درج نہیں غالباً للعرب۔ پتہ:- منیجر مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

جلیل (جانشین امیر مینائی) اس دور آخر کے ایک بڑے جلیل القدر شاعر گزرے ہیں۔ انکا کلام قدیم رنگ تغزل کا نہایت عمدہ نمونہ تھا۔ اور وہ خود نہ صرف اُستادی کا مرتبہ رکھتے تھے، بلکہ صحیح معنی میں امام فن بھی گزرے ہیں۔ ضرورت تھی کہ انکی یادگار میں کسی ادبی رسالہ کا کوئی اچھا ضخیم و جامع نمبر نکالا جائے۔ اس ضرورت کو مجلہ عثمانیہ کے اس نمبر نے پورا کردیا، اور یادگار منانے کا حق ادا کردیا۔۔۔ گو ناشناسان کلام جلیل تو ہر صورت ہر علمی یادگار کو تشنہ اور ناکافی ہی پائیں گے۔

مجموعہ ادبی، تنقیدی، سوانحی ہر حیثیت سے بعض اچھے اچھے مقالات کا حامل ہے۔ چند لمحے جلیل کے ساتھ، جانشین امیر مینائی، ذکر جلیل، جلیل اہل فن کی حیثیت سے، جلیل کا رنگ تصوف، حکمت، وغیرہ متعدد مضمون پڑھے اور پڑھنے کے قابل ہیں البتہ پرچہ کا ادبی معیار شروع سے آخر تک یکساں نہیں کہیں کہیں زبان کی ایسی غلطیاں نظر پڑیں جو بلیغ جیسے زبان داں کے یادگار نمبر کے لیے تو بہت ہی افسوسناک ہیں۔ صحت کتابت و طباعت کا بھی زیادہ اہتمام نہیں رکھا گیا ہے (گویا اس لحاظ سے صدق کا پرتو اس قابل قدر کوشش پر بھی پڑ گیا!)

بہرحال یہ دیکھ کر کہ پرچہ محض طلبہ کا مرتب کیا ہوا ہے اسکی نامیاں نظرانداز کرنے کے قابل اور اسکی خوبیاں ہرطرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔ یہ پرچہ ہر اُس شخص کی نظر سے گزرنے کے قابل ہے، جو کلام جلیل یا امیر مینائی کے دبستان شاعری بلکہ خود اردو نظم و سخن سے دلچسپی رکھتا ہو۔

(۵) **رمضان اینیول** (انگریزی) اڈیٹر محمد مکی۔ صفحات دو سو سے اوپر مع اشتہارات و تصاویر بہ کثرت۔ کاغذ و طباعت اعلیٰ۔ قیمت ۲۱ شلنگ سالانہ پتہ:- ڈربن۔ جنوبی افریقہ۔

جنوبی افریقہ سے یہ سالنامہ رمضان، انگریزی زبان میں مشہور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کے زیرنگرانی اور محمد مکی صاحب کی ادارت میں نکلتا ہے سالنامہ بابت ۱۳۶۷ھ پیش نظر ہے۔ کاغذ، چھپائی، کثرت تصاویر، کثرت اشتہارات سب انگریزی ذوق کی، اور انگریزی معیار کے مطابق ہیں۔ مضامین کا تنوع اور انکی معنوی سطح اوسط درجہ کی ہے، اور مخاطبین کے لیے فی الجملہ مفید ہی ہے لکھنے والے مسلمانوں کے علاوہ متعدد غیرمسلم بھی ہیں ایک مضمون بہتر تہ پر بیٹی تھے ڈاکٹر سانیتن صاحب کے قلم سے ہے۔ اسمیں نامن پا

ہے کہ ابو طالب کا ذکر تو تفصیل کے ساتھ ہے اور حضرت ابوبکر کا نام ہی سرے سے غائب ہے! یہ مضمون یقیناً نگران اعلیٰ کی منظوری کے بغیر ہی شایع ہوا ہے۔ پرچہ میں یہ اطلاع پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آیندہ سے یہ سالنامہ علیگڈھ کے مشہور مبلغ اسلام حافظ فضل الرحمٰن انصاری ایم اے، پی ایچ ڈی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی کے ہاتھ آجائیگا۔

(۶) **فائیو پلرز** FIVE PILLARS یعنی ارکان خمسہ (انگریزی سہ ماہی رسالہ) بابت جولائی ۴۶ء ایڈیٹر محمد مکی صاحب بابت نومبر ۴۶ء ۲۴ صفحے۔ اڈیٹر حافظ فضل الرحمٰن انصاری (علیگ)۔ ۸۴ صفحے۔ قیمت ۱۲ شلنگ۔ پتہ:- ڈربن جنوبی افریقہ۔

پرچہ کا مقصد تبلیغی ہے، اور یہ پرچہ مولانا عبدالعلیم صدیقی کی نگرانی میں نکل رہا ہے جولائی نمبر کے مضامین بھی اچھے ہیں، اور نومبر نمبر کے اس سے بہتر اور دلچسپ تر۔

تصویروں کی اشاعت اور اشتہارات کی کثرت ایسے دینی پرچہ پر بہت ہی بدزیب معلوم ہوتی ہے، لیکن حیرت ہے کہ نومبر نمبر میں نگران اعلیٰ کے ایک مضمون کے ساتھ (جو دیکھیے میں ذاتی گوشت کی حرمت پر ہے) خود انکی تصویر بھی شامل ہے! چو کفر از کعبہ الخ۔

(۷) **البلاغ** (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی عبدالقدوس ہاشمی ندوی۔ بڑی تقطیع مصور۔ ۲۰ صفحے۔ قیمت سالانہ عـــہ پتہ:- دفتر البلاغ دارالشفاء۔ حیدرآباد دکن۔

مولوی سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی حیدرآبادی سیاسی اور ملی مسائل پر ایک ممتاز و سنجیدہ لکھنے والے ہیں۔ اقبال کی ترجمانی اور پاکستانی نقطۂ نظر کی تشریح۔ انکے قلم کا حصہ ہے۔ یہ پہلا نمبر ظاہری اعتبار سے مولانا ابوالکلام والا البلاغ ہے۔ اور حصۂ مقالات میں مقالہ بھی سب سے پہلا اور بڑا اُنہیں کے قلم کا (اُنکے نام کی تصریح کے بغیر) ولادت نبوی پر البلاغ سابق سے لیکر درج ہے۔ سیرۃ نبوی سے متعلق بعض ضروری سنین، اسلامی مرکز میں افغانی کا پیام، وغیرہ کئی مضمون اسی قبیل کے ہیں۔ گو مضمون اسلامی مرکز اپنے بعض جزئیات کے لحاظ سے محققانہ نہیں۔ یہ پہلا نمبر بھی بہ حیثیت مجموعی قابل مطالعہ اور مستحق سفارش ہے، لیکن آیندہ نمبر توقع ہے کہ اس سے بھی بہتر، اور جو معیار اڈیٹر صاحب کے نام سے ذہن میں آتا ہے اسکے مطابق ہونگے۔

(۸) **الحسنات** (ماہنامہ) مدیر ابوسلیم محمد عبدالحی صاحب بی اس سی۔ ضخامت ۴۳ صفحے۔ قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر رسالہ الحسنات ریاست رامپور (یو۔پی)

اسکا صرف ایک نمبر، یعنی نمبر۳ وصول ہوا ہے۔ کسی ایک نمبر سے پوری اور قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ بہرحال رسالہ دینی قسم کا ہے، اور زبان سلیس و عام فہم زبان ہے، اصل مقصد لوگوں میں مذہبی احساس کی بیداری معلوم ہوتی ہے۔ مذہب کے علاوہ بعض مضامین سائنس اور علم جغرافیہ و تاریخی معلومات پر بھی ہیں۔ مذہبی مضامین اچھے ہیں، لیکن بعض جگہ کیطرفہ یا نامکمل بیان سے حقیقت ذرا مشتبہ ہوکر رہ گئی ہے۔ مضمون سرورِ عالم میں "دیکھیے اور سوچیے" کی تکرار تکیہ کلام کی حد تک پہونچ گئی ہے۔ ایک حصہ غالباً مستقل طور پر تفسیر کا ہوتا ہے۔

(بقیہ برصفحہ)

موت اور مرکزِ وجود

(از غلام محمد صاحب بی اے (عثمانیہ) حیدرآباد دکن)

شاعر مشرق اقبال مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

فرشتۂ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

شعر کوئی پیچیدہ نہیں، بار بار پڑھا یا سنا ہوگا اور اس کی معنویت پر غور بھی ممکن ہے کہ کیا ہو۔ جیسے شارحین اقبال نے اپنے اپنے ذاق کے مطابق "اقبال کے تصور موت وحیات" پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن یہاں ایک عالم متبحر اور عارف باللہ حضرت اشرف علی تھانوی کے چند جملے جو ٹھیک ٹھیک اسی عنوان سے متعلق ہیں نقل کیے جاتے ہیں — اقبال مرحوم کے شعر ذہن میں محفوظ کرکے ان عبارت سادہ حقائق کو پڑھتے اور سمجھتے چلیے، تو بات دل میں اترتی چلی گی کہ واقعی موت کا فرشتہ صرف بدن ہی کو چھوتا ہے "وجود کے مرکز" سے اسکا کوئی سروکار نہیں — سنیے اور خوب غور سے سنیے:۔

"لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مر کر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا پڑ جاتا ہے اور تمام لذات سے محروم ہو جاتا ہے، سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ یاد رکھو موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے، روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف روح کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اسکے بعد یہ سمجھو کہ لذت سے منتفع ہونے والا کون ہے؟ کیا آپ کے نزدیک یہ بدن ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح منتفع و متلذذ ہوتی ہے اور جسم اسکے لیے بمنزلہ آلہ و مرکب ہے اور یہ روح موت کے بعد بھی علیٰ حالہ باقی رہتی ہے بلکہ اب اسکی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے۔ اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے، تو اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یوں سمجھے کہ میں گدھا ہوں۔ سو اسکا تو کوئی علاج نہیں۔ صاحب آپ کی حقیقت وہ ہے جسکو آپ "میں" سے تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ اب غور کیجیے کہ اس "میں" کا مصداق کیا چیز ہے؟ کیا آنکھ، ناک، یا منہ اور ہاتھ پیر کو "میں" کا مصداق کہہ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں، ورنہ چاہیے کہ ان اعضاء کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے اور یہ غلط ہے۔ رہے اور اعضائے شریفہ اور قوائے شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ، ممکن ہے کہ آپ انکو "میں" کا مصداق کہیں تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اسکا مصداق نہیں ہیں کیونکہ آپ انکو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں کہ میرا دل گھبرا گیا، میری عقل میں یوں آتا ہے وغیرہ وغیرہ اور اضافت علامت مغایرت ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں بلکہ آپ کی روح ہے۔ اور گو وہاں بھی اضافت ہوتی ہے کہ "میری روح" مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہے کہ یہی حقیقت ہے، اس لیے یہ اضافت مجازیہ ہے اور دوسرے اعضاء و قوتوں میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں، اور ایک [illegible] بعد موت قلب نہ رہے گا اور آپ ہونگے۔ صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیزیں نہیں، اس لیے یہ اضافت حقیقیہ ہے —— بہرحال آپ کی حقیقت روح ہے اور اس پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بعینہٖ اپنے حال پر قائم رہتی ہے، اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہو جاتا ہے۔ روح کا مرکب دوسرا جسم بنتا ہے جسکو جسم مثالی کہتے ہیں۔ اب روح اس جسم کے ذریعہ سارے انتفاعات و لذات حاصل کرتی ہے اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جسکو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں، یعنی موت کے وقت جو چیز الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ نسمہ ہے اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر بہت لطیف ہے اور اسکو اس جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے جیسا [illegible] بیان کیا ہے۔ یعنی وہ نسمہ مقدار و ہیئت و شکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے اور وہ شبیہ بھی ہے ورنہ جسم لطیف تو عرش ہے اور یہ جوہر) اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے ہے اور موت کے وقت الگ ہو جاتا ہے۔ جو جسم مثالی ہے جو موت کے بعد روح حقیقی کا مرکب بنا ہے اور یہ جسم مثالی گو مادی ہے مگر اس جسم سے زیادہ لطیف و قوی ہے اور روح حقیقی جو حقیقت میں انسان ہے وہ مادہ سے بالکل مجرد ہے۔ وہ نہ اس وقت جسم کے اندر ہے اور نہ موت کے وقت اس سے الگ ہوتی ہے بلکہ وہ [illegible] ہمیشہ سے الگ رہتی ہے اور اسکی تدبیر کرتی رہتی ہے [illegible] متکلمین [illegible] اسکے تجرد کا انکار کیا ہے مگر اس بارے میں فلاسفہ کا قول [illegible] اور صوفیہ کا کشف بھی اسکے موافق ہے [illegible] البتہ فلاسفہ کا اسکو [illegible] بالکل غلط اور خلاف نص ہے — غرض یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان میں ایک اصل چیز ہے اور حقیقت میں وہی انسان ہے موت کے بعد وہ اپنے حال پر رہتا ہے اس کی قوت و صفات میں کچھ کمی نہیں آتی بلکہ پہلے سے کچھ ترقی پر ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ گو روح کو فنا نہیں آتی مگر جسم سے تو تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو جو انتفاع روح سے بواسطہ جسم ہو سکتے تھے وہ تو اب نہ ہو سکینگے۔ اسکا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ موت کے بعد جسم مثالی مرکب بنتا ہے جو اس جسم عنصری سے لطیف اور قوی تر ہے وہ سب لذات سے منتفع ہوتا ہے، جسکے مقابل میں یہاں کی لذات ہیچ ہیں ......

بہرحال موت حقیقت میں ڈرنے کی چیز نہیں بلکہ وہ تو "تحفۃ المومن" ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو مومن کا تحفہ فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ موت درحقیقت رغبت کی چیز ہے، گھبرانے کی چیز نہیں۔ اور جو گھبراہٹ ہے اسکا اصل سبب موت کی حقیقت سے جہل و غفلت ہے — ہاں جبکی بہت عارفین اہل اللہ کو بھی موت سے پریشانی ہوتی ہے، وہ اپنے گناہوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ فکر البتہ سخت ہے اور یہ فکر اچھی بھی ہے — یہ تو ضرور ہونا چاہیے"
(وعظ مسمّٰی بہ "خیر الحیات و الممات")

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) غضنفر علی خاں صاحب۔ (کنڈلواڑی۔ دکن) مضمون نگار کو جو حسن ظن اپنے مضمون سے ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ ایڈیٹر بھی اس میں شریک ہو۔